

تخریج شدہ مع اضافات جدیدہ

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام



شیخ الحدیث مولانا

عبدالحق عسکری حیدری

مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ امیر احمد رضا

پاکستان

[illegible]

تخریج شدہ مع اضافات جدیدہ

تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام

شیخ الحدیث علاقائی

عبدالرزاق بھٹراوی حطاروی غفرلہ العالی

متم جامعہ جامعہ ہلال علوم کربلا راولپنڈی

مکتبہ املہ احمد رضا کڑی روڈ
راولپنڈی



جامعہ جامعہ مہر العلوم

Ph: 051-4480039
Cell: 0321-5098812

مرکز اعلیٰ تعلیم

حوالہ نمبر
تاریخ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میں نے اپنی تمام تصنیفات کی طباعت کا اختیار اپنے داماد مولانا محمد اسحاق ہزاروی ابن محمد بنارس کو دے دیا ہے۔ وہ چاہیں تو کسی کو طباعت کی اجازت دیں، چاہیں تو روک دیں۔ میں نے اپنی کسی کتاب، کسی رسالے، کسی عربی حاشیہ، کسی اردو حاشیہ کے حقوق کسی پر نہیں فروخت کئے۔
بعض کتب کی کسی ادارے کو چھاپنے کی اجازت دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہوں بلکہ تمام تصنیفات کے حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

عبدالرزاق بہتر الوی
ابن قاضی عبدالعزیز رحمہ اللہ

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید و فرقان حمید و برہان رشید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں وعد و وعید اور احکام کا ذکر فرمایا ہے وہاں انبیائے کرام کے واقعات کو بھی جا بجا بیان فرمایا ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے تذکرے میں کفار کے بیہودہ اور باطل اعتراضات کے جوابات دینا، انبیائے کرام پر نازل ہونے والے نعمتوں کا ذکر کرنا، مصائب و آلام پر صبر کرنا اور اہل ایمان کے لئے پختگی ایمان جیسی حکمتیں وغیرہ مضمون ہیں۔

اس سے قبل بھی اس عنوان پر مختلف زبانوں میں کتابیں لکھی گئیں مگر روایات و احوال کے بیان میں اتنی کوتاہ بینی کا مظاہرہ کیا گیا کہ کئی ضعیف واقعات کو انبیائے کرام کی طرف منسوب کر دیا گیا جو کہ ان ہستیوں کی شان میں باعث تنقیص و توہین ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک ایسی جامع مانع اور مستند کتاب ہو جس میں تقدیس الوہیت، شان رسالت و نبوت کا ملحوظ خاطر رکھا گیا ہو اور ان من گھڑت روایات کا رد بھی سنجیدہ انداز میں ہو۔

محقق العصر شیخ التفسیر والحدیث استاذی المکرم علامہ عبدالرزاق بھٹو الہی طاروی دامت برکاتہم القدسیہ..... اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے..... نے اس کی کوپور فرمادیا۔ قبلہ استاذ المکرم اہلسنت کی وہ معروف و مشہور شخصیت ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔ متعدد درسی پر حواشی اور غیر درسی کتب و قرآن مجید کی مشہور زمانہ تفسیر ”نجوم الفرقان“ عوام و خواص میں آپ کی بے پناہ مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کا طرز اسلوب سادہ و نشین، عام فہم اور انتہائی آسان ہے۔ قاری پر برس پڑنے کے بجائے پیارے انداز میں دلائل کے ذریعے بات سمجھاتے ہیں۔ افراط و تفریط کے مابین دھیمے انداز میں اپنے مذہب و مسلک کا بھرپور دفاع بھی فرماتے ہیں۔

”تذکرۃ الانبیاء“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں آپ نے قرآن مجید میں جا بجا بکھرے ہوئے انبیائے

کرام کے احوال کو احادیث اور مستند تفاسیر کی روشنی میں قلم بند فرمایا ہے نیز انبیائے کرام کی طرف منسوب غیر معتبر قصے اور اسرائیلی واقعات میں بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے ساتھ ساتھ ادیان باطلہ اور گمراہ فرقوں کے رد میں دلائل قاہرہ پیش فرمائے ہیں۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کنز الایمان کی فوقیت کو بھی واضح فرمایا۔

کراچی کے کچھ معترضین نے اس بات پر اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں فرشتوں کے تھک جانے کی نفی ہے تو اسلئے حدیث کا معنی..... جبریل علیہ السلام تھک گئے..... کرنا درست نہیں۔ قبلہ استاذ المکرم نے دلائل کے ذریعے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ معراجیہ سے شعر نقل کر کے نیز مقتدر علمائے اہل سنت کے تراجم کی تائید پیش کر کے ان کے اس اعتراض کا مسکت جواب ارشاد فرمایا جو کہ ص 700 میں بصورت اعتراض و جواب موجود ہے۔

- اس کتاب کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک اس کتاب کے درجن سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مگر اس کتاب کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس جدید ایڈیشن کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:
- ① عربی عبارات اور اس کے ترجمہ کو اوپر نیچے لکھنے کے بجائے آمنے سامنے لکھا گیا ہے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔
- ② عربی عبارات کو اعراب سے مزین کیا گیا ہے تاکہ عوام بھی بھرپور مستفیض ہو سکیں۔
- ③ قرآنی آیات کے اختتام پر گول دائرہ کے بجائے آیت کا نشان اور نمبر دیا گیا ہے۔
- ④ سورت پارے اور رکوع کی مکمل نشان دہی کی گئی ہے۔
- ⑤ اس کتاب کی حتی المقدور تخریج بھی کئی ہے یعنی کتاب کا نام 'مصنف' جلد نمبر اور صفحہ نمبر دائیں طرف کے بجائے ہر صفحے کے نچلے حصے میں لائن لگا کر سیاہ نشان کے ساتھ اس کی نمبرنگ بھی کی گئی ہے۔ بار بار مطبوعہ لکھنے کے بجائے کتاب کے آخر میں فہرست مآخذ و مصادر دے دی گئی ہے۔
- ⑥ کتاب کے حجم کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- ⑦ تفسیر نجوم الفرقان غیر مطبوعہ سے کئی ایک مقامات پر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔
- ⑧ کتاب کے اندر بہت زیادہ لائن سپیس رکھنے کے بجائے مناسب سپیس رکھا گیا ہے۔
- ⑨ جدید تقاضوں کے مطابق کتاب کا بارڈر ختم کیا گیا تاکہ کم صفحات بن سکیں۔
- ⑩ مناسب کاغذ کے ساتھ ساتھ قیمت بھی کم کر کے انتہائی مناسب رکھی گئی تاکہ اس مہنگائی کے دور میں کتاب ہر شخص کی قیمت خرید سے باہر نہ ہو۔

کتاب کی تیاری میں جن حضرات کا تعاون ہمارے ساتھ رہا ان کا تذکرہ نہ کرنا احسان فراموشی ہے۔ اس کتاب کی

کمپوزنگ میں مولانا تیمور حسین سنی رضوی صاحب اور مولانا مدثر ظہیر سنی رضوی صاحب نے دن رات محنت سے کام کیا۔ ہمارے جامعہ کے مدرس مولانا حافظ طارق حسین صاحب نے حوالہ جات کی تخریج میں بھرپور تعاون کیا۔

قبلہ استاذی المکرم نے اپنا انتہائی قیمت وقت صرف کر کے بڑی محنت کے ساتھ پروف ریڈنگ کے ساتھ ساتھ نظریاتی بھی فرمائی۔ ہر لمحہ ہر قدم پر مفید مشوروں سے بھی نوازا اور ہر قسم کا تعاون بھی فرمایا۔

لجپال باپ کی لجپال اولاد جناب محترم حافظ ثار احمد قادری ابن بقیہ السلف یادگار اسلاف علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ..... اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت فرمائے..... جنہوں نے مکتبہ کے قیام سے لیکر اب تک ہماری ہر عرض پر لبیک کہا، ہر طرح سے ہمارے ساتھ ہر قسم کا تعاون بھی فرماتے ہیں اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے ہیں اور بڑی محبت اور شوق سے کام کرتے ہیں..... نے کتاب کی تیاری اور سرورق میں مدد فرمائی۔

محترم عزیزم محمد مقرب سنی..... جو مکتبہ امام احمد رضا کے سیکرٹری ہیں..... نے کتب خانہ کے معاملات میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور کتب خانہ کو وقت دینے سے مجھے فارغ رکھا اور مولانا محمد عرفان سجاد نے بھی بڑی محنت سے میرے ساتھ کام کیا۔ مذکورہ بالا حضرات کو اللہ تعالیٰ بالخصوص اور باقی حضرات..... جنہوں نے جس طرح سے تعاون کیا، مفید مشوروں سے نوازا..... کو بالعموم اللہ تعالیٰ اجر جمیل عطا فرمائے اور تمام کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم کا شعبہ نشر و اشاعت مکتبہ امام احمد رضا..... جو قلیل عرصے میں کثیر معیاری کام کر چکا ہے..... اس کتاب کو شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ استاذ المکرم کی تمام کتب کا عظیم مرکز ہے۔ ادارہ کی ہر ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ معیاری کتاب چھاپ کر سستے داموں عوام و خواص تک پہنچائی جائے تاہم بقاضائے بشریت کے کوئی کوتاہی نظر آئے تو ادارے کو..... E-Mail..... SMS..... یا تحریری طور پر خط کے ذریعے سے ضرور مطلع فرمائیں۔ ادارہ آپ کے مفید مشوروں اور آپ کی پاکیزہ آراء کا منتظر رہے گا۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

حافظ محمد اسحاق ہزاروی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم و مکتبہ امام احمد رضا

شکریال راو پلنڈی

﴿اجمالی فہرست﴾

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
275	حضرت یونس علیہ السلام	6	عرض ناشر
282	حضرت داؤد علیہ السلام	27	پیش لفظ
300	حضرت سلیمان علیہ السلام	35	مقدمہ
339	حضرت حزقیل علیہ السلام	40	حضرت آدم علیہ السلام
342	حضرت اشمونیل علیہ السلام	85	حضرت شیث علیہ السلام
350	حضرت عزیر علیہ السلام	86	حضرت ادريس علیہ السلام
353	حضرت دانیال علیہ السلام	89	حضرت نوح علیہ السلام
356	حضرت شعیب علیہ السلام	106	حضرت ابراہیم واسماعیل واسحاق علیہم السلام
369	حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام	148	خانہ کعبہ کی تاریخ
449	قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون	154	حضرت لوط علیہ السلام
478	حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام	166	حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام
559	حیات عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات و جوابات	240	حضرت ہود علیہ السلام
574	عقیدہ ختم نبوت	252	حضرت صالح علیہ السلام
608	سید الانس والجان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	263	حضرت ایوب علیہ السلام
752	مختصر حالات از مدارج النبوۃ	270	حضرت ذوالکفل علیہ السلام
762	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت و وصال	271	حضرت یسع علیہ السلام
780	فہرست مآخذ و مراجع	272	حضرت الیاس علیہ السلام

﴿ تفصیلی فہرست ﴾

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
45	آدم علیہ السلام کو نام سکھائے فرشتوں کو نہیں کیا وجہ؟	6	عرض ناشر
46	آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا	27	پیش لفظ
47	علم کے فضائل عقلیہ و نقلیہ	35	مقدمہ
48	سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بہت بڑے فوائد.....	35	قرآن پاک میں انبیاء کے اسمائے گرامی
50	حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش	36	انبیائے کرام کی تعداد
51	جسم آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لی گئی	36	رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد
51	کیسی مٹی لی گئی؟	36	نبی کے کہا جاتا ہے؟
51	زمین میں چشمے کیوں جاری ہوئے؟	37	معجزہ ابراہیمؑ کرامت معونت استدارج اہانت
52	انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟	38	کون نبی نہیں ہو سکتے؟
52	آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے	39	نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں
53	آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی	39	انبیائے کرام اخلاق عظیمہ کے مالک
54	فرشتوں کو جہدے کا حکم	39	نفس نبوت میں تمام انبیاء برابر ہیں
55	آدم علیہ السلام خلیفہ حقیقی	40	حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم
56	فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟	40	مشورہ کرنے کی حکمت
56	اہلیس کی اصل کیا ہے؟	40	حدیث مرفوع
57	فرشتوں کو جن کیوں کہا گیا	42	خلیفہ بنانے کا مقصد
57	اہلیس تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا	42	مسلمانوں کی زیوں حالی کی وجہ
58	شیطان کی درخواست کی منظوری	43	مشورہ طلب کرنے پر فرشتوں کا سوال
59	شیطانی دوسوں کے اثر ہونے یا نہ ہونے.....	44	آدم علیہ السلام کے علوم

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
78	آدم وحواء علیہم السلام کی ملاقات	59	پہلا گروہ
79	آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں دعاء	59	دوسرا گروہ
79	آدم علیہ السلام کی اولاد	60	تیسرا گروہ
80	آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا	60	چوتھا گروہ
80	آدم علیہ السلام نے نیاز کا مشورہ دیا	60	پانچواں گروہ
81	آخر کار قاتل نے ہاتل کو قتل کر دیا	60	شیطان نے اپنی بخشش کا موقع گنوا دیا
81	قتل کے بعد قاتل کی دنیا میں ذلت	61	ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں؟
82	قاتل کا اخروی عذاب	61	حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش
82	بیٹے کے قتل پر آدم علیہ السلام کا غم	62	آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر
82	قتل کے بعد قاتل کی پریشانی	62	قانون قدرت اور قانون عادت
83	لاش چھپانے میں کوئے کی معاونت	63	درخت سے منع کرنے میں حکمت
83	کوئے نے کیسے معاونت کی	64	آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی
84	آدم علیہ السلام کی وفات	65	شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب؟
84	آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی	66	شیطان نے دوسرے کیوں ڈالا؟
85	حضرت شیث علیہ السلام	66	شیطان پھسلانے پر کیسے قادر ہوا؟
86	حضرت ادريس علیہ السلام	66	شیطان کیسے دوسرے ڈالتا ہے؟
86	حضرت ادريس علیہ السلام کا نسب	67	شیطان نے کہاں سے دوسرے والی گفتگو کی؟
86	حضرت ادريس علیہ السلام کی ایجادات	69	انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں
87	ادريس علیہ السلام کا آسمانوں کی طرف اٹھایا جانا	74	آدم وحواء علیہم السلام کا زمین پر تشریف لانا
87	دوسرا معنی	75	آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے؟
89	حضرت نوح علیہ السلام	75	نام محمد علیہ السلام سے دل کو تسلی
89	حضرت نوح علیہ السلام کی عمر	75	آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش
89	نوح علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ کی؟	77	آدم علیہ السلام کی توبہ
91	نوح علیہ السلام کا قوم پر کیا اثر ہوا؟	77	آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی؟
91	نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا ہر طریقہ آزمایا	78	توبہ کس دن قبول ہوئی؟

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
109	ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا ہونے پر شاندار دلیل	92	قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے
110	ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا	92	قوم نوح کے ایمان نہ لانے کی وجہ
111	ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کا رد فرمایا	93	حضرت نوح علیہ السلام کا جواب
113	ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا	94	نوح علیہ السلام کی قوم پر ابتدائی وبال
117	تشریح حدیث	94	اللہ کے نبی کی شفقت
117	پہلا ارشاد گرامی "انی سقیم"	95	قوم نے نوح علیہ السلام کو کیا کیا القابات دیئے؟
118	دوسرا ارشاد گرامی "بل فعلہ کبیرہم"	96	نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکیاں اور سختیاں
118	پہلی وجہ دوسری وجہ	97	نوح علیہ السلام کی دعاء
119	تیسری وجہ چوتھی وجہ	98	قوم کی ہلاکت کی دعاء آپ نے کیوں کی؟
119	پانچویں وجہ چھٹی وجہ	98	رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا
120	ساتویں وجہ	99	کشتی کا ڈیزائن
120	انبیائے کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے	99	کشتی کیسی تھی؟
120	آپ علیہ السلام کا تیسرا ارشاد	99	کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد
120	بتوں کے توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا	100	کشتی کو دیکھ کر قوم کا مزاح کرنا
121	ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ	100	طوفان کا آغاز تنور سے ہوا
121	آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا	100	کشتی پر سوار ہونے اور دعاء پڑھنے کا حکم
122	وہ کیسی آگ تھی؟	101	کتنا عظیم طوفان تھا
122	آگ میں ڈالنے کے لئے شیطان کی راہنمائی	101	کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا
122	زمین و آسمان کی مخلوق کی فریاد	102	نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا غرق ہو گیا
122	فرشتوں نے امداد کرنے کی اجازت طلب کر لی	103	نوح علیہ السلام کی بیٹے کے حق میں دعاء
123	ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل	104	نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ بھی غرق ہو گئی
123	چھٹی کا آگ کو پھونکیں دینا	104	طوفان کی انتہاء
123	ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر	105	کشتی جو دی پہاڑ پر کیوں رکی؟
124	ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟	106	ابراہیم و اسمعیل و اسحاق علیہم السلام
125	نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا	106	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
141	ابراہیم علیہ السلام کی قربانی	125	نمرود رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود.....
142	قربانی کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر	125	ابراہیم علیہ السلام نے تمام باطل معبودوں کا رد کیا
142	امتحان کی وجہ	127	ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ
142	تین دن ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا	127	تمام روئے زمین کے چار بادشاہ
142	صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟	128	نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟
142	انبیائے کرام کے خواب تین قسم	128	ابراہیم علیہ السلام کی رب کے متعلق دلیل
143	بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ	128	نمرود کی بے وقوفی
143	ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی	130	ریت غلہ بن گئی
144	اسماعیل علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کا مشورہ دینا	130	نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم
145	دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟	130	نمرود اور اس کی قوم کا انجام
148	خانہ کعبہ کی تاریخ	131	ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا
148	آدم علیہ السلام کی تعمیر	131	مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا
148	ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا	131	پہلی وجہ دوسری وجہ تیسری وجہ
149	ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد	133	مردے زندے ہوتے ہوئے دیکھا دیئے
149	قریش کی تعمیر	134	تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟
150	حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر	134	چار کا حکم دینے کی وجہ
150	کعبہ کی موجودہ تعمیر	135	سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ
151	مقام ابراہیم و حجر اسود	135	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا
152	مقام ابراہیم پر ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ کھڑے ہوئے	136	فلسطین میں خوشحالی
154	حضرت لوط علیہ السلام	136	حضرت سارہ کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ سے نکاح
154	یہ معنی نبی کی شان کے منافی ہیں	137	ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعاء
155	لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد	137	اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت
155	لوط علیہ السلام کی ہجرت	138	اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور اسماعیل علیہ السلام بڑے
155	لوط علیہ السلام نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی	138	اسماعیل اسحاق اور یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے
155	آپ علیہ السلام نے قوم کو کہا:	139	ہاجرہ اور اسماعیل علیہم السلام کا سرزمین حرم چھوڑنا

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
172	یوسف علیہ السلام کا کنویں میں حال	156	لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں
174	بیٹے روتے ہوئے واپس لوٹے	158	مساک کون سے مواقع میں مستحب ہے؟
176	یوسف علیہ السلام کا کنویں سے باہر آنا	158	مساک کے متعلق ارشادات مصطفویٰ ﷺ
176	حسن یوسف علیہ السلام	158	مساک کے مستحب اوقات
176	بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کھوٹے سکوں سے پہچانا	159	لوط علیہ السلام کی زوجہ
177	یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو الوداعی سلام	159	عذاب والے فرشتوں ہ آنا
177	یوسف علیہ السلام کا والدہ کی قبر پر رونا	160	ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ
178	یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی	161	فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا
179	یوسف علیہ السلام کا بازار مصر میں سودا	161	پناہ طلب کرنے کا مطلب
180	یوسف علیہ السلام ناز و نعمت میں	162	فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب
180	تین شخصیات کی فراست	163	لوط علیہ السلام کورات کو نکل جانا
181	یوسف علیہ السلام ایک مرتبہ پھر امتحان میں	163	تنبیہ
182	خدا را! اپنی عاقبت پر ہاد نہ کیجئے	163	الانگاہ
183	عورت کی گواہی، گواہ کی گواہی	166	حضرت یعقوب و یوسف علیہ السلام
184	اللہ کی گواہی	166	یعقوب علیہ السلام کے بیٹے
184	پہلی وجہ دوسری وجہ تیسری وجہ چوتھی وجہ	167	یوسف علیہ السلام کا خواب دیکھنا
185	ابلیس کا اقرار	167	آپ کے خواب کی تعبیر
185	علامہ رازی رحمہ اللہ کی فیصلہ کن بات	168	خواب بیان کرنے سے منع کرنا
185	یوسف علیہ السلام پر عورت کا الزام	168	یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد
186	عورت نے ظاہری طور پر برائی کو آپ کی طرف منسوب نہیں کیا	169	دو بیٹوں سے زیادہ محبت کیوں؟
187	یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر دلالت کرنے والی علامات	169	بھائیوں نے راہ سے ہٹانے کی ٹھان لی
187	یوسف علیہ السلام کے بری ہونے پر گواہی	170	ایک بھائی قتل کرنے سے منع کرتا تھا
188	عزیز مصر کی عورت پر مصر کی عورتوں کا طعنہ	170	جنگل میں لے جانے کے لئے بھائیوں کا حیلہ
188	عزیز کی زوجہ کا عذر عجیب انداز میں	171	بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو تیار کرنا
189	پہلی وجہ دوسری وجہ تیسری وجہ	171	بھائیوں کے مظالم

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
218	بڑے بھائی کا مصر میں رہنا اور دوسروں کو واپس بھیجنا	189	یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مورتوں نے.....
219	حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا	190	ہاتھ کاٹنے کی وجہ جمال یوسف پر فریفتہ ہونا
220	یعقوب علیہ السلام کے رونے کی عجیب حکمت	191	ہمارے نبی کریم ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین
221	بیٹوں نے آپ علیہ السلام کی پریشانی کو دیکھ کر کہا	191	یوسف علیہ السلام کا قید خانے کی دعاء کرنا
222	یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش کے لئے بیٹوں کا بھیجنا	193	دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا
224	یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا	195	یوسف علیہ السلام کا تعبیر بیان کرنا
225	بھائیوں کی معذرت اور آپ کو معاف کرنا	196	یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس ذکر کرنے.....
227	قیس کی روانگی اور یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آنا	196	مقرنین کے لئے قوانین عی اور ہیں
230	بیٹے کا آپ علیہ السلام سے معافی طلب کرنا	197	بادشاہ کو خواب آنا
230	یعقوب علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی مصر میں آمد	198	بادشاہ کے خواب کی تعبیر
235	یوسف علیہ السلام کی خواب کا پورا ہونا	199	بادشاہ کا بلانا اور آپ علیہ السلام کا انکار
236	یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کتنا خیال رکھا	201	قید خانے سے نکل کر روزِ یخزاندہ اور روزِ بر اعظم
237	اپنے والد مکرم کو شاہی مقامات دیکھائے	202	مسائل
237	یعقوب علیہ السلام کی وفات اور قبر	203	یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی
237	یوسف علیہ السلام کی وفات	203	آپ علیہ السلام کی حکومت کے اثرات
238	یوسف علیہ السلام کی قبر	205	عزیز مصر کی زوجہ کی مراد کا پورا ہونا
239	یوسف علیہ السلام کی اولاد	206	غلہ لینے کے لئے آپ کے بھائیوں کا جانا
240	حضرت ہود علیہ السلام	207	یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی رقم واپس کر دی
241	حضرت ہود علیہ السلام کی آمد و رفت	208	چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کی درخواست
241	حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ فرمائی؟	209	یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدابیر
243	قوم عاد کی طاقت اور ان کے کام	211	بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات
243	لوگوں کے ساتھ تسخیر کے لئے بلند نشان بناتے	213	بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ
244	رہنے کے لئے مضبوط محل بناتے	215	پریشانی میں بھائیوں کا کلام
244	دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے	216	یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیسے؟
245	ڈنڈے سے مارنا ناجائز ہے	217	بنیامین کی بازیابی کی درخواست مسترد

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
264	فرشتوں میں آپ کی بلندی شان کا چرچا	246	ہود علیہ السلام کی قوم کے جوابات
264	آزمائش کی گمراہیاں	248	ہود علیہ السلام کا قوم کو چیلنج
265	مشکل کا ساسھی	248	ہود علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے ڈرایا
265	ایوب علیہ السلام کا بے مثال صبر	249	عذاب کا خوف دلانے پر قوم کا جواب
266	زوجہ کی غلطی پر ناراضگی کا اظہار	250	قوم نے عذاب کو رحمت سمجھا
266	آزمائش کا وقت ختم ہوتا ہے	250	قوم عاد پر عذاب کیا آیا
267	چشمہ شفاء	252	حضرت صالح علیہ السلام
267	مال و اولاد واپس مل گئے	252	حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا
268	زوجہ کی مشکل رب تعالیٰ نے آسان کر دی	253	دنیا میں تم نے ہمیشہ نہیں رہنا
270	حضرت ذوالکفل علیہ السلام	254	آپ کی تبلیغ سے دو فریق بن گئے
271	حضرت یسع علیہ السلام	254	قوم نے آپ کو کیا جواب دیا
272	حضرت الیاس علیہ السلام	255	آپ نے قوم کو جواب دیا
272	حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ہر سال ملاقات	256	قوم نے صالح علیہ السلام کو جادوگر کہا
272	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور الیاس علیہ السلام کی ملاقات	257	مختصر واقعہ قوم ثمود
272	آپ نے قوم کو کہا	258	اوٹنی کی کوچیں کاٹ دیں
273	قوم الیاس کا بت	259	عذاب سے پہلے تین دن
273	شہر ہلک	259	سب کی رضامندی سے ایک شخص نے کوچیں کاٹیں
275	حضرت یونس علیہ السلام	259	صالح علیہ السلام کے شہید کرنے کا منصوبہ
276	قوم یونس علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا دن	261	قوم ثمود کے کفار پر عذاب الہی
277	یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں	261	صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے
277	چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح	263	حضرت ایوب علیہ السلام
279	دعا نہ کرے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہے	263	علیہ مبارک
280	مچھلی کے پیٹ میں آپ علیہ السلام کی دعا	263	آپ کے اوصاف
280	مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا	264	مال و دولت کی فراوانی
280	مچھلی کے پیٹ سے باہر آ کر	264	آزمائش سے پہلے اولاد

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
309	”ہد ہد“ کا لشکر سے غائب ہونا اور تخت بلیقیس کی خبر لانا	282	حضرت داؤد علیہ السلام
310	”ہد ہد“ کی واپسی	282	داؤد علیہ السلام کی عبادت
311	”ہد ہد“ تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہے	282	داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا ذکر
311	سلیمان علیہ السلام پر غلی کیوں؟	283	داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کا ذکر
311	سہاشر کے متعلق	284	پہاڑ اور پردے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع
312	بلیقیس اور اس کی قوم کا مذہب	286	اشراق یا چاشت کی رکعات
313	”ہد ہد“ کی بات کی تحقیق	287	آپ کی بادشاہی کا بدبہ اور اثر خطاب
314	بلیقیس کی طرف سلیمان علیہ السلام کا خط	288	پراثر خطاب فیصل
314	بلیقیس نے خط کو عزت والا کہا	288	لوہے کا آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں نرم ہو جانا
315	انبیاء کرام کے خطوط کے مضامین	289	انبیائے کرام کا مقام بہت بلند ہے
316	بلیقیس کا خط کے متعلق مشورہ	292	داؤد علیہ السلام کا اصل واقعہ
316	بلیقیس کا جنگ کو ناپسند کرنا	296	نتیجہ واضح ہوا
317	ہد یہ بھیجنے کی وجہ	297	داؤد علیہ السلام کی خلافت اور عدل و انصاف کا حکم
317	ہد یہ کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام کا جواب	300	داؤد علیہ السلام کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام
318	سلیمان علیہ السلام کا بلیقیس کا تخت منگوانا	301	سلیمان علیہ السلام پر عروں کی بولیاں سمجھتے
319	تخت کی طلب میں حکمت	302	”ہوا“ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی
320	اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا	303	سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کا چتر
320	اللہ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ ہے	303	سلیمان علیہ السلام کا لشکر
321	امتحان کبھی مصیبت اور کبھی آسائش سے لیا جاتا ہے	304	سلیمان علیہ السلام کے تخت کے متعلق غیر معجزہ تھے
321	شکر کرنے میں انسان کا اپنا بھلا	305	غیر معجزہ نمبر 1، غیر معجزہ نمبر 2
321	تخت لانے والا کون تھا؟	305	غیر معجزہ نمبر 3، غیر معجزہ نمبر 4
322	بلیقیس سلیمان علیہ السلام کے دربار میں	305	سلیمان علیہ السلام کا چوٹی کا کلام سن کر مسکراتا
323	اتنی عظیم عورت سورج پرست کیوں رہی؟	307	چوٹی کے کلام میں عجیب حکمت
323	بلیقیس کا چمکدار فرش کو پانی سمجھنا	307	انسان چوٹی سے کم عقل کیوں؟
325	غیر یقینی واقعات	307	چوٹیوں کی سمجھداری

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
353	حضرت دانیال علیہ السلام	326	گزشتہ سے پیوستہ
354	دانیال علیہ السلام کے ویلے سے بارش کا برسا	326	رب کی یاد کے لئے گھوڑوں سے محبت
354	دانیال علیہ السلام کی دعاء	328	ایک مشہور لیکن غیر معتبر واقعہ
355	فائدہ	329	سلیمان علیہ السلام کا "انشاء اللہ" کہنا بھول جانا
356	حضرت شعیب علیہ السلام	331	سلیمان علیہ السلام کے حق میں یہود کی گستاخی
356	شعیب علیہ السلام کی مدین کو تبلیغ	332	سلیمان علیہ السلام کی دعاء
358	شعیب علیہ السلام نے اپنے قوم کو کہا	333	سلیمان علیہ السلام کے فیصلے
359	حلال مال میں ہی بھلائی ہے	334	دو عورتوں کے جھگڑے میں فیصلہ
360	قوم کا بطور طنز جواب	334	وضاحت حدیث
360	آپ نے کہا: میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں	335	دیو آپ علیہ السلام کے تابع
361	نہی کی مخالفت عذاب کا سبب ہے	336	سلیمان علیہ السلام کی وصال
362	قوم کے جوابات	338	مَوْتُ الْعَالَمِ مَوْتُ الْعَالَمِ
362	قوم کی حماقت پر تعجب	339	حضرت حزقیل علیہ السلام
363	منکبر سرداروں نے کہا	339	حضرت حزقیل علیہ السلام کی کنیت
363	فیصلہ کن بات	339	حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب
364	اللہ تعالیٰ کے عذاب کا آنا اور مدین کی تباہی	341	فائدہ
365	شعیب علیہ السلام اور اصحاب ایکہ	342	حضرت اشموئیل علیہ السلام
367	شعیب علیہ السلام کی مینائی ضائع ہونے کی وجہ	343	بادشاہ کے لئے طاقت کا انتخاب
367	کیا نبی ماریٹا ہو سکتا ہے؟	344	علم اور طاقت ہا شاہت کے لئے اسباب کیوں؟
369	حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام	345	عورت اور بادشاہت
369	بنی اسرائیل	346	طاقت کی بادشاہت پر تابوت کا بطور نشانی آنا
369	حضرت موسیٰ علیہ السلام	347	قوم کی آزمائش
369	حضرت ہارون علیہ السلام	349	قوم کو آزمانے کی وجہ
370	"سامری" کا نام بھی موسیٰ تھا	349	داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا
370	فرعون	350	حضرت عزیز علیہ السلام

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
402	جادو گروں کا آنا	371	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے
402	موسیٰ علیہ السلام کی جادو گروں کو تبلیغ	371	بنی اسرائیل کے بچوں کا ذبح کرنا
403	موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا مقابلہ	372	موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش
406	فائدہ جلیلہ	375	والدہ اور بہن کی بے قراری
407	نتیجہ حاصل ہوا	376	پرورش آپ کی ماں کے ذمے
408	فرعون کی جادو گروں کو دھمکی	378	موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو گھونسا مارنا
408	نومسلموں کا فرعون کو جواب	379	شیطان کی طرف قتل کو منسوب کرنے کی وجہ
410	فرعون کو قوم کے سرداروں کا ڈرانا	380	قتل کا راز ظاہر ہونا
411	بنی اسرائیل کا ڈرنا اور موسیٰ علیہ السلام کا تسلی دینا	381	ایک تجربے نے موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا
412	فرعون کی قوم کا مشورہ	382	موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف ہجرت کرنا
413	فرعون کا سختی مارنا	382	موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر
414	موسیٰ علیہ السلام کا جواب	383	شعیب علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو طلب کرنا
415	ایمان چھپانے والے شخص نے کہا	385	شعیب علیہ السلام کا بیٹی کو مشورہ
421	فرعون اور اس کی قوم قحط سالی میں جلاء	386	شعیب علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو شادی کی پیشکش
422	مختلف قسم کے عذاب	387	مدت کی تکمیل کے بعد مصر واپسی
424	بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم	390	رب تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام کو ارشادات
426	صبح ہونے پر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی طرف روانگی	391	موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا ہونا
427	موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں عصا مارنے کا حکم	393	فرعون کو تبلیغ کا حکم
428	فرعون کا غرق ہونے پر ایمان لانا اور توبہ قبول نہ ہونا	394	موسیٰ علیہ السلام کی دعاء
429	بنی اسرائیل کی ناشکری	395	دونوں بھائیوں کو حکم دیا
429	تورات لینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا	396	فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا
430	رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا	397	موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حکم سے کہا
431	قوم نے چھڑے کی پوجا شروع کر دی	400	فرعون کی دھمکی
432	چھڑے کے بولنے کی وجہ	400	موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں معجزات لے کر آیا ہوں
433	گھوڑی کے قدموں کے نشانات سے مٹی لینا	401	فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلے کے لئے کہا

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
465	خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟	433	واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی سرزنش کی
465	آپ علیہ السلام کو نبی ماننے والوں کے دلائل	434	سامری کی سزا
467	کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟	435	بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم
472	موسیٰ علیہ السلام کا انتقال	436	بنی اسرائیل کی پشیمانی کے بعد کج روی
473	فائدہ جلیلہ	437	قوم کا احکام خداوندی ماننے سے انکار
474	موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا	439	عمالہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی
475	تذکرۃ اسلاف کرام	440	بنی اسرائیل کی سرکشی کے باوجود ان پر انعامات
475	آہ! میرے والد مرحوم کے چچا زاد بھائی	441	من و سلوی کیا ہے؟
478	حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام	442	پھر سے پانی نکالنا
478	عیسیٰ علیہ السلام کی مانی کا نذر ماننا	442	میدان تیرے سے نجات اور ان کی سرکشی
479	بچی پیدا ہونے پر حسرت	443	من و سلوی سے اعراض اور ذلت کا تسلط
480	مریم کے کفیل زکریا علیہ السلام	446	گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ
484	اولاد کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعاء	448	بہت بھاری قیمت سے گائے حاصل کی گئی
485	زکریا علیہ السلام کا مخفی دعاء کرنا	449	گائے ذبح کرنے میں حکمت
486	بچے کی تمنا کیوں؟	449	قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون
487	زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت	452	قارون کا زمین میں دھنس جانا
489	بچی علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھا	454	موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ایذا سے بری کرنا
489	آپ کا نام بچی علیہ السلام کیوں رکھا	456	موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات
490	زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر تعجب ہوا	458	پھیلی زندہ ہونے کی جگہ لوٹنا
491	نشانی طلب کرنے کی وجہ	459	حضرت خضر علیہ السلام نے شرط عائد کر دی
492	بچی علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا	459	حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا
492	بچی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے انعامات	460	خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا
494	بچی علیہ السلام کی شہادت	461	خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا
496	زکریا علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا گیا	462	کاش! موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے
496	حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت	463	خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی وضاحت کرتے ہیں

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
520	مادرزادہ اندھے اور برص والے کو شفاء دینا	498	مریم مجسم کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا آنا
521	مردوں کو زندہ کرنا	500	حضرت مریم مجسم کا خوف
522	عازر بڑھیا کا بیٹا عاشر کی بیٹی سام بن نوح	500	جبرائیل علیہ السلام کا تسلی دینا
523	عیسیٰ علیہ السلام کو علوم غیبیہ عطاء کئے گئے تھے	500	حضرت مریم مجسم کی حیرت اور بڑھگئی
525	حوارین کا ایمان لانا	501	جبرائیل علیہ السلام کا جواب
525	حوارین کون تھے؟	502	عیسیٰ علیہ السلام حکم مادر میں
528	حوارین کا آسمانی طعام طلب کرنا	502	درد زہ کے وقت پریشانی میں اضافہ
530	عیسیٰ علیہ السلام کی مائدہ کے لئے دعا	504	کھانے پینے کا انتظام اور مزید تسلی
532	ارشاد باری تعالیٰ بجواب عیسیٰ علیہ السلام	505	واپسی پر لوگوں کی طعنہ زنی
533	یہودیوں کی سازش	507	حضرت مریم مجسم نے اشارہ بچے کی طرف کر دیا
536	ایمان والوں سے عیسیٰ علیہ السلام کا امداد طلب کرنا	507	علمی نکتہ
536	عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ	508	عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا
542	حیات عیسیٰ علیہ السلام	512	عیسیٰ علیہ السلام کے القابات
543	حیات عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل	512	آپ علیہ السلام کو "کلمہ" کیوں کہا گیا؟
546	چھ وجوہات	513	آپ علیہ السلام کو "مسح" کیوں کہا گیا
547	آہ! رحمت و شفقت سے محرومی	514	آپ علیہ السلام کو "وجیہ" کہا گیا
548	باقی وجوہات	515	آپ علیہ السلام مقربین سے ہیں
549	دوسری تاویل	515	مہداور کہولیت میں آپ کو حکم بنایا
551	توحیح مقام	516	آپ علیہ السلام کا ماحین سے ہونا
552	احادیث مبارکہ	517	عیسیٰ علیہ السلام کا لقب "روح"
557	مقام توحہ	518	"روح القدس" سے آپ علیہ السلام کی امداد کی گئی
558	حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہ کرام سے	519	آپ علیہ السلام کو کتاب و حکمت عطاء کی گئی
559	معجزات و حیات عیسیٰ علیہ السلام پر سولہ اعتراضات و جوابات	519	عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات
574	عقیدہ ختم نبوت	519	پرندے بنانا
575	ختم نبوت کا عقیدہ	520	آپ علیہ السلام نے چمگاڑ بنائی

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
622	حقیقت محمدیہ ﷺ موجودات عالم میں جاری و ساری ہے	577	نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویدار..... مرتد
623	حقیقت محمدیہ ﷺ کیا ہے؟	583	ختم نبوت کے عقلی دلائل
625	نبی کریم ﷺ پاک نسلوں سے تشریف لائے	588	عیسیٰ کے متعلق باطل نظریات
626	نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری	590	تمثیل کے قائلین
626	پیر کے دن کو نبی کریم ﷺ سے تعلق	590	مکانیہ فرقہ کا قول
626	نور منتحل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا۔	591	نسٹور حکیم کا قول
627	نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے	591	بعض نسٹوریہ کا قول
628	نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول میں پیدائش میں حکمت	591	یعقوبیہ فرقہ
629	نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار	591	یعقوبیہ میں بعض نے کہا
629	محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت	591	کچھ دوسرے حضرات نے کہا
630	نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت کا تذکرہ فرمایا	592	اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کا رد فرمایا
630	اس دن کی فضیلت کی وجہ سے سارا مہینہ ہی فضیلت والا ہے	596	سر سید احمد خان کا باطل نظریہ
635	نبی کریم ﷺ کا نسب شریف	599	عیسائیوں کا من گھڑت عقیدہ
636	والدہ کا نسب شریف	603	رب تعالیٰ کے استفسار پر عیسیٰ علیہ السلام کا جواب
636	حضور ﷺ کھڑے تھے	606	عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ
637	آپ ﷺ کے والدین کی قبریں ایک جگہ	608	سید الانس و الجان حضرت محمد ﷺ
637	حضور ﷺ کے چچا	609	خلق اول نور محمدی ﷺ
638	صرف دو چچا نے اسلام قبول کیا	612	نبی کریم ﷺ کا نور و بشر ہونا
638	نبی کریم ﷺ کی پھوپھی	613	نبی کریم ﷺ کی نورانیت کا ثبوت قرآن پاک سے
638	نبی کریم ﷺ کی دادیاں	618	عوام حضور ﷺ کو صرف بشر نہ کہیں
639	نبی کریم ﷺ کی نانیاں	618	توضیح
639	رضائی والدہ	619	خلاصہ کلام
639	پرورش کرنے والی	620	امتناع نظیر
639	آپ ﷺ کے رضائی بہن بھائی	620	مقدمات
640	آپ ﷺ کی ازواج مطہرات	621	خلاصہ کلام

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
678	آپ ﷺ کی اولاد مطہرہ	641	نبی کریم ﷺ کی سخاوت کی ایک جھلک
678	حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام انبیائے کرام سے افضل	643	تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے؟
679	نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خزانے تقسیم کرتے ہیں	652	انبیاء کرام احکام سے محفوظ
679	نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء ضحیٰ قبر سے محفوظ	653	نبی کریم ﷺ کے استغفار کرنے کی وجہ
681	نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نہیں	653	حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے کئی حج اور ہجرت کے بعد ایک
681	نبی کریم ﷺ شیطان سے محفوظ	655	نبی کریم ﷺ کا اظہار عجز
683	نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتیں ہیں دل جاتا ہے	656	نبی کریم ﷺ کی عبودیت رسالت و نبوت سے افضل ہے
684	حضور ﷺ آفتہ شدہ پیدا ہوئے	657	گناہ گاروں کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت
685	نبی کریم ﷺ کو چار ہزار افراد کی طاقت دی جائے گی	657	تمام خزانوں کی چابیاں حضور ﷺ کو دی گئیں
686	وصو سے گرے ہوئے پانی میں شفاء تھی	657	زمین کے مشارق و مغارب دکھائے گئے
686	نبی کریم ﷺ کی نماز قضاء ہونے میں حکمت	659	آپ ﷺ تمام اخلاق ہیں
687	مسجد نبوی ﷺ میں نماز ادا کرنا	661	نبی کریم ﷺ کے ہاتھ ریشم سے نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار
688	نبی کریم ﷺ کی قبر کا مقام عرش اعلیٰ سے بلند	663	آپ ﷺ کا پسینہ خوشبودار اور باعث برکت
689	نبی کریم ﷺ کی خوبصورت اور بلند آواز	663	نبی کریم ﷺ کو پسینہ زیادہ آتا تھا
690	رب تعالیٰ کے تمام خزانے نبی کریم ﷺ کے پاس	664	پسینہ کی خوشبو سے پتہ چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں
690	نبی کریم ﷺ درود کا جواب دیتے ہیں	665	نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے برکت اور شفاء حاصل کرنا
691	درود پاک ذکر خدا بھی ہے	666	نبی کریم ﷺ کی عجز و انکساری
693	نبی کریم ﷺ کے بھولنے میں حکمت	669	عبودیت کو پسند فرمایا بلوکیت کو نہیں
696	نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ثواب مکمل.....	670	ابتداء وحی
698	نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن	671	آپ ﷺ کے پاس فرشتے کی آمد
700	قرآن کو خلق کیوں کہا؟	671	اعتراض
700	نبی کریم ﷺ کو زندگی حاصل ہے	672	اجمالی جواب تفصیلی جواب
701	نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا حکم	675	عربی لغت "المعجم الوسیط" دیکھئے
701	فرض و علی صدقے میں فرق کیوں؟	676	یعنی شرح بخاری دیکھئے
702	ملک بدلنے سے صدقہ ہدیہ بن جاتا ہے	677	مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے حدیث پاک کا ترجمہ یوں کیا

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
727	قرآن پاک میں کوئی اختلاف نہیں	702	مفتی محمد شریف الحق امجدی کا ترجمہ و تشریح دیکھئے
723	آیت مذکورہ کی تفسیر غور و فکر سے کی جائے	702	مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا ترجمہ دیکھئے
728	ذاتی غیب کی نفی ہے	702	حاصل جواب
728	اللہ تعالیٰ کا علم غیب قدیم اور لامحدود ہے	703	انبیائے کرام کو عام آدمی کے برابر نہ سمجھیں
728	حضور ﷺ کا علم غیب حادث محدود اور عطائی ہے	703	موسیٰ علیہ السلام سے عزرائیل علیہ السلام عاجز آگئے
729	نبی کریم ﷺ کے علم کی وسعت صرف رب جانتا ہے	703	اعلیٰ حضرت ﷺ فرماتے ہیں: جبریل تمک گئے
730	اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا	704	راقم نے کہا
731	نور و ایمان کے بغیر انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے	704	گھر آ کر کھل اوڑھانے کا مطالبہ
731	مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان کیا	706	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جواباً عرض کرنا
732	فساد پھیلانے والوں کو خدا کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا	707	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو ورقہ بن نوفل.....
733	نبی کریم ﷺ کا مقام ادب	708	نبی کریم ﷺ کے سر جھکانے پر صحابہ کرام نے.....
733	نبی کریم ﷺ کی شعر کو شعید کہنا کفر ہے	709	رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل ہونے والا بد بخت
734	کفار ڈرتے ہوئے آپ پر عیب لگاتے	709	آپ ﷺ کی انگلیوں سے نکلا ہوا پانی زحرم اور کوثر.....
735	شان نزول	712	آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے
735	نبی کریم ﷺ کی شان میں وہ لفظ استعمال کرنا منع ہے.....	713	نبی کریم ﷺ کو درخت اور پتھر سلام کہتے
736	نبی کریم ﷺ کو قیر	714	نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور ابو جہل کی ذلت
738	صحابہ کرام کا ادب	714	معراج کی رات جبرائیل تعارف کیوں کر رہے تھے
739	صحابہ کرام اور اہل بیت کی تعظیم نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے	716	حضور ﷺ کا معراج جاگتے ہوئے تھا
741	خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ	717	غلطی کی وجہ
741	اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد	718	روح کی چار قسمیں
742	نبی کریم ﷺ کی جائے نماز سے تبرک حاصل کرنا	718	نبی کریم ﷺ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا
743	حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد	721	نبی کریم ﷺ کو کان و ما یکنون کا علم دیا گیا
744	نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا	722	علم غیب نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے
745	نبی کریم ﷺ کا مریض کی عیادت کرنا	723	عطائی غیب قرآن پاک سے ثابت ہے
747	نبی کریم ﷺ کے سامنے تکبر کی سزا	726	علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
757	سراقہ کا زمین میں دھنسن جانا	747	نبی کریم ﷺ سے بچوں کو کھٹی ڈلوانا
757	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ محبت	748	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد
758	قدرت باری تعالیٰ	748	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا گم ہونا
758	عارث اور پر کفار کی آمد اور مایوسی	750	نبی کریم ﷺ کا بدر میں کفار کے قتل ہو کر گرنے کی.....
758	کلام الملوک ملوک الکلام	751	نبی کریم ﷺ کا بدر کے مقتولوں سے کلام کرنا
758	سید الانبیاء ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں فرق	752	مختصر حالات از مدارج النبوت
759	نکتہ	752	حضور ﷺ پر سب سے پہلے فرض
759	عارث اور سے مدینہ طیبہ کی طرف کوچ فرمانا	752	آپ ﷺ کی دعوت پر پہلے اسلام لانے والے
760	قیام کے لئے انصار کی خواہش اور حضور ﷺ کا ارشاد	752	دعوت و تبلیغ
761	حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام	753	حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا
762	نبی کریم ﷺ کی علالت و وصال	753	قریش کا عہد نامہ اور حضور کا شعب ابی میں مقید ہونا
762	دسال کی خبر	753	ابوطالب کی وفات
763	مرض کی ابتداء	754	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات
763	شدت مرض	754	طائف میں تبلیغ
764	انبیاء کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا گیا تھا	754	جنات کی بیعت
764	نبی کریم ﷺ کا رب تعالیٰ سے ملنے کی دعا کرنا	754	مدینہ منورہ سے انصار کی آمد
765	نبی کریم ﷺ کے مرض کا ابتدائی وقت	755	معراج اور نماز
765	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امامت کا حکم فرمانا	755	دوسرے سال مدینے سے اور حضرات کا آنا
766	قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت	755	حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ کی دعوت اور آپ کا جواب
766	رحلت کی رات چراغ میں تیل نہیں تھا	755	صحابہ کرام کی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت
767	انصار کے حق میں وصیت	756	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتظار کرنے کا حکم
768	مسواک کرنا	756	حضور ﷺ کے متعلق کفار کا مشورہ
768	نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا	756	سید الانبیاء ﷺ کی ہجرت کفار کی ذلت
769	ملک الموت کا اجازت طلب کرنا	756	شان صدیق و حیدر رضی اللہ عنہما
770	حضرت قاطرہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خبر دینا	757	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امتحان میں کامیابی

صفحہ	عناوین	صفحہ	عناوین
775	کفن دینے کی وصیت	771	جبرائیل علیہ السلام کی مزاج پرسی
775	حضور ﷺ کی نماز جنازہ	772	حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا اظہار غم
776	نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر	772	حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بے قراری
777	شیعہ کا اعتراض باطل	772	غیبی آواز سے اہل بیت کو مزید صبر کی تلقین
777	دفن کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب	773	صحابہ کرام کا غم میں مبتلا ہونا
778	قبر کو لحد بنایا گیا	773	ابوبکر صدیقؓ کی شدت غم میں ثابت قدمی
778	نبی کریم ﷺ کی تدفین	774	تنبیہ
778	قبر میں امت کو یاد کرنا	774	نبی کریم ﷺ کے غسل کا ذکر
779	قائدہ	779	نیک لوگوں کے قریب دفن کرنا بہتر ہے

موت کا منظر

مع

احوال حشر و نشر

مصنف

شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

جدید طباعت کے ساتھ منظر عام پر آ رہی ہے۔

ناشر: مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ راولپنڈی

بسم الله الرحمن الرحيم

..... پیش لفظ

”الحمد لك يا رب العالمين والصلوة والسلام عليك يا رحمة للعالمين!“

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے پیغام کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، اور بے شمار درود و سلام ہوں حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ذات اقدس پر کہ:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے قلب اطہر پر اپنا مقدس کلام نازل فرمایا: جو... قرآن عظیم ہے... کتاب مجید... فرقان حمید ہے... برہان رشید... نور مبین ہے... محور دین ہے... ذکر حکیم ہے... صراط مستقیم ہے... منبع ایمان ہے... سرچشمہ ایمان ہے... مرکب جود و سخا ہے... بحر لطف و عطاء ہے... منبع رشد و ہدایت ہے... بحر علوم و حکمت ہے... ہر شے کا روشن بیان ہے... خزانہ علم و عرفان ہے... وعظ و نصیحت کی کتاب ہے... معرفت کا آفتاب جہاں تاب ہے... اس کے عجائب کا شمار نہیں... اس کے فضائل کی انتہاء نہیں... یہ رب العالمین کا کلام ہے... فلاح حقیقی کا پیغام ہے... اس میں ہر مرض کی شفا ہے... یہ ہر فرد کا راہنما ہے... یہ سامان نجات ہے... دلوں کے زنگ کا علاج... کامل ترین فلسفہ حیات ہے... اور اس کی تلاوت باعث اجر و ثواب ہے۔

قرآن حکیم کے علوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

اول... علوم العقائد دوم... علوم الاحکام سوم... علوم التذکیر

گویا قرآن حکیم... انسانوں کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے... اور انہیں صحیح عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کے احکام دیتا ہے... نیز اصلاح فکر و عمل کی طرف راغب کرنے کے لئے... پچھلی امتوں کے احوال بیان فرماتا ہے... جیسا کہ کئی

سورتوں میں متعدد انبیائے کرام کی حالات..... سورۃ المؤمن میں آل فرعون سے ایک مسلمان کا واقعہ..... سورۃ یسین میں ایک مرد مومن کا ذکر..... سورۃ القلم میں باغ والوں کا واقعہ..... سورۃ البروج میں کھائی والوں کا تذکرہ اور..... سورۃ الکہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

ان احوال و واقعات کے بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔ اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے چند نکات عرض کرتا ہوں:

①: اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کا ذکر محبوب ہے اس لئے اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جا بجا اپنے پیارے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

”اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی۔ ہم جسے چاہیں (علم و حکمت و نبوت کے ساتھ) درجوں بلند کریں بیشک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے۔ اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی۔ اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو (بھی فضیلت دی) اور ہم نے انہیں جن لیا اور سیدگی راہ دکھائی“۔ ①

②: اللہ عزوجل نے اپنے حبیب حبیب ﷺ کو بھی انبیائے کرام ﷺ کا ذکر فرمانے کا حکم دیا تاکہ کہ انبیائے کرام ﷺ کا ذکر حضور ﷺ کی سنت ہو جائے اور یہ ذکر سن کر لوگ ان نفوس قدسیہ کی پاک خصلتوں سے نیکیوں کا ذوق و شوق حاصل کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صالحین کے ذکر سے رحمت الہی نازل ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے حوالے سے صدر الافاضل شیخ التفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”یہ بہت سے عجائب و غرائب اور حکمتوں اور عبرتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دین و دنیا کے بہت فوائد اور سلاطین و رعایا اور علماء کے احوال اور عورتوں کے خصائص اور دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر اور ان پر قابو پانے کے بعد ان سے تجاوز کرنے کا نفیس بیان ہے جس سے سننے والے میں نیک سیرتی اور پاکیزہ خصائل پیدا ہوتے ہیں“۔ ③

الانعام: 87-83 ترجمہ کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

تفسیر خزائن العرفان بر ترجمہ کنز الایمان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کے متعلق چند آیات کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(یونس: 71، کنزالایمان)

”اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ“

(الشعراء: 69، کنزالایمان)

”اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی۔“

(ص: 17، کنزالایمان)

”اور ہمارے بندے داؤد و نعمتوں والے کو یاد کرو۔“

(ص: 41، کنزالایمان)

”اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو۔“

”اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب، قدرت اور علم والوں کو۔“ (ص: 45، کنزالایمان)

(ص: 48، کنزالایمان)

”اور یاد کرو اسماعیل اور یسوع اور ذاکفل کو۔“

”اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس رسول آئے۔“ (یونس: 13، کنزالایمان)

”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔“ (البقرہ: 30)

انبیائے سابقین علیہم السلام کے احوال بیان کرنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافروں کی طرف سے ڈالے گئے مصائب و تکالیف پر صبر کرنا آسان ہو جائے۔ ارشاد ہوا:

”اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“ (ہود: 120، کنزالایمان)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

”اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذا کی پانے پر، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں۔“ (الانعام: 34، کنزالایمان)

مزید فرمایا گیا:

- ”اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا (یعنی مذاق) کیا گیا (کافر) ان سے ہنتے تھے۔ ان کی ہنسی ان کو لے بیٹھی، تم فرما دو! زمین میں سیر کرو پھر دیکھو! کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟“ (الانعام: 10-11، کنزالایمان)

اہل کتاب نے آقا، مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے مختلف سوالات کئے جن کے جواب میں رب تعالیٰ نے بعض واقعات وحی فرمائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں، بیشک ہم نے اسے

(الکہف: 83-84 کنز الایمان)

زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطاء فرمایا۔

گذشتہ امتوں کے حالات و واقعات بیان کرنے میں کافروں کے اعتراضات کا جواب دینا اور انہیں لا جواب کرنا بھی مقصود تھا۔ ارشاد ہوا:

”اور مشرک بولے، اللہ چاہتا تو اس کے سوا کچھ نہ پوجتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس سے جدا ہو کر ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے، ایسا ہی ان سے اگلوں نے کیا۔“
(النحل: 35)

دوسری جگہ فرمایا:

”اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے، تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے نہیں تو دیکھتے ہیں ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا اور بے شک آخرت کا گھر پر ہیزگاروں کے لئے بہتر ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔“
(یوسف: 39)

مزید ارشاد فرمایا:

”جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال اور اولاد تم سے زیادہ تو وہ اپنا حصہ برت گئے جیسے اگلے برت گئے اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے دو پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہی لوگ گھائے میں ہیں۔ کیا انہیں اپنے اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور وہ بستیاں کہ الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تھے، تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظالم تھے۔“
(التوبہ: 69-70)

سورة الاعراف میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم شعیب کے انجام کا ذکر کر کے فرمایا:

”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کئے پر عذاب میں گرفتار کیا۔“
(آیت: 69)

یہ بھی ارشاد ہوا:

”یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔“
(آیت: 31)

ان واقعات و احوال میں رب تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جو باعث عبرت بھی ہیں اور نصیحت کا ذریعہ بھی۔ اور ارشاد رب کریم ہے:

”یہ بستیوں کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں سناتے ہیں ان میں کوئی کھڑی ہے (کہ اس کے کھنڈرات باقی

ہیں) اور کوئی کٹ گئی (کہ اس کا نشان بھی باقی نہیں)۔

پھر فرمایا:

”بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“ (ہود: 33)

مزید ارشاد ہوا:

”اور عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کی کوتاہی (یعنی برے کام) ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہِ حق سے روکا اور انہیں سو جھٹاتا تھا (یعنی وہ عقل والے تھے)۔“

(العنکبوت: 38)

بنی اسرائیل کے منافرانوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کرنے کا حال بیان کر کے ارشاد فرمایا:

”تو ہم نے یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت۔“

(البقرہ: 66 کنزالایمان)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کا ذکر کر کے فرمایا:

”بیشک ہم نے اس سے روشن نشانی باقی رکھی عقل والوں کے لئے۔“

(العنکبوت: 53)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”وہ روشن نشانی لوط علیہ السلام کی قوم کے ویران مکان ہیں۔ جن کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔“ (خزان العرفان) اسی طرح ایک گمراہ پر عذاب نازل کئے جانے کا ذکر کے فرمایا گیا:

”یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں، تو تم نصیحت سناؤ کہ وہ دھیان کریں۔“ (الاعراف: 176)

سورۃ الشعراء میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات بیان فرما کر متعدد بار اس آیت کریمہ کی تکرار کی گئی: ”إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ“ ”بیشک اس میں ضرور نشانی ہے۔“ سورۃ یوسف آیت 111 میں ارشاد ہوا:

”بیشک ان کی خبروں سے عقل مندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن انہوں سے اگلے

قوموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔“ (کنزالایمان)

﴿6﴾ قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین کو پیش آنے والے مصائب اور تکالیف کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان ایمان افروز واقعات کو پڑھ کر مومن اپنے ایمان کو مزید مضبوط کر لیں اور راہِ حق میں ہر طرح کی آزمائشوں کے لئے تیار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

”کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں، انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔“ (البقرة: 314)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

”کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ اور بیشک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ چوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔“ (العنکبوت: 3-2 کنز الایمان)

قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے تصرف و اختیار اور معجزات و کمالات کا بھی بیان ہے جس سے کفار کے باطل نظریات کا رد ہوتا ہے نیز ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بے مثل بشر ہیں ان کی طاقت و قدرت اور شان و عظمت عام انسانوں سے کہیں بلند و بالا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرمانا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونگ مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“ (آل عمران: 49)

انبیائے کرام علیہم السلام کے تبرکات کی فضیلت کے بارے میں ارشاد ہوا:

”اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس ایک تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھا لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔“ (البقرة: 228)

سورۃ النمل آیت ۱۹ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی گفتگو سننا، سورۃ یوسف آیت ۹۴ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پالینا اور سورۃ طہ آیت ۹۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا پورا ہونا اور سورۃ الکہف آیت ۶۵ میں حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطا کیا جانا مذکور ہے۔ جبکہ آقا و مولیٰ علیہ السلام کی اعلیٰ شان یوں بیان ہوئی ہے:

”اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ گفتگو نہیں کرتے مگر وحی جو انہیں جاتی ہے۔“ (النجم: 4-3 کنز الایمان)

قرآن عظیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات کے علاوہ بعض محبوبانِ خدا کی کرامات اور تصرفات بھی بیان

ہوئے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات اس کی واضح مثال ہیں، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے:

”جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس نیا رزق پاتے“ کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں: وہ اللہ کے پاس سے ہے، بیشک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے، یہاں پکارا زکریا (علیہ السلام) اپنے رب کو بولا: اے میرے رب! مجھے دے اپنے پاس سے سحری اودلاؤ بیشک تو ہی دعا سننے والا۔“

(آل عمران 37-38)

پس ان کی دعا قبول ہوئی۔ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کی کرامت بیان ہوئی ہے جنہوں نے وادی سبا (یمن) سے تخت بلقیس پلک جھکنے سے قبل بیت المقدس میں حاضر کر دیا تھا۔ سورۃ البروج میں کھائی والوں کے واقعہ سے بھی ولی کی کرامت ثابت ہوتی ہے جسے صحیح مسلم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵: انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال و واقعات کا بیان نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر واضح دلیل ہے
ارشاد پاری تعالیٰ ہوا:

”اور (کافر) بولے: اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے (یعنی حضور علیہ السلام نے) لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ تم فرماؤ! اے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔“

(الفرقان: 5-6)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

”یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے۔“ (ہود: 49)

مزید ارشاد فرمایا:

”یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔“ (یوسف: 32)

حضرت مریم علیہا السلام کے تذکرے میں ارشاد فرمایا:

”یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پردوش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔“

(آل عمران: 44)

یعنی باوجود ان کے پاس نہ ہونے کے ان تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کر دینا آقائے دو جہاں ﷺ کا معجزہ ہے اور جب آپ ﷺ کے سچے ہونے کا روشن ثبوت ہے۔ ”بَلَّكَ عَشْرًا كَامِلًا“

تاریخ سے دلچسپی رکھتے والے قارئین عرصہ دراز سے ایسی کتاب کی شدید کمی محسوس کر رہے تھے جو انبیائے کرام علیہم السلام

کے احوال پر مشتمل ہو اور جامع و مستند ہو۔ موجودہ دور کے عوام و خواص کو استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالرزاق بھٹرالوی دامت برکاتہم العالیہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنی گرانقدر تدریسی مصروفیات میں سے وقت نکال کر انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے پر مبنی کتاب تحریر فرمائی۔

حضرت مصنف مدظلہ العالی کی شخصیت اہل علم طبقے میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں 26 سال تک فیض علم تقسیم فرماتے رہے اور اب اپنے ادارہ ”جامعہ جماعتیہ مہر العلوم شکرپال راولپنڈی“ میں بصورت تدریس اور جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد میں بصورت وعظ و تقریر تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں۔ نیز متعدد درسی کتب پر حواشی کے علاوہ آپ نے کئی معرکۃ الاراء کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں تسکین البھتان فی محاسن کنز الایمان، شمع ہدایت اور موت کا منظر مع احوال حشر و نشر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے معتبر تفاسیر اور کتب احادیث کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔ امام رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ محمود آلوسی کی تفسیر روح المعانی کو اس کتاب کا اہم ماخذ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ حضرت مصنف مدظلہ نے باطل ادیان اور گمراہ فرقوں کے رد میں جا بجا دلائل قائم کئے ہیں اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منسوب غیر معتبر و غلط قصے کہانیاں کا بھی خوب رد کیا ہے۔

یہ کتاب حضرت علامہ مدظلہ کی تدریسی مہارت کی بھی آئینہ دار ہے امید ہے کہ اس سے عوام دینی مدارس کے طلباء اور علماء حضرات بھی یکساں استفادہ کریں گے۔ اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مصنف مدظلہ نے اکثر مقامات پر دیگر اردو تراجم کے مقابلے میں مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کی فوقیت بھی احسن انداز میں ثابت کی ہے۔

مختصر یہ کہ استاذی المکرم مفکر قرآن و حدیث حضرت علامہ عبدالرزاق صاحب بھٹرالوی مدظلہ نے تفاسیر و احادیث میں بکھرے ہوئے موتیوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و محبت کے خوبصورت ہار میں پرو کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ استاذی المکرم مدظلہ العالی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آپ کا سایہ اہل سنت کے سروں پر دراز فرمائے آپ کی اولاد کو بھی آپ کے نقش قدم پر چلائے اور اس کتاب کو نافع خلألق و توشہ آخرت بنائے۔

آمین بحاجہ النسی الکرم الامین

خاک پائے علمائے حق

محمد آصف قادری غفرلہ ولوالدہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

.....مقدمہ.....

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاءَ وَفَضَّلَ عَلَى جَمِيعِ الْخَلْقِ الْأَنْبِيَاءَ، وَدَفَعَ دَرَجَاتِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى نَبِيِّ الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَى صَحَابَتِهِ وَآلِهِ وَعَلَى الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ الْأَتْمِيَاءِ، أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ۚ بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے کہ جن میں سے کئی کے احوال تم سے بیان فرمائے اور کسی کے احوال بیان نہیں فرمائے۔ (سورۃ المؤمن 14:24)

قرآن پاک میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں اور ان کے حالات کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام ہیں لیکن ان کے حالات ذکر نہیں کئے گئے جیسے حضرت یسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام۔ اور بعض کے واقعات ذکر ہیں لیکن نام نہیں جیسے حزقیل اور حضرت شموئیل علیہم السلام۔ اور بعض کے نام بھی نہیں اور حالات بھی نہیں جیسے حضرت دانیال علیہ السلام۔

قرآن پاک میں انبیائے کرام کے اسماء گرامی:

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت شعیب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد:

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سب برحق تھے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے معین تعداد ذکر نہ کی جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ کم تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں زائد تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں کم ہوں۔ پہلی صورت میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم آئے گا۔ اس لئے دونوں صورتوں میں خرابی آتی ہے لہذا یہی بہتر صورت ہے کہ یہ ایمان رکھے: ”اے اللہ! تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر میرا ایمان ہے اور وہ برحق ہیں۔“ (از شرح عقائد)

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کا ہمیں یقین نہیں کیونکہ روایات مختلف ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کو تنبیہ بھی علم نہیں تھا۔ اسی طرح تفصیلاً انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو نہ ذکر کرے گا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ پر بذریعہ وحی کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات ظاہر نہیں کئے گئے اگر بذریعہ وحی آپ کو خبر دی جاتی تو ہمیں بھی علم حاصل ہوتا۔ یہ درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اپنے علم کا یہ عالم ہے:

”اِنَّهُ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى عَلَّمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيعِ مُغِيبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنْ اُمِرَ بِكُمُ اشْغَاؤُهَا“
 ”بیشک نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبی علوم عطا فرمادئے البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔“
 (تفسیر صادی، شیخ احمد صاوی ج 6 ص 2312)

رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد:

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض زیادہ مرتبہ والے نبی ہوئے ہیں جن کو رسول کہا جاتا ہے ان رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہے اور آسمانی کتابوں کی تعداد کل ایک سو چار (104) ہے۔ چار کے مستقل نام ہیں: توریت، انجیل، زبور، قرآن پاک اور ایک سو کے مستقل نام نہیں بلکہ ان کو ”صحیفے“ کہا جاتا ہے۔

نبی کسے کہا جاتا ہے؟

نبی کا لفظ یا تو ”نباؤة“ سے بنا ہے جس کا معنی ہوتا ہے بلندی مرتبہ اور یا لفظ بنا ہے ”نبا“ (باساکن) سے جس کا معنی

ہوتا ہے خبر دینا ظاہر کرنا۔ اور یا یہ لفظ بنا ہے ”نبأ“ (بساکن اور تاء زائد) سے جس کا معنی ہوتا ہے مخفی آواز۔

پہلے معنی کے لحاظ پر نبی کو ”نبی“ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ حق بات کو ظاہر کرتا ہے اور غیبی خبریں دیتا ہے اور تیسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ وحی کو سنتا ہے جو آواز دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اصل میں ”نبی“ (مہوز اللام بروزن فعیل) ہو تو اس وقت معنی ہوتا ہے راستہ۔ اس صورت میں ”نبی“ کو ”نبی“ کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور منزل مراد کو پانے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔ (نبراس بر شرح عقائد نسفی ص)

یہ تو لفظ ”نبی“ کے لغوی معنی تھے جو سب کے سب نبی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر نبی کی تعریف یہ ہے کہ: ”نبی آدم سے ہو یعنی انسان ہو نہ کر ہو آزاد ہو اس کی طرف وحی آئے اور لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچائے“ نیک لوگوں کو جنت کی بشارت دے اور کفار کو جہنم سے ڈرائے اور معجزات کے ذریعے اس کی نبوت کو تائید حاصل ہوتی ہے۔“

”رسول“ کا معنی پیغام پہنچانے والا بھیجا ہوا لیکن اصطلاح میں ”رسول“ اسے کہتے ہیں جسے کتاب بھی عطا ہو یا پہلی شریعت پر عمل کرنا ختم ہو چکا ہو تو از سر نو اسے پہلی شریعت کی تجدید کا حکم دیا جائے۔ ہر رسول نبی ضرور ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ تمام رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزہ کسے کہتے ہیں؟

معجزہ: عادت کے خلاف آلات کے واسطہ کے بغیر مدعی نبوت سے بعد از اعلان نبوت کسی کام کا خلاف عادت سرزد ہونا ”معجزہ“ کہلاتا ہے۔ عادت کے مطابق کام کرنے کا نام معجزہ نہیں جیسے تیز دوڑ کر دوسروں سے آگے نکل جانا، تیز نظر والے شخص کا کسی چیز کو اتنے دور سے دیکھ لینا کہ عام آدمی کو نظر نہ آ سکے۔ اس قسم کے کام معجزہ نہیں کہلاتے۔

آلات کے واسطہ سے عادت کے خلاف کام کرنے کا نام بھی معجزہ نہیں۔ ٹیلیفون کے ذریعے دور و دراز بات کر لینا، ٹیلی ویژن کے ذریعے کسی کی شکل دیکھ لینا وغیرہ اس قسم کے کام معجزات نہیں۔

معجزہ صرف نبی سے عادت کے خلاف ہونے والے کام کا نام ہے۔ غیر نبی نے کوئی کام حیرت انگیز کر دیا ہو تو اسے معجزہ کہنا جہالت و دیوانگی ہے جیسے آج کے دور میں عام کاموں کو معجزہ کہنا اکثر پڑھ لکھے بے وقوفوں میں رواج پا چکا ہے جو سراسر باطل ہے۔

ارہام: اعلان نبوت سے پہلے نبی سے عادت کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ”ارہام“ کہا جائے گا جیسے حضور نبی کریم ﷺ کو اعلان نبوت سے پہلے ہی پتھر سلام کیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کلام فرمایا۔

کرامت: اللہ کے ولی سے کوئی کام عادت کے خلاف واقع ہو تو اسے ”کرامت“ کہا جائے گا۔

معونت: عام مومن جو ولی نہیں اور فاسق بھی نہیں تو اس سے کوئی کام عادت کے خلاف ہو تو اسے ”معونت“ کہا جائے گا۔

استدراج: کافر یا فاسق کے ہاتھوں شعبہ بازی کا مظاہرہ عادت کے خلاف کام کرنے کو ”استدراج“ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں پہنچ جاتا ہے۔ استدراج کا مطلب ہوگا ”آگ کی طرف پہنچانا“ یہ اس وقت ہے جب یہ کلام اس کی غرض کے مطابق واقع ہوں۔

اہانت: کافر سے کوئی کام عادت کے خلاف سرزد ہو لیکن اس کی غرض کے خلاف ہو تو اسے ”اہانت“ کہتے ہیں جیسے مسلمانہ کذاب نے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہا تو کھلی کر کے پانی کنوئیں میں ڈالا تو وہ نمکین اور کڑوا ہو گیا۔ ایک شخص کی ایک آنکھ ضائع تھی اس پر ہاتھ پھیر کر درست کرنا چاہا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سحر (جادوگری): شریر لوگ اپنے خاص اعمال کے ذریعے شیاطین کی امداد سے کئی کام عادت کے خلاف واقع کرتے ہیں یہ ”سحر“ یعنی جادوگری ہے۔

تنبیہ: مخالفین کے چیلنج اور مطالبہ پر اور نبی کے دعویٰ پر معجزہ کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے لیکن کرامت کا وقوع ضروری نہیں۔

کون نبی نہیں ہو سکتے؟

”مؤنٹ“ کو نبی نہیں بنایا گیا کیونکہ تبلیغ دین ان سے ممکن نہیں۔ نبی کو گھر سے باہر مردوں کے ہجوم اور مجالس میں احکام الہیہ پہنچانے ہوتے ہیں یہ کام مؤنٹ سے نہیں ہو سکتے۔

”غلام“ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام دوسرے لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتا ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اسلئے اس سے تبلیغ احکام دین ممکن نہیں۔

جن اور فرشتے نبی نہیں بنائے گئے۔ جنس کا جنس سے فائدہ حاصل کرنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن دوسری جنس سے فائدہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اسلئے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نبی کا انسان ہونا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا ﴿٤﴾ (الانعام 7:7) ”اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے“

یہ ان کفار کو بتایا گیا ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ایمان سے محروم ہوتے تھے کہ ہم اس پر ایمان کیوں لائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نبی کی تعلیم سے فیض حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کو انسانی شکل میں بھیجا جائے تاکہ وہ لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ اگر فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے اصلی شکل میں دیکھنے کی انسانوں میں طاقت ہی نہ ہوتی اگر فرشتہ کو نبی بنایا بھی ہوتا تو انسانی شکل میں ہی آتا تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کر سکتے۔

نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں:

”نَعَبَ طَائِفَةٌ مِّنْ مُحَقِّقِي الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ إِلَى الْعِصْمَةِ مِّنَ الصِّغَانِيرِ كَالْعِصْمَةِ مِنَ الْكِبَائِرِ“
 ”فقہائے کرام اور متکلمین میں سے متینین کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے کہ انبیائے کرام بیچہ جس طرح قبل از نبوت اور بعد از نبوت کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہیں“
 (نیراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ ص 453)

انبیائے کرام اخلاق عظیمہ کے مالک ہوتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اعلان نبوت سے پہلے بھی ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق عطا کئے ہوتے ہیں تاکہ لوگ ان کے ماضی حال مستقبل پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں یعنی یہ پاکیزہ اخلاق ان کو تمام اوقات میں حاصل رہتے ہیں۔ شجاعت، بردباری، کریمانہ گفتگو وغیرہ ہر قسم کے اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور رذیل و گھٹیا کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

نفس نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں:

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نفس نبوت میں یعنی بحیثیت نبی ہونے کے برابر ہیں۔ ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کسی نبی کی نبوت اصلی ہو اور کسی نبی کی نبوت عارضی ہو بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت اصلی ہے۔ کسی نبی کی نبوت عارضی نہیں ہاں! البتہ درجات کے لحاظ سے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ علیہ السلام ہیں۔ دنیا میں تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے پہلے آنے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں تشریف لانے والے سیدنا و نبینا محمد مصطفیٰ علیہ السلام ہیں۔



حضرت آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں سے مشورہ کیا:
 وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً
 (سورة البقرة: 1:4)
 ”اور یاد کیجئے! جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب۔“

مشورہ کرنے کی حکمت: اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فرمانا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں معاذ اللہ ان سے اجازت طلب کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف مشورہ طلب کرنا تھا اور وہ بھی احتیاجی یا لاعلمی کی وجہ سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں بلکہ مشورہ طلب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس میں فرشتوں اور خلیفہ کا اکرام پایا جائے کیونکہ رب تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ طلب کرنے میں فرشتوں کی عظمت شان واضح ہوتی ہے اور خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے میں خلیفہ کی عظمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق سے پہلے ہی اس کا نورانی مخلوق میں ذکر ہو رہا ہے۔

حدیث مرفوع:

”إِنِّي رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى اسْتَشَارَنِي فِي أَمْرِي“
 ”بیشک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا“
 (مسند احمد ج 5 ص 393)

یہ مشورہ طلب کرنا بھی اسی حکمت کے پیش نظر تھا کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ کی امت کی عزت افزائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی یا احتیاجی کے طور پر معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے مشورہ نہیں کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا:
 ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ (سورة النساء: 8:5)
 ”آپ ان سے امور میں مشورہ کریں“

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ آپ صحابہ کرام کے مشورہ کے محتاج تھے بلکہ صحابہ کرام کی عزت افزائی کے لئے مشورہ کا حکم دیا گیا۔ ❶

اور اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کر لیا کریں۔

اعتراض: خلیفہ کا مطلب ہے پیچھے آنے والا اور نائب خلیفہ کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اصل خود اپنے کام کرنے سے عاجز ہو اصل کا عاجز ہونا یا اس کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس کے غیب ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا مرض تھکان وغیرہ کی وجہ سے۔ ان تمام معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنانا درست نہیں۔ وہ حسی لا یموت ہے۔ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اس پر موت کے وقوع کا تصور کرنا بھی محال ہے وہ شرگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ کہیں دور چلا جائے غیب ہو جائے یہ ہونا بھی ممکن نہیں کہ وہ مریض ہو جائے تھک جائے عاجز ہو جائے یہ بھی ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہاں خلیفہ کا معنی پیچھے آنے والا نہیں بلکہ نائب ہے، یعنی اللہ کا نائب ہو کر زمین و آسمان کی اشیاء میں تصرف کرنے والا ہو۔ نائب بنانے کی ضرورت بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں تھی وہ محتاج نہیں بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانا تھا انہیں محتاجی تھی اس لئے کہ انسان بہت زیادہ کدورتیں اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت مقدس ہے۔ فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے جب مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچا دیں۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے۔ ہڈیاں سخت ہیں گوشت نرم ہے ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔ ❷

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے متعلق جو مشورہ کیا اس سے مراد صرف آدم علیہ السلام نہیں اور آپ کی تمام اولاد بھی مراد نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بعض حضرات جو اس خلافت کے منصب کے اہل ہوں گے یہ سب مراد ہیں اور وہ افراد آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ تک پیدا ہونے والے تمام انبیاء و رسل کرام ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام تمام کے تمام افرادِ معصوم ہیں لیکن صدیقین، اولیاء، صالحین، افرادِ اتو معصوم نہیں، البتہ اجتماعی طور پر معصوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اجتماعی فیصلہ امت کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس میں یہ استعداد پائی جائے تو خود واضح ہوا کہ عورت کی فطرت سلیمہ اور طبیعت مستقیمہ اس قابل نہیں کہ جمعہ یا باقی نمازوں کی امامت یا خلافت یعنی حاکمیت اس کے سپرد کی جائے۔ ”عورت“ اپنی فطرتی اور طبعی کمزوری کی وجہ سے یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی۔

خلیفہ بنانے کا مقصد: خلیفہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کے احکام مخلوق تک پہنچائے اور رب تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا نظام جاری کرے۔ مسلمانوں کی اکثریت جب اس نظام کو چاہنے والی ہو تو امت مسلمہ کو کفار پر غلبہ رہتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنے ایمان اور اعمال میں کامل ہوں۔ کامل ایمان کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو اور اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کامل اور غالب ہو۔

مسلمانوں کی زیوں حالی کی وجہ:

خلافت راشدہ عادلہ کے بعد مسلمانوں پر دنیا کی محبت غالب آگئی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ نہ رہی، دنیا کی محبت کی وجہ سے موت سے ان کے دلوں میں کراہت پیدا ہو گئی اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا جذبہ کامل نہ رہا۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ بد حالی کا شکار ہو گئی، غیروں پر اس کو غالب رہنے کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔

سنن ابی داؤد اور بیہقی کی حدیث میں امت مسلمہ کی اس بد حالی کا ذکر نہایت ہی المناک صورت میں وارد ہے۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے مسلمانو! قریب ہے کہ کافروں کی جماعتیں تم پر حملہ آور ہونے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کسی پیالے میں کھانا رکھا ہو اور اسے کھانے کے لئے ہر طرف سے لوگوں کو بلایا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کہ حضور! کیا اس وقت ہم قلیل ہوں؟۔ فرمایا: نہیں، تم اس وقت بہت کثیر تعداد میں ہو گے لیکن تم اس وقت سیلاب کے جھاگ اور اس کے خس و خاشاک کی طرح ہو گے (یعنی ایمانی قوت و شجاعت تم میں باقی نہ رہے گی) اللہ تعالیٰ تمہاری بیعت اور تمہارا رعب دشمن کے دل سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی اور کمزوری پیدا کر دے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور بزدلی اور کمزوری کا سبب کیا ہوگا؟ فرمایا: ﴿حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهَةُ الْمَوْتِ﴾ ”دنیا کی محبت اور موت کی کراہت“ ظاہر ہے کہ

جو شخص دنیا سے محبت کرے گا موت اسے ناپسند ہوگی۔ عرصہ دراز سے مسلمان اسی بد حالی میں مبتلا ہیں اور موجودہ

دور میں یہ بد حالی ایسی خوفناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ اس کے نتائج کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔“

خیال رہے کہ ہر دور میں نیک لوگ، اصحابِ علم و تقویٰ رہے ہیں۔ انہی کے دم قدم سے نظام دنیا چل رہا ہے اور دنیا کی بقا ہے۔ لیکن اکثریت جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو کم تعداد میں نیک لوگ بھی ہلاکت کی زد میں آ جاتے ہیں، اگرچہ وہ ہلاکت ان کے لئے عذاب نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

”إِنَّا أَنْزَلْنَا اللَّهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ“ ”یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو نیک و بد بھی اس میں ہلاک ہو جاتے ہیں پھر جب وہ اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک

کا اٹھایا جانا اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق ہوگا۔“

مسلمان اگر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی تمنا یہ ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ جائیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ تمام مسلمان مجموعی طور پر کامل ایمان رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیں۔ اسی محبت اور کامل ایمان کی وجہ سے جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنی اس عظمت دور رفتہ کو حاصل نہ کر لیں جو صحابہ کرام کے دور میں کفار پر مسلمانوں کو حاصل تھی کہ مسلمانوں کی ہیبت سے کفار کے اعضاء پر کچکی طاری ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے پر فرشتوں کا تعجب سے سوال:

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ طلب کیا تو فرشتوں نے تعجب کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے سوال کیا: ”أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ“ ”کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلانے اور خون ریزیاں کرے؟ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔“ (سورۃ بقرہ 4:1)

فرشتوں نے رب تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مخالفت کی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی علم دے رکھا تھا کہ جو خلیفہ میں بنانے والا ہوں اس میں اور اس کی اولاد میں عناصرِ اربعہ کی آمیزش ہوگی جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے یعنی آگ مٹی پانی ہوا کا مجموعہ ہوگا یہ علم فرشتوں کو رب تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا تھا یا ان پر لوح محفوظ کو منکشف کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ مخالف اور ضد کی چیزیں ملنے سے تو فساد ہی ہوگا خلیفہ تو اس لیے بنایا جاتا ہے کہ زمین میں بھلائی قائم ہو اور لوگوں کو بھلائی کی راہ پر قائم کیا جائے اور ان کے نفسوں کی تکمیل کی جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام جاری

کئے جائیں تو جس کی بناء ہی فساد پر ہوگی اس سے یہ کام کیسے ہو سکیں؟

”اِسْتِكْشَافٌ عَنِ الْحِكْمَةِ الْخَفِيَّةِ اَوْ تَعْجَبٌ مِّنْ اَنْ يُسْتَخْلَفَ لِعِمَارَةِ الْاَرْضِ وَاصْلَاحِهَا مِّنْ يُفْسِدُ فِيهَا؟“ ①
تعب کر تے ہوئے تھا کہ جو فساد پھیلانے والے ہوں گے ان سے زمین کو آباد کرنا اور اس میں صلاحیت پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔“

خیال رہے کہ یہ فرشتوں کی اجتہادی خطا تھی کہ انہوں نے سمجھا شاید تمام انسان ایسے ہوں گے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہونے کی وجہ سے اور نیک و پارسا صالح و متقی لوگ اللہ کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے فساد برپا کرنے سے پاک ہیں۔ فرشتوں کے خیال کے مطابق ان کی تسبیح و تقدیس اور عصمت کے پیش نظر وہ خلافت الہیہ کے زیادہ مستحق تھے ان کے اس قسم کے قصور علم کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”یعنی اے میرے فرشتو! میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾“
(سورة البقرة: 4)

جانتے۔“

محض تسبیح و تقدیس معیار خلافت نہیں اور نہ ہی مختلف اور ایک دوسرے کی ضد عناصر سے مرکب ہونا منصب خلافت کے منافی ہے بلکہ خلافت کا معیار یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ جن چیزوں کا غیروں کو حکم دے ان پر خود بھی عمل کرے اسلئے سارے انسان فساد اور ناحق خونریزی کرنے کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ ان میں معصوم بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے حقدار ہوں گے۔

آدم علیہ السلام کے علوم:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ اٰبِنُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ﴿۵﴾
اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔“

حضرت ابن عباسؓ عکرمہؓ قتادہؓ مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے:

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا یہاں تک کہ بڑے اور چھوٹے پیالے کے نام بھی بتائے۔“

”عَلَّمَهُ اَسْمَاءَ جَمِیْعِ الْأَشْیَاءِ حَتَّى النَّصْعَةِ وَالنَّصْبَةِ“ ②

”اور بعض حضرات نے حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ کی طرف قوس منسوب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام

”وَقَبِلَ الْمُرَادُ بِهَا اَسْمَاءُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ اِلَى یَوْمِ الْعِیَامَةِ وَعَزَى اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہ عَنْہُمَا“

(روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1 ص 224) کو اللہ تعالیٰ نے ”ماکان وما یکون“ (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے) کا علم عطا فرمایا۔“

پہلے معنی اور اس معنی کے لحاظ سے مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں اور ان کے ناموں کا علم عطا کر دیا خواہ وہ پہلے پائی جا چکی ہیں یا بعد میں پایا جاتا ہے۔

”وَقَالَ الْإِمَامُ الْمُرَادُ بِالْأَسْمَاءِ صِفَاتُ الْأَشْيَاءِ وَتَعَوُّثُهَا ①“ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کو تمام چیزوں کی صفات اور نعمتیں اور خواص تک کا علم عطا فرمادیا گیا تھا۔“

”وَعِلْمُهُ أَحْوَالُهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدُّنْيَوِيَّةِ ②“ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے احوال اور ان سے دینی یا دنیوی منافع جو متعلق ہیں ان تمام کا علم عطا فرمادیا تھا۔“

ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھادی گئیں اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ملائکہ کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ستاروں کے ناموں پر مطلع فرمادیا گیا تھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی کا قول نقل کیا:

”أَسْمَاءُ تَعَالَى“ کہ اس آیت کریمہ میں اسماء سے مراد اسماء الہیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: میرے نزدیک حق یہ ہے اور تمام اللہ والے بھی اسے ہی حق مانتے ہیں اور منصب خلافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا کیا گیا ہے۔“

”وَهُوَ أَنَّهَا أَسْمَاءُ الْأَشْيَاءِ عَلَوِيَّةٌ أَوْ سِفْلِيَّةٌ جَوْهَرِيَّةٌ أَوْ عَرْضِيَّةٌ“ ”وہ اشیاء خواہ علوی ہوں یا سفلی جوہری ہوں یا عرضی ان تمام کے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی کہا جاتا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذات پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات

ظہور فیہا غمیر متقوی بہا“ ③ کے جلوے تمام اشیاء سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ ان میں مقید نہیں ہوتا۔“

آدم علیہ السلام کو نام سکھائے فرشتوں کو نہیں کیا وجہ؟ الفاظ کے ذریعے معانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس کے

پڑھانے والے کو معلم کہتے ہیں اور پڑھنے والے کو متعلم صرف معلم کے پڑھانے سے متعلم کو علم حاصل ہونا ضروری نہیں بلکہ متعلم میں استعداد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی متعلم میں سمجھنے کی صلاحیت ہو تو معلم کی تعلیم کا اس پر اثر ہوگا۔ یہ روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک ہی کلاس کے لڑکوں کو استاد پڑھاتا ہے سب کو

① البحر المحیط ابو حیان اندلسی ج 1 ص 145

② روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1 ص 224

③ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1 ص 224

یکساں پڑھا رہا ہوتا ہے لیکن پھر کوئی لائق ہوتا ہے اور کوئی نالائق۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جب آدم علیہ السلام کو منصب خلافت عطا کرنا تھا تو آپ کو پہلے تمام اشیاء اور ان کی کیفیات اور ان کے ناموں کو سمجھنے کی استعداد بھی عطا فرمائی لیکن فرشتوں کو ہر چیز کے حالات کی تفصیل کو سمجھنے کی استعداد عطا نہیں ہوئی تھی کیونکہ ان کو منصب خلافت پر فائز کرنا مقصود ہی نہیں تھا۔ ❶

آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا؟

”وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّاتِ أَنَّهُ تَعَالَى أَرَاكَ الْأَجْنَاسَ الَّتِي خَلَقَهَا وَعَلَّمَهُ أَنَّ هَذَا اسْمُهُ فَرَسٌ وَبَعِيرٌ وَهَذَا اسْمُهُ كَذَا“

آپ کو تمام چیزوں کا علم دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے ایک ایک جنس آپ کو دکھادی اور اس کا نام بتا دیا مثلاً گھوڑا دکھا کر بتایا گیا کہ اسے گھوڑا کہتے ہیں اور اونٹ

دکھا کر بتایا گیا کہ اسے اونٹ کہتے ہیں اسی طرح ایک ایک چیز دکھا کر اس کے نام بتا دیئے گئے۔

”وَاخْتَصَّ آدَمُ بِمَعْرِفَةِ الْأَسْمَاءِ بِجَمِيعِ اللُّغَاتِ وَتِلْكَ اللُّغَاتُ تَفَرَّقَتْ فِي أَوْلَادِهِ“ ❷

آدم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو تمام چیزوں کے نام ہر زبان میں بتا دیئے گئے تھے اور وہی زبانیں آپ کی اولاد میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔

یعنی ایک چیز کا نام آپ نے ہر ہر زبان میں بتایا جو زبانیں بھی ایجاد ہونی تھیں آپ کو ان کا علم پہلے ہی عطا کر دیا گیا۔

فائدہ: جب آدم علیہ السلام کو ”ما کان وما یكون“ کا علم دیا گیا۔ ہر چیز کے نام ہر زبان میں سکھائے گئے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا مقام کیا ہوگا؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ نے ﴿الرَّحْمَنُ﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿كَاتِبًا﴾ کا ترجمہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

{رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یكون کا بیان انہیں سکھایا}

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی جان کہا:

حضرت علامہ آلوسی نے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں تحریر فرمایا.....

”الْعَالَمُ جَسَدٌ وَرُوحُهُ النَّبُوَّةُ وَلَا قِيَامَ لِّلْجَسَدِ بِدُونِ رُوحِهِ“ ”تمام جہان ایک جسم ہے اور نبی کریم اس کی روح ہیں جسم کا قیام بغیر روح کے ممکن نہیں۔“

اس سے پتہ چلا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی جان ہیں اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ سے یہ واضح ہوا کہ

❶ تفسیر مدارک التنزیل للہخوی ص 25
❷ تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی ج 9 ص 105

❶ تفسیر ابوالسعود محمد بن محمد السہادی ج 1 ص 84

❷ تفسیر صادی علی الجلا لیں ج 1 ص 49

علمہ البیان کا مطلب یہ ہے کہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو ”ما کان وما یكون“ کا علم عطا کیا گیا۔ اس پر علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام البیان کی تفسیر ملاحظہ ہو:

”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَعَنْ إِبْنِ عَبَّاسٍ وَأَيْضًا عَنْ إِبْنِ كَثِيرٍ ”یعنی علمہ البیان میں ضمیر منصوب کا مرجع الانسان ہے اور
الْإِنْسَانُ هَهُنَا يُرَادُ بِهِ مُحَمَّدٌ ﷺ“
اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔“

”وَالْبَيَانُ بَيَانُ الْحَلَالِ وَالْعَرَامِ وَالْهُدَى مِنَ الضَّلَالِ وَقِيلَ ”اور علمہ البیان میں بیان سے مراد یا تو حلال و حرام، علم اور
مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ لِأَنَّهُ بَيِّنٌ عَنِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَيَوْمَ
الْيَوْمِ“ ① بیان سے مراد ما کان یكون کا علم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

اولین و آخرین اور قیامت کا ذکر فرما دیا ہے یعنی جب آپ نے جمع گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات قیامت سے مطلع فرما
دیا تو آپ کو ما کان وما یكون کا علم حاصل ہے۔“

میں نے اردو تراجم قرآنی کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب ”تسکین البیان فی محاسن کنز الایمان“ میں
بہت سی تفاسیر کی عبارات نقل کر کے واضح کیا کہ سارے تراجم میں سے یہاں اعلیٰ حضرت بریلوی کا ترجمہ ہی با کمال ہے۔

علم کے فضائل عقلیہ و نقلیہ:

تفسیر کبیر اور عزیزی کے حوالہ سے علم کے فضائل پر مختصر بحث پیش خدمت ہے:

فقہ ابولیت سمرقندی بریلوی نے فرمایا: کہ عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں خواہ اس سے علم
حاصل کرے یا نہ کرے۔

① وہ شخص طالب علموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا ثواب پاتا ہے۔

② جب تک اس مجلس میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا۔

③ جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے ہر قدم پر نیکی پاتا ہے۔

④ علم کے حلقے میں رحمت الہی نازل ہوتی ہے جس میں یہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔

⑤ علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔

⑥ وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اسکی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک منکسر
القلوب (دل ٹوٹا ہو جو رحمت کا مستحق ہوتا ہے) میں شمار کیا جاتا ہے۔

تفسیر قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ احمد انصاری رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ بیروت

۴: اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہے:

۱: ”علم“ پیغمبروں کی میراث اور ”مال“ فرعون، ہامان، شداد اور عمرو کی۔

۲: مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم بڑھتا ہے۔

۳: مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے لیکن علم خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

۴: مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم دین قبر میں ساتھ ہوتا ہے۔

۵: مال مومن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن دین کا نفع (یعنی قبر و حشر میں کامیابی) صرف ایماندار کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

۶: کوئی شخص بھی عالم سے بے پرواہ نہیں لیکن بہت سے لوگوں کو مالداروں کی ضرورت نہیں۔

۷: علم سے پل صراط پر گزرنے کی قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری۔

سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوئے:

۱: حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر بزرگی دی گئی اور فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۲: حضرت خضر علیہ السلام ان کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ نبی ہیں یا ولی کے علم کی وجہ سے ان کی اور موسیٰ

علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور کچھ اشیاء کے ظاہر و باطن کا فرق واضح ہوا۔

۳: یوسف علیہ السلام کو علم کی وجہ سے خواب کی تعبیر بیان کرنے پر قید خانہ سے نکل کر شاہی دربار میں پہنچ کر وزیر خزانہ اور تمام

بادشاہی کاموں کے مدبر مقرر ہو گئے۔

۴: حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم کی وجہ سے بلقیس جیسی ملکہ بحیثیت زوجہ ملی اور اسے بھی آپ کے علم کی وجہ سے ایمان نصیب

ہوا۔

۵: حضرت داؤد علیہ السلام کو علم کی وجہ سے منصب نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہی بھی حاصل رہی۔

۶: عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ حضرت مریم کی تہمت کو علم کی وجہ سے ہی دور فرمایا۔

۷: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات عالم سے زیادہ علوم عطا فرما کر خلافت الہیہ اور شفاعت کبریٰ کے درجہ رفیعہ پر

متمکن فرمایا۔

قرآن پاک میں سات چیزوں کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کے برابر نہیں:

۱: عالم اور جاہل برابر نہیں۔ ۲: خبیث اور طیب یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں۔

- ۴: دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ ﴿۴﴾ اندھا اور آنکھ والا یعنی علم اور ایمان والا اور ان سے خالی برابر نہیں۔
- ۵: ظلمت اور نور یعنی علم اور ایمان کی نورانیت اور ان سے خالی ہونے کی وجہ سے حاصل ہونے والی تاریکی برابر نہیں۔
- ۶: سردی اور گرمی برابر نہیں ﴿۵﴾ زندے اور مردے برابر نہیں۔
- حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں سے قائم ہے:
- ۱: عالم باعمل سے۔ یعنی علم دین کے حاصل کرنے کے بعد اس کے اعمال بھی احکام دینیہ کے مطابق ہوں۔
- ۲: ایسے جاہل لوگوں سے جو علماء سے محبت رکھتے ہوں۔ یقیناً علماء کی صحبت کی وجہ سے انہیں نیکی کے کاموں کی رغبت حاصل ہوگی اور علوم دینیہ کے مسائل سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوں گے۔
- ۳: سخاوت کرنے والے مالداروں سے یعنی مالدار جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے وہ بھی بلند مرتبہ رکھتا ہے جو نظام دنیا کے قائم رہنے کا سبب ہے۔
- ۴: اور غریب لوگ جن کے پاس مال تو نہیں لیکن وہ تھوڑے مال اور محنت و مشقت پر صبر کرنے والے ہوں یعنی صابر فقیر کے دم سے بھی دنیا قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴿۶﴾
 ”بیشک اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔“
 (سورہ قاطر 22: 16)

اس آیت میں جب ”اللہ“ پر پیش ہو اور لفظ ”علماء“ پر زبر ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے علماء کو عزت و وقار عطا فرماتا ہے ”إِنَّمَا يَجْعَلُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب علم دین پڑھانے والا شخص فوت ہوتا ہے تو اس پر فضا سے پرندے زمین کے تمام جانور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں روتی ہیں۔ حضرت عامر جعفی رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں: کہ قیامت کے دن علم دین پڑھنے والے طالب علم کی سیاہی اور شہید کے خون کو لایا جائے گا۔ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا: اے بیٹے! علم حاصل کرو اگر تمہارے پاس مال بھی ہو تو علم تمہارا جمال ہوگا اور اگر تمہارے پاس کوئی مال نہ ہو تو علم ہی تمہارا مال ہوگا۔ ۱

نوٹ: علامہ امام رازی رحمہ اللہ نے فضیلت علم میں اس مقام پر بہت طویل بحث کی ہے، مختصر طور پر کچھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش:

فَاَنَّا خَلَقْنَاكُمْ ۚ اَيُّ اَصْلَكُمْ اَدَمُ مِنْ تُرَاكِبٍ ①
 ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے تمہارے اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔“

مزید ارشاد فرمایا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِیْنٍ مُّبٰی ②
 ”یاد کرو! اس وقت کو جب آپ کے رب نے فرشتوں کو کہا کہ بے شک میں ایک بشر کیچڑ سے بنانے والا ہوں اس سے مراد آدم ہیں۔“

اس مقام پر ”بشر“ سے مراد ایسا انسان جو ظاہر چمڑے والا ہوگا اس پر بھیڑوں کی طرح اون نہیں ہوگی بکریوں کی طرح بال نہیں ہو گئے اونٹوں کی ملسی (اون) کی طرح بھی اون نہیں ہوگی پرندوں کی پروں کی طرح پر نہیں ہوں گے اور پھلوں کی طرح اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوگا۔

”بیشک ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔“
 ”یہاں بھی مراد انسان سے ان کے اصل آدم علیہ السلام ہی ہیں۔“
 ”بیشک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک متغیر کیچڑ سے پیدا کیا“
 ”صلصال اس کیچڑ کو کہتے ہیں جو خشک ہو جائے کھٹکانے پر اس سے آواز آئے سیاہ کیچڑ کو ”حما“ کہتے ہیں جسکی بو میں تغیر آ جائے اس کو ”مسنون“ کہتے ہیں۔“

”خُلِقَ الْاِنْسَانُ اَدَمُ مِنْ صَلْصَالٍ طِیْنٍ یَّابِسٍ یُّسْمَعُ لَهُ صَلْصَلَةٌ اِیُّ صَوْتٍ اِذَا لَقِيَ رَجُلًا وَهُوَ مَا طَبَعٌ مِنْ طِیْنٍ ③“
 ”انسان آدمی آدم سے صَلْصَال طِیْنِ یَّابِسِ سے بنا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے لئے پہلے خشک مٹی کو لایا گیا پھر اسے گوندھ کر کیچڑ بنایا گیا پھر چپکنے والی مٹی بنایا گیا پھر اسی طرح رہنے دیا گیا یہاں تا کہ وہ خشک ہو گئی اور بجنے لگی اور اس کی بو میں بھی تغیر آ گیا پھر اور زیادہ رکھنے پر ٹھیکری کی طرح ہو گئی۔“

ان آیات سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے لئے پہلے خشک مٹی کو لایا گیا پھر اسے گوندھ کر کیچڑ بنایا گیا پھر چپکنے والی مٹی بنایا گیا پھر اسی طرح رہنے دیا گیا یہاں تا کہ وہ خشک ہو گئی اور بجنے لگی اور اس کی بو میں بھی تغیر آ گیا پھر اور زیادہ رکھنے پر ٹھیکری کی طرح ہو گئی۔

① تفسیر جلالین پ 23 ص 384 قدیمی کتب خانہ

② تفسیر جلالین امام جلال الدین سیوطی ص 212

③ تفسیر جلالین پ 21 ص 342 قدیمی کتب خانہ کراچی

④ تفسیر جلالین پ 23 ص 373 قدیمی کتب خانہ کراچی

⑤ تفسیر جلالین پ 23 ص 414 قدیمی کتب خانہ کراچی

جسم آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لی گئی:

آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کی تخلیق کے لئے مٹی لانے کیلئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا آپ جب تشریف لائے تو زمین سے مٹی لینے کا ارادہ کیا تو زمین نے بڑی عاجزی و انکساری اور گریہ و زاری سے عرض کیا: میری مٹی سے بننے والے شخصوں نے اگر خونریزیاں کیں یا وہ جرائم کی وجہ سے جہنم میں گئے تو مجھے تکلیف ہوگی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام زمین کی عاجزی کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تمام ماجرا بیان کر دیا۔ اسی طرح اسرافیل بھی آکر واپس چلے گئے اور میکائیل بھی آکر واپس چلے گئے۔ ان تمام کے بعد عزرائیل علیہ السلام آئے ان کی خدمت میں بھی زمین نے وہی عاجزانہ گفتگو کی لیکن آپ نے کہا کہ میں تیری بات تسلیم کروں یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کروں؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسلئے میں نے تو مٹی ضرور ہی لے کر جانا ہے۔ آپ نے زمین کی انکساری کے طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق زمین سے مٹی لے کر رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنا بھی ان کے سپرد کیا کہ ایسا نہ ہو کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل میں سے کسی کے ذمہ لگایا تو روح قبض کرنے کے لئے جائیں تو اس کے اقربا کو روتے ہوئے پا کر اسی طرح چھوڑ کر نہ آجائیں۔ ❶

کیسی مٹی لی گئی؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

”إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَأَسْهَلُ وَالْعَزَنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّوْبُ“ ❷

گئے سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور ان کے درمیان رنگ والی مٹی لی گئی۔ اسی طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے ایسے ہی طیب و خبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے۔ بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ قسم کے رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔

زمین میں چشمے کیوں جاری ہوئے: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا کہ میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں

جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا۔ یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا:

تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ص 207

اے اللہ! مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ ❶

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟ مردہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انا لیس دن تو غم ورنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اس لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھٹکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔ ❷

آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے:

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے ارد گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا: تم اس پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے۔ اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا پھر کہنے لگا: ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کو ٹھڑی ہے یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا ہو۔ ❸

آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کا دخول:

اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا کہ اس قالب میں داخل ہو جا اور تمام حصوں میں پھیل جا۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تنگ پایا اندر جانے سے رک گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب نور مصطفیٰ ﷺ سے وہ قالب جگمگا دیا گیا یعنی وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی مابھی سر میں تھی کہ آپ کو چھینک آئی اور زبان میں پہنچی تو آپ نے ”الحمد للہ“ پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابو محمد! (یہ اور ابوالبشر آپ علیہ السلام کی کنیت ہے) میں نے تمہیں اپنی حمد کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ

تفسیر عزیزی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ 207

تفسیر صاوی الجلالین ج 1 ص 49

تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 250

نے اٹھنا چاہا لیکن آپ گر پڑے کیونکہ روح ابھی نیچے والے حصہ میں نہیں پہنچی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {حُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ} "انسان جلد باز پیدا کیا گیا۔" پھر روح تمام جس میں پھیل گئی تو آپ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو سلام کرو! آپ نے کہا: "السلام علیکم" فرشتوں نے جواب دیا "وعلیکم السلام"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہی آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے سلام کا طریقہ ہوگا۔ آپ نے عرض کیا: میری اولاد کون سی ہوگی؟ تو آپ کی تمام اولاد کو آپ کے سامنے کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کے پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا اور آپ کی اولاد کو نکال ظاہر کیا" پھر فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں کا عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ کی پیٹھ پر پھیرا اور آپ کی باقی اولاد کو ظاہر فرمایا اور رب نے کہا کہ ان لوگوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے۔" ❶

آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا فرمایا۔ (مٹی سے مراد زمین ہے) اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا فرمایا اور درختوں کو پیر کے دن پیدا فرمایا اور مکروہات (مصائب وغیرہ) کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور چوپاؤں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلایا اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن بعد تمام مخلوق کے آخر میں دن کی آخری گھڑی عصر سے شام تک کے درمیان پیدا کیا۔"

فائدہ: احادیث میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دنوں میں جمعہ کا دن ہے کیونکہ جمعہ ہی کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور جمعہ کے دن ہی آپ کو جنت میں داخل کیا گیا اور جمعہ کے دن ہی آپ جنت سے باہر تشریف لائے اور جمعہ کے دن ہی آپ کی وفات ہوئی اور جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔

سید الاولیاء علیہ السلام کا کلام: سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت الشیخ نے فتوحات کے متعدد مقامات میں اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک (کھجور کو مخاطب کر کے)

❶ تفسیر خازن علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم ج 1 ص 46 ترمذی محمد بن یحییٰ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص 21
❷ تفسیر نجوم الفرقان ج 2 ص 563 مطبوعہ ضیاء العلوم پبلی کیشنز

مصرعہ یہ ہے: ”يَا أُخْتُ عَمَّتِي الْمَعْقُولَةُ“ اس مصرع کا لفظی معنی یہ ہے کہ: ”اے میری بہن! بلکہ میری پھوپھی کہ تو معقولہ ہے۔“ یہ اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں ہے:

”کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے کچھ مٹی باقی رہ گئی جس سے کھجور کا درخت بنایا گیا۔ لہذا کھجور کا درخت آدم علیہ السلام کی بہن اور ہماری پھوپھی ٹھہرا۔ جب اس کی خلقت کے بعد کچھ مٹی بمقدار ایک دانہ تل باقی بچی تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک زمین نہایت وسیع پیدا فرمائی کہ ساتوں آسمان اور زمینیں اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے صحرا میں ایک حلقہ اس کو ارض حقیقی بولتے ہیں۔ ”اس جہاں را آں جہاںے دیکر است“۔ اس جہاں کے مقابلے میں وہ جہاں ہی اور ہے۔ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہی داخل ہوتے ہیں اور اس کا علم بھی ان کو ہی حاصل ہے۔“ ①

آدم علیہ السلام کا قد:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُنَّ طُولُ آدَمَ سِتِّينَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِ أَلْفِ عَرَضًا“ ②

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی لمبائی ساٹھ ذراع تھی یعنی نوے فٹ اور آپ کی چوڑائی سات ذراع تھی۔“

فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم:

آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تم نے میرے خلیفہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں پر تمام چیزوں کو پیش کر کے ان کے نام پوچھے۔ جب فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا تو پھر آدم علیہ السلام سے پوچھا آپ نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تو پھر حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ۖ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٦﴾

وہ کافروں سے ہو گیا۔“ (سورہ بقرہ: 4:1)

فرشتوں کو سجدہ تعظیسی کا حکم دیا گیا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آپ کے بھائیوں نے تعظیماً سجدہ کیا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت میں سجدہ تعظیسی حرام قرار دیا گیا۔ عبادت کی غرض سے سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی

شریعت میں جائز نہیں رہا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الْفَاءُ لِإِفَادَةِ مُسَارِعَتِهِمْ فِي الْإِمْتِثَالِ وَعَدَمِ تَقْبِطِهِمْ“ ”فسجدوا میں لفظ فاء سے یہ ثابت ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے میں جلدی کی، کسی قسم کی تاخیر نہیں کی۔“ ❶

تاہم پھر بھی سب سے پہلے سجدہ حضرت جبرائیل نے کیا پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر عزرائیل علیہم السلام نے پھر تمام فرشتوں نے اس لئے حضرت جبرائیل کو سب سے بڑا درجہ عطا کیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت ان کے پاس وحی لانے کا عظیم کام ان کے سپرد ہوا۔ ❷

بعض حضرات نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سجدہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کیا اسی لئے اس کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔ ❸

آدم علیہ السلام کو خلیفہ حقیقی کا مظہر بنایا گیا:

اگرچہ ظاہر طور پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت سب سے پہلے خلیفہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی یہ ہے:

”كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الرَّؤُوسِ وَالْجَسَدِ“ ❶

”میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔“

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی جگہ سے مٹی لے گئے۔ آپ تسنیم سے اسے گوندھا گیا۔ جنت کی نہروں میں غوطے دیئے گئے زمینوں آسمانوں میں پھرایا گیا۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تھا۔ پھر اس مٹی کو آدم علیہ السلام کے جسم سے ملا دیا گیا اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چکایا گیا۔ ❷ وہی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اصل فرشتوں سے سجدہ کرانے کا سبب بنا تھا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

”إِنَّ الْمَلَائِكَةَ أَمَرُوا بِالسُّجُودِ لِأَدَمَ لِأَجْلِ أَنَّ نُورَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ ”پیشک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور رکھا گیا تھا۔“ ❸

- | | |
|-------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------|
| ❶ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1، ص 229 | ❷ تفسیر خزان العرقان، سید نعیم الدین مراد آبادی زیر آیہ مذکورہ |
| ❸ روح البیان، علامہ اسماعیل حق رحمہ اللہ ج 1، ص 141 | ❹ ابوعیسیٰ طبقات ابن سعد، طبرانی، جامع الصغیر ج 2، ص 96 |
| ❺ فہم تفسیر ثعالی از خلاصۃ التفاسیر ج 1، ص 25 | ❻ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 2، ص 455 |

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَهُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْحَقِيقَةِ الْخَلِيفَةِ الْأَعْظَمُ فِي الْخَلِيقَةِ“ یعنی در حقیقت حضور ﷺ ہی اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور بلند آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ہی ہیں اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ السلام پیدا ہوتے نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔“

علامہ رازی اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ خلیفہ اعظم حضور ﷺ ہی ہیں۔ آدم علیہ السلام کی

خلافت آپ کی خلافت کا ظہور ہے۔ ❶

فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟ کیا تو آپ جانتے ہیں لیکن آپ نے بھی تعداد کو ذکر نہیں فرمایا البتہ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس طرح ذکر فرمایا کہ فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان میں چہ چہ اہٹ پیدا ہوئی اور حق بھی یہی ہے کہ ان میں چہ چہ اہٹ پائی جائے کیونکہ آسمانوں میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں کہ وہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع نہ کر رہا ہو۔ تمام انسان جن حیوانات پرندے آبی جانور صرف روئے زمین کے مکین فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں پھر یہ بھی ان تمام کے ساتھ ملا کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں پھر یہی سلسلہ سات آسمانوں تک پھر عرش کے پردوں کے ساتھ اور حاملین عرش فرشتوں کی تعداد کے مقابلے میں یہ ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابل ایک قطرہ ہو۔ ❷

ابلیس کی اصل کیا ہے؟ کچھ حضرات اس طرف ہیں کہ ابلیس فرشتوں سے علیحدہ ہے کیونکہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ نار (آگ) سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنَّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ ”ابلیس جنوں سے تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔“

سوال یہ ہوتا ہے کہ اسے سجدہ کا حکم کیسے تھا؟ حالانکہ ظاہر طور پر تو حکم صرف فرشتوں کو ہے۔ تو اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں ہی میں داخل تھا اور ان والے احکام ہی اس پر جاری ہوتے تھے یعنی تغلیبا اس پر حکم جاری ہوا جیسے سرداروں کو حکم دیا جائے تو ان کے ماتحت بھی اس حکم میں داخل ہوتے ہیں لیکن کچھ محققین یعنی علامہ بغوی، واحدی، قاضی بیضاوی، علامہ آلوسی اور علامہ رازی رحمہم اللہ اس طرف ہیں کہ یہ فرشتوں سے ہی تھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ اتہام علامہ کاظمی رحمہ اللہ ص 130-131

❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 1 ص 218

❸ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 2 ص 161

”لَا مُنَافَاةَ كَوْنُهُ جَنًّا وَكَوْنُهُ مَلَكًا فَإِنَّ الْجِنَّ كَمَا يُطْلَقُ عَلَى مَا يُقَابِلُ الْمَلَكَ يُقَالُ عَلَى نَوْعٍ مِنْهَا“ ❶

ابلیس کو اگرچہ رب تعالیٰ نے جن کہا..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی اسے جن کہا گیا۔ لیکن جن کہنے سے اس کے فرشتے ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان میں کوئی منافاة نہیں اسلئے کہ ”جن“ کبھی تو فرشتوں کے مد مقابل علیحدہ مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور کبھی فرشتوں کی ایک قسم کو بھی ”جن“ کہا جاتا ہے۔

فرشتوں کو ”جن“ کیوں کہا گیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا جُنَّتَانِهِمْ وَأَسْتَبَارَهُمْ عَنْ أَعْيُنِ النَّاسِ اسلئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ چھپی ہوئی چیز کو ”جن“ کہا جاتا ہے اسلئے فرشتوں کو بھی جن کہہ دیا۔

وَكُوْنُهُ مَخْلُوْقًا مِنْ نَّارٍ وَهُمْ مَخْلُوْقُونَ مِنْ نُّوْرِ غَيْرِ ضَرَّارٍ ❷
ابھیضًا وَلَا قَادِرًا مَلَكَتْهُ لَأَنَّ النَّارَ وَالنُّوْرَ مُتَّحِدُ الْمَادَّةِ
بِالْجِنْسِ وَاحْتِلَا فِيهِمَا بِالْعَوَارِضِ ❸

”ابلیس کے آگ سے پیدا ہونے اور فرشتوں کے نور سے پیدا ہونے میں بھی کوئی ضرر نہیں اور اس کے فرشتے ہونے میں اس سے کوئی عیب ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ آگ اور نور کا مادہ ایک ہی ہے ایک ہی جنس سے ہیں البتہ عوارض کے لحاظ پر مختلف ہیں یعنی جس کے ساتھ دھوئیں کی آمیزش ہے وہ آگ ہے اور جو صاف و شفاف ہے وہ نور ہے۔ جس طرح مٹی ریت پتھر سرمہ وغیرہ کا مادہ اور جنس ایک ہے عوارضات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔“

ابلیس تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا:

اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ ابلیس کا تکبر تھا۔ جب رب تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا حالانکہ میرا حکم تھا؟ تو اس نے جواب دیتے ہوئے یہ کہا:

”میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔“
(سورہ اعراف 9-8)

یعنی جو شان کے لحاظ سے بڑا ہودہ گھٹیا کے سامنے (معاذ اللہ) سجدہ نہیں کرتا۔ ابلیس حقیقت میں آدم علیہ السلام کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اللہ کے نبی کی شان فرشتوں سے بلند ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ❹ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ ❺

”تو جنت سے نکل جا! تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ

سالہا سال تک عبادت کرنے والا رب کا مقرب نبی کی شان میں گستاخی کرنے سے ایک پل بھر میں مردود ہو گیا۔
جنت سے نکال دیا گیا۔ قیامت تک لعنت کا مستحق ٹھہرا دیا گیا۔

شیطان کی درخواست کی منظوری:

”بولا: مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں“
فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ بولا: تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا
میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا
پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے
پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں
سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔“

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾
قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٣٨﴾
ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ
وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿٣٩﴾

(سورہ اعراف 9:8)

شیطان یہ مہلت لوگوں کے اٹھائے جانے تک طلب کرنا چاہتا تھا کہ موت کی سختی سے بچ جائے لیکن شیطان کی یہ بات
تو نہ مانی گئی۔ البتہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک اس کو مہلت دے دی گئی۔ سورہ حجر میں فرمایا:
”بیشک تجھے ایک مقررہ وقت تک یعنی پہلے نوحہ تک مہلت
ہے۔“

فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٣٦﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٧﴾

(سورہ حجر 3:14)

یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے پر شیطان بھی مر جائے گا البتہ اس وقت تک اسے مہلت ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرا
ڈال کر انسانوں کے دلوں میں دوسو سے ڈال دے اور انہیں باطل راہ کی طرف مائل کرتا رہے اور کچھ لوگوں کو اطاعت سے روک
نے اور گمراہی میں ڈال سکے۔ اگرچہ شیطان انسانوں کو شبہات اور برائیوں میں واقع کرنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا اور اسے امید
بھی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا لیکن پھر بھی اس نے کہا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ دوسرے مقام
پر شیطان نے نیک لوگوں پر اپنا داؤ چلانے سے عاجز ہونے کا یوں ذکر کیا:

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ ﴿٤٠﴾
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُتَخَلِّصِينَ ﴿٤١﴾

(سورہ حجر 3:14)

شیطان نے کہا کہ میں لوگوں پر برے اعمال اچھے اور مزین کر کے پیش کروں گا اس طرح وہ میرے بہکانے سے سیدھی

راہ ہٹ جائیں گے البتہ اے اللہ! تیرے نیک، مخلص اور برگزیدہ بندوں پر میرے درغلانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی شیطان کو بتا دیا تھا: ﴿عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ ”بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔“

شیطانی دوسرہ کے اثر ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے پانچ قسمیں:

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ ”روح“ عالم قدس کی ایک لطیف مخلوق ہے جس میں عالم بالا کے حقائق و کمالات اور تمام منافع پائے جاتے ہیں اور ”جسم“ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسلئے اس میں مادی اثرات اور خصوصیات اور زمین کی حقوق والے کمالات پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کی استعداد ہر انسان کو جسم اور روح کے ضمن میں عطا ہوئی لیکن شیطان نے انسان کو جو اس نعمت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے اس کے نتیجے میں انسانوں کے پانچ گروہ بن گئے۔

پہلا گروہ: وہ ہے جو پوری طرح شیطان کے قبضہ میں آ کر خلافتِ الہیہ سے بغاوت کر بیٹھا اس نے خلافت کی استعداد باکل ضائع کر دی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا دونوں جہانوں کی نیک بختی اور ہمیشہ کی نجات کی راہوں سے دور جا پڑا۔ کوئی روحانی کمال حاصل کرنے کی اس میں طاقت نہ رہی یہاں تک کہ مادی فوائد جاننے اور انہیں حاصل کرنے سے بھی وہ محروم رہا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل و خرد سے خالی ہیں، جاہل، کافر اور مشرک ہیں۔

دوسرا گروہ: وہ ہے جس میں جسمانی استعداد تو باقی رہی مگر شیطان کے بھٹکانے سے بھٹک گیا اور روحانی استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس لئے روحانی تقاضوں کو بروئے کار لانے سے وہ محروم ہو گیا۔ معرفتِ الہیہ تو درکنر اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہو گیا۔ اس نے صرف جسم اور مادہ کو اپنا مقصد سمجھ لیا اور اپنی بقیہ استعداد کا رخ مادیات ہی کی طرف موڑ دیا۔ وہ عقلی و پیچیدگیوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ بعض نے جدید انکشافات اور مادی ایجادات میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، بیشمار مفید چیزیں ایجاد کیں، فضا میں اڑنے والے طیارے، خلا نور و سیارے کے ذریعے زمین و آسمان تک رابطے قائم کر لئے۔ حیرت انگیز آلات ایجاد کر لئے۔ اب ان کی ترقی کا آخری مرحلہ ہے کہ انہوں نے بنی نوع انسان کی ہلاکت کے لئے ہزاروں میل تک مار کرنے والے میزائل تیار کر لئے۔ ایٹم بم، نیپام بم بنائے۔ آواز سے زیادہ تیز رفتار ہوائی جہاز تیار کئے جن کے ذریعے چند سیکنڈ میں روئے زمین کو ہلاکت خیز منظر میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور ایٹم بموں کے ذریعے کرۂ ارض (زمینی کرہ) کو آنکھ جھپکنے کی مقدار میں اڑا کر تباہ و برباد کر دینا آسان ہے۔ خلافتِ الہیہ کی وہ استعداد جو بنی نوع انسان کی جسمانی، روحانی، دنیوی و اخروی فوائد کے لئے تھی اسے انسانوں کے ہلاک کر دینے والے آلات کے لئے وقف کر دیا گیا۔

اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ان ہتھیاروں کو ایجاد کرنے والے خود اپنے آپ کو ان کی زد میں محسوس کر رہے ہیں انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق ہے کہ ہمارے ہی ایجاد کئے ہوئے آلات نہ معلوم کس وقت ہم پر پھٹ پڑیں اور کرۂ ارض کے ساتھ

ہم بھی قلمہ اجل بن کر نہ رہ جائیں۔

تیسرا گروہ: وہ ہے جن میں خلافتِ الہیہ استعداد تو موجود تھی مگر شیطان کے ورغلانے کا اتنا اثر ان پر ضرور ہوا کہ وہ غفلت اور سستی کا شکار ہو گئے کہ اپنی استعداد کو پوری طرح بروئے کار نہ لائے۔ یہ وہ عام مسلمان لوگ ہیں جنہوں نے قدرے قلیل جسمانی اور روحانی منافع حاصل کئے مگر اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں نہ لانے کی وجہ سے روحانیت یا مادیات پر کامل تصرف حاصل نہ کر سکے۔ بیشک وہ منصب خلافت پر فائز نہیں ہوئے مگر انہوں نے خلافتِ الہیہ سے بغاوت بھی نہیں کی، یعنی ایمان سے ہاتھ نہیں دھوئے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اس گروہ میں پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جن پر شیطان کا اثر کم ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن پر شیطان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اگرچہ ایمان سے دور تو نہیں ہوتے لیکن بہت ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چوتھا گروہ: اللہ کے ان خاص بندوں کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی جسمانی، روحانی، علمی، عملی پوری استعداد موجود تھی اور شیطان کے بھٹکانے کا ان کی استعداد کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب فرما کر پہلے ہی فرمادیا تھا: {إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ} ”بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہ ہوگا۔“ یہ مقدس گروہ انبیائے کرام اور ان کے تبعین کا ملین پر مشتمل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی استعداد کو پوری طرح کام میں لا کر خلافتِ الہیہ کے منصب کو پایا۔ حکمت و مصلحت کے مطابق روحانیت و مادیات پر متصرف ہونے اور خلافتِ الہیہ کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح معنوں میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

پانچواں گروہ: وہ ہے جس نے اپنے خیال میں صرف روح اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا اور جسمانیات اور مادیات کو نظر انداز کر دیا۔ یہ وہ تارک الدنیا لوگ ہیں جو اپنے اپنے خیال کے مطابق ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ ان میں کچھ وہ ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہوتا ہے وہ شیطان کے بھٹکانے سے محفوظ رہتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کو شیطان نجات کی راہ سے کھل طور پر ہٹا دیتا ہے۔ اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے کسی نے فائدہ اٹھا کر روحانیت کو حاصل کر لیا۔ البتہ دنیاوی اور مادی منافع سے محروم رہے اور کسی کو اپنے خیال کے مطابق اپنی کی ہوئی ریاضت و مجاہدہ روحانیت ملی اور نہ ہی دنیاوی اور مادی منافع حاصل ہوئے۔ ❶

شیطان نے اپنی بخشش کا موقع گنوا دیا:

شیطان نے ابتدائی طور پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ فرشتوں نے ایک سجدہ

پہلے کیا اور پھر اسے کھڑے دیکھ کر دوسرا سجدہ بطور شکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے وقت میری سفارش بھی کر دینا۔ آپ نے جب رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا: ابلیس کو جا کر کہہ دو کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو جا کر سجدہ کر دو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔ یہ کہنے لگا: زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اب مردہ آدم کو سجدہ کیسے کروں؟ اس طرح اس نے انکار کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک لاکھ سال کے بعد ابلیس کو جہنم سے نکال کر اور آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر پھر اسے کہا جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیکن یہ پھر انکار کر دے گا اسے پھر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ ❶

فائدہ: نبی کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر کی زندگی میں سب سے پہلے مردہ کہنے والا شیطان لعین ہے۔ اب بھی اس کے چیلے چچے انبیائے کرام کو مردہ کہہ رہے ہیں اور جو کام باپ کرے اس کی اولاد وہی کام کرے تو کوئی خاص تعجب کی بات نہیں خواہ حقیقی اولاد ہو یا معنوی اولاد ہو۔

ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں؟

ابلیس کا مردود ہونے سے پہلے سریانی زبان میں نام ”عزازیل“ اور عربی زبان میں ”حارث“ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تو ”ابلیس“ نام ہوا جس کا معنی ہے ”خیر سے دور ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا“ اسے شیطان بھی کہا گیا ہے اگر اس کا مادہ ”شطر“ ہو تو معنی ہوگا ”حق سے دور ہونے والا گروہ۔“ ”شبطہ“ سے ماخوذ ہو تو معنی ہوگا ”ہلاک ہونے والا اور جل جانے والا۔“ ❷

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش:

جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس انکار و تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا تو آدم علیہ السلام جو خاک سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا جنت میں کوئی ہم جنس نہ تھا کیونکہ فرشتے علیحدہ جنس تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند کو مسلط کیا پھر آپ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے سر کے پاس حضرت حوا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ پوچھا کہ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں عورت ہوں۔ پھر آپ نے کہا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا؟ تو انہوں نے عرض کیا تاکہ مجھ سے سکون حاصل کرو۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا امتحان لینے کے لئے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ عورت ہے پھر انہوں نے پوچھا: اسے امراة (عورت) کیوں کہا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: چونکہ یہ مرا (مرد) سے بنی ہے پھر انہوں نے سوال کیا اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حوا۔ پھر انہوں نے کہا: اس کا نام حوا کیوں رکھا گیا؟ {قَالَ لَأَنَّهُ حَوَّاءٌ مِنَ النِّسَاءِ} ”آپ نے فرمایا کہ زندہ چیز کو ”حی“ کہا جاتا ہے یہ بھی زندہ سے پیدا ہوئی اسلئے اس کا نام حوا رکھا گیا۔“

ایک روایت کے مطابق حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش فرشتوں کے سجدہ کے بعد جنت میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین میں تیار کیا گیا اور اس میں روح کو داخل بھی زمین میں ہی کیا گیا اور حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بھی زمین پر ہی ہوئی پھر دونوں کو جنت میں لے جایا گیا۔^①

حضرت آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر:

جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف میلان کرنا چاہا اور ارادہ فرمایا کہ دستِ محبت بڑھائیں تو فرشتوں نے کہا: اے آدم! ٹھہر جاؤ پہلے مہر ادا کر دو۔ آپ نے فرمایا: {فَمَا مَهْرُهَا قَالُوا حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ} ”وہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا: مہر یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔“

ایک روایت میں تین دفعہ اور ایک میں سترہ مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا یعنی اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آدم علیہ السلام کا مہر یہی تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھیں آپ نے درود پڑھا اور فرشتوں کی گواہی سے نکاح ہوا۔
”وَفِي ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْوَاسِطَةُ“ ”اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود چیز کے لئے وسیلہ ہیں یہاں تک کہ آپ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔“^②

دوسری روایت کے مطابق آپ کو اور حضرت حوا علیہا السلام کو شادی کے بعد فرشتے سونے کے تخت پر بٹھا کر اس طرح جنت میں لے گئے جس طرح بادشاہوں کو عزت کی خاطر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ گویا کہ بارات کی واپسی پر فرشتے سنہری ڈولی میں دونوں میاں بیوی کو اٹھا کر لارہے ہیں۔^③

قانونِ قدرت اور قانونِ عادت میں فرق:

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ عام طور پر کاموں کے اسباب بنادیئے ہیں اسی طرح انسانوں کی پیدائش میں بھی قانونِ عادت اسباب کے ماتحت کر دیا گیا کہ ماں اور باپ سے اولاد کی پیدائش ہوتی ہے۔ لیکن یہ قانونِ قدرت نہیں۔
”قانونِ قدرت“ کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ میں اس طرح بھی کر سکتا ہوں اسباب کی مجھے کوئی محتاجی نہیں مرد اور عورت کے بغیر اپنے دستِ قدرت سے مٹی کا قالب بنا کر اس میں روح پھونک کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

① حاشیہ جلالین، ص ۸، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

② روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج ۱، ص ۲۳۴-۲۳۳

③ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج ۱، ص ۲۳۴

فرمایا اور عورت کے بغیر مرد کی پہلی چاک کر کے عام عادت کے خلاف حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرما کر یہ واضح کر دیا کہ میں بغیر عورتوں کے مردوں سے اولاد پیدا کرنے پر بھی قادر ہوں اور عورت سے بغیر اس کے خاوند کے بیٹا پیدا کر کے بھی واضح کر دیا کہ میری قدرت سے یہ بھی ہے کوئی بعید بات نہیں یعنی حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو ایک عام طریقہ کے مطابق ہی ہوئی لیکن اس میں مرد کا کوئی واسطہ نہیں صرف جبریل امین کے پھونک کا اثر ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں۔

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت سے منع کرنے میں حکمت:

اگر حضرت آدم علیہ السلام جنت میں نہ ہوتے بلکہ پہلے ہی زمین پر ہوتے تو..... وَلَا تَعْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ ”اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ آ جاؤ“ کہنے کی نہ ضرورت درپیش آتی اور نہ ہی آپ سے بھول واقع ہوتی لیکن آپ تو جنت میں تھے اور آپ کا زمین میں رہنا اور زمین میں ہی اللہ کا خلیفہ بننا خود رب تعالیٰ کی مراد تھی آپ کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا: { اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الدُّنْیَا خَلِیْفَہٗ } ”بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں“

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنے محبوب اور محبوب کی مراد نہیں بھولے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مراد جو تھی کہ آپ زمین میں میرے خلیفہ ہوں گے اس سے حضرت آدم علیہ السلام سے بھول نہیں واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام ہوا البتہ بھول ان کے ماسوا چیز میں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ایک درخت کے قریب جانے سے روکا اس میں بھول واقع ہوئی جو زمین میں آنے کا سبب بنی۔

اس مقام پر یہ شبہ صحیح نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نسیان کے بغیر زمین پر لانے پر قادر تھا۔ بے شک اس کی قدرت حق ہے لیکن اس نے اظہار قدرت کو خود ہی حکیمانہ اسباب کے ساتھ مربوط فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کا نسیان انہی اسباب میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کیساتھ ساتھ اس کا حکیم ہونا بھی برحق ہے اور حکیم کی شان نہیں کہ حکمت کے خلاف کوئی کام کرے۔ حکمت کی رعایت سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی آدم علیہ السلام کی اس ظاہری لغزش کو حقیقتاً معصیت نہ سمجھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔ شیطان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس ممانعت کی خلاف ورزی میں آدم علیہ السلام کی لغزش کا سبب بن جائے اور لغزش کے صادر ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کا زمین میں خلیفہ اللہ ہونا جو منشاء ایزدی تھا، حکیمانہ طور پر پورا ہو جائے۔ ادنیٰ تا مل سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء اور مراد کو محقق فرمانے کے لئے یہ سب حکیمانہ اسباب پیدا فرمائے۔ ❶

آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی:

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٦٤﴾
 (سورہ بقرہ 4:1)

”اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

آدم و حوا علیہما السلام دونوں اس درخت کے قریب گئے اور اللہ تعالیٰ کے ممانعت کے باوجود انہوں نے اسے کھا لیا ایسی صورت میں آیت کریمہ کا بظاہر مفاد یہی ہو گا کہ آدم و حوا علیہما السلام (معاذ اللہ) دونوں ظالم ہو گئے، مگر یاد رہے کہ آدم علیہ السلام اللہ کی زمین پر اللہ کے پہلے خلیفہ اور اس کے نبی ہوئے۔ اللہ کا نبی اور اللہ کا خلیفہ کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی بندہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہے گا تو وہ خود ظالم و کافر قرار پائے گا۔

ظلم کے معنی: ”وَضَعُ الشَّيْءُ فِي مَوْضِعِهِ“ ① ”یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔“

قرآن کریم میں شرک کے لئے بھی لفظ ظلم وارد ہے حق تلفی اور حاکم کے فرمان حق کی نافرمانی کو بھی ظلم کہتے ہیں، بلکہ ہر معصیت و گناہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو جس کام کا حکم دے اس کی خلاف ورزی یقیناً گناہ ہے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ بندے کو اسی کام کا حکم دیتا ہے جو بندے کے اختیار میں ہو دیکھئے قرآن کریم نے فرمایا:

لَا يَكْفُلُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا..... ﴿٦٥﴾ (سورہ بقرہ 8:3) ”یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت و اختیار سے باہر اسے کوئی حکم نہیں دیتا۔“

ظاہر ہے کہ بھول کر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں۔ ایسی صورت و لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ کی نفی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم بھول کر بھی اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اب اس بات کا فیصلہ کہ حضرت آدم علیہ السلام قصداً اس درخت کے قریب گئے یا بھول کر بلا قصد؟ خود قرآن مجید سے ہی سن لیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ مَنبُتِ نَجْدٍ أَنَّهُ لَا يُفْرِقُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا يَلْبِسُ بَيْنَهُمَا وَلَا يَنْسِي وَكَمْ نَجِدُهُ عِزْزًا ﴿٦٦﴾
 (سورہ طہ 15:16)

”اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے درخت کے قریب نہ جانے کا عہد لیا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی قصد نہ پایا۔“

ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے کسی قسم کا کوئی ظلم سرزد نہیں ہوا نہ انہوں نے کوئی شرک کیا، نہ ان سے کوئی حق تلفی ہوئی نہ ان سے کسی معصیت اور گناہ کا صدور ہوا۔ جیسے روزے دار کا روزے کی حالت میں بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کا اس درخت سے بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں۔ یقیناً وہ گناہوں سے پاک اور نبی ہونے کی وجہ سے معصوم ہیں۔ شیطان ان

سے جس ظاہری لغزش کے صادر ہونے کا سبب بنا وہ حقیقتاً معصیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں متعلق ہیں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الْاٰیۃ..... کہنا بھی ان کے ظالم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے کمال عبدیت اور رب کریم کی بارگاہ میں انتہائی تواضع اور انکساری پر مبنی ہے۔ ❶

شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب؟

”شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے پھسلا یا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔“ (سورہ بقرہ 1:4)

آدم و حوا علیہم السلام کے لئے فرمان تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، شیطان نے ان سے اس فرمان الہی کی نافرمانی کرانا چاہی۔ اس لئے دوسو سے کی زبان میں دونوں سے کہا کہ میں تمہیں ایسا درخت نہ دکھاؤں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسی بادشاہی نصیب ہو جائے جس میں کبھی کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہو۔ شیطان نے ان کے دلوں میں بار بار دوسو پیدا کیا اور دوسو کی زبان میں قسم کھا کر ان کو کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس درخت کے کھانے سے تمہارے رب نے صرف اسلئے تمہیں روکا ہے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ تمہیں جنت میں رہنا نصیب نہ ہو جائے۔ آخر کار دھوکہ سے انہیں اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر لیا اور آدم و حوا علیہم السلام نے درخت سے کھا لیا اور کھاتے ہی ان کا جنتی لباس ان سے اتر گیا اور جنتی درختوں کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپا اور وہ جنت سے زمین کی طرف اتار دیئے گئے یہاں تک تو شیطان کی خواہش پوری ہو گئی لیکن اصل مقصد میں وہ کامیاب نہ ہوا۔

اس کی اصل خواہش یہ تھی کہ آدم علیہ السلام اللہ کی نئی کو یاد رکھتے ہوئے قصد اس درخت سے کھائیں اور اس طرح عاصی اور نافرمان ہو کر جنت سے نکالے جائیں اس لئے اس نے دوسو کی زبان میں ”مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ“ کہہ کر اللہ کی نئی بھی انہیں یاد دلادی لیکن عصمت الہیہ نے انہیں معصیت سے بچا لیا اور اس درخت کے کھانے سے پہلے نئی الہ کا انہیں لسیان ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقَسَىٰ وَاكُنْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿١٦﴾ (سورہ طہ 15:16) ”آدم علیہ السلام بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔“

اور آدم علیہ السلام قصد فرمان الہی کی خلاف ورزی سے بچ گئے اور شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”ازل“ کے بجائے ”اضل“ نہیں فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ شیطان نے ان کو پھسلا دیا یہ نہیں فرمایا کہ انہیں گمراہ کر دیا۔ ❷

شیطان نے وسوسہ کیوں ڈالا؟ آدم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے سجدہ کر لیا تو آپ کو اور آپ کی زوجہ کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا اور ارشاد ہوا کہ آپ یہاں جو چاہیں با فراغت کھائیں لیکن اس درخت کے قریب نہ جائیں تو اس منع کئے ہوئے درخت کی وجہ سے شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور انہیں خوشحالی بے فکری اور عیش و عشرت کے ماحول یعنی جنت سے دور کر دیا۔ وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے شیطان نے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿١٤﴾ (النجر 14:3)

”تو مردود ہے یہاں سے نکل جا!“

تو شیطان کے دل میں بغض و حسد کی آگ بھڑکنے لگی اور کہنے لگا کہ جس طرح میں ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا ہوں آدم و حوا اور ان کی نسل کو اسی طرح جنت سے نکالوں گا اور انہیں اسی طرح گمراہ کروں گا جس طرح مجھے گمراہ کیا گیا یعنی میں ان سے اپنا پورا بدلہ لوں گا۔

شیطان نے جب سجدہ سے انکار کیا اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا اسی وقت شیطان پھسلا نے پر کیسے قادر ہوا؟ اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت لے لی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ تیرا داؤ میرے مخلص بندوں پر نہیں چلے گا اسلئے شیطان آپ سے قصداً گناہ نہ کر اسکا بلکہ صرف اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر آپ کو بھلا دیا۔

شیطان انسانوں کو کیسے وسوسے ڈالتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴿٨﴾ (الاعراف 8:10)

”بیشک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔“

یعنی شیطان اور اس کے زیر اثر دوسرے چھوٹے چھوٹے شیطان جہاں کہیں بھی ہوں انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور انہیں وسوسہ میں ڈال سکتے ہیں حالانکہ انسان انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔

”بے شک شیطان انسان کے اندر اپنے اثرات اس طرح جاری و ساری کر سکتا ہے جیسے آدی کی رگوں میں خون جاری ہوتا ہے۔“

شیطان نے کہاں سے وسوسہ والی گفتگو کی؟

شیطان نے آدم حوا علیہم سے جو گفتگو کی وہ قوی وسوسوں کے ذریعے کی۔

”وَقَمِلَ عَاطِبُهُ مِنَ الْأَرْضِ وَكَمْ يَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ بَعْدَ
الطُّرُقِ وَاللَّعْنِ وَكَانَ عِطَابُهُ وَسْوَسَةً“ ❶

کہنا چاہتا تھا جب سے اسے جنت سے نکال دیا گیا پھر اسے
آسمانوں پر چڑھنے کی نہ اجازت تھی اور نہ ہی وہ چڑھ سکا۔

قرآن مجید یا کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں ہوا کہ شیطان آدم و حوا کے پاس جنت میں پہنچا ہو قرآن پاک میں تو صرف
یہی الفاظ وارد ہیں:-

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (الاعراف 8:22)

”ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈال دیا۔“

اور سورہ طہ آیت ۱۲۰ میں ہے: فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ

”شیطان نے ان (آدم) کو وسوسے میں ڈال دیا۔“

شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لئے جسمانی طور پر کسی کے پاس جانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ جسے

وسوسے میں ڈالے وہ اسے دیکھے بھی۔ ❷

تنبیہ: جن اقوال میں شیطان کا سانپ کے ذریعے یا مور کے ذریعے جنت میں جانا ثابت ہے یا شیطان کا جنت کے
دروازے پر بیٹھ کر وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے من گھڑت اقوال ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

”قَدْ ذَكَرَ الْمُفَسِّرُونَ هَهُنَا أَخْبَارَ إِسْرَائِيلِيَّةٍ“ ❸

”یہاں مفسرین نے کئی اسرائیلی خبریں نقل کر دی ہیں“

اور امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِعْلَمُ أَنَّ هَذَا وَأَمْثَالَهُ مِمَّا يَجِبُ أَنْ لَا يُلْتَفَتَ إِلَيْهِ“ ❹

”ضروری ہے کہ ایسی روایات کی طرف قطعاً التفات نہ کیا
جائے۔“

فائدہ: شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے تصرفات کی طاقت دے دی کہ وہ کہیں بھی ہو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال لیتا ہے
اور حضرت عزرائیل ملک الموت فرشتے کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ وہ ایک لمحے میں تمام روئے زمین کے کونے کونے
میں روح قبض کر سکتا ہے اور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ تصرفات کی طاقت دی ہے تو اس میں
دوسرے کسی کا کیا نقصان ہے؟ آپ اپنے امتی کی حالت زار کو دیکھیں اس کی حاجت کو پورا کریں وہ کہیں بھی ہو؟ اس میں نہ تو

❶ التبیان علامہ کاظمی رحمہ اللہ ج 1 ص 142

❷ کبیر علامہ رازی ج 1 ص 466

❸ تفسیر البحر المحیط علامہ ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ ج 1 ص 16

❹ تفسیر ابن کثیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ج 1 ص 80

کوئی شرک ہے اور نہ ہی عقلاً محال ہے۔

اعتراض: {وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى} یہاں پر کئی مترجمین نے عَصَى کا معنی ”حکم ٹالنا“ فرمائی کی آپ سے قصور ہوا“ کیا ہے اور غَوَى کا معنی ”راہ سے بہکا“ گمراہ ہوئے“ غلطی میں پڑ گئے“ راہِ راست سے بھٹک گیا“ کیا ہے۔ تو کس طرح

کہا جاسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے صرف بھول واقع ہوئی آپ نے کوئی جرم اور گناہ نہیں کیا؟

جواب: عام مترجمین نے یہاں ترجمہ صحیح نہیں کیا دیکھئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

”آدم علیہ السلام سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی“ اس ترجمہ سے واضح ہو

رہا ہے کہ یہ لغزش بھول کر تھی اس میں کوئی گناہ بھٹکنے والی بات نہیں تھی۔ اس مقام پر علامہ رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا:

”إِنَّ ظَاهِرَ الْقُرْآنِ وَإِنْ دَلَّ عَلَى أَنَّ آدَمَ عَصَى وَغَوَى لَكِنْ“ یعنی بے شک ظاہر قرآن پاک اگرچہ دلالت کرتا ہے کہ

لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ إِنَّ آدَمَ كَانَ عَاصِيًا غَاوِيًا“ ❶ حضرت آدم علیہ السلام سے عصیان و غواہیت واقع ہوئے لیکن کسی کو

یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم ٹالا وہ گمراہ ہوئے بھٹک گئے۔“

یعنی مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے اس کو حق پہنچتا ہے وہ اپنے بندے کے حق میں جو الفاظ چاہے

استعمال کرے لیکن وہی حقیقت ان کے معانی سے بھی آگاہ ہے۔ اس مقام پر علامہ آلوسی رحمہ اللہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَقَدْ صَرَّحَ الْقَاضِي أَبُو بَكْرٍ بْنُ الْعَرَبِيِّ بِعَدَمِ جَوَازِ نِسْبَةِ الْعِصْيَانِ لِلْآبَاءِ الْأَدْنَى الْإِمْنَا الْمُتَمَثِّلِينَ لَنَا فَكَيْفَ يَجُوزُ“ قاضی ابو بکر بن عربی نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ

عصیان یعنی نافرمانی بھٹک جانا، بہک جانا، گمراہ ہو جانا۔ اس

قسم کے الفاظ کی نسبت جب ہم اپنے والدین، آباء و اجداد کی

طرف نہیں کر سکتے جو انسانیت میں ہمارے مماثل ہیں اور

انبیائے کرام سے گھٹیا ہیں تو ایسے الفاظ کی نسبت انبیائے کرام اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟ جو

برگزیدہ مکرم اور ہر طرح تعظیم و تکریم کے لحاظ سے مقدم ہیں۔“

معالم التزیل میں ہے:

”وَأَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِطْلَاقُ الْعَاصِي وَغَيْرِهِ عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ“ یہ یقینی بات ہے کہ آدم علیہ السلام پر عاصی وغیرہ (نا فرمان ہوا)

بھٹک گیا، گمراہ ہوا) کے الفاظ کا اطلاق جائز نہیں۔“ ❷

❶ تفسیر کبیر، علامہ رازی ج 1، ص 466 مطبوعہ بیروت

❷ روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 9، حصہ اول ص 275

❸ معالم التزیل، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ مطبوعہ مکتبہ محمدی، بمبئی

انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں:

انبیائے کرام تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں معاذ اللہ انبیائے کرام سے گناہ سرزد ہوں، یہ ہو نہیں سکتا۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں آپ فرماتے ہیں:-

✽ اگر انبیائے کرام سے گناہ سرزد ہوں تو ان کا مرتبہ اپنی امتوں کے نافرمان گناہگار لوگوں سے بھی کم ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کے مراتب بہت بلند ہوتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور شرافت حاصل ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں ان سے گناہ سرزد ہوں تو وہ بہت زیادہ برے سمجھے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ ضَاعَفْ لَهَا (اٰنۡبَا 21:22) ﴿۱﴾ کرے اس پر اوروں سے دو ناعذاب ہوگا۔“

اس سے مراد شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آنا ہے کیونکہ بدکاری سے اللہ تعالیٰ انبیاء کی بیبیوں کو پاک رکھتا ہے۔ بہر حال جس شخص کی خصوصیت اور فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔ ﴿۱﴾

اسی طرح مہسن سے بدکاری سرزد ہونے میں رجم کیا جاتا ہے اور غیر مہسن کو ایک سو کوڑے لگائے جاتے ہیں: کیونکہ مہسن کی شان غیر مہسن سے اسلئے زائد ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اس سے بدکاری سرزد ہونا عظیم جرم سمجھا جائے گا۔ جب اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی کا مقام امت کے کسی فرد سے بھی کم نہیں ہو سکتا تو گناہگاروں سے کم درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

✽ گناہگار فاسق ہوتا ہے اور اگر نبی سے گناہ سرزد ہوں تو وہ معاذ اللہ فاسق ہوں گے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا... ﴿۱﴾ (حجرات 26:13) ”اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو۔“

اس طرح انبیائے کرام کا مرتبہ اپنی امت کے عادل لوگوں سے کم ہو جائے گا حالانکہ انبیائے کرام کے تشریف لانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی شہادت دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کو شاہد ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا... ﴿۱﴾ (بقرہ 2:1) ”اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں گے۔“

☆ انبیائے کرام سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہونا جائز ہو سکے تو ان کو زجر کرنا اور سختی سے روکنا ضروری ہو جائے گا اس طرح انبیائے کرام کو ایذا پہنچانا حرام نہیں ہوگا، حالانکہ انبیائے کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
(احزاب 5:22)

اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔“

☆ ہر نبی کی امت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی تابعداری کریں جیسے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ”فَاتَّبِعُونِي“ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا ”میری تابعداری کرو“ اگر معاذ اللہ آپ سے گناہ سرزد ہونے جائز ہو سکیں تو آپ کی امت کو آپ کے گناہوں کی تابعداری کرنا واجب ہوگا اس طرح گناہ کرنے حرام بھی ہوں اور گناہوں میں نبی کی تابعداری واجب بھی ہو ایک ہی وقت میں ایک کام حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

☆ ہماری عقل واضح طور پر یہ کام کرتی ہے کہ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے نبی اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہوتا ہے اور نبی اللہ کے بندوں اور اس کی زمین میں اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو سنتے ہوئے کہ ”یہ کام نہ کرو“ پھر وہ اپنی لذات کو ترجیح دے کر وہ کام کرے؟ اللہ کے روکنے اور اس کے عذاب کے خوف کی طرف توجہ نہ دے۔ یہ بہت برا اور ناممکن ہے۔

☆ جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا
(جن 12:29)

کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اسی طرح گناہوں کے مرتکب لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الْأَلْعَنَةُ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٢﴾ (ہود 2:12)

”خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے“

اگر انبیائے کرام گناہ کریں تو وہ عذاب اور لعنت کے مستحق ہوں گے حالانکہ اجماع امت ہے کہ انبیائے کرام عذاب یا لعنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

☆ انبیائے کرام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اگر خود اس پر عمل نہ کریں تو ان پر صادق آئے گا۔

اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْهَرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلُونَ
الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ (بقرہ 5:1)

حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

جب ایک عام نصیحت کرنے والے کی اس سے امت کی جاسکتی ہے تو انبیائے کرام جو عظیم مراتب کے مالک ہوتے

ہیں ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اور لوگوں کو نصیحت کریں اور خود عمل نہ کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا۔
وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ إِنِّي لَأُرِيدُ إِلَّا
الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ..... ﴿٨﴾
(ہود: 8)
سنوارنا ہی چاہتا ہوں۔“

✽ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:
لَهُمْ كَلِمَاتٌ سَرِيعُونَ فِي الْأَعْمَارِ..... ﴿٦﴾ (انبیاء: 6:17) بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔
خیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھا کام کرنا اور ہر برے کام سے بچنا، اس سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کرتے ہی
اچھے کام ہیں اور برے کاموں سے بچتے ہیں لہذا ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔

✽ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:
وَأَنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَعْيَارِ ﴿٦﴾ (ص: 14:23) اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔
جب اس کو مطلق ذکر کیا ان کی کسی خصلت اور عادت کو علیحدہ نہیں کیا تو پتہ چلا کہ ان کے تمام کام ہی اچھے ہیں کوئی برا
کام نہیں اگر کسی شخص میں کوئی برا کام پایا جائے تو اس طرح کہا جاتا ہے۔

فَلَانٌ مِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَعْيَارِ الْأَنَّى الْفَعْلَةُ الْفَلَانِيَّةُ
”فلان شخص ہے تو برگزیدہ اور چنے ہوئے لوگوں میں سے لیکن
البتہ سوائے فلاں کام کے کہ وہ اس کام میں اچھا نہیں۔“

جب انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق ایسا کوئی کوئی جملہ ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے واضح ہوتا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سب
کام اچھے ہی اچھے ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور بھی کئی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٦﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِينَ ﴿٧﴾ (ص: 14:23) میں تیرے قلم بندے ہیں۔
تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان
میں تیرے قلم بندے ہیں۔

شیطان نے اپنی عاجزی کا ذکر کر دیا کہ اے اللہ! تیرے قلم بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم
اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اپنے قلم بندے کہا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَىٰ الدَّارِ ﴿٦﴾
”بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا اس گھر
کی یاد ہے۔ یعنی ہم نے انہیں اپنا قلم بند بنایا۔“
(ص: 13:23)

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

”پیشک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔“

﴿يُؤْتِيكَ اللَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ (یوسف 12:13)

جب بعض انبیائے کرام کا مخلص ہونا واضح ہو گیا اور شیطان کے اپنے قول کے مطابق وہ مخلص بندوں کو گمراہ کرنے سے عاجز ہے تو تمام انبیائے کرام کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ بعض انبیائے کرام معاذ اللہ گناہگار ہیں اور بعض نہیں۔

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا﴾ اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہوئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سبا 22:8)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ایمان والے لوگوں کے ایک گروہ نے شیطان کی تابعداری نہیں کی جنہوں نے شیطان کی تابعداری نہیں کی وہ گناہگار بھی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گروہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے یا دوسرے لوگ ہیں؟ اگر انبیائے کرام علیہم السلام ہیں تو یقیناً تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا حکم ایک ہی ہے اور اگر یہ لوگ انبیاء نہیں تو پھر بھی واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہگار نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر انبیائے کرام علیہم السلام گناہگار ہوں اور دوسرے لوگ گناہگار نہ ہوں تو جو نبی نہیں وہ نبی سے شان کے لحاظ سے بڑھ جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ نبی کے درجے کو کوئی دوسرا نہیں پاسکتا۔

﴿اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي رَأْيِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک کے متعلق فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ إِلَّا إِنَّا جِزْبُ الشَّيْطَانِ هُمْ﴾ ”وہ شیطان کے گروہ ہیں“ خبردار! بے شک شیطان ہی کا گروہ الخسروں ﴿﴾ (مجادلہ 28:3)

دوسری قسم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ إِنَّ جِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”وہ اللہ کا گروہ ہے“ خبردار! بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔ ﴿﴾ (مجادلہ 28:3)

اس میں تو کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ شیطانی گروہ تو وہی ہوگا جو ایسے عمل کرے گا جن کو شیطان پسند کرتا ہوگا، اور شیطان کے پسندیدہ عمل ”گناہ“ ہیں ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا، گناہگار ہوگا وہی شیطانی گروہ میں ہوگا۔ اگر معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی گناہ سرزد ہوں تو وہ شیطانی گروہ میں داخل ہوں گے اور خسارے میں ہوں گے۔ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ امت کے نیک و پرہیزگار لوگ تو اللہ کا گروہ ہوں اور کامیاب ہونے والے ہوں اور انبیائے کرام شیطانی گروہ

میں داخل ہو کر خسارے میں ہوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کسی مسلمان کا ایسا سوچنا بھی اپنے دنیا اور دین کو برباد کرنا ہے۔
 ﴿انبیائے کرام علیہم فرشتوں سے افضل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے کیونکہ فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِ يُعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ (انبیاء: 17) ”اور اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔“
 اسی طرح فرشتوں کے متعلق اور یہ فرمایا:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٢٨﴾ (تحریم: 28) ”اور وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔“

جب فرشتے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیائے کرام جو ان سے افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل نہ کریں؟ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کریں؟ گناہگار تو نیکیوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٣﴾ (ص: 12) ”کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پر ہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں۔“

﴿نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور آپ نے اسے قیمت ادا کر دی اس نے پھر آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا کہ قیمت تو میں نے ادا کر دی اس نے آپ سے گواہ طلب کیا آپ نے خیال کیا میری گواہی کون دے گا اس وقت تو کوئی موجود ہی نہیں تھا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اعرابی کو گھوڑے کی قیمت ادا کر دی ہے۔ آپ نے جب ان سے پوچھا: تم نے کیسے ہمیں آسمانوں کی خبریں بتاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں، تو کیا اس گھوڑے کی قیمت ادا کرنے پر آپ کی تصدیق نہ کریں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آئندہ خزیمہ جہاں اکیلے ہی گواہی دیں گے ان کی گواہی دو شخصوں کے برابر سمجھی جائے گی۔﴾

اگر معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم سے گناہ ہونے ممکن ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کبھی گواہی نہ دیتے بلکہ یہ خیال کرتے کہ نبی کریم ﷺ بھی (معاذ اللہ) ہماری طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ (خیال رہے کہ قمر الاقمار حاشیہ نور الانور میں اونٹنی خریدنے کا ذکر ہے)
 ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا...﴾ (بقرہ: 15) ”بیشک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔“

یہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا: امام وہ ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور تابعداری کریں اگر نبی سے گناہ واقع ہوں تو ان گناہوں کی اقتداء اور تابعداری بھی لازم ہوگی یہ ممکن نہیں کہ نبی گناہوں سے منع بھی کریں اور گناہ کر کے لوگوں کو اپنے گناہوں کی اقتداء کا بھی حکم دیں۔

لَا يَدْنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٥﴾ (بقرہ 1:15) ”وہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔“

یعنی نبوت اور امامت کا وعدہ نیک اور اللہ کے قرب کے مستحق لوگوں کے لئے ہے ظالموں کے لئے نہیں گناہگار کبھی نبی نہیں بن سکیں گے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیائے کرام گناہ نہیں کرتے کیونکہ گناہگاروں کو منصب نبوت ملتا ہی نہیں۔ ❶

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا زمین پر تشریف لانا:

”اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِمَا

یعنی جنت میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں کو رہنے کی اجازت دی گئی اور ہر قسم کے جنت کے پھل اور نعمتیں کھانے کی اجازت دی گئی البتہ ایک درخت سے منع کیا گیا جب شیطان خیر خواہ بن کر قسمیں اٹھا کر نصیحت دینے والے کی شکل میں آپ کو وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے الگ ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

”اور ہم نے کہا تم تمام اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں۔“

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

”اور رب نے فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو۔“

اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَقَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا

دونوں آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام بمع ان کی اولاد کے جو تاقیامت معرض وجود میں آئی تھی زمین پر اترنے کا حکم دیا اور فرمایا تمہاری اولاد جنس دوسرے بعض کی دشمن ہوگی۔

خیال رہے کہ شیطان کو ان دونوں کے اتارنے سے پہلے ہی مردود کر کے روئے زمین پر بھیج دیا گیا تھا یہاں سے اس کے اترنے کا ذکر نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ”سرائع پ“ میں اتارے گئے اور حضرت حوا کو ”جده“ میں اور شیطان کو پہلے ہی ”الہ“ میں اتار دیا گیا تھا۔ ❷

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کا جنتی لباس اتار لیا گیا تھا اور جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر ڈھانپ کر تشریف لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین اسلئے عمدہ اور ہری بھری ہے اور عود و قنفل وغیرہ خوشبوئیں اسلئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب اس زمین پر آئے تو ان کے جسم پر جنتی درخت کے پتے تھے وہ پتے

ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا۔ ❶

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے؟

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود (سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے) اور وہ عصا جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ سونا، چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ آدم علیہ السلام اس قدر گریہ رازی میں مشغول ہوئے کہ ان تخموں سے بے خبر ہو گئے شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس قسم پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے: ایک وہ جو پورے کھائے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور ستمیلی پھینک دی جاتی ہے جیسے کھجور آم وغیرہ۔ تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت ہے کہ ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے ایک ”سڈاسی“ جس سے لوہا پکڑتے دوسرا ہتھوڑا۔ تیسرا ”ایرن“ نیز حجر اسود۔ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اس حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں۔ ❷

نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو تسلی:

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام حکم الہی زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔ یہ تمام واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں جن کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر جمع فرمایا ہے۔ ❸

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش:

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ سب سے اول کپڑا بننے کا کام آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں آپ کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے، نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا کام تھا، ادریس علیہ السلام درزی گری، حضرت ہود اور صالح علیہ السلام تجارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 284 ❹

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر بھی درختوں کے پتوں سے پتھریں اور زنجیلیں وغیرہ بنا کر گذرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا دیا ہے وہ شام کا کھانا بھی دے گا۔ ①

فائدہ: تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کنوئیں کا پانی کبھی نہیں پیا بلکہ آپ ہمیشہ بارش کا پانی پیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے چاندی سے روپے اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

آدم علیہ السلام کی توبہ:

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ ”پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر رجوع برحمت ہوا بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے۔“ (البقرہ 1:4)

”تلقى“ کا معنی ہے آگے بڑھ کر ملاقات کرنا یعنی استقبال کرنا۔ اب معنی یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام نے آنے والے باوقار مہمانوں معظم احباب کی طرح محبت و اکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات کا استقبال کیا۔ وہ کلمات کیا تھے علامہ ابو حیان رحمہ اللہ نے فرمایا:

”یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر وہ کلمات نہیں بتائے۔“
”وَلَمْ يُخْبِرْنَا اللَّهُ بِهَا إِلَّا مُبَهَّمَةً“
بلکہ فتلقى آدم من ربه کلمات فرما کر ہمیں صرف کلمات مبہمہ کی خبر دی اسلئے ان کی تعیین میں اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں:
① ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں:
{ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ }

② عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں:
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

③ وہب اور محمد بن کعب رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ یہ کلمات ہیں:
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَاعْفُرْ لِي إِنَّكَ عَمِدُ الْغَافِرِينَ

یہ قول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی منسوب ہے۔

④ ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسی اسم مبارک کو اپنی

شفاعت کا ذریعہ بنایا یہ آخری قول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت طبرانی بیہقی حاکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تفسیر عزیزی میں نقل کیا۔ یہاں تفسیر عزیزی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

”اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم“

اسی تفسیر عزیزی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی بروایت ابن المذہب منقول ہے:

”اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ اَنْ تُغْفِرَ لِيْ عَظِيْمَتِيْ“

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”وَقَدْ رَأَى مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
فَشَفَعَ بِهِ وَإِذَا أُطْلِقَتِ الْكَلِمَةُ عَلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَلَتُطْلَقَ الْكَلِمَاتُ عَلَى الرُّوحِ الْأَعْظَمِ وَالْحَبِيبِ
الْأَكْرَمِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا عِيسَى بَلْ وَمَا مُوسَى بَلْ وَمَا الْإِبْرَاهِيمُ
مِنْ ظُهُورِ أَنْوَارِهِ زَهْرَةً مِنْ رِيَاحِ أَنْوَارِهِ صلی اللہ علیہ وسلم“ ①

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرش پر ”محمد رسول اللہ“
لکھا دیکھا تو حضور کو انہوں نے اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یعنی
وہ کلمات ”محمد رسول اللہ“ ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
جب قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو روح
اعظم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ”کلمات اللہ کا بولا جانا تو ضرور ہی
ثابت ہو جائے گا نہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ“ بلکہ عالم امکان میں کوئی نہیں اور واقعی کوئی نہیں لیکن سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور انوار کے
جلوے اور آپ ہی کے گلزار حسن کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔“

اگر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ یاد دے شفع آدم نہ آدم یا فتنے تو بہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر آدم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بطور وسیلہ نہ پیش کرتے اور اسی طرح نوح علیہ السلام آپ کے اسم گرامی کا
وسیلہ نہ لاتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔

آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ذریعے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کی طرف رحمت کی توجہ کرتے
ہوئے توبہ کو قبول فرمایا۔

بعض علماء کے نزدیک آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلمات لینا اور ان کے ذریعے توجہ کرنا اور ان کا قبول کرنا ہونا جنت
سے اترنے کے بعد اور توبہ بھی کئی سو سال بعد قبول ہوئی دو سو بلکہ تین سو سال آہ و بکاہ گریہ زاری اور ندامت کے حال میں ان پر
گذرے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۱۸۴ میں یہی فرمایا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ جنت سے باہر آنے سے پہلے

ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات عطا فرمادیے تھے اور اسی وقت انہوں نے توبہ کی جو قبول ہوگئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے انکی خطا معاف فرمادی البتہ یہ ممکن ہے کہ معافی کے باوجود آدم علیہ السلام اپنی لغزش کو یاد کر کے ندامت کے طور پر سالہا سال تک گریہ وزاری میں مشغول رہے ہوں جو خوف و خشیت الہیہ کا تقاضا اور کمال عبدیت کی دلیل ہے۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے {فَتَابَ عَلَيْهِمَا} نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ کو قبول کر لیا اسلئے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ مرد کے ذکر سے عورت کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے۔ ❷

علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے روح البیان کے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں زمین پر آنے سے پہلے آپ کی توبہ قبول ہو چکی تھی زمین پر رونا عجزی کے لئے تھا تاہم مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ نے تفسیر نعیمی ص ۲۸۹ پر بیان کیا ”یہ قول ضعیف ہے جب توبہ قبول ہو چکنے کے بعد زمین پر تشریف لائے تو پھر بیوی سے علیحدگی کیسی؟ اور پریشانیاں کہاں؟ یعنی رب تعالیٰ کسی کو معافی دے کر بلا وجہ پریشانی میں نہیں ڈالتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کو قبول ہوئی۔ آپ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کس دن قبول ہوئی؟ جنت سے باہر تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہی تھا اور وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

خیال رہے کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے: آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، ایوب علیہ السلام کی شفاء، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا، یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے ملنا، حضرت امام حسین علیہ السلام کا کربلا میں شہید ہونا، سب دسویں محرم کو واقع ہوئے۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری۔

اہل سنت گیارہویں رات کو حضرت غوث پاک رحمہ اللہ کے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں وہ درحقیقت ان تمام بزرگوں کو حاصل ہونے والے انعامات پر اظہارِ خوشی بھی ہوتا ہے۔ ❸

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہ السلام کی ملاقات:

جب زمین پر تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کے علاقہ سراندپ کے پہاڑ پر اترے اور حضرت حوا علیہ السلام جدہ میں توبہ قبول ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات عرفات کے مقام پر ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی لئے اس

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۳۷

❶ التہان علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۴۷-۱۴۹

❷ تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۹۰

میدان کو عرفات کہتے ہیں یعنی پہچاننے کی جگہ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی لے لی گئی تھی یعنی بھلا دی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا تو بہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانورو! حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو دریا کی جانوروں نے سراٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جس پر آپ کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی بن گئے جیسے گھوڑا، اونٹ، بکری، کتا، بلی وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جیسے ہرن وغیرہ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی حق میں دعا:

اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا! میری اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت۔ اگر تو انکی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیسے بچ سکیں گے۔ حکم الہی آیا: اے آدم! تمہارے اور احکام تھے آپ کی اولاد کے لئے اور احکام ہوں گے ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔ ❶

آدم علیہ السلام کی اولاد:

حضرت حوا علیہا السلام میں یا چالیس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ہر حمل میں دو دو بچے پیدا ہوئے ایک مذکر اور ایک مؤنث ایک حمل کے بچوں کا دوسرے حمل کے بچوں کا ایسا حکم تھا جیسا کہ مختلف ماں باپ کے بچوں کا ہوتا ہے یعنی پہلے حمل کے بچے کا دوسرے حمل کی بچی سے نکاح ہوتا اسی طرح دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔ ❷

تنبیہ: حضرت آدم علیہ السلام کے دو دو بچے ہر حمل سے ہوئے سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے: "وَضَعْتُ شِمْنًا وَحَدًّا كَرَامَةً سَوَدًا مُعَمَّدًا عَلَيْهِمُ الْوَرْدُ" حضرت حوا نے حضرت شیث علیہ السلام کو صرف اکیلا ہی جتا ہے ان کے ساتھ جڑواں کوئی بچی نہیں تھی۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کے لئے مالک الملک نے ایک بچے سے ہی

حاملہ کیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آ گیا۔

❶ تفسیر عزیزی و تفسیر عیسیٰ مفتی احمد یار خان عیسیٰ رحمہ اللہ ج 1 ص 291 ❷ تفسیر صادی ج 1 ص 356

❸ مواہب لدنیہ انوار محمدیہ ص 15 دارالکتب العلمیہ بیروت

حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں وصیت کی کہ یہ نور مبارک پاک عورت کی طرف منتقل کرنا ہے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی وصیت کی یہ سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک چلتا رہا کہ ہر شخص نے اپنے بیٹے کو اس نور کے پاک لطن کی طرف منتقل کر نیکی وصیت کی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد وغیرہ چالیس ہزار سے زائد ہو گئی تھی۔ تفسیر صاوی اور جمل وغیرہ میں ایک لاکھ تک پہنچ جانے کا ذکر ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا:

حضرت آدم علیہ السلام کی صلیبی اولاد سے قابیل اور ہابیل تھے۔ قابیل بڑا تھا، ہابیل چھوٹا تھا۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل بکریاں چراتا تھا۔ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام ”اقلیما“ تھا جو بہت زیادہ حسین و جمیل تھی اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی ”لیووا“ خوبصورتی میں کچھ کم تھی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے قانون کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح قابیل سے ہونا تھا لیکن قابیل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہی میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا دونوں کو نیاز کا مشورہ:

جب قابیل نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کر دی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں اللہ کی راہ میں کوئی نہ کوئی چیز پیش کرو، جو سچا ہوگا اس کی نیاز و صدقہ قبول ہو جائے گا اور جو جھوٹا ہوگا اس کی طرف سے پیش کیا گیا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ اس وقت قبولیت کی یہ علامت تھی کہ جس کا صدقہ قبول ہو جاتا اسے قدرتی طور پر آنے والی آگ کھا جاتی اور جو قبول نہیں ہوتا تھا اسے آگ نہیں کھاتی تھی۔ قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے ایک بکری یا ایک دنبہ رب تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا دونوں نے یہ کہہ کر نیاز پیش کی کہ ”اے اللہ! جو اقلیما کا زیادہ حقدار ہے اسکی قربانی قبول فرما“

آسمانی آگ نے ہابیل کے صدقہ کو کھا کر قبولیت بخش دی اور قابیل کے صدقہ کو آگ نے نہ کھا کر رد کر دیا۔ قابیل کے دل میں حسد بغض و عناد بھڑک اٹھا اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر فرمایا: **وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتَلْبَسَ مِنَ** ”اور انہیں پڑھ کر سناؤ! آدم کے بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں

أَحَدِهِمَا وَكَمْ يَتَقَبَّلُ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٦٠﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِكَ يَدِي إِلَيْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٦٢﴾

نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی، بولا: قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑیں تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

(ماکہ 6:9)

اس واقعہ کو ذکر کرنے کا یہ مطلب تھا کہ حسد کی برائی معلوم ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنے والوں کو سبق حاصل ہو اور قیامت تک لوگ حسد کو برا سمجھیں۔ ہابیل حق پر تھے ان کے تقویٰ کے پیش نظر ان کا صدقہ قبول ہو گیا۔ انہوں نے کہا: میں چاہتا ہوں میرا اور تمہارا گناہ تمہارے ہی پلہ پڑے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے باپ کی نافرمانی کی وہ گناہ بھی تمہارے ذمہ ہے اور اگر مجھے قتل کرنا چاہو تو کر لو میرے قتل کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہی ہوگا۔ ❶

آخر کار قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا:

فَطَوَعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٣﴾

”تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔“

(ماکہ 6:9)

آدم علیہ السلام مکہ گئے ہوئے تھے اس نے ان کے پیچھے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا اسلئے قابیل جانتا نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے تو شیطان لعین نے اس کے سامنے ایک پرندے کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے پھوڑ دیا۔ قابیل کو پتہ چل گیا کہ اس طرح قتل کرنا ہے ہابیل چونکہ بکریاں چراتے تھے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے قابیل نے ان کے سر پر پتھر مار کر انہیں قتل کر دیا اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔ ❷

قتل کے بعد قابیل کی دنیا میں ذلت:

عبدالرحمن بن فضالہ سے مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی عقل زائل ہو گئی دل میں سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی اسی طرح پاگل ہی رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ قتل کرنے سے پہلے رنگ اس کا سفید تھا اور قتل کے بعد اس کا تمام جسم

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 111-112 ❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 114

کالا ہو گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کی سرزمین سے واپس ہونے پر قابیل سے پوچھا: تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں کوئی اس کا ذمہ دار تو نہیں تھا آپ نے فرمایا: تو نے اسے قتل کر دیا ہے اسی لئے تیرا جسم سیاہ ہو چکا ہے۔ ❶

قابیل کا اخروی عذاب:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا اس کے قتل کا عذاب آدم علیہ السلام کے پہلے ”قاتل بیٹے“ پر بھی ہوگا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل کی ابتداء کی۔ یعنی جس طرح قتل کرنے والے کو قتل کا عذاب ہوگا اسی طرح قتل کی ابتداء کرنے والے کو بھی عذاب ہوتا رہے گا۔ ❷

بیٹے کے قتل پر حضرت آدم علیہ السلام کا غم:

حضرت آدم علیہ السلام بیٹے کے قتل پر اتنے زیادہ غمزدہ ہوئے کہ ایک سو سال تک آپ مسکرائے نہیں ایک سو سال کے بعد آپ کو ایک اور بیٹے کی بشارت دی گئی یعنی آپ کو کہا گیا: ”اللہ آپ کو زندہ رکھے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک اور بیٹا عطا فرمانے والا ہے تو آپ مسکرائے“ البتہ حضرت علامہ محی السنہ رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو قابیل کے قتل ہونے کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام عطا ہوئے اور آدم علیہ السلام کے ولی عہد بنے۔

خیال رہے تفسیر کشاف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے قتل ہونے کے بعد بطور مرثیہ اشعار کہے لیکن تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ نے اور روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اسے رد کیا کہ یہ غلط اور جھوٹ ہے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اشعار نہیں کہے۔ ❸

قتل کے بعد قابیل کی پریشانی:

قابیل نے جب قابیل کو قتل کر دیا تو اب یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی طرح چھوڑ دینے پر اسے یہ خطرہ تھا کہ درندے کھا جائیں گے تو وہ اپنے بھائی کی لاش کو بوری میں ڈال کر پھرتا رہا یہاں تک کہ لاش بدبودار ہو گئی۔ اسے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ بہت ہی پریشان تھا خیال رہے قرآن پاک میں اس مقام پر لاش کے لئے لفظ ”سوءۃ“ استعمال ہوا جس کا اصلی معنی تنگیز ہے یعنی جسم کا وہ حصہ جو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ وہ بھی قتل کے بعد لاش چھپائے پھرتا تھا

❶ روح المعانی ج 4 ص 115 کبیر ج 11 ص 208

❷

❸ روح المعانی ج 4 ص 115

❹ روح المعانی ج 4 ص 115 کبیر ج 11 ص 208

❺

اس لئے اسے ”سوءۃ“ کہا گیا ہے۔

لاش چھپانے میں کوئے کی معاونت:

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُروِيَ كَيْفَ يُوَارِي سَوْآتَهُ
أَخِيهِ قَالِ يُوَاسُ أَيُّكُمْ أَعْجَزُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ
فَأُوَارِيَ سَوْآتَهُ أَخِيهِ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٩٦﴾
”تو اللہ نے ایک کو ابھیجاز میں کریدنے لگا کہ اسے دکھائے
کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کو
سے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا، تو
پچھتا تا رہ گیا۔“ (مائدہ 96)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ قاتل مجرم ہونے کے باوجود جب اس پریشانی میں پھنسا ہوا تھا کہ اپنے بھائی کی
لاش سے کیا کرے؟ دنیا میں پہلی موت تھی قبر کھودنے دفن کرنے سے وہ بے خبر تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل حل کرنے کے لئے
اس کا معاون کوئے کو بنا کر بھیجا۔

کوئے نے کیسے معاونت کی؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین وجہ بیان کی ہیں اگرچہ مشہور پہلی بات ہی ہے:

① اللہ تعالیٰ نے دو کوئے بھیجے وہ دونوں لڑے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کرید اور
مردہ کوئے کی لاش کو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی اس سے قاتل کو بھی پتہ چل گیا کہ میں نے بھی ایسا ہی کرتا
ہے اور بہت پشیمان ہوا کہ میں اس کوئے سے بھی زیادہ عاجز ہو گیا اتنا کام بھی نہ کر سکا۔

② قاتل نے تنگ آ کر حائیل کی لاش کو اسی طرح پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے کوئے بھیجے جنہوں نے مٹی کھود کھود کر اس لاش پر
ڈالی اور اسے چھپا دیا یہ دیکھ کر قاتل کو بہت افسوس ہوا کہ حائیل کو اللہ نے کتنی عزت بخشی ہے اور میں کتنا ذلیل ہو گیا۔

③ کوئے کی عام عادت یہ ہے کہ کوئی کھانے کی چیز اس کے پاس ہو تو وہ اسے دوسرے وقت کے لئے زمین میں دبا دیتا ہے
اس نے جب کسی چیز کو زمین میں چھپایا تو قاتل کو پتہ چل گیا کہ میں نے اپنے بھائی کی لاش کو ایسے چھپاتا ہے اور ساتھ
ساتھ کوئے سے کم علم رکھنے کی وجہ سے بہت پشیمان بھی ہوا کہ مجھ سے تو کوئی اچھا ہے جسے چیزوں کو چھپانا آتا ہے۔

تنبیہ: قاتل کو ندامت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی اور نہ ہی وہ تائب ہو رہا تھا بلکہ اسے ندامت اس پر ہوئی کہ وہ
بھائی کی لاش کو اٹھائے پھرتا رہا اور کوئے سے بھی کم عقل رہا کہ اسے دفن نہ کر سکا اور اس وجہ سے نادم ہو رہا تھا کہ وہ
بھائی کو قتل کرنے کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ اس سے ماں باپ بہن بھائی سب ناراض ہو گئے تھے

..... اور وجہ یہ بھی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک کوئے نے بڑی مہربانی سے دوسرے کی لاش کو دفن کیا تو یہ اس پر نادم ہوا تھا کہ مجھے تو اپنے بھائی پر اتنا رحم بھی نہیں آسکا جتنا کوئے کو ہے واضح ہوا کہ اس نے کوئی توبہ نہیں کی اور ندامت اسے صرف اپنی حماقت پر تھی۔ ❶

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات:

جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے آدم علیہ السلام کے فرزند یہ حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے ملے جن سے انہوں نے آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ذکر کیا فرشتوں نے کہا: ہمارے ساتھ آؤ! جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔

چنانچہ یہ سب آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔ انہوں نے فرمایا: کہ حوا علیہا السلام! اب تم مجھ سے الگ رہو میرے اور رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو۔ اس طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی:

فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جس طرح ہم تمہارے باپ کا کفن و دفن کریں گے اسی طرح تم فوت ہونے والے لوگوں کا کفن و دفن کرنا۔

جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی جوڑے کا کفن اور جنتی پیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور ملائکہ ان کا جسم مبارک کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں پھر مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھود کر ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح ڈھلوان بنایا۔ حضرت حوا علیہا السلام کی قبر ”جدہ“ میں ہے بعض روایات کے مطابق دونوں کی قبر حرم میں طواف کی جگہ میں ہیں۔ ❷

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت شیث علیہ السلام

حضرت شیث علیہ السلام، آدم علیہ السلام کے صلی بیٹے ہیں، درمیان میں اور کوئی واسطہ نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بچے دو (جڑواں) پیدا ہوئے، لیکن حضرت شیث علیہ السلام اکیلے ہی پیدا ہوئے۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرۂ توحید کی وجہ سے اکیلے پیدا کیا گیا۔ آپ کے ساتھ دوسرے کسی بچے کو پیدا نہیں کیا گیا۔

ابن جوزی اپنی کتاب ”وقفا“ میں کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”لَمَّا ارَادَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَخْلُقَ مُحَمَّدًا ﷺ اَمَرَ جِبْرِيلَ فَاَتَاهُ بِالْقُبْضَةِ الْبَهْمَاءِ الَّتِي هِيَ مَوْضِعُ قَبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ فَعَجَنَتْ بِمَاءِ التَّسْنِيمِ فَفُيِسَتْ فِي اَنْهَارِ الْجَنَّةِ وَطِيفَتْ فِي السَّمَوَاتِ فَعَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ مُحَمَّدًا ﷺ قَبْلَ اَنْ يُعْرِفَ اَدَمُ ثُمَّ كَانَ نُورٌ مُّحَمَّدِي ﷺ كُرِّي فِي غُرَّةِ جَبْهَةِ اَدَمَ وَقِيلَ لَهُ يَا اَدَمُ عَلَيْكَ اِسْمٌ هَذَا سَهْدٌ وَلَدَيْكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ فَلَمَّا حَمَلَتْ حَوَاءُ بِشَيْءٍ اِنْتَقَلَ النُّورُ مِنْ اَدَمَ اِلَى حَوَاءَ وَكَانَتْ تَلِدُ فِي كُلِّ بَطْنٍ وَلَدَيْنِ وَلَكِنَّ الْاِسْمَ اَنَّهُ وَلَدَتْهُ وَحْدَهُ كَرَامَةً لِّمُحَمَّدٍ ﷺ لَمْ يَزَلْ يَنْتَقِلُ مِنْ طَاهِرٍ اِلَى طَاهِرٍ اِلَى اَنْ وَلَدَتْهُ اَمِيَّةٌ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“ ①

”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا وہ ایک مٹھی سفید مٹی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ سے لے گئے تو اسے ماءِ تسنیم (تسنیم نہر کے پانی) سے گوندھا گیا۔ (پھر اسے جنت کی نہروں میں سے نہر تسنیم کے پانی سے گوندھا گیا۔) پھر آسمانوں میں پھیرا گیا تو فرشتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم سے بھی پہلے پہچان لیا۔ پھر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی میں نظر آتا تھا۔ آدم علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ آپ کا بیٹا سید المرسلین ہے۔ جب حضرت حواء شیث سے حاملہ ہوئیں تو وہ نور آدم سے حضرت حواء علیہا السلام کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت حواء علیہا السلام دو بچے جنتی

تھیں سوائے شیث علیہ السلام کے۔ ان کو حضرت حواء نے اکیلے ہی جنا۔ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء علیہا السلام کے پیٹ میں ایک ہی بچہ رکھا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم پائی گئی۔ پھر وہ نور پاک سے پاک کی طرف منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے آپ کو حضرت عبد اللہ کی طرف سے جنا۔“

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب:

اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قیمان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجادات:

سب سے پہلے ستاروں میں نظر کرنا اور حساب کرنا آپ سے ہی ثابت ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آپ کا ستاروں میں نظر کرنا اللہ کی مرضی کے مطابق آپ کے حساب میں تخمینے کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں جو القاء کرتا آپ وہی بیان کرتے یعنی ستاروں کا حساب آپ کو بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا آج کے دور میں ستاروں کا حساب اور آنے والے واقعات کی خبر دینا حرام ہے ان پر یقینی اعتبار کرنے کا کفر ہے قلم کے ذریعے لکھنے کو سب سے پہلے آپ نے رواج دیا، سب سے پہلے کپڑے آپ نے ہی پہنے اس سے پہلے لوگ چڑے کا لباس استعمال کرتے تھے۔ سب سے پہلے چیزوں کے وزن کرنے اور کپڑے وغیرہ کو ناپنے کو آپ نے ہی رواج دیا۔ سب سے پہلے اسلحہ کی ایجاد بھی آپ نے ہی فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول آپ ہی ہیں اور آپ پر تمیں صحیفے نازل ہوئے۔ ❶

اور لیس علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جاتا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ كَانَ صَادِقًا نَبِيًّا ۖ وَدَفَعْنَا ۖ ”اور کتاب میں اور لیس کو یاد کرو وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا
مَكَانًا عَلِيًّا ۚ (مریم: 16:7)
اور ہم نے اسے بلند مقام کی طرف اٹھایا۔“

اس آیت کریمہ میں بلند مقام کی طرف اٹھانے کا ایک مطلب یہ ہے۔

”آپ کو نبوت کے منصب سے مشرف فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے
اپنا خاص قرب عطا فرما کر آپ کو رفعت و بلندی عطا فرمائی۔“

دوسرا معنی:

”اِنَّ الْمُرَادَ بِهِ الرَّفْعَةُ فِي الْمَكَانِ إِلَى مَوْضِعٍ عَالٍ وَهَذَا أَوَّلِي
لِأَنَّ الرَّفْعَةَ الْمَقْرُونَةَ بِالْمَكَانِ تَكُونُ رَفْعَةً فِي الْمَكَانِ لَا فِي
الدَّجَّةِ“ ۱

سے مراد مکان کی بلندی ہی ہوتی ہے درجات کی بلندی مراد نہیں ہوتی۔“

بلندی مکان کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا اور یہی صحیح تر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ
حضور سید عالم ﷺ نے معراج کی رات حضرت اور لیس علیہم السلام کو آسمان چہارم پر دیکھا۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت اور لیس علیہم السلام نے ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل
علیہ السلام سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل
کی روح قبض کر کے پھر اسی وقت لوٹا دی آپ زندہ ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: اب مجھے جہنم دکھاؤ تا کہ خوف الہی زیادہ ہو آپ
کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کو جہنم کے دروازے پر لے جایا گیا۔ آپ نے مالک نامی فرشتہ جو جہنم کا داروغہ ہے
سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس سے گزرنا چاہتا ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گزرے۔ پھر آپ نے ملک
الموت سے فرمایا: کہ مجھے جنت دکھاؤ! وہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کو جنت کے پاس لے گئے۔ آپ نے جنت کے دروازے
کھولنے کا ارشاد فرمایا: تو آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ آپ جنت میں تشریف لے گئے۔

ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ چلیں زمین میں اپنے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی یہ شرط لگائی ہے۔ ﴿وَكُنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِثًا﴾ کہ ہر شخص کو جہنم پر گزرنا ہے میں جہنم پر سے بھی گزر کر آچکا ہوں۔ اب میں جنت میں داخل ہو چکا ہوں جو لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں انہیں وہاں سے نکالا نہیں جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ﴿وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ﴾ جنت والوں کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق میں نے یہیں رہنا ہے یہاں سے مجھے نہیں نکالا جاسکتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا: اے عزرائیل! میرے بندے ادریس نے سب کام میری مرضی سے کئے انہیں یہاں ہی رہنے دو! آپ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں زندہ ہیں۔ ❶

تنبیہ:

حضرت ادریس علیہ السلام کے دلائل میں قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ ذکر ہیں اس وقت نازل اگرچہ نہیں ہوا تھا لیکن اللہ کا کلام قدیم ہے لوح محفوظ پر اس وقت بھی تحریر تھا۔ نبی چونکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے رکھتے ہیں اس لئے حضرت ادریس علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر بھی قرآن پاک سے آپ کا استدلال درست ہے۔



حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کا نام لمک بن متوشلخ بن اخنوخ (یہ اور لیس علیہ السلام کا نام) بن یرد بن مہلا بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

ہائدا: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان بھی دس آباء ہیں:

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشْرَةُ قُرُونٍ“ ”حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرون ہیں یعنی دس آباء ہیں سب ہی دین حق پر قائم تھے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر:

آپ علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد اعلان نبوت کا حکم دیا گیا اور ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال آپ اپنی قوم میں ٹھہرے اور اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (عنکبوت 20: 14) ”تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے۔“

طوفان کے بعد آپ دو سو پچاس سال زندہ رہے آپ کی کل عمر ایک ہزار دو سو چالیس سال ہے اگرچہ اس میں اور قول بھی ہیں لیکن زیادہ طور پر اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے۔

نوح علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ کی؟

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت گناہوں سے باز رہنے کی تبلیغ فرمائی اور ساتھ

تفسیر صادی علی الجلالین ج 1 ص 682

درمنثور امام سیوطی ج 3: 435 بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ

ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

”آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے لئے ظاہر طور پر ڈر سنانے والا ہوں اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا کاش تم جانتے!“ (نوح 29:9)

آپ نے اپنی قوم کو اور یہ فرمایا: اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَہٗ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ وَہُوَ یَوْمُ الْقِیَمَۃِ ۝۱

”اگر تم نے اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کی تو میں قیامت کے دن کے بہت بڑے عذاب کا تمہیں خوف دلاتا ہوں۔“

آپ نے تبلیغ فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَہٗ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ مُّوَلَّدٍ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ ۝۲

”اگر تم نے اللہ کے بغیر اور کسی کی عبادت کی تو میں تمہیں دنیا اور آخرت کے دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔“

اس آیت کریمہ میں اپنی قوم کو اخروی عذاب کے ساتھ ساتھ دنیا میں تباہی و بربادی سے بھی واضح طور پر ڈرا دیا گیا کہ شاید قوم پر کچھ اثر ہو جائے۔ اور آپ نے فرمایا:

وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اُجِرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝۱۹ (شعراء 9:19)

”اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“

یعنی میں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے اور اور صرف اسی سے ڈرنے اور اسکے بغیر اور کسی کی عبادت کرنے پر دین و دنیا کی تباہی سے ڈرانے پر کوئی اجرت مال و دولت مطالبہ تو نہیں کر رہا۔ اگر تم نے اس راہ کا تعین کر لیا جو میں بتا رہا ہوں تو تمہاری کامیابی ہے ورنہ تم ذلیل ہو جاؤ گے تباہ و برباد ہو جاؤ گے دین و دنیا میں خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچانے میں مجھے تم سے کوئی غرض نہیں کسی منصب مال و دولت کے حصول کا کوئی لالچ نہیں صرف اللہ کے حکم سے اللہ کی رضا مندی کے لئے تمہیں تبلیغ کر رہا ہوں۔ میرے اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اجر و ثواب عطا کرتا ہے اس کی بے حساب رحمت کے ہوتے ہوئے مجھے تم سے کچھ غرض نہیں۔

نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا قوم پر کیا اثر ہوا؟

آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دن رات تبلیغ کی لیکن قوم قریب آنے کے بجائے دور ہوتی گئی آپ کی تقریر کو نہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونٹتے۔ (معاذ اللہ) آپ سے نفرت کرتے ہوئے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”عرض کی: اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے ان کا بھاگنا بڑھا ہی ہے اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ہٹ دھرمی کی اور بڑا غرور کیا۔“ (نوح 9:29)

یعنی نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچانے میں کوئی کوتاہی سستی نہیں کی، لیکن میری قوم ماننے اور قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی۔

جیسے آپ تبلیغ فرماتے رہے قوم کے دور ہونے میں کمی آنے کے بجائے زیادتی ہوتی رہے۔ اللہ کے نبی کی قوم پر شفقت کا یہ عالم ہے کہ آپ ان کو اس راہ پر چلانا چاہتے جس پر چلنے سے ان کو نجات حاصل ہو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور اللہ ان سے راضی ہو جائے اور وہ اللہ کے قریب ہو جائیں لیکن قوم کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ سے اتنی زیادہ نفرت کرتی ہے کہ آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں اور آپ کو دیکھنا نہیں گوارا نہیں۔ وہ کانوں میں اسلئے انگلیاں ٹھونس رکھتے تاکہ آپ کا کلام اور آپ کے پیش کردہ دلائل کو نہ سن سکیں۔ اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتے کہ معاذ اللہ! میں نوح (علیہ السلام) کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ اللہ کا جن پر فضل ہو وہ اللہ والوں کی باتیں سن کر ایمان لاتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں، نیکی و تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ جو شیطان کی گرفت میں ہوتے ہیں وہ ہدایت دینے والوں کو ملامت، فسطائیت، قدامت پسندی کے نام دے کر دین کے باغی ہو جاتے ہیں۔ ❶

نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا ہر طریقہ آزمایا:

آپ علیہ السلام نے ہر وقت تبلیغ کی یعنی دن رات تبلیغ کی پھر آپ نے ہر شخص کو آہستہ آہستہ نرم لہجہ میں سمجھایا کہ اللہ کی

تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 30، ص 135-136

عبادت کرو رب سے ڈرو لیکن قوم نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر سننے سے انکار کیا۔ اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر آپ کو دیکھنے سے بیزاری ظاہر کی اپنے کفریہ اعتقادات پر ہٹ دھرمی سے قائم رہے۔ تکبر کی وجہ سے احکام باری تعالیٰ سے انکار کیا۔ پھر آپ نے ظاہر اعام مجالس میں ان کو خطابات کئے اور راہ حق کا سبق دیا لیکن ان پر کچھ اثر ہوئے پھر آپ نے اعلانیہ طور پر اور آہستہ آہستہ دونوں طرح سے تبلیغ کی لیکن یہ طریقہ بھی قوم کو راہ راست پر نہ لاسکا۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں پیش فرمایا:

ثُمَّ آتَيْنَا دَعْوَتَهُمْ جَهَارًا ۖ ثُمَّ آتَيْنَا اٰٰلَتَهُمْ وَاَسْرَرَتُ لَهُمْ ۖ وَاسْرَرْتُ لَهُمْ ۖ (نوح 29:9)

ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا۔

قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے؟

اتنا عرصہ تبلیغ کرنے کے باوجود ایمان لانے والوں کا مختصر گروہ نظر آتا ہے تین آپ کے بیٹے سام، حام، یافث اور تین ان کی بیویاں اور ایک نوح علیہ السلام کی زوجہ اور ستر مرد عورتیں۔ یہی ایماندار لوگ کشتی پر بھی سوار تھے یعنی بمع نوح علیہ السلام کے کل اٹھتر آدمی کشتی میں سوار تھے جن میں مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں تھے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجوہ:

﴿۱﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَاكَ إِلَّا ۖ بَشَرًا مِثْلَنَا (ہود 3:12)

اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔

یعنی ایک وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ وہ نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے کہ ہمارے ہی جیسا بشر کبھی نبی نہیں بن سکتا وہ اس سے بے خبر تھے کہ نبی کو دو حالتیں حاصل ہوتی ہیں: ایک بشری اور دوسری نورانی۔ وہ کہنے لگے: نبی فرشتہ ہونا چاہئے!

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ۖ لَا يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مِّنَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ (مؤمن 2:18)

فرشتے اتارنا ہم نے تو یہ اگلے باپ داداؤں میں نہ سنا۔

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ ہم نوح (علیہ السلام) پر کیوں ایمان لائیں یہ تو ہمارے جیسا ہے یہ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے بڑا بنا چاہتا ہے ہم نے تو اپنے کسی باپ دادا سے یہ نہیں سنا کہ بشر بھی نبی ہوتا ہے اگر رب نے نبی بنانا ہی ہوتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔

﴿۴﴾ دوسری وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ ہم اعلیٰ لوگ اور گھٹیا لوگ ایک ہی مذہب پر نہیں ہو سکتے، قوم نے کہا: وَمَا تَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِكَدِّ الرَّأْيِ ۖ ﴿۵﴾ ”اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے (ہود 3:12) کینوں نے سرسری نظر سے۔“

یعنی قوم کے وڈیرے سردار کہنے لگے کہ تم پر ایمان غریب، گھٹیا شان والے لائے ہیں اور انہوں نے بھی بغیر سوچ و سمجھ کے سرسری نظر سے ایمان قبول کیا ہے وہ بھی سوچتے تو ایمان نہ لاتے، یا یہ کہ ان میں سوچنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ایسے گھٹیا لوگوں کے ساتھ ہم بھی ایمان لا کر جیسے ہو جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گویا تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے۔ قَالُوا اتُّمِّنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَذْفَلُونَ ﴿۶﴾ ”بولے: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ (ایمان لانے والے) کینے لوگ ہیں؟“ (شعراء 9:19)

﴿۵﴾ تیسری وجہ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے ہم پر کوئی زیادہ فضیلت تو نہیں رکھتے، یعنی نبی کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نبی کی عظمت کو نہ سمجھ سکے اور یہ بات انہیں نہ سمجھ آئی کہ رب تعالیٰ کے نزدیک کسی کے مال و دولت کی زیادتی افضل ہونے کا سبب نہیں ایمان اور تقویٰ افضلیت کا سبب ہے۔ یہی رب تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی اس وجہ کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا: وَمَا تَدْرِي لَكُمْ عَلَيْمَيْنِ فَضْلٍ (ہود 3:12) ”اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے۔“

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب:

اَوْعَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۷﴾ ”کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الہی سے) اور تاکہ تم پر مہربانی کرے۔“ (اعراف 15:8) گار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

یعنی آپ نے ان کے شبہ کا ازالہ فرمایا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ذات ربانی سے براہ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہاری حیرت و پریشانی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمت نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ ﴿۸﴾

تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 2، ص 44 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے ایمان سے انکار کی اس وجہ کا دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا:

وَمَا آتَا بِطَارِدَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْقُوا رِيحَهُمْ وَلَكِنِّي أَرَكُمُ
قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٣﴾

شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقتاً) نادانف ہے۔“

(ہود: 12:3)

یعنی انہوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے ارد گرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارا توجہ نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کمینے لوگوں کا جھمکنا ہو۔ آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ السلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صاف جواب دیا یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمہاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمع نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ گدھوں کی نہیں ہو سکتی جو دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص و تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں یہ بھی کہا کہ تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہوگا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور نادانف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا راز کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔ ❶

نوح علیہ السلام کی قوم پر ابتدائی وبال:

نوح علیہ السلام نے اپنے قوم کو بار بار تبلیغ کی لیکن قوم سے سوائے تکذیب کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جھنجھوڑا دینے کے لئے اس طرح گرفت میں لیا۔ ان پر بارشیں برسی ختم ہو گئیں اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں ان کی اولاد پیدا ہونی ختم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی شفقت:

قوم بار بار انکار کر رہی تھی لیکن نوح علیہ السلام صبر و تحمل سے انہیں جہنم کی آگ سے نکالنے اور دنیاوی مشکلات سے نکالنے کی تدبیر فرماتے ہوئے انہیں وہ طریقہ بتا رہے تھے جن سے وہ آپ کو مصائب و آلام سے نکال سکیں۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو مشکلات سے نکلنے کا جو طریقہ بتایا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠٠﴾ يُرْسِلُ السَّمَاءَ

تفسیر ضیاء القرآن: ہر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 2، ص 355-356 ضیاء القرآن جلی کیشنز لاہور

عَلَيْكُمْ قَتَدَارًا (۱) وَيُؤْتِيكُمْ بِأَمْوَالٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَارًا (۲) مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (۳) وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (۴)

فرمانے والا ہے تم پر ثرائے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا اللہ سے

(نوح 29: ۹)

عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے؟

یعنی آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ تمہاری مشکلات کا حل صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کی یاد کرنے اس سے ہے اور اس سے معافی طلب کرنے میں ہے لیکن قوم اپنی ہٹ دھرمی پر اسی طرح قائم تھی تکبر اتنا حد سے بڑھ چکا تھا کہ وہ ایسا دوسرے کو بھی کہہ رہے تھے۔

وَقَالُوا لَا تَنْدُبُنَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ لَا تَنْدُبُنَا وَمَا لَنَا سُؤَالُهُ وَلَا يَنْفَعُنَا اللَّهُ يَتُوبُ الْيَهُودُ وَيَتُوبُ النَّسَارَ (۱) وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا (۲)

اور سواغ اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (یہ سب ان کے بتوں کے نام ہیں) اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بھٹکایا۔

(نوح 29: 10)

فائدہ: حضرت ربیع بن صبیحؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بصریؓ کے پاس آئے انہوں نے قحط سالی کی شکایت کی آپ نے فرمایا: اللہ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے آپ سے اپنی غربت کا ذکر کیا آپ نے اسے بھی فرمایا: کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے عرض کیا: آپ اپنے رب سے میرے لئے دعا کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے دے۔ آپ نے اسے بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے باغات کے خشک ہونے پھل کم دینے زمین کی پیداوار کم ہونے کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی آپ نے اسے بھی فرمایا: کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شکایات لوگوں کی مختلف تھیں لیکن آپ نے سب کو عمل ایک ہی بتایا تو آپ نے جواب دیا کہ ”حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب مشکلات کے حل کے لئے استغفار کا ہی حکم دیا تھا“ یعنی یہ عمل قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ①

قوم نے نوح علیہ السلام کو کیا القاب دیئے؟

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی ہیں جنہوں نے دن رات قوم کو دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچانے کے لئے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک کر رکھے تھے لیکن قوم نے آپ کو گمراہ جھوٹا اور مجنون (دیوانہ) وغیرہ القاب دے رکھتے تھے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنِّي لَأَنْتَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۱)

”سردار بولے کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“

(اعراف 15: 8)

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 30 ص 137

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰ قَوْمِ لَیْسَ بَیْ ضَلٰلَۃٍ وَّلٰکِیْنِیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾ اَبَلْغُکُمْ رِسٰلَتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحْ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲﴾

”اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔“

(اعراف 8:15)

”بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔“

بَلْ نَظُنُّکُمْ کَاذِبِیْنَ ﴿۳﴾ (ہود 12:3)

یعنی تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے سب جھوٹے ہو کیونکہ تم سب ایک ہی دعویٰ رکھتے ہو یا یہ کہ تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو اور وہ تمہاری تصدیق کرنے میں جھوٹے ہیں۔ ❶

”وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانہ تک اس کا انتظار کئے رہو۔“

(مؤمنون 18:2)

یعنی انتظار کرو ہو سکتا ہے کہ اپنی دیوانگی سے کچھ افاقہ ہو جائے اور اپنا دعویٰ نبوت چھوڑ دے یا اس پر موت آ جائے تو ہماری جان ہی اس سے چھوٹ جائے۔ کچھ سنجیدہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ انتظار کرو اگر یہ سچا نبی ہے تو اللہ اس کی امداد کرے گا اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اسے رسوا کرے گا اور ہماری جان اس سے چھوٹ جائے گی لیکن ایسا سوچنے والے بھی ایمان نہ لا سکے جب اللہ تعالیٰ کی امداد نوح علیہ السلام کے لئے آگئی تو یہ بھی غرق ہو گئے۔ ❷

كَذٰبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ ﴿۴﴾ اَنْ سَیْبِیْہُمْ اَوْ اَنْ یَّکُوْنُوْا عَلٰی سُرُوْنٍ ﴿۵﴾ اِنْ یَّکُوْنُوْنَ اِلَّا رِجَالٌ مُّتَّبِعُوْنَ اَمْرًا مِّنْ دُوْنِکُمْ اَنْ یَّکُوْنُوْا عَلٰی سُرُوْنٍ ﴿۶﴾

”ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جھٹلایا تو ہمارے بندے کو جھوٹا کہا اور بولے: وہ مجنون ہے اور اسے جھڑکا گیا۔“

(قمر 27:8)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے کہا: کہ ان قریش سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی تکذیب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا اور آپ کو مجنون کہا اور دھمکیاں دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت سے باز نہیں آئے تو ہم تمہیں گالیاں دیں گے اور ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکیاں اور سختیاں:

قَالُوْا لَیْنٌ لَّکُمْ تَنْتَہُوْہُمْ یٰ نُوْحُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۷﴾

”بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔“

(شعرا 19:10)

”تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے۔“

فَدَعَا رَبَّهُ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿٢٧﴾

(قر 27:8)

”اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور انکی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر بدکار، بڑی ناشکر۔“

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دِيَارًا ﴿٢٨﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلْدُوْا اِلَّا فَاَجْرًا كُفَّارًا ﴿٢٩﴾

(نوح 10:29)

قوم کی ہلاکت کی دعا آپ نے کیوں کی؟

نوح علیہ السلام نے قوم کو برباد کرنے کے لئے دعا اس لئے نہیں کی کہ آپ کو گالیاں دینے کی دھمکی دی گئی تھی یا آپ کو سنگسار کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا بلکہ صرف وجہ یہ تھی کہ اے اللہ! جیسے تو نے خود بتا دیا ہے کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے بغیر اور کوئی ایمان لانے والے نہیں تو ان سے ایمان کی توقع جب نہیں اور ان کی اولاد سے بھی سوائے بدکاری اور ناشکری کی امید نہیں تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ؟ ان کو تباہ و برباد کر دے۔

”اے اللہ! میں تو عاجز و مغلوب ہو چکا ہوں تو اپنے دین اور اپنے ایمان لانے والے بندوں کی خاطر میری امداد فرما۔“

لِيَدِيْنَكَ ﴿٣٠﴾

رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا:

نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد رب تعالیٰ نے فرما دیا کہ تمہاری قوم کو غرق کر دیا جائے گا تم اپنے اور ایمان والے لوگوں کے بچاؤ کے لئے کشتی تیار کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَخَاطِبُنِيْ فِي الْذِيْنِ ﴿٤١﴾ ”اور کشتی بناؤ ہمارے اور ہمارے حکم سے ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈبوئے جائیں گے۔“

ظَلَمُوْۤا اِنَّهُمْ مُّفْرَقُوْنَ ﴿٤٢﴾ (ہود 4:12)

یعنی کافروں کے عذاب کی تاخیر کی کہیں دعا نہ کر دینا کیونکہ ان کے غرق ہونے کا یقینی فیصلہ ہو چکا ہے ان کے غرق ہونے کا وقت بھی معین ہو چکا ہے اس لئے جلدی کا مطالبہ بھی نہ کرنا کیونکہ وقت مقرر سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ آپ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا بھی کافر ہیں وہ بھی غرق ہو جائیں گے۔ ان کے بچانے کی دعا بھی نہ کرنا کیونکہ تمام کافروں کے ڈبونے

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 29 ص 36

کے فیصلہ میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔ ❶

کشتی کا ڈیزائن اللہ تعالیٰ کی وحی اور جبرائیل علیہ السلام کی معاونت سے تیار ہوا:

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ کیسے کشتی بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کشتی کا اگلا حصہ مرغ کے سر کی طرح بنانا اور اس کا درمیان کا حصہ پرندوں کے پونے کی طرح بنائیں اور پچھلا حصہ مرغ کی دم کی طرح بنائیں اور اس کے اطراف میں دروازے بنائیں۔ میٹھوں سے مضبوط کریں اور سوائے نیچے والی طرف کے ہر طرف میں تارکول کی لپائی کر دو۔ کشتی بنانے میں جبرائیل علیہ السلام اور کچھ دوسرے فرشتوں نے بھی معاونت کی۔ ❷

کشتی کیسی تھی؟

کشتی کی لمبائی تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) چوڑائی پچاس ذراع (پچتر فٹ) اور اونچائی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) تھی۔ ساگون کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی جس کے تیار کرنے میں دو سال صرف ہوئے۔ کشتی تین منزلہ تھی، پہلی منزل میں وحشی جانور درندے اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) تھے اور درمیانی حصہ میں پالتو جانور چوپائے وغیرہ تھے اور سب سے اوپر والی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے حضرات تھے اور اپنا زاد و راہ یعنی کھانے پینے کی اشیاء رکھی گئی تھیں۔ ❸

کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد:

کشتی میں وہی لوگ سوار تھے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ آپ کے تین بیٹے اور ہر ایک کی زوجہ اور نوح علیہ السلام خود اور آپ کی ایک زوجہ گھر کے یہ آٹھ افراد تھے اور ستر افراد اور تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا۔ اس طرح کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اٹھتر تھی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے آپ کے بغیر اناسی آدمی یعنی بہتر اور سات آپ کے قبیلے کے اور ایک آپ خود اس طرح کل اسی آدمی تھے اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔ ❹

خیال رہے کہ نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ اور ایک بیٹا کنعان کا فر تھا جو غرق ہو گئے تھے ان کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 ص 49

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 ص 55

❶

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 17 ص 227

❷

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 17 ص 223

❸

❹

کشتی کو دیکھ کر قوم کا مزاح کرنا:

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنا رہے تھے تو قوم آپ سے پوچھتی تھی اسے کیا کرو گے تو آپ فرماتے: یہ سیلاب میں کام آئے گی۔ یہ سن کر قوم مزاح اڑاتی کہ اس علاقے میں پانی کا کوئی دریا نہیں تو اتنی بڑی کشتی بنانا کہ یہ پانی میں کام آئے گی؟ (معاذ اللہ) یہ تو سراسر حماقت ہے۔

کبھی کہتے پہلے تو تم نبوت کا دعویٰ کر رہے تھے اب بڑھئی بن گئے ہو اس طرح وہ تمسخر اڑا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طریقے کو ذکر فرمایا:

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۖ
قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿١٢﴾
گذرتے ہیں اس پر ہنستے بولے: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک
وقت ہم تم پر نہیں گے جیسا کہ تم ہنستے ہو۔ (ہود 4:12)

یعنی آج اگر تم ہمارے کشتی بنانے پر اعتراض کرتے ہو مزاح کرتے ہو تو تم جب ہلاک ہو جاؤ گے تو ہم بھی اللہ کے دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خوش ہوں گے۔

طوفان کا آغاز تنور سے ہوا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ اب طوفان آرہا ہے اس وقت تم کشتی پر سوار ہو جانا۔ تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور ایمان لانے والوں کو بھی ساتھ کشتی میں سوار کر لینا۔ یہ تنور کوفہ میں تھا۔ صحیح یہی ہے کہ عام تنور تھا جس میں آپ کی زوجہ روٹیاں پکاتی تھی اسی سے طوفان کی ابتداء ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ ﴿١٢﴾ (ہود 4:12) ”اور یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا تو تنور نے جوش مارا۔“
یعنی جس طرح ہنڈیا بلتی ہے اس طرح تنور ابلا شروع ہوا تو آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اب طوفان آنے ہی والا ہے۔ ①

کشتی پر سوار ہونے اور دعا پڑھنے کا حکم:

جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے تمام ایمان والوں کو حکم دے دیا کہ اب کشتی پر سوار ہو جاؤ اور سوار ہوتے وقت اللہ کے نام سے ابتدا کرو۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا وَمُرْسَاهَا اِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤﴾ (ہود: 4:12)

اس کا ٹھہرنا۔ بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کشتی پر سوار ہو کر اللہ کا نام لینے کا حکم دے کر یہ واضح کیا کہ کشتی حقیقت میں اتنے بڑے طوفان سے نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی اسے چلنا ہے اور اسی کے فضل سے اس نے لنگر انداز ہونا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کشتی پر اعتماد نہ کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو یہ کشتی تو صرف ایک سبب ہے۔

کتنا عظیم طوفان تھا؟

جب طوفان کی ابتداء تنور سے ہو چکی تو آسمانوں کو پانی برسانے اور زمین کو چشموں سے پانی نکالنے کا حکم دے دیا گیا۔ آسمانوں اور زمین کے پانی نے مل کر ایک عظیم ہولناک منظر پیش کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّثَمَرٍ ﴿١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عَيْنًا ﴿٢﴾ عَيْنًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿٣﴾ (نمر: 8:27)

”ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے زور کے بہتے پانی سے اور زمین چشمے کر کے بہادی (یعنی زمین سے چشمے جاری کر کے زور سے پانی بہادیا) تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو مقدر تھی۔“

زمین و آسمان کے پانیوں نے مل کر اتنی شدید طغیانی برپا کر دی کہ موجیں جب اٹھتیں تو بہت بڑے بلند پہاڑوں کی طرح نظر آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَهِيَ تَجْرِي بِمَاءٍ مُّوَّجٍ كَالْجِبَالِ ﴿٤﴾ (ہود: 4:12)

”اور وہ (کشتی) انہیں لئے جارہی تھی ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔“

اس آیت کی تفسیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موجوں کی بلندی اس وقت ہوتی ہے جب ہوا بھی تیز اور شدید ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شدید بارشوں اور زمین کے پانی چھوڑنے کے ساتھ شدید آندھیاں بھی چل رہی تھیں جن سے اٹھنے والی موجیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ ﴿٥﴾

کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا:

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی دس رجب کو چلی اور دس محرم کو جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہو گئی کشتی چھ ماہ مسلسل طوفان میں رہی۔ دس محرم کو طوفان سے نجات ملنے پر حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم نے روزہ رکھا۔

تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 17، ص 230

”فَصَامَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَمَرَ جَمِيعَ مَنْ مَعَهُ مِنَ الْوَحْشِ“ ”نوح علیہ السلام نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے ساتھ تمام لوگوں اور وحشی جانوروں اور دوسرے جانوروں کو بھی حکم دیا سب نے والدواب فصاموا شکرًا لِلّٰہ“

اللہ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔“

سبحان اللہ! نبی علیہ السلام کی عظمت کو جانور جانتے ہیں۔ بے وقوف لوگ نہ جانیں تو اپنی بدنہی کا ماتم کریں۔

فائدہ: مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ یہودی لوگوں سے گذر ہوا جنہوں نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ روزہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور اسی دن نوح علیہ السلام کی کشتی جو دی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق رکھتا ہوں کہ اس دن روزہ رکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا۔ خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی عاشوراء کے دن ہی ہوئی۔ ①

نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا غرق ہو گیا:

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے: ان میں سے تین مومن تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے جن کے نام سام، حام اور یافث تھے اور ایک آپ کا بیٹا منافق تھا جس کا نام ”کنعان“ تھا۔ وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا جو غرق ہو گیا چونکہ یہ منافق تھا یعنی ظاہر طور پر مومن تھا اور درحقیقت کافر تھا کافروں سے ملا ہوا تھا۔ اس کے غرق ہونے کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

”اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے پر تھا اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچائے گا (نوح علیہ السلام نے کہا) آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور ان کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ ڈوبنے والوں میں رہ گیا۔“

(ہود: 4:12)

نوح علیہ السلام کا یہ بیٹا گھوڑے پر سوار تھا اتر رہا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر اپنے آپ کو بچالوں گا۔ نوح علیہ السلام سے کہہ

رہے تھے کہ آج اللہ کے عذاب سے اس کے رحم کرنے کے بغیر کوئی بچ نہیں سکے گا۔ یہی مکالمہ ان دونوں کے درمیان چل رہا تھا کہ طوفان کی اٹھنے والی موجیں ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئیں اور ”کنعان“ غرق ہو گیا۔ ❶

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے حق میں التجاء:

وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَكَانَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكِيمِينَ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَبْنَؤُا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٢﴾

”نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی: اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں۔ بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں گا۔“

(ہود: 4:12)

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان منافق تھا آپ کے سامنے اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتا تھا۔ اگر وہ اپنا کفر ظاہر کر دیتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی التجاء نہ کرتے۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے گھر والوں کو نجات حاصل ہوگی تو اسی لئے آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق عرض کیا اور وہ بھی اس کی منافقت کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اس کے عمل اچھے نہیں یعنی وہ کافر ہے۔ پہلے مرتبہ قربت دینی کا ہے اگر یہ حاصل ہو تو رشتہ کی قربت کا بھی فائدہ ہوگا ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

حضرت محمد بن علی باقر اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کنعان نوح کی زوجہ کا بیٹا کسی اور خاوند سے تھا آپ کا بیٹا نہیں تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ پڑھتے تھے اَوْنَادَى نُوحٌ رِبَّاهِنَهَا نُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اپنی زوجہ کے بیٹے کو آواز دی کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ آپ کا بیٹا نہیں تھا۔ تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اٰہْلِیْ اَبَیْ شَکْ مِیْرَ اٰہِیْنِا مِیْرَے گھر والوں سے ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو میرے قول کی تائید ہے کہ

نوح علیہ السلام نے کہا: میرا بیٹا میری اہل سے ہے آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ {إِنَّ ابْنِي يَتَّبِعُنِي} یعنی میرا بیٹا جو میرا ہی ہے۔ ❶

نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ بھی غرق ہو گئی:

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ جس کا نام ”والہہ“ تھا یہ کافرہ تھی اور لوگوں کو بھی کہا کرتی تھی (معاذ اللہ) نوح مجنون (دیوانہ) ہے اسکی بات نہ مانا کرو وہ بھی غرق ہو گئی۔

تفسیر جلالین میں {إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ} کے قول کے ماتحت آپ کے بیٹے کنعان اور آپ کی زوجہ دونوں کا ذکر ہے یعنی یہ دونوں کافر تھے اور غرق ہو گئے۔ ❷

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی حضرات نے روایت بیان کی:
”کسی نبی کی کوئی عورت کبھی زانیہ نہیں تھی۔“
”مَا زَنَّتْ امْرَأَةٌ نَبِيًّا قَطُّ“

اشرس نے اسی حدیث کی سند کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کر مرفوع قرار دیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ انبیائے کرام کی عورتیں زانیہ تو نہیں تھیں۔ البتہ کسی سے کفر سرزد ہونے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بدکاری کو ہر زمانے میں برا سمجھا جاتا رہا اور لوگوں کی طبائع اس سے متنفر ہیں اسلئے نبی کی بیوی میں ایسا فعل پایا جائے تو نبی میں نقص اور عیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عیوب اور نقائص سے پاک فرمایا لیکن کفر کو کافر لوگ اپنا حق مذہب سمجھتے تھے اسلئے کفر ان کے نزدیک عیب کی بجائے کمال سمجھا جاتا تھا۔ لہذا کفر انبیاء کرام کی بیویوں میں بھی پایا جاسکتا ہے۔ ❸

طوفان کی انتہا:

”اور حکم فرمایا گیا اے زمین! اپنا پانی نکل دے اور اے آسمان! وقمّل یأرّض ابلعی ماءک ویسماۃ اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقمّل بعدا للقوم الظالمین ﴿۴﴾ (ہود: 4:12)“
تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔“

یعنی جب کافروں کے غرق ہونے کا کام مکمل ہو گیا تو طوفان کو ختم کر دیا گیا بارش روک دی زمین کو حکم دیا گیا کہ اب جو پانی تیرے اوپر ہے اسے اپنے اندر جذب کر لے۔ صرف وہی لوگ یا جانور بچے جو کشتی میں سوار تھے باقی تمام انسان چوپائے پرندے اور دوسرے وحشی جانور غرق ہو گئے اور غرق ہونا عاقل بالغ کافروں کے لئے تو عذاب تھا اور ان کے علاوہ دوسرے

تفسیر جلالین امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 183

تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 17 ص 231

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 14 ص 192

غرق ہونے والوں کے لئے عذاب نہیں تھا۔ ❶

حدیث شریف میں آیا ہے:

”إِنَّا أَنْزَلْنَا اللَّهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ“ ”جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو سب اچھے اور برے اس عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر جب اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔“ ❷

یعنی نیک لوگوں کو دنیا میں عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوگا اسی لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے مطابق ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

کشتی جودی پہاڑ پر کیوں رکی؟

تمام پہاڑ اپنی اپنی بلند یوں پر تکبر کر رہے تھے اور اترارہے تھے لیکن جودی پہاڑ اللہ کے حضور اپنی عاجزی ہی کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ نکریم عطا فرمائی کہ نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر آکر ٹھہری۔

”جس نے عاجزی کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت عطا کی۔“ ❸

خیال رہے جودی پہاڑ موصل یا شام کے علاقہ میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ پانی حرم شریف میں داخل نہیں ہوا تھا۔



❶ حاشیہ صادی علی الجلائین ص 183 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

❷ صحیح بخاری امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ ج 2 ص 1053 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی

❸ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 ص 62

حضرت ابراہیم واسحاق علیہ السلام

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل کی والدہ کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب:

آپ تارخ ابن ناخور کے فرزند ہیں آپ کا نام ابراہیم اور آپ کا لقب ابو الضیفان (بہت بڑے مہمان نواز) ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے ابراہیم ابن تارخ ابن ناخور ابن ساروع ابن رعو ابن تائم ابن عابر ابن شالم ابن ارفحشد ابن سام بن نوح ❶

آپ کی پیدائش طوفان کی سترہ سو نو سال بعد اور عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو سال پہلے شہر بابل کے قریب قصبہ "کوئی" میں ہوئی۔ ❷

تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ آپ کی پیدائش "امواز" کے علاقہ میں "سوس" کے مقام پر ہوئی۔ ❸

تنبیہ: "آزر" ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔ آپ کے باپ کا نام "تارخ" ہے۔ علامہ محمود احمد آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والذی عول علیہ الجعہ الفقیر من اهل السیة ان آزر لم یکن والد ابراہیم علیہ السلام وادعوا انہ لیس فی آباء انبیائنا کافر اصلاً یقول علیہ الصلوٰۃ والسلام "لم ارک" اہل سنت کے کثیر اہل علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔ اہل سنت کے جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد میں کوئی بھی کافر نہیں تھا۔

تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ص 543

❶ تفسیر حقانی علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ

❷ تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 630

اَنْتَلُّ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِ اِلَى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ ❶
نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے
پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔“

اور یہ بھی واضح ہے کہ کفار و مشرکین تو پاک کبھی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ❷ (توبہ 10:10)
”بے شک مشرک تو ناپاک لوگ ہیں۔“

بعض لوگوں نے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں ”طاہر“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء و اجداد بدکاری سے
پاک تھے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَتَخْصِيصُ الطَّهَارَةِ بِالطَّهَارَةِ مِنَ السَّفَاةِ لَا دَكِيلَ عَلَيْهِ ❸
”طہارت کو زنا سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا دعویٰ بغیر
دلیل کے ہے، اس پر کوئی ایسی دلیل نہیں جو قابل اعتماد ہو، لحاظ
عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کی خصوصیات کا۔“

الفاظ کی عمومیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مراد مطلقاً ہر طرح کی پاکیزگی ہے۔ کفر اور بدکاری ہر طرح سے پاک
پشتوں اور پاک رحموں میں ہی حضور ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں نبی کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے قول کو شیعہ کی طرف منسوب کیا تھا اس کا
بھی رد پیش کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْقَوْلُ بِأَنَّ ذَلِكَ قَوْلُ الشَّيْعَةِ كَمَا ادَّعَاهُ الْإِمَامُ الرَّازِيُّ ❹
”اس قول کو شیعہ کی طرف منسوب کرنا جیسے امام رازی رحمہ اللہ
نے بھی منسوب کر دیا ہے یہ حقیقت میں غور و فکر کم کرنے کی وجہ
سے ایسا ہوا ہے اگر توجہ کی جاتی تو ایسا نہ ہوتا۔“

خیال رہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی تصنیف الحاوی للفتاویٰ میں ایک رسالہ ”مسائل الحنفاء فی ایمان والدی
مصطفیٰ میں اسرار التنزیل کے حوالہ سے علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا قول بھی جمہور کے ساتھ ایمان کے متعلق ہی مذکور
ہے۔ استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: کہ تفسیر کبیر کے بعد کی تصنیف علامہ رازی
رحمہ اللہ کی اسرار التنزیل ہے علامہ کا پہلے قول سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔

وَكَثُرَ هَوْلَاهُ عَلَى أَنَّ أَسْمَ لَعَنَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❺
”اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔“

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 194-195
❷ روح المعانی علامہ آلوسی ج 4 ص 195
❸ روح المعانی علامہ آلوسی ج 4 ص 195
❹ روح المعانی علامہ آلوسی ج 4 ص 195
❺ ایضاً

قرآن پاک میں دادا چچا اور باپ سب پر لفظ ”اب“ (باپ) بولا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوْا نَعْبُدُ الْهَيْكَلَ وَآلِهَ الْاَبْنَانِ ۖ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ۚ..... ﴿١٦﴾

عبادت کرو گے؟ بولے: ہم عبادت کریں گے تمہارے معبود اور تمہارے آباء ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی۔“

(سورة بقرہ 16:1)

اس آیت کریمہ میں یعقوب علیہ السلام کے والد اسحاق علیہ السلام اور چچا (ٹایا) اسماعیل علیہ السلام اور دادا ابراہیم علیہ السلام سب پر آباء کا اطلاق ہے جو ”اَب“ کی جمع ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا:

”ماموں باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے۔“

”الْخَالُ وَالِدٌ وَالْعَمُّ وَالِدٌ“

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا قول مبارک موجود ہے جس میں آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ”ابی“ میرا باپ کہا ہے۔ ”رَدُّوْا عَلٰی اَبِي الْعَبَّاسِ“ میرے باپ عباس کو مجھ پر پیش کروا

جن محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد کافر نہیں تھا بلکہ آپ کا چچا آزر کا فر تھا۔ انہوں نے بطور دلیل ابن منذر کا قول بھی پیش کیا ہے جو اس نے اپنی تفسیر میں سند صحیح سے سلیمان بن مرد کا قول پیش کیا ہے کہ جب نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں تو ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی ابراہیم علیہ السلام نے جب ساری قوم کو مخالف پایا تو کہا:

”مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔“

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

جب آپ کو ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

”اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، جب آپ پر آگ گزرا بن گئی۔“

(انبیاء 5:17)

”فَقَالَ عَمُّهُ مِنْ اَجَلِيْ دَفَعْ عَنْهُ“ تو آپ کا چچا کہنے لگا کہ یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم سے منفع ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگ کے ایک چنگارے کو اس کی طرف بھیجا جو اس کے قدموں پر گرا اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

اس روایت میں واضح طور پر ”عمہ“ کے الفاظ موجود ہیں جن سے واضح ہو رہا ہے کہ ”آزر“ آپ کا چچا تھا۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا ہونے پر شاندار دلیل:

محمد بن کعب قتادہ مجاہدہ اور حسن بن علی رحمہ اللہ وغیرہ سے مروی ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اپنے چچا آزر کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس کے مرجانے کے بعد آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ تو حالت کفر میں مر گیا ہے کافر تو اللہ کا دشمن ہے اس کے لئے تو دعا کرنے کا کوئی مقصد نہیں تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت چھوڑ دی اور اس سے بیزاری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَاقِبِهٖ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ ﴿٣١﴾ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ﴿٣٢﴾ (توبہ: 31-32)

ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے تعلق توڑ دیا۔

اس آیت میں ”ابیہ“ سے مراد آزر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک وعدہ کے پیش نظر اس لئے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ آزر کو کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تیری مغفرت کی دعا کروں گا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ آزر نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی {سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي} میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا: تو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے؟ تو اس نے کہا: کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کیلئے دعا نہ کی تھی وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے سید عالم علیہ السلام سے عرض کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار کرنا اس کے اسلام لانے کی امید پر تھا جس کا آزر نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ نے آزر سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ امید ختم ہو گئی تو آپ نے اس سے تعلق توڑ لیا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی چھوڑ دیا۔

”آزر“ آگ کے چنگارے سے مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے بعد اس کے لئے کوئی دعا نہیں کی آگ کے واقعہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی پھر مصر میں داخل ہوئے اور ایک جابر بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت ہاجرہ آپ کو ملیں پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسماعیل کو کعبہ کے پاس چھوڑ دو آپ نے جب اپنے بیٹے اور زوجہ کو وہاں چھوڑا جہاں آج مکہ مکرمہ آباد ہے تو وہاں آپ نے کچھ دعائیں فرمائیں جن میں سے ایک دعا میں یہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ﴿١٨﴾ (سورۃ ابراہیم 18:13) ”اے ہمارے رب! میرے والدین کی مغفرت فرما۔“

اب اس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ آپ نے اللہ کے جس دشمن کے لئے دعا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ آپ کا چچا آزر ہے جسے باپ سے تعبیر کیا گیا اور اس دعا کے چھوڑنے کے کتنے عرصہ بعد بھی آپ اپنے باپ اور ماں کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے ہیں وہ آپ کا حقیقی باپ ہے۔ اگر آزر جو کہ فرار اللہ کا دشمن ہے وہی آپ کا حقیقی باپ ہے تو اس سے بیزاری کے بعد پھر اس کے لئے دعا کرنے کا کیا مطلب ہے؟^①

ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾

(انعام 7: 15) سے ہو جائے۔“

ملکوت کا معنی عظیم بادشاہی اور سلطنت قاہرہ یعنی آپ کو زمین و آسمان کی تمام اشیاء کا مشاہدہ کرایا گیا یہاں تک کہ چاند سورج پہاڑ درخت اور دریا تمام چیزوں کے حقائق کو آپ نے دیکھا اور تمام روئے زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا۔

”فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَجَتْ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ حَتَّى انْتَهَى بَصَرُهُ إِلَى الْعَرْشِ وَفَرَجَتْ لَهُ الْأَرْضُونَ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ“^②

یعنی آپ علیہ السلام کو تمام نشانیاں اور تمام عجائبات دکھائے گئے۔ بے شک آپ پر سات آسمان منکشف کر دیئے گئے تو آپ علیہ السلام نے آسمانوں کی جمیع اشیاء کو دیکھا یہاں تک کہ آپ کی

نظر عرش الہی تک پہنچی اس طرح آپ پر سات زمینیں منکشف کر دی گئیں تو آپ نے زمینوں کی ہر چیز کو دیکھا۔“

ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین و آسمان کی بادشاہیوں کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے ایک شخص کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی جو کہیں دور دراز چھپ کر معصیت میں مبتلا تھا لیکن آپ نے اس کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے اس کے خلاف دعا فرمائی رب تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ پھر آپ دوسرے آدمی کی معصیت پر مطلع ہوئے تو اس کے خلاف بھی دعا کر دی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ پھر آپ ایک اور شخص کے گناہ پر مطلع ہوئے تو آپ نے اس کے خلاف دعا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا کہ اے ابراہیم! آپ مستجاب الدعوات ہیں میرے بندوں کی ہلاکت کی دعا نہ کریں کیونکہ میرے بندے تین قسم کے ہیں یا تو گناہگار ہوں گے لیکن توبہ کر لیں گے اور میں ان کی توبہ قبول کروں گا یا وہ خود تو گناہگار ہی رہیں گے لیکن ان کی اولاد میں ایسے

① روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 حصہ دوم ص 197

② روح المعانی علامہ آلوسی ج 4 حصہ دوم ص 195

نیک لوگ ہوں گے جو زمین کو تسبیحات سے بھر دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء تسبیح و تہلیل اتنی زیادہ کریں گے کہ ان کے فیضان سے اور لوگ بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جائیں گے یا وہ لوگ گناہوں کے حال میں ہی مر جائیں گے اور میرے قبضہ قدرت میں ہوں گے۔ اس کے بعد میری مرضی کی بات ہے کہ میں ان کو معاف کر دوں یا سزا دوں۔ ❶

سبحان اللہ! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا عالم ہوگا جبکہ جمیع انبیائے کرام کا مجموعی علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل ایک قطرہ کی مثال ہے اور آپ کا علم سمندر کی مثال۔

ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کا رد فرمایا:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ إِذْ اتَّخَذُ أَصْنَامًا إِيَّائِي أَتَىٰ أَرَأَيْتَ إِنْ كُنْتُ نَارًا سَاغِيَةً ۚ
وَقَوْمَكَ فِي صَلْبٍ مِّمَّنْ ۖ
(سورة الانعام 5:15)

”اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔“

اس آیت کریمہ سے عرب کے مشرکین پر حجت قائم کی گئی کیونکہ ان میں سے کئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معظّم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور بت پرستی کو بہت بڑا عیب اور گمراہی سمجھتے تھے اگر تم انکی عظمت کو مانتے ہو تو بت پرستی چھوڑ دو۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۚ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۖ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشُّطُنَّ ۚ إِنَّ الشُّطُنَّ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۖ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشُّطُنِّ وَرَاقًا ۖ
(مریم 6:16)

”ابراہیم نے جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور کچھ تیرے کام نہ آئے۔ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ حکم آیا جو تیرے پاس نہیں آیا تو میری تابعداری کر میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کا بندہ نہ بن بے شک شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔“

ان تمام آیت میں باپ سے مراد آپ کا چچا ”آزر“ ہی ہے آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جن بتوں کی تو پوجا کر رہا ہے وہ تیری عبادت کو نہیں دیکھ سکتے تیری ثناء کو نہیں سن سکتے اور بھی کسی چیز کو دیکھنا اور کسی قسم کا کلام سننا ان کی طاقت میں نہیں اور تمہاری یا کسی اہل ادا کرنا اور کسی قسم کی مصیبت سے نجات دینا اور تمہیں بے پرواہ کرنا جب انہیں حاصل نہیں تو وہ عبادت کے لائق کبھی نہیں ہو سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنا درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور

بتوں کی عبادت کرنا اسی کے دھوکے اور فریب کا نتیجہ ہے اس لئے تم شیطان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے وہ خود تو مردود ہو چکا ہے اور دوسروں کو بھی بھٹکانے میں ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے وہ تو چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی میرے دام فریب میں پھنس کر رب تعالیٰ سے دور ہو جائے اور اس کے عذاب کا مستحق بن سکے۔

وَإِذْ قَالَ لِأَيُّهَا وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿١﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُ لَهَا عَظِيمًا ﴿٢﴾ قَالُوا هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٣﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٤﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٥﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٦﴾ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٩﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿١٠﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿١١﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿١٢﴾ (شعراء 9:19)

”اور ان پر ابراہیم کی خبر پڑھو جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کیا پوجتے ہو؟ بولے: ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا میں منہمک رہتے ہیں پھر فرمایا: کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں؟ بولے: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا“ فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا اور وہی مجھے کھلاتا اور

پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے اور وہی مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔“

ان آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جا رہا ہے کیونکہ آپ قریش کے جد اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو ان کی نسل ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسلئے ان کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جد اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب اکبر پر بھی ایمان لائیں جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: ”لایہ“ سے مراد ”آزر“ ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لئے باپ کہا گیا: ”أَيُّ آئِدَ سَمَاءَ اللَّهِ أَبَا لِكُونِهِ عَمَّا وَمُؤَيَّتَالَهُ“ ●

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے کا کتنا پیارا انداز ہے؟ ان سے ہی ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے کیونکہ ان کے بت سننے نفع و نقصان پہنچانے سے قاصر تھے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے اس لئے ہم تو ان کے طریقے سے بھٹنے کے لئے کسی وقت بھی تیار نہیں۔

آپ علیہ السلام محبت بھرے طریقہ سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو بے جا خدا چھی نہیں اندھی تقلید کے نتائج بڑے

خطرناک ہوتے ہیں۔ تم دنیاوی معاملات میں جب عقل و فہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گم کر دو یہ تو اچھی بات نہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو میں انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں۔ میری بندگی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے اس کی ساری ضروریات بھی مہیا کرتا ہے ان کی نشوونما کے لئے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔ ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العالمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کتنا معنی خیز ہے؟ آیت میں مکرر غور فرمائیے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا: کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ ماصح کریم کا انداز نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے۔ اسی طرح اشارۃ کلام کرنا ظاہر کلام کرنے سے بدرجہا مؤثر ہے۔ ❶

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کا توڑنا:

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم کو کہا تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا بہتان سے اللہ کے بغیر اور خدا جاتے ہو۔ تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر یعنی جب تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا۔ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے۔

اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔ جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے واپسی کے وقت بت خانہ میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کی مذمت بیان کی تو انہوں نے کہا کل ہماری عید ہے۔ جنگل میں میلہ لگے گا۔ ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرک کے طور پر کھائیں گے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں دیکھیں کہ ہمارے دین اور طریقے میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف اٹھاتے ہیں جب وہ میلے کا دن آیا تو آپ کو چلنے کے لئے کہا گیا تو آپ کے جواب کو قرآن مجید میں بایں الفاظ فرمایا گیا:

فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٧٣﴾ فَقَالَ إِنِّي سَلِيمٌ ﴿٧٤﴾
 ”اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا“ پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔“
 (صافات 7:23)

آپ نے ستاروں کو ایسے دیکھا جیسے ستاروں کا حساب لگانے والے دیکھتے ہیں۔ قوم چونکہ ستاروں کے حساب کی بہت معتقد تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ نے ستاروں سے حساب لگا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ بیمار ہونے والے ہیں۔ اس طرح قوم آپ کو چھوڑ کر اپنے میلہ پر چلی گئی۔ آپ علیہ السلام نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا:

وَتَاللّٰهِ لَا يَكِيدَنَّ أَصْنَامُكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿٥٦﴾ ”اور مجھے اللہ کی قسم ہے! میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا اس کے بعد جب تم پیٹھ پھیر جاؤ گے۔“ (سورة الانبياء 5:17)

جب قوم اپنے میلہ پر چلی گئی تو آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ اب اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری وقت آگیا ہے آپ نے چپکے سے بت خانہ کا رخ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قوم ان کے پاس طرح طرح کے کھانے رکھ کر گئی ہے کہ واپس آ کر کھائیں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے۔ تو آپ نے بتوں کے قریب جا کر کہا: اَلَا تَأْكُلُوْنَ ۝ تم کھاتے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد پر جب بتوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر آپ نے انہیں کہا: (مَا لَكُمْ لَا تَنْطَلِقُوْنَ) تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں؟ وہ بے جان پتھر کی مورتیاں تھیں ان کی طرف سے کیا جواب آتا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بت کھانے کے قابل نہیں بولنے کی ان میں طاقت نہیں اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں سے بے جان بت ہیں۔ تو آپ نے ان کو مارنا شروع کر دیا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَافًا اِلَّا كِبْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٧﴾ ”آپ نے انکے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چورا کر دیا۔ سوائے ایک کے جو ان سب سے بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں۔“ (سورة الانبياء 5:17)

قوم کو وہاں ہی پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے بتوں کو توڑ دیا گیا ہے۔ (فَاتَّقِبُلُوا لِلّٰهِ يَرْجِفُوْنَ) تو وہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”انہوں نے کہا: کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے ان میں سے کچھ بولے: ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں وہ کہنے لگے: تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں انہوں نے کہا: کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ آپ نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے نفسوں کی

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتَةِ اِنَّهٗ لَيِّنَ الظَّالِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٥٩﴾ قَالُوا فَاتُّوْا بِهٖ عَلٰى اَعْمٰنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦٠﴾ قَالُوا اَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَةِ يَا اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦١﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْتَلَوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطَلِقُوْنَ ﴿٦٢﴾ فَرَجَعُوْا اِلٰى اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا اِنَّكُمْ اَنْتُمْ الظَّالِمُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ لَكِسُوْا عَلٰى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا تُفْلَاوْا يَنْطَلِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ

﴿اَفَلَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَفَلَا تَعْلَمُونَ﴾ طرف رجوع کیا اور بولے: بے شک تم ہی ظالم ہو پھر اپنے سروں کے بل اوندھے گرے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ (سورۃ الانبیاء 5:17)

بولتے نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تفس ہے تم پر اور ان بتوں پر، جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیا سوائے بڑے بت کے آپ نے بسوا اس کے کندھے پر رکھ دیا جب قوم کے لوگ واپس آئے تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کو کسی نے توڑ دیا ہے کیسے بے عقل لوگ تھے جن کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جو بت اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ ہماری کیا امداد کریں گے؟

ان کے اس سوال پر کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ان لوگوں نے بتایا جن کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں تمہارے خداؤں سے کچھ نہ کچھ برا سلوک ضرور کروں گا کہ یہ کام ابراہیم نے ہی کیا ہوگا کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کی برائیاں بیان کرتا تھا۔ اب وہ کہنے لگے کہ ابراہیم کو سامنے لاؤ تا کہ اس پر گواہیاں قائم کر کے مقدمہ قائم کیا جاسکے جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کام تم نے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بسوا تمہارے بڑے بت کے کندھے پر ہے اسی نے یہ کیا ہوگا۔ اپنے ان خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں تو بتائیں گے۔

آپ کے اس حکیمانہ جواب پر کچھ دیر کے لئے تو وہ سوچنے لگے کہ ابراہیم حق پر ہیں اور ہم ہی بے وقوف ہیں کہ ایسے خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم اس معاملہ میں اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد ان پر پھر بدبختی سوار ہو گئی کہنے لگے: ہم ان سے کیسے پوچھیں یہ تو بولتے ہی نہیں اس طرح وہ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

اعتراض: قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ نے فرمایا { اِنِّیْ سَیِّئٌۭۤ اٰلٍۭۨمٌ } میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑ دیئے قوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا { ہَلْ فَعَلْنَا کَبِیْرٌۭۤ اٰثِمٌ } یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے حالانکہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی آپ کے تین جھوٹوں کا ذکر ملتا ہے ان تین میں سے دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

جواب: جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہو سکتا جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیائے کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ سمجھ آ سکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے اگر حدیث پاک کا ترجمہ ہی صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آ سکتا ہے کہ مطلب کیا ہے وہ حدیث پاک یہ ہے:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) إِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ يَتَمَيَّنُ مِنْهُنَّ فِي ذَاتِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَوْلُهُ (إِنِّي سَعِيمٌ) وَقَوْلُهُ (بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا) وَقَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذَا أَنِّي عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلْ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا مَنْ هَذِهِ؟ قَالَ أُخْتِي فَأَتَى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا إِنَّ هَذَا الْجَبَّارَ أَنْ يَعْلمَ أَنَّكَ امْرَأَتِي يُغْلِبُنِي عَلَيْكَ فَإِنْ سَأَلَكَ فَأَخْبِرِيهِ إِنَّكَ أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ لَيْسَ عَلَيَّ وَجْهُ الدَّهْنِ مِنْ غَيْرِي وَغَيْرِكَ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهَا فَأَتَى بِهَا قَامَ إِبْرَاهِيمُ يُصَلِّي فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ فَهَبَ يَتَنَا وَلَهَا بِيَدِهِمْ فَأَخَذَ وَيُرْوَى فَعُظٌّ حَتَّى رَكَّضَ بَرَجِيهِمْ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي وَلَا أَضْرُكَ فَدَعَتِ اللَّهَ فَأَطْلَقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأَخَذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللَّهَ لِي وَلَا أَضْرُكَ فَدَعَتِ اللَّهَ فَأَطْلَقَ فَدَعَا بَعْضَ حُجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكَ لَمْ تَأْتِيَنِي بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتَنِي بِشَيْطَانٍ فَأَخَذَهَا هَاجِرًا فَاتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مِنْهُمْ قَالَتْ رَدَّ اللَّهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِي نَحْرِهِ وَأَخَذَهَا هَاجِرًا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمَّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ“ ①

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ ایک آپ کا قول {إِنِّي سَعِيمٌ} میں بیمار ہونے والا ہوں۔ دوسرا آپ کا قول {بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا} ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ اور ان میں تیسرا قول (جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جارہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے ان کو کہا۔ اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو اس لئے کہ اسلام میں تم

میری بہن ہو کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مؤمن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کے پاس قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلا لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع فرمادی حضرت سارہ علیہا السلام جب اس ظالم کے پاس پہنچیں اس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آ گیا۔ پاگلوں کی طرح ہو گیا اس کا گلا گھونٹ گیا منہ سے جھاگ بننے لگی ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ علیہا السلام کو کہا: تم میرے لئے دعا کرو میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچاؤں

بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء ص 506 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس نے پھر حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی آپ نے پھر دعا کی جب وہ ٹھیک ہو گیا پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو، اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا دیا۔“

{ مفتی احمد یار خان بریلوی نے تفسیر نعیمی میں تحریر کیا ہے حضرت ہاجرہ علیہا السلام روم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں، ان سے بھی اس ظالم کا انجام ایسا ہی ہوا تھا اس نے کہا ان دونوں کو یہاں سے نکال دو یہ دونوں انسان نہیں بلکہ جن ہیں۔ }

حضرت سارہ علیہا السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ علیہا السلام نے کہا، اللہ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا یا یعنی وہ ذلیل ہوا اس نے مجھے ہاجرہ بطور خادمہ دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہل عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے۔

تشریح حدیث:

”قَالَ عِيَّاضُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الصَّحْبَةُ أَنَّ الْكَذِبَ لَا يَنْقَعُ مِنْهُمْ مُطْلَقًا وَأَمَّا الْكَذِبَاتُ الْمَذْكُورَةُ فَإِنَّمَا هِيَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى قَوْمِهِمْ السَّامِعِ لِكَوْلِيهَا فِي صُورَةِ الْكَذِبِ وَأَمَّا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ فَلَمْ يَسْتَ كَذِبَاتٌ“^①

”قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انبیائے کرام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہو سکتا لیکن یہ جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سننے والے کی طرف منسوب ہیں جن کو سننے والے نے جھوٹ سمجھا اس لئے کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح کلام فرمایا کہ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھا ان تین مرتبہ کے علاوہ آپ نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو۔“

پہلا ارشاد گرامی {الَّذِي سَعَاهُمْ}

آپ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کا مطلب پہلے تفصیلاً بیان ہو گیا کہ قوم نے آپ کو میلہ میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا {الَّذِي سَعَاهُمْ} یعنی میں بیمار ہونے والا ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں کل ہی بیمار ہونے والا ہوں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ضرور بیمار ہوتا ہے آپ نے معنی دور والا لیا اور لوگوں نے قریب والا سمجھا یہ ”توریہ“ کہلاتا ہے جو جائز ہے۔

① مرقاة المفاتیح، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

دوسری وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

”فَقَالَ إِنِّي سَلِمْتُ الْقُلُوبَ لِمَا فِيهِ مِنَ الْغَيْظِ بِاتِّخَاذِكُمُ التَّجْوِمَ إِلَهًا وَبِعِبَادَتِكُمُ الْأَصْنَامَ“

آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا دل بیمار ہے اس لئے کہ مجھے بہت غصہ ہے کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لئے مجھے غصہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے اس غصہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے۔ یعنی آپ کی بات صداقت پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

دوسرا ارشاد: {بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ}

قوم جب میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا یا بسولا ان کے بڑے بت..... یعنی جس کو وہ بڑا خدا سمجھتے تھے اس..... کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس آئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے ہمارے خداؤں سے یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ جب بعض لوگوں نے کہا یہ ابراہیم نے کیا ہوگا۔ آپ کو بلا کر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ“ جس کا عام معنی ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بت نے کیا ہے یعنی اس نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اس کا مطلب ہی یہ نہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس کے مختلف مطالب بیان کئے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے؟

پہلی وجہ: پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بت نے کیا ہے بلکہ آپ نے اس سے مراد اپنی ذات لی آپ کا یہ کلام تعریض پر مبنی تھا یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا ہو سننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص لکھنے کا ماہر ہو وہ ایک نفیس خط لکھے دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا وہ ماہر خط سے پوچھے کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے {بَلْ كَتَبْتَهُ أَنتَ} بلکہ تم نے لکھا ہے یہ الزام اس کو خاموش کرانا ہے۔ یعنی اس جملہ سے اس شخص کی نفی کی جا رہی ہے جو قادر نہیں اور جو شخص قادر ہے اس کے لئے ثابت کرنا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہے، وہ کیسے کر سکتا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہی نہیں؟

دوسری وجہ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو مزین کیا ہوا ہے اور ان کو قوم نے بڑا برگزیدہ سمجھا ہوا ہے تو آپ کو غصہ آیا اور یہ دیکھ کر غصہ اور زیادہ شدید ہو گیا کہ لوگوں نے بڑے بت کو زیادہ مزین کیا ہوا ہے اور اس کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں جب اس بڑے بت کو دیکھ کر غصہ زیادہ ہوا تو سب بتوں کو توڑ دیا:

”فَأَسَدَ الْفِعْلَ إِلَهُ لَأَنَّهُ هُوَ السَّبَبُ فِي اسْتِعْمَالَتِهِمْ بِهَا وَحَطُّوهُ لَهَا وَالْفِعْلُ كَمَا يُسَدُّ إِلَى مُبَاشَرَةٍ يُسَدُّ إِلَى حَامِلِهِ“

”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بت کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ وہ ان کو توڑنے اور ذلت کا سبب بنا کیونکہ اس کو

دیکھ کر آپ کو زیادہ غصہ آیا تھا جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا ہے اسی طرح کام پر ابھارنے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا۔“

تیسری وجہ: آپ نے ان کے مذہب کے مطابق کلام کیا کہ تم جب اس کو خدا سمجھتے ہو تو پھر یہ کام اس نے کیا ہوگا: ”فَإِنْ مَنْ حَقَّ مَنْ يُعْبَدُ وَيُدْعَى إِلَٰهًا أَنْ يُعْبَدَ عَلَىٰ هَٰذَا أَوْ“ ”یعنی جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت اشدٰ منہ“ اسے ہونی چاہئے۔“

مقصود ان کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اس نے بتوں کو توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ معبود کیسے بن سکتا ہے۔

چوتھی وجہ: یہاں کچھ عبارت غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے: ”جس نے کرنا تھا اس نے کر دیا یہ ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو۔“

گویا اس بیان کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے اپنے بڑے خدا سے پوچھوا اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے اس میں بھی ان کو تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا یہ کام کس نے کیا ہے۔

پانچویں وجہ: ”گِیْرُہُمْ“ پر وقف ہے اور ”ہٰذَا“ سے پھر کلام کی ابتدا ہے۔ معنی یہ ہے کہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو اگر بولتا ہے۔

”إِدْعَىٰ نَفْسَهُ لَإِنَّ الْإِنْسَانَ أَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ“ ”اس سے مراد آپ نے اپنی ذات لی ہے کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے۔“

مقصود یہ تھا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے وہ بڑا میں ہی ہوں کیونکہ میں انسان ہوں اور تمہارے خداؤں سے بڑا ہوں انسان کے مقابل ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔

چھٹی وجہ: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے: ”آپ نے فرمایا ان کے اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔“

”فَتَكُونُ إِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَىٰ كِیْرِہُمْ مَشْرُوطًا بِكُورِہُمْ“ ”فعل کی اضافت ان کے بڑے بت کی طرف مشروط طور پر ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان کے بڑے نے کیا ہے جب وہ

بولتے ہی نہیں تو یہ کام ان کے بڑے بت نے نہیں کیا۔“

ساتویں وجہ: ایک قرأت میں ہے ”فَعَلُّهُ كَبِيرُهُمْ“ آیا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہوگا ”فَلَعَلَّ الْفَاعِلَ كَبِيرُهُمْ“ شاید یہ کام کرنے والا ان کا بڑا ہوگا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صداقت پر مبنی تھا اگرچہ سننے والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے:

علامہ رازی رحمہ اللہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”إِضَافَةُ الْكُذْبِ إِلَى رَوَاتِهِ أَوْلَى مِنْ أَنْ يُضَافَ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ“
 ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے۔ جس سے

انبیاء کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جاسکتا ہے لیکن انبیاء کرام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا۔“
 ایسی صورت میں روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیاء کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ ①

حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق آپ نے فرمایا: {هَذِهِ أُخْتِي} یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ حدیث
آپ کا تیسرا ارشاد: پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ نے حضرت
 سارہ علیہا السلام کو کہا ”أَنْتِ أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ“ تم اسلام میں میری بہن ہو اسلئے کہ اخوت اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی
 ہیں۔ ماں بیٹا بھائی بہن ہیں: اسی طرح خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

بتوں کو توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا:

ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بنادٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ
 سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب
 صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے بندے کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو جلانے
 کی سزا دی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

”وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اسے بھڑکتی

قَالُوا ائْتُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقَوْهُ فِي الْجَحِيمِ ②

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 22 ص 185 مطبوعہ دار الفکر بیروت

(صافات 23:7) آگ میں ڈال دو۔“

یعنی ارد گرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ﴿٥٨﴾

”بولے: اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا

ہے۔“ (انبیاء 5:17)

ذرا غور کریں! کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ:

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لئے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ)۔^①

آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا:

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مجاہد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا: مجھے تو علم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام ”اکراذ“ تھا۔ بعض جگہ اس کا نام اکراذ بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے۔ نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں ایک قول کے مطابق نام ”ہیون“ ہے اور دوسرے کے مطابق ”ہدیر“ ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

• آپ کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لئے چار دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی۔ جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں۔ ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفا حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گی۔

① تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 26، ص 150 مطبوعہ دار الفکر بیروت

وہ کیسی آگ تھی؟

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلادی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

آگ میں ڈالنے کے لئے شیطان کی راہنمائی:

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہو گئی اس کی حرارت اتنے دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے تو شیطان نے اکران کی راہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے۔ خیال رہے سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق تیار ہوئی بعد میں اسی کو جنگوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

زمین و آسمان کی مخلوق کی فریاد:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے۔ اے اللہ! آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔ زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش و طیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان ہیں۔ رب تعالیٰ کے حکمت سے بے خبر تھے۔ سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

فرشتوں نے آپ کی امداد کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی:

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ! ہمیں اجازت فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرمادی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی امداد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں، ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو، بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کا کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل:

اور ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانیوں پر مقرر تھا۔ ان دونوں نے عرض کیا آپ ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کر دیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں: {حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ} ”میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔“ آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کو میری امداد کی ضرورت ہو تو میں آپ کی امداد کروں۔ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبرائیل نے کہا: اچھا! تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لو تو آپ نے فرمایا: {حَسْبِيَ مِنْ سَوَالِي عِلْمُهُ بِحَالِي} ”وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔“

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہہ دیا جاتا ہے کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد طلب کرتے۔ کاش! ان لوگوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ انبیائے کرام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی طرح عام انسان تو کل کیسے کر سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا ہے مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

چھکلی کا آگ کو پھونکیں دینا:

”وَيُرْوَى أَنَّ الْوَزْءَ كَانَ يَنْفَعُ فِي النَّارِ وَقَدْ جَاءَ ذَلِكَ فِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ“
پھونکیں دیتی تھی۔“

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ نے چھکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فَوْسِق (بری چیز) کے نام سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چھکلی کو پہلی ہی ضرب سے قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب سے قتل کرنے میں اس سے کم ثواب ہے اور تیسری ضرب سے قتل کرنا اس سے کم ثواب ہے۔ ①

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر:

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے گا بس صرف ایک بات مد نظر تھی کہ رب تعالیٰ جس پر راضی ہے میں بھی اسی پر راضی ہوں۔ کافروں نے جب آپ کو

① نووی شرح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 244 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

باندھ کر منجیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْعَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ“

”تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں سب چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔“

کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا:

”اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔“

(الانبیاء 5:17)

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تا کہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو ”سَلَامًا“ کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ کا سردی سے وصال ہو جاتا۔

روایات میں آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اس کی حرارت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔ یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ارد گرد گلاب، زمرس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین و جمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے آپ کو باندھا گیا اور ان کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

خیال رہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا گیا اس وقت دنیا میں کوئی ایسی آگ نہیں تھی جو بجھ نہ گئی ہو یعنی دنیا کی تمام آگیں ایک مرتبہ بجھ گئی تھیں۔

ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟

منہال بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس پچاس دن رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں: آگ میں رہنے کے دنوں میں جتنا خوش رہا اور میں نے عیش و عشرت کی اتنی پوری زندگی میں مجھے عیش حاصل نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو ابراہیم علیہ السلام کی ہی شکل میں ان پر بھیجا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھے تاکہ وہ اس سے انس حاصل کریں اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو آپ کے پاس جبرائیل جنت میں سے ایک ریشمی قمیص لائے اور کہا: اے ابراہیم علیہ السلام! بے شک آپ کو رب کہتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو

آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا:

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے ارد گرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا، اے ابراہیم! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں۔ اس نے کہا: اٹھو اور نکل آؤ (ممکن ہے اس نے یہ سمجھا ہو کہ جب لکڑیوں کے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گذریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اس سے انس حاصل کر سکوں۔

نمرود رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود گمراہ رہا:

نمرود نے کہا: جب میں نے تمہارے رب کی عزت و قدرت کو دیکھا تو میں نے نذرمانی کہ میں تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کروں گا۔ اسلئے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔ اس نے کہا: میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا اس سے اپنی نذر کے مطابق چار ہزار گائے ذبح کر دیں اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کر لیا البتہ وہ اپنے کفر پر ہی قائم رہا ایمان اس کو نصیب نہ ہو سکا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو انہوں نے کہا: کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کر دیا ہے انہوں نے تجربہ کرنے کے لئے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اسے جھلس کر رکھ دیا۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام نے تمام باطل معبودوں کا رد کیا:

ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں تشریف لائے اس میں کچھ لوگ بت پرست تھے کچھ ستارہ پرست کچھ چاند پرست اور کچھ سورج پرست بلکہ نمرود کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ آپ نے بتوں کے معبود ہونے کو دلائل سے باطل کیا۔ قوم نے جب دلائل

❶ تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج ۲۶ ص ۱۵۰ مطبوعہ بیروت

سے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا تو آپ نے بتوں کو توڑ کر اپنی پریشانی کو دور کر کے اپنے دل کو تسلی دی۔ ستارہ پرست آپ کو بھی ستاروں کو پوجا کی دعوت دینے لگے آپ نے ان کا بھی رد فرمایا کہ ستارے معبود بننے کے قابل نہیں:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا يَذَّابُنْهُ فَمِلَّهَا فَلْتًا قَالَ لَا تُفْلِكُ إِنَّهُ يَكُونُ لَكَ رَاحَةً أَوْ يُنذِرُ ۚ فَأَنَّ الْفُلَيْنِ ۖ

(سورة الانعام 15:7)

نہیں آتے ڈوبنے والے۔“

یعنی یہ تو خود کسی نظام قدرت کے پابند ہیں ان میں معبود بننے کی صلاحیت نہیں میری توجہ اور محبت کا مرکز تو صرف مالک الملک خالق کائنات وحدہ لا شریک لہ ہے میں تو ان ستاروں سے نہ ہی محبت کرتا اور نہ ہی ان کو کسی معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتا ہوں جب ان سے محبت ہی نہیں تو ان کی عبادت کو کیسے اچھا سمجھ سکتا ہوں۔

چاند پرستوں نے آپ کو چاند کی عبادت کی دعوت دی آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ تم تو گمراہ ہو حق تو یہ ہے کہ تم خود سیدھی راہ پر آ جاؤ کیا تم مجھے راہ راست سے بھٹکا نا چاہتے ہو یہ ناممکن ہے:

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَأِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۚ

(الانعام 15:7)

گمراہوں میں ہوتا۔“

یعنی یہ چاند بھی کسی کے حکم کا تابع ہے اس کی چمک دمک بھی کبھی ایک علاقہ پر کبھی دوسرے پر یعنی ایک وقت میں ایک علاقہ کو چمکا رہا ہے تو دوسرا اس کی روشنی سے محروم ہے تو ایسی چیز جو خود ہی ایک حال پر نہ رہ سکے وہ کیسے معبود بن سکتی ہے۔ یہ تو مجھ پر اللہ کا فیضان ہے جس نے مجھے سیدھی راہ پر چلا کر اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادی ورنہ جس قوم میں ہر طرف باطل راہ پر چلنے والے ہی نظر آتے ہوں وہاں ایک فرد کا حق پر قائم رہنا کیسے ممکن تھا؟

سورج پرستوں نے آپ کو سورج کی عبادت کی دعوت دی کہ یہ تو بہت ہی روشن ہے۔ یہ تو یقیناً بڑا خدا بننے کے قابل ہے آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ میں شرک پر قائم رہنے کی کسی کو جب اجازت نہیں دیتا تو مجھ سے شرک کی امید رکھنا تمہاری حماقت ہے۔

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَكُونُ لِئِيَّايَ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۚ

(الانعام 15:7)

بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔“

آپ نے جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو قوم کو کہا: اسے میرا رب کہتے ہو سب سے بڑا سمجھ کر اسے بڑا خدا مانتے ہو۔ یہ بھی تو کبھی ایک علاقہ کو جگمگا رہا ہے اور دوسرے کو اندھیرے میں رکھتا ہے۔ جب دوسرے علاقہ کو روشن کرتا ہے تو پہلے علاقہ کو تاریکی میں ڈبا دیتا ہے۔ بھلا وہ چیز جو خود اپنے محور میں گھومنے کے لئے کسی کے حکم کی پابند ہو خدا بن سکتی ہے؟ نہیں! نہیں! یہ خدا کبھی بھی نہیں بن سکتی۔ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے شریک ٹھہرانا چھوڑ دو میں تو پہلے ہی بیزار ہوں مجھ سے تمہاری یہ توقع کہ ”میں تمہارے ساتھ معبودانِ باطلہ کو ماننے میں شریک ہو جاؤں گا“ بے سود ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میری توجہ کا مرکز تو صرف زمین و آسمان کا خالق ہے میں اس کے ساتھ اور کوئی شریک ٹھہراؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں کوئی مشرک تو نہیں۔ قوم نے آپ کو باطل معبودوں کی مخالفت سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ ان کی مخالفت سے باز آ جاؤ۔ آپ نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا:

وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ..... (الانعام 7: 15) ”جن کو تم (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہو، مجھے ان سے کوئی ڈر نہیں۔“

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ:

اللَّهُ تَدْرِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ لَمْ يَكُنِ اللَّهُ الْمَلِكَ (البقرہ 3: 3)

”اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔“

اس سے مراد اس وقت کا بادشاہ ہے جس کا نام ”نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب“ ہے۔ یہ ہی پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم و ستم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا سارے جہان کی بادشاہت اس کو ملی۔ اس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی۔ چار سو سال اپنی بادشاہی کے رعب و دبدبہ میں گزارے اور چار سو برس چمھرنے اسے کاٹا جو ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس گیا تھا وہ اپنے سر پر جوتے لگواتا رہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو مقابلہ کرنے کے لئے بلند قلعہ بنوایا تھا اس کا دار الخلافہ بابل میں تھا۔ ❶

تمام روئے زمین کے چار بادشاہ:

جن کو کل دنیا کی بادشاہت حاصل رہی ہو وہ صرف چار شخص ہیں: دو مسلمان اور دو کافر:

❶	سلیمان علیہ السلام	❷	حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام
❸	نمرود	❹	شداد بن عاد جس کا نام بخت نصر تھا۔

”شداذ“ نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی۔ جنت جب تیار ہوئی تو دیکھنے کے لئے گیا ابھی اس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کرلو۔ ①

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟

کبیر اور روح المعانی میں دو قول نقل کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ بتوں کو توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو اس وقت یہ مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کون سا ہے جس کی میں عبادت کروں؟

ابراہیم علیہ السلام کی رب کے متعلق دلیل:

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (البقرہ 3:3) ”جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔“ یعنی اجسام میں موت و حیات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک خدا کو نہ پہچاننے والے کے لئے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رب کے وجود کی شہادت دے رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطا فرمائی وہ رب ہے اور زندگی کے بعد پھر اجسام کو جو موت دیتا ہے وہ پروردگار ہے اس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت و حیات میں موجود ہے اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمال جہالت و سفاہت اور انتہائی بد نصیبی ہے۔ یہ دلیل ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے نہ بن پڑا اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اس کو لا جواب اور شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے تو اس نے کج بجشی (ٹیز می بحث) اختیار کی۔

قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ ط (سورۃ البقرہ 3:3) ”بولا: میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔“

نمرود کی بے وقوفی:

نمرود نے دو شخصوں کو بلایا۔ ان میں سے ایک کو قتل کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں اسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مارتا ہوں۔ یہ اس کی نہایت احمقانہ بات تھی۔ کہاں قتل کرنا اور چھوڑنا؟ اور کہاں موت و حیات پیدا کرنا؟ قتل کئے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے

زندہ کے چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں اس کی ذلت کے لئے کافی تھا۔ عقلمندوں پر تو ظاہر ہو گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل قوی اور قطعی ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعویٰ بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی الوہیت! موت و حیات پیدا کرنا تیری قدرت میں کہاں بلکہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے آسان کام کر کے دکھا:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ 3:3)

ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔

وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا ورنہ اس میں بھی وہ کج بحثی (ٹیزھی بحث) اس طرح کر سکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے تو میں لاتا ہوں تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ مغرب سے لائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مبہوت کر کے لا جواب کر دیا وہ اس طرح ذلیل ہوا۔ جب اس سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں تم اپنے رب سے مانگو وہی تمہیں غلہ دے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

اعتراض: نمرود جب روئے زمین کا بادشاہ تھا تو وہ مبہوت کیوں ہو گیا؟ اس کے ہوش کیوں اڑے؟ اور وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا تو اس نے یوں کیوں نہیں کہا: ”فَلَمَّا تَرٰكَ يٰهٰمِيْنَ الْمَغْرِبِ“ کہ مشرق سے تو سورج میں نکالتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالے۔

پہلا جواب: اگر آگ میں ڈالے جانے اور آپ کے صحیح سلامت باہر آتے کے بعد یہ مناظرہ تھا تو یہ جواب دیا جائے گا: ”فَعَلِمَ اَنَّ مَنْ قَدَّ عَلٰى حِفْظِ اِبْرٰهٖمَ فِىْ تِلْكَ النَّارِ الْعَظُمٰتِ الْاَحْتِرَاقِ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يَّاْتِيَ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ“ ①

کہ نمرود کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کو جب یہ طاقت حاصل ہے کہ ابراہیم کو بہت بڑی آگ سے بچا لیا ہے تو اگر میں نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ سورج کو مغرب سے لے آئے تو ابراہیم کے کہنے پر وہ سورج کو مغرب سے لے آئے گا۔

اس میں میری ذلت و رسوائی زیادہ ہے۔ میری خدائی کا بھرم کھل جائے گا۔ جو بے وقوف مجھے خدا مان رہے ہیں وہ بھی مجھے چھوڑ جائیں گے۔

دوسرا جواب: ”إِنَّ اللَّهَ خَذَلَهُ وَأَنَسَاهُ إِبْرَادَ هَذِهِ الشُّبْهَةِ“ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم کی امداد نصرتہ لنبیہ علیہ السلام“ ❶

گیا کہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات اس کی عقل میں ہی نہ آسکے۔“

یہ دوسرا جواب ہی زیادہ قوی ہے جو دونوں قولوں کو شامل ہے خواہ مناظرہ آگ کے واقعہ کے بعد ہو یا پہلے۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نبی سے جھوٹے خدا کا مقابلہ کرنا اور غالب آنا ممکن ہی نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی امداد کر رہا تھا اور جھوٹے خدا کو ذلیل کر رہا تھا نبی کا مقام بہت ہی بلند تھا۔ پھر نبی بھی جلیل القدر اور بلند شان والا اللہ کا خلیل اس کے مقابلے میں کافر نے ذلیل ہونا ہی تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی یعنی سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں آنے سے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو جرأت نہ کر سکنے کی ذلت میں مبتلا کیا۔ ❷

ریت غلہ بن گئی: ابراہیم علیہ السلام اس سے واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گزرے وہاں سے ایک تھیلے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے تھیلا رکھ کر سو گئے۔ آپ کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام نے اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گندم تھی۔ آپ نے اسے پیس کر روٹیاں تیار کیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جاگے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا آپ نے پوچھا: یہ گندم کہاں سے آئی ہے؟ تو آپ کی زوجہ نے عرض کی: وہی جو آپ تھیلا بھر کر لائے ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ رب تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔

نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم: اللہ تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا جس نے آکر کہا: تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا، ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔ وہ بولا رب تو میں ہی ہوں میرا رب کون ہے؟ تین دفعہ یہ واقعہ درپیش آیا لیکن وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

نمرود اور اسکی قوم کا انجام:

نمرود کی قوم پر مجھروں کا عذاب بھیجا گیا، مجھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ ان سے سورج چھپ گیا تھا، زمین پر دھوپ نہ آتی تھی، مجھروں نے ان کے خون چوس لئے، گوشت چاٹ لئے، سوائے نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا، پھر ایک مجھرا اس کی ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹا رہا۔ جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا، ورنہ کاٹتا۔ چنانچہ دن رات اس کے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ اب اس کے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اس کے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس

پنٹا رہا۔ پھر ہزار ذلت مرا اسکی عمر آٹھ سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئی۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا:

وَاذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِي الْمَوْتٰی ۚ قَالَ اَوْكَمْ ۚ اَوْدَعْتُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ اَمْ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۚ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لَّیَطْمِئِنَّ قُلُوبُکُمْ

”اور جب عرض کی ابراہیم نے: اے میرے رب! مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا۔ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔“

(سورۃ البقرہ 3:3)

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سترہ وجوہ بیان فرمائی ہیں لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ ظاہر اور واضح ہیں اور باقی وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ: آپ کو پہلے علم استدلالی حاصل تھا۔ اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علم ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے۔ اسلئے کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے جو علم مشاہدہ سے عیاں حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی کے لئے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا علم شک سے پاک ہوتا ہے البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے تو مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ: آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے؟ اس صورت میں ”اَوَّلَکُمْ تُؤْمِنُ“ کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے تم میرے پسندیدہ ہو اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ: آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اسلئے کیا تاکہ علم یقین سے عین یقین کی طرف ترقی ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اسلئے کہ عین یقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا لیکن علم یقین میں مشاہدہ کی ضرورت نہیں۔

چوتھی وجہ: جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی {رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِی وَیُمِیْتُ} میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ! تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کر میں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔ ❶

اعتراض: حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ کو یقین نہیں تھا۔ جواب: حدیث پاک کے ترجمہ اور سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں جو معترضین پیش کرتے ہیں۔ حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں مطلب خود واضح ہو جائے گا:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ رَبِّ ارْنِیْ کَیْفَ تُحْیِی الْمَوْتِیَّ ط قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لَّیَطْمِئِنَّ قُلُوبِی“ ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے جب عرض کی: اے میرے رب! مجھے دکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا۔ فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں؟ عرض کی: کیوں نہیں! مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔“

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے بلکہ اس حدیث پاک کا ترجمہ جو بیان کیا ہے اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے تاہم زیادتی وضاحت کے لئے علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث پاک شرح بیان کی ہے اس سے ایک قول بیان کیا جا رہا ہے، آپ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد: {نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ} کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابو ابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے:

”مَعْنَاهُ أَنَّ الشَّكَّ مُسْتَحْبِلٌ فِي حَقِّ إِبْرَاهِيمَ فَإِنَّ الشَّكَّ فِي أَحْمَاءِ الْمَوْتِی لَوْ كَانَ مُتَطَرِّقًا إِلَى الْأَنْبِیَاءِ لَكُنْتُ أَنَا أَحَقُّ بِهِ مِنْ إِبْرَاهِيمَ وَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّی لَمْ أَشْكُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ إِبْرَاهِيمَ لَمْ یَشْكُ“ ❷

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شک واقع ہو سکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے میں شک کرنے میں زیادہ حق رکھتا اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم

ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہیے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی

خیال رہے اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی اور عجز و انکساری سے اپنے آپ کو ان سے کم مرتبہ بیان کیا اور نہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

مردے زندہ ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو دکھا دیئے:

”فرمایا: اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان کا
 کُل جہلِ مَنہنْ جُزْءُ اَنتُمْ اَدْعُوْنَ بِاٰتِيْنِكَ سَعْيًا وَاَعْلَمُ اَنَّ
 چلتے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان لو کہ اللہ غالب
 حکمت والا ہے۔“ (البقرہ 3:3)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے یعنی موز گدھ (ایک روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے) کو اور مرغ اپنے
 ساتھ پہلے مانوس کئے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے ٹکڑے کئے اور ان کے گوشت اور ہڈیاں وغیرہ کو ملا جلا کر کے چار
 پہاڑوں پر ان کو رکھ دیا۔ پھر آپ نے انہیں پکارا:

”اے جدا جدا ہڈیو! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو! اے کاٹی ہوئی رگو! ایک دوسرے سے مل جاؤ! تاکہ اللہ
 تعالیٰ تمہاری روحوں کو تم میں لوٹا دے۔“

یہ سن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسری سے مل گئیں۔ پر
 دوسرے پرندوں سے جا ملے۔ گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے یہاں تک کہ خون خون سے مل
 گیا۔ اس طرح آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ کو عین الیقین کا مرتبہ عطا کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ
 نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے ابراہیم تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ بیشک میں نے زمین کو پیدا
 کیا ہے اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں:

①: شمالی جانب سے چلنے والی ہوا ②: جنوبی جانب سے چلنے والی

③: بادِ صبا ④: بادِ بوز

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تمام مردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہو جائیں گے جیسے ان چار پرندوں کو
 تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کر دیا گیا ہے۔ میرے سامنے تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس

طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا ہے۔ ❶

تنبیہ: بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کے جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے۔ آپ نے جب اللہ کے اذن (حکم) سے ان کو بلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔ مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ ان کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں جو میں نے اپنے ساتھ مانوس کر لئے تھے۔ اور بعض نے کہا: آپ نے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تھا آپ کے بلانے پر ان کے تمام اجزاء اپنے اپنے اجزاء سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آ کر مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔

تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا اسکی کیا وجہ ہے؟ اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضا میں اڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علوم مرتبت یعنی مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطا فرمائی ہے اسلئے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ آپ کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو ذبح کر دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔ پھر ان کو بلایا تو تمام ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جدا ہو کر اپنے اپنے ٹکڑوں سے مل گئے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرات جمع ہو جائیں گے اور ان سے بدن معرض وجود میں آئیں گے، ان کی روحیں ان سے مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اسکی تائید کر رہا ہے: ﴿

خُشْعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٨﴾ (نمر 27: 8)

”نیچی آنکھیں کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ مڑی ہیں پھیلی ہوئی۔“

چار کا حکم دینے کی وجہ:

ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک نے کہا: اے میرے خلیل! تم نے تو اپنی عبودیت کے پیش نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردہ کو زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، پانی، ہوا سے مرکب ہیں۔ اس لئے چار کو ذبح

کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصرِ اربعہ کے مرکبات کو زندہ کروں گا۔ ①

سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ:

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوءے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت و بلند اور مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف ”مور“ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ﴾ ”خواہشات کی محبت کو لوگوں کے لئے مزمین کر دیا گیا ہے۔“

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اس طرح ”گدھ“ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔ انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح ”مرغ“ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔ انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح ”کوءا“ بھی مال کی طلب اور جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے کیونکہ سوائے کوءے کے رات کو اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے اور سخت سردی میں دن کو صرف کوءا ہی نکلتا ہے۔

ان چار کا منتخب کرنے اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشاتِ نفسانیہ اور خواہشاتِ فرج اور مال کی حرص اور زہد و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے دل پر روحانیت کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا:

”اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں جا رہا ہوں جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔“

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَمْعِدِينَ ﴿٢٣﴾
(صافات 23:7)

رب تعالیٰ کے ارشاد میں ”إِلَى رَبِّي“ کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یعنی جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے میں وہاں جا رہا ہوں کہ میں وہاں اپنی عبادت کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکوں گا۔“

”إِلَى حِمَّتِ أَمْرِي رَبِّي أَوْحَمْتُ اتَّبَعْتُ فِيهِ لِعِبَادَتِهِ“ ②

کیونکہ جو قوم میری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی وہاں ٹھہرنا اب بے مقصد ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا ہے تو اب یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہو چکا ہے۔

ابتدائی طور پر آپ نمرودی قوم سے ہجرت کر کے اپنے چچا "ہاران" کے پاس حران میں آ گئے۔ "ہاران" نے ابراہیم علیہ السلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی سارا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام بہت ہی خوبصورت عورت تھیں، مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ علیہا السلام بہت حسین ہوئے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی حضرت سارہ علیہا السلام کے حسن سے ہی حسن ملا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھا۔ اسلئے آپ کے چچا ہاران نے بھی آپ کو گھر سے نکال دیا۔ دوران ہجرت راستہ میں مصر کے ظالم بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجرہ علیہا السلام عطا کی گئی۔ یہ واقعہ ایک حدیث پاک کی وضاحت کے ضمن میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران سے چلا تھا صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اس قافلہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تھے۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کا معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کی بات کو مانا جائے گا۔ راستہ میں جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام بھی مل گئیں تو اب قافلہ کے چار فرد ہو گئے جو تمام ہی اللہ کو ماننے والے تھے۔

فلسطین میں خوشحالی:

مصر سے جب یہ چار افراد روانہ ہو کر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی قدر و منزلت کو سمجھا اور ان کے آنے کو باعث برکت سمجھا اور بہت سی زمین آپ کی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ اس زمین میں کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی آپ کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہو گئے آپ نے مسافروں اور غرباء کو رہنے اور کھانے کی سہولیات عطا کیں۔ اس طرح مہمان نوازی میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا۔ ❶

حضرت سارہ علیہا السلام کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح:

ایک دن حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ضروریات دنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور رہنے کے مکانات کی تو کوئی کمی نہیں۔ البتہ اولاد کی کمی ہے اسلئے آپ ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کر لیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نواز دے یعنی ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لئے تسکین و راحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرت سارہ علیہا السلام کے کہنے پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح ہو گیا۔ ❷

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعا:

”الہی! مجھے لائق اولاد دے۔“

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۷۲﴾ (صافات 23:7)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿۷۳﴾ (صافات 23:7) ”تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔“

اس بشارت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت ہے کیونکہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ ”حَلِيمٌ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَأَنَّهُ يَكُونُ حَلِيمًا وَائِي حَلِيمٌ مِثْلُ حَلِيمٍ عَرَضَ عَلَيْهِ أَبُوهُ“ ”یعنی آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ کو ایک بیٹا عطا کیا جائے وَهُوَ مُرَاقٍ الذِّمَّةَ فَقَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ“ ”گا جو حلیم ہوگا اس سے بڑھ کر حلیم کی اور کیا مثال ملے گی جب آپ بلوغ کے قریب تھے۔ آپ کے والد نے آپ کو کہا کہ

”میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابروں سے پائیں گے۔ یہ حلیم تو بالغ ہونے سے پہلے کا ہے بالغ ہونے کے بعد آپ کے حلیم کا کیا مقام ہوگا؟“ اس بحث سے واضح ہوا کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی بشارت۔

اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت:

فَبَشِّرْهُمَا بِإِسْحَاقَ لَا وَمِنْ قَدَّ آوِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿۷۴﴾ (ہود 12:7) ”تو ہم نے اسے (حضرت سارہ علیہا السلام) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔“

حضرت سارہ علیہا السلام کو بشارت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اولاد کی خوشی عورتوں کو نسبت مردوں کے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی: ”لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ وَكَانَ لِأَبْرَاهِيمَ وَلَدٌ وَهُوَ إِسْمَاعِيلُ“ ”کہ حضرت سارہ کی اولاد نہیں تھی اس لئے زیادہ خوشی ان کو ہی حاصل ہونی تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا اسماعیل پہلے پیدا ہو چکا تھا۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے سے اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر اتنی بڑی ہوگی کہ یہ اپنے اسحاق کے بیٹے یعقوب کو بھی دیکھیں گے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر اس وقت نوے سال تھی تفسیر جلالین میں ننانوے سال مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

ایک سو بیس سال تھی۔ اسی لیے حضرت سارہ علیہا السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا:

”عجیب بات ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوگا جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بوڑھے ہیں۔ بے شک یہ تو بہت

ہی تعجب ناک ہے۔“ ①

اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور اسماعیل علیہ السلام بڑے:

اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا دیا اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش

کے چودہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی یعنی ان کی پیدائش کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔ ②

حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے:

وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۖ

(سورۃ مریم 6:16)

”اور ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب عطا

کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔“

”اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لئے سچی بلند

ناموری رکھی۔“

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا ۖ

(سورۃ مریم 6:16)

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اتنی لمبی ہوئی کہ آپ نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام

کو دیکھا اور اس آیت سے یہ بھی سمجھ آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرنے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو بیٹے پوتے اور مال و دولت سے نوازا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ

رَسُولًا نَبِيًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ

عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۖ

(سورۃ مریم 7:16)

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو وعدہ بھی کیا اسے ضرور پورا فرمایا ایک مرتبہ آپ اور آپ کا ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے

تو شہر کے قریب پہنچ کر آپ کے ساتھی نے کہا یہاں میں بیٹھتا ہوں اور تم شہر جا کر کھانا خرید لاؤ یا تم بیٹھو اور میں کھانا خرید کر لاتا

ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا اور تم ہی چلے جاؤ کھانا خرید لاؤ۔ وہ بھول گیا تین دنوں کے بعد اسے یاد

آیا، یا بعض روایات میں ہے کہ ایک سال کے بعد وہاں لوٹا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی موجود تھے۔ اس نے تعجب سے

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ مشکیزہ میں جو پانی تھا وہ ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں۔ حضرت ہاجرہ بھی بھوک پیاس سے پریشان حال تھا۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا بچہ کا یہ حال ماں سے برداشت نہ ہو سکا۔ آپ قریب ایک پہاڑی ”صفا“ پر چڑھتی ہیں کہ کہیں سے پانی کا اتہ پتہ چل جائے یا کوئی انسان نظر نہ آجائے۔ پھر اسی خیال سے ”مروہ“ پر آتی ہیں درمیان میں لشیبی جگہ جب پہنچتی ہیں جہاں سے بچہ نظر نہیں آتا وہاں دوڑتی ہیں۔ جب لشیبی جگہ کو عبور کر لیتی ہیں اور ایسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں سے بچہ نظر آنے لگتا ہے تو وہاں آہستہ ہو جاتی ہیں۔ ”مروہ“ پر پہنچ کر بھی پانی یا کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ آپ بے قراری کے عالم میں پھر صفا پر پھر مروہ پر سات چکر ایسے ہی لگا دیتی ہیں۔ آخری مرتبہ مروہ پر آپ نے ایک آواز سنی اپنے آپ کو کہنے لگیں: خاموش! خیال کیا پر پھر مروہ پر سات چکر ایسے ہی لگا دیتی ہیں۔ آخری مرتبہ مروہ پر آپ نے ایک آواز سنی اپنے آپ کو کہنے لگیں: خاموش! خیال کیا اس نے اپنی ایڑی یا پر مارا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کے ارد گرد بند باندھ کر ایک حوض کی شکل دے دی وہ پانی جوش مار رہا تھا آپ نے خود بھی پیا بچے کو بھی پلایا اور پانی کو کہا: ”زم زم“ رک جا رک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”يَرْحَمُ اللَّهُ لَهٗ إِسْمَاعِيلُ لَوْ تَرَكْتُ زَمْزَمَ أَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمَ عَمِنَا مَعِينَا“
 کا لفظ ترک کر دیتیں یا آپ نے فرمایا اگر آپ اس سے جلدی سے چلو نہ بھرتیں تو زم زم جاری چشمہ ہوتا۔“

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چشمہ سے پانی پیا تو آپ کا دودھ بھی جاری ہو گیا جو بچہ کو پلایا: فرشتے نے آپ کو کہا: ”لَا تَخَافِ الضُّيْعَةَ فَإِنَّ هَهُنَا بَيْتُ اللَّهِ يَبْنِيهِ هَذَا الْفَلَّامُ وَ“
 ہے اس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا باپ کریں گے بیشک اللہ تعالیٰ آپ کے مقربین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

کچھ دیر کے بعد وہاں سے جرہم قبیلہ کا گزر ہوا۔ جنہوں نے دیکھا کہ پرندے اڑ رہے ہیں انہوں نے خیال کیا کہ پرندے وہاں ہی ہوتے ہیں جہاں پانی ہو یقیناً یہاں کہیں پانی ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک شخص کو بھیجا جس نے دیکھا کہ ایک پانی کا چشمہ ہے اور اس کے قریب ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں پانی میں شریک کرو تو ہم تمہیں اپنے جانوروں کے دودھ میں شریک کریں گے حضرت ہاجرہ صلی اللہ علیہا وسلم نے ان سے شرط پر معاہدہ کر لیا۔ اسی جرہم قبیلہ نے ایک لڑکی کا

نکاح اسماعیل علیہ السلام سے کر دیا۔ ①

① روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 236-237

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے اثرات آج بھی واضح طور پر نظر آرہے ہیں کہ مکہ کی سرزمین پہاڑی اور ریتلی ہے لیکن پھل ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ وہاں موجود رہتے ہیں۔ لوگ ہر طرف سے اس مقام پر کھینچے چلے آتے ہیں۔ ہر مسلمان کی دل میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کر لے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو بچہ کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہو کر ”صفاد مردہ“ کے چکر لگا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی زوجہ اور اسماعیل کی والدہ کی ادائیگی پسند آئی کہ: نیامت حاجی اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے وہاں چکر لگاتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ”حج“ اللہ کے مقبول بندوں کی ادا کے بغیر کچھ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے طواف میں پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنا اس قسم کے کام ہی حج ہیں۔ میں نے اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ کے مقدمہ میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے بعد بیٹے کے لئے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١﴾ فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿٢﴾

”اللہ! مجھے نیک لائق اولاد دے، تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی“

(صافات 23:7)

ایک برو بار لڑکے کی۔“

آپ کی دعا میں تین مطالبے تھے۔ اے اللہ! اولادِ نرینہ یعنی مذکر عطا فرما اور وہ برو باری کی عمر تک پہنچے اور برو بار ہی رہے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی حلیم ہیں۔ آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا إِبرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١﴾ (توبہ 3:11)

”بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے متحمل (برو بار) ہیں۔“

آپ کو بیٹا بھی حلیم عطا کیا تاکہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف و فضیلت والا ہو اور جلیل القدر نبی ہو ”صلاح“ یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے بھی یہی دعا کی اور اپنی ذات کے لئے بھی دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَآلٍ حَقِيمٍ ﴿١﴾ بِالصَّالِحِينَ ﴿٢﴾

”اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور میرے رب مجھے ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں۔“

(شعراء 9:19)

”پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَىٰٓ اِتٰى اَرٰى فِى الْمَقَامِ اِتٰى اَذْبَحَكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَآبَتِ اَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْ

دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔“

(سافات 7:23)

قربانی کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر:

”قَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ ابْنُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً“ بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔“

امتحان کی وجہ: چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی۔ اب امتحان لے کر اسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بردبار بیٹا آپ کو رب تعالیٰ نے عطا کیا جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

تین دن ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا: ذی الحج کے سات دن گزر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ”بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے“ آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام ”یوم ترویہ“ رکھا گیا (سوچ بچار کا دن)۔ آٹھ تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی لئے نو ذی الحج کو ”یوم عرفہ“ (پہچانے کا دن) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لینے پر ہی دس ذی الحج کو ”یوم نحر“ (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔

صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقًّا“ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے خوابوں کو حق بنایا“ یعنی ان کے خوابات سچے ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے۔

انبیائے کرام کے خواب تین قسم:

①: جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہ واقع ہو جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا۔ آپ بمع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب نے سرمنڈوائے اور بعض نے ہال کٹوائے۔ آپ کا یہ خواب ایک

سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِينَ مُعَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (نوح: 26)

”بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک
تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن وامان سے
اپنے سروں کے بال منڈواتے یا ترشواتے بے خوف“

❖ خواب میں صرف امتحان ہو اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے
دیکھا۔ یہ صرف امتحان تھا آپ نے اپنے امتحان پر عمل کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔
❖ خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دکھایا گیا ہو اسی کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی
تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَايَهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿١٢﴾
”یاد کرو! جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے
باپ! میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں
اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔“ (یوسف: 12)

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں
کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کر کے دکھایا:
وَحَرُّوْا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءُوسِي مِنْ قَبْلُ
”اس کے لئے سجدہ میں گرے اور یوسف نے کہا: اے میرے
باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے
میرے رب نے سچا کیا۔“ (یوسف: 13)

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں خواب سچا ہوا
کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیسی کیا جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر
شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ❶

بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم
کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو گئی جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا علم
تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 26 ص 157

(بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے، اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو ”ان شاء اللہ“ سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ ”ان شاء اللہ“ ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچنا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لئے آیا لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تاکہ آپ اس سے آگے نہ جاسکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ کو کہا: اسے ماریں آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا۔ دوبارہ پھر آگے آنے کی یہ کوشش کی آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا تیسری بار پھر اسی طرح آگے آ کر راستہ بند کر دیا تو آپ نے پھر اسی طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔ ❷

آج حاجیوں پر اس سنت ابراہیمی پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا۔ سبحان اللہ! اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں کہ ان کو عظیم عبادت کا حصہ بنا دیا گیا۔

اسماعیل علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کو مشورہ دینا:

اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تاکہ میں تڑپوں نہیں اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھنا کہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہو جائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تاکہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہو جائے۔ جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا سلام ان کو دینا۔ ان باتوں کے بعد باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا محبت کے آنسو چھلک پڑے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

”تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے

فَلَمَّا اسْلَمَا وَتَلَّهٖ لِلْبَحْمِیْنِ ﴿٧﴾ (صافات 23:7)

بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔“

ماتھے کے بل لٹانے میں بھی اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ ہی تھا کہ کہیں آپ محبت پدری کہ وجہ سے چھری چلانے میں معمولی سی کوتاہی نہ کر دیں۔

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٣﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَبُكَ
تَجْزَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٤﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿٦٥﴾ وَقَدَيْنَاهُ
بِهِمْ عَظِيمٌ ﴿٦٦﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمْ فِي الْأَخْرَبِ ﴿٦٧﴾
(سورة صافات 23:7)

”اور ہم نے اسے نداء فرمائی اے ابراہیم! بے شک تو نے
خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک
یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچالیا
اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔“

چھری چلانے سے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا کہ آپ نے چھری چلا دی تھی تو
جبرائیل امین نے آکر اس کا رخ بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مونا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ حضرت
اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر و ثواب عطا کیا اور تاقیامت آپ کو ذبیحہ اللہ
(اللہ کی رضا کیلئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔ ❶

جبرائیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا: ”اللَّهُ
اَكْبَرُ اللَّهُ اَكْبَرُ“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سرائٹھایا تو دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فدیہ لا رہے ہیں تو
پڑھا: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ اَكْبَرُ“ جب حضرت اسماعیل ذبح اللہ علیہ السلام نے سنا تو آپ نے پڑھا: ”اللَّهُ اَكْبَرُ وَلِلَّهِ
الْحَمْدُ“ ان تینوں حضرات کے مجموعہ کلام کو ”تکبیرات تشریق“ کی صورت میں تاقیامت نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ کو نماز
فجر سے لے کر تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کر دیا گیا تاکہ یہ یادگار قائم رہے۔ ❷

خیال رہے کہ مدارک میں دوسرا کلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تیسرا کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟

اگرچہ اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تاہم قوی
دلائل سے یہ ہی واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی گئی۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس پر مختلف دلائل ذکر کئے ہیں:
❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {أَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ} ”میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔“ اسی طرح ایک اعرابی نے آپ کو {يَا

ابْنُ الذَّيْبِ حَيْسَنَ { کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا: جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ دو ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ عبدالمطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ کام آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا۔ قرعہ حضرت عبد اللہ کے حق میں نکلا۔ آپ کے ننھیال اور کچھ اہل علم نے ایک سوانٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا اس طرح حضور ﷺ کے باپ کو ذبح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں۔ تو یقیناً دوسرے ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۱۴: حضرت اسمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبح کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے اسمعی! تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسحاق علیہ السلام مکہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو شام میں تھے۔ مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ وہی اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا تو یقیناً ذبح ہونے کا واقعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی درپیش آیا۔

۱۵: اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا اسحاق علیہ السلام کو نہیں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
 اِسْمَاعِيلَ وَ اِدْرِيسَ وَ كَا الْكِفْلِ كُلِّ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵﴾ ”اسماعیل ادریس اور ذوالکفل (ﷺ) کو یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔“ (سورۃ الانبیاء 6:17)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرمایا: { اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ } بے شک آپ وعدہ کے سچے تھے۔ ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا:

سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ (صافات 7:23) ”عنقریب مجھے ان شاء اللہ صابرین سے پائیں گے۔“
جب یہ واضح ہو گیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا اور وعدہ سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا اور وعدہ کا سچا کہا ہے تو یقیناً ذبح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۱۷: اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کو بشارت رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی:
 فَبَشِّرْهَا بِاِسْحٰقَ لَّوْمٍ وَّ دَاوٓدَ اِسْحٰقَ يُّعْقُوْبَ ﴿۱۸﴾ ”ہم نے اسے (سارہ کو) بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔“ (ہود 7:12)

اگر یہ کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ سارہ کا بیٹا اسحاق اور اسحاق کا بیٹا یعقوب ہوگا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم

ہے کہ اسحاق کا بیٹا یعقوب تو ابھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا تو امتحان کیسے؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے؟ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ} ”جب وہ آپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کی قابل ہو گیا۔“

ذبح کے وقت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر تیرہ سال یا بعض روایات میں سات سال بھی ہے تو اس عمر میں یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: {إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيِّدِينَ} ”میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں جو مجھے ہدایت دے گا۔“ یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہے اس سر زمین میں جانے والا ہوں ہجرت کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں: {رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ} الہی! مجھے لائق اولاد دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کی قبولیت کو ذکر کیا: {فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ} ”تو ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔“ پھر اسی بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰ بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ فَكَانَ يَتْلُو آيَاتِ اللَّهِ مَا تَوَكَّلُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۷۳﴾ (صافات 23:7)

”پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا“ کہا: اے اذبحک فانظر ماذا تری فقال یا ایت آیت فعل ما توکل ستجدنی

اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔“

اب اس سارے واقعہ کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ کو دی ہی اسلئے گئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کی بشارت دی جا چکی ہے اور بیٹا بھی عطا کر دیا گیا تھا۔ اگر ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور ایک سال بعد آپ پیدا ہوئے اور اگر اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

⑥ ابن کثیر میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدہ دیا گیا اس کے سینک کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں درپیش آتا نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ ①

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا فعل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تاقیامت اصحاب نصاب اہل ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

خانہ کعبہ کی تاریخ

آدم علیہ السلام کی تعمیر:

ابن عساکر وغیرہ سے تفسیر عزیزی میں نقل کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہ الہی میں عرض کیا:

”خدا یا میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح و تکبیر سنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت گاہ دیکھتا ہوں جیسے کہ آسمان میں بیٹھ المعمور دیکھتا تھا جس کے ارد گرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”جاؤ ہم جہاں نشان بتاتے ہیں وہاں کعبہ بنا کر اس کے ارد گرد طواف بھی کر لو اور اس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔“

حضرت جبرائیل علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی رہبری کے لئے ان کے ساتھ چلے اور انہیں لائے جہاں سے زمین بنی تھی یعنی کعبہ کی جگہ سے ہی سب سے پہلے پانی پر جھاگ، پھر جھاگ سے زمین کی ابتدا ہوئی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے وہاں اپنا پر مار کر ساتویں زمین تک بنیاد ڈال دی۔ جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا (کوہ لبنان، کوہ طور، جوہی، حرا اور طور زیتا سے) بنیاد بھر کر نشان کے لئے ہر چار طرف کی دیوار اٹھا دی۔ اس طرف منہ کر کے آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور اس کا طواف بھی کرتے رہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بیت المعمور کو اس بنیاد پر رکھ دیا گیا طوفان نوح میں بیت المعمور کو اٹھا لیا گیا اور کعبہ کی جگہ اونچے نیچے کی طرح رہ گئی لوگ یہاں آتے رہے اور برکت کی دعا مانگتے رہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا:

ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑا اور یہاں آبادی ہو گئی تو ابراہیم

علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ تعمیر کرو! ایک بادل کا ٹکڑا بھیج کر کعبہ کی حد کو واضح کیا گیا اور جبرائیل علیہ السلام نے خط بھیج دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے زمانے کی بنیادوں پر ہی عمارت تعمیر فرمائی۔

کعبہ شریف کی بلندی نو ہاتھ رکنِ اسود سے رکنِ شامی تک ۳۳ ہاتھ رکنِ غربی سے رکنِ یمنی تک ۳۱ ہاتھ رکنِ یمنی سے رکنِ اسود تک ۲۰ ہاتھ رکنِ شامی سے رکنِ غربی تک ۲۲ ہاتھ۔ یعنی کعبہ اس وقت مستطیل تھا لیکن طول اور عرض کی ایک ایک دیوار معمولی چھوٹی تھی دروازے دو بنائے گئے تھے جو زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے کواڑ زنجیر وغیرہ نہیں تھے۔ بعد میں تبعِ حمیری کے زمانہ میں کواڑ زنجیر وغیرہ لگائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پتھر گارا وغیرہ دیتے تھے۔ سبحان اللہ! کس شان سے اللہ کا گھر تعمیر ہوا؟ اللہ کا نبی ہی معمار اور اللہ کا نبی ہی معاون۔ ❶

ابراہیم علیہ السلام کہ تعمیر کے بعد:

آپ کی تعمیر کے بعد جزوی طور پر مختلف اوقات میں تعمیر ہوئی ایک مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے اسے تعمیر کیا۔ اس کے بعد قصی بن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرے کی لکڑی ڈالی۔ قریش کی تعمیر:

ایک عورت کعبہ شریف میں خوشبو سلگاتی تھی۔ ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی اور دیواریں پہلے ہی بوسیدہ ہو چکی تھیں اسلئے قریش نے فیصلہ کیا کہ مکمل طور پر نئی تعمیر کی جائے۔ ولید بن مغیرہ کو عمارت کا امیر مقرر کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ اس میں حلال مال خرچ ہوگا۔ اس وقت کے امیر لوگوں کے پاس زیادہ سود سے حاصل کردہ مال ہوتا تھا اس لئے حلال مال کم مقدار میں جمع ہوا تو قریش نے مال کی کمی اور کچھ اپنے مقاصد کے پیش نظر چند فرقہ کر دیئے:

❶: کعبہ کی کچھ زمین باہر نکال دی یعنی عمارت کو چھوٹا کر دیا، کعبہ سے باہر نکالی ہوئی زمین کو ”حطیم“ کہا جاتا ہے اسی میں میزابِ رحمت (پرناہ) گرتا ہے، چھوٹی چھوٹی دیوار سے آج بھی اسے علیحدہ نمایاں کیا ہوا ہے۔ طواف اس کے باہر سے ہی ہوتا ہے۔

❷: قریش نے دو دروازوں کے بجائے ایک کر دیا وہ بھی بلند تاکہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔ اب بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے بادشاہوں کیلئے دروازہ کھلتا خواہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں صلحاء، اتقیا کے لئے کبھی دروازہ کھلنے کی خبر نہیں سنی گئی۔

- ❖ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں بنائی گئیں اور ہر صف میں تین ستون بنائے گئے۔
 ❖ کعبہ شریف کی بلندی پہلے سے دو گنا کر دی گئی پہلے بلندی نو ہاتھ تھی انہوں نے اٹھارہ ہاتھ کر دی۔
 ❖ خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا گیا جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔ ❶

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے متصل (یعنی حطیم) بنیاد ابراہیمی کے پتھر مجھے دکھائے اور فرمایا کہ قریش نے اس میں کمی کر دی تھی۔ لوگ اگر نئے نئے مسلمان نہ ہوتے اور ان کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ دوبارہ تعمیر کر دیتا۔

اسی روایت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کیا، حطیم کو کعبہ میں داخل کیا، دروازے دو بنائے جو زمین کے متصل تھے، خوشبودار مٹی چونہ میں ملا کر گارا لگایا گیا دروازوں پر اندر باہر غنبر لگا کر خوشبودار کیا گیا۔ نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے والے کا نام اسعد ہے، شاہ یمن تھا اور تبع کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ کی شہری بنیاد رکھنے والا یہ شخص ہے۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے چڑھایا۔ ❷ ہو سکتا ہے کچھ اور بھی اقوال ہوں واللہ اعلم

عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر ۲۷ رجب ۶۳ھ کو مکمل ہوئی، پھر حجاج بن یوسف (جو عبدالملک بن مروان کا نائب تھا) نے ۷۴ھ میں عمارت کو منہدم کر کے پھر اسی طرح بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا۔ پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ کعبہ اس بنادیا جائے جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا، یعنی دراصل وہی ابراہیمی تعمیر بھی تھی لیکن اس وقت کے اہل علم نے اس لئے منع کیا کہ کوئی تمہارا مخالف آئے گا وہ پھر تبدیل کرے گا، اس طرح گرا نا اور بنانا ایک کھیل بن جائے گا۔ اس کے بعد مرمت تو ہوتی رہی لیکن مکمل طور پر پوری عمارت کو دوبارہ نہیں بنایا گیا۔

کعبہ کی موجودہ تعمیر:

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت پرانی ہو گئی ہے تو اس نے

سوائے رکن حجر اسود (وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) کے تمام عمارت منہدم کر کے نئی تعمیر کرائی لیکن انہی بنیادوں اور اسی طرز پر جو حجاج بن یوسف نے بنائی تھی۔ اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی گئی اور باہر کی دیواریں سنگ خارہ سے چونہ میں چٹیں، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ طیبہ {لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ} لکھا ہوا تھا اور سنہری حاشیہ پر سلطان کا نام تھا۔ ❶

موجودہ کعبہ شریف سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے یعنی مکمل عمارت کو منہدم کر کے اس کے بعد نئے سرے سے تعمیر نہیں کیا گیا۔ غلاف کعبہ ہر سال مصر سے بڑی دھوم دھام سے آتا رہا۔ ایک مرتبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی بن کر گیا، پہلے یہ طریقہ تھا کہ پرانا غلاف کعبہ خدام کو دے دیا جاتا۔ لوگ تبرک کے طور پر اسے خرید لیتے تھے لیکن اب غلاف کعبہ سعودیہ میں ہی بنتا ہے اس پر شاہ سعود کا نام ہوتا ہے۔

مقام ابراہیم و حجر اسود:

یہ دونوں جنتی یا قوت ہیں بہت نورانی تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نور محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ یہ پتھر آپ کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہو جاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ کے قدموں کو تکلیف نہ ہو اسی لیے آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے۔ اسی کو جبل ابی قیس پر رکھ کر اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی: اے اللہ کے بندو! حج کے لیے آؤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ ۖ (حج 17: 11)
ہوں گے پیادہ اور ہر دہلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔“

آپ کے اس اعلان کے بعد ان تمام لوگوں نے لبیک کہا جنہوں نے بھی حج کرنا تھا جس نے جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی مرتبہ ہی لبیک کہہ دیا، ماؤں کے رحموں میں اور آباء کی پشتوں میں سے تاقیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔ ❷

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقام ابراہیم کی عظمت کو بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ ادا کر لیا کریں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی لیکن اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہو گیا۔ ارشاد ہوا:

❶ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 630-631
❷ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 1 ص 630-631

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ﴿١٥١﴾ (بقرہ: 151) ”اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کے جگہ بنا لو۔“

مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی۔ ابراہیم علیہ السلام کے قد میں مطہرین کے نشانات اس پر ثبت ہیں۔ طواف کعبہ کے بعد طواف کی دو رکعتیں اسی مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں اس میں بھی اتباع ملت ابراہیمی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد میں مطہرین کے نشانات کو وہ عظمت عطاء فرمائی کہ قیامت تک طواف کرنے والوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم کے پیچھے (دو رکعت) نماز پڑھو۔ طواف کعبہ کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت مسجد حرام میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا جائے۔ ❶

مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ کھڑے ہوئے:

❶: ابراہیم علیہ السلام جب کئی سال گزرنے کے بعد اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضرت سارہ علیہا السلام سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آ جاؤں گا سواری سے نہیں اتروں گا۔ آپ علیہ السلام جب مکہ میں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تو شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ بہو سے ملاقات ہوئی اس سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: اچھا گزارا نہیں، تنگدستی ہے، صرف شکار پر گزر اوقات ہو رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا: ”اپنے خاوند کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے گھر کہ چوکت اچھی نہیں اسے بدل لو“

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو خود ہی پوچھا کہ آج کوئی بزرگ تو نہیں آئے تھے؟ تو آپ کی زوجہ نے کہا: کہ آئے تھے اور سلام کہہ کر گئے ہیں اور ایک پیغام دے کر گئے ہیں۔ جب پیغام کی اس نے تفصیل بیان کی تو آپ نے اپنی زوجہ کو فارغ کر دیا کہ وہ تمہیں فارغ کر دینے کا حکم دے گئے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی ناشکری کی تھی۔ نبی کی زوجہ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے بلکہ صابر رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ پھر اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کیلئے آئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے آپ علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی تھی) اس گھر کے حالات پوچھے اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھا وقت گزر رہا ہے، زحرم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے، میرے خاوند شکار کر کے لے آتے ہیں، بہت اچھا وقت پاس ہو رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس جانے لگے تو آپ کی بہو نے اسرار کیا کہ آپ ہمارے گھر رکیں لیکن آپ نے

کہا: ”مجھے سواری سے اتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں“ تو آپ علیہ السلام کی بہو نے کہا کہ آپ اپنے پاؤں اس پتھر پر رکھیں تاکہ میں ان کو دھو دوں۔ آپ علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ ”مقام ابراہیم“ ہی تھا۔ آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے سلام کہا اور پیغام دیا کہ: ”گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے مضبوط رکھنا“

②: تعمیر کعبہ کے وقت آپ اس پر کھڑے ہوئے تھے وہ نرم ہو جاتا تھا تاکہ آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو تختی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس میں پڑ گئے۔ آپ جب بلند ہونا چاہتے تھے تو وہ پتھر خود بخود اوپر اٹھ جاتا جب نیچے آنا چاہتے تو نیچے ہو جاتا تھا۔ عام مستریوں کی طرح آپ علیہ السلام کو لکڑی کے تختے باندھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔

③: کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابوقبیس سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ ①



حضرت لوط علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاٰمَنَ لَهُ لُوطٌ (عنکبوت 20:15) ”تو ایمان لائے ان پر لوط“

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی آپ علیہ السلام نے تصدیق فرمائی اور آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق فرمائی“ تمام انبیائے کرام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لئے یہاں یہ معنی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت لوط علیہ السلام (معاذ اللہ) کفر سے ایمان لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی تو آپ توحید پر ایمان لائے۔

یہ معانی نبی کی شان کے منافی ہیں:

”لوط علیہ السلام ابراہیم پر ایمان لائے“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو ہر دعویٰ میں سچا تسلیم کیا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ ”کشاف“ میں یہ ہے کہ آپ کی بہن کے بیٹے ہیں لیکن ”کمالین“ میں اس قول کو رد کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام بھی ہے جو حضرت سارہ علیہم السلام کا باپ تھا۔ پہلے زمانہ میں گھر کے کئی افراد کا ایک ہی نام ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات باپ بیٹے کا ایک نام اور کبھی بہن بھائی کا ایک نام بھی ہوتا تھا۔
 بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کچھ تکلیف نہ دی تو یہ معجزہ دیکھ کر حضرت تنبیہ: لوط علیہ السلام ایمان لے آئے۔ اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ معاذ اللہ کفر کے بعد ایمان لائے، لیکن اس کو علامہ

آلوسی رحمہ اللہ نے رد کرتے ہوئے فرمایا:

”وَمَا قِيلَ إِنَّهُ آمَنَ عَلَيْهِ حِينَ رَأَى النَّارَ لَمْ تُعْرِقْهُ ضَعِيفٌ رَوَايَةٌ وَكَذَا بَدَايَةُ لِأَنَّهُ بظَاهِرِهِ يَفْتَضِي عَنْهُ إِيمَانُهُ قَبْلُ“
 ”بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو آپ ایمان لائے یہ

عقل و قتل کے مخالف ہے کیونکہ اس سے بظاہر پتہ یہ چلتا ہے کہ آپ کا پہلے ایمان نہیں تھا یہ نبی کی شان کے لائق نہیں۔“

لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد:

یا تو ایمان کا وہی معنی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ: ”آپ علیہ السلام مراتب کی اس بلندی پر فائز ہوئے جہاں عام انسان اس مقام کو نہیں پاسکتا۔“

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے مصر میں۔ اب ان دونوں کے ساتھ حضرت سارہؑ بھی تھیں، مصر سے فلسطین میں آ گئے۔ اب ان تینوں کے ساتھ ہاجرہؑ بھی تھیں۔ پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر سے تقریباً اٹھارہ میل دور تک ایک شہر میں تبلیغ دین کے لئے آ گئے۔ اس شہر کا نام ”سدوم“ تھا۔ قرآن پاک میں اسی کو ”الْمُؤْتَفِكَةُ“ سے تعبیر کیا گیا۔ ❷

لوط علیہ السلام نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی:

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو صرف برائیوں سے باز رہنے کی تبلیغ کی، لیکن ان کو عبادت کرنے کا حکم اس طرح نہیں دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی تبلیغ فرمادی تھی اور یہ بہت مشہور ہو چکی تھی۔ لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے اور علاقہ بھی قریب قریب تھا اور آپ کی قوم یعنی خاندان میں سے تھے تو آپ نے دوبارہ مشہور امور کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنی قوم کو صرف ان کی خصوصی برائیوں سے ہی روکا تا کہ یہ قوم دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے لیکن قوم باز نہ آئی آخر کار ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ ❸

آپ علیہ السلام نے قوم کو کہا:

”اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم کو کہا: تم بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا، کیا تم مردوں سے بد فعلی کرتے ہو؟ اور راہ مارتے ہو اور

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ❶ أَوَلَيْكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقَاطَعُونَ السِّمْلَ لَا تَأْتُونَ فِي نَارِكُمْ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ

إِلَّا أَنْ قَالُوا اتَّبِعْنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿١٥٦﴾
(سُورَةُ عَنكَبُوت 20:15)

اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو؟ اس کی قوم کا کچھ جواب نہ
ہوا مگر یہ کہ بولے: ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔

آپ علیہ السلام قوم کو عذاب سے بچانے کی فکر میں ہیں، لیکن قوم کبھی کہتی ہے تم عذاب لے آؤ اور کبھی کہتی:
”بولے اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیئے جاؤ“
(سُورَةُ الشُّعَرَاءِ 19:13)

یعنی ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے اور ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں:

- ① سب سے بڑی برائی ان میں ”لواطت“ تھی۔ (مردوں سے برائی کرنے کی عادت ان میں کثرت سے پائی جاتی تھی)
(اور مسافروں اور گزرنے والوں کے راستہ میں بیٹھ جانا ان کا راستہ روکنا اور زبردستی ان سے برائی کا مرتکب ہونا راستہ میں بیٹھ
کر ڈاکہ زنی، لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا، ان کی بری عادات میں شامل تھا۔ قوم لوط کی یہ برائیاں ابھی تک لوگوں میں
موجود ہیں جو شریعت مطہرہ سے بغاوت ہے۔
- ② مردوں کی محفلوں میں صرف اسی لئے آنا کہ ان کو ناڑنا یعنی بعض کا بعض کو دیکھنا اور برائی کے لئے انتخاب کرنا۔ کبوتر
بازی یعنی پورا پورا دن ان کو ناڑانے اور شرط بازی لگانے میں گزار دینا، آج بھی لوگ اس برائی کے مرتکب ہو رہے
ہیں۔
- ③ عورتوں کی طرح انگلیوں کے پورے مہندی سے رنگنا۔ خیال رہے مرد کو بطور دوا مہندی لگانا جائز ہے لیکن زیب و زینت
کے لئے منع ہے، لیکن آج کے دور میں لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور چال ڈھب پسند ہے جو حرام ہے۔
- ④ ہاتھوں سے کنکریاں ادھر ادھر پھینکنا، گزرنے والوں کو تنگ کرنا۔ اسی طرح بندوقوں سے کنکریاں پھینک کر لوگوں کو
ستانا، یہ فعل آج کے دور میں اوباش لوگوں میں قوم لوط سے زیادہ پایا جاتا ہے۔
- ⑤ ایک دوسرے کو تھپڑ مارنا ادھر سے ایک آیا اس نے دوسرے کو تھپڑ مار دیا اور ادھر سے دوسرا آیا اس نے تھپڑ مار دیا، یہ بیہودہ
فعل ان کا مزاح ہوا کرتا جو درحقیقت ان کے اوباش ہونے کی علامت تھی۔
- ⑥ محفل میں لوگوں کے سامنے بلند آواز سے ہوا خارج کرنا وہ اپنی شان سمجھتے تھے حالانکہ شرفاء کے لئے یہ فعل باعثِ شرم

ہوتا ہے۔ بے اختیار ہوا کا بلند آواز سے خارج ہونا یا گیس وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نہ روک سکتا یا روکنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہونا سب عذر ہیں۔ عذر کی صورتوں میں کئی افعال معاف ہوتے ہیں ان کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

⑤: انگلیوں کے پٹاخے نکالنا بلا وجہ اور بغیر عذر کے انگلیوں کے پٹاخے نکالنا مکروہ ہے اسی وجہ سے کہ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا فعل تھا اور اس وقت بھی اس فعل کو بیہودہ سمجھا جاتا تھا۔

⑥: مزاح کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا یعنی چادر شلوار وغیرہ اتار دینا۔ ننگا ہونا بے حیا بننا بھی قوم لوط کا فعل ہے جس کو آج نام نہاد مسلمانوں نے ”ثقافت“ کا نام دیا ہوا ہے۔

⑦: مزاح مزاح میں فحش کلامی اور ایک دوسرے کو گالی دینا۔ ❶

یہ برائی بھی آج کے اوباش لڑکوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو ماڈرن اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شریف آدمی انہیں روکے تو اسے ملائیت فسطائیت قدامت پسندی کے القاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں: دنیا تو (بے حیائی میں) بہت آگے جا چکی ہے لیکن یہ ابھی چودہ سو سال پیچھے ہیں۔ سائنسی علوم پڑھ کر ترقی تو ضرور کریں ملک و ملت کو عروج بخشیں لیکن بے حیا بن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔ الغرض ہر قسم کی بے حیائی اس قوم میں موجود تھی حیا کے خلاف ہر فعل ان کے نزدیک پسندیدہ سمجھا جاتا۔

عام لوگوں کے سامنے عام محافل میں مصطلکی کا چبانا مسواک کا چبانا بھی قوم لوط کا برا فعل تھا۔ یہ ایسا فعل ہے جس سے دوسرے دیکھنے والے کا دل خراب ہوتا ہے دل میں متلاپن پیدا ہوتا ہے جو بعض اوقات زیادہ حساس طبیعت فحش کے قے آنے کا سبب بن جاتا ہے۔

آج کے دور میں چونگم (بلغم) چبانا منہ سے بار بار نکالنا پھر منہ کے اندر لے جانا اور کبھی غبارہ بنانا قوم لوط کے فعل کا ہی عکس ہے اور درحقیقت یہ بے وقوفی کی علامت ہے۔ عام طور پر ”بے وقوف“ کو اونٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ وہ پیشاب اپنی رانوں پر کرتا ہے جو پیشاب سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے اسے ”بے وقوف“ سمجھا جاتا ہے۔ بے وقوف کو ”اونٹ“ کہہ دیتے ہیں اور کئی مست اونٹ اپنے منہ اسی طرح غبارے بناتے ہیں پھر منہ میں داخل کر لیتے ہیں منہ میں جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ اسے پنجابی میں کہتے ہیں ”بو کے نکالنے والا اونٹ“ کبھی اونٹ کا نظارہ بھی کریں اور ترقی یافتہ چونگم کھانے والوں کو بھی دیکھیں تو آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے ان کو اونٹ کہنا اور بے وقوف سمجھنا عقل کی علامت ہے۔

کچھ لوگ ہر وقت منہ میں مسواک لئے پھرتے ہیں عام محافل میں بس میں دیکھن میں حالانکہ اس طرح مسواک منہ میں لینا پھر نکالنا پھر منہ میں ڈالنا کلی نہ کرنا یہ طریقہ دوسروں کا دل خراب کرنے کے مترادف ہے۔

مسواک کون سے مواقع میں مستحب ہے:

مسواک کے متعلق نبی کریم ﷺ کے کیا ارشادات ہیں؟ ان کو سمجھنے سے واضح ہو جائے گا کہ ہر وقت مسواک چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا کبھی باہر نکالنا معیوب ہے۔ جس فعل سے دوسرے لوگوں کی طبیعت متنفر ہو وہ کام انبیائے کرام نے نہیں کئے۔

مسواک کے متعلق ارشادات مصطفوی علیہ السلام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَوْ لَا أَنَّ أَشَقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوءٍ“
دیتا، یعنی ہر وضو کے ساتھ ساتھ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَوْ لَا أَنَّ أَشَقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ وَالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ“
”اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو عشاء کی تاخیر اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔“

یعنی عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔ خیال رہے کہ یہ دونوں حکم استحباً ہی اب بھی موجود ہیں صرف وجوب کی نفی ہے تاکہ امت پر مشکل درپیش نہ آئے۔

حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتداء کرتے؟ قَالَتْ بِالسَّوَاكِ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسواک سے۔
یعنی مسجد سے واپس گھر آ کر سفر سے واپس آ کر مسواک فرماتے تھے آپ نظافت کا خصوصی خیال فرماتے تھے اور دانتوں کی صفائی میں مبالغہ فرماتے۔

مسواک کے مستحب اوقات:

”وَيَسْتَحَبُّ فِي خَمْسَةِ مَوَاضِعَ أَصْفَرُ أُرْسِينٍ وَتَغْمُرُ الرَّابِعَةَ“
”پانچ مقاموں میں مسواک کرنا مستحب ہے۔ دانت زرد رنگ

وَالْعِيَامُ مِنَ النَّوْمِ وَالْعِيَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَعِنْدَ الْوُضُوءِ ❶ کے ہو جائیں منہ میں بو آنے لگے سونے کے بعد نماز کیلئے جب تیار ہو ووضوء جب بھی کرے خواہ نماز کے لئے یا قرآن کو چھونے کے لئے۔“

اس بحث سے مسواک کے مواضع واضح ہو گئے۔ لیکن بس میں چلتے پھرتے ہر محفل میں مسواک کو چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا، کبھی نکالنا کبھی تھوکرنا پھر مسواک کو منہ میں لینا، کلی نہ کرنا۔ یہ طریقہ راقم کو کہیں سے نہیں ملا کہ ایسا کرنا مستحب ہے یا دوسروں کو متفر کرنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لوط علیہ السلام کی زوجہ: حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا نام ”ولبلہ“ تھا۔ یہ کافرہ تھی۔ اس کے دل میں نفاق تھا وعدہ کا پاس نہیں کرتی تھی۔ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے متعلق قوم کو مطلع کرتی۔ اس طرح لوط علیہ السلام کی خیانت کی سرکب ہوتی۔ قوم کی برائی پر خوش ہوتی تھی اسلئے قوم کے ساتھ عذاب میں یہ بھی گرفتار ہوئی۔

عذاب والے فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے حضرت سارہ کو اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے وہی لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے کے لئے بھی آئے۔ وہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ پندرہ دنوں سے کوئی مہمان نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ نے جلدی سے ان کے پاس بھونا ہوا پچھڑا پیش کیا۔ آپ نے جب دیکھا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچ رہے تو سمجھ گئے کہ یہ تو فرشتے ہیں۔

اعتراض: رب تعالیٰ نے فرمایا: {وَأَوْخَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً} اور دل میں ان سے ڈرنے لگے۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کو فرشتوں کا پتہ ہی نہ چل سکا اور ان کو اجنبی سمجھ کر ڈر گئے کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آ گئے ہیں؟

جواب:

”تاویلات نجمیہ“ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بتقاضائے بشریت کوئی خوف نہیں ہوا کہ آپ کو اپنی جان کا خوف ہوتا تو آپ کو جب منجیق کے ذریعے آگ میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آپ کو اپنی جان کا کوئی خوف نہیں ہوا بلکہ آپ نے کہا: ”میں اپنے آپ کو رب العالمین کے سپرد کر رہا“

قَالَ فِي التَّأْوِيلَاتِ النَّجْمِيَّةِ مَا كَانَ خَوْفُ إِبْرَاهِيمَ خَوْفَ الْبَشَرِيَّةِ بَأَنْ خَافَ عَلَى نَفْسِهِ فَإِنَّهُ جَمَعَ رُؤْيَى بِالْمَنْجَنِيقِ إِلَى النَّارِ مَا خَافَ عَلَى نَفْسِهِ وَقَالَ أَسَلَّمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَإِنَّمَا كَانَ خَوْفُهُ خَوْفَ الرَّحْمَةِ وَالشَّفْعَةِ عَلَى قَوْمِهِ يَدُلُّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ لَا تَخَفْ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطَ ❷

ہوں“ آپ کو صرف خوف اپنی امت کا تھا۔ امت پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے آپ خوف کر رہے تھے کہ کہیں میری امت کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ فرشتوں کا جواب اس مضمون کو واضح کر رہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ”آپ خوف نہ کریں بے شک ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“

ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ:

فَلَمَّا نَفَخَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرُّوْعَ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧﴾ (ہود: 12)

”پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا“

یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہو گیا کہ میری قوم کو عذاب تو نہیں ہو رہا، تو آپ کو لوط علیہ السلام اور ان کی اہل کی فکر دامن گیر ہوئی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے کہ آپ کو اپنی قوم کی فکر تھی۔ آپ فرشتوں کو پہچان رہے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:

”وَالَّذِیْ اٰمَنَ اِلَیْهِ اِنَّهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَرَفَهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ“ ”میرا رحمان اسی طرف ہے کہ آپ نے فرشتوں کو پہلے ہی پہچان لیا“

وَاَنَّ خَوْفَهُ مِنْهُمْ لِكُوبِ مَلَائِكَةٍ لَّمْ یَنْدِلَا فِیْ شَیْءٍ نَّزَّلُوْا ﴿٨﴾

تھا، خوف صرف اس لے ہو رہا تھا کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیوں نازل ہوئے ہیں؟ کہیں قوم کو عذاب دینے کے لئے تو نہیں آگئے۔“

ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے سوال و جواب کرنا اگرچہ حقیقتاً کوئی ”مجادلہ“ نہیں، البتہ صورتاً مجادلہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے جس میں تین سو مؤمن ہوں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے جس میں دو سو ایمان والے رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں اسے تو ہلاک نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے کہا: تم اس آبادی کو برباد کر دو گے جہاں چالیس ایماندار لوگ موجود ہوں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں اسے تو کبھی برباد نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: تم اس شہر کو برباد کر دو گے جہاں دس مؤمن رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ایک مؤمن وہاں رہتا ہو تو اسے تم برباد کر دو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: { اِنَّ فِیْهَا لُوطًا } اس میں تو لوط موجود ہیں۔ فرشتوں نے کہا: { نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا } ہمیں معلوم ہے وہاں کون لوگ ہیں؟ لوط علیہ السلام اور ان کی اہل کو ہم نجات دیں گے سوائے ان کی عورت کے۔ وہ قوم کے ساتھ ہی عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ ﴿۹﴾

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۖ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ يَلْعَنُ هَؤُلَاءِ بِمَا كَانُوا هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَرْفٍ ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۖ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَالَنَا فِي بَيْتِكَ مِنْ حَقٍّ ۖ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۖ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أُوَدِّعُ إِلَىٰ رُكْنٍ ضَيْعٍ ۖ

”جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے، اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا اور بولا: یہ بڑی سختی کا دن ہے اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور انہیں پہلے ہی برے کاموں کی عادت پڑی تھی کہا: اے قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں۔ یہ تمہارے لئے سقری ہیں تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں سے ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں؟ بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے بولے: اے کاش! مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔“

(ہود: 7:12)

یعنی قوم کو جب پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت نوجوان بطور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے برے ارادے اور شدید جذبات لئے بھاگتے ہوئے آگئے۔ ان کو خبر دینے والی بھی لوط علیہ السلام کی زوجہ ”دلہہ“ ہی تھی۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ قوم اس بد فعلی یعنی لواطت کا ارتکاب کوئی چھپ کر نہ کرتی بلکہ وہ لوگ ظاہر طور پر اس برائی کے مرتکب ہوتے اس لئے لوط علیہ السلام نے کہا: کیا تم میں سے کوئی ایک بھی نیک چلن نہیں؟ آپ نے ان کو بڑے پیارے انداز پر نصیحت فرمائی۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں جو تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے حقوق پامال کر رہے ہو حقوق زوجیت ادا نہیں کر رہے نوجوانوں کی طرف تمہارا میلان بد فعلی کا ارتکاب تمہاری بد چلنی کا ذریعہ ہے۔ اپنی بیویوں کی طرف میلان کرو تا کہ ان کے حقوق بھی ادا ہو سکیں اور تم بھی نیک ہو جاؤ۔ یہ میرے مہمان ہیں ان سے برائی کے مرتکب ہو کر مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر میرے پاس کوئی طاقت ہوتی تو میں تمہیں مار مار کر بھگا دیتا اگر میرے پاس کوئی مضبوط قلعہ یا پناہ ہوتی تو مہمانوں کو وہاں لے جاتا۔

پناہ طلب کرنے کا مطلب:

”یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔“

لوط علیہ السلام نے کہا: اُوَدِّعُ إِلَىٰ رُكْنٍ ضَيْعٍ ۖ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”يَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ ضَيْعٍ“

”اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے آپ کسی مضبوط پائے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔“

بظاہر یہاں وہم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے یہ کیوں کہا؟ (معاذ اللہ) آپ نے بے صبری کا مظاہر کیا اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”إِنَّهُ كَانَ بِمُقْتَضَى الْجِبِلَّةِ الْبَشَرِيَّةِ بَعْضَ الْأُمُورِ الضَّرُورِيَّةِ“ ”انسان کی جبلت بشری کا تقاضا ہے کہ وہ بعض امور ضروریہ میں اپنے قوی قبیلہ سے امداد طلب کرتا ہے۔“ ①

یہ انبیائے کرام کی شان کے مخالف نہیں، بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام نے بھی اپنے قبائل کے کئی افراد سے امداد طلب کی اس میں اللہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں پائی گئی۔

فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب:

”فرشتے بولے: اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، وہ تم تک نہیں پہنچ سکتے تم اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری عورت کے اے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے کیا صبح قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگاتار برسائے جو نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ہیں اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں۔“

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرَأْ إِلَيْكَ بِعِطْفٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يُلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتُكَ إِنَّهُ مُصِيبُهُمَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّا مَوْعِدُهُمُ الصُّبْحُ ۖ الْهَسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۖ ② فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّنْ سَجَاجٍ ۖ ③ مَّنْضُودٍ ④ مُّسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَاهِي مِنَ الظَّالِمِينَ بِعِيقٍ ⑤

(ہود: 7-12)

فرشتے اب تک یہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہو گئی تو فرشتے گویا ہوئے۔ اے لوط! گھبراؤ نہیں دروازہ کھول دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو۔ ہم لوٹے تھوڑے ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان بستیوں کو تہ دبالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں، لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی اس کا انجام وہی ہوگا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں، صرف صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔

جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا گیا ان کی فلک بوس عمارتیں زمیں پر اوندھی گرا دیں گئیں ان

پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کر رہ گئے۔ سعدون، عموراہ، اوما اور زبونیہ ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں۔ جہاں آج کل بحر مراد یا بحر لوط ہے۔ اب بھی بحر لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں، کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ❶

لوط علیہ السلام کا رات کو نکل جانا: لوط علیہ السلام اپنے ساتھ سوائے زوجہ کے باقی گھر کے افراد کو رات کو لے کر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پلیٹ دیا اس طرح آپ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے ان کی تمام بستیوں کو اپنے پر سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ آسمان والے ان کی بستیوں میں رہنے والے مرغوں کی آواز اور کتوں کی بھونک سن رہے تھے پھر ان کو پلیٹ کر نیچے گرا کر اوپر سے پتھروں کی بارش برسا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ❷

خیال رہے کہ چار بستیوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے پانچویں بستی جو سب سے بڑی تھی اس کا نام ”سدوم“ تھا جسے قرآن پاک میں ”موتفکات“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ: جو پتھر ان پر برسائے گئے تھے ان پر نشانات تھے۔ جن کی وجہ سے وہ دوسرے پتھروں سے ممتاز تھے۔ ان پر خطوط تھے یا مہرے تھے یا ان پر ہر شخص کا نام لکھا گیا تھا جس کا نام تھا اسی پر وہ پتھر گرا اور وہ مرا۔ ❸

الانتباہ: لوط علیہ السلام کی قوم کو جب پتہ چلا کہ آپ کے پاس نو جوان مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے اپنے برے ارادے سے آئے۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو اور آپ نے فرمایا:

{قَالَ يَلٰٓؤُمْ هٰٓؤُلَآءِ بِنٰٓفٰتٰیْ هُنَّ اَطٰهَرُ لَكُمْ} ❹

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

”بولے: اے میری قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے ستھری ہیں“

دیگر مترجمین نے ترجمہ میں ”میری بیٹیاں“ ذکر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق اور اللہ کے نبی کی شان کے لائق ہے جبکہ دیگر تراجم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا۔ اگرچہ ایک قول یہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنی دو بیٹیوں کے متعلق کہا کہ تم ان سے نکاح کر لو لیکن یہ قول مختلف بحثوں سے مردود ہے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ ”ہنسات“ جمع ہے نیز دو بیٹیاں پوری قوم کے لئے کیسے؟ کیا صرف اس قوم کے دوسرے مراد تھے یا کہ پوری قوم؟ کیا کافروں سے نکاح جائز تھا؟

❶ تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 2 ص 342
❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 ص 113
❸ تفسیر خزانة العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ ذریعہ آیت 82
❹ پ 12 سورة ہود آیت 78

”اخرج أبو الشَّيْخ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْنِ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ جُبَيْرٍ وَمُجَاهِدٍ وَأَبْنِ أَبِي الدُّنْيَا وَأَبْنِ عَسَاكِرٍ عَنِ السَّيِّدِيِّ أَنَّ الْمُرَادَ بَنَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِسَاءً أُمَّتِهِ وَالْإِشَارَةُ بِهَؤُلَاءِ لِيَتَنَزِّلَ لِهِنَّ مَنَزَلَةُ الْحَاضِرِ عِنْدَهُ وَكَضَائِفُهُنَّ إِلَيْهِ لِأَنَّ كُلَّ نَبِيٍّ أَبٌ لِأُمَّتِهِ وَفِي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ النَّبِيُّ أَوَّلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَقَرَأَ أَبِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلَ ذَلِكَ لَكِنَّهُ قَدَّمَ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ عَلَى وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ“ ①

”ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے مجاہد اور ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے ابن السیدی سے بیان کیا ہے کہ یہاں لوط علیہ السلام نے جو بنات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد آپ نے اپنی قوم کی عورتیں لی ہیں ہؤلاء سے اشارہ ان کو بمنزل حاضر کے سمجھ کر کیا اور ان کی اضافت اپنی طرف کی اور بناتی کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے {النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ

أَنْفُسِهِمْ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ} نبی مومنوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں۔ حضرت ابی الدنیا کی قرأت میں بھی ایسے ہی ہے لیکن اس میں {وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ} پہلے ہے اور ”وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ“ بعد میں ہے۔“

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے جو ترجمہ کیا ہے علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے اور

اپنے مختار پر دلائل قائم کئے ہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

”قَالَ يَقُومُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلَانِ: قَالَ قَتَادَةُ الْمُرَادُ بَنَاتُهُ لِصُلْبِهِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ الْمُرَادُ نِسَاءُ أُمَّتِهِ لِأَنَّهُنَّ فِي أَنْفُسِهِنَّ بَنَاتٌ وَلِهِنَّ إِضَافَةُ إِلَيْهِ بِالْمُتَابَعَةِ وَقَبُولُ الدَّعْوَةِ قَالَ أَهْلُ النُّحُوْبِ كُنْ فِي حُسْنِ الْإِضَافَةِ أَدْنَى سَبَبٍ لِأَنَّهُ كَانَ نَبِيًّا لَهُمْ فَكَانَ كَأَلَبٍ لَهُمْ قَالَ تَعَالَى وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ وَهَذَا الْقَوْلُ عِنْدِي هُوَ الْمُخْتَارُ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ وَجُوهٌ: الْأَوَّلُ أَنَّ إِقْدَامَ الْإِنْسَانِ عَرَضَ بَنَاتِهِ عَلَى الْأَوْبَاشِ وَالْفَجَّارِ مَتَّبِعٌ لَا يَلْمِزُ بِأَهْلِ الْمَرْوَةِ فَكَيْفَ بِكَبَرِ الْأَنْبِيَاءِ الْغَالِي وَهُوَ انْتِقَالُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي وَهُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَبَنَاتُهُ اللَّوَاتِي مِنْ صُلْبِهِ لَا تَكْفِي

”یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے اس کلام {هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ} میں دو قول ہیں: حضرت قتادہ نے کہا: اس سے مراد آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں ہیں لیکن حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت کی عورتیں ہیں: اسلئے کہ وہ آپ کی بیٹیاں ہی تھیں ان کی طرف قبول دعوت اور متابعت کی وجہ سے منسوب کیا اس لئے کہ نحویوں کا ضابطہ یہ ہے کہ حسن اضافت میں ادنیٰ مناسبت کافی ہے اس لئے کہ آپ ان کے نبی تھے اور نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے {وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ} نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ لہذا نبی ان کے باپ ہوئے۔ علامہ رازی

لِلْجَمْعِ الْعَظِيمِ أَمَّا بَسَاءُ أُمَّيْهِ فَمِنْهُمْ كِفَايَةُ لِلْكَفْلِ
وَإِطْلَاقُ لَفْظِ الْبَنَاتِ عَلَى الْمُنْتَمِنِ لَا يَجُوزُ لَمَّا قُبِلَتْ أَنَّ
أَقْلَ الْجَمْعِ ثَلَاثَةٌ

فرماتے ہیں: یہی قول میرے نزدیک مختار ہے۔ اس کے مختار ہونے پر کئی وجوہ دلائل ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کا اپنی بیٹیوں کو ادبائشوں اور قاسقوں، فاجروں پر پیش کرنا بہت بعید ہے۔ اہل مروت کے لائق نہیں، اکابر انبیاء یہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟ دوسری وجہ آپ نے فرمایا {هُؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ} آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں اتنی عظیم جماعت کو کافی نہیں ہو سکتی تھیں امت کی عورتیں ان تمام کو کافی ہو سکتی تھیں۔ تیسری وجہ صحیح روایت ہے کہ آپ کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام ”زینت“ اور دوسری کا نام ”زعمراء“ تھا۔ لفظ بنات کا اطلاق (بالحقیقت) دو بیٹیوں پر صحیح نہیں: کیونکہ جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 32، مطبوعہ بیروت)

یوسف علیہ السلام کا خواب دیکھنا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کو بتایا کہ اے میرے باپ!

”إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَايْتُهُمْ لِي“ ”بے شک میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں سجدین“ (سورۃ یوسف 11:12)

اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔“

یوسف علیہ السلام نے جو تارے دیکھے تھے ان کے نام یہ ہیں: ”جربان‘ طارق‘ ذیال‘ قابس‘ عمودان‘ فیلق‘ فزع‘ وصاب‘ ذوالنفتین‘ ضروج‘ مصح“

ایک روایت میں مصح کی جگہ ”نطح“ ذکر ہے لیکن پہلی روایت پر کثیر اہل علم حضرات ہیں۔ ”سنان“ نامی یہودی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ مجھے ان ستاروں کے بتائیں جو یوسف نے دیکھے تھے۔ آپ خاموش تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آگئے انہوں نے حضور کو ستاروں کے نام بتادیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو کہا: اگر میں تمہیں ان تاروں کے نام بتا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے اسے نام بتادیئے وہ کہنے لگا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک میں ان کے نام ہیں۔ ❶

آپ علیہ السلام کے خواب کی تعبیر: گیارہ تاروں سے مراد آپ کے بھائی اور چاند سورج سے مراد آپ کے ماں باپ ہیں لیکن خیال رہے کہ خواب دیکھنے سے پہلے ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سجدہ سے مراد سجدہ تعظیسی ہے جو پہلی امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

خواب میں سورج دیکھنے سے بادشاہت، سونا، خوبصورت عورت ملنے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ چاند کو خواب میں فائدہ: دیکھنے سے بادشاہت، وزارت، بادشاہ کا قرب، ریاست، شرافت، غلام، منصب، حاکمیت، بڑے آدمی کی زیارت، والد، والدہ، زوجہ، خاندان، عظمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی فساد اور باطل امور کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے یہ سب دیکھنے والے پر منحصر ہے۔

خیال رہے خواب دیکھنے والا جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے (القاء) ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پڑھے اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہے تو بیان بھی کر دے لیکن اگر برا خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ خواب دیکھنے پر بائیں طرف تین مرتبہ تھو کے اور..... {أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَشَرِّ الرُّؤْيَا} پڑھے اور کسی کے سامنے وہ خواب بیان نہ کرے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ❷

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 179 ❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 180

یعقوب علیہ السلام کا خواب بیان کرنے سے منع کرنا:

قَالَ يَبْنَى لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١١﴾
 ”کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔“
 (یوسف 11:12)

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بارہ سال کی عمر میں دیکھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے تو بھائی ان سے حسد کریں گے کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آپ کے بھائی آپ سے اس پر حسد کرتے تھے یہ بھی یعقوب علیہ السلام کے علم میں تھا۔ اسی لئے آپ نے منع فرمایا کہ یہ خواب بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ ان کا حسد اور بڑھ جائے گا وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں شیطان کے دام فریب میں آجائیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد:

إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ عُصْبَةٌ ﴿١٢﴾ إِنَّ أَبَانَا لَنَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٣﴾
 ”جب انہوں نے کہا کہ ضرور یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔“
 (سورۃ یوسف 12:12)

حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت بنیامین سے تو دوسرے بھائیوں کو اس پر حسد آیا۔ وہ کہنے لگے: ہم تو ایک جماعت ہیں باپ کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں اور ان کو زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ یہ دو ہیں اور چھوٹے بھی ہیں یہ اپنے باپ کی خدمت ہماری طرح نہیں کر سکتے پھر ان سے پیار و محبت ہم سے زیادہ کیوں؟ ❶

اعتراض:

”انہم نسبوا اہامہم اِلَى الضَّلَالِ الْمُبِينِ وَذَلِكَ مُبَالَغَةٌ فِي الدَّمْرِ وَمَنْ بِالْعَرَفِ فِي الطُّغْيَانِ فِي الرَّسُولِ كَفَرَ لَا يَمْلِكُ اِنْ كَانَ الطَّاعِينَ وَلَكِنَّ حَقَّ الْاُتُوعِ يُوْجِبُ التَّعْظِيْمَ“ ❷
 ”سوال یہ ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے لڑکوں نے اپنے باپ کو ”ضلال مبین“ کی طرف کیسے منسوب کیا؟ یہ تو مذمت اور طعنہ میں مبالغہ ہے اور جو شخص اللہ کے رسول پر طعنہ میں مبالغہ کرے وہ کافر ہے (حالانکہ وہ مومن تھے) اولاد کس طرح طعنہ زن ہو سکتی ہے؟“

جواب:

”الْمُرَادُ مِنْهُ الضَّلَالُ عَنْ رِعَايَةِ الْمَصَالِحِ فِي الدُّنْيَا لَا الْبُعْدُ عَنْ طَرِيقِ الرُّشْدِ وَالصَّوَابِ“^①
 اس کا مطلب یہ ہے کہ راہِ راست اور حق سے دوری کو ضلال سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ دنیا کی مصلحت کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم ایک جماعت ہیں ہم انہیں زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور ہم ان کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں لیکن محبت وہ ان سے زیادہ کرتے ہیں۔“

یعقوب علیہ السلام کی محبت دو بیٹوں سے زیادہ کیوں؟

”محبت“ دل کا کام ہے جس پر انسان قادر نہیں اسی لئے نبی کریم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات میں انصاف کرنے میں بہت زیادہ احتیاط فرمانے کے باوجود عافریاتے تھے: ”اے اللہ! جس کا میں مالک ہوں اس پر تو میں نے عمل کر دیا لیکن جس پر میں مالک نہیں اس پر مجھے مواخذہ نہ کرنا۔“ یعنی دلی محبت کسی سے زیادہ ہونا انسان کے دائرہ قدرت سے باہر ہے۔ یہ دونوں بھائی چھوٹے چھوٹے تھے چھوٹی اولاد سے محبت زیادہ کو ہونا بھی فطرۃ اور قدرتی عمل ہے۔

یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کی تمام اولاد میں سے اگر کسی کو منصب نبوت حاصل ہوتا ہے تو وہ یہی آپ کا بیٹا ہے اسی لئے آپ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ ان کے بعد بن یامین سے کیونکہ وہ سب سے چھوٹے تھے۔ یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے ہی ان کے بھائی زیادہ مخالف ان کے ہی تھے بنیامین کے اس طرح مخالف نہیں تھے کیونکہ خواب دیکھنے کا معاملہ ان تک بھی کسی طرح پہنچ چکا تھا۔^②

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو راہ سے ہٹانے کی ٹھان لی:

”يُوسُفُ كُودًا لِّكَفَّيْنِ زَيْنٍ فِي مِثْلِ مِثْلِ مِثْلٍ“^③ ”یوسف کو مارڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔“
 (سورۃ یوسف 12:12)

یعنی انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ باپ صرف تمہارے ساتھ ہی خالص محبت کریں تو یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے اس کے بغیر باپ کی کامل محبت میسر نہیں ہو سکتی۔ وہ مسلمان تھے کافر نہیں تھے سمجھ رہے تھے کہ یہ

عظیم جرم بھی ہوگا، لیکن حسد کی آگ نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے، البتہ یہ سوچ رہے تھے کہ بعد میں توبہ کر لیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔

صرف ایک بھائی کا قتل کرنے سے منع کرنا:

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْءُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ ۖ
 اِنْدھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلا آ کر اسے لے جائے
 اگر تمہیں کرنا ہے تو۔“ (سورة يوسف 12:12)

یہ روکنے والا آپ کا سب سے بڑا بھائی تھا جس کا نام ”یہودا“ تھا۔ اس نے کہا: قتل ایک عظیم جرم ہے تمہارا یہ ارادہ درست نہیں، البتہ جنگل میں کسی کنوئیں میں ڈال دو۔ شاید وہاں سے کوئی گذرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائے۔ اس طرح تمہارا مطلب بھی پورا ہوگا اور یوسف بھی قتل سے بچ جائے گا۔ اگر تم نے اپنے ارادے پر عمل کرنا ہی ہے تو یہی کرو۔ ①

”انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہو، ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں، کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔ آپ نے کہا: بے شک تمہارا اس کو ساتھ لے جانا مجھے رنج پہنچائے گا اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور تم اس سے بے خبر رہو“ (سورة يوسف 12:12)

انہوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں۔“

ان کا شہر سے باہر جانے اور کھیل کی اجازت طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیاری کریں گے، دوڑ میں مقابلہ کریں گے، تیر اندازی میں مہارت حاصل کریں گے۔

اگر وہ صرف لہو و لعب کے لئے کھیل کود کی اجازت طلب کرتے تو یعقوب علیہ السلام انہیں کبھی اجازت نہ دیتے۔ یوسف علیہ السلام چونکہ چھوٹے تھے اس لئے انہوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہمارے چھوٹے بھائی کو بھی ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دو۔ یہ ہماری جنگی تدابیر دیکھ کر خوش ہوگا اور جنگی میوے پھل ہم اسے توڑ کر دیں گے۔ یہ کھائے گا کیونکہ ہم اونٹوں کو چرانے اور انہیں چارہ کھلانے کی مشقیں بھی کریں گے ان میں جنگی درختوں سے پھل بھی حاصل کریں گے۔

یعقوب علیہ السلام چونکہ پہلے ہی خواب دیکھ چکے تھے کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیے نے حملہ کر دیا ہے اور وہ زمین بھی بھیڑیوں والی تھی۔ اسلئے آپ نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم بے خبر ہی رہو۔ شاید یعقوب علیہ السلام نے خواب کو اسی طرح سمجھا ہو اور اشارہ دشمن کی طرف ہو یعنی بھیڑیے سے مراد دشمن ہو۔ آپ علیہ السلام کے بیٹوں کو واپس آ کر عذر پیش کرتا ہے اپنے باپ کے قول سے ہی سمجھ آیا اور نہ پہلے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کسی شخص کے سامنے ایسا کلام نہ کرو جس سے اسے جھوٹ کی راہنمائی ملے جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو معلوم نہیں تھا کہ انسانوں کو بھیڑیا بھی کھا جاتا ہے جب ان کے باپ نے یہ کہا تو انہیں بھی جھوٹ بولنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائیوں کی ایک جماعت..... وہ جو بہت طاقتور ہو..... کے سامنے ایک بھائی کو بھیڑیا کھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم کسی کام کے نہیں ہوں گے ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیے کی کیا مجال ہے کہ ہمارے بھائی کو کھا جائے؟ ❶

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو تیار کرنا: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کسی طرح بھی ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا: کیا تم ہمارے ساتھ باہر جنگل میں چلو گے؟ جہاں ہم دوڑ میں مقابلہ کریں گے اور اونٹ وغیرہ دوڑانے اور دوسری جنگی تدابیر میں مقابلہ کریں گے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں ضرور جاؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ تم باپ کو کہو آپ نے سب بھائیوں کو ساتھ لیا اور باپ کے پاس آگئے۔ بھائیوں نے ان کی موجودگی میں اپنے باپ کی خدمت میں عرض کی یوسف ہمارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے آپ اسے اجازت دیں۔ آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کرتے ہوئے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: بھائی مجھے پیار و محبت سے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں اسلئے میں ان کی ساتھ ضرور جاؤں گا۔ اس طرح یعقوب علیہ السلام باوجود اس کے کہ نہیں چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجا جائے لیکن تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی مرضی اور کہنے پر بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ کی ظاہر فرمادی۔ ❷

بھائیوں کے مظالم: جب وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے تو جب تک یعقوب علیہ السلام سامنے تھے اس وقت تک تو وہ کندھے پر اٹھا کر چلے۔ یعقوب علیہ السلام اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے جب تک وہ سامنے رہے۔ جب وہ جنگل میں پہنچ گئے اور اپنے باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا اور اپنی عداوت ظاہر کرنے لگے۔ کبھی بدکلامی کرتے اور کبھی مارتے۔ آپ ایک بھائی سے بھاگ کر دوسرے کے پاس آتے کہ شاید وہ میرے ساتھ ہمدردی کرے گا اور میری فریاد سنے گا، لیکن وہی آپ کو مارنا شروع کر دیتا۔ آپ نے ان کے ارادوں کو جب سمجھ لیا کہ یہ کیا

چاہتے ہیں تو وہاں سے پکار کر کہا:

”اے میرے ابا جان! کاش آپ یوسف کو دیکھتے کہ بھائی اس پر کتنا ظلم کر رہے ہیں؟ تو آپ کتنے غمزدہ ہوتے اور میرے بھائیوں کے مجھ پر مظالم کو اگر آپ دیکھتے تو یقیناً روتے۔ اے میرے ابا جان! یہ کتنی جلدی آپ کے وعدہ کو بھول گئے، کتنی جلدی آپ کی نصیحتوں کو بھول گئے۔“

یہ کہتے ہوئے یوسف علیہ السلام روئے اسی حال میں روئیل نے آپ کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر بیٹھ گیا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے بھائی! ٹھہر جا مجھے قتل نہ کر، قتل کرنا عظیم جرم ہے۔

سبحان اللہ! نبی کا مقام کتنا بلند ہے؟ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو نصیحت کر کے قتل جیسے عظیم جرم سے بچا رہے ہیں۔ روئیل کہنے لگا: تجھے تو بڑے خواب آتے تھے اب تو اپنے خوابوں کو بلا جو تجھے میرے ہاتھوں سے چھڑائیں۔ اس نے آپ کی گردن کو مروڑا، آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے بڑے بھائی ”یہودا“ کو کہا: اے میرے بھائی! خدا سے ڈر میرے اور مجھے قتل کرنے والے کے درمیان حائل ہو جا! آپ کے کہنے پر اسے کچھ بھائی ہونے کا خیال آیا اور دل نرم ہوا۔ اس نے کہا: اے میرے بھائیو! کیا تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ قتل نہیں کرو گے؟ اب بھی آسان کام کرو قتل نہ کرو! وہ غصہ میں پہلے کئے ہوئے وعدہ کو بھول چکے تھے پوچھنے لگے کیا کریں؟ یہودا نے کہا: یہ قریب ہی کنواں ہے اس میں پھینک دو یا تو خود ہی مرجائے گا یا کوئی قافلے والے گزرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائیں گے۔

وہاں ایک کنواں تھا جو نیچے سے کھلا اور اوپر سے تنگ تھا اس میں جب انہوں نے آپ کو پھینکنا چاہا تو آپ کنوئیں کے کنارے سے لپٹ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے، قیص کو اتار لیا کیونکہ وہ قیص کو خون سے رنگ کر اپنے باپ کے سامنے عذر پیش کرنا چاہتے تھے یوسف علیہ السلام ان کو کہہ رہے تھے میرے بھائیو! میری قیص واپس کر دو تا کہ میں کنوئیں میں نہ لگا نہ رہوں، لیکن بھائیوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ آپ کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو آپ نے انہیں کہا: اے میرے بھائیو! مجھے اکیلے چھوڑ جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: اب تم چاند سورج اور تاروں کو بلاؤ وہی تمہاری امداد کریں گے۔

آپ کو ایک ڈول میں ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا گیا جب نصف فاصلہ تک ڈول پہنچا تو اوپر سے چھوڑ دیا گیا اس خیال سے کہ زور سے گرنے پر مرجائے گا، لیکن آپ علیہ السلام پانی میں گرے اور ایک طرف پھرتا اس پر بیٹھ گئے۔ ❶

یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں حال:

جب آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو آپ رو رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو اوپر سے آواز دی آپ نے خیال کیا شاید

بندوں کی دعا ہے۔ ❶

يعقوب عليه السلام کے بیٹے روتے ہوئے واپس لوٹے:

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٢﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا
أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ
بِذَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ
جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿١٤﴾

”اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے بولے:
اے ہمارے باپ! ہم دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے اور یوسف کو
اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی
طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں اور ان کی قمیص پر
جھوٹا خون لگا لائے (یعقوب علیہ السلام نے کہا): بلکہ تمہارے دلوں
نے ایک بات تمہارے لئے بنالی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد
چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو۔“

(سورة يوسف 12:12)

انہوں نے ایک ہرن کو ذبح کیا اس کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو رنگ کر باپ کے پاس لائے اور
ظاہر یہ کیا کہ بھیڑیے کے کھانے کی وجہ سے یہ خون آلودہ ہوگئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر اپنے چہرہ پر ڈالا اور رونے لگے یہاں تک کہ قمیص کے خون سے آپ کا چہرہ
خون آلودہ ہو گیا۔ آپ کہہ رہے تھے کہ میں نے آج تک اتنا حکیم بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھالیا ہو لیکن
قمیص کو نہ پھاڑا ہو۔ یہ کہتے کہتے آپ نے پھر رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ آپ کے بیٹوں نے
آپ پر پانی چھڑکا لیکن آپ کو ہوش نہ آیا اور نہ ہی آپ کے جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی۔ وہ آپ کو پکار رہے تھے لیکن آپ کوئی
جواب نہیں دے رہے تھے۔ ”یہودا“ نے اپنا ہاتھ آپ کے ناک اور منہ پر رکھا لیکن اسے سانس کا چلنا محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ
ہی آپ کی کوئی نبض چل رہی تھی۔ ”یہودا“ نے کہا: ہمیں قیامت کے دن جزا دینے والے مالک الملک سے عذاب ہی حاصل ہو
گا، ہم نے اپنے بھائی کو بھی ضائع کر دیا اور باپ کو بھی قتل کر دیا۔ غرضیکہ وہ تمام رات آپ علیہ السلام نے بیہوشی میں گزار دی، سحری
کے وقت ہوش آیا۔ ❷

فائدہ: یوسف علیہ السلام کی قمیص میں تین نشانیاں پائی گئیں۔ پہلی یہ کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو دیکھ کر کہا: یوسف کو بھیڑیے نے
نہیں کھایا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی نظر قمیص سے ہی واپس لوٹی۔ جب مصر سے یوسف علیہ السلام نے قمیص بھیجی۔
اس طرح زلیخا کے الزام سے قمیص کو دیکھ کر ہی بری کیا گیا۔ ❸

اعتراض:

”اِنَّهُ عَلِمَهُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ عَلٰمًا بِاَنَّهُ حَيٌّ سَلِيْمٌ لَا اَنَّهُ قَالَهُ {وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ} وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ اِنَّمَا قَالَ هٰذَا الْكَلَامَ مِنَ الْوَحْيِ وَكَانَ كَانَ عَلٰمًا بِاَنَّهُ حَيٌّ سَلِيْمٌ فَكَانَ مِنَ الْوَاجِبِ اَنْ يُسْعٰى فِيْ طَلْبِهِ“

”حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں کیونکہ آپ نے یوسف علیہ السلام کو بتایا تھا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ پیغمبر بنائے گا اور تمہیں باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔ اور ظاہر بات یہی ہے کہ آپ نے یہ کلام وحی سے فرمایا اور جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں تو آپ پر واجب تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تلاش کرتے۔“

یعنی یہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ باقی لوگوں سے چن کر مقام نبوت عطا کرے گا، آپ اعلان نبوت فرمائیں گے اس سے پہلے آپ پر موت نہیں آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، تو اتنا معلوم ہونے کے باوجود آپ نے تلاش نہیں کیا؟ بلکہ اتنا وقت روتے ہوئے گزار دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:

”اَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی مَنْعَهُ عَنِ الطَّلَبِ تَشْدِيْدًا لِلْمِحْنَةِ عَلَيْهِ“

”بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلب کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ وہ اس پر شدید مشقت اٹھائیں اور یہ معاملہ ان پر سخت ہو۔“

آپ کو صبر کا ثواب ملے اور یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی۔ اور وجہ یہ بھی تھی کہ زیادہ تلاش کرنے میں خطرہ تھا کہ کہیں بھائی جا کر قتل نہ کر آئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا صرف فراق کی وجہ سے تھا بے خبری کی وجہ سے نہیں۔ اور وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ کے فیصلہ پر صابر و شاکر تھے لیکن بیٹوں کے فعل پر پریشان تھے کہ نبی کی اولاد ہو کر کتنے حاسد نکلے اس پر آپ کو رونا ہی تھا۔ ❶

تنبیہ: حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے جھوٹا رونا کے بعد کسی کے رونے سے اسے سچا نہیں سمجھا جاسکتا۔ ابن منذر نے معنی سے روایت کی ہے کہ قاضی شریح کے پاس ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر آئی اور رو رہی تھی لوگوں نے قاضی شریح کو کہا: اے ابوامیہ! کیا آپ اسے روتا ہوا نہیں دیکھ رہے۔ آپ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی رات کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے تھے حالانکہ وہ ظالم اور جھوٹے تھے۔ اس لئے کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بغیر تحقیق کے ناحق فیصلہ کر دے۔ ❷

یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے باہر آنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک قافلہ مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوا وہ قافلہ والے راستہ بھٹک گئے۔ وہ ادھر ادھر پھرنے لگے کہ راستہ مل جائے اسی دوران انہیں وہ کنواں نظر آیا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے حالانکہ وہ کنواں ایسے بیابان جنگل میں تھا جہاں چرواہوں کے بغیر کوئی شخص نہ آتا۔ قافلہ والوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک شخص مالک بن زعر خزاعی کو بھیجا تا کہ وہاں سے پانی لے آئے۔ اس نے جب کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لپٹ گئے اس طرح آپ باہر تشریف لائے۔ مالک بن زعر خزاعی نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوشی سے کہا: {يُشْرِي هَذَا غُلْمًا} کتنی خوشی کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے۔ یعنی کتنا خوبصورت لڑکا ہمارے ہاتھ میں آ گیا جو ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ بنے گا۔ ❶

حسن یوسف علیہ السلام: یوسف علیہ السلام کا چہرہ بہت حسین تھا۔ بال گھنگریالے آنکھیں موٹی و خوبصورت تمام اعضاء میں عجیب قسم کا اعتدال پایا جاتا تھا۔ رنگ سفید گندم گوں سرخی مائل کلائیوں اور پنڈلیوں موٹی پیٹ چھوٹا ناف چھوٹی تھی اور جب آپ مسکراتے تھے تو آپ کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ جب کلام فرماتے تو آپ کے سامنے والے دانتوں سے نور کی شعاعیں نظر آتیں اور کسی شخص میں اس وقت یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کا حسن ایسے جلوہ گر تھا جیسے دن کی روشنی۔

اتنے حسین لڑکے کو دیکھ کر نکالنے والے کو تعجب کیوں نہ ہوتا کہ آپ کے حسن اور خیر و برکت سے محرومی پر تو کنوئیں کی

دیواریں اور پتھر بھی روئے۔ ❷

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کھوٹے سکوں سے بیچنا:

اگرچہ آپ کو کنوئیں سے نکالنے والوں نے قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا کر رکھا تھا کہ مصر میں جا کر اسے فروخت کر کے بہت بڑا مال حاصل کریں گے لیکن آپ کے بھائی تین دنوں کے بعد آپ کے حال کا پتہ چلانے کے لئے آئے کہ یوسف زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ کنوئیں پر آئے تو دیکھا کہ یوسف کنوئیں میں تو نہیں۔ ادھر ادھر دیکھا تو ایک قافلہ نظر آیا ان سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو نکالا ہے۔ آپ کے بھائیوں نے کہا: یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ کر آ گیا ہے۔ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں ستانچ دیتے ہیں اور تم اسے کسی دور علاقہ میں لے جاؤ تا کہ اسے بھاگنے کا مزہ آئے۔

یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کے ڈر سے خاموش تھے۔ آپ نے بھی نہ بتایا کہ میں ان کا بھائی ہوں غلام نہیں۔ آخر کار

آپ کو بیس یا بائیس کھوٹے درہموں سے بیچ دیا گیا۔ اللہ نے فرمایا:

وَشَرَّوْهُ بِعَمَنَ ثَمَنٍ مِّدْرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ
 ”اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا۔“
 (سورہ یوسف 12:12)

یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو الوداعی سلام: جب آپ کے بھائیوں نے آپ کو کھوٹے درہموں سے بیچ دیا تو تاجر کو کہا: کہ یہ چور ہے اور بھاگ بھی جاتا ہے تو اس تاجر نے آپ کو قید کر لیا اور آپ کی نگہبانی کے لئے ایک حبشی غلام کو آپ پر مقرر کر دیا۔ جب وہاں سے کوچ کرنے لگے تو آپ رونے لگے۔ تاجر نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جن لوگوں نے مجھے بیچا ہے میں ان کو الوداعی سلام کرنا چاہتا ہوں، یعنی ایسا سلام کرنا چاہتا ہوں جو کبھی نہ لوٹنے والا کرتا ہے۔ تاجر نے اپنے غلام کو کہا: اس کو اپنے مالکوں کے پاس لے جاؤ تا کہ یہ انہیں الوداعی سلام کر آئے پھر قافلہ سے مل جاتا۔ میں نے آج تک اتنا فرمانبردار غلام نہیں دیکھا جو اپنے مالکوں سے اتنی محبت رکھتا ہو اور اتنے ظالم کوئی مالک نہیں دیکھے جتنے ظالم اس کے مالک ہیں۔

وہ غلام آپ کو آپ کے بھائیوں کے پاس لے آیا اور سب سوئے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے ایک بھیڑ بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا جو جاگ رہا تھا۔ یوسف علیہ السلام اپنے محافظ غلام کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں لگے لڑکھڑاتے اس کے پاس پہنچے رونے لگے۔ اس نے پوچھا: تم کیوں آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے کہا: میں تمہیں الوداعی سلام کرنے آیا ہوں جسے تم کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ ہائے افسوس! ہائے بربادی! یہ کیسا الوداع ہے (ممکن ہے یہ یہودا ہودہ کچھ آپ علیہ السلام سے نرم گوشہ رکھتا تھا) سب جاگ پڑے۔ یوسف علیہ السلام ایک ایک بھائی پر محبت سے سر جھکا کر بو سے لیتے ہوئے گلے مل رہے تھے۔ سبحان اللہ! ان کے ظلم کو دیکھئے اور یوسف علیہ السلام کی محبت کو دیکھئے! آپ چلتے ہوئے کہہ رہے تھے:

”اللہ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گمروں میں قائم و دائم رکھے اگرچہ تم نے مجھے گم سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔“

آپ کے الوداعی سلام رقت آمیز کلمات دکھ بھری فریاد کا اثر بھیڑ بکریوں پر اتنا شدید ہوا کہ ان کے اس ہولناک منظر سے حمل گر گئے۔ ❶

یوسف علیہ السلام کا والدہ کی قبر پر رونا: بھائیوں کو آپ نے الوداع کر دیا تو آپ کو غلام نے پکڑ کر اپنے ساتھ چلا لیا تا کہ قافلہ سے مل جائیں۔ آپ کو بیڑیاں لگا کر ایک سواری پر سوار کر کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ کنعان کے قبرستان سے جب آپ کو گذر ہوا تو اپنی والدہ راحیل کی قبر کو دیکھ کر آپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے

سواری سے اتر کر قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے عرض کرنے لگے:

”اے میری اماں! قبر سے سراٹھا کر ذرا اپنے بیٹے کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تو دیکھو۔ اے میری ماں! بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں پھینک دیا، باپ سے مجھے جدا کر دیا، کھوٹے سکوں سے مجھے بچ ڈالا، میری چھوٹی عمر پر بھی ان کا دل نہ پسیجا، انہیں مجھ پر کچھ رحم نہ آیا، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے والد کو مقامِ رحمت میں جمع کرے، وہی ارحم الراحمین ہے۔“ ①

غلام کے یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی:

غلام نے پیچھے دیکھا تو یوسف علیہ السلام کو نہ پایا واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ایک قبر کے پاس رو رہے ہیں۔ اس نے کہا: تمہیں بیچنے والوں نے سچ کہا تھا کہ ”تم ایک بھگوڑے ہو“۔ یہ کہتے ہوئے اس نے آپ علیہ السلام کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا، جس سے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے کہا: مجھے کچھ نہ کہئے! یہ تو میری ماں کی قبر ہے، میں اپنی ماں کو الوداعی سلام کرنے کے لئے سواری سے اتر گیا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا، جو تمہیں ناپسند ہو۔ آپ کا چہرہ خون آلودہ تھا اور گرنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی کا نپتے ہوئے رب کے حضور عرض کرنے لگے:

”اے اللہ! اگر میری کوئی خطا ہے تو مجھے میرے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی حرمت کے وسیلہ سے معاف کر دے۔“

آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آسمانوں کے فرشتے بھی چلا اٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے لئے فریاد کرنے لگے۔ رب نے فرمایا:

”اے میرے فرشتو! یہ میرا نبی ہے اور میرے انبیاء کا بیٹا ہے جو مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور مجھ سے ہی امداد کا طالب ہے، میں ہی اس کا فریاد رس ہوں، سب فریاد کرنے والوں کی فریاد کو میں ہی پہنچتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے کہا: اے جبرائیل! جاؤ میرے بندے کی امداد کرو۔“

جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا: اے اللہ تعالیٰ کے دوست! تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں یہ کہتا ہے ”رونے سے رک جاؤ! تم نے سات آسمانوں کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو زمین و آسمان ایک ہو جائیں؟“ آپ نے فرمایا: نہیں، نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ حلم (بردباری) عطا کی ہے اور وہ جلد بازی نہیں کرتا تو میں بھی جلدی سے کام نہیں لیتا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا زمین سے سرخ رنگ کی ہوا چلنے لگی، سورج کی روشنی ختم ہو گئی، سرخ آندھی سے تاریکی چھا گئی

۔ قافلے والے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تاجر نے کہا: اے قافلے والو! اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاؤ۔ مجھے کئی سال ہو چکے ہیں اس راستہ سے گذرتے ہوئے میں نے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا۔ سب اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ آج کی مصیبت یقیناً ہمارے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے محافظ حبشی غلام نے بتایا کہ میں نے یوسف (علیہ السلام) کو مارا تھا جب مارا تو اس نے اپنا سر آسمانوں کی طرف اٹھایا تھا اور اپنے ہونٹوں کو بھی حرکت دی تھی۔ تاجر نے کہا: افسوس تمہاری بربادی! تم نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ تاجر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! ہم نے تمہیں مار کر تم پر ظلم کیا ہے اے لڑکے! اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”ہم ظالموں سے بدلہ نہیں لیا کرتے۔ میں تو اس گھرانہ سے تعلق رکھتا ہوں جو ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں میں تمہیں معاف کر رہا ہوں اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔“

آپ کے معاف کرنے کے ساتھ ہی تاریکی ختم ہو گئی، آندھی رک گئی، سورج روشن ہو گیا، مشرق و مغرب تک روشنی پھیل گئی اس طرح قافلہ مصر میں امن سے آگیا۔ ❶

سبحان اللہ! نبی کی کیا شان ہے؟ نبی پر ظلم کرنے والے کیسے گرفت میں آئے؟ اور نبی کتنا صابر؟ کہ ظالموں کے لئے دعا کر رہا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا بازار مصر میں سودا:

یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا گیا تو آپ کو بازار میں بحیثیت غلام بیچا جانے لگا تو آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے قیمت بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آپ کی قیمت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ کے وزن کے برابر کستوری، چاندی اور ریشم دیا جائے۔ اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کی عام لوگوں میں طاقت نہ تھی اسلئے آپ کو مصر کے وزیر خزانہ نے اتنی قیمت ادا کر کے خرید لیا۔ اس کا نام ”قطیفہ“ یا ”اطفہ“ تھا اور لقب ”عزیر مصر“ تھا۔ اس وقت مصر کا بادشاہ ”الریان بن الولید“ تھا جو عمالقہ قبیلہ کا تھا۔ وہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر خزانہ بنایا تھا۔ اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ بنا تھا جس کو آپ نے دعوت ایمان دی لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

خیال رہے کہ مصر کے بادشاہوں کا لقب ”فرعون“ ہوا کرتا تھا۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ کو بھی فرعون کہا جاتا لیکن مشہور ”فرعون“ جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا یہ بہت بعد کا ہے۔

عزیز مصر نے جب آپ کو خریدا تھا اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی تیرہ سال آپ اس کے گھر رہے۔ ریان بن ولید نے جب آپ کو دوزیر بنایا آپ کی عمر تیس سال تھی آپ کو تینتیس سال کی عمر میں اللہ نے ملک و حکمت سے نوازا اور آپ ایک سو بیس برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ❶

یوسف علیہ السلام ناز و نعمت میں:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلَكِنَّمَا نَعْلَمُهُ مِنْ نَاوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٢﴾

”اور کہا: اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے بیوی کو عزت و اکرام سے اسے ٹھہراؤ، شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنا لیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف (علیہ السلام) کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تا کہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اللہ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

(سورۃ یوسف 12: 13)

عزیز مصر نے آپ کی لوح جبین پر سعادت و نجات کے نقوش دیکھ لئے تھے۔ بڑی محبت سے گھرا لیا اور اپنی بیوی سے کہا: کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اسکی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن ہمارے لئے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ اس عورت کا نام ”راحیل“ تھا یا ”زلیخا“ یہی دوسرا نام زیادہ مشہور ہے۔

ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف علیہ السلام کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا جسے بیچنے والے بھی ایک بھگوا غلام تصور کرتے تھے پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا۔ اس کے لئے اتنی عزت و آسائش کے سامان مہیا فرما دینا، مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لئے پورا نہ شفقت بلکہ فدیہ نہ جذبہ پیدا کر دینا اللہ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ ❷

تین محترم شخصیات نے عظیم فراست سے کام لیا:

تین شخصیات کی فراست: ❶ ”عزیز مصر“ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی زوجہ کو کہا: ”اسے

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 108 ❷ تفسیر خبیر، القرآن، محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 2، ص 419

عزت واکرام سے ٹھہراؤ۔“

❶ دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی جس نے اپنی فراست سے موسیٰ علیہ السلام کو طاق تورا میں سمجھتے ہوئے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ ”اے میرے باپ! ان کو لو کر رکھ لو بیشک بہتر لو کروہ جو طاق تورا اور امانت دار ہو۔“

❷ تیسرے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی فراست سے اپنا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔❶

یوسف علیہ السلام ایک مرتبہ پھر امتحان میں:

”بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب برآری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصدناز) کہنے لگی: بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) نے فرمایا: خدا کی پناہ (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اور اس نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل یوں ہوتا کہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو جن لئے گئے ہیں۔“

(سورۃ یوسف 12:13)

زیلخانے اگرچہ چاہا کہ آپ کو گناہوں میں مبتلا کر دے لیکن اللہ کے نبی قبل از نبوت و بعد از نبوت چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واضح اور روشن دلیل دکھا کر پاک و صاف رکھا۔

آپ علیہ السلام نے دلیل کیا دیکھی تھی؟ ایک تو یہ دیکھا کہ وہ عورت دروازے بند کر کے اپنے ایک بت کو ڈھانپ رہی ہے وہ جو اس نے اپنا معبود بنا رکھا تھا اور موتی اور یاقوت سے اسے سجا رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم اسے کیوں ڈھانپ رہی ہو؟ اس نے کہا: مجھے اپنے معبود سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے برائی میں دیکھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا معبود تو کچھ طاقت بھی نہیں رکھتا تجھے شرم آرہی ہے کیا مجھے اس معبود حقیقی سے شرم نہیں آتی جو ہر انسان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے؟ مجھ سے تو اپنی امید وابستہ نہ کر تو کبھی بھی مجھ سے اپنی حاجت میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سب سے بڑی روشن دلیل یہ تھی:

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ عَالِيَةَ السَّلَامُ مَقِيلٌ لَهُ يَعْطُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَضَرَبَ يَدَهُ عَلَى صَدْرِهِ“❶

یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 206 ❶ روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 ص 214

جنہوں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا۔“

”عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ذَكَرْنَا أَنَّهُ مَقِيلٌ لَهُ يَعْقُوبُ عَاصِيًا عَلَى إِصْبَعِيهِ وَهُوَ يَقُولُ يَا يُوسُفُ إِنَّهُ يَعْمَلُ السُّفَهَاءُ وَأَنْتَ مَكْتُوبٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ“ ❶

”حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں: کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف کو حضرت یعقوب دکھائی دیئے کہ آپ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ رہے ہیں اور فرما رہے

ہیں اے یوسف! خیال رکھنا ایسا کام بے وقوف کرتے ہیں تمہارا نام تو انبیاء کرام میں لکھا جا چکا ہے۔“

سبحان اللہ! کیسی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو عطا فرمائی کسی طرح وہ اپنے اقرباء اور متوصلین یعنی اپنی امت کے افراد کی امداد کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی برات اور یعقوب علیہ السلام کی امداد کے علم کے بعد بھی اگر کوئی شخص ضد و عناد کی وجہ سے انبیائے کرام کی امداد کا انکار کرتا پھرے تو اس کی اپنی بد قسمتی۔

خدارا! اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے:

اس مقام پر بعض تراجم کو دیکھ کر انسان گمراہ نہ ہو اور شان نبی میں گستاخی کا مرتکب نہ ہو کسی نے لکھا: ”آپ نے قصد کیا“ کسی نے لکھا ”ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا“ کسی نے لکھا ”اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا“ ایسے تراجم سے سوائے گمراہی کے کچھ حصول نہیں ایسے تراجم دیکھیں جن سے ایمان حاصل ہو۔ میں نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ ”ضیاء القرآن“ سے پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ یہ ہے:

”بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا“ ❷

یہی تراجم صحیح ہیں۔ میں نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ”تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان“ میں بیان کی ہے جس میں تفاسیر کی عربی عبارات بھی مندرج ہیں یہاں تفسیر کبیر سے مختصر خلاصہ اردو میں تحریر کیا جا رہا ہے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ایسی معصیت (یعنی زنا کا ارادہ کرنا) کو اگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی بہت بڑے فاسق کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی طرح ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کے نیکی کے کام سے دور رہے تو وہ بھی شرم محسوس کرے تو ایک جلیل القدر رسول جن کو عظیم الشان معجزات عطا کئے گئے ہوں ان کی طرف اس قسم کے گناہ کو کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد اور تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جن کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ یہ حضرات ہیں: یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی زوجہ، خود عزیز مصر، مصر کی عورتیں، گواہی دینے والا اور اللہ رب العالمین جل مجدہ۔ ان تمام نے آپ کے متعلق شہادت دی ہے کہ آپ گناہوں سے بری ہیں، یہاں تک کہ شیطان نے بھی آپ کی برأت کی شہادت دی ہے۔ جب آپ کی برأت پر اتنی گواہیاں موجود ہیں تو مسلمان کو اس میں توقف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں؟ یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی اور گناہوں سے بری ہونے کا ذکر فرمایا: {قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي} ”اس (عورت) نے خواہش کی کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں؟“ اسی طرح آپ نے کہا: {رَبِّ السَّحْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا بَدَعُونَنِي إِلَيْهِ} ”اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ اس کام (برائی) سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں۔“ یوسف علیہ السلام کے یہ ارشادات آپ کی پاک دامنی کو واضح کر رہے ہیں۔

عورت کی گواہی: تہمت لگانے والی عورت (زلیخا) نے خود بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بری ہونے کا اعتراف کیا۔ مصر کی عورتوں کے سامنے اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

{وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ} ”میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے اپنے آپ کو بچا لیا۔“ اسی طرح اس نے اور یہ کہا:

الَّذِينَ خَصَّصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوِدُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٧﴾
(سورۃ یوسف 17:12)

”اب بات کھل گئی کہ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا
لیکن بے شک وہ سچے ہیں۔“

عورت کی اس گواہی کے بعد واضح ہوا کہ اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دیا۔ اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر نے کہا:

اِنَّهُ مِنْ كَٰفِرٍ مُّكْرَمٍۭ ؕ يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ
 (سورۃ یوسف، 12: 13)

”یہ تم عورتوں کا مکر ہے، بیشک عورتوں کا مکر بہت بڑا ہوتا ہے۔
 اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت! تو اپنے
 گناہوں کی معافی مانگ۔“

یہ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر اس عورت کے خاوند کی گواہی ہے۔

گواہ کی گواہی: حضرت یوسف علیہ السلام کے باطل عمل اور حرام کام کے ارادہ سے بری ہونے پر گواہ کی گواہی ثابت ہے کیونکہ شیر خوار بچے کی یہ شہادت ہے:

وَقَدْ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَبِيضُهُ قُدِّمَ قَبْلَ نَصْدَكُ

”اور عورت کے گمراہوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

کے ارادے سے پاک ہونا واضح ہے۔ ❶

ابلیس کا اقرار: حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کا اقرار ”ابلیس“ نے بھی کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے جب اس نے مہلت مانگی اس کو قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی اس نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَا أَغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٧﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٨﴾ (سورة زمر ۱۷: ۱۸)

بندوں کے تمام کو گمراہ کرتا رہوں گا۔“

اس کا یہ اقرار اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں کو راہ راست سے بھٹکانا شیطان کے لئے ممکن نہیں اور یوسف علیہ السلام کا مخلصین سے ہونا بھی یقینی طور پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلص بندوں سے ہونے کی شہادت دی ہے۔ رب کی شہادت پر یقین نہ آئے تو اور کس پر آئے گا؟ ❷

علامہ رازی رحمہ اللہ کی فیصلہ کن بات:

”وَعِنْدَ هَذَا نَقُولُ هَؤُلَاءِ الْجُهَالُ الَّذِينَ نَسَبُوا إِلَى يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذِهِ الْقَضِيَّةَ إِنَّ كَانُوا مِنْ إِتْبَاعِ دِينِ اللَّهِ فَلْيَقْبَلُوا شَهَادَةَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى طَهَارَتِهِ وَإِنْ كَانُوا مِنْ إِتْبَاعِ إِبْلِيسَ وَجُنْدِهِ فَلْيَقْبَلُوا شَهَادَةَ إِبْلِيسَ عَلَى طَهَارَتِهِ“ ❶

”جو جہلاء یوسف علیہ السلام کو برائی (یا ارادہ برائی) کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ اللہ کے دین کے قبیح ہیں تو وہ اللہ کی شہادت قبول کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے اور اگر وہ شیطان یا اس کے لشکر کے تابعدار ہیں تو وہ شیطان کی شہادت قبول کر لیں جو اس نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے۔“

یوسف علیہ السلام پر عورت کا الزام:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَالْأُخْرَى سَوْءَ مَا لَدَا الْبَابَ طَعَلَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٢﴾ (سورة يوسف 12: 13)

”اور دونوں دروازے کے طرف دوڑے اور عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں کو عورت کا خاوند دروازے کے پاس ملا بولی: کیا اس کی سزا جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی؟ مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار۔“

جب عورت نے آپ کو اندر بند کر لیا آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگنا

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 116

❷ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 117

شروع کیا تا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں۔ عورت نے پیچھے بھاگنا شروع کیا تا کہ آپ کو پکڑ لے۔ آپ علیہ السلام کو پکڑنے میں تو کامیاب نہ ہو سکی، البتہ آپ کی قمیص پیچھے سے اس نے پکڑ لی چونکہ آپ دوڑ رہے تھے دوڑتے ہوئے قمیص پکڑنے کی وجہ سے پیچھے سے پھٹ گئی۔

اسی دوران اس عورت کا خاوند دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ تہمت کے ڈر سے جلدی سے اپنے عیب کو یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے لگی کہ یہ تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ رکھتا تھا، اس لئے قید خانہ میں بھیج دو یا سخت سزا دو۔ عورت کو یوسف علیہ السلام سے چونکہ شدید محبت تھی، اگرچہ اس نے خود بچنے کے لئے عیب یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا، لیکن پھر بھی آپ کی رعایت رکھی، قید خانہ پہلے ذکر کیا سخت سزا کا ذکر بعد میں۔ اس لئے کہ محبت اپنے محبوب کو درد پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس لئے یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ ان دونوں میں سے جس پر چاہو عمل کرو بلکہ اس نے مکمل طور پر آپ کو بچانے کی فکر کی، کہ قید خانہ بھیج دو، ہاں! اگر کوئی چارہ کار نہ ہو سوائے سزا دینے کے تو سزا دو۔

پھر کوئی ایسے الفاظ نہیں ذکر کئے جن سے پتہ چلے کہ اس نے کہا ہو کہ ان کو عمر بھر قید رکھو یا بہت لمبا عرصہ قید میں رکھو، بلکہ صرف یہ کہا کہ قید خانہ میں بھیج دو، یعنی مطلب یہ تھا کہ ایک دونوں کے بعد نکال لیتا۔ ❶

عورت نے ظاہر طور پر برائی کو آپ کی طرف منسوب نہیں کیا:

عورت نے یہ تو کہا ہے کہ جو شخص تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ کرے یہ نہیں کہا اس نے میرے طرف برائی کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا اس نے میرے ساتھ دست درازی یا برائی کا مرتکب ہوا ہے، اس لئے کہ اس نے جان لیا تھا کہ جو شخص جوانی کی عمر میں طاقت و شہوت کا غلبہ رکھنے کے باوجود پاکدامن ہے، اسے کیسے برا بھلا کہا جائے۔ اس عورت کے دل میں آپ کی پاکدامنی راسخ ہو چکی تھی، وہ آپ کو ظاہری طور پر برائی کا مرتکب قرار دینے میں حیا محسوس کر رہی تھی۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس عورت کو تو حیا محسوس ہوئی کہ آپ کو برائی کا مرتکب کیسے قرار دیا جائے، لیکن ہزاروں سال بعد میں آنے والوں کو حیا نہیں آتی جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے برائی کا ارادہ کیا یا آپ کے دل میں تھوڑا تھوڑا قصد ہو چلا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ابتدائی طور پر خاموشی اختیار کی لیکن جب یہ دیکھا کہ برائی کو میری طرف منسوب کیا جا رہا ہے تو پھر آپ نے فرمایا {ہیں رَاوَدْنِي عَنْ نَفْسِي} ”اس نے مجھے خود اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔“ ❷

یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر دلالت کرنے والی علامت:

- ①: آپ ظاہر طور پر انکے غلام تھے۔ غلام کبھی اس قسم کی جرات نہیں کر سکتا، اپنے مالک کی زوجہ سے زبردستی برائی کا مرتکب ہو۔
- ②: عزیز مصر اور اس کے گھر کے دوسرے لوگوں نے جب یہ دیکھ لیا تھا کہ یوسف علیہ السلام دروازے سے نکلنے کے لئے شدید طور پر دوڑ رہے ہیں تو انہوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ برائی کو چاہنے والا خود دوڑ کر کبھی نہیں نکلا کرتا۔
- ③: ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس عورت نے اپنے آپ کو خوب آراستہ کیا ہوا ہے لیکن یوسف علیہ السلام عام لباس میں ہیں انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کون کے اپنے طرف مائل کر رہا تھا۔
- ④: وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے حالات کا ایک طویل مدت سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ کی علامت آپ کے اطوار ان سے پوشیدہ نہیں تھے وہ خود ہی سمجھ رہے تھے کہ یوسف (علیہ السلام) کبھی برائی کا ارادہ نہیں کر سکتا۔
- ⑤: عورت نے آپ کی طرف ظاہر طور پر برائی کو منسوب نہیں کیا بلکہ کہا اگر کوئی ایسا کرے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے واضح طور پر اس کی طرف منسوب کیا۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ سچے تھے کیونکہ جھوٹا شخص کسی دوسرے کی طرف اس قسم کی تہمت منسوب کرنے میں خائف رہتا ہے۔
- ⑥: عزیز مصر نامزد تھا۔ عورت کی جنسی خواہشات اس سے پوری ہونا تو درکنار حاصل ہی نہیں ہو رہی تھی اس حالت کے پیش نظر بھی واضح ہو رہا تھا کہ میلان اسی کی جانب سے تھا۔ ①

یوسف علیہ السلام کے بری ہونے پر گواہی:

”آپ نے کہا: اس نے مجھے اپنی طرف میلان کرانا چاہا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر ان کی قیص آگے سے پھٹی ہے عورت سچی اور انہوں نے غلط کیا اور اگر ان کی قیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے ہیں پھر جب عزیز نے آپ کی قیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا بے شک تم عورتوں کا مکر ہے بیشک تمہارا مکر بڑا ہے۔ اے یوسف! تم اس کا

قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنِّي مَنَعْتُ قَبِيصَةَ قُدِّمِينَ قَبْلَ فَصَدَّقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۖ وَإِنْ كَانَ قَبِيصَةُ قُدِّمِينَ نَبْرًا فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ فَلَمَّا رَا قَبِيصَةَ قُدِّمِينَ نَبْرًا قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كَمَدِ كُنَّ طَائِفًا كَمَدِ كُنَّ عَظِيمًا ۖ يُّوسُفَ اعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ إِنَّكَ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

(سورۃ یوسف 12: 13)

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 123

خیال نہ کرو (غم نہ کرو)، اور اے عورت! تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ بے شک تو خطاواروں میں سے ہے۔“

گواہی دینے والا اس عورت کا رشتہ دار لڑکا تھا جو ابھی شیرخوار بچہ تھا اس کی عمر تین ماہ تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی طاقت دی اس سے گواہی دلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو الزام سے بری قرار دیا اگرچہ اتنی عمر میں بچہ کا بولنا ہی آپ کی پاکدامنی کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا لیکن اللہ نے اس سے ایسا حکیمانہ جواب دلا یا جو بہت بڑی قوی دلیل بھی بن گیا۔

آگے سے قیص کے پھٹنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ نے اس کا ارادہ کیا، بس نے مزاحمت کی گریبان پکڑ کر پیچھے کیا تو قیص آگے سے پھٹ گئی۔ اگر ایسی صورت ہوتی تو عورت کا سچا ہونا ثابت ہوتا لیکن پیچھے سے قیص پھٹنے سے واضح ہو رہا تھا کہ آپ کو زبردستی کمرہ میں بند کیا گیا۔ آپ جان چھڑانے کے لئے بھاگے آپ کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی گئی تو قیص پیچھے سے پھٹ گئی۔ اس جواب اور دلیل پر ہی عزیز مصر نے آپ کو کہا آپ سچے ہیں کچھ غم دل میں نہ لائیں اور اپنی زوجہ کو کہا: یہ تمہارا کرہ ہے تم اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ ①

عزیز مصر کی عورت پر مصر کی عورتوں کی طعنہ زنی:

”اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نو جوان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ بے شک اس کی محبت اس کے دل میں سرایت کر گئی ہم تو اسے واضح طور پر محبت میں گم اور غلطی پر پاتی ہیں۔“

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ②

(سورۃ یوسف 12: 14)

یہ واقعہ پورے شہر میں مشہور ہو گیا تھا، کئی عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی کتنی غلطی پر ہے جو اپنے گھر رکھے ہوئے نو جوان سے اتنی شدید محبت کرتی ہے کہ اسے کچھ اور نظری ہی نہیں آتا۔ {قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا} کا مطلب ہے کہ اس کے دل پر محبت نے اس طرح گھیرا ڈال لیا ہے جس طرح کسی چیز کا غلاف اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور وہ محبت اس کے دل اور باقی چیزوں میں حجاب اختیار کر چکی ہے کہ سوائے اس نو جوان کے اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ ہم تو اسے اس نو جوان سے شدید محبت کرنے میں راہ راست سے بھٹکا ہوا پاتی ہیں۔

عزیز کی زوجہ کا عذر عجیب انداز میں:

”تو جب اس (زلیخا) نے اس کا چہ چاسا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَكًا ③

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 221

فَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ مِكْنَةً وَقَالَتِ اخْرِجِي عَلَيْنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿١٢﴾ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَأَةٌ يُسُجِّنُ وَيَكُونَنَّ مِنَ الصَّافِرِينَ ﴿١٣﴾

(سورة يوسف 12: 14)

اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ٹھہری دی اور یوسف (علیہ السلام) سے کہا ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں اللہ کی پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ ہے اس نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر مجھے طعنہ دیتی تھیں اور بے شک میں نے ان کو اپنی طرف

مائل کرنا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو پٹایا اور بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں ضرور قید میں پڑیں گے اور وہ ضرور ذلت اٹھائیں گے۔“

جب عزیز کی زوجہ نے مصر کی عورتوں کے مکر کو سنا ان کے کلام کو مکر سے تعبیر کرنے کی تین وجہ ہیں:

پہلی وجہ: عورتوں نے جب یہ واقعہ سنا وہ بھی دل میں خواہش رکھنے لگیں کہ یوسف (علیہ السلام) کو دیکھیں اور وہ یہ بھی سمجھتی تھیں کہ جب وہ زلیخا کا تذکرہ کریں گے تو یقیناً وہ یوسف (علیہ السلام) کو ہم پر پیش کر کے اپنا عذر پیش کرے گی تو انہوں نے اس لئے اس کی خلاف کام کر کے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھنے کا ایک حیلہ کیا جسے ”مکر“ سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں سے اپنی محبت کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ساتھ انہیں اس بھید کے چھپانے کے لئے کہا تھا لیکن جب عورتوں نے ظاہر کر دیا تو ان کی دھوکہ بازی کو ”مکر“ کہہ دیا۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ انہوں نے اس کی غیبت کی غیبت بھی حقیقت میں ”مکر“ کے مشابہ ہے۔ ①

یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے:

عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں کی دعوت کی جو اس کے متعلق کلام کرتی تھیں۔ وہ بڑے بڑے سرداروں، وڈیروں کی بیویاں تھیں جن کی تعداد چالیس تھی۔ ان میں پانچ عورتیں یہ بھی تھیں جو بہت باتیں کرتی تھیں:

①: عزیز کو پانی پلانے والے کی زوجہ ②: وزیر جیل کی زوجہ

③: روٹیاں پکانے والی عورت جس نے اتنے عرصہ میں یوسف (علیہ السلام) کو نہیں دیکھا تھا۔

④: عزیز کے جانوروں کے محافظ کی زوجہ ⑤: اور دربان کی زوجہ

دعوت کی مجلس میں ہر ایک کے لئے نشست مقرر تھی۔ نئے لگا دیئے گئے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چن دیئے گئے پھل بھی رکھ دیئے گئے پھلوں یا گوشت یا خصوصاً لیموں کاٹنے کے لئے چھریاں بھی رکھ دی گئیں ہر نشست کے سامنے ایک ایک چھری رکھی گئی تھی۔

جب عورتیں آگئیں اپنی اپنی نشست پر براجمان ہو گئیں تو عزیز کی زوجہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے کمرہ سے باہر نکلوا اور ان عورتوں کی محفل کے سامنے سے گذر جاؤ تا کہ یہ آپ کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ یوسف علیہ السلام پہلے ہی اس عورت کی ایک سازش کا شکار ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا تھا۔ اب یہی خوف دل میں آ رہا تھا کہ اس کا حکم نہ ماننے پر کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔ آپ کو مجبوراً نکل کر عورتوں کے سامنے سے گذرنا پڑا۔ ❶

جب یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سے گذرے.....

”إِنَّهَا لَهَا دُحُشْتُ فَكَانَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهَا تَلْطَعُ الْفَاكِهَةَ وَكَانَتْ تَلْطَعُ يَدَ نَفْسِهَا“
تو وہ آپ کو دیکھ کر اتنی دہشت میں آئیں کہ پھل لے کر ان کو چھریوں سے کاٹنے لگی تھی لیکن اپنے ہاتھ کاٹ کر زخمی کر لئے۔“

یا انہوں نے اپنے ہاتھ اس وجہ سے کاٹ لئے کہ آپ کو دیکھ کر اس طرح مدہوش ہوئیں کہ انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ چھریاں سیدھی پکڑ رہی ہیں یا الٹی سیدھی جانب اپنے ہاتھوں کی طرف کر دی اور الٹی جانب پھلوں کی طرف کر کے پھلوں کو کاٹنے کی غرض سے چھریوں کو جیسے چلایا تو ہاتھ کٹ گئے۔

یہ بھی ممکن ہے کچھ عورتوں نے چھریاں الٹی چلا کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہوں اور کچھ نے پھل کاٹ کر ہاتھوں تک چھریاں چلا دی ہوں۔ ❷

ہاتھ کاٹنے کی وجہ جمال یوسف پر فریفتہ ہونا:

اس میں اکثر اہل علم کا اتفاق ہے:

”کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عمدہ جمال اور کامل حسن کی وجہ سے عظیم سمجھا تھا یہی وجہ تھی ان کے ہاتھ کاٹنے کی۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال میں باقی لوگوں پر اس طرح فضیلت حاصل تھی جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں: جب معراج کی رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میرا گزر

یوسف علیہ السلام کے قریب سے ہوا تو میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا: یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔
 ”فَعَمِلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا كَانَ لَكَ مِنْ رَأْيَةٍ قَالَتْ كَأَنَّكَ لَمَلَكٌ“ ”آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے انہیں کیسے پایا
 البتہ“
 تو آپ نے فرمایا ایسے ہی جیسے چودھویں کا چاند۔“

یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو آپ کے چہرہ کی نورانیت کی وجہ سے دیواریں اس طرح روشن ہو جاتیں جس طرح سورج کی شعاعوں سے روشنی پھیل جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام کو جس دن قبضہ قدرت سے تخلیق کیا گیا اس دن آپ کو جو جمال عطا کیا گیا تھا اسی کے مشابہ یوسف علیہ السلام کو بھی حسن و جمال عطا کیا گیا۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان عورتوں نے آپ کے نور نبوت و رسالت اور خضوع و خشوع کے آثار کو دیکھا اور نبوت کے رعب و جلال کا مشاہدہ کیا اور جب یہ دیکھا کہ یہ شخص تو فرشتہ سیرت ہے اس نے طعام کو نہیں دیکھا، ہم لو جوان عورتوں کو نہیں دیکھا، اسے ہماری ذرا پرواہ تک نہیں ہوئی۔ ظاہری صورت بھی عظیم اور سیرت بھی عظیم۔ بس یہی دیکھ کر انہوں نے تعجب کیا فریفتہ ہو گئیں اپنے ہوش و حواس قائم نہ رکھ سکیں اور اتنا سمجھ لیا کہ یہ کوئی عام انسان نہیں، یہ تو کوئی مقرب فرشتہ ہے۔ ہاں! یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ نبی کا مقام فرشتوں سے بلند ترین ہوتا ہے۔ ❶

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے بھی زیادہ حسین:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے چاندنی رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا:
 ”فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْأَلَمِ عَلَيْهِ حُلَّةٌ“ ”تو میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف جب
 حُرَّاءُ فَإِنَّكَ هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ“ ❷
 کہ آپ نے سرخ دھاریوں والا لباس زیب تن کر رکھا تھا
 آپ مجھے چاند سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہے تھے۔“

یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کی دعا کرنا اور اس کا قبول ہونا:

قَالَ رَبِّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَلَا تَصْرِفْ عَنِّي كُمِّنَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْبَهِيمِ ۖ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كُمِّنَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝
 ”یوسف علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل

بَدَّالَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنَّةً حَتَّى حِجْنَ ﴿١٢﴾
(سورة یوسف 12:14)

ہوں گا اور نادان بنوں گا تو اس کے رب نے اس کی سن لی اور
اس سے عورتوں کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا جانتا ہے پھر

تمام پہلی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان پر یہی ظاہر ہوا کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں رکھا جائے۔“

جب عزیز مصر کی زوجہ نے مصر کی عورتوں کے سامنے کہا کہ اگر اس نے میرے بات کو نہ مانا تو اسے قید خانہ میں جانا
پڑے گا اور ذلیل ہونا پڑے گا تو دعوت پر بلائی ہوئی تمام عورتوں نے اجتماعی طور پر یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا کہنے لگیں:
تمہارے لئے یہ بہتر نہیں کہ تم اس کے حکم کی مخالفت کرو کیوں کہ مخالفت کی صورت میں تمہیں قید خانہ میں جانا پڑے گا اور ذلت
اٹھانا پڑے گی۔ اب یوسف علیہ السلام کو چند مشکلات کا سامنا تھا:

① عزیز کی زوجہ کا بہت زیادہ حسین و جمیل ہونا۔

② اس کا مال و دولت کا مالک ہونا یہ عزم کرنا کہ یوسف (علیہ السلام) سے اپنا مطلوب حاصل کرنے میں تمام مال و دولت
قربان کرنا پڑا تو قربان کر دوں گی۔

③ تمام عورتیں اجتماعی طور پر آپ کو رغبت بھی دلارہی تھیں اور ساتھ ساتھ خوف بھی دلارہی تھیں۔ ایسے حالات میں عورتوں
کا مکر بھی بہت بڑا کر ہوتا ہے۔

④ آپ کو یہ بھی ڈرتھا کہ اس کی مخالفت کرنے میں اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو قتل ہی کرا
دے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ مجھے قید خانہ میں بھیج دیں تو میرے لئے بہتر ہوگا۔

انسان اپنی بشری قوت اور انسانی طاقت کے پیش نظر ایسے حالات میں اپنے آپ کو بچا سکے یہ بہت مشکل معاملہ ہے۔
اسی لئے آپ نے دعا کی:

”اے اللہ! تو مجھے ان عورتوں کے مکر سے بچا سکتا ہے۔ اگر تیرا فضل نہ ہو تو انسان ایسے گناہوں میں مبتلا ہو کر
جاہل بن جاتا ہے۔ اے اللہ! مجھے جس کام کی یہ دعوت دے رہی ہیں اس سے بہتر میرے لئے قید خانہ ہی
ہے۔“ ①

خیال رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لئے مشکل راہ کا انتخاب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی:
”يَا يُوسُفُ اَنْتَ جَنِيْتُ عَلَى نَفْسِكَ وَلَوْ قُلْتَ الْعَافِيَةُ اَحَبُّ“ ”اے یوسف! تم نے اپنے لئے مشکل راستہ اختیار کیا۔ اگر تم یہ
کہتے مجھے عافیت زیادہ پسند ہے (اس سے جسکی طرف مجھے یہ
بلائی ہیں) تو تمہیں ان سے عافیت و لادی جاتی۔“

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا رد کیا جو مصائب پر صبر کی دعا کر رہا تھا۔ ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا {اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصَّبْرَ} اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں، یعنی مجھے مصائب و آلام پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرما، تو حضور ﷺ نے فرمایا: {سَأَلْتَ اللَّهَ تَعَالَى الْهَلَاءَ فَاسْأَلْهُ الْعَافِيَةَ} ”تم نے اللہ تعالیٰ سے مصیبت کا سوال کیا ہے، تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔“ ❶

عزیز مصر اور دوسرے تمام سرکردہ لوگ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا یقین کر چکے تھے:

”هِيَ الشَّوَاهِدُ الدَّالَّةُ عَلَى بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَطَهَارَتِهِ“ ”آپ کے عیوب سے بری ہونے اور پاک دامنی پر دلالت کرنے والے شواہد وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔“

لیکن آپ کو صرف ظاہری مصلحت کے پیش نظر انہوں نے قید خانہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ عزیز مصر کی زوجہ کے علاوہ اب دوسری عورتیں بھی آپ پر عاشق ہو چکی تھیں۔ مگر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا چرچا ہو رہا تھا وہ لوگ اپنی عورتوں کو روکنے میں توانا کام ہو گئے۔ البتہ آپ کو قید خانہ میں بھیجنے کا انہوں ایک حل سمجھا تھا۔ اصل میں آپ کی اپنی دعا کا اثر ہی تھا:

”وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ كُلَّ“ ”حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہما سے واحدًا مِنْهُمْ أَرْسَلَتْ إِلَهُ يَرَاتُ لَهُ الزَّيَّارَةُ“ ”مردی ہے کہ بے شک ہر عورت نے ان عورتوں میں سے جو دعوت پر مدعو تھیں آپ کی طرف پوشیدگی میں یہ پیغام بھیجے تھے جو آپ سے زیارت کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔“

اس طرح عزیز کی زوجہ نے اپنے خاوند کو کہا: کہ یہ عبرانی غلام مجھے بدنام کر رہا ہے کہ میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ بچ گیا وہ چونکہ باہر نکل سکتا ہے اور میں گھر میں محبوس ہوں یا مجھے بھی باہر بازاروں میں جا کر اس کا جواب دینے کی اجازت دی جائے یا اسے بھی قید کر لیا جائے۔ تو اس طرح عزیز اور دوسرے وڈیروں نے آپ کو قید میں بھجوا دیا۔ ❷

دوقیدیوں کا یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھنا:

”انکے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے۔ ان میں ایک بولا: میں نے خواب دیکھا کہ شراب پھوڑتا ہوں اور دوسرا بولا: میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے بے شک ہم آپ کو نیکو کار دیکھتے ہیں۔“

(سورة يوسف 12: 14)

روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 235 ● روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ اول ص 237

خواب دیکھنے والے دونو جوان بادشاہ ”ریان بن ولید“ کے غلام تھے۔ ایک اس کو مشروبات پلانے پر مقرر تھا اور دوسرا روٹیاں پکانے پر ان دونوں پر الزام یہ تھا کہ یہ بادشاہ کو زہر کھلانا چاہتے ہیں۔ مشروبات پلانے والے کا نام ”ابروحا“ یا ”یونا“ تھا اور روٹیاں پکانے والے کا نام ”غالب“ یا ”مخلب“ تھا۔ ان دونوں کو بھی اس الزام کی وجہ سے قید خانہ میں بھیج دیا گیا تھا۔ ❶

ایک نے اپنا خواب بیان کیا کہ:

”میں نے انگور کی ایک بہت خوبصورت بیل دیکھی جس کی تین شاخیں ہیں اور ان پر انگور کے کچھے لگے

ہوئے ہیں“ میں انہیں نچوڑ کر بادشاہ کو پلا رہا ہوں۔“

خیال رہے کہ شراب (خمر) بھی انگور کے نچوڑ سے ہی بنتا ہے اس لئے اس شخص نے انگور نچوڑنے کو شراب نچوڑنے

سے تعبیر کر دیا۔ دوسرے نے اپنا خواب بیان کیا کہ

”میں نے دیکھا کہ میں بادشاہ کے باورچی خانہ سے نکل رہا ہوں اور میرے سر پر تین ٹوکریاں روٹیوں کی

ہیں جن کے اوپر سے پرندے کھا رہے ہیں۔“ ❷

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں آئے تھے۔ آپ نے بتایا کہ میں خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہوں کئی لوگوں کو آپ پہلے بھی خوابوں کی تعبیریں بتا چکے تھے جو سچی ثابت ہوئی تھیں۔ اس لئے ان دو شخصوں نے بھی آپ سے تعبیر پوچھی کہ آپ سچی تعبیر بتاتے ہیں۔ آپ صاحب علم ہیں، آپ بہت اچھے شخص ہیں، تمام قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے اچھے افعال پر مطلع تھے۔ آپ نماز روزہ کے پابند تھے، ہر قسم کے نیکی کے کام کرتا، آپ کی عادت شریفہ تھی۔ آپ کے اچھے اخلاق کسی پر غصی نہ تھے۔ آپ مریضوں کی عیادت کرتے، غمناک لوگوں کے دلوں کی ڈھارس باندھتے۔

جب یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو وہاں قیدیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی امیدیں منقطع کئے ہوئے ہیں، شدید مصائب اور طویل غموں میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا: خوش ہو جاؤ، صبر کرو، اللہ تعالیٰ صبر کا اجر ضرور عطا فرماتا ہے۔ قوم نے کہا: اے جوان! آپ کا چہرہ کتنا حسین ہے؟ آپ کی صورت کتنی ہی خوبصورت ہے؟ آپ کے کتنے ہی اچھے اخلاق ہیں؟ جب سے تم نے ہمیں بتایا: صبر پر اجر ہے اور مصیبت گناہوں کا کفارہ ہے اور مصائب و آلام گناہوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہیں تو ہمیں تمہارے قرب اور نصائح سے برکت حاصل ہو گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا: اے جوان تم کون ہو؟ آپ نے بتایا: میں یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم ہوں۔ قید خانہ کے ناظم اعلیٰ نے کہا: اے جوان! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں آزاد کر دیتا۔ یہ تو میرے اختیار میں نہیں، البتہ تمہارے پڑوش میں رہنے والے قیدیوں پر اچھا سلوک کروں گا۔ آپ کے ان فضائل و کمالات کو دیکھ کر ان دونوں قیدیوں نے آپ سے حقیقتاً دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر پوچھی یا صرف حضرت یوسف علیہ السلام

کو آزمانے کے لئے من گھڑت خواب بیان کئے۔

ایک قول یہ ہے کہ قید خانہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ میں خواب کی تعبیریں جانتا ہوں تو ان دونوں نے ایک دوسرے کو کہا: کہ اس عبرانی غلام کی آزمائش کرنی چاہئے ہم اپنی طرف سے خود خواب بنا کر اس پر پیش کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اگرچہ انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا خود ہی خواب وضع کر کے سوال کیا:

”قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَا رَاكِبَا شَيْئًا وَرَأَيْنَا تَعَالَمًا يَخْتَبِرُنَا
عِلْمُهُ“ ①

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کو آزمانے کے لئے خود ہی خواب گھڑے تھے۔“

یوسف علیہ السلام کا تعبیر بیان کرنا:

لِصَاحِبِي السِّبْجَنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ
فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الطُّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ فَكُلِّي الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ
تَسْتَفْتِينَ ②

(سورة یوسف 12: 15)

آپ نے جب یہ تعبیر بیان کی تو وہ کہنے لگے ”مَا رَأَيْنَا شَيْئًا“ ہم نے تو کوئی خواب نہ دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: حکم ہو چکا ہے اس بات کا جو تم سوال کرتے تھے۔

”إِنَّ الَّذِي ذَكَرْنَا وَاقِعٌ لَا مَعَالَةَ“
”بے شک جو تعبیر آپ نے بیان فرمائی اس نے یقیناً واقع ہونا ہی تھا۔“

کیونکہ آپ نے تعبیر بیان کرنے سے پہلے ہی فرمادیا تھا {ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي} میں تمہیں تمہارا کھانا آنے سے پہلے خواب کی تعبیر بتا دوں گا کیونکہ میرے رب نے مجھے علم دیا ہے یعنی آپ نے بہت واضح طور پر بتا دیا کہ میں خوابوں کی تعبیر کوئی ظن یا تخمینہ سے بیان نہیں کرتا یہ تو میرے رب کا دیا ہوا علم ہے جس کی وجہ سے میں بیان کرتا ہوں۔

”وَلَقَدْ دَلَّمَا بِذَٰلِكَ عَلَىٰ أَنَّ لَهُ عُلُومًا جُمَّةً مَا سَمِعَاهُ قَطْرَةً“
”آپ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کثیر علوم عطا فرمائے ہیں یہ جو تم نے سنا ہے یہ تو بارش کا ایک قطرہ ہے باغ کے پھولوں میں سے ایک کٹی ہے۔“

② مِنْ تَهَارِهَا وَذَهْرَةً مِنْ أَزْهَارِهَا ③

تفسیر کبیر ج 18 ص 134..... روح المعانی ج 7 ص 238 ① کبیر ج 18 ص 143..... روح المعانی ج 7 ص 241

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس ذکر کرنے کے متعلق کہنا:

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَسَ الشَّيْطَانُ وُكُورَهُ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿١٥﴾
 اس سے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے یوسف (علیہ السلام) کا ذکر کرے تو یوسف علیہ السلام کئی برس اور قید خانہ میں رہے۔“
 (سورة يوسف 12:15)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے اس مقام پر لفظ ”ظن“ کا معنی ”سمجھا“ کیا ہے ”گمان کیا“ ترجمہ نہیں کیا: کیونکہ اہل علم کا اس میں ایک قول یہی ہے کہ اس کے قائل یوسف علیہ السلام ہیں۔ نبی کا علم ظنی نہیں ہوتا بلکہ یقینی ہوتا ہے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا ایک قول یہ ہے:

”إِنْ تَحْمِلُ هَذَا الظَّنَّ عَلَى الْعِلْمِ وَالْيَقِينِ وَهَذَا إِنَّا قُلْنَا بِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّمَا ذَكَرَ هَذَا التَّعْبِيرَ بِنَاءً عَلَى الْوَحْيِ قَالَ هَذَا الْقَائِلُ وَرَوَّدَ لَفْظُ الظَّنِّ بِمَعْنَى الْيَقِينِ كَثِيرٌ فِي الْقُرْآنِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ وَقَالَ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَّةٍ ①“
 کہ یہاں لفظ ظن کو علم اور یقین کے معنی میں لیا جائے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر وحی سے بیان فرمائی اور قرآن پاک میں بہت مقامات پر ظن بمعنی یقین استعمال ہے جس طرح ذکر کردہ آیتوں میں یظنون اور ظننت یقین کے معنی میں استعمال ہیں۔“

مقربین کے لئے قوانین ہی اور ہیں:

اہل علم نے یہ ضابطہ کیا ہے: {حَسَنَاتُ الْأَعْرَافِ سَوَّيَاتُ الْمُقَرَّبِينَ} عام نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات خاص مقرب لوگوں کے لئے ان پر عمل کرنا اچھا نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے اس مرتبہ سے بلند مرتبہ ہوتا ہے لہذا ان کے اعمال بھی بلند مرتبہ کے ہونے چاہئیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں: ”کہ اللہ کے بندوں سے مشکلات میں امداد طلب کرنے میں إِنَّ الْإِسْتِعَانَةَ بِالْعِبَادِ فِي كُشْفِ الشَّدَائِدِ مِمَّا لَا بَأْسَ بِهِ“ کوئی حرج نہیں۔“

کیونکہ خود رب قدوس نے بیان فرمایا:

”نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔“

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (سورة مائدہ 5:6)

عام لوگوں کے لئے یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی مشکلات میں امداد طلب کریں، لیکن انبیائے کرام کا مقام ہی کچھ اور ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کیا کہ جب وہ میرے حال سے یا خبر ہے تو مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید سے نجات پانے والے کو کہا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پیار و محبت سے آپ کو تعبیر فرمائی: اے میرے پیارے! ذرا غور تو کرو تمہیں بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے کس نے بچایا؟ تمہیں کنوئیں سے کس نے نکالا؟ تمہیں عورت کے بہتان سے کس نے بچایا؟ عرض کی: مولائے کائنات! یہ تیرے ہی فیضان تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: پھر انسان کے سامنے ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ یوسف علیہ السلام نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے میرے مولا! بس ویسے ہی زبان پر آ گیا تھا۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے دو غلاموں کو خواب کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے پانچ سال قید خانہ میں گزار لئے تھے اور مزید سات سال آپ نے اور گزارے یعنی بارہ سال اللہ کے نبی نے اپنی پاک دامنی کے لئے قید خانہ میں گزار دیئے۔ انبیاء کرام سے بہت مشکل امتحان لئے گئے۔

بادشاہ کو خواب آتا:

”اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھیں سات موٹی گائیں (سات) کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات بالیاں (سات) ہری اور دوسری سات سوکھی۔ اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو، بولے: پریشان خوابیں ہیں اور ہم پریشان خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔“

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ
وَسَبْعَ سُطُلَاتٍ خُضْرًا وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ اتَّخَذْتُمْ فِي
رُءُوسِي إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءُوسِ يَا تَعْبُرُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا أَضْغَاتُ أَحْلَامٍ
وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿١٧﴾
(سورۃ یوسف 16:12)

رب تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھی جب قید سے نکالنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا سبب یہ پیدا فرمایا کہ مصر کے بادشاہ ”ریان“ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائے ایک خشک نہر سے ٹکلیں اور سات ہی لاغر گائے لاغر گائے موٹی گائے کو کھا گئیں اور اس نے دیکھا کہ سات بالیاں جو دالوں سے بھر پور اور سبز ہیں اور سات دوسری خشک کو دیکھا جو سبز پر لپٹ کر ان پر غالب آ گئیں۔ بادشاہ نے اپنے درباری کاہنوں، نجومیوں کو جمع کر کے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا: اگر خواب میں کوئی ترتیب ہوتی، جو واقعات کی

نشانہ ہی کرتی تو ہم تعبیر بتاتے۔ یہ خواب تو بلا ترتیب ہیں ان میں اختلاط و اضطراب پایا گیا ہے اس لئے یہ پراگندہ خیالات ہیں۔ ان کی تعبیر کچھ بھی بیان نہیں کی جاسکتی لیکن بادشاہ بہت زیادہ پریشان تھا کہ کمزور کا طاقتور پر غالب آ جانا اور خشک کا سبز پر غالب آ جانا یقیناً کسی خطرہ کی علامت ہے۔ ①

بادشاہ کی پریشانی کو دیکھ کر اس سابق قیدی شخص کو یاد آیا جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ”تو نجات پائے گا“۔ اس نے کہا: مجھے قید خانہ میں بھیجو! وہاں ایک عالم شخص ہے وہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے گا تو میں واپس آ کر تمہیں بتاؤں گا۔ وہ شخص آپ علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں آ کر بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے لگا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ ایک اور شخص تھا جس نے یوسف علیہ السلام کا چہ چاسن رکھا تھا۔ بادشاہ کے خواب بیان کرنے اور پریشانی کو دیکھ کر کچھ وقت کے بعد اسے یاد آیا کہ میں قید خانہ میں اس شخص کے پاس جا کر پوچھوں جس کے متعلق مشہور ہے کہ ”وہ خوابوں کی تعبیر صحیح بیان کرتا ہے۔“

سبحان اللہ! مقام نبی کتنا ہے؟ جب سائل نے تعبیر پوچھی تو اسے یہ نہ کہا کہ ”سات سال بعد میری کیسے یاد آگئی؟“ اور یہ بھی نہ کہا: کہ ”پہلے بادشاہ کو کہو کہ مجھے بے گناہ قید میں ڈالا ہوا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مجھے پہلے قید خانہ سے نکالو تو تعبیر بتاؤں گا۔“ نہیں نہیں! صابر و صابر نہ لگائی اور نہ ہی اس شخص کو طعنہ دیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام بیان کرتے ہیں:

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُّوهُ
فِي سُبُلٍ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۚ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ
ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا
تُحْصِنُونَ ۚ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ
النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۚ

”آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک لگاتار جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں (بالیوں) میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کیلئے نکال لو) جسے تم کھاؤ۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات سال بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا ان کے لئے تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں بارش برسائی جائے گی لوگوں کے لئے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے۔“

(سورۃ یوسف 12: 16)

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بھی بیان کی کہ سات سال غلہ تمہیں عام دستور کے مطابق حاصل ہوگا۔ پھر سات سال قحط ہوگا بارشیں نہیں ہوں گی۔ یہ قحط والے سال پہلے سالوں کے جمع شدہ غلہ کو ختم کر دیں گے۔ اس کے بعد پھر ایک سال خوشحالی

کا دور دورہ ہوگا بارشیں کثیر ہوں گی۔ جن کی وجہ سے انگور زیتون گنے اور تل وغیرہ کی کثیر پیداوار ہوگی جن سے تم رس نکالو گے اور بعض سے تل نکالو گے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساتھ ساتھ اس کے لئے احتیاطی تدابیر بھی بیان کیں کہ پہلے سات سالوں کے پیدا ہونے والے غلہ کو بے دریغ استعمال نہ کرنا صرف اتنا غلہ صاف کرنا یعنی بھوسہ اور دانوں کو اتنی مقدار میں علیحدہ کرنا جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو سکیں۔ باقی غلہ بالیوں (خوشوں) میں ہی رہنے دینا اس سے خرچ میں احتیاط ہوگی اور دانے کیڑے مکوڑوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

بادشاہ کا یوسف علیہ السلام کو بلانا اور آپ کا انکار:

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتَوْنِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَىٰ رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّي بِكُمُذِّبِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ قَالَ مَا عَطَاكِ اِنَّ رَاوَدْتَنِي يَوْسُفَ عَنْ نَفْسِي قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ط فَكَلَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ النَّبْذِ النَّبْذِ خَصَّصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِي وَكَانَ لِيَمِيْنُ الصِّدِّيقِ ﴿١٧﴾ ذٰلِكَ لِمَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اُخْنَعْ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْغٰثِيْنَ ﴿١٨﴾

(سورۃ یوسف 12: 17)

”اور بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لے آؤ تو جب قاصد ان کے پاس آیا آپ نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے بے شک میرا رب ان کا فریب جانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: اے عورتو! تمہارا کیا معاملہ ہوا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پاکی ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی بولی: اب اصلی بات کھلی گئی۔ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بے شک وہ سچے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس

کی خیانت نہیں کہ اللہ دعا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر دیکھئے! بارہ سال قید میں رہنے کے باوجود جب قید خانہ سے نکلنے کا پیغام ملتا ہے تو آپ خوشی سے جلدی نکلنے کے بجائے انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ پہلے معاملہ کی چھان بین کر لیں پھر میں قید خانہ سے باہر آؤں گا۔ اگر آپ جلدی سے باہر آ جاتے تو عین ممکن تھا کہ بادشاہ کے دل میں اس تہمت کے حق ہونے کا دوسوہ باقی رہتا۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد بادشاہ کو یقین ہو گیا۔ عورتوں نے آپ کی پاک دامنی کا واضح اعلان فرما دیا۔ عزیز کی زوجہ جس نے ابھی تک اقبال جرم نہیں کیا۔ اب وہ بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو پاک دامن اور سچا کہنے لگی۔ اس طرح بادشاہ پر یہ

حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ آپ سچے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
 ”وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ دَاعِيَ“
 دینے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔“ ①

یاد رہے! نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہونے کے باوجود عاجزانہ کلام فرماتے ہوئے یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف کر

رہے ہیں۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اگر نبی کریم ﷺ اس مقام پر ہوتے تو معاذ اللہ صبر نہ کرتے بلکہ فوراً باہر آ جاتے۔ یہ ایک با محاورہ کلام ہے عاجزانہ کلام میں حقیقت کا بیان نہیں ہوتا۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا:

”وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ اَعْلَمُ أَنَّ هَذَا لَمْ يَسْ اِخْبَارًا عَنْ نَبِيِّنَا
 ﷺ يَتَضَجَّرُ صَدْرًا بَلْ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى مَدْحِ يُوسُفَ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ وَتَرْكِهِ اِلِسْتِعْجَالَ بِالْخُرُوجِ لِمَزُولٍ عَنْ قَلْبِ
 الْمَلِكِ مَا تُهَمُّ بِهِ مِنَ الْفَاحِشَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَى مَعْنَى
 مُشْكُونٍ“ ②

”ابن ملک نے کہا: جان لو! بیشک اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اپنی پریشانی اور صبر کی کمی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح کی گئی ہے کہ آپ نے جلدی نکلنا پسند نہ فرمایا کہ بادشاہ کے دل سے یہ بات نکل جائے جو آپ پر برائی کی تہمت لگائی گئی تھی یعنی بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ آپ پر غلط تہمت لگائی گئی تھی اور وہ آپ کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔“

فائدہ:

”وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهِ هَذَا يَدُلُّ عَلَى فَضِيلَةِ الْعِلْمِ فَانَّهُ
 سُبْحَانَهُ جَعَلَ عِلْمَهُ سَبَبًا لِخُلَاصِهِ مِنَ الْمِحْنَةِ الدُّنْيَوِيَّةِ
 فَكَيْفَ لَا يَكُونُ الْعِلْمُ سَبَبًا لِخُلَاصٍ مِنَ الْمِحْنِ
 الْاٰخِرَوِيَّةِ“ ③

”بادشاہ نے کہا: ان کو میرے پاس لے آؤ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسے جب معلوم ہوا کہ آپ بڑے صاحب علم ہیں تو اس نے کہا: ایسا صاحب علم قید میں رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے علم کی فضیلت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کو دنیا میں مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ دینی علوم آخرت کی مشکلات سے چھٹکارا دلانے کا ذریعہ نہ بن سکیں؟“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص

مسلم امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 1 ص 85

تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 151

قید خانہ سے نکل کر وزیر خزانہ اور وزیر اعظم:

وَقَالَ الْمَلِكُ اتَّوْنِي بِهِ اسْتَعْلِيصَهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ
إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ آمِنٌ ﴿١٣﴾ كَالْأَجَلِيِّ عَلَى خِزَانِ
الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿١٤﴾ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي
الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ
وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٥﴾ وَلَا أَجْرَ الْآخِرَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٦﴾

”اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ میں انہیں خاص
اپنے لئے جن لوں پھر جب ان سے بات کی کہا بے شک آج
آپ ہمارے ہاں معزز معتمد ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے
زمین کے خزانوں پر کر دے بے شک میں حفاظت والا علم والا
ہوں اور یونہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک پر قدرت بخشی
اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں
اور ہم نیکوں کی نیکیاں ضائع نہیں کرتے اور بے شک آخرت کا
ثواب ان کے لئے بہتر جو ایمان لائے اور پرہیزگار ہے۔“

(سورۃ یوسف 1:13)

بادشاہ نے معززین کی ایک جماعت بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز و سامان اور نفیس لباس دے کر قید خانہ بھیجی تاکہ
حضرت یوسف علیہ السلام کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ایوان شاهی میں لائیں۔ ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت
میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیغام عرض کیا آپ نے قبول فرمایا اور قید خانہ سے نکلتے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی۔ جب قید خانہ
سے باہر تشریف لائے تو اس کے دروازے پر لکھا:

”هٰذِهِ مَنَازِلُ الْمَلُوكِ وَقُبُورُ الْأَحْيَاءِ وَشِمَاتُ الْأَعْدَاءِ وَتَجْرِبَةُ
الْأَصْدِقَاءِ“ ①

”یہ مصیبتوں کا گھر ہے زندہ لوگوں کے لئے قبر ہے اور دشمنوں
کی بدگوئی بلکہ ان کے لئے خوش ہونے کا مقام ہے اور سچوں
کے امتحان کی جگہ ہے۔“

پھر غسل کیا، اعلیٰ لباس پہنا اور شاهی محلات کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قلعہ کے پاس پہنچے تو فرمایا: میرا رب ہی کافی
ہے اس کی پناہ بڑی اور اسکی ثناء برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر قلعہ میں داخل ہوئے بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی:
”اے میرے رب تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں کی برائی سے تیری
پناہ چاہتا ہوں“

جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام فرمایا۔ بادشاہ نے پوچھا: یہ کون سی زبان ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ
میرے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے۔ پھر آپ نے عبرانی زبان میں دعا کی اس نے پھر پوچھا: یہ کون سی زبان ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ میرے ابا جان حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان ہے۔ بادشاہ دونوں زبانیں نہیں سمجھ سکا باوجودیکہ وہ ستر زبانیں جانتا تھا۔ پھر اس نے جس زبان میں حضرت سے گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اسے جواب دیا۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اس عمر میں یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے آپ کو اپنے برابر جگہ دی۔ بادشاہ نے درخواست کی کہ حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنی زبان مبارک سے سنا دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے خواب کی پوری تفصیل بھی سنا دی جس شان سے اس نے خواب دیکھا تھا حالانکہ پہلے اجمالی طور پر وہ خواب بیان کیا گیا تھا۔ اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا کہنے لگا: آپ نے میرا خواب ہو بہو بیان فرمادیا خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ کا اس طرح بیان فرمادینا زیادہ عجیب ہے۔ اب آپ تعبیر بھی بیان فرمادیں۔

آپ نے تعبیر بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ غلے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے اور غلے ان کے خوشوں میں جمع کر لئے جائیں اور رعایا کی پیداوار سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے اس سے جو جمع ہوگا وہ مصر اور مصر کی اطراف کے لوگوں کے لئے کافی ہوگا اور پھر اللہ کی مخلوق ہر طرف سے تیرے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور تیرے ہاں اتنے خزانے اموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لئے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا: اس کا انتظام کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا: زمین کے خزانے میرے حوالے کر دے میں ان کی حفاظت بھی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے ان کا بہتر انتظام کروں گا۔

بادشاہ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ سے زیادہ اس منصب کے لائق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کو تمام خزانے کا وزیر مقرر کر دیا۔ ❶

مسائل: احادیث میں ”طلب امارۃ“ (حکومت) کی ممانعت آئی ہے لیکن اس کا مطلب ہے کہ جب ملک میں اس منصب کے اہل کئی لوگ موجود ہوں اور احکام الہی کو قائم کرنا کسی ایک شخص کے ساتھ قائم نہ ہو اس وقت حکومت طلب کرنا مکروہ ہے لیکن جب ایک ہی شخص اہل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ نے احکام قائم کرنے کے لئے حکومت طلب کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی حال میں تھے آپ رسول تھے قوم کی مصلحتوں کو جانتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ شدید قحط ہونے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو آرام اور آسائش پہنچانے کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے اس لئے آپ نے حکومت طلب کی۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ کی طرف سے اگر اس لئے عہدے طلب کئے جائیں تاکہ انصاف کیا جائے گا تو یہ جائز ہے۔ اگر قوی

خزانہ لوٹنے کے لئے عہدہ قبول کیا یا کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا انتقامی کارروائی کرنے کے لئے تو یہ حرام ہے۔ اس کو رحمان کا فضل نہ سمجھا جائے بلکہ شیطان کا جال سمجھا جائے۔ (”ریان ولید“ اس وقت کا فر تھا)

مسئلہ: اگر کافر یا فاسق بادشاہ کے حکومت میں شریک کرنے کے بغیر دین کے احکام کو جاری نہ کیا جاسکے تو کافر و فاسق کی حکومت میں شریک ہونا جائز ہے اور اس سے صرف دینی احکام کی ترویج کے لئے امداد لینا جائز ہے۔ ظالموں کے ساتھ شریک ہو کر ظالم بن جانا دین اسلام سے بغاوت ہے۔

مسئلہ: اپنی خوبیاں فخر اور تکبر کی وجہ سے بیان کرنا جائز نہیں البتہ دوسروں کو نفع پہنچانے اور مخلوق کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے اگر ضرورت درپیش آئے تو اپنی خوبیاں اور اپنے علمی کمالات بیان کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صاحب علم اور حفاظت کرنے والا ہوں۔ ①

یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی:

ایک سال کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر آپ کی تاج پوشی کی اور تلواریں اور مہر آپ کے سامنے پیش کی اور آپ کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا جو جواہرات سے مرصع تھا۔ اور اپنا ملک آپ کے سپرد کر دیا، لیکن تاج آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ میرا اور میرے آباء کا لباس نہیں۔ البتہ انگوٹھی جو بطور مہر استعمال ہوتی تھی اسے اور تخت کو آپ نے قبول کر لیا کہ تخت کے ذریعے تمہاری سلطنت کو مضبوط کروں گا اور مہر کے ذریعے تمہارے امور کی تدبیریں سرانجام دوں گا۔

قطیفہ (عزیز مصر) کو معزول کر کے آپ کو اس کی جگہ والی بنایا اور تمام خزانے آپ کے سپرد کر دیئے اور سلطنت کے تمام امور آپ کے ہاتھ میں دے دیئے اور خود ایک تابع کی حیثیت میں ہو گیا۔ آپ کی رائے میں دخل نہیں دیتا تھا اور آپ کے حکم کو مانتا تھا اس طرح آپ وزیر اعظم بن گئے تمام اختیارات کے مالک بن گئے۔ ②

آپ کی حکومت کے اثرات:

آپ نے عدل و انصاف کی بنیادوں پر اپنی حکومت کو قائم کیا، اسی لئے آپ کی حکومت دن بدن مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ تمام مردوں اور عورتوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط سال کے آنے والے دنوں کے لئے غلوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تعبیر فرمائی اس کے لئے بہت وسیع اور عالی شان اجار خانے (سٹور) تعمیر کرائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے۔ جب فراخی کے سال گزر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدام کے لئے رواز نہ صرف ایک وقت

تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 160 و خزائن العرقان ① تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 162 و خزائن العرقان

کا کھانا مقرر فرمایا۔ ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: یہ قحط سالی کی ابتدا کا وقت ہے، کیونکہ پہلے سال میں لوگوں کے پاس ذخیرے تھے، سب ختم ہو گئے، بازار خالی ہو گئے، چونکہ قحط کے سارے زمانہ میں آپ نے خود بھی کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ واقف حال لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: کہ اتنے کثیر خزانوں کے مالک ہو کر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوک کو نہ بھول جاؤں۔

سبحان اللہ! کیا پاکیزہ اخلاق ہیں آپ کے؟ ان پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے ہی بادشاہ بھی ایک وقت کے کھانے پر کفایت کر رہا تھا۔ اس نے بھی آپ کے جواب پر کوئی مزاحمت نہیں کی۔

تمام اہل مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے لگے۔ تمام دربار، ہم و دنا نیر یعنی ان کا نقدی مال و دولت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جمع ہو گیا۔ دوسرے سال انہوں نے اپنے زیورات اور جواہر سے غلہ خریدا۔ اس طرح ان لوگوں کے تمام زیورات و جواہر آپ کے پاس آ گئے۔ تیسرے سال اپنے جانور دے کر غلہ خریدا، یہاں تک کہ مصر میں کوئی شخص کسی جانور کا مالک نہ رہا۔ تمام جانور بھی آپ کی ملکیت میں آ گئے۔ چوتھے سال اپنے غلام اور لونڈیاں دے کر غلہ حاصل ہوا۔ پانچویں سال تمام جاگیریں اور اراضی دے کر آپ سے غلہ خریدا۔ اس سال مصر کے لوگوں کے پاس سوائے اپنی جان اور اولاد کے کچھ بھی باقی نہ رہا تھا تمام ملکیت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آ چکی تھی۔ چھٹے سال جب ان کے پاس اور کچھ نہ بچا تو انہوں نے اپنی اولاد آپ کے پاس غلام کے طور پر دے کر غلہ حاصل کیا۔ اور ساتویں سال وہ لوگ خود غلہ حاصل کرنے کے لئے آپ کی غلامیت میں آ گئے۔ مصر میں مردوں اور عورتوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی غلامیت میں نہ آیا ہو تمام لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی عظمت و جلالت کسی بادشاہ کو میسر نہیں آ سکی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو کہا کہ تم نے دیکھ لیا ہے اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کیا کرم ہے؟ اس نے مجھ پر ایسا احسان عظیم فرمایا: اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: جو آپ کی رائے ہے، ہم تو آپ کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اور تمہیں گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام اہل مصر کو آزاد کر رہا ہوں اور ان کی تمام ملکیت اور جاگیریں انہیں واپس کر رہا ہوں۔

تمام لوگوں کو آپ کے غلام اور کنیریں بنانے میں اللہ کی حکمت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے تھے۔ کیونکہ اب تو مصر کے تمام مصری آپ کے خریدے ہوئے اور آزاد کئے ہوئے تھے۔ ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ آزاد شخص کسی مجبوری سے غلامیت میں آنے سے درحقیقت غلام نہیں بنتا جیسے وہ لوگ حقیقت میں غلام نہیں بنے تھے۔ صرف ان پر غلام ہونے کی ایک حیثیت قائم کی گئی تھی کہ آپ کی شان

میں کوئی حرف نہ کہہ سکیں۔ ❶

عزیز مصر کی زوجہ کی مراد کا پورا ہونا:

بادشاہ نے پہلے وزیر اعظم یعنی عزیز مصر (جس کا نام قطفیر تھا) کو معزول کر دیا تھا، بعد میں وہ جلد ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس کی زوجہ جس نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہی اور آپ پاکدامن رہے۔ ایک اور بچہ کی گواہی سے آپ ہی الزمہ ہو چکے تھے لیکن اب قید خانہ سے نکلنے پر اس نے بھی کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا، آپ کو سچا کہنے لگی تھی۔ عزیز مصر کی موت کی بعد.....

”وَجَّهَ الْمَلِكُ لِمَرْكَبِهِ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا قَالَتْ لَيْسَ هَذَا خَيْرًا مِمَّا طَلَبْتَ فَوَجَدَ هَا عَزْدًا فَوَكَّدَتْ لَهُ وَكَذَّبْنِ افْرَائِيْمَ وَمَيْشَا“ ❷
”بادشاہ نے اس عورت کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا آپ نے ملاقات پر اسے یہ کہا کیا یہ بہتر نہیں اس سے جو تو مطالبہ کر رہی تھی؟ یاد رہے عزیز مصر چونکہ نامرد تھا اسلئے وہ ابھی تک باکرہ تھی۔ محبت اسے صرف یوسف علیہ السلام سے تھی وہ کوئی بدکار نہیں تھی۔ اس عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام ”افرائیم“ اور دوسرے کا نام ”میشا“ تھا۔

تنبیہ: ”ہيَ زَكِيَّهًا وَلَكُم مِّصْرًا سِتِّهَاجَا لَهٗ وَسَعْرًا“ عزیز کی زوجہ کا نام ”زلیخا“ تھا۔ نام کو صراحتاً نہیں ذکر کیا گیا وَتَعْلِيْمًا لِلْأَدَبِ كَانَ اللَّهُ يَقُولُ مِنَ الْأَدَبِ لَا يَذْكُرُ أَحَدٌ نَوْجَتَهُ بِأَسْمَائِهَا بَلْ يُكْنَى عَنْهَا وَلَكُم يَذْكُرُ فِي الْقُرْآنِ اسْمُ امْرَأَةٍ الْأَمْرِيْمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ“ ❸
ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ادب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ایسے الفاظ سے پکارے جن میں واضح طور پر نام کا ذکر نہ ہو۔ قرآن پاک میں کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا گیا سوائے حضرت مریم کے۔“

ان کا نام بھی صرف اس وجہ سے ذکر ہوا کہ لوگ انہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی زوجہ کہتے تھے تو ان کا نام رب تعالیٰ نے ذکر کر کے ان کا رد کیا کہ اگر میری زوجہ ہوتی تو میں اس کا نام ذکر نہ کرتا۔

پہلے ہم نے بھی اپنے علاقہ میں یہ دیکھا کوئی شخص بھی اپنی زوجہ کا نام نہیں لیا کرتا تھا۔ بچے کا نام لے کر اسکی والدہ یا بھائی کا نام لے کر اس کی بہن کہتا وغیرہ لیکن آج کل زوجہ کا نام لینا بھی فیشن کا حصہ بن گیا۔ عورت کا کتنا ادب، کتنا احترام شریعت نے بتایا؟ میں نے عورتوں کے حقوق پر تفصیلی بحث اپنی کتاب ”اسلام میں عورت کا مقام“ میں بیان کئے ہیں۔

❶ تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 162-163

❷ تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 162-163

❸ صادی علی الجلالین ج 3 ص 191

ماڈرن عورت کسی اور مذہب میں ان حقوق کا تصور بھی نہیں کر سکتی جو شریعت مطہرہ نے دیئے ہیں۔

غلہ لینے کے لئے آپ کے بھائیوں کا جانا:

”اور روز آنکے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے سو جب مہیا کر دیا ان کے لئے ان کی (رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیانہ تمہارے لئے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔“

وَجَاءَ الْخَوَّةُ يُّوسُفَ قَدْ خَلُّوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَا مُنْكَرُونَ ﴿١٢﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخِي لَكُمْ مِنْ أَيْدِيكُمْ إِلَّا تَرُونَنِي إِلَّا أَوْفَى الْكَفْلِ وَأَنَا خَيْرٌ مِنَ الْمُنْزِلِينَ ﴿١٣﴾ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَعْرَبُونَ ﴿١٤﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿١٥﴾ (سورۃ یوسف 13: 2)

”کنعان“ کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا اور لوگوں کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے بھی بار برداری کے مویشی لئے مصر کا رخ کیا، کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف علیہ السلام کی نگرانی میں ہو رہا تھا۔ اسلئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلہ کے لئے درخواست کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات اگرچہ عرصہ دراز بعد ہوئی تھی لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور بے چارے پہچانتے بھی تو آخر کیونکر؟ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کیلئے سینکڑوں ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں۔ یہ وہ ”یوسف“ ہے جس کو عرصہ ہوا انہوں نے ایک تاریک کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اور پھر صرف ”بیس کھوٹے درہمیں“ کے بدلے میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کئے اور انہیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کا ایک اور بھائی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں (اگرچہ آپ خود بھی اپنے بھائی کو جانتے تھے) ①

آپ نے خود تو اپنے آپ کو بھی ظاہر نہیں کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حکم دینا تھا اسی وقت ظاہر کرنا تھا اس لئے ابھی اجنبی کی صورت میں تمام کلام ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والد اور بھائی کا حصہ بھی طلب کیا تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو

ایک اونٹ کا بوجھ غلہ ہی دیتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے والد اور بھائی کے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں وہ تو آنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ البتہ ہمارے چھوٹا بھائی باپ کی خدمت گزاری کے لئے ہی گھر رہ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس مرتبہ تو ان کا غلہ بھی تمہیں دے رہا ہوں، لیکن آئندہ تم اپنے بھائی کو بھی ساتھ لانا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو میں کتنا شفیق اور مہربان عادل ہوں؟ کہ بیٹا نے بھر بھر کر دیتا ہوں اور کتنا بڑا مہمان نواز ہوں، لیکن یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر آئندہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو تمہیں بھی غلہ نہیں ملے گا۔“ ①

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی رقم واپس کر دی:

وَقَالَ لِفَتَاهِهِ اجْعَلُوا بَضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا ۖ اِنَّا اُنْزَلْنَاهَا اِلَىٰ اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾
(سورۃ یوسف 2:13)

”اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ چپکے سے رکھ دو۔ ان کی پونجی ان کی خورجیوں میں شائد کہ وہ اسے پہچانیں جب اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں شائد وہ واپس آئیں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی پونجی لوٹا دی تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی: {لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا اَيُّ يَعْرِفُونَ حَقَّ رِزْقِهَا} ”کہ جب سامان کھولیں گے تو پونجی اس میں دیکھ کر واپس آئیں گے۔“ کیونکہ وہ نبی کے بیٹے ہیں ایمان والے ہیں اور وہ واپس لوٹنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے پھر آئیں گے۔“

”قَالَ الْفَرَّاءُ اِنَّهُمْ مَتَى شَهِدُوا بَضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ وَكَفَّ فِي قُلُوبِهِمْ اِنَّهُمْ وَضَعُوا بِتِلْكَ الْبَضَاعَةِ فِي رِحَالِهِمْ عَلٰى سَبِيلِ السُّهُوِ وَهُمْ اَوْلَادُ الْاَنْبِيَاءِ فَيَجْعَلُوْا لِيَعْرِفُوْا السَّبَبَ فِيْهِ اَوْ رَجَعُوْا لِيَرْدُوْا الْمَالَ اِلٰى مٰلِكِهِمْ“ ②

”فراء نے کہا: کہ پونجی واپس کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی پونجی کو اپنے سامان میں مشاہدہ کریں گے تو ان کے دل میں یہ آئے گا کہ شائد انہوں نے بھول کر نہ رکھ دیا ہو وہ حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے واپس آئیں گے یا وہ مال واپس لوٹانے کے لئے آئیں گے کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔“

دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو گھر کے حالات کا پتہ چل گیا تھا تو آپ کی شان کے لائق نہیں تھا کہ آپ اپنے بھائیوں اور والد مکرم سے رقم لے کر غلہ دیں:

لَاِنَّهٗ وَجِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَاتُهُمْ وَجِبَرَهُمْ فِي تِلْكَ الشَّدَةِ ۖ اِلَٰهُهُمُ مِّلْكٌ عَادِلٌ وَهُمْ اَهْلُ اِيْمَانٍ وَنُبُوَّةٍ ۖ ③

”اسلئے کہ آپ عادل بادشاہ تھے اور آپ کے بھائی ایمان والے تھے اور خاندان نبوت تھے۔ آپ پر واجب ہو چکا تھا کہ

① تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 169

② تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 166-167

③ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 10

آپ اپنے اقرباء سے صلہ رحم کریں اور مشکل حالات میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔“

چھوٹے بھائی کو ساتھ لیجانے کی باپ کے حضور درخواست:

”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو لوٹادی گئی ہے بولے اے ہمارے باپ! اب ہم اور کیا چاہیں یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کردی گئی اور ہم اپنے گھر کے لئے غلہ لائیں اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ پائیں یہ دنیا بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں۔ کہا: میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا یہ عہد نہ دے دو کہ ضرور اسے لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم گھیرے میں آ جاؤ پھر جب انہوں نے یعقوب (علیہ السلام) کو عہد دیا اللہ کا ذمہ ہے ان باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں۔“

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رَدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِغِي أَخَانَنَا وَنَزَدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكَ كَيْلُ يَسْمَرٍ ۖ تَعَالَى لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتِيَ بِهٖ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ (سورۃ یوسف 2:13)

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ہماری پونجی بھی واپس کردی گئی ہے امید ہے کہ واپس نہیں لے گا۔ اگرچہ ہمیں جا کر پتہ کرنا ہے کہ واپس کرنے کا سبب کیا ہے؟ لیکن اگر ہم چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لے گئے تو ہمیں غلہ نہیں ملے گا۔ اسلئے ہمارے ساتھ بھائی کو بھیج دو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ تم نے تو پہلے یوسف کی ذمہ داری بھی اٹھائی تھی، توجہ طلب مقام یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کا حال دیکھا ہوا تھا پھر بنیامین کو ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ بڑی عمروں کے ہو چکے تھے نیکی کی طرف مائل ہو چکے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بنیامین سے حسد کینہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ قحط کی وجہ سے غلہ لانے کی حاجت بھی تھی اور یوسف علیہ السلام نے بنیامین کے بغیر غلہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اسلئے آپ نے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی: ﴿لَعَلَّہٗ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلَیْہِ وَضَمَّنَ حِفْظَہٗ وَابْصَالَہٗ اِلَیْہِ﴾ ”کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا تھا کہ آپ ساتھ بھیج دیں میں اس کی حفاظت کروں گا اور آپ تک اسے واپس پہنچا دوں گا۔“

اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ مہربان سے بڑھ کر نگہبان ہے۔“

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِ ﴿۱۶﴾

بعض حضرات نے کہا کہ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

بعض حضرات نے کہا کہ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

”وَقُلْتُ بِكُمْ فِي حِفْظِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَانَ مَا كَانَ فَلَا أَنْ تَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فِي حِفْظِ بَنِيَامِينَ“ ❶ کی حفاظت کرو گے اس میں جو ہوا سو ہوا۔ اب میں تمہاری باتوں کا کوئی اعتبار نہیں کرتا کہ تم بنیامین کی حفاظت کرو گے البتہ میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے کر تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔“ مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو وثوق دلایا گیا تھا کہ میں اس کا محافظ ہوں۔

بیٹوں کو بھیجتے وقت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدابیر:

”اور کہا: اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور جدا جدا دروازوں سے جانا اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا، حکم تو سب اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے حکم دیا تھا اور وہ کچھ انہیں اللہ کی تقدیر سے نہ بچا سکے۔ ہاں! یعقوب کے نفس میں یہ ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِقَةٍ وَمَا اُنْغِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَمِثٍ اَمَرَهُمْ اَبُوهُمْ طَمًا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَكَانَ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ (سورۃ یوسف 2:13)

صاحب علم ہے ہمارے سکھائے سے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظربد سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر کے طور پر انہیں فرمایا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ تمہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ تمام بڑے قد آور بہادر اور خوبصورت تھے اور تعداد بھی خاصی تھی یعنی گیارہ بھائی تھے۔ تمام حقد میں مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت کریمہ سے مراد یہی ہے۔

فائدہ: نظر کے اثرات کا حق ہونا اور ان سے بچاؤ کے لئے دعائیہ کلمات احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو ان الفاظ مبارکہ سے دم فرمایا کرتے تھے:

”أَعِزُّكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَمٍّ لَّامَةٍ“

ان کلمات سے ہی حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام پر بھی دم کیا کرتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صبح حاضر ہوا آپ کو شدید تکلیف تھی پھر پچھلے پہر حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کو آرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے تھے انہوں نے ان الفاظ

طیبہ سے مجھے دم کیا: {بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ وَ مِنْ كُلِّ عَمَلٍ خَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ} تو مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بچے خوبصورت سفید رنگ کے تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان بچوں کو جلدی نظر لگ جاتی ہے اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں انہیں نظر کا دم کر دیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یعنی ٹھیک ہے تم ان کو دم کر دیا کرو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بچے کو بہت تکلیف ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے نظر لگ گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے دم کیوں نہیں کراتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الْعَمُنُ حَقٌّ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يُّسْبِقُ الْقَدْرَ لَسَبَقَتِ الْعَمُنُ“ ”نظر حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاسکتی تو نظر کا اثر سبقت لے جاتا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو وضو کرنے کا حکم فرماتے جس کی نظر لگی ہو پھر وہ پانی جو اس کے اندام سے گرتا اسے اس شخص پر ڈالنے کا حکم دیتے جس کو نظر لگی ہوتی۔ جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کی نظر لگتی ہو تو وہ کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے اچھی لگے تو یہ پڑھے: {تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْغَالِيْعَمَنِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ} نظر کا لگنا یا اس سے بچاؤ کی تدابیر یہ سب ظاہری اسباب ہیں حقیقی موثر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ وجہ یہ تھی کہ بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے علیحدگی میں ملاقات ہو جائے کیونکہ: ”اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَالِمًا بِاَنَّ مَلِكَ مِصْرَ هُوَ وَكَدَّةُ“ ”حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ مصر کا بادشاہ آپ کا بیٹا یوسف صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اظہار کی اجازت نہیں فرمائی تھی۔“

تنبیہ:

”فَاعْلَمْ اَنَّ الْاِنْسَانَ مَأْمُوْرٌ بِاَنَّ يُّرَاعِيَ الْاَسْبَابَ الْمُعْتَبَرَةَ كَافِي“ ”بے شک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس عالم میں

هَذَا الْعَالَمُ وَمَأْمُورٌ أَيْضًا بِأَنْ يُعْتَقَدَ وَيَجْزَمَ بِأَنَّهُ لَا يَصِلُ ظَاهِرِي اسباب کو حاصل کرے لیکن انسان کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ یہی عقیدہ رکھے کہ اسباب بھی اسی وقت موثر ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔“

”وَأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَنْجِي مِنَ الْقَدْرِ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ مَأْمُورٌ بِأَنْ يَتَوَكَّلَ عَلَى الْأَشْيَاءِ الْمُهْلِكَةِ وَالْأَغْذِيَّةِ الضَّارَّةِ وَيَسْطَعِيَ فِي تَحْصِيلِ الْمَنَافِعِ وَدَفْعِ الْمَضَارِّ بِعَدْرِ الْإِمْكَانِ“
”انسان یہ بھی عقیدہ رکھے کہ کسی نقصان دہ چیز سے بچنا اور دور رہنا تقدیر سے نجات نہیں دے سکتا لیکن پھر بھی انسان کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ ہلاک کرنے والی چیزوں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے منافع حاصل کرنے میں جتنا ممکن ہو سکے کوشش کرے اور نقصان دہ اشیاء سے دور ہے۔“

یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جاننے کے باوجود کہ تمام چیزوں میں موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ظاہری اسباب پر عمل کیا۔

”الْحَقُّ أَنَّ الْعَبْدَ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَسْطَعِيَ بِأَقْصَى الْجُهْدِ وَالْقُدْرَةِ وَبَعْدَ ذَلِكَ السَّعْيِ الْيَكْمِ وَالْجِدِّ الْجَهْدِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّ كُلَّ مَا يَدْخُلُ فِي الوجودِ فَلَا بُدَّ وَأَنْ يَكُونَ بِقَضَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَمَشِئَتِهِ وَسَابِقِ حُكْمِهِ وَحُكْمَتِهِ“^①
”حق مذہب یہی ہے کہ انسان منافع و مقاصد کے حاصل کرنے میں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی تدابیر میں بہت زیادہ کوشش کرے جتنی اسے طاقت حاصل ہے اس میں کوتاہی نہ کرے، لیکن اپنی طرف سے بہت بڑی کوشش کرنے کے بعد

یقین یہی رکھے کہ منافع کا حاصل ہونا یا نہ ہونا ضرر انداز چیزوں کا موثر ہونا یا نہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اسکی مشیت پر موقوف ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔“

بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات:

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آدَى إِلَهُ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَمَنَّسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^②
”اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام کے پاس تو یوسف علیہ السلام نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔“
(سورۃ یوسف 2:13)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ تمام بھائی پھر مصر میں آئے ہیں۔ اب اپنے ساتھ بنیامین کو بھی لائے ہیں تو..... { اَكْرَمَهُمْ وَانْزَلَهُمْ وَاحْسَنَ نُّزْلَهُمْ ثُمَّ اصْأَفَهُمْ } ”آپ نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی ان کو شاہی مہمان خانوں میں رہنے کی جگہ کا حکم دیا اور ان کی مہمان نوازی بہت اچھی طرح سے کی۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ سے ملاقات کے دوران بتایا: یہ ہمارا بھائی ہے جسے آپ نے لانے کا حکم دیا تھا ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم نے اچھا کیا ہے اب میرے پاس بھی جو غلہ ہے وہ دینے میں کوئی کسر نہیں ہوگی۔ بھائیوں نے آپ کو اپنے باپ کا پیغام بھی دیا کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو الواداع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ کو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا: {إِنَّا أَبْنَا يُصَلِّي عَلَيْكَ وَيَدْعُوكَ وَيَشْكُرُ صَنِيعَكَ مَعَنَا} ”کہ ہمارے باپ آپ کے لئے دعا کر رہے تھے آپ پر رحمتیں نچھاور کر رہے تھے اور آپ نے جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے وہ اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔“

اور ساتھ ہی اسی مضمون کا ایک خط بھی دیا خط کو پڑھتے ہوئے یوسف علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے لیکن اپنے جذبات کو قابو میں رکھتا کہ بھائیوں پر کچھ بات ظاہر نہ ہو۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ابھی ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا۔ آپ نے اپنے بھائیوں کی دعوت کی۔ غلاموں کو حکم دیا کہ دسترخوان کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ دو دو بھائی ایک ساتھ بیٹھیں۔ اس ترتیب سے بٹھانے پر بنیامین اکیلے رہ گئے رونے لگے اور کہنے لگے کہ کاش! آج میرا یوسف زندہ ہوتا تو مجھے ساتھ بٹھاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا یہ بھائی اکیلا رہ گیا ہے انہوں نے کہا: اس کا (سگا) بھائی ہلاک ہو گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا میں ہی اسے اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں آپ نے بنیامین کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ سونے کے لئے دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ دے دو۔ آرام کے وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ کا یہ بھائی اکیلا ہے اسے میرے پاس ہی چھوڑ دو میں اسے اپنے کمرہ میں سلا لیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اپنے بھائی پر بہت افسوس کرتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: {أَلَا تُحِبُّ أَنْ أَكُونَ أَعْيُنَكَ بِذَلِكَ أَعْيُنَكَ الْهَالِكِ} ”کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہارے فوت شدہ بھائی کے بدلے میں ہی تمہارا بھائی بن جاؤں۔“

بنیامین نے روتے ہوئے کہا: {مَنْ يَجِدُ أَخَا مِثْلِكَ وَلِكِنَّكَ لَمْ يَلِدْكَ يَعْقُوبُ وَلَا رَاحِيلُ} ”تمہارے جیسا بھائی کسے ملے گا؟ یعنی اتنے شفیق اور مہربان ہو وہ شخص کتنا ہی خوش بخت ہو گا جسے تمہارے جیسا بھائی مل جائے“ لیکن تم راحیل اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو نہیں ہو۔“ میں تو اس لئے رو رہا ہوں جو میرے باپ اور میری ماں کا بیٹا تھا۔ آپ علیہ السلام کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام بھی رونے لگے اٹھے اور بھائی کو گلے لگا لیا۔ اب پہچان کرانے کا وقت آچکا تھا اسلئے اپنے بھائی کو بتایا: {إِنِّي أَنَا أَخُوكَ} ”بے شک میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔“ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو اپنے حالات سے مطلع کیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا: {فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} ”نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔“

اصل میں یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ بھائی کے دل میں دوسرے بھائیوں کے خلاف ذہن میں کوئی بات نہ رہے کیونکہ:

”مَا بَقِيَ فِي قَلْبِهِ شَيْءٌ مِّنَ الْعَدَاوَةِ وَصَارَ صَافِيًا مَّعَ“ آپ کے دل میں بھائیوں کے خلاف کوئی عداوت باقی نہیں تھی، آپ علیہ السلام کا دل بھائیوں کے حق میں مکمل صاف ہو چکا تھا۔“

دراصل اب بھائی بھی وہ جوانی کی عمر والے حاسد یا ظالم نہیں تھے بلکہ وہ بھی کافی حد تک نیک ہو چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو شروع سے ہی بھائیوں کے حق میں دعاء کرتے تھے۔ ❶

بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ:

”پھر جب ان کو سامان مہیا کر دیا پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں رکھ دیا پھر ایک ندادینے والے نے ندادی اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو ان کی طرف توجہ کر کے انہوں نے کہا: تمہاری کون سی چیز گم ہوئی ہے بولے: بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو اسے لائے گا اس کے لئے ایک اونٹ بوجھ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں ملے وہی اس کے بدلے غلام بنے ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف علیہ السلام کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کی خورجی سے نکال لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی باوٹا ہی قانون کے مطابق انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔“

(سورۃ یوسف 3:13)

جو پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھا گیا تھا وہ بادشاہ کے یا جانوروں کے پانی پینے میں استعمال ہوتا تھا۔ اور اس غلہ تاپنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اتنا قیمتی تھا جس سے چوری کی حد نافذ ہو سکتی تھی۔ وہ پیالہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے رکھا گیا تھا۔ آپ ہی اس وقت حکمران تھے وہ پیالہ آپ کے زیر تصرف ہی تھا:

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 23..... تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 177-178

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يُبَاشِرِ الْجَعْلَ بِنَفْسِهِ بَلْ أَمَرَ أَحَدًا "بیشک حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ پیالہ خود نہیں رکھا تھا بلکہ
فَجَعَلَهُ" ❶
آپ نے کسی خادم کو حکم دیا تھا جس نے وہ رکھا تھا۔"

آپ کے حکم دینے کی وجہ سے آپ کی طرف منسوب ہوا۔ یہ پیالہ بنیامین کو بتا کر ان کی مرضی سے رکھا گیا تھا اس لئے
کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا بھی کہ والد مکرم پہلے میری جدائی سے پریشان ہیں تو اب تمہاری جدائی سے اور زیادہ
پریشان ہوں گے لیکن وہ پھر بھی وہاں رہنے پر بضد تھے حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بتایا کہ اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو
اس کا ایک ہی حیلہ ہے کہ تمہارے سامان میں پیالہ رکھ کر اس کے بدلے تمہیں یہاں رکھا جائے۔ {فَرَضِيَ بَأْنُ يُقَالَ فِي حَقِّهِ
ذَلِكَ} "تو بنیامین نے رضا مندی کا اظہار کیا کہ میرے متعلق جو بھی کہا جائے مجھے منظور ہے لیکن میں یہاں ہی رہوں
گا۔" ❷ جس طرح ہماری شریعت میں چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اس طرح یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں اس شخص کو مال کے
بدلے غلام رکھا جاتا۔ مصر کے بادشاہی قانون میں چور کو مارا جاتا تھا اور مال کے بدلے دو گنا مال وصول کیا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حیلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق کیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے
کیونکہ رب نے خود فرمایا: {كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ} "یہ حیلہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سکھایا۔" اور جس شخص نے آواز دے کر یہ
کہا تھا کہ اگر کوئی شخص وہ پیالہ ڈھونڈ کر لائے گا تو اسے بطور انعام ایک اونٹ کا بوجھ دیا جائے گا اس نے بھی آپ کے حکم سے ہی
یہ اعلان کیا تھا:

"وَرَبْدَاؤُهُ بِأَمْرِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ" "اس کا یہ آواز دینا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھا۔"

اہل مصر جانتے تھے کہ یہ قانون مصر کا نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کا منشا بھی یہ نہیں تھا کہ بھائیوں کو چوری کے الزام
میں متہم کیا جائے اسلئے آپ نے اپنے خادم کو سب کچھ بتایا ہوا تھا، تمام کام آپ کے حکم سے ہو رہا تھا۔ جب یوسف علیہ السلام کے
بھائی غلہ لے کر نکلے تو پیچھے سے ان کو پکار کر کہا گیا: اے قافلہ والو! {أَتُكْمُ لَسَارِقُونَ} "بے شک تم چور ہو۔" اس کلام کا مطلب
بھی ظاہر پر مبنی نہیں۔

"إِنَّ ذَٰلِكَ الْمُؤَدِّنُ رُبَّمَا ذَكَرَ ذَٰلِكَ الْبِدْءَ عَلَى سَبِيلِ الْإِسْتِفْهَامِ" ❸ "آواز دینے والے نے یہ کلام بطور استفہام کہا؟"

قرآن پاک میں کئی مقام پر ایسا کلام مذکور ہے جہاں صرف استفہام پوشیدہ ہوتا ہے۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا: اے
قافلہ والو! کیا تم چور تو نہیں ہو؟ یہ کوئی الزام نہیں تھا، بلکہ سوال تھا۔ اگر قافلہ والوں پر وہ اپنی طرف سے ہی آکر ان پر الزام عائد

❶ تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 179

❷ روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 24

❸ تفسیر کبیر، علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 179

کرتے تو ان سے پوچھنے کا انہیں کیا اختیار تھا؟ کہ اگر تم چور نکلے تو تمہاری سزا کیا ہے؟ سزا تو ان کو مصری قانون کے مطابق دینی چاہیے تھی۔ بنیامین کے سامان سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کو کھولنا بھی اتفاقاً نہیں تھا بلکہ اراداً تھا علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْمُفْتَشُّ حَلِيقَةُ أَصْحَابِهِ بِأَمْرِهِ بِذَلِكَ قَبْلَ تَفْتِشٍ وَعَاءٍ“ تفتیش کرنے والے درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کے اصحاب یعنی خدام تھے جو آپ کے حکم سے ہی سب کام کر رہے تھے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تفتیش پہلے ہی کی گئی تھی کہ اگر سب سے پہلے بنیامین کا سامان کھولا گیا تو تہمت ہم پر آئے گی اور تمام حیلہ ہی بے کار چلا جائے گا۔“

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے پوچھا گیا کیا تم چور تو نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا:

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٤﴾ (سورۃ یوسف 3:13)

خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔“

آپ کے بھائی قسم اٹھا کر کیوں یہ نہ کہتے جبکہ اب وہ نیک تھے۔ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے والے زمانہ کی طرح نہیں تھے..... وہ بھی حسد کی وجہ سے ہوا ورنہ اس وقت بھی وہ کسی کا مال نہیں کھاتے تھے اور تمام اعمال ان کے اچھے تھے صرف یوسف علیہ السلام کو حسد کی وجہ سے کنوئیں میں پھینکنے والا جرم سرزد ہوا تھا..... اب تو ان کے احوال سے واضح تھا کہ یہ کسی کے مال میں تصرف نہیں کرتے نہ کسی کا مال کھاتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی کھیتیوں میں اپنے جانور چھوڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کا کسی کاشت شدہ کھیتی سے گزر رہتا تو اپنے جانوروں کے منہ باندھ دیتے تھے تاکہ وہ کسی کی کھیتی کو برباد نہ کریں اور ہمیشہ نیکی کے کاموں میں مشغول رہتے جن لوگوں کی یہ صفات ہوں وہ کیسے زمین میں فساد پھیلا سکتے ہیں خاص کر کے دوسرے ملک میں جہاں انہیں اپنی عزت کے پاس کرنے کی زیادہ ضرورت تھی جبکہ وہ یہ بتا بھی چکے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ پہلی دفعہ جب ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ کر واپس لوٹا دی گئی تھی تو وہ اسے واپس لے آئے تھے بھلا چور بھی ایسے کام کر سکتا ہے۔●

پریشانی میں بھائیوں کا کلام:

فَلَوْ اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَبُوهُ مِنْ قَبْلُ مَا سَرَّهَا يُوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّهَا لَهُمْ ؕ قَالَ اَتَعْمُوْا فِرْعٰنًا ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

”بھائی بولے: اگر یہ چوری کرے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے تو یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل

میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی، جی میں کہا: تم بدتر جگہ ہو اور اللہ
خوب جانتا ہے جو باتیں بناتے ہو۔“

(سورة يوسف 3:13)

بھائیوں کو پورے معاملہ کائی علم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی ہیں جو مصر کے بادشاہ ہیں اور بنیامین کو بتا چکے ہیں اور ان کو
اپنے پاس رکھنے کا صرف یہ حیلہ اور بہانہ ہے۔

بنیامین کے سامان سے جب پیالہ لکھا تو نبی کے بیٹوں پر دوسرے ملک میں اس قسم کی بدنامی کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا؟ یہ
محتاج بیان نہیں۔ ہر انسان کی عقل کام کر سکتی ہے کہ ایسے وقت کتنی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ انسان کو زمین و آسمان ایک نظر آتے
ہیں۔ متقی انسان کا صرف تہمت کی زد میں آنا پریشان کن ہوتا ہے چہ جائیکہ دیار غیر میں جہاں لوگ انہیں فرشتہ سیرت سمجھتے ہوں
وہاں ایسی مصیبت آئے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان بہت خوشی میں اور بہت پریشانی میں جو کلام کرتا ہے اس میں اعتدال نہیں ہوتا، صرف نبی کا
یہ مقام ہے کہ اس کا کلام ہر وقت ”اعتدال“ پر رہتا ہے۔ بھائیوں نے یہ سمجھا کہ شاید بنیامین نے واقعی چوری کر لی ہے۔
اس پر پریشان ہو کر اعتدال سے دور کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس نے چوری کر لی ہے تو اس کے بھائی نے بھی ایک مرتبہ
چوری کر لی تھی۔

یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیسے؟ یوسف علیہ السلام کا نانا بت پرست تھا۔ آپ ایک مرتبہ اپنے نانا کا ایک سونے کا بنا ہوا
بت جو لعل و جواہر سے مزین تھا اٹھا لائے اور اسے توڑ دیا۔ نانا کے بت لانے
میں آپ کی والدہ کا مشورہ کارگر تھا کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں۔ آپ کا بت کو چپکے سے لانا اور اسے توڑ دینا عبادت تھا، کوئی چوری
کا کام نہیں تھا، لیکن بظاہر آپ کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا تھا۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کے زیر کفالت تھے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد
میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اتنی محبت انہیں خاندان میں کسی اور سے نہیں تھی۔ حضرت
یعقوب علیہ السلام نے جب ان سے مطالبہ کیا کہ اب یوسف علیہ السلام میرے حوالے کر دو تو انہوں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں
اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی۔ میرے پاس کچھ دن رہنے دو، میں آہستہ آہستہ کوشش کروں گی کہ مجھے اس کے بغیر تسلی
حاصل ہو جائے پھر میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے ایک کمر بند
حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا۔ وہ کمر بند حضرت اسحاق علیہ السلام کا تھا جو آپ کو بڑی بیٹی ہونے
کی وجہ سے بطور وراثت ملا تھا۔ آپ نے فرمایا: میرے باپ کا کمر بند کم ہو گیا ہے ذرا تلاش کرو اکون لے گیا۔ آپ نے کہا گھر

میں ہی تلاش کرو ممکن ہے گھر کے کسی فرد نے ہی نہ لیا ہو۔

دورانِ تفتیش وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مل گیا جو آپ کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا کہ یوسف نے میرے باپ کا کمر بند لے لیا تھا اس لئے اب اسے میرے پاس ہی رہنا ہوگا اس طرح وہ اپنی پوری زندگی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

عین ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام بھی جانتے ہوں کہ میری بڑی بہن نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے کا حیلہ کیا ہے لہذا ان کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس بات کو پردے میں ہی رکھا کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ اسی طرح بھائیوں کے اس کہنے کو کہ ”اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“ ابھی کسی کو نہ بتایا دل میں ہی بات کو رکھا۔ ابھی تک یہ واضح نہ کیا کہ میں یوسف ہوں اور بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا ایک حیلہ کر رہا ہوں۔ تمام باتوں کو آپ نے دل میں ہی رکھ کر بھائیوں کو عزت و تکریم سے بے سامان لوٹانے کا حکم فرمایا۔ ❶

بنیامین کی بازیابی کی درخواست مسترد:

قُلُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدًا مِّنَّا ۚ إِنَّا نَبَأُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ﴿١٤﴾

”انہوں نے کہا: اے عزیز اس کے باپ بہت بوڑھے ہیں تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ لے لو بے شک ہم تمہارے احسان دیکھ رہے ہیں۔ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ ہم تو صرف اسی کو لیں گے جس کے پاس ہمارا سامان ملا۔ (اگر ہم کسی اور کو لیں) تو ہم ظالم ہوں گے۔“ (سورۃ یوسف 13:3)

اگرچہ بھائی پہلے بتا چکے تھے اگر کسی سے پیالہ برآمد ہو جائے تو وہ غلام بن جائے گا، لیکن ان کی شریعت میں معاف کرنا اور فدیہ دینا بھی جائز تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا:

”کہ اس کے باپ بڑی عمر کے اور عظیم مرتبہ کے مالک ہیں اس لئے یہ معاف کرنے کے قابل ہے یا اس کا فدیہ لے لیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا جائے۔ جب ہم فدیہ دے دیں گے تو اپنے پاس رہن رکھے ہوئے بھائی کو چھڑالیں گے یا اسے معاف کر دیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو غلام بنا لیا جائے۔ آپ کا معاف فرمادینا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ ہم آپ کے پہلے بھی احسان دیکھ چکے ہیں کیونکہ آپ نے پہلے ہماری پونجی بھی واپس لوٹا دی غلہ بھی دیا عزت و تکریم سے اپنے پاس بلایا“

روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7، حصہ دوم ص 28 تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 180

مہمان نوازی کی شاہانہ مکانوں میں رہنے کی جگہ دی کتنے ہی احسان آپ کے ہمارے سامنے ہیں۔“

آپ ﷺ نے دو ٹوک الفاظ میں مختصر جواب دیا: ہم تو صرف اسے اپنے پاس رکھیں گے جس سے ہمارا سامان ملا ہے دوسرے کو اپنے پاس رکھ کر ظالم نہیں بن سکتے اور حقیقتاً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا تھا ابھی یعقوب ﷺ کو اور امتحان میں مبتلا کرنا مقصود تھا اسلئے معاف نہیں کیا۔ معاف تو تب کیا جاتا جب کوئی جرم ہوتا جب جرم ہی کوئی نہیں تو معاف کرنے کا مقصد ہی کچھ نہیں تھا۔

”لَعَلَّہُ تَعَالٰی اَمْرَہُ ہَذَا لَکَ تَشْدِیْدًا لِلْبَیْحَةِ عَلٰی یَعْقُوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَنَهَاہُ عَنِ الْعَفْوِ وَالصَّفْحِ وَآخِذِ الْبَدْلِ“ ①
 ”شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ابھی معاف نہیں کرنا اور گزر نہیں کرنا اور کوئی بدلہ نہیں لینا کیونکہ یعقوب ﷺ کو ابھی اور شدید محنت میں مبتلا کرنا ہے۔“

بڑے بھائی کا مصر میں رہنا اور دوسروں کو واپس بھیجنا:

”پھر جب اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کا بڑا بھائی بولا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لے لیا تھا؟ اور اس سے پہلے یوسف ﷺ کے حق میں ہم نے کیسی تفسیر کی؟ تو میں یہاں سے نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ میرے باپ اجازت دیں یا اللہ مجھے حکم فرمائے اور اس کا حکم سب سے بہتر ہے۔ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ پھر عرض کرو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہونے لگے۔“

فَلَمَّا اسْتَايَسُّوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْعِنًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِیْ یُّوسُفَ ۚ فَلَنْ اُبْرِءَ الدَّرَجَیْنَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اٰبِیْٓ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝۱۳ اِرْجِعُوْا اِلٰی اٰبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاٰبَاۤنَا اِنَّ اَبْنٰكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَہِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝۱۴ وَسَنَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَالْعِہْدَ الَّذِیْۤ اٰتٰیْنَا فِیْهَا ۚ وَاَنَا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۵

(سورۃ یوسف 4:13)

تھے جتنی ہمارے علم میں تھی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور اس بستی والوں سے پوچھ دیکھے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور بے شک سچے ہیں۔“

ابتدائی طور پر جب بھائیوں کی اہل یوسف ﷺ نے رد فرمادی تو یہودا غصہ میں آگیا اور یہ جب غصہ میں آتا تھا تو اس کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اگر غصہ کے حال میں یہ چیخ مارتا تو حاملہ عورتوں کے حمل گر جاتے۔ اس وقت تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک حضرت یعقوب ﷺ کی اولاد میں سے ہی کوئی شخص اس کے جسم کو ہاتھ نہ لگاتا۔ اس نے

اپنے دوسرے بھائیوں کو کہا تم بازار کے لوگوں سے مقابلہ کرو انہیں میرے قریب نہ آنے دو میں عزیزِ مصر سے مقابلہ کرتا ہوں
'میں اسے آپ کے قریب نہیں آنے دوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا: کہ جا کر اس کے جسم کو چھو دو جب اس
نے یہودا کے جسم کو ہاتھ لگایا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

جب یہ لوگ بنیامین کو چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے کہ اب
کیا کیا جائے: کیونکہ اپنے والدِ مکرم سے بہت پختہ وعدہ کر کے اور بڑا وثوق دلا کر بنیامین کو لے گئے تھے اور پہلے یوسف علیہ السلام
کے معاملہ میں ان پر تہمت عائد ہو چکی تھی کہ "تم جھوٹے ہو۔" اب بہت پریشان تھے کہ اگر اب اسی طرح واپس جاتے ہیں تو
باپ بہت زیادہ پریشان ہوں گے اور یہ بات بھی مد نظر تھی کہ گھر والے غلے کے لیے محتاج ہیں واپس جانا بھی ضروری ہے اور اگر
سب نہیں جاتے تو باپ خیال کریں گے کہ کہیں سب فوت تو نہیں ہو گئے اور اگر بنیامین کے بغیر سب واپس لوٹتے ہیں تو اپنے
باپ کو کیسے منہ دکھائیں گے؟ آخر کار سب سے بڑے نے کہا: تم چلے جاؤ میں نہیں جاتا یا تو مجھے باپ اجازت دیں تو واپس
جاؤں گا یا اللہ کوئی فیصلہ فرمادے۔ سب سے بڑے سے مراد یا تو "شمعون" ہے کہ سب کا رئیس تھا اور یا مراد "روئیل" ہے کہ یہ
عمر میں سب سے بڑا تھا یا اس سے مراد "یہودا" ہے جو عقل و دانش میں سب سے بڑا تھا۔

زیادہ مشہور یہی ہے کہ یہ "یہودا" ہی تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے سے بھی بچایا تھا اس نے کہا: تم
جا کر باپ کو بتاؤ تمہارے بیٹے نے چوری کر لی ہے یعنی اس کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا ہے آپ بستی سے پوچھ لیں یا
قافلہ والوں سے پوچھ لیں ہم سچے ہیں۔ ہمارے سامنے تو جو بات ہے وہی بیان کر رہے ہیں بستی سے پوچھنے کا مقصد یا تو یہ
ہے کہ لفظ "اہل" محذوف ہے یعنی بستی والوں سے پوچھ لو اور یا مقصد یہ ہو سکتا ہے:

"وَكَسَلْنَا الْقَرْيَةَ وَالْعِمْرَ وَالْجِدَارَ وَالْمِطْطَانَ فَإِنَّمَا يَجِيبُكَ
وَتَذْكُرُ لَكَ صَعَةً مَا ذَكَرْنَاكَ لَكَ مِنْ أَكْبَارِ أَنْبَاءِ اللَّهِ فَلَا
يُعَدُّ أَنْ يَنْطِقَ اللَّهُ هَلِ الْجَمَادَاتُ مُعْجَزَةٌ حَتَّى تُنْبِرَ
بِصَعَةٍ مَا ذَكَرْنَاكَ" ①

آپ (علیہ السلام) جانوروں دیواروں وغیرہ سے پوچھئے یقیناً وہ
آپ کو جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں
بے شک آپ تو اکابرِ انبیائے کرام سے ہیں جمادات کو اللہ
آپ سے کلام کرنے کی توفیق عطا فرمادے کوئی بعید نہیں اور
آپ کا یہ معجزہ ہوگا یقیناً یہ جمادات بھی ہمارے سچے ہونے کے متعلق آپ کو بتائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ بَلٍّ سَأَلْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمَّا نَفْسُ جَوْنِلَ عَسَى اللَّهُ
① (یعقوب علیہ السلام نے) کہا: تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ

اَنْ يَّاتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٣﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزَنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٤﴾

بتا دیا پس صبر اچھا ہے قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملائے بے شک وہی علم و حکمت والا ہے اور (آپ نے) ان سے منہ پھیرا اور کہا: ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں اور وہ غصہ کھاتے رہے۔“

(سورہ یوسف 4:13)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے کلام کو رد کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ حیلہ بنا رہے ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے مصر کا بادشاہ میرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس غلام بنالے؟ جبکہ اس کے قانون میں یہ ہے ہی نہیں کہ کسی کو چوری کے الزام میں غلام بنایا جائے۔ آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر غم کھا رہے ہیں حالانکہ تازہ غم بنیامین کا ہے۔

اس کی ایک وجہ پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرما دیا تھا کہ مصر کا عزیز یوسف علیہ السلام ہے، لیکن ابھی ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔

دوسری وجہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی: کہ اصل مصیبت و غم یوسف علیہ السلام کا ہی تھا، باقی غم اس کے اوپر مرتب ہو رہے تھے، مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم ہی کافی تھا ابھی تو وہی تازہ ہے یہ اور غم اس پر مرتب ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ بنیامین اور یہودا کے متعلق ظاہر طور پر معلوم تھا کہ وہ زندہ و سلامت مصر میں ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر کے بادشاہ ہونے کو ظاہر نہیں کرنا تھا لیکن معلوم تھا اسلئے کہا: یوسف پر افسوس ہے، خود بھی جدا ہے اور ”بنیامین“ اور ”یہودا“ کو بھی جدا کرنے کا سبب بن گیا۔ آپ علیہ السلام اسی غم میں بالکل خاموش رہنے لگے، جس طرح غصہ سے بھرا ہوا شخص اپنے منہ پر خاموشی کی مہر لگا لیتا ہے کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔

یعقوب علیہ السلام کے رونے کی عجیب حکمت:

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل المرتبت پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اتنا دارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو کر آنکھیں سفید کر دینا، آپ کے شایان شان معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”وَاخْتَارَ بَعْضُ الْعَارِفِينَ اَنَّ ذَالِكَ الْاَسْفَ وَالْبَكَاءَ لِمَسَا اِلَّا يُوْسُفَ كُوْاْپَ كَے لَئِے جِہَالِ الْہِی كَا اَمَیْنِہ بِنَا دِیَا گِیَا تَہَا۔ وَہ اِس طَلَعَتْ زَیْبَا كَے اَمَیْنِہ مِیْنِ تَجَلِیَا تِ الْہِیہ كَا مَشَاہِدَہ فَرَمَا یَا كَرْتِے وَجْہِ یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ“

تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، تو انوار خداوندی کی لذت و دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے۔“

اس کے بعد علامہ آلوسی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”وَلَعُمْرِي إِنَّهُ لَوْ كَانَ شَاهِدًا تَجَلَّيْتَهُ تَعَالَى فِي أَوَّلِ التَّعْيِينَاتِ“
 ”یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ
 تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فرمودات محمد رسول اللہ
 ﷺ کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انہیں حسن یوسف یاد ہی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا۔“

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا اور بڑے اور
 عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن انوار الہیہ کی جلوہ گاہ تھا۔ اس کے بعد مجدد الف ثانی
 کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں حضرت مجدد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”وَلَعَلِّعِلْمُ حُسْنٍ وَجَمَالٍ لَا كَمِثْلِهِ لَهْ فَلَا جَلَّ كَمَالٍ لَطَائِفِهِ
 وَعُلُوُّ دَرَجَتِهِ تَجَلَّى فِي (سَيِّدِنَا) مُحَمَّدٍ ﷺ مِنَ الْحُسْنِ
 وَالْجَمَالِ مَا لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَسَيُظْهِرُ حُسْنَهُ وَجَمَالَهُ ﷺ
 فِي الْآخِرَةِ فَيُؤَسِّفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنْ سَلِمَ لَهُ فِي الدُّنْيَا فَلَنَلْقَى
 الْحُسْنَ لَيْكُنْ فِي الْآخِرَةِ الْحُسْنُ حُسْنُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَالْجَمَالُ
 جَمَالُهُ ﷺ۔“

”خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس مربی اور مبداء تعین اللہ
 تعالیٰ کی صفت علم ہے جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر
 ہے اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبت ہوتا ہے کہ
 اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اسی لئے حضور نبی رحمت ﷺ کے
 کمال حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور کا
 حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہوگا۔ اس دن دنیا کو پتہ چلے
 گا کہ حسن ”حسن محمدی“ ہی ہے اور جمال ”جمال احمدی“ ہی ہے۔“

اس کے بعد حضرت مجدد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”كَانَ حُسْنُ يُوسُفَ بِحَبِّهِ أَحَبُّ يَعْقُوبَ وَالْخَلَائِقِ وَكَانَ
 حُسْنُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِحَبِّهِ أَحَبُّ رَبِّ يَعْقُوبَ وَالْخَلَائِقِ جَلَّ
 جَلَالُهُ۔“

”کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف حضرت یعقوب علیہ السلام
 اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے حسن
 و جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا ہے۔“

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے تصوف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر
 ہے۔ میں نے عام فہم انداز میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدعا اور خلاصہ پیش کیا ہے تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ ❶

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا:

”كَلُوا تَكَلُّوا تَفْتَوُوا تَذْكُرُوا يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ“
 ”کہا: اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف علیہ السلام کی یاد کرتے ہیں

تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الادہری رحمہ اللہ ج 2، ص 451

مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿١٣﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَلَا تَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾

یہاں تک کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔ آپ (علیہ السلام) نے کہا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اس اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

(سورۃ یوسف 4:13)

بیٹوں نے آپ سے کہا: یوسف علیہ السلام کی یاد میں اتنا غم کرتے ہیں اور روتے ہیں آپ تو اس سے مریض ہو جائیں گے یا اسی غم میں فوت ہو جائیں گے۔ پہلے ہی آپ اتنی مشقت اور پریشانی میں مبتلا ہیں ہمیں ڈر ہے کہ آپ کی تکلیف بڑھ جائے گی اسلئے آپ بہت غم نہ کریں اور نہ روئیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کا ذکر تمہارے سامنے تو نہیں کر رہا میں نے تو جس سے ذکر کرنا ہے اس سے کر رہا ہوں یعنی میری فریاد اللہ تعالیٰ سے ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ محققین کے زمرہ میں آتا ہے۔ حضور مکی علیہ السلام کے حضور عرض کرتے:

”اَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَاَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ غَضَبِكَ“ اے اللہ! تیری رضا کی پناہ تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ تیرے غضب سے اور تیری ہی پناہ تجھ سے۔“

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسانات کو جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

”وَهُوَ أَنَّهُ تَعَالَى يَأْتِي بِالْفَرَجِ مِنْ حَمْتٍ لَا أَحْتَسِبُ لَهُوَ إِشَارَةً“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی خوشی عطا فرمائی ہے اسی نے غموں کو دور کرنا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔“

اس سے واضح اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ملنے کی بڑی قوی امید ہے۔ رب نے جو علم مجھے دیا ہے وہ

تمہیں نہیں دیا۔ ①

یوسف اور بنیامین کی تلاش کے لئے بیٹوں کا بھیجنا:

يَبْنَىٰ اُنْهَبُوا فَتَحَسُّوْا مِنْ يُّوسُفَ وَاَخِيهِ وَلَا تَاْيَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَاْيُنْسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ﴿١٥﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يَا يٰٓهَ الْعَزِيْزُ مَسْنَا وَاَهْلُنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَمْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿١٦﴾

”اے بیٹو! جاؤ یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے سوائے کافروں کے پھر جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے بولے: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں تو

(سورۃ یوسف 4:13)

آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔“

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو تو اس کے بعد بیٹوں سے فرمایا: جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو تیسرے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ ”یہودا“ بھی رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ اس کا وہاں رہنا اختیاری تھا۔ اس کے واپس لانے میں کوئی مشکل نہیں تھی لیکن یوسف علیہ السلام کا وہاں رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اس میں رب کی مرضی کا انتظار تھا۔ اس سے پہلے آج تک یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنے کے متعلق باپ نے بیٹوں کو نہیں کہا آج کیوں کہا؟ بنیامین کے متعلق معلوم ہے کہ وہ عزیز مصر کے پاس چوری کے الزام میں غلام ہونے کی حیثیت سے پابند ہے، پھر یہ کہنے کا مطلب کیا ہے؟ کہ یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو ان کا سراغ لگاؤ۔ بس آپ کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ بنیامین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا پتہ بھی چل جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“ اس سے بھی واضح ہو رہا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وقت آچکا تھا اب یوسف علیہ السلام کی ملاقات سے راحت ہوگی۔

خیال رہے ”روح“ کا اصل معنی ہے ایسی راحت جو سانس لینے سے ہوتی ہے یا صبح کی ہوا سے جو سکون حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں ہر قسم کی راحت و رحمت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید انسان اس وقت ہوتا ہے جب اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کمال پر قادر نہیں یا وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم نہیں یا وہ یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کریم نہیں بلکہ بخیل ہے۔ یہ تمام وجوہ کافروں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ بھائیوں نے کہا: ہم بے قدر یعنی تھوڑی مقدار میں اور جو زیادہ کھری بھی نہیں پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہماری پونجی کو نہ دیکھیں بلکہ اپنی مہربانی کو دیکھیں ہمیں پورا پورا ناپ کر غلہ دیں کیونکہ ہمارا خاندان بہت ”مصبیت“ میں ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی زبانی گھر کے حالات سنے تو آپ پر رقت طاری ہو گئی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

خیال رہے یہاں بھائیوں نے جو یہ کہا {وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا} کا مطلب صدقہ کا مطالبہ نہیں کیونکہ جمیع انبیائے کرام اور ان کی اولاد پر صدقہ حرام تھا۔ ان کی نظر مخلوق کی طرف نہ اٹھے اور ان سے کم تر نظر نہ آئیں اسلئے یہاں اس کا معنی ہے ”ہم پر بھلائی کرو۔“ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب تو وہ غلہ لینے نہیں گئے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو تلاش کرنے گئے تھے۔ لہذا ان کا یہ کہنا کہ {وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا} ہم پر مہربانی کرو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دو۔ البتہ پہلے انہوں نے بات غلہ سے چھیڑی تا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ اس کے احسانوں کو ہم فراموش نہیں کر سکے باوجودیکہ ہمارے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے لیکن پھر بھی ہمارے باپ نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ❶

یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿١٨﴾ ”یوسف (علیہ السلام) نے کہا: کہ کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کا بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم نادان تھے، انہوں نے اللہ عَلِيمًا اِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩﴾ (سورۃ یوسف: 13:4)

ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

”يَجُوزُ أَنْ يَعْلَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِطَرِيقِ الْوَحْيِ وَالْإِلْهَامِ عَلَى وَصِيَّةِ أَبِيهِ وَارْسَالَهُ إِلَيْهِمْ لِلتَّجَسُّسِ مِنْهُ وَمِنْ أَخِيهِ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَدْ اسْتَعْلَوْا عَنْ ذَلِكَ قَالَ مَا قَالَ“

”جب بھائیوں نے آکر غلہ کا مطالبہ کیا اور اشارہ سے کہا ہم پر رحم کریں مقصد کچھ یہ بھی تھا کہ بنیامین کو چھوڑ دو لیکن ظاہر طور پر نہیں کہہ رہے تھے۔ تو اللہ نے یوسف علیہ السلام کو وحی یا الہام کے ذریعے مطلع کر دیا کہ ان کو ان کے باپ نے اس لئے بھیجا ہے کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو تو آپ نے جب دیکھا کہ یہ ماجرا کو ظاہر نہیں کر رہے تو آپ نے خود ہی کلام کا آغاز کر دیا۔“

آپ علیہ السلام نے خود بھائیوں سے کہا: وہ خط جو تمہیں باپ نے میرے لئے دیا ہے وہ مجھے دے دو۔ انہوں نے جب خط دیا جس میں تحریر تھا کہ:

”ہمارا خاندان شروع سے ہی مصائب و آلام کی آزمائشوں سے گزر رہا ہے۔ میں اس دادا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پوتا ہوں جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی۔ میرا ایک پیارا بیٹا یوسف تھا جسے اس کے بھائی ساتھ لے گئے لیکن واپس آ کر اس کی خون آلودہ قمیص پیش کر دی کہ اسے بھیڑیا کہا گیا ہے۔ رو رو کر میری آنکھوں کی پینائی ضائع ہو گئی۔ پھر اس کے دوسرے بھائی بنیامین کو غلہ لینے کے لئے یہ ساتھ لے گئے۔ چوری کے الزام میں تم نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ ہمارے خاندان کا شیوہ چوری کرنا نہیں اور نہ ہی ہمارا خاندان چوری کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم میرے بیٹے کو واپس کر دو ورنہ میں تمہارے خلاف رب کے حضور دعا کروں گا۔“

یہ خط پڑھتے ہی یوسف علیہ السلام پر زیادہ رقت طاری ہو گئی۔ ﴿٢٠﴾

جب یوسف علیہ السلام کو بھائی کنوئیں میں پھینک رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں القاء کیا

تفسیر کبیر ج 18 ص 202..... روح المعانی ج 7 ص 48 تفسیر ابی السعود حوالہ مذکور

تفسیر ابی السعود ج 4 ص 303

تھا: {لَتُبَيِّنَنَّاهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا} ”تم ضرور پر ضرور ان کو ان معاملات کی خبر دو گے۔“ اس وقت تو یوسف علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیسے اور کس وقت اور کس حال میں بھائیوں کو بتاؤں گا؟ کہ تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آپ بچپن کی وجہ سے عاجز و ناتواں تھے اور بھائی بڑے قد آور جسیم اور طاقتور تھے، لیکن آج یوسف علیہ السلام شاہی تخت پر جلوہ گر تھے اور آپ کے بھائی بڑے ادب و احترام سے آپ سے غلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یوں کہیں کہ کل کے طاقت ور آج سراپائے عجز بن کر بیٹھے ہیں اور کل کا عاجز و ناتواں آج شاہی تخت کا مالک، عظیم طاقتور ہے۔

یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر اپنے باپ کی پریشان حالی اور رقت آمیز خط و کھینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ ”ایک دن تم نے اپنے بھائیوں کو ان کے کارناموں کے خبر دینی ہے“ آج یوسف علیہ السلام ان الفاظ میں بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کلام شروع فرما رہے ہیں:

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جب تم جاہل تھے“ کلام کی ابتداء ہی ایسے انداز سے کی کہ بھائیوں کو جب پتہ چلے کہ میں یوسف علیہ السلام ہوں تو وہ ڈریں نہیں لہذا کہا: ”یہ سب کچھ تم نے نادانی اور جہالت کی وجہ سے کیا تھا“ اور نبی کبھی ان لوگوں کی کاروائیوں کا انتقام نہیں لیا کرتا جو انہوں نے بے علمی کی وجہ سے کی ہوں۔

جب آپ علیہ السلام نے بھائیوں سے پوچھا تو انہوں نے آپ کے انداز کلام سے یا آپ کے مسکرانے کی وجہ سے دانتوں کی چمک سے پہچانتے ہوئے پوچھا: کیا آپ یوسف تو نہیں؟ آپ نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، یعنی میری ماں کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، یعنی امتحان لینے کے بعد ہمیں یہ منصب عطا کیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ ساتھ ساتھ بھائیوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اور صبر کرنے والے نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اشارہ تھا کہ اگر تم نے بھی تقویٰ حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ کا کرم تم پر ہو جائے گا۔ ❶

بھائیوں کی معذرت اور آپ کا معاف کرنا:

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ افْرَكْنَا عَنْكَ عَلَمًا وَّان كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝۱۱ قَالَ لَا تَقْرَبْ عَلَمَكُمْ الْيَوْمَ ۚ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ فَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝۱۲

”یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے کہا اور بے شک اللہ نے ہم پر آپ کو فضیلت دی اور بے شک ہم خطا دار تھے۔ آپ علیہ السلام نے کہا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ

(سورۃ یوسف 4:13)

سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔“

جونہی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر کیا کہ ”میں یوسف ہوں اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور جو شخص بھی گناہوں سے بچتا ہے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا“ تو یہ سن کر آپ کے بھائیوں نے آپ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

”لَقَدْ اَثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَالْمَعْنٰى لَقَدْ فَضَّلَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بِالْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْفَضْلِ وَالْحُسْنِ وَالْمَلِكِ“
اور بادشاہت میں فضیلت عطا کی۔“

اور بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا {وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِيْئِيْنَ} اور بے شک ہم خطاوار تھے۔ اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے آپ کو جو کنوئیں میں ڈالا آپ کو بیچا گھر سے نکالا اور آپ کو والد سے دور کیا یہ سب ہماری خطائیں ہیں۔ بھائیوں کی معذرت پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِینَ ۝
یعنی یہ اعلان آج سے میں ہمیشہ کے لئے کر رہا ہوں کبھی بھی تمہیں ماضی کے واقعات پر عار نہیں دلائی جائے گی (اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔“
(سورۃ یوسف 4:13)

بھائیوں کیلئے دعا کر کے ان کے دل کو مزید تسلی دی کہ میں نے تو مکمل دل سے معاف کر دیا ہے اور دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی جب بہت زیادہ نادام ہو رہے تھے اور عرض کر رہے تھے کہ تم تو ہمیں صبح و شام اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے رہے لیکن ہم نے آپ سے جو کارگزاریاں کیں ہمیں تو ان سے بہت بڑی ندامت ہو رہی ہے تو آپ نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: میرے بھائیو! تم نادام کیوں ہوتے ہو؟ مجھے تو تمہارے آنے سے بہت بڑی خوشی ہوئی ہے: کیونکہ میں مصر کا حکمران بھی بن گیا ہوں اور مصری لوگ میرے غلام بن کر آزاد ہوئے، لیکن پھر بھی ان کے ذہنوں میں یہ بات ضرور ہوگی کہ ہم درہم کا خریدا ہوا غلام مصر کا حاکم بن گیا ہے لیکن آج ان کے سامنے یہ واضح ہو چکا ہے کہ تم میرے بھائی ہو، میں ابراہیم علیہ السلام کا پڑپوتا ہوں کوئی غلام نہیں تھا۔ تقدیر اور رب کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے غلامیت سے متصف ہوا۔ آج تمہارے آنے اور میرے ظاہر کرنے سے سب لوگوں کی نظر میں مجھے عظمت ملی ہے میری شرافت اور خاندان نبوت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میرا بول بالا ہوا۔ ❶

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان قریش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا جنہوں نے صحابہ کرام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے تھے بلکہ خود نبی کریم ﷺ کو ایذا و رسانیوں میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ {مَا تَرَوْنِي فَاعْلَابِكُمْ} تمہارا میرے تعلق کیا خیال ہے؟ کہ میں آج تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟ تو سب قریش نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: {نَظُنُّ خَيْرًا أَخَ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ} ”ہم آپ کے متعلق بھلائی کا گمان کرتے ہیں کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں“ یعنی ہمارے خاندان میں آپ کی رحمت اور آپ کا کرم مشہور و معروف ہے آپ تو موروثی طور پر ہی کریم چلے آ رہے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ کبھی بھی ہم سے انتقام نہیں لیں گے۔ ”قریش“ کی یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: آج میں تمہارے لئے وہی اعلان کر رہا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے کیا تھا: {لَا تَغْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ} ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔“

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) ایمان لانے کی غرض سے آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا تو یہ تلاوت کرنا: {لَا تَغْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ} تو انہوں نے ایسا ہی کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: {غَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَلِمَنْ عَمَلَتْكَ} اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اس کی بھی جس نے تمہیں سکھایا۔ ❶

مصر سے قیص کی روانگی اور یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آنا:

لَقَبُوا بِقَبُوسٍ هَذَا فَالْقَوَّةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بِصِدْرٍ وَكَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفْقِدُونَهُ ﴿٦﴾ (سورۃ یوسف 5:13)

یہ میری قیص لے جاؤ! اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو! ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھردالوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بے شک میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سیدھی سوچ سے ہٹ گیا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا؟ کہ قیص کو آنکھوں پر ڈالنے سے باپ کی بینائی واپس آ جائے گی؟

”يُوحَىٰ مِنَ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَكَوْلَا الْوَحْيُ لَمَّا عَرَفَ ذَلِكَ“

”آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے معلوم ہوا اگر وحی نہ ہوتی تو آپ کو اس کا پتہ نہ چلتا کیونکہ عقل میں آنی والی بات ہی نہیں۔“

وہ قیص کون سی تھی؟

یہ عام قیص تھی جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی یا کہ وہ قیص تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پہنائی گئی تھی اور

جنت سے لائی گئی تھی بعد میں وہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت آپ کے گلے میں بطور تعویذ ڈالی تھی۔ اب جبرائیل امین علیہ السلام نے آکر آپ کو فرمایا: کہ یہ قیص اپنے والد کی طرف بھیج دوتا کہ انہیں اس سے ذریعے نظر واپس مل جائے۔ ❶

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا: کہ تم گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ! اس وقت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے افراد جن میں مرد عورتیں بچے یعنی آپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد وغیرہ بہتر (۷۲) سے چھپانوے (۹۶) تک تھے۔ (مختلف اقوال ملتے ہیں) یہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ جب یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تو صرف جوان مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی بوڑھے مرد عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ ❷

جب مصر سے قیص کو یعقوب علیہ السلام کے گھر لانے کے لئے نکالا گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اس کی خوشبو سونگھ لی۔ آپ نے بیٹوں کے بغیر دوسرے اہل خانہ کو کہا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم میری رائے کو ضعیف نہ سمجھو۔
”وَلَمْ يَكُنْ هَذَا الْقَوْلُ مَعَ اَوْلَادِهِمْ كَانُوا غَائِبِينَ“ ❸
تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 207 مطبوعہ بیروت وہ موجود نہ تھے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنی دور سے خوشبو کیسے سونگھ لیا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اور خصوصاً جب آپ کو قیص سے اٹھنے والی جنت کی خوشبو آئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خوشبو اس جنتی قیص کے بغیر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ ❹

تو اہل خانہ نے کہا:
”انہوں نے کہا: خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رنگی میں ہیں پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ قیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں بھر آئیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: کیا میں نہیں کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔“
(سورۃ یوسف 5:13)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حاضرین نے جو یہ کہا تھا: { اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ } کا معنی یہ ہے:

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 53

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 53

❶ تفسیر ابی السعد علامہ محمد العمدی رحمہ اللہ ج 4 ص 305

❷ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 207

”اِنَّكَ لَنَفِيْ حُبِّكَ الْقَدِيْمِ لَا تَنْسَاهُ وَلَا تَذْهَلُ عَنْهُ“
”تم تو ابھی یوسف کی پرانی محبت میں ہی وارفتہ ہو، آپ ان کو کبھی بھول نہیں سکتے اور نہ ہی آپ کے دل سے وہ نکل سکتے ہیں“ (حالانکہ وہ کب کے مر چکے ہیں)۔“

قیص لانے والا اور خوشخبری دینے والا آپ کا بیٹا ”یہودا“ تھا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”یہودا“ نے اپنے بھائیوں کو کہا:

”قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَذْهَبْتُ اِلَى اَبِيْ بَقِيْمِصِ التَّرِيْحَةِ فَدَعُوْنِيْ“
”تمہیں معلوم ہے کہ بے شک میں ہی اپنے باپ کے پاس غم اَذْهَبُ اِلَى بَقِيْمِصِ التَّرِيْحَةِ فَتَرْكُوْهُ“^①
دلانے والی قیص لے کر گیا تھا (یعنی آپ کو کنوئیں میں ڈال کر خون آلود قیص میں نے ہی پیش کی تھی) اس لئے اب تم مجھے اجازت دو کہ خوش کرنے والی قیص بھی میں ہی لے کر جاؤں سب بھائیوں نے ان کو اجازت دی۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس قیص لانے والے نے آپ کی آنکھوں پر قیص کو ڈال دیا یا آپ علیہ السلام کو قیص دے دی گئی اور آپ نے خود ہی قیص کو اپنی آنکھوں پر لگایا:

”قَدْ جَرَبْتُ الْعَاقَةَ اَنَّهُ مَتَى وَجَدَ الْاِنْسَانُ شَيْئًا يُّعْتَقِدُ فِيْهِ الْهَرَكَةَ مَسَّ بِهِ وَجْهَهُ“^②
”انسانی فطرت کی یہ عادت جاری ہے کہ جب کسی چیز میں اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس میں برکت پائی جاتی ہے تو وہ اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے۔“

قیص کو آنکھوں کو لگانے سے بینائی واپس اپنی اصلی حالت پر آگئی، آپ نے خوشخبری لانے والے شخص سے پوچھا تم نے یوسف علیہ السلام کو کیسے حال میں چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”مَا اَصْنَعُ بِالْمُلْكِ؟ عَلَى اَيِّ دِيْنٍ تَرُسُّكُمُ؟“ قَالَ عَلٰى الْاِسْلَامِ قَالَ اَلَا نَتَمَتِ الْبَيْعَةُ“^③
”مجھے بادشاہت سے کیا غرض؟ یہ بتاؤ تم نے اسے کس دین پر چھوڑا؟ تو اس نے کہا: اسلام پر تو آپ نے فرمایا: کہ اب نعمت کی تکمیل ہوئی کہ خوشخبری کامل حاصل ہوگئی۔“

آپ نے تمام اہل خانہ کو اور آنے والے تمام بیٹوں کو کہا:

”اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ جِئْنَا اِلَيْكُمْ مِنْ مِّصْرَ وَاَمْرُكُمْ بِالْاَتْحَاسِ وَلَهَمْتُكُمْ عَنِ الْاَيَّامِ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مِنْ حِكَايَةِ يُّوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ“^④
”جب میں نے تمہیں مصر بھیجا تھا اور تمہیں حکم دیا کہ یوسف کو تلاش کرو اور میں نے تمہیں اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے سے منع کیا تھا تو میں نے اس وقت تمہیں کیا نہ کہا تھا کہ اللہ

① روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 54
② روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 55
③ روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 54
④ روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 7 حصہ دوم ص 54

تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی مجھے یہ معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے۔“

یہ بھی خیال کریں کہ بنیامین کے متعلق معلوم تھا کہ وہ مصر میں ہے تو پھر یہ کہا: کہ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اس میں بہت واضح اشارہ تھا کہ دونوں ایک جگہ ہی ہیں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا آپ سے معافی طلب کرنا:

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا غَاطِينَ ﴿٥٠﴾ قَالَ سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥١﴾

علیہ السلام نے کہا: جلدی میں تمہاری بخشش اپنے رب سے چاہوں

گا، بے شک وہی بخشنے والا ہے۔“

(سورہ یوسف 5:13)

بیٹوں نے ”اے ہمارے باپ“ کہہ کر آپ علیہ السلام سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کی درخواست کی کہ آپ ہمارے باپ ہیں، شفیق ہیں، ہم خطاوار ہیں۔ آپ درگزر کرتے ہوئے ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ہماری غلطیوں کی معافی طلب کریں۔ اگر آپ نے ہمارے لئے دعا نہ کی تو ہم اپنی غلطیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ اگر رحم نہیں کریں گے تو ہم پر اور کون رحم کرے گا؟ آپ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ میں جلدی ہی تمہاری بخشش اپنے رب سے طلب کروں گا اور ہمیشہ طلب کرتا رہوں گا اسی وقت بخشش طلب نہیں فرمائی کہ آپ سحر کے وقت کے منتظر تھے کہ اس وقت دعا جلدی قبول ہوتی ہے یا اس کی وجہ یہ تھی: {إِنَّهُ أَخَّرَ إِلَىٰ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ} ”بے شک آپ نے جمعہ کی رات تک مؤخر کیا تھا کہ وہ وقت زیادہ قبولیت کا ہوتا ہے۔“

اس سے ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو جمعرات کی شام یعنی جمعہ کی رات اپنے فوت شدہ حضرات کے لئے دعا مغفرت کرنے والوں کو ”بدعت کا مرتکب“ قرار دیتے ہیں۔ کاش! ان جہلاء کو یہ پتہ چل جاتا کہ جمعہ کی رات دعاء کی قبولیت کا زیادہ یقین ہونا پہلے انبیائے کرام سے آ رہا ہے۔ ❶

یعقوب علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی مصر میں آمد:

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ أَدَّىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُمَا وَكَانَ ادْخُلُوا مِصْرَ ۖ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ آمِينَ ﴿٥٢﴾ وَدَفَعَ أَبُوهُمَا عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ

”پھر جب وہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: مصر میں داخل ہو اللہ

وَقَالَ يَأْتِي هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾

(سورة يوسف 5:13)

آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی۔ بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو ان کے اہل واولاد کے بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا، مشہور قول کے مطابق بہتر یا تہتر مرد اور عورتوں کی تعداد تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر آپ اپنے والد مکرم کے استقبال کے لئے صد ہاریشی پھریرے اڑاتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے ”یہودا“ کا سہارا لئے تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ بڑے زرق برق سواروں سے صحرا پر ہو رہا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے یہودا! کیا یہ فرعون مصر ہے (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون تھا) جس کا لشکر اس شان و شوکت سے آ رہا ہے؟ عرض کیا: نہیں! یہ تو آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام آپ کے استقبال کے لئے آ رہے ہیں۔

خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام اس وقت ”عزیر مصر“ یعنی وزیر اعظم تھے۔ مفسرین کرام نے آپ کے لئے لفظ ”ملک“ استعمال کیا ہے جس کا معنی بادشاہ ہے لیکن فرق اس طرح کر لیا جائے آپ بادشاہ تھے اور ”ولید بن ریان“ بادشاہ اعظم تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو متوجہ دیکھ کر عرض کیا: ہوا کی طرف نظر فرمائیے! آپ کے سرور میں شوکت کے لئے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں جو مدتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح سے اور گھوڑوں کے مہمانے سے عجیب کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی جب دونوں حضرات ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: آپ توقف کیجئے! والد مکرم کو پہلے سلام کرنے کا موقع دیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: {السلام عليك يا مذهب الآخزان} ”اے غم واندوہ کے دور کرنے والے! تم پر سلام۔“ یعقوب علیہ السلام کے پہلے سلام کرنے میں حکمت یہ تھی کہ واضح ہو جائے: {إِنَّ يَعْقُوبَ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى

مِنْهُ } کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور بنسبت حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ مکرم ہیں۔ ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو خوشی کا یہ عالم تھا ”فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ“ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گلے سے لگایا اور ان کا بوسہ

لیا۔ ❶

”معانقہ“ خوشی کے موقع پر گلے لگا کر ملنا اور اپنے عزیز کا بوسہ لینا سنتِ انبیاء ہے عید کے موقع پر گلے لگا کر ملنے کو فائدہ: ”بدعت و گمراہی“ سے تعبیر کرنے والے دین سے بے خبر ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ضوابط بیان ہیں جب کسی ایک موقع پر خوشی کی حالت میں معانقہ جائز ہونا ثابت ہو جائے تو تمام خوشی کے مواقع جواز خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

حضرت اُسید بن خُصیر سے مروی ہے کہ ایک شخص انصار سے تھے جو لوگوں سے کلام کر رہے تھے۔ وہ مزاح کرتے تھے اور لوگوں ہنسارہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک چھڑی سے ان کے پہلو پر ضرب لگائی (یعنی آپ ﷺ نے بھی از روئے مزاح ہی انہیں چھڑی ماری) انہوں نے عرض کیا آپ مجھے قصاص لینے کے قدرت دیں تاکہ میں آپ سے قصاص لے سکوں۔ حضور ﷺ نے اجازت فرمادی تو انہوں نے عرض کیا آپ کے جسم پر قیص ہے اور میرے جسم پر قیص نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے قیص کو اٹھا دیا:

”فَاَحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشَحَّةٍ فَقَالَ اِنَّمَا لَرَدْتُ هَذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ“ ❷

لایا اور آپ کے پہلو کو چومنے لگے اور عرض کرنے لگے میرا مقصد یہی تھا یا رسول اللہ ﷺ۔

انصاری صحابی نے نبی کریم ﷺ کے مزاح سے مارنے پر خوش ہو کر آپ کو گلے لگایا بغلوں میں لایا اور آپ کے پہلو کو چوما۔ آپ ﷺ نے صحابی کو منع نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے ناجائز کیا ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو آپ ضرور صحابی کو منع فرماتے۔ آپ کے منع نہ کرنے سے خود بخود جواز ثابت ہو گیا۔

”عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَلْفَضُ جَعْفَرِ بْنِ اَبِي طَالِبٍ“ ❸

حضرت شعبی سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ جعفر بن ابی طالب کو بٹے تو انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نے خوشی سے انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا حضور ﷺ کا فعل امت کے حق میں استحباب سے خالی نہیں۔

❶ تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 210..... روح المعانی ج 7 ص 57 تفسیر خزان العرفان مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ
❷ ابوداؤد مکتوٰۃ باب المعانقہ ص 402
❸ ابوداؤد مکتوٰۃ باب المعانقہ ص 402

خیال رہے کہ دوسری حدیث میں راوی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ خود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: {مَا أَدْرِي أَنَا بَفَتْحِ خَبِيرٍ أَفَرَمٌ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ} ”مجھے یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیر کے فتح ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش تھے یا جعفر کے آنے کی وجہ سے؟“ اس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ لَا سِتْعَلَالٍ كَوْنِهِ سَبَبًا لِلْفَرَحِ لَا يَجْتَمِعُ مَعَ“ ”ہر ایک مستقل طور پر خوشی کا سبب تھا خوشی کا ایک سبب دوسرے غم سے من اسباب الفرح“ ”سبب سے جمع نہیں ہوتا۔“

اس سے واضح ہوا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ملاقات پر معافقہ اور چومنا اور ان کی آمد پر خوشی تھی۔ حضرت زارع رضی اللہ عنہ وفد عبد القیس میں تھے یہ کہتے ہیں: کہ جب ہم مدینہ (طیبہ) میں آئے تو ہم جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترنے لگے۔ ”فَقَبِّلُ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَجَلَهُ“ ① ”پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنے لگے۔“

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں روکا لہذا بزرگ ہستی کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے اگر جائز نہ ہوتا تو آپ پر روکنا واجب ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو اہل خیر کی طریقہ میں یعنی سیکنہ وقار سے چلنے میں آپ سب سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھیں اور تمام امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حسن سیرت آپ کو حاصل تھی اور آپ کو حسن اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ حاصل تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کلام کرنے اور بات چیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے {فَأَخَذَ بِمِصْبَحِهَا فَجَعَلَهَا} اور ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ ہٹاتے۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ {فَأَخَذَتْ بِمِصْبَحِهِ فَجَعَلَتْهُ} اور آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر آپ کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ ہٹاتیں۔ ②

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ عزیزہ کے طور پر ہوتا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لینا بزرگ سمجھ کر ہوتا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا: {فَجَعَلَهَا أَيُّ يَمْنٍ عَنْهُمْ أَوْ دَايَمًا} ”بوسہ دیا یعنی آنکھوں اور سر کے درمیان (پیشانی)“ اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی عزیز یا عزیزہ کا بوسہ لینا جائز ہے اسی طرح بزرگ باپ سے اولاد کا بوسہ لینا بھی جائز ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ داخل ہوا (جب وہ غزوہ سے لوٹ کر) پہلے پہلے مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ آپ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں ان کو بخار تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا: {كَيْفَ

اَنْتَ يَا بُنَيَّ وَقَبْلَ خَلْدَهَا} ”اے میری پیاری بیٹی! تمہارا کیا حال ہے؟ اور آپ نے اپنی بیٹی کے رخسار کو چوما۔“ آپ ﷺ کا بیٹی کے رخساروں کو چومنا اس وجہ سے تھا: {لِلْمَرْحَمَةِ وَالْمَوَدَّةِ أَوْ مَرَاغَةِ اللِّسَنَةِ} ”کہ آپ نے بطور رحمت اور محبت کے چومایا سنت سمجھ کر تا کہ سنت پر عمل ہو جائے۔“ ❶

حضرت ایوب بن بشر ”مغزہ“ قبیلے کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب تم نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ ﷺ تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے جب بھی حضور ﷺ سے ملاقات کی تو آپ ﷺ نے میرے ساتھ مصافحہ ضرور کیا ہے۔ ایک دن آپ ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا میں گھر نہیں تھا۔ جب میں گھر واپس آیا تو مجھے خبر دی گئی تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ {فَالْتَزَمْنِي فَكَانَتْ بِلَكَ أَحْوَدٌ وَأَحْوَدٌ} ”آپ ﷺ نے مجھے گلے لگایا (ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) یہ گلے لگانا زیادہ اچھا ہے۔“ یعنی مصافحہ یا ہر چیز سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس میں اظہار محبت راحت و سکون زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: {قَبْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ} ”رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما۔“ تو آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اقرع رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: {مَنْ لَا يُدَحِّمُ لَا يُدَحِّمُ} ”جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“ ❷ یعنی جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا یعنی لوگوں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اپنے آپ کو مستحق بنانا ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:

”علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اپنے چھوٹے بچے کے رخساروں کو چومنا ”واجب“ ہے اسی طرح رخساروں کے علاوہ جسم کے اور حصوں یعنی ہاتھ سر پیشانی کو بھی چومنا شفقت رحمت مہربانی اور قرابت کی محبت کی وجہ سے ”سنت“ ہے۔ خواہ اولاد نہ کر ہو یا مونث۔ اسی طرح اپنے دوست اور تعلق دار کے چھوٹے بچوں کے رخساروں یا دوسرے اعضاء کو بھی چومنے کا ذالک الوالد وغیرہ“ ❸

ابوداؤد مشکوٰۃ باب المصافحۃ والعائقہ 401

❶ مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 9 ص 80

❷ مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 9 ص 75

یہی حکم ہے۔ البتہ شہوت کے طور پر چومنا حرام ہے۔ اس میں والد اور دوسرے لوگوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اس میں اہل علم کا اتفاق ہے۔“

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے ”وجوب“ کے قول پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وجوب صرف اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب حدیث صریح یا قیاس صحیح سے ثابت ہو۔ تاہم وجوب نہ بھی ثابت ہو تو سنت و استحباب تو یقیناً ثابت ہے کیونکہ رخساروں کے بغیر اطراف کو شفقت کے طور پر چومنا سنت ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا ہے۔

”قَالَ النَّوَوِيُّ تَقْبِيلُ يَدِ الْغَيْرِ إِنْ كَانَ لِعِلْمِهِ وَصِيَّائِهِ وَذُهُبِهِ وَوِصَائِهِ وَتَحْوِيلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الدِّينِيَّةِ لَمْ يَكُنْ هَلْ تَسْتَحِبُّ وَإِنْ كَانَ لِيُغْنَاكَ أَوْ جَاهِهِ فِي مُلْكَاةٍ كَرَّةٍ وَكَيْلٍ حَرَامٌ وَكَيْلُ الْحَرَامِ مَا كَانَ عَلَى وَجْهِ التَّمَلُّقِ وَالتَّعْظِيمِ وَكَمَا الْمَأْذُونُ فِيهِ فَعِنْدَ التَّوَدُّعِ وَالْقُدُومِ مِنَ السَّفَرِ وَطَوِيلِ الْعَهْدِ بِالصَّاحِبِ وَشِدَّةِ الْحُبِّ فِي اللَّهِ مَعَ أَمْنِ النَّفْسِ“ ①

”علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی کے ہاتھوں کو اس کے علم، زہد و تقویٰ، دین داری اور ہر طرح کے دینی کاموں پر عمل کی وجہ سے چوما جائے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کو اس لئے چوما جاتا ہو کہ یہ غنی ہے یا دنیاوی طور پر اس کو جاہ و جلال حاصل ہے تو یہ مکروہ ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے حرام کہا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے دنیا دار کے ہاتھ چومنا

حرام اس وقت کہا ہے جب چا پوسی کے ارادہ سے چومے یا اسکی تعظیم کے لئے چومے اگر ایسی صورت نہ ہو تو جائز ہے۔ کسی کو الوداع کرتے وقت یا سفر سے واپس آتے وقت یا کسی دوست سے دیر سے ملاقات ہوتے وقت یا کسی شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت ہو تو اس کے ہاتھ چومنے کی اجازت ہے ان تمام صورتوں میں شرط یہ ہے کہ نفس امن میں ہو شہوت کا ارادہ نہ ہو۔“

”قَالَ النَّوَوِيُّ وَيَنْبَغِي أَنْ يُحْتَرَزَ عَنْ مُصَافَحَةِ الْأَمْرِدِ الْحَسَنِ الْوُجْهِ فَإِنَّ النَّظَرَ إِلَيْهِ حَرَامٌ وَقَالَ أَصْحَابُنَا كُلُّ مَنْ حَرَّمَ النَّظَرَ إِلَيْهِ حَرَّمَ مَسَّهُ هَلْ مَسَّهُ أَشَدُّ فَإِنَّهُ يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَى الْأَجْنَمَةِ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَرَوَّجَهُ وَلَا يَجُوزُ مَسُّهَا“ ②

”علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شہوت کی غرض سے ایسے لڑکے جس کی داڑھی نہ ہو اور خوبصورت چہرہ ہو اس سے مصافحہ کرنے سے اجتناب کیا جائے شہوت کی غرض سے اسے دیکھنا حرام ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے: جسے دیکھنا حرام ہے

اسے چھونا بھی حرام ہے بلکہ چھونا زیادہ جرم ہے کیونکہ کسی اجنبی عورت سے اگر نکاح کا ارادہ ہو تو اسے دیکھنا جائز ہے لیکن ہاتھ لگانا حرام ہے۔“

یوسف علیہ السلام کے خواب کا پورا ہونا:

آپ نے بچپن میں جو خواب دیکھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں وہ خواب آپ کا پورا ہو گیا

کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر میں آئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے تخت پر جلوہ گر کیا تو یوسف علیہ السلام کو آپ کے ماں باپ اور گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ خیال رہے کہ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے:

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَحْيَاهَا وَأَنْشَرَهَا مِنْ قَبْرِهَا حَتَّى سَجَدَتْ لَهُ“ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالا تاکہ یہ بھی یوسف کو سجدہ کر لیں کہ ان کا خواب سچا ہو جائے۔“

تَحْقِيقًا لِرُؤْيَا يُونُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶

اعتراض: حضرت یوسف علیہ السلام اگر چہ نبی ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں اور یوسف علیہ السلام کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام زیادہ شان والے ہیں۔ اور یعقوب علیہ السلام باپ ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام بیٹے ہیں۔ ان وجوہ کے پیش نظر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹا باپ کو سجدہ کرے باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنے کا کیا مطلب؟

حضرت عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے: {خَرُّوا لَهُ جُوبًا:} اَیُّ لَا جَلَّ وَجْدَانَهُ سُبْحَانَهُ تَعَالَى {”یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سب نے سجدہ کیا۔“ یعنی یہ سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو تھا رب کا شکر یہ ادا کیا گیا کہ یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں کیونکہ یہ سجدہ تخت پر بیٹھنے کے بعد کیا گیا۔ اگر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا جاتا تو تخت پر بیٹھنے سے پہلے سجدہ کیا جاتا یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سجدہ کیا تو یوسف علیہ السلام کو ہی کیا ہو لیکن اس لئے کہ ہو سکتا ہے بھائی سجدہ نہ کریں آپ کے سجدہ کرنے پر سب بھائیوں نے سجدہ کر لیا۔ یا یہ ہے کہ سجدہ کرنے میں یوسف علیہ السلام تو رضامند نہیں تھے کہ مجھے میرے باپ سجدہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس کے حکم میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ خود ہی انہیں جانتا ہے جیسے اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں حقیقت میں وہ خود ہی جانتا ہے۔ ❷

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کتنا خیال رکھا: یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ بھائیوں نے مجھ پر ظلم کیا تھا زیادتیاں کی تھیں بلکہ یہ کہا: میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو ناچاقی ہوئی وہ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ اختلافات تھے دل میں ذرا بھر کدورت نہیں رکھی بھائیوں سے کوئی اختلاف نہ رکھا بلکہ بھائیوں سے ملاقات محبت و الفت کو اللہ کا احسان قرار دیا۔

سبحان اللہ! یہ عظمت کسی نبی کو ہی حاصل ہو سکتی ہے ہمارے جیسا گناہگار انسان اس قسم کی فراخ دلی اور درگزر کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو شاہی مقامات دکھائے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کا ہاتھ پکڑا اور تمام خزانوں کے مقامات دکھائے سونے کے خزانے چاندی کے خزانے زیورات کے خزانے کپڑوں کے خزانے اور ہتھیاروں کے مقامات دکھائے۔ آخر میں جب آپ نے اپنے باپ کو کاغذات والا مقام دکھایا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اتنے کاغذات تمہارے پاس موجود تھے تم نے اتنے فاصلہ سے مجھے خط بھی نہیں لکھا: آپ علیہ السلام نے عرض کیا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے منع کیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: اس سے پوچھئے کہ اس نے تمہیں کیوں منع کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ کا تعلق جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ ہے آپ خود پوچھ لیجئے! جب آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کیوں منع کیا تھا؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا: ”فَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ“ ”مجھے خوف ہے اے بھیڑیا کھا جائے گا۔“ ❶

یعنی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہی آپ کے بیٹوں نے استعمال کیا اور سب سے بڑی وجہ تو امتحان تھا چونکہ انبیائے کرام کی شان بہت بلند و بالا ہوتی ہے اس لئے ان پر امتحان بھی اسی طرح کے بہت بڑے آتے ہیں جیسے ان کی شان ہوتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی وفات اور قبر:

مصر میں جا کر یعقوب علیہ السلام چوبیس سال مقیم رہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مجھے شام میں اپنے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا آپ پر جب وفات طاری ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام خود اپنے والد مکرم کا جسم اطہر لے کر شام میں گئے اور اپنے دادا اسحاق علیہ السلام کے ساتھ آپ کو دفن کر کے واپس مصر میں آ گئے۔ ❷

خیال رہے کہ یعقوب علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام ”عمیس“ تھا۔ یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے اور اسی دن ان کی بھی وفات ہوئی دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو پینتالیس سال تھیں۔ دونوں ہی اپنے باپ اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں ایک ساتھ دفن کئے گئے۔ یعقوب علیہ السلام کا تابوت خاص قسم کی لکڑی کا بنوایا گیا تھا جس میں مصر سے شام آپ کو لے کر گئے تھے۔ ❸

یوسف علیہ السلام کی وفات:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد تیس سال آپ ظاہری حیات میں رہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 216

❷

❸ تفسیر خزان العرقان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

آپ آخرت کی طرف زیادہ متوجہ رہنے لگے دائمی ملک کی طرف جانے کا اشتیاق زیادہ ہونے لگا رب کے حضور عرض کیا:
 رَبِّ قَدْ أَتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ "اے میرے رب! تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ
 فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلَكِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوْفِيقِي ۖ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا؟ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے
 مُسْلِمًا وَالْحَقِيقِي بِالصِّلِحِينَ ﴿٥﴾ والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان
 (یوسف 5:13)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موت کی تمنا کی حالانکہ موت کی تمنا جائز نہیں تو اس کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ
 جب آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا کہ اب آپ کے جانے کا وقت قریب آچکا ہے تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ "اے اللہ! مجھے
 اپنے خاص قرب والے لوگوں کے ساتھ ملا" اس دعا کا تعلق موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقربین سے لاحق ہونے کے ساتھ ہے
 'در حقیقت موت کی دعا نہیں۔' ❶

آپ کی وفات کے بعد مصری لوگوں میں تنازع ہو گیا ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ہمارے محلہ میں
 یوسف علیہ السلام کی قبر: دفن کئے جائیں تاکہ وہ آپ سے برکت حاصل کر سکیں۔ { فَطَلَبَ أَهْلُ كُلِّ مَحَلَّةٍ أَنْ يُدْفَنَ فِي
 مَحَلَّتِهِمْ رَجَاءً بِدُكَّتِهِ } قریب تھا کہ ان کے درمیان لڑائی بھڑک اٹھے آخر کار کچھ لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آپ کو سنگ مرمر
 کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ اس پانی سے تمام شہر والے ایک جیسے برکت حاصل کریں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پہلے آپ کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو اس طرف کا علاقہ سرسبز
 و شاداب رہنے لگا اور دوسری جانب خشک پھر آپ کے صندوق کو نکال کر نیل کی بائیں جانب دفن کر دیا گیا۔ اب اس طرف
 خوشحالی کا دور آ گیا اور دوسری جانب خشکی رہنے لگی۔ پھر آپ کو دریائے نیل کے درمیان میں دفن کیا گیا یہاں تک کہ دونوں
 جانبیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ آپ کا جسم اظہر اسی طرح دریائے نیل کے درمیان رہا چار سو سال بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی
 اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانگی اختیار کی تو آپ کے جسم اظہر کو بھی ساتھ لے گئے یہاں تک کہ شام میں اپنے آباء کے
 ساتھ دفن کر دیا گیا۔ ❷

سبحان اللہ! ان لوگوں کے کیسے پاکیزہ عقیدے تھے؟ کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کی ظاہری حیات میں جس طرح نبی سے
 برکت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی قبر
 کی برکت سے خوشحالی حاصل ہوتی رہی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد:

آپ علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کے پسماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹے کا نام ”افرائیم“ اور دوسرے کا نام ”میشا“ تھا۔ افرائیم کے بیٹے کا نام ”نون“ اور نون کے بیٹے کا نام ”یوشع“ تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے اور دریائی سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ یعنی حضرت علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ ”یوشع بن نون“ کو رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام کی بیٹی کا نام ”رحمت“ تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں۔ ❶

یوسف علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مصر کی حکومت بنی عمالقہ کے ہاتھ میں آگئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل ان کے زیر تسلط رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر انہیں نجات دلائی۔

یہ وہ غیبی خبریں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو عطا کیں اور ارشاد فرمایا:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ (یوسف 5:13) ”یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔“

خدا اور عناد نے لوگوں کو سمجھنے سے یکسر عاری کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ غیبی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں لیکن یا لوگوں نے کہا نہیں جو اللہ وحی کے ذریعے بتا دے وہ غیب نہیں رہتا۔ خدا را انصاف کریں! کہ بات رب تعالیٰ کی مانیں یا اس کی مخلوق میں سے ضدی جہلاء کی مانیں۔ کسی ایک بڑے نے کہہ دیا کہ جب وحی آجائے تو وہ غیب نہیں رہتا تو اس کے چیلے بھی یہی راگ اپنے لگے خود سوچنے اور سمجھنے کی تکلیف برداشت نہ کی کہ یہاں ہمارے بڑے صاحب سے غلطی ہوگئی ہے۔



حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام ”عاد“ قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کو ”عاد اولیٰ“ کہا گیا ہے اور ”عاد ثانیہ“ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو کہا جاتا ہے جو ”قوم ثمود“ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ”عاد“ تھا اس کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو ”عاد“ کہا گیا ہے۔ عاد کا نسب یہ ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ حضرت ہود علیہ السلام کا نسب: ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے۔

نام و لقب: ”ہود“ آپ علیہ السلام کا لقب ہے نام ”عاد یا عاذ“ ہے ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کا نام ”غیر“ ہے۔ ہود علیہ السلام کی والدہ کا نام: ”مکعبہ بنت عویلیم بن سام بن نوح“۔ ابن کلبی نے آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”مرجانہ“ بیان کیا ہے۔^①

فائدہ جلیلہ:

”وَكَانَ نُورُ النَّبِيِّ ﷺ لَمَّا طَعَا فِي جَبْهَيْنِ هُودٍ فَلَمَّا رَأَوْا ذَلِكَ النُّورَ فِي جَبْهَيْهِ قَالُوا إِنَّ هَذَا رَجُلٌ تَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ وَتَكْسِرُ الْأَصْنَامَ وَعَظْمُوهُ“

”حضرت ہود علیہ السلام کی پیشانی میں نبی کریم ﷺ کا نور چمکتا تھا۔ کچھ لوگوں نے آپ کی پیشانی میں نور دیکھ کر کہا: بے شک یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا جو ایک ہے اور بتوں کو توڑے گا انہوں نے آپ علیہ السلام کی تعظیم کی۔“

وَالِی عَادِ أَخَاهُ هُودًا..... (۱۶: ۸) (اعراف)

”ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہو کو بھیجا۔“^②

یہاں کئی مترجمین نے ”اَخَاهُ“ کا ترجمہ ”ان کا بھائی“ کیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ پوری قوم کے افراد آپ کے حقیقی

① تفسیر مظہری: قاضی شام اللہ پانی پتی ج 3 ص 369 بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ ایضاً

② صادی علی الجلا لیں ج 2 ص 684 تفسیر جمل بحوالہ حاشیہ جلا لیں ص 135

بھائی بھی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا نبی کفار کا دینی بھائی بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ علیہ السلام صرف ان کی قوم کے ایک فرد تھے اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے ترجمہ ”ہم قوم“ کیا ہے اور یہی علامہ رازی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کا ”ہم قوم“ اور صالح علیہ السلام کو ”ثمود“ کا ہم قوم کہہ کر کفار مکہ کا رد کیا جو یہ کہتے تھے کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ ہماری قوم سے ہو کر نبی کیسے بن گئے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: قوم عاد سے ہود علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے ثمود کی قوم سے صالح علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے۔ ❶

حضرت ہود علیہ السلام کی آمد و رفت:

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو سال بعد تشریف لائے اور آپ ہی کی شریعت پر تھے آپ کی عمر میں کئی اقوال ہیں:

❶: چار سو سال ❷: چار سو ساٹھ سال ❸: ایک سو چونتیس سال ❹: چار سو چونتیس سال۔

لیکن ”چار سو چونتیس سال“ والا قول زیادہ مشہور ہے۔ اتنا طویل عرصہ آپ علیہ السلام اس دنیا میں ظاہری حیات میں رہے اور پھر اس دنیا فانی سے رحلت فرمائی اور حیات جاودانی حاصل کی۔

آپ علیہ السلام کی قبر: علامہ بغوی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ آپ کی قبر ”حضرت موت“ میں ایک سرخ ٹیلے پر ہے اور عبدالرحمن بن سابط نے بیان کیا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان ننانوے انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ بے شک اسی جگہ حضرت ہود علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ❷

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ فرمائی؟

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْعِبَادُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦﴾
(سورة الاعراف 16:8)
”کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں۔“

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر نہیں؟ یعنی آپ نے ان کے ڈر کو بعید سمجھا اور گویا یہ کہا کہ تم ڈرتے ہی نہیں ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دیا جا چکا ہے جس کا تمہیں علم ہے اگر تمہیں کچھ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر اور خوف ہوتا تو ضرور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے بت پرستی کی حماقت نہ کرتے۔

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 9 ❷ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ج 3 ص 369

قَالَ يٰٓقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿١٢﴾ يٰٓقَوْمِ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣﴾ وَيٰٓقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَكَّلُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١٤﴾

”کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم صرف افتراء باندھنے والے ہو۔ اے قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟ اور میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو تم پر زور کی بارش برسائے گا اس سے زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔“

(ہود: 12:5)

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی، خصوصاً ان کے تین بڑے بت تھے جن کو وہ اپنے بڑے معبود سمجھتے تھے۔ ان بتوں کے نام صداء، صمود اور ہباء تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عمان اور ”حضر موت“ کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایک ریگستانی وادی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”وَ اذْکُرْ اٰخَاعَادِیْطَ اِذْ اَنْذَرْتُ قَوْمَهُ بِالْاَحْقَابِ ﴿٢٦﴾ اور یاد کرو! عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمینِ احقاف میں ڈرایا۔“

(سورۃ الاحقاف 26:3)

ہود علیہ السلام نے جب ان کو شرک سے باز رہنے بت پرستی کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو قوم نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش روک لی، قحط سالی پڑ گئی، ان کی عورتوں کو بھی تین سال تک بانجھ کر دیا، ان کے بچوں کی پیدائش معطل ہو گئی۔

ہود علیہ السلام نے تین فحشوں کو اپنی قوم کے پاس بھیجا کہ تم انہیں سمجھاؤ۔ وہ تین شخص یہ تھے: قیل بن عسر، نعیم بن ہذال اور مرشد بن سعد یہ۔ درحقیقت وہ آپ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے تھے لیکن اپنی قوم سے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ ان تینوں کو بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ قوم انہیں اپنا سمجھ کر ان کی بات کو ماننے لگی اور سوچیں کہ یہ ہمارے اپنے ہی لوگ ہمیں نصیحت کر رہے ہیں تو یقیناً اس میں بھلائی ہوگی لیکن قوم سوچنے اور ماننے سے عاری ہی رہی۔ آپ نے قوم کو ان تینوں کے ذریعے کہلایا: کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع و خضوع سے رجوع کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں زور کی بارش عطا کر دے گا اور تمہیں کثیر مال عطا کرے گا اور تمہیں بیٹے عطا کرے گا اور تمہارے لئے بارش سے نہریں اور باغات بنائے گا اور تمہیں پہلے سے زیادہ طاقتور بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اگرچہ دنیاوی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں لیکن انسانی

فطرت ہے کہ وہ دنیا میں رہنے اور دنیاوی نعمتوں کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی اور باغبانی کے کام کرتے تھے اسلئے ان کے لئے اسی قسم کی نعمتوں کا ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔ ہود علیہ السلام نے قوم کو ان الفاظ میں راہ راست پر لانے کی کوشش کی:

فَاَتَوْا اللَّهَ وَاَطِيعُوا (۱۱) وَمَا اسْتَلْكُمُ عَلَيَّ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجَرِ
اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۲) اَتَبْنُونَ بُكُلًا رُبَّ اَيَّةٍ تَعْبَثُونَ (۱۳)
وَتَعْبَثُونَ مَصَابِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (۱۴) وَكَأَنَّهُمْ يَبْطِشُكُمْ
جَهَنَّمُ (۱۵) فَاَتَوْا اللَّهَ وَاَطِيعُوا (۱۶) وَاتَّقُوا الَّذِي اَمَدَّكُمْ بِمَا
تَعْلَمُونَ (۱۷) اَمَدَّكُمْ بِالنَّعَامِ وَابْنِ الْيَمِينِ (۱۸) وَجَنَّتْ وَعُيُونُ (۱۹)
(شعراء 11:19)

”اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا“ میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔ کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں کو ہنسنے کو اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور اس سے ڈرو جس نے

تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں تمہاری مدد کی چوپاؤں اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے۔“

قوم عادی طاقت اور ان کے کام:

قوم عاد کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہو سکتا:

فَاَمَّا عَادٌ فَلَمَّا كَثُرُوا قَالُوا لِمَنْ اَلْاَرْضُ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَكَانُوا مِنْ اَشَدِّ
مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً
وَكَانُوا بِاٰيَاتِنَا يَجْحَدُونَ (۱۶)
(مجموعہ 16:24)

”وہ جو عاد تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے: ہم سے زیادہ کس کا زور ہے اور کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ جس نے انہیں بنایا ان سے زیادہ قوی ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔“

قوم عاد کے چھوٹے قد ساٹھ ذراع (لوے فٹ) اور بڑے قد ایک سو ذراع (ایک سو پچاس فٹ) تھے۔ اسی وجہ سے اپنے جسموں اور طاقت کے گھمنڈ میں یہ کہتے تھے کہ ہم سے کوئی طاقتور نہیں ہم پہاڑ سے بڑے بڑے پتھر چٹانیں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں اگر عذاب ہمارے سامنے آ گیا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں سے روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی طاقت پر ناز کرتے ہو کبھی میری طاقت کو بھی تصور میں لایا کرو میری طاقت کے مقابل کسی کو کوئی مجال نہیں۔ ①

لوگوں کے ساتھ تمسخر کے لئے بلند نشان بناتے:

اَتَبْنُونَ بُكُلًا رُبَّ اَيَّةٍ تَعْبَثُونَ (۱۳) (سورۃ الشعراء 11:19) ”کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو۔“

① تفسیر جلالین ص 398 و تفسیر صادی علی الجلالین مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں:

①: ایک یہ ہے کہ وہ بلندی پر بلند محل بناتے تاکہ گزرنے والے لوگ ان کی شان سے واقف ہوں یہ کام چونکہ بے فائدہ تھا اس لئے ”تعیشون“ کہا گیا ہے اور ہماری شریعت میں بھی بغیر غرض شرعی کے بلند تعمیرات کی مذمت بیان کی گئی ہے اور حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

②: دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند عمارتیں اسلئے تعمیر کرتے تھے تاکہ گزرنے والے ان سے راہنمائی حاصل کریں حالانکہ ان کا یہ کام بھی بے مقصد اور بے فائدہ تھا کیونکہ ستاروں سورج وغیرہ سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بادل وغیرہ کا چھا جانا کبھی کبھی ہوتا ہے اور خصوصاً عرب کے شہروں میں تو بہت ہی کم واقع ہوتا ہے۔

③: تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند برج بناتے تاکہ کبوتروں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو سکیں یعنی وہ کبوتر بازی کے لئے عبث طور پر بلند برج تعمیر کرتے۔

④: چوتھا یہ ہے کہ وہ ہر پہاڑ میں راستہ پر مکان تعمیر کرتے تھے تاکہ چوگئی حاصل کر سکیں۔

⑤: پانچواں قول یہ ہے کہ وہ بلند مقامات پر بلند عمارتیں تعمیر کرتے تھے تاکہ وہ راستہ سے گزرنے والوں سے مزاح کر سکیں ان کا تمسخر اڑا سکیں اور انہیں تنگ کر سکیں۔

اسی آخری قول کے مطابق اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے۔

رہنے کے لئے مضبوط محل بناتے:

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ تمہارے طور طریقے ایسے ہیں کہ تم یہ سمجھتے ہو تم نے ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے حالانکہ دنیا فانی ہے اس میں ہمیشہ کے لئے دل نہ لگاؤ۔

”اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔“

وَتَتَّخِذُونَ مَصَابِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿٦١﴾

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے اور تم زمین میں پانی جمع کرنے کے لئے حوض بناتے ہو یہ سارے کام اسی خیال سے کرتے تھے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے:

”اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو۔“

وَإِنَّا بِطَغْتُمْ بِطُغْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿٦٢﴾

وہ جب کسی پر گرفت کرتے تو اسے کوڑے مارتے اور تلوار سے ضرب لگاتے یا خالوں کو ان پر مسلط کرتے جنہیں کچھ

رحم نہ آتا اور ادب سکھانے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اچھے انجام کی طرف بھی نظر نہیں ہوتی تھی۔ ان افعال قبیحہ پر حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کی مذمت کی۔

ادب سکھانے کے لئے، اچھے انجام کے لئے استاد کا شاگرد کو معمولی مارنا، سرزنش کرنا جائز ہے۔ شیخ سعدی **قائدہ:** **مُذَاقٌ** فرماتے ہیں ”ضرب استاذہ از مہر مادر و پدر“ استاد کی مار ماں باپ کے پیار سے بہتر ہے۔ لیکن قوم کے بچوں کو اپنے بچوں جیسا سمجھے۔ یہ خیال کرے کہ میں اپنے بچوں کو کتنی سرزنش کرتا ہوں۔ کئی کئی گھنٹے طلباء کو کان پکڑا کر مرغ بنا دینا، اتنا شدید مارنا کہ زخمی کر دینا، سوٹیوں سے شدید ضربیں لگانا، کئی کئی گھنٹے کلاس میں کھڑا کر دینا، بیہودہ گالی نکالنا، استاد کی شان کے لائق نہیں۔ ایسے افعال صرف طلباء کو مدارس سے بھگانے اور دین سے متنفر کرنے اور اساتذہ کے ادب و احترام سے دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کو طلباء قصاب، کینہ جیسے القاب دیتے ہیں، جن کو راقم نے اپنے کانوں سے سنا۔ ایسا بے ہودہ استاد ہزار میں سے ایک ہوتا ہے، لیکن وہ تمام اساتذہ کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ اور دین کے باغی اس ایک شخص کی وجہ سے دینی مدارس کو خراب کرکے کہتے ہیں حالانکہ اس قسم کا استاد سکولوں میں بھی کوئی نہ کوئی پایا جاتا ہے بلکہ بنسبت دینی مدارس کے سکولوں میں اس قسم کے ظالم زیادہ ہوتے ہیں۔

ڈنڈے سے مارنا جائز ہے:

”وَإِنْ وَجِبَ ضَرْبُ ابْنٍ عَشْرَ مَرَّاتٍ لَا يَخْشَىٰ أَنْ يَعْصِيَ أَوْ سَوْطِ أَوْ غَيْرِهِ لِعِدَّتِ مَرُّوا أَوْلَادَهُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوهُمْ وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَلَا يُجَاوِزُ الثَّلَاثَ وَكَذَٰلِكَ الْمُعَلِّمُ لَمْ يَسَلْ لَهُ أَنْ يُجَاوِزَهَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمَرَّةٍ كَسِ الْمُعَلِّمُ إِيَّاكَ أَنْ تَضْرِبَ فَوْقَ الثَّلَاثِ فَإِنَّكَ إِنْ ضَرَبْتَ فَوْقَ الثَّلَاثِ اقْتَصَّ اللَّهُ مِنْكَ“

”بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے کی صورت میں ان کو ہاتھ سے مارنا ضروری ہے لیکن ڈنڈے یا کوڑے سے مارنا ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مارو (یعنی اگر وہ نماز نہ پڑھیں) حضرت علامہ شامی **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے ہیں: یہ مارنا بھی ہاتھ سے مراد

ہے اور وہ بھی دو تین تھپڑ سے زیادہ نہ ہوں استاد کے لئے یہی حکم ہے نبی کریم ﷺ نے بچوں کو پڑھانے والے ایک استاذ مرد اس کو کہا کہ تم تین ضربوں (تھپڑ) سے زیادہ مارنے سے اپنے آپ کو دور رکھو اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ مارا تو اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا۔“

شیخ سعدی **رحمۃ اللہ علیہ** فرماتے ہیں:

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است
درشتی نگیر خردمند پیش نہ سستی کہ نازل کند قدر خویش
نہ مرغوشتن را فرونی نہد نہ یک بارتن در مذلت دہد

یعنی سختی اور نرمی دونوں کو ساتھ ساتھ رکھنا ہی بہتر ہے پچھوا لگانے والا زخم بھی کرتا ہے اور مرہم بھی لگاتا ہے عقلمند بہت زیادہ سختی بھی نہیں کرتا اور اتنی نرمی بھی نہیں کرتا کہ اس کی قدر و منزلت ہی کم ہو جائے۔ اپنے کو بہت زیادہ آدم خور بھی نہیں بنانا چاہیے اور بہت زیادہ نرم ہو کر اپنے آپ کو ذلیل بھی نہ کرو۔ استاذ کے لئے یہی ایک اعلیٰ سبق ہے کہ ڈرائے دھمکائے، سرزنش کرے، احساس دلائے اور شفقت بھی کرے۔ اپنا رعب جمانے کے زعم باطل میں طلباء کی نظروں سے نہ گر جائے اور ان کی در پردہ گالیوں کا مستحق نہ بن جائے۔

ہود علیہ السلام کی قوم کے جوابات:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٦﴾
”ان کی قوم کے کافر سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔“
(سورۃ الاعراف 16:8)

نکتہ: نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٥﴾
”اسکی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“
(اعراف 15:8)

نوح علیہ السلام کی قوم کے تمام سردار ہی کافر تھے اسلئے یہاں لفظ ”كَفَرُوا“ استعمال نہیں ہوا لیکن ہود علیہ السلام کی قوم میں بعض سردار در پردہ ایمان بھی لائے ہوئے تھے، اسلئے ”كَفَرُوا“ استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے جب دیکھا کہ یہ کشتی بنارہے ہیں تو قوم نے آپ کو ”ضَلَالٍ مُبِينٍ“ سے تعبیر کیا کہ کوئی پانی نہیں کوئی کچھ نہیں، یہاں کشتی بنانا کھلی گمراہی ہے لیکن ہود علیہ السلام نے ان کی بت پرستی کو سفاہت و حماقت سے تعبیر کیا تھا تو قوم نے بھی کہا: إِنَّا لَنَرُكَ فِي سَفَاهَةٍ ”ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں۔“ ①

ہود علیہ السلام نے قوم کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَمَسَ بِىْ سَفَاَهَةٌ وَلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٨﴾ اَلَا لَكُمْ رِسٰلَتِىْ وَاَنَّا لَكُمۡ نٰكِبَةٌ اٰمِيْنَ ﴿١٦٩﴾
 ”اے میری قوم! مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں۔“ (اعراف 16:8)

انبیائے کرام کو ان کی قوموں نے (معاذ اللہ) گمراہ اور بے وقوف کہا۔ انہوں نے ان کا جواب اس طرح نہیں دیا بلکہ محل مزاحی سے اور حسن اخلاق سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی کیونکہ انبیائے کرام کی شان کے لائق ہی یہ ہے کہ وہ بیہودہ باتوں کا جواب اسی طرح نہ دیں، حالانکہ جتنی گالی کسی شخص کو دی جائے اتنا جواب دینا جائز ہوتا ہے، لیکن انبیاء کرام کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ ان کا ہر کلام ان کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی ہر طرح کوشش کی لیکن قوم نے ہمیشہ کج روی کی۔

قَالُوْا يٰٓهٰٓؤُدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنٰتٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْنَ الْهَيْتَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٩﴾ اِنَّا نَقُوْلُ اِلَّا اَعْتَرٰكَ بِعَصٰى الْهَيْتَا بِسُوْرَةٍ..... ﴿١٧٠﴾
 ”قوم نے کہا: اے ہود! تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لانے والے ہیں ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی ہے۔“ (ہود 5:12)

قوم نے کذب بیانی کرتے ہوئے کہا تم ہمارے پاس معجزات اور دلائل نہیں لائے ہو جس سے حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔
 ”وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّهُ عَلِيْهِ السَّلَامُ كَانَ قَدْ اَظْهَرَ الْمُعْجَزَاتِ“ یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ ہود علیہ السلام نے معجزات ظاہر فرمائے مگر قوم نے اپنی جہالت کے پیش نظر ان کا انکار کیا اور گمان کیا کہ آپ کوئی معجزات نہیں لائے۔“

قوم نے کہا: کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔ یہ ان کا کہنا اس لئے باطل تھا کہ وہ اس کا اقرار بھی کرتے تھے کہ نفع و نقصان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں اس پر تو عقل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بت پرستی کو چھوڑ دیتے، ان کا بت پرستی کو نہ چھوڑنا عقل کے خلاف تھا جو خود ہی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں، یہ صرف ضد اور حسد و عناد تھا، ورنہ بظاہر انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ قوم کا یہ کہنا کہ ہمارے معبودوں کی برائی تم بیان کرتے ہو انہوں نے تمہیں (معاذ اللہ) دیوانہ بنا دیا ہے، تمہاری عقل کو ضائع کر دیا ہے، یہ بھی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا ادھر یہ کہتے کہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں اور ادھر کہتے ہمارے بتوں نے تمہیں مصیبت پہنچادی ہے۔ ①

ہود علیہ السلام کا قوم کو چیلنج:

”آپ نے کہا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو
جاؤ کہ میں بیزار ہوں سب سے جنہیں تم اللہ کے سوا شریک
ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو میں
نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب کوئی چلنے
والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو بے شک
میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔“

(ہود: 12:5)

حضرت ہود علیہ السلام کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ ایک شخص بہت بڑی قوم کا مقابلہ کر رہا ہے انہیں کہہ رہا ہے کہ تم تمام مل کر
میری عداوت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑو مجھے نقصان پہنچانے میں اپنی پوری کوشش کر لو مجھے کوئی مہلت نہ دو مجھے تمہارا کوئی خوف
و خطرہ نہیں مجھے تو اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے وہی میرا محافظ ہے وہی مجھے بچانے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضہ قدرت
میں ہے کسی کو ذات باری سے مقابلہ کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔ ❶

ہود علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے ڈرایا:

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی پوری کوشش صرف کر دی لیکن قوم نے بت پرستی کو نہ چھوڑا تو آپ
نے کہا: اے میری قوم! اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو:
”پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف دے
کر بھیجا گیا اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم
اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے بیشک میرا رب ہر شے پر نگہبان
حفیظ ہے۔“

(ہود: 12:5)

آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات تم تک پہنچا دیے ہیں تمہیں کامیابی کا راستہ بتا دیا ہے لیکن تم
نے اپنی ضد نہ چھوڑی بت پرستی پر قائم رہے۔ اب رب کا عذاب آنے والا ہے جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ اگر تم چاہو کہ اس
کے عذاب کا مقابلہ کرو تو تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے وہ تو تمہیں برباد کر دے گا لیکن تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور تمہیں برباد

کرنے سے اس کی بادشاہت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اسلئے کہ وہ قدرت کا مالک ہے تمہاری جگہ وہ نئی مخلوق پیدا فرما دے گا جو اس کی اطاعت کریں گے اس کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں ہونے دیں گے۔ ❶

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١١﴾ (اشعراء 11:19) ”بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔“

یعنی دنیا میں بھی تم پر شدید عذاب آئے گا اور آخرت میں تم شدید عذاب میں گرفتار ہو گئے اسلئے کہ جس طرح رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا نعمتوں کی زیادتی کا سبب بنتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران شدید عذاب کا ذریعہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿١٣﴾ (ابراہیم 13:13) ”اگر تم نے شکریہ ادا کیا تو میں تمہیں اور (نعمتیں) دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔“ ❷

عذاب کا خوف دلانے پر قوم کا جواب:

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تُكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٩﴾ (اشعراء 11:19) ”انہوں نے کہا: ہمیں برابر ہے چاہے تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ ہو، یہ تو نہیں مگر وہ اگلوں کی ریت (طور طریقہ) اور ہمیں عذاب ہونا ہی نہیں۔“

قوم نے کہا: ہمیں تمہارے عذاب کے خوف دلانے کی کوئی فکر نہیں۔ ہم تمہارے وعظ سے نصیحت حاصل کرنے والے نہیں، تم بھی پہلے نبیوں کی طرح ہی ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہو یہ تو سابقہ رسم آرہی ہے ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں، ہمیں عذاب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

قوم نے عذاب کو رحمت سمجھا:

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالَُوا هَذَا عَارِضٌ مِّمَّنْ بَنَیْ هَٰؤُلَاءِ مَا اسْتَغْنَتْهُمْ بِهِ رَبُّهُمْ رَبُّهَا عَذَابُ الْيَوْمِ ﴿٢٦﴾ (الاحقاف 3:26) ”پھر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے پھیلا ہوا ان کی وادیوں کی طرف آتا بولے: یہ بادل ہے کہ ہم پر برسے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے ایک آندہ ہی ہے جس میں دردناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے تو صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان

کے سونے کے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قوم عاد پر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے تین سال تک بارش کو روک دیا گیا تھا اسلئے جب قوم پر عذاب آنے کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادلوں کو چلایا جو ان کی وادیوں سے ظاہر ہوئے عام طور پر ایسے بادلوں کو ”مغیث“ (بارش برسانے والے) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ وادیوں سے اٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے کہ بارش برسانے والے بادل آ گئے ہیں، اب تین سالہ قحط کا دور ختم ہونے والا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا یہ تو وہی ہے جس کی تمہیں جلدی پڑی ہوئی تھی کیونکہ وہ قوم کہتی تھی بے شک عذاب لے آؤ، اس سے پہلی آیات مبارکہ میں اسی مضمون کا ذکر ہے:

وَإِذْ كُنَّا عَادًا طَائِفًا إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ الْعُنُودُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَهُمْ خَلْفَهُ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢٦﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَنْحَنَكُنَا عَنْ إِلَهِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعْبُدُونَ إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٢٧﴾ (الاحقاف 26:3)

اور یاد کرو! عاد کے ہم قوم (ہود) کو جب اس نے ان کو سر زمین احقاف میں ڈرایا اور بے شک اس سے پہلے ڈر سنانے والے (انبیائے کرام اور بھی) گزر چکے تھے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اس لئے آئے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔“

یعنی جب قوم نے مطالبہ کیا کہ تم جس عذاب کے متعلق ہمیں ڈراتے ہو وہ بے شک لے آؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ وہ تو کہتے تھے عذاب آئے گا ہی نہیں اگر آئی کیا تو ہم اپنی طاقت سے روک لیں گے۔

قوم عاد پر عذاب کیا آیا؟

”اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آمدی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے کلی ہوئی چیز کی طرح کر چھوڑتی۔“

لیکن عاد وہ ہلاک کئے گئے نہایت سخت گرجتی آمدی سے وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگا تار تو ان لوگوں کو ان میں گرے ہوئے دیکھو گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔“

وَفِیْ عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّیْحَ الْعَاقِمَ ۖ مَا تَلَدُّ مِنْ فِیْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالْهَرِمِ ۚ (الرحمت 1:27)

وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۚ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَزْجَا ۖ مَا تَعَرَّى الْقَوْمُ لَهَا صَرْعَىٰ لَهَا كَانَتْهُمْ أَعْجَازُ غُلَامٍ بَاقِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ﴿٢٩﴾ (الحاقة 5:29)

یعنی اس قوم پر سات راتیں اور آٹھ دن لگا تار شدید آمدی چلی۔ صرف اس میں گرج تھی بارش نہیں تھی۔ وہی لوگ جو بادلوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ عذاب تو ہم اپنی طاقت سے ٹال دیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ

شدید کر جنے والی آندھی فضا میں حیوانوں اور پرندوں کو اڑا رہی ہے تو یہ اپنے مکانوں میں داخل ہو گئے تاکہ اس آندھی کی شدت سے بچ سکیں، لیکن سارے دھوے دھڑے دھڑے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو حکم دیا جو ہوائیں چلانے پر مقرر ہے کہ عادی قوم پر اپنے ہواؤں کے خزانے سے اتنی مقدار میں ہوا کو کھول دے جتنی مقدار ایک انگٹھی کی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کے خزانوں میں سے یہ ہوا بظاہر معمولی تھی لیکن دنیا میں ہولناک طوفان تھا، تباہ کن آندھی تھی۔ سب سے پہلے ایک عورت نے دیکھا کہ ہوا میں مجھے آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں۔ اس ہوانے ان کے مکانوں کے دروازے گرا دیئے:

”تَدْخُلُ فِيْ مَنْاجِرِهِمْ وَتَخْرُبُ مِنْ اَنْبَارِهِمْ وَتَصْرَعُهُمْ عَلٰى الْاَرْضِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ“
وہ ان کے نتھنوں میں داخل ہوتی اور ان کی دبر سے نکل جاتی،
وہ ہوا انہیں گرا رہی تھی ان کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں، کبھی انہیں زمین سے اٹھایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔“

ریت کے ٹیلوں میں دب جاتے، یہ سلسلہ سات راتیں آٹھ دن مسلسل رہا۔ کسی وقت بھی آندھی نہ رکی وہ سب تباہ برباد ہو گئے۔ بڑے بڑے قدوں والے اپنی طاقت پر ناز کرنے والے رب تعالیٰ کی گرفت میں جب آئے تو ایسے برباد ہوئے کہ مرے ہوئے یوں نظر آ رہے تھے کہ یہ کھجوروں کے تنے گرے ہوئے ہیں۔

رب کی عظیم قدرت کا اندازہ کیجئے! جہاں کفار کو تباہ و برباد کر دیا وہاں ہود علیہ السلام اور ان کو قوم کی نجات دی۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے ارد گرد خط کھینچ دیا وہ شدید آندھی انہیں خوشگوار موسم بہار کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی سہانی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ کفار گر کر جاہ ہو رہے تھے ان کی گردنیں ٹوٹ رہیں تھیں ریت کے ٹیلوں میں دب رہے تھے، لیکن اللہ والے نبی پر ایمان لانے والے اسی آندھی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

سبحان اللہ! مولائے کائنات کی قدرت کا انسان کیسے اندازہ کر سکتا تھا؟ اس کی حکمتوں سے وہ خود ہی واقف ہے رب نے ارشاد فرمایا:
وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَمْنَا هُوًّا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَلَجْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٢﴾
اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ
کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور انہیں سخت عذاب
سے نجات دی۔“ (ہود: 52)

یعنی کفار کو دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کیا اور قیامت میں وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی محفوظ رکھا اور قیامت میں بھی محفوظ رکھے گا۔ ❶

نبی کی تکذیب، نبی کی گستاخی تباہ کن عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم و دائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انبیائے کرام کی شان میں گستاخی سے بچائے۔ آمین ثم آمین

تفسیر کبیر، امام محمد بن رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 17..... ج 24، ص 28

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام ”قوم ثمود“ کی طرف آئے آپ علیہ السلام بھی ثمود قوم سے ہی ہیں ”ثمود“ ایک شخص کا نام تھا۔

ثمود کو ثمود کہنے کی وجہ:

اس کی دو وجہ ہیں: ایک یہ ہے کہ ”ثمد“ کا معنی ہے ”تھوڑا پانی“۔ قوم ثمود کے علاقہ میں پانی کم ہونے کی وجہ سے اس قوم کا نام ”ثمود“ پڑ گیا۔ دوسری وجہ جو کہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ اپنے دادا ”ثمود“ کے نام پر ”قوم ثمود“ کہلائے۔
ثمود کا نسب نوح علیہ السلام سے ملتا ہے یعنی ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ صالح بن عبید بن ماسخ بن عبد بن جاور بن ثمود۔ ①

اور ثمود کا نسب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔ ”ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح“ یہی زیادہ صحیح ہے۔ ②
حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ ہے، یعنی صالح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد تشریف لائے، حضرت صالح علیہ السلام کی عمر دو سو اسی (280) سال تھی۔ ③

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا:

”اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو (بھیجا) کہا: اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس نے تمہیں بسایا تو اس سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ، بے شک میرا رب قریب ہے دعا سننے والا۔“

وَالِی قَوْمًا أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَكُومُوا عِبَادُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُمْ تَوْبُوا لِلَّهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ④

(ہود: 6)

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَتَاتِي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا وَمَا أَسْنَلَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ آجِرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء: 19-12)

”جب کہ ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا: کیا ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لئے اللہ کا امانتدار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔“

انبیائے کرام علیہم السلام کی عادات شریفہ یہ تھیں کہ جب نبوت کا دعویٰ فرماتے تو سب سے پہلے قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے کے متعلق ارشاد فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں پھر اپنی رسالت کا دعویٰ کرتے تاکہ قوم ان سے معجزات کا مطالبہ کرے تو ان کو معجزات دکھائے جائیں پھر ان کے انکار اور باز نہ آنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو ڈراتے پھر بھی جب وہ اپنے کفر پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب آ جاتا۔ ۱۹ اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اسی کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کی رحمت ایمان والوں کے قریب ہے۔

آپ نے قوم کو کہا دنیا میں تم نے ہمیشہ نہیں رہنا:

أَتُرْكُونَ فِي مَا هُمْ بِأَمِينٍ لَّيْسَ فِي جَنَّتٍ وَ عَمُونَ ۚ وَذُرُوعٌ وَ نَخْلٌ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۚ وَتَنْبَغُونَ مِنَ الْجِبَالِ مَوَاتَا فَرِيقٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۚ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (الشعراء: 19-12)

”کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شکوفہ نرم نازک ہوتا ہے اور پہاڑوں میں گہر تراشتے ہو استادی سے تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور حد سے بڑھنے والوں کے کہنے پر نہ چلو وہ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔“

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا: تمہارا خیال باطل ہے کہ تم یہاں دنیا میں ہی آرام سے نعمتوں میں رہو گے جس رب نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں باغات چشمے کھیتیاں اور نرم و نازک شکوفوں والے کھجور کے درخت دے رکھے ہیں وہ یہ لے بھی سکتا ہے تمہیں دنیاوی نعمتوں پر ناز نہیں کرنا چاہیے آخر دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا ہے۔ تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گہر بناتے ہو اس وجہ سے بھی تم شاید یہی سمجھتے ہو کہ تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے لیکن تمہاری یہ سوچ سراسر غلط ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والے فساد پھیلانے والے کوئی درست اچھا سیدھا بھلائی والا کام نہ کرنے والوں کی تم پیروی کر رہے

ہو تم ان کی اطاعت نہ کرو تو کامیاب ہو گے ورنہ تباہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور میرا حکم ماننے میں ہے۔

آپ کی تبلیغ سے دو فریق بن گئے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَكَذَّبَهُمْ
فَرِيقٌ يَخْتَصِمُونَ ﴿١٩﴾ قَالَ يَلُومُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠﴾
(النمل 19:19)

”اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو جیسی وہ دو گروہ ہو گئے جھگڑا کرتے صالح نے فرمایا: اے میری قوم! کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ کی بخشش کیوں نہیں مانگتے شاید تم پر رحم ہو۔“

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور دوسرے لوگ اپنے کفر پر قائم رہے۔ اس طرح دو گروہ بن گئے آپس میں ایک دوسرے سے بحثوں میں الجھے رہتے تھے لیکن ایمان والوں کی طرف سے جھگڑا دین کے حق ہونے میں ہوتا یہ جدال حق ہے۔ صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کے انکار اور آپ کے عذاب سے ڈرانے پر قوم کا یہ کہنا:

وَقَالُوا يٰصَالِحُ اتَّبِعْنَا بِمَا تَعْبُدُنَا إِن كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨﴾
(اعراف 8:17)

”اور بولے: اے صالح! ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو۔“

اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! تم اچھائی کے بدلے برائی میں جلدی کیوں کرتے ہو یعنی یہ دنیاوی نعمتیں آرام تمہیں حاصل ہے لیکن اس کے بدلے تم عذاب اور اپنی تباہی و بربادی طلب کر رہے ہو یہ کہاں کی عقل ہے؟ تمہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہئے تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

قوم نے آپ کو کیا جواب دیا؟

صالح علیہ السلام نے قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی اور مختلف جواب دیئے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦﴾ (الحجر 6:14)

”بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔“

”حجر“ ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے درمیان جس میں ثمود کی قوم کے لوگ رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیائے کرام کی تکذیب ہے اسلئے کہ تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر نبی دوسرے تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اسلئے ایک نبی کی تکذیب سے دوسرے تمام انبیائے کرام کی تکذیب لازم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب نے فرمایا: حجر والوں

ہنے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ بظاہر ایک نبی یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی وہ تکذیب کر رہے تھے۔
کبھی قوم نے کہا:

فَلَاؤَا يُصْلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيمَنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ
مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّآ لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦﴾

”اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے
کیا تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا کرنے سے منع
کرتے ہو؟ بے شک جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم

(ہود: 6)

اس پر ایک بہت بڑے دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں۔“

قوم کہنے لگی: ہم نے تو تمہیں بڑا عقلمند بہت بڑا سمجھا رہا تھا ہمیں تو تم پر بڑی امیدیں تھیں کہ تم ہمارے دین کی
امداد کرو گے ہمارے مذہب کی تقویت کا سبب بنو گے ہمارے طریقہ کی تائید کرو گے۔

یعنی کسی قوم میں جب بھی کوئی شخص علم و فضل میں اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے تو قوم اس سے اپنے مقصد کے مطابق
امیدیں وابستہ کر لیتی ہے آپ کی قوم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ ہمارے باطل دین کی امداد کریں گے۔

اسی طرح آپ غریبوں فقیروں پر بڑے مہربان تھے، ضعیف لوگوں کی امداد کرتے تھے، مریضوں کی عیادت کرتے تھے
تو قوم نے کہا کہ ہم نے تو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ تم ہمارے احباب میں سے ہو گے، ہماری امداد کرو گے، تم
نے یہ عداوت اور بغض ہمارے ساتھ کیسے شروع کر لیا؟ ہمیں تو تم پر بڑا تعجب ہے کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا
سے روک رہے ہو، ہمیں تو اب تم پر شک ہونے لگا کہ تم ہمیں کسی بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔

آپ نے قوم کو جواب دیا:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَايْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى سَبِيلٍ مِّنْ رَبِّىْ وَآلِىِّىْ مِنْهُ
رَحْمَةٌ فَمَنْ يُنصِرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُمْ فَمَا تَزِدُّوْنِىْ عَمْرًا
تَضَاعِفُ ﴿٦﴾

”آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی
طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس
رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی
کروں؟ تو تم مجھے سوائے نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے۔“

(ہود: 6)

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل عطا فرمائے ہیں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا
ہے اسی لئے میں بھی تم پر مہربانی کر رہا ہوں کہ تمہیں اس راہ کی ہدایت دے رہا ہوں جس میں تمہاری کامیابی ہے تم اپنی بے عقلی
کی وجہ سے جس باطل راہ کی میری معاونت چاہتے ہو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خسارہ ہے۔
حرید قوم نے یہ کہا:

”انہوں نے کہا: ہم نے برا شگون لیا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے۔“ (نمل 19:19)

حضرت صالح علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور قوم نے تکذیب کی اس کے باعث بارش رک گئی، قحط ہو گیا، لوگ بھوکے مرنے لگے۔ اس کو تمہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری کی طرف منسوب کیا اور آپ کی آمد کو بد شگونی سمجھا، آپ نے قوم کو جواب دیا:

”آپ نے کہا: تمہاری بد شگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں پڑے ہو۔“ (نمل 19:19)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صالح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ بد شگونی جو تمہارے پاس آئی یہ تمہارے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، تم فتنے میں مبتلا ہو، تمہارا اپنے باطل دین کو صحیح سمجھنا، بت پرستی پر قائم رہنا، یہ درحقیقت تمہارے لئے فتنہ ہے۔ ①

قوم نے آپ کو جادوگر کہا:

”انہوں نے کہا: کہ تم پر تو جادو ہوا ہے۔“ (الشعراء 12:19)

یعنی تم پر بار بار کثرت سے جادو کیا گیا ہے، اسی لئے تمہاری عقل سلامت نہیں رہی، تم ہمارے ساتھ بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو کہ ہم اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیں۔

قوم نے آپ کو متکبر کہا:

”انہوں نے کہا: ہم اپنے میں سے ایک آدمی کی تابعداری کریں جب تو ہم ضرور گمراہ اور دیوانے ہیں، کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا؟ بلکہ یہ سخت جھوٹا، اترانے والا“ (التکوثر 9:27)

(متکبر) ہے۔“

قوم نے کہا: ہم اتنی تعداد میں ہو کر ایک آدمی کی تابعداری کریں وہ بھی ایسا شخص ہو جو ہمارے جیسا بشر ہو، ایسا کام تو دیوانوں کا ہے، ہم تو عقل مند ہیں، کیا اسی کو نبوت عطا ہونی تھی؟ اور اس منصب کے لائق کوئی نہیں تھا؟ یہ شخص (معاذ اللہ) اپنے

تفسیر خزان العرفان، سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ، ذیل آیت 47 سورۃ الشعراء ①

دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے اور یہ دعویٰ کر کے شوخیاں مار رہا ہے اتر رہا ہے یہ تو بڑا متکبر ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِّنَ الْكُذَّابِ الْاَشْرُ ۝ (القر ۲۷:۲۷)

”بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترانے والا؟“

یعنی یہ قوم جب دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوگی تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ کون جھوٹا تھا اور باطل راہ پر ضد و عناد کی وجہ سے قائم رہ کر کون تکبر کر رہا تھا؟

قوم نے صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا:

مَا آتَتْ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَ نَارٍ فَأَبَىٰ أَن تَكُونَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ هَٰذِهِ نَارُ اللَّهِ يَرْسُبُ وَلَكُمْ يَوْمَ مَعْلُومٌ ۝ وَلَا تَمْسُوْهَا يَسْوَةً فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (الشعراء ۱۲:۱۹)

”تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تو کوئی نشان لاؤ اگر سچے ہو“ آپ نے کہا: یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے پینے کی باری ہے اور دن معین تمہاری باری اور اسے برائی کے ساتھ نہ چھوؤ کہ تمہیں بڑے دن کا عذاب آئے گا۔“

مختصر واقعہ قوم ثمود:

قوم عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو آباد کیا ان کو لمبی عمریں عطاء کیں وہ پہاڑوں میں بڑی مہارت کا ریکری سے تراش تراش کر گھر بناتے رب تعالیٰ نے ان کو خوشحال بنایا مالی وسعت عطا کی تو انہوں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دی اور زمین میں فساد برپا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجا جو ان کے قبیلہ کے اشراف یعنی سردار قبیلہ سے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا انہوں نے آپ علیہ السلام سے نشانی طلب کی تو آپ نے فرمایا: ”تم کون سی نشانی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: تم ہمارے ساتھ ہماری عید کے پروگراموں کے لئے شہر سے باہر ہمارے ساتھ چلنا ہم اپنے معبودوں سے دعا کریں گے تم اپنے معبود سے دعا کرنا جس کی دعا قبول ہوگئی دوسرے اس کی تابعداری کریں گے۔“

آپ علیہ السلام ان کے ساتھ شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ انہوں نے اپنے بتوں سے دعا کی جو قبول نہ ہو سکی۔ ان کے ایک سردار جندع بن عمرو نے ایک اکیلی چٹان کی طرف اشارہ کیا جس کا نام ”کافیہ“ تھا۔ اس نے کہا: اس چٹان سے ایک اونٹنی نکالو جو حاملہ ہو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا: اگر میں ایسا کروں تو کیا تم ضرور ایمان لاؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ علیہ السلام نے نوافل ادا کئے اور رب سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف

قبولیت بخشا۔

وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پہاڑی چٹان میں بالکل وہی کیفیت پیدا ہوئی جس طرح کسی جانور پر پیدائش کے وقت ہوتی ہے، درود کی وجہ سے کراہنا، اضطراب وغیرہ۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے وہ چٹان پھٹی اس سے حاملہ اونٹنی پیدا ہوئی جس کے جسم پر اون تھی پیٹ بڑا تھا، آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر جندع بن عمرو اور اس کے ساتھ چند اور لوگوں نے ایمان قبول کر لیا۔ باقی لوگوں کو ایمان لانے سے ذواب بن عمرو، حباب اور رباب بن صمر نے منع کر دیا۔ یہی دونوں شخص ان کے بتوں پر مقرر تھے یعنی بت خانہ کے ناظم تھے اور تیسرا شخص یعنی رباب بن صمر کا بن تھا۔ ان لوگوں کے سامنے ہی اونٹنی نے بچہ جنا جو اسی اونٹنی جتنا تھا۔

چونکہ صالح علیہ السلام نے رب کے حکم سے بیان کر دیا تھا کہ ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کی ہوگی اور ایک دن تمہاری اور تمہارے جانوروں اور باقی جنگلی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی ہوگی۔

اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ جنگل میں چرتی تھی اپنی باری کے دن اونٹنی اور اس کا بچہ سارا پانی پی جاتے تھے یعنی کنوئیں میں منہ رکھتی اور اٹھاتی اس وقت جب پانی ختم ہو جاتا وہ دودھ اتنا زیادہ دیتی تھی کہ وہ لوگ پیتے اور اپنے برتن بھر لیتے۔ وہ اونٹنی گرمیوں میں وادیوں کے ظاہری حصہ میں چرتی تھی تو اونٹنی کو دیکھ کر ان کے جانور وادیوں کے نشیبی اندرونی حصہ میں بھاگ کر چلے جاتے۔ سردیوں میں وہ اونٹنی نشیبی حصہ میں چرتی تو ان کے جانور بھاگ کر وادیوں کے بالائی حصہ میں آ جاتے۔ انہیں اس صورتحال سے بہت مشکل درپیش آرہی تھی۔ انہوں نے اس اونٹنی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا کہ اسے مار دیا جائے تاکہ ہمیں اس سے نجات حاصل ہو جائے۔ ①

اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں:

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهُمَاۙ (القصص 16:30) ”تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی، پھر اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔“

صالح علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ اس اونٹنی کو برائی میں مس نہ کرنا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ باز نہ آئے جب اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں تو آپ نے انہیں کہا: کہ اب عذاب قریب آچکا ہے:

فَعَقَرُوْهُمَاۙ فَقَالَ تَمَتُّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلَاثَ اَیَّامٍ ۚ ذٰلِکَ وَعْدُ غَمْرٍ ۚ مَّكَذُوْبٌ ﴿٦﴾

گمروں میں تین دن اور برت لو (نفع حاصل کر لو) یہ وعدہ

ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔“

(ہود 6:12)

عذاب سے پہلے تین دن:

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ڈرایا کہ اب صرف تین دن تمہیں اپنے گھروں میں رہنا اور نفع حاصل کرنا ہے پھر تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے تو قوم نے کہا: کہ وہ تین دن ہم پر کیسے گزریں گے؟ آپ نے کہا پہلے دن تمہارے چہرے زرد رنگ کے ہو جائیں گے دوسرے دن ان کا رنگ سرخ ہو جائے گا اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ چوتھے دن تم پر عذاب آجائے گا۔ اگرچہ چہرے سیاہ ہو جانے پر انہیں عذاب کا یقین آچکا تھا لیکن جب تک علامات پر یقین نہیں آ رہا تھا اس وقت تک انہیں ایمان اور توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو سکی اور جب انہیں یقین ہوا اب توبہ کرتے بھی تو اس کا کوئی نفع نہ ہوتا کیونکہ ناامیدی کی حالت میں توبہ اور ایمان قبول نہیں ہوتے۔ ❶

سب کی رضا مندی سے ایک شخص نے کوچیں کاٹیں:

”جب اس کا سب سے بد بخت کھڑا ہوا۔“

إِذْ أَتَاهُمْ أَشْقَاهَا ❶ (الغش 16:30)

وہ بد بخت کون تھا؟

”وہ شخص قد ار بن سلف تھا جس کا رنگ سرخ زردی مائل تھا آنکھیں اس کی نیلی تھیں قد اس کا چھوٹا تھا۔“

”هُوَ قَدَارٌ سَلَفٌ كَانَ أَشْفَرُ أَذَى قَصِيرًا“

(مدارک التزئیل امام نسلی رحمہ اللہ ص 343)

اگرچہ اونٹنی کی کوچیں اس ایک شخص نے کاٹیں لیکن سب کے مشورہ اور سب کی رضا مندی سے اس نے یہ کام کیا اسلئے قرآن پاک میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کہ سب نے اس کی کوچیں کاٹیں۔ یہی وجہ تھی کہ سب ہی عذاب کے مستحق ہوئے اگر صرف ایک کا فعل ہوتا دوسرے اسے روکتے اس پر خوش نہ ہوتے تو ان پر عذاب نہ آتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ:

”اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں

وَكَاَنَ فِي الْمَدِينَةِ سَعَةٌ رَّهَطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ❶ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ❷ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا ❸ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ❹

(النمل 19:19)

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18 ص 20

ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں اور انہوں نے جب خفیہ سازش کی، اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی وہ (ہماری تدبیر کو) سمجھ ہی نہ سکے۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”انہوں نے یہ سازش اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے بعد کی تھی جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا جو تمہیں برباد کر کے رکھ دے گا بجائے اس کے کہ وہ اس آخری سازش سے چوکنے ہوتے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر گڑگڑا کر معافی مانگتے“ انہوں نے الٹا حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ انہوں نے کہا: ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح (علیہ السلام) اور اس کے مریدوں کا خاتمہ تو کر دیں۔“

جس رات انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر شیخون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اس رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لئے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ انہیں پتھر تو نظر آتے تھے لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا اور یہ مہلت کی آخری رات تھی چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ برباد کر دیئے گئے۔ ان شاء اللہ قریب ہی ذکر آ رہا ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تِسْعَةُ رَهْطٍ“ رھط کا معنی ہے تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کا گروہ۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے تھے۔ ہر رئیس زادہ کے ساتھ اس کے مددگاروں کی بھی ایک ٹولی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے انہیں ”تِسْعَةُ رَهْطٍ“ سے تعبیر کیا گیا یعنی نو قبیلے (اگرچہ نو شخص تھے)۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہماری ایذا رسانیوں کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی باز نہیں آئے تو انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انہیں تہ تیغ کر دو۔ اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انہیں یقین دلا دیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں اور نہ ہی ہمیں اس کے قتل کا کوئی علم ہے تو وہ خاموش ہو جائیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے وارث کمزور اور غرباء لوگ ہوں تو انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ انہیں کیا مجال ہوگی کہ ہم سے وہ زیادہ تکرار کریں؟ اس طرح وہ خاموش ہو جائیں گے۔ قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے خود تباہ برباد ہو گئے۔

سبحان اللہ! مولائے کائنات تیری قدرت کے کارنامے عجیب ہیں۔ ❶

قوم ثمود کے کفار پر عذاب الہی:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ الْبَنَاءُ بِمَا
تَعِدُّنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٤﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا
فِي دَارِهِمْ جُثِيمٌ ﴿٥﴾
(الاعراف 8: 17)

”پس انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے
حکم سے سرکشی کی اور بولے: اے صالح (علیہ السلام)! ہم پر لے
آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلہ
نے آیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“
”قوم ثمود پر زمین کا عذاب شدید زلزلہ تھا اور آسمانوں کا عذاب
سخت بجلی کی کڑک یا جبرائیل کی شدید ہولناک آواز تھی جس کی
وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔“

خیال رہے قرآن پاک میں قوم ثمود کے عذاب کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴿٤﴾ (الاعراف 8: 17) ”تو انہیں زلزلہ نے آیا۔“
وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ ﴿٥﴾ (ہود 12: 6) ”اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آیا۔“

ان دونوں کا مطلب تو وہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین میں زلزلہ اور آسمانوں سے گرجدار آواز تھی۔ ان کے
عذاب کے لئے تیسرا لفظ یہ استعمال ہوا:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَاتَّخَذُوا الْطَّاغِيَةَ ﴿٦﴾ (الحاقة 29: 5) ”ثمود تو ہلاک ہو گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے۔“

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ”ثمود تو ہلاک ہو گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے“
کیا۔ ❶ اس سے پتہ چلا کہ الصيحة اور الطاغية سے مراد ایک ہی ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ ”طاغیہ“
سے مراد ان کے جرائم و فسادات کا حد سے گزرتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے حد سے بڑھنے والے جرائم کی وجہ سے ہلاک
کئے گئے اس معنی کے لحاظ سے ”طاغیہ“ عذاب نہیں بلکہ عذاب کا سبب ہے۔

صالح اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات:

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِن بَيْنِ يَدَيْ يَوْمِنَا إِنَّ رَيْكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٧﴾
”پھر جب ہمارا حکم آیا (یعنی عذاب آیا) ہم نے صالح اور اس
کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور اس دن

کی رسوائی سے بیشک تمہارا رب قوی عزت والا ہے۔“

(ہود: 12: 6)

یہ رب تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ ایک ہی ملک میں ایک ہی علاقہ میں کفار کو زلزلہ ہولناک کڑک سے تباہ و برباد کر دیا لیکن اپنے نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ذرا تکلیف نہ ہونے دی کفار کو ذلیل و خوار کر دیا ان کو رسوا ہونا پڑا لیکن ایمان والوں کو اس ہولناک تباہی اور اس کی رسوائی سے بچا لیا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں اور رب تعالیٰ کی عظیم قدرت پر کامل ایمان رکھیں۔



حضرت ایوب علیہ السلام

وَاَيُّوبَ اِذْ نَادَى رَبَّهُ اِنِّى مُسِيْءٌ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ﴿٦٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرٍّ وَاَتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِّلْعٰبِدِيْنَ ﴿٦٨﴾
(انبیاء 6:17)

”اور ایوب (علیہ السلام) (کو یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ”مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے گھر والے اور

اتنے ہی ان کے ساتھ اور عطاء کئے اپنے پاس رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔“
حضرت ایوب علیہ السلام کے باپ کا نام ”انوس“ ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیص کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ آپ کی زوجہ کا نام ”رحمة“ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے ”افرائیم“ کی بیٹی تھی۔

حلیہ مبارک:

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال ٹھنکریا لے آنکھیں موٹی، خوبصورت شکل و صورت، بہت خوبصورت گردن چھوٹی، سینہ چوڑا، پنڈلیاں اور کلائیوں موٹی تھیں اور آپ کا قد لمبا تھا۔ ❶

آپ کے اوصاف:

آپ مسکینوں پر رحم کرتے تھے، یتیموں کی کفالت فرماتے، بیوہ عورتوں کی معاونت (امداد) کرتے مہمانوں کے ساتھ عزت و تکریم اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ ❷

مال و دولت کی فراوانی:

اللہ تعالیٰ نے آزمائش سے پہلے آپ کو کثیر مال و دولت دے رکھا تھا۔ کھیتی باڑی، باغ، غرض یہ کہ ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا۔ ہر قسم کے جانور یعنی بھیڑ، بکریاں، گائے، بھینس، اونٹ وغیرہ کی کثرت تھی۔ پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی ہل چلانے والی تھیں، پانچ سو غلام خدمت گزاری کے لئے۔ پھر ہر غلام کی زوجہ اور اولاد بھی بطور خدام آپ کے پاس رہتے تھے۔

آزمائش سے پہلے اولاد:

”آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔“

”وَكَانَ لَهُ سَبْعَةُ بَنِينَ وَ سَبْعُ بَنَاتٍ“ ❶

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے وہ دوسرے فرشتوں میں آپ کی بلندی شان کا چہ چا: فرشتوں کو حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے براہ راست کلام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جب کسی کو پسند فرماتا ہے تو اس کا ذکر جبرائیل امین علیہ السلام سے کرتا ہے، وہ میکائیل علیہ السلام سے ذکر کرتے ہیں، وہ دوسرے مقرب فرشتوں سے ذکر کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کے ذکر کا چہ چا ہو جاتا ہے تو تمام فرشتے اس پر رحمتیں نچھاور کرتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے تمام فرشتے رحمتیں بھیجتے ہیں۔ پھر زمینوں کے فرشتے اس بندے پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا بھی اس طرح تمام فرشتوں میں ذکر خیر کا چہ چا ہوتا رہتا تھا۔ ❷

اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مقرب بندوں کو شدید مشکلات میں مبتلا کر کے آزماتا ہے کہ وہ میرا بندہ کتنا آزمائش کی گھڑیاں: صبر کرتا ہے، مصائب و آلام میں کوئی شکوہ وہ زبان پر نہیں لاتا اور کبھی اللہ تعالیٰ بہت مال و دولت عطا کر کے آزماتا ہے کہ میرا بندہ کتنا شکریہ ادا کرتا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے آرام و صحت، مال و دولت، اولاد اور ہر طرح کی خوشیاں عطا کر کے آزمایا، اس میں بھی آپ نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ آپ علیہ السلام نے شکریہ ادا کر کے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد آزمائش کا دوسرا دور شروع ہوا کہ زمین کے نیچے سے قدرتی آگ نے آپ کے باغات، کھیتیاں، اونٹ، بکریاں، چرواہے جلا کر رکھ دیئے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا: {إِنِّهَا مَالَهُ أَخَارِئُهُ وَهُوَ آوَّلِي بِهِ إِنْ شَاءَ نَزَعَهُ} ”یہ سب مال و دولت اللہ نے ہی عطا کیا تھا وہی اس کا مالک حقیقی ہے جب وہی اس کا حقدار ہے تو اسے حق پہنچتا ہے جب چاہے لے لے مجھے اس میں کچھ کہنے کی کوئی مجال نہیں۔“

آپ کی اولاد ایک مکان میں تھی، وہاں زلزلہ آیا مکان گر گیا، آپ کی اولاد فوت ہو گئی۔ مکان کی چھت اور دیواریں

گرنے سے آپ کے بچوں پر کیا حال گزرا ہوگا؟ جسم چکنا چور ہوئے ہوں گے ہڈیاں ٹوٹی ہوں گی سر پھٹے ہوں گے خون کے فوارے چلے ہوں گے لیکن یہ حال سن کر بھی اللہ کے نبی نے صبر کا کمال مظاہرہ کیا وہی الفاظ زبان پر لائے ”سب کچھ رب تعالیٰ کا ہے جو چاہے کرے۔“

آپ کے جسم میں شدید حرارت سے ایسا اثر ہوا یوں محسوس ہوتا کہ آپ کے جسم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں سر سے لیکر قدم تک آبلے پڑ گئے شدید خارش ہونے لگی ناخنوں سے جسم کو کھجلاتے رہے یہاں تک کہ ناخن گر گئے پھر ٹھیکریوں یا پتھروں سے اپنے جسم کو کھجلاتے جسم شدید زخمی ہو گیا زخموں میں بو آنے لگی ان میں کیڑے پڑ گئے سارے جسم میں صرف آنکھیں دل اور زبان محفوظ رہے تھے۔ ابن عساکر نے بیان کیا:

”إِنَّ الدُّوْمَةَ لَتَنَعَمُ مِنْ حَسَدِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَعْمِدُهَا إِلَى مَكَانِهَا وَيَقُولُ كُلُّي مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَى“ ①
”حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم سے اگر کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ پھر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں دیا ہے وہ کھاؤ۔“

مشکل کا ساتھی:

آپ کی بیماری نے جب شدت اختیار کر لی تو تمام اقرباء نے آپ کو چھوڑ دیا۔ ”بلہ“ شہر سے باہر آپ کو ایک جھونپڑی بنا کر دے دی گئی کہ یہ مرض کہیں دوسروں تک بھی نہ پہنچ جائے۔ جب وہ سارے ساتھ چھوڑ گئے تو اس وقت آپ کی زوجہ جس کا نام ”رحمتہ بنت افرائیم بن یوسف“ تھا وہ بدستور آپ کے ساتھ رہی۔ آپ کی خدمت گزاری میں رہیں آپ علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتی آپ کو کھانا فراہم کرتی آپ کی ضروریات کا ہر طرح خیال کرتی۔ سبحان اللہ! اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کی پوتی کتنی نیک اور صابرت تھی۔

ایوب علیہ السلام کا بے مثال صبر:

ایک دن آپ کی خدمت گزار دنا دار نیک شعار با مراد نیک زوجہ نے عرض کی: ”لَوْ دَعَوْتُ اللَّهَ تَعَالَى“ کاش! تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔“ اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرما دیتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

”كَمْ كَانَتْ مُدَّةُ الرِّعَاءِ فَذَكَرْتُ مُدَّةَ كِبِيرَةٍ وَفِي يَدَايَ“ عِشْرَتَ رَاحَتٍ وَسُكُونٍ مَالٍ وَدَوْلَتٍ كِي فِرَاوَانِي مِثْلُ كِتَابٍ ②
وقت گزرا؟ آپ کی زوجہ نے عرض کی: بہت وقت گزرا ایک

① روح المعانی ج 9 حصہ دوم ص 80..... تفسیر کبیر ج 22 ص 204 ② روح المعانی ج 9 حصہ دوم ص 80

روایت میں ہے کہ آپ کی زوجہ نے کہا اسی (۸۰) سال گزرے ہیں۔“

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِنِّي أَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ أَنْ أَدْعُوهُ وَمَا بَلَغْتُ مَدَّةَ بَلَائِي مَدَّةً“ ”مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں جبکہ میری آزمائش کا وقت اتنا بھی نہیں ہوا جتنا میری آسائش کا“ ❶

وقت تھا۔“

زوجہ کی غلطی پر ناراضگی کا اظہار: ایک مرتبہ آپ نے زوجہ کو طلب کیا تو دیر سے حاضر ہونے پر آپ ناراض ہو گئے۔ ممکن ہے بیماری کی وجہ سے طبیعت میں سخت مزاجی آگئی ہو زیادہ مناسب یہ بات معلوم ہوتی

ہے کہ اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بھی یقیناً کوئی بڑی ہوگی جیسے مفسرین نے ایک وجہ بیان کی ہے کہ شیطان آپ کی زوجہ کے پاس طبیب کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے خاوند بہت بڑی تکلیف میں مبتلا ہیں اگر تم چاہتی ہو تو میں انہیں دوا دیتا ہوں جس سے وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب وہ صحت یاب ہو جائیں تو وہ اس کے بدلے میں میرا شکر یہ صرف ان الفاظ میں ادا کریں: ”أَنْتَ شَفِئْتَنِي“ تو نے مجھے شفا دی ہے۔ آپ کی زوجہ نے یہ بات معمولی سمجھی اور ان کا خیال بن گیا کہ اس پر عمل کرنا تو آسان ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آکر اس نے پورا ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے سمجھ لیا کہ شیطان میرے امتحان میں مجھے ناکام کرنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے آپ نے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو کوڑے ماروں گا۔ ابھی تمہارے ہاتھوں سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ ❷

اسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے رب کے حضور عرض کیا:

”إِنِّي مَسِيئٌ الشَّيْطَانُ يَنْصُبُ وَعَذَابٍ“ (ص 23:12) ”مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگادی۔“

آزمائش کا وقت ختم ہوتا ہے:

”وَإِيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ إِنَّهُ مَسِيئٌ الضُّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ“ (۶:۱۷) ”اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو! جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اس کے گھر والے اور ان کے

ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس رحمت عطا کر کے اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔“

”إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْكَفَّ فِي السُّؤَالِ حَمْتَ ذَكَرَ نَفْسَهُ بِمَا يُوجِبُ الرَّحْمَةَ وَذَكَرَ رَبَّهُ بِفَضَائِلِ الرَّحْمَةِ وَكَمْ يُصَرِّحُ ۝“
”حضرت ایوب علیہ السلام نے بہت ہی پیارے لطیف انداز میں اپنی پریشان حالی، تکالیف کا تذکرہ کیا۔ رب کی بے حساب رحمت کا ذکر کیا گیا، لیکن یہ عرض نہیں کیا کہ: اے مولائے کائنات! میری تکلیف کو دور فرما، کیسا صبر ہے؟ اور رب کے حضور التجا کرنے کا کیسا حسین انداز ہے؟“

چشمہ شفاء:

أَرْكَضُ بِرِجْلِكَ هَذَا مُفْتَسِلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ (ص 12:23)

”رب تعالیٰ نے فرمایا: زمین پر اپنا پاؤں مارو یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔“

آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنا پاؤں زمین پر مارو تو اس سے چشمہ جاری ہوگا۔ اس سے پانی پیا اور نہاؤ، تمہیں شفا حاصل ہو گی۔ آپ کو نہانے سے ظاہری جسم کی تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہو گئی اور پانی پینے سے اندرونی تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنتی لباس عطا فرمایا، آپ علیہ السلام لباس زیب تن کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ آئیں تو اس نے آپ کو نہ پہچانا، وہ آپ ہی سے پوچھنے لگی: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک بیمار شخص تھا، وہ کہاں گیا؟ پریشان ہو کر پوچھا کہیں بھیڑیے تو نہیں لے گئے، بار بار پریشانی سے جب پوچھ رہی تھیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا کر دی ہے، مال و اولاد واپس مل گئے:

”وَفِي الْمَعْرِ الْجَنَّةُورٌ عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى أَحْسَى لَهُ مَنْ مَاتَ مِنْ ۝“
”جمہور حضرات کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام فوت اولاد کو زندہ کر دیا اور مریضوں کو عافیت دے دی اور تمام بکھرے ہوؤں کو جمع کر دیا۔“

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو دوبارہ شباب (جوانی) عطاء فرمائی اور پھر پہلی اولاد کی طرح اور اولاد عطاء فرمادی۔ اسی طرح آپ کو کثیر مال و دولت عطا فرمایا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے سونے کی کڑیوں کی بارش کی۔ آپ علیہ السلام پکڑ پکڑ کر ایک کپڑے میں ڈالتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں جمع کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ:

تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 22 ص 209 ● روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 9 حصہ دوم ص 80

اے ایوب! تم سیر نہیں ہوتے؟“ آپ نے عرض کیا: اے مولائے کائنات! تیرے فضل سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے اٹھارہ سال بیماری اور تکلیف میں گزارے تھے پھر رونقیں بحال ہو گئیں۔

آپ کی زوجہ کی مشکل رب نے آسان کر دی:

چونکہ آپ نے شرعی عذر اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر زوجہ سے ناراض ہو کر قسم اٹھا دی تھی کہ میں درست ہو کر تمہیں ایک سو کوڑے ماروں گا۔ اب تندرست ہونے پر قسم کو پورا کرنا لازم تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی زوجہ کو کوڑوں سے بچالیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی اس کی رضا کے لئے قسم اٹھائی تھی، لیکن ان کی زوجہ نے بھی رب کی رضا کی خاطر ہی اپنے خاوند کی اس وقت خدمت کی جب سب لوگ چھوڑ چکے تھے۔ اس طرح رب نے دونوں کی ادا کو پسند کیا، نہ نبی کو منع کیا اور نہ ان کی زوجہ کو کوڑے لگنے دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَعُذُّ بِمِدَّتِكَ ضِفْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُطْ ۖ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۝ ”فرمایا: کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اسے مار دے اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ ہے

بَعْدَ الْعَبْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۱۲﴾

(ص 12:23)

بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔“

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ سوتیلیوں (شکورا) والا ایک جھاڑو لیں اپنی زوجہ کو مار دیں۔ اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمہ ہے کہ اس نے خود اپنے فضل و کرم سے حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ اجازت دی اور نہ کوئی اور انسان ایسی قسم اٹھائے تو اس کی قسم اس طرح جھاڑو مارنے سے پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

خیال رہے کسی شرعی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے رعایت ملے تو یہ ان کی مہربانی ہے۔ وہ مالک ہیں، چاہیں تو معاف کریں اور چاہیں تو اس میں آسانی کی راہ پیدا کریں، لیکن ان خود کوئی ایسا حیلہ کرے کہ اس کی وجہ سے حکم شرعی اس سے ٹل جائے، یہ ناجائز ہے۔ انسان کسی ایسے حیلے کو اختیار کرے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے یا روزے گرمیوں میں نہ رکھنے پڑیں اس سے ٹل جائے، یہ ناجائز ہے۔

کہ سردیوں میں قضا کریں گے، اس طرح کے جھکندے بغیر عذر شرعی کے باطل ہوں گے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عِنْدِي أَنَّ كُلَّ حِيلَةٍ أَوْجَهَتْ إِبْطَالِ حِكْمَةِ شَرْعِيَّةٍ لَا تَقْبَلُ“ ”میرے نزدیک ہر حیلہ جس میں شرعی احکام کی حکمت باطل ہونا لازم آئے، وہ قبول نہیں کیا جائے گا، جس طرح کوئی حیلہ کرے کہ مجھ پر زکوٰۃ لازم نہ آئے وغیرہ۔“

كَيْفَ حِيلَةٍ سَلَوَتْ الزَّكَاةَ ①

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو آسائش میں اس کی نعمتوں کا شکر کرنے اور آزمائشوں میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، رزق حلال عطا فرمائے اور نیک وفادار زوجہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

تنبیہ:

حضرت علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عربی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑے پڑنے کا واقعہ سند کا محتاج ہے۔ یعنی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے لیکن خیال رہے کہ اسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ثابت کیا ہے آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ فِي الزُّهْدِ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ قَالَ مَا كَانَ بَقِيَّ
مِنْ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا عَمِيًا وَقَلْبُهُ وَلِسَانُهُ فَكَانَتْ
الدُّوَابُّ تَخْتَلِفُ فِي جَسَدِهِ وَأَخْرَجَ أَبُو نُعَيْمٍ وَأَبْنُ عَسَاكِرَ
عَنْهُ أَنَّ الدُّوَابَّ لَتَقَعُ مِنْ جَسَدِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُعِيدُهَا
إِلَى مَكَانِهَا وَيَقُولُ: كُلُّي مِنْ رِزْقِ اللَّهِ“ ①

”احمد ابو نعیم اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں ماسوائے آنکھوں، دل اور زبان کے کوئی جگہ نہیں تھی جہاں کیڑے نہ پڑے ہوں، جب کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ اسے اٹھا کر پھر اپنی جگہ رکھ دیتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھا، جو اس نے تجھے دیا ہے۔“

معتزلہ نے بھی کیڑے پڑنے والی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ البتہ امام رازی رحمہ اللہ نے اسے ابتلاء جائز قرار دیا ہے کیونکہ انبیائے کرام پر آزمائش زیادہ ہوتی ہے کیڑے پڑنے کا ذکر تفسیر بیضاوی، تفسیر بغوی، تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر وغیرہ معتبر کتب تفسیر میں کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب



حضرت ذوالکفل علیہ السلام

وَإِذْ كُنَّا إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلًّا مِّنَ الْأَمْثَارِ ﴿١٣﴾
 ”یاد کرو! اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو اور سب اچھے
 ہیں۔“ (ص 23:13)

حضرت ذوالکفل علیہ السلام:

آپ کا نام ”بشر“ ہے یا ”شرف“ ہے۔ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آپ کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں تاہم اسی قول مذکور کی طرف زیادہ رجحان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے باپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد نبی بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ آپ لوگوں کو میری وحدانیت پر ایمان لانے کی طرف بلائیں کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ آپ عمر بھر شام کے علاقہ میں ہی رہے اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے، پچتر (۷۵) سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے عبدان کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کی بعد نیکی کے عمل پر قائم رہنا لوگوں کو بھی ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

آپ علیہ السلام یموں محتاجوں غریبوں بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے انہی محتاج لوگوں کی کفالت کی وجہ سے ہی آپ کا نام ”ذوالکفل“ (کفالت کرنے والا) پڑ گیا تھا۔ ❶

حضرت شیخ علیہ السلام

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطاء فرمائی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ آپ علیہ السلام دن کو روزہ رکھا کرتے تھے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو کسی بات پر غصہ نہیں آتا تھا، خصوصاً آپ اپنی امت کے معاملات میں بڑی متانت سے فیصلہ فرماتے، کسی قسم کی جلد بازی اور غصہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔

آپ علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو بنی اسرائیل کے کچھ بڑے آدمی مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ بادشاہت میں اپنا جانشین کسی کو مقرر کر دیں تاکہ ہم اپنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ملک کی باگ ڈور میں اس کے حوالے کروں گا جو مجھے تین باتوں کی ضمانت دے۔ کسی شخص نے بھی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی ضمانت دینے کے متعلق آپ سے کوئی بات نہ کی۔ سوائے ایک نوجوان کے اس نے کہا: میں ضمانت دیتا ہوں، آپ نے اسے کہا: بیٹھ جا! مقصد یہ تھا کہ کوئی اور شخص بات کرے لیکن پھر آپ کے کہنے پر وہی نوجوان کھڑا ہوا، اس نے ذمہ داری قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ آپ علیہ السلام نے کہا: ٹھیک ہے، تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کرو:

①: ایک یہ کہ تمام رات عبادت میں گزارنی ہے، سونا نہیں۔

②: دوسری بات یہ ہے کہ ہر روز دن کو روزہ رکھنا ہے۔

③: تیسری چیز یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔

جب اس نوجوان نے تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کر لی تو آپ نے بادشاہی کا نظام اس کے سپرد کر دیا۔ خیال رہے نبوت میں خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا، اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبی بنا دے۔ {اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ} اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے منصب رسالت کسے عطا کرنا ہے۔ ❶

حضرت الیاس علیہ السلام

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٣﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ آلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٤﴾
 اتَّعِدُّونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَذَبْ
 أَبَائَكُمْ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ
 اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿٢٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٢٩﴾ سَلَّمَ عَلَى
 إِيَّاكَ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ (صافات 23:8)

”اور بے شک الیاس پیغمبروں سے ہے جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا ڈرتے نہیں کیا تم بعل (بت کا نام) کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کو جو رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلوں باپ دادا کا پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ضرور پکڑے جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے اور ہم نے پچھلوں میں اس کی ثناء باقی رکھی“

سلام ہو الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں پر بے شک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل ایمان والے بندوں سے ہے۔“

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا نسب مشہور قول کے مطابق یہ ہے ”الیاس علیہ السلام بن یاسین بن قاص بن العیزار بن ہارون۔“

حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہ السلام کی ہر سال ملاقات:

حضرت الیاس علیہ السلام خشکی پر مقرر کئے گئے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں پر اور جزیروں پر مقرر ہیں۔ ہر سال کے موقع پر ان دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔

ایک سفر کے دوران ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی آسمانوں سے نبی کریم ﷺ اور الیاس علیہ السلام کی ملاقات: اللہ تعالیٰ نے کھانا اتارا۔ دونوں حضرات نے وہ کھانا مل کر کھایا اس کھانے میں روٹی، مچھلی وغیرہ نازل کی گئی۔ پھر عصر کی نماز دونوں حضرات یعنی نبی کریم ﷺ اور الیاس علیہ السلام نے مل کر ادا کی۔ حضرت

الیاس علیہ السلام نے قوم کو کہا:

”تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں چاہئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اس کے نواہی (جن کاموں سے رب نے منع کیا ہے) سے اجتناب کرو تم بت پرستی کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت سے حاجات طلب کر رہے ہو اور اس ذات کو چھوڑ رہے ہو یعنی اس ذات کی عبادت نہیں کر رہے ہو اور اس سے تم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر رہے ہو جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔“

خیال رہے خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے بغیر کوئی خالق نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو احسن الحائقین کہا گیا ہے: کیونکہ ان کے گمان کے مطابق رب کے بغیر بھی خالق تھے تو کہا گیا ہے جن کو تم خالق مانتے ہو ان سب سے اچھا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا مجازی طور پر دوسرے کاموں کے ایجاد کرنے والوں کو وہ لوگ خالق کہہ دیتے تھے تو آپ نے بھی ان کے قول کے مطابق کلام فرمایا ہو۔

قوم الیاس کا بت: ان کے بت کا نام ”بعل“ تھا۔ یمن کی لغت میں بعل کا معنی ”رب“ ہے وہ کہتے تھے {مَنْ بَعْلُ هَذَا} ”اس گھر کا مالک کون ہے؟“ اسی وجہ سے خاوند کو بھی ”بعل“ کہا گیا ہے قرآن پاک میں ہے: {وَيَقُولُ أَهْلُ بَرْيَينَ} (۱) اور ذکر کیا گیا: {وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا}

ان دونوں مقاموں میں ”بعل“ کا معنی خاوند ہے چونکہ وہ اس بت کو اپنا رب مانتے تھے اس کا نام ہی انہوں نے ”بعل“ رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی بیس ذراع (تیس فٹ) تھی۔ وہ سونے کا بنا ہوا تھا اس کے چار منہ تھے وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اس کی خدمت کے لئے انہوں نے چار سو خادم رکھے ہوئے تھے وہ خدام چونکہ ان کے معبود کے خدمت گزار رہتے تھے اسلئے وہ ان کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض مفسرین نے ”اہلناہم“ کی جگہ ”انبیاء“ تحریر کیا ہے کہ وہ ان خادموں کو اپنے خدا کا نبی سمجھتے تھے۔

شہر بعلبک: ”بعلبک“ شہر کا نام اس لئے بعلبک رکھا گیا ہے کہ اس وقت کے حاکم کا نام ”بک“ تھا۔ اور اس کے معبود کا نام ”بعل“ تھا۔ اس نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام اس نے اپنے اور اپنے معبود کے نام سے مرکب کر کے ”بعلبک“ رکھا۔ نوحی تمام کتب میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ”بک“ اس جگہ کا نام تھا جہاں انہوں نے اپنے بت ”بعل“ کو رکھا ہوا تھا۔ اس طرح بت اور اس کے مندر کے نام سے شہر کا نام ”بعلبک“ رکھا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تنبیہ: بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ ”بعل“ بت میں شیطان بولتا تھا کہ گمراہی کی طرف ان کی راہنمائی کرتا تھا۔ وہ بت کچھ احکام جاری کرتا اس کے خدام یعنی جن کو وہ اپنے بت کے نبی سمجھتے تھے لوگوں تک وہ احکام پہنچاتے تھے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

”وَأَمَّا قَوْلُهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ بَعْلِ وَيَتَكَلَّمُ بِشَرِيعَةِ الضَّلَالَةِ فَهَذَا مُشْكِلٌ لِأَنَّا إِن جَوَزْنَا هَذَا كَانَ ذَلِكَ قَادِحًا فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ لِأَنَّهُ لَيَعْلَ فِي مُعْجَزَاتِ النَّبِيِّ ﷺ كَلَامُ الذَّنْبِ مَعَهُ وَكَلَامُ الْجَمَلِ مَعَهُ وَحِينَ الْجَذَعِ وَكَوْ جَوَزْنَا أَنَّ يَدْخُلَ الشَّيْطَانُ فِي جَوْفِ جَسْمٍ وَيَتَكَلَّمُ فَحِينَئِذٍ يَكُونُ هَذَا الْإِحْتِمَالُ قَائِمًا فِي الذَّنْبِ وَالْجَمَلِ وَالْجَذَعِ وَذَلِكَ يَعْذَرُ فِي كَوْنِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ مُعْجَزَاتٍ“ ①

”بعض لوگوں کا جو یہ قول ہے کہ بعل بت کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا اور ان کو گمراہی کے راستہ پر چلانے کا کام کرتا تھا اس کا تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سے معجزات پر عیب لازم آئے گا اور ان پر اعتبار ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں ان معجزات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ سے بھیڑیے نے کلام کیا، آپ ﷺ سے اونٹ نے کلام کیا، آپ نے جب منبر بنو الیا تو جس ستون سے آپ پہلے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے وہ رونے لگا“

آپ نے اسے تسلی دی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان جسموں میں داخل ہو کر کلام کرتا ہے تو یہ احتمال بھیڑیے اور اونٹ اور کھجور کے تنے یعنی اس رونے والے ستون میں بھی قائم ہوگا کہ (معاذ اللہ) ان میں بھی شیطان نے داخل ہو کر کلام کیا ہوگا، اس طرح تو معجزات پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا۔“

علامہ رازی رحمہ اللہ کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یہ قول ہی باطل ہے کہ ”بعل“ کے پیٹ میں شیطان داخل ہو کر کلام کرتا تھا۔

خیال رہے کہ یہاں (فَكَذَّبُوا بُرْهَانَ رَبِّهِمْ لَمُحْضَرُونَ ۝)..... تو انہوں نے اس کی تکذیب کی پس بیشک وہ پکڑے جائیں گے..... میں اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس کے بعد (إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝) مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے..... میں استثناء بھی اسی اخروی عذاب سے ہے۔

دنیا میں قوم الیاس کی تباہی اور آپ پر ایمان لانے والوں کی نجات کا ذکر معتبر تفاسیر میں نظر نہیں آسکا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ کا ترجمہ بھی یہی ظاہر کر رہا ہے (سَلِّمْ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝) کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے کیا ہے ”سلام ہو الیاس علیہ السلام پر۔“ (۱) اس میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں پر سلام ہو۔ ایک قرأت میں ”آل یاسین ہے“ چونکہ الیاس علیہ السلام بن یاسین ہیں یعنی یاسین کی آل پر سلام ہو اس سے مراد الیاس علیہ السلام ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيبَةً أَمِنْتُ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا
 آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْغَمْزِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنَتَقْنَاهُمْ
 إِلَى جَهَنَّمَ ﴿١٦﴾ (سورة یونس 16:11)

”پس کیوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس
 کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) سوائے قوم یونس کے جب وہ
 ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب
 دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک۔“

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ ”غیموی“ علاقہ ”موصل“ میں رہتے تھے۔ کفر و شرک بت پرستی میں مبتلا تھے اللہ
 تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا۔ آپ نے انہیں ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کے متعلق حکم دیا، لیکن
 قوم نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے آگاہ کیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے
 عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپ خود ان لوگوں سے ناراض ہو کر شہر سے باہر چلے گئے جب انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو نہ
 پایا تو بہت خوف میں مبتلا ہو گئے۔ کہا: اب عذاب ضرور آئے گا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو ایک خاص مدت تک دنیاوی مال و متاع سے نفع حاصل کرنے کی مہلت دی تھی کہ اگر تم ایمان
 نہیں لاؤ گے تو فلان وقت تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مہلت کی مدت میں کئی اقوال ہیں:

❁ وہ مدت چالیس دن تھی۔ ❶ ❁ وہ مدت تین دن تھی۔ ❷

”تفسیر کبیر“ کے مطابق جب پینتیس دن گزر گئے تو آسمان پر شدید سیاہ بادل چھا گئے جن سے بہت زیادہ دھواں شہر

Marfat.com

اعتراض: ”فرعون“ عذاب کو دیکھ کر ایمان لایا اور توبہ کی، لیکن اس کے ایمان لانے اور توبہ کرنے کو قبول نہیں کیا گیا اور یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان اور ان کی توبہ کو کیوں قبول کیا گیا؟

جواب: ”إِنَّ فِرْعَوْنَ إِنَّمَا تَابَ بَعْدَ أَنْ شَاهَدَ الْعَذَابَ“ ”فرعون نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی تھی کیونکہ جب وہ غرق وَاَمَّا قَوْمُ يُونُسَ فَإِنَّهُمْ تَابُوا قَبْلَ ذَلِكَ فَإِنَّهُمْ لَمَّا ظَهَرَتْ لَهُمْ آيَاتُ رَبِّهِمْ عَلَى قُرْبِ الْعَذَابِ تَابُوا قَبْلَ أَنْ شَاهَدُوا فَظَهَرَ الْفَرْقُ“^① ہونے لگا تھا تو اس نے کہا تھا۔ ”میں ایمان لاتا ہوں“ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے صرف علامات عذاب کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیا تھا اور توبہ کر لی تھی کہ اب عذاب آنے ہی والا ہے۔ اب فرق واضح ہو گیا کہ فرعون کا ایمان عذاب کے مشاہدہ کرنے پر تھا، انکا ایمان عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے تھا۔“

حضرت یونس علیہ السلام جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور قوم نے آپ کے پیچھے توبہ کر لی لیکن آپ واپس لوٹ کر نہ آئے تو آپ اپنے سفر کے دوران دریا کو عبور کرنے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، لیکن کشتی بھنور میں بھنس گئی۔ اس وقت کے دستور اور رواج کے مطابق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر جا رہا ہو اور کشتی سے اتار نہ لیں۔ اب کشتی کے بھنور میں پھنسنے پر ان لوگوں نے قرعہ ڈالا جو حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ تین دفعہ قرعہ آپ علیہ السلام کے نام پر نکلنے پر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگالی تاکہ کشتی کے دوسرے لوگ کنارے پر پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں القاء کیا اور حکم دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے لیکن یہ خیال کرنا کہ تمہارا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنایا ہے انہیں تمہارا لقمہ نہیں بنایا اس لئے انہیں خراش تک نہ آنے دی جائے ان کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح آپ مچھلی کے پیٹ میں آ گئے یہ آپ پر امتحان تھا اور یار کا یار کو ”عتاب“ تھا۔

چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح:

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے ”ذوالنون“ اور ”صاحب الحوت“ کہا گیا ہے۔ کیونکہ ”نون“ اور ”حوت“ دونوں کا معنی مچھلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ**..... ﴿۶۷﴾ ”اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔“ (سورۃ الانبیاء 6:17)

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ کا ہے اور صحیح بھی یہی ہے جبکہ کئی اور تراجم میں {أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ} کا

تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 17 ص 165

ترجمہ ”ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے۔“ ”ہم ان پر گرفت نہ کریں گے۔“ ہم نہ پکڑ سکیں گے“ اس قسم کے ترجمے غلط اور باطل ہیں۔ میں نے اپنی کتاب ”تسکین الجنان“ میں کئی تراجم ذکر کئے ہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو لوگ انبیائے کرام کو گنہگار ٹھہراتے ہیں کہ ان سے ضرور گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ اس آیت سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ رب مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔ یہ کہنا گناہ ہے۔ لہذا نبی گناہگار ہو سکتے ہیں۔“

علامہ رازی رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر یہ معنی کیا جائے کہ آپ نے رب کے متعلق یہ گمان کیا کہ ”رب عاجز ہے مجھے پکڑ نہیں سکے گا“ تو یہ کفر ہے۔ ایسی نسبت تو ایک مومن کی طرف نہیں کر سکتے، تو انبیائے کرام کی طرف کیسے کر سکتے ہیں؟ اسلئے اس بات کی توجیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ”لن نصیب علیہ“ آپ نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ اسلئے کہ قرآن پاک میں اور مقامات پر بھی اس معنی میں اس لفظ کا استعمال ہے:

”اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ“

[وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ] اور جس پر وہ رزق تنگ کر دے۔

”لیکن وہ جب انسان کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس پر اس کا رزق

وَأَمَّا إِنْ مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۖ لَا

(سورة الفجر 14:30)

تنگ کر دیتا ہے۔“

ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: گزشتہ رات میں قرآن پاک کی موجوں میں مستغرق رہا لیکن مجھے اس سے خلاصی نہ مل سکی ہو سکتا ہے آپ میری راہنمائی کر دیں۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: {يُظَنُّ نَبِيُّ اللَّهِ أَنْ لَنْ يُقْدِرَ اللَّهُ عَلَيْهِ} ”کیا اللہ تعالیٰ کا نبی بھی یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: {هَذَا مِنَ الْقَدْرِ لَا مِنَ الْقُدْرَةِ} یہ لفظ ”قدر“ سے لیا ہوا ہے۔ ”قدرة“ سے نہیں یعنی اس کا معنی ”تنگی نہ کرنا“ ہے۔ ”قدرت نہ رکھنا“ نہیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو شہر چھوڑ کر ہجرت کر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے اجتہاد سے تشریف لے گئے تھے۔ خیال یہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں فرمائے گا نہ کوئی باز پرس کرے گا۔

وَإِنْ يَوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٣﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ﴿٢٤﴾ ”اور بے شک یونس پیغمبروں سے ہے جبکہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔“ (سورة صافات 8:23)

یہاں بھی کئی مترجمین نے ترجمہ کیا ہے ”وہ بھاگ گیا۔“ یہ ترجمہ نبی کی شان کے لائق نہیں بھاگنے کا مقصد ہی نہیں تھا‘ صرف قوم پر ناراضگی کی وجہ سے آپ چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ اب ان پر عذاب آنے کا وقت تو آ ہی چکا ہے لہذا یہاں رہنے کی اب ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں صرف اس لئے ڈالا گیا تھا کہ آپ کو رب تعالیٰ کے حکم تک ٹھہرنا چاہئے تھا۔
وَكَرَّسْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿٢٥﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنَاهُمْ اِلٰى ﴿٢٦﴾ ”اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں بلکہ زیادہ کی طرف بھیجا تو وہ جہنم ﴿٢٦﴾ (سورة صافات 8:23)

ایمان لے آئے تو ہم انہیں ایک وقت تک برتنے دیا۔“ اصل وجہ ”یار“ کی طرف سے ”یار“ کو عتاب کی صرف یہی تھی کہ اے میرے پیارے! تمہیں تو لاکھ آدمیوں سے زائد کی طرف بھیجا گیا تھا ابھی تو عذاب کے آنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ تمہیں وہاں رہنا چاہئے تھا‘ ہو سکتا تھا کہ وہ ایمان لے آئیں جیسا کہ ہوا بھی یہی کہ وہ ایمان لے آئے۔ ❶

دعا نہ کرتے تو قیامت تک پھلی کے پیٹ میں رہتے:

فَسَاءَ مَا كَانُوا مِنَ الْمُنْذَرِينَ ﴿٢٧﴾ فَالتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٢٨﴾ فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ السَّابِقِينَ ﴿٢٩﴾ لَئِيْلَ مَا يَفْعَلُ الْبَاطِلُ ﴿٣٠﴾ ”تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا‘ پھر اسے پھلی نے نگل لیا‘ اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو ضروری اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے۔“ (سورة صافات 8:23)

حضرت یونس علیہ السلام پھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے تھے اور پھلی کے پیٹ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہے تو رب تعالیٰ نے آپ پر رحم فرمایا۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے:
”اَذْكُرُوا اللّٰهَ فِي الْبَرَحِ يَذْكُرْكُمْ فِي الشَّدَةِ“ ❶
”تم اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد کرو تا کہ وہ تم پر مصائب و شدائد میں مہربانی فرمائے۔“

یہ ایک حدیث شریف کا ہی معنی ہے اگرچہ الفاظ حدیث شریف کے نہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی آسائش میں اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا کثیر نمازیں ادا کرنا اور پھلی کے پیٹ میں بھی رب تعالیٰ کو یاد کرنا ہی کام آیا۔

مچھلی کے پیٹ میں آپ کی دعا:

فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٦٧﴾ (سورة الانبياء 6:17)

”تو اندھیروں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔“

ظلمات جمع ذکر کیا، کئی تاریکیاں۔ اسلئے کہ آپ دریا کی تاریکی، رات کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں تھے۔ ان اندھیروں میں آپ نے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی: اے اللہ! میں جو تیرے حکم کے انتظار سے پہلے آگیا، یہ مجھ سے بے جا ہوا تو ان کلمات سے آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے جو کوئی مصیبت زدہ بارگاہ الہی میں ان کلمات سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ❶

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ (سورة الانبياء 6:17)

”تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔“

یعنی یونس علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اظہارِ عجز کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے غم سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں کسی نے بھی اپنی پریشانیوں کی فریاد رب سے طلب کی، سچے دل سے تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد کو بھی قبول کرے گا۔

مچھلی کے پیٹ سے باہر آ کر:

فَبَدَّلْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿٦٩﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿٧٠﴾ (سورة صافات 8:23)

”ہم نے اسے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا بیڑ لگایا۔“

”ہر نیل جس میں تنانہ ہوا سے یقطین کہا جاتا ہے۔“

لیکن یہاں مراد ”کدو“ ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:

”وَهُوَ الدُّبَّاءُ الْمَعْرُوفُ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَكْتُمُ الْيَمِينَةَ“ ❶

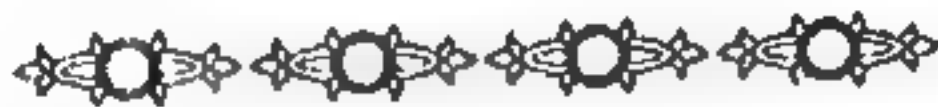
”کہ یہاں مراد دبّاء ہے اور وہ مشہور و معروف ہے کہ وہ ”کدو“ ہے جسے نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر اس کو اس لئے اگایا کہ آپ پر سایہ کرے اور آپ کو ٹھنڈک پہنچائے اور آپ کو اس کے پتے مس کریں اور اس کے بڑے پتے آپ پر رہیں تاکہ آپ پر کھیاں نہ بیٹھیں کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ کدو کے پتوں پر کھیاں نہیں بیٹھتیں۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آتے وقت نو مولود بچے یا چوزے وغیرہ کی طرح تھے یعنی آپ کا چہرہ بہت نرم و نازک تھا اس پر کوئی بال وغیرہ نہیں تھے۔ آپ کے لئے کھیاں باعث تکلیف ہو سکتی تھیں اور سخت چیز کا مس کرنا اور سورج کی گرمی آپ کے لئے تکلیف کا باعث بن سکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آپ کو اس کے سایہ سے آرام پہنچایا اور کدو کے پتے اترے ہوئے چمڑے کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں اسلئے بھی کدو کو لگایا کہ اس کے پتے آپ کے چمڑے کے لئے فائدہ مند ہو سکیں۔

خیال رہے کہ ”شجرۃ“ اسے کہتے ہیں جس میں تنا ہوا اگر چہ کدو کی بیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے درخت کی طرح بڑا تناور بنا دیا تھا لیکن بعض اوقات شجر کا اطلاق بیل پر بھی ہوتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک بکری کو آپ پر مقرر کر دیا تھا جو آپ کو دودھ پلاتی تھی۔ اس طرح پھر آپ کو توانائی جسم کی پختہ جلد اور بال عطا کر دیئے گئے۔ ❶

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت تین دن سات دن بیس دن اور ایک ماہ مختلف اقوال میں بیان کی گئی ہے لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: {لَا أَقْدِرُ بِأَيِّ دِكْمِلٍ عَمِنُوا هَذِهِ الْمَقَادِيرَ} ”مجھے معلوم نہیں کہ کس دلیل سے یہ مدت مقرر ہوئی اس پر کوئی دلیل نہیں۔“ ❷



حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو سال عمر پائی۔ آپ موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ننانوے (۵۹۹) سال بعد تشریف لائے۔ (اس کے دیگر اقوال بھی منقول ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے ہیں آپ نے انسٹھ سال عمر پائی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار سات سو سال پہلے تشریف لائے۔ ①

”اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔“

(سورۃ ص 12:23)

ذالایمان: کا معنی نعمتوں والا بھی ہے اور طاقت و قوت والا بھی ہے یعنی آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی طاقت کی تعریف فرمائی تو اس سے وہی مراد ہو سکتی ہے جو قابل تعریف ہو اور قابل تعریف وہی طاقت ہے جس کی وجہ سے انسان عبادات پر عمل کر سکے اور گناہوں سے بچ سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ یہ دراصل آپ علیہ السلام کا نفس کے خلاف جہاد تھا کیونکہ انسان کا ”نفس“ بچے کے طرح ہوتا ہے بچے کو ایک دن دودھ پلایا جائے اور دوسرے دن نہ پلایا جائے یہ بہت مشکل ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام نے اپنے نفس سے ایسا جہاد کیا جو عام آدمی کے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ ایک دن نفس کو خواہشات سے روکنا اور دوسرے دن خواہشات کی اجازت دینا عظیم کام تھا۔ آپ علیہ السلام نصف رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام فرماتے یعنی نوافل ادا کرتے پھر رات کا تہائی حصہ سوتے پھر رات کا چھٹا حصہ جاگ کر عبادت میں مشغول رہتے۔

داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا ذکر:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا ۚ
”اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہم السلام) کو بڑا علم عطا کیا

عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦﴾
(سورۃ نمل 16:19)
تھا اور دونوں نے کہا: سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی۔“

علم سے مراد لوگوں کے درمیان قضاء (فیصلہ) کا علم پرندوں کی بولیاں جاننے کا علم وغیرہ ”ہمیں فضیلت دی“ اس سے مراد نبوت اور جنوں شیطانوں کو آپ کے تابع بنانا ہے۔

”علم“ سے انسان کو فضیلت حاصل ہوئی انسان کو چاہیے کہ نعمتوں کے حاصل ہونے پر ان کا شکریہ ادا کرے۔ کسی نعمت کا اظہار بطور تکبر ناجائز ہے بطور شکر ذکر کرنا مستحب ہے سنت انبیائے کرام ہے۔ ❶

داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کا ذکر:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَخِضُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿١٢﴾
(سورۃ ص 12:23)
”اے داؤد (علیہ السلام)! ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی۔ بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اسلئے کہ وہ عذاب کے دن کو بھول بیٹھے۔“

”حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت دونوں حاصل تھیں۔“

”وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ الْمَقْصُودُ مِنْ تَعَالَىٰ اَعْلَامُ اَمِعِهِ لَآئِهٖ مَّقْصُومٌ وَكَتَبْتُمْ فِيمَا اَمَرَ بِهِ لَآئِهٖ اِنَّا كُنَّا هٰذَا الْخَطَابُ لِلْمَقْصُومِ فَفَهْرَةٌ اُولٰٓئِکَ“
”آپ علیہ السلام کو رب نے جو فرمایا: ”خواہش کے پیچھے نہ جانا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خواہش کے پیچھے چلنے سے امت کی تعلیم کے لئے روکا گیا ہے کہ وہ غور و فکر کریں۔ اور آپ علیہ السلام کو جو حکم دیئے گئے ہیں وہ ان کی تابعداری کریں۔ جب یہ حکم معصوم کو ہو سکتا ہے تو دوسروں کو تو یقیناً یہ حکم ہونا ہی ہے۔“

روایت کیا گیا ہے کہ بنی مردان میں سے کسی خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کہا کہ کیا تم نے سنا ہے؟ جو ہمیں خبر دی گئی ہے کہ خلیفہ پر کوئی قلم نہیں چلے گی اور اس پر کوئی معصیت نہیں لکھی جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین خلفاء افضل ہیں یا انبیاء علیہم السلام؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تعلیم امت

کے لئے خواہشات کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے تو خلیفہ کیا چیز ہو سکتا ہے؟ ①

ایک انسان دنیا میں زندگی گزارنے کی جمیع ضروریات پر عمل نہیں کر سکتا۔ کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے، کوئی دانے پیتا ہے، فائدہ: کوئی روٹی پکاتا ہے، کوئی کپڑا بنتا ہے اور کوئی سلائی کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ تمام کام مل کر تمام کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جب سب لوگوں نے ایک ہی علاقہ ایک ہی سرزمین میں مجتمع ہو کر رہنا ہے اور مختلف کام سرانجام دینے ہیں تو ان میں اختلافات اور جھگڑے ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ اس لئے ان میں کوئی ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہئے جسے طاقت اور دبدبہ حاصل ہو جو ان کے اختلافات دور کر سکے ان کے جھگڑوں میں فیصلہ کر سکے یہ وہ بادشاہ ہی ہو سکتا ہے جس کا حکم کل پر نافذ ہوتا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ مخلوق کی مصلحت کے لئے بادشاہ، سیاستدان کا ہونا ضروری ہے۔ پھر اگر بادشاہ اپنی خواہش کے مطابق احکام نافذ کرے اپنے دنیاوی منافع حاصل کرے مخلوق کو عظیم ضرر پہنچائے رعیت کو اپنی ذات پر قربان کر دے یعنی اپنی بادشاہت کو بچانے کے لئے رعیت کی تباہی کا لحاظ نہ کرے رعیت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرے تو دنیا تباہی و بربادی پر پہنچ جاتی ہے۔ مخلوق میں قتل و غارت کا وقوع عام ہوتا ہے آخر کار اس بادشاہ کی تباہی کا وقت بھی آ جاتا ہے اس طرح بادشاہ کے مظالم سے ملک کی بربادی کے ساتھ بادشاہ کی اپنی بربادی بھی ہو جاتی ہے۔

اگر بادشاہ شرعی احکام کے مطابق فیصلے کرے تو نظام عالم درست ہو جاتا ہے۔ بھلائی کے دروازے اچھے طریقے سے کھل جاتے ہیں ان مقاصد کے پیش نظر قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا۔

پہاڑ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ ۖ وَالْإِشْرَاقِ ۖ وَالطُّلُودِ ۖ
مَحْشُورًا كُلُّ لَهٍ أَوَّابٌ ﴿١٥﴾
”بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ کو مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کئے ہوتے اور سب اس کے فرمانبردار تھے۔“
(سورۃ ص 12:23)

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کر دیا یعنی پہاڑ آپ کے تابع تھے۔ آپ جہاں چلتے پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے یا آپ جس جگہ پہاڑوں کے لے جانے کا ارادہ فرماتے پہاڑ وہاں چلے جاتے۔ آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی آواز بہت حسین تھی آواز میں رعب اور دبدبہ بھی تھا۔ جب آپ خوش الحانی سے ”زبور شریف“ پڑھا کرتے تو پہاڑوں سے بھی تسبیحات کی حسین و جمیل گنگناہٹ سنائی دیتی۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی کارنامے موجود ہیں یعنی پہاڑوں کے جسم میں زندگی پیدا فرماتا ہے، پھر انہیں شعور عطا فرماتا ہے، پھر انہیں قدرت سے نوازتا ہے، پھر انہیں بولنے کی طاقت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن پاک میں ایک اور بھی ہے: {فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ} جب اس (موسیٰ) کے رب نے اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں عقل و فہم پیدا کئے، پھر اسے اپنے صفاتی نور کے دیکھنے کے لئے دیکھنے کی طاقت و سمجھ عطا کئے، دیکھنے پر وہ پہاڑ برداشت نہ کر سکا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خوش آوازی سے زبور پڑھنے اور تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ پرندے بھی تسبیحات پڑھتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے قریب آکر کان لگا کر سنتے تھے اتنے قریب ہو جاتے تھے کہ آپ پرندوں کو گردن سے پکڑ کر ان سے پیار کرتے بلکہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی آواز میں رب نے ایسا عجیب اثر رکھا تھا کہ آپ جب زبور پڑھتے تو چلتا پانی رک جاتا۔ درختوں پر یہ اثر ہوتا کہ گویا وہ بھی زبان حال سے آپ کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہے ہیں اور ان کے پتے جھرنے شروع ہو جاتے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ❶

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب یہ پتہ چلا کہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے اور تسبیحات پڑھتے اور پرندے آپ کے پاس قائم رہتے: جمع ہو جاتے تھے.....

”وَجَمَعَهَا إِلَيْهِ هُوَ حَشَرُهَا فَيَكُونُ عَلَى هَذَا التَّعْدِيرِ“ ”ان پرندوں کا آپ کے پاس اجتماع وہ حشر ہے ان کا ”حاشر“ یعنی جمع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔“ ❷

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس ذات نے یہاں غیر ذوی العقول کو عقل عطا کر کے اور غیر ذی روح کو روح عطا کر کے آپ کے تابع بنادیا۔ وہ ذات قیامت میں ذی روح کی روح کیونکر نہیں لوٹا سکتا۔
تنبیہ: عام طور پر اہل عرب لفظ بولتے ہیں {شَرَقَتِ الشَّمْسُ} ”سورج طلوع ہو گیا“ اور {أَشْرَقَتِ الشَّمْسُ} کا معنی لیتے ہیں ”سورج روشن ہو گیا“۔ آیت کریمہ میں لفظ ”اشراق“ استعمال ہوا ہے اس سے صلوٰۃ ضحیٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے۔
حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے آپ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا اور وضو کر کے ”صلوٰۃ ضحیٰ“ (چاشت کی نماز) ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ام ہانی! هَذِهِ صَلَوةُ الْإِسْرَاقِ نماز اشراق ہے۔

حضرت طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاشت کی نماز کا ذکر قرآن پاک میں پاتے ہو؟ تو حاضرین نے جواب دیا نہیں۔ تو میں نے اسے {يُسَبِّحَنَّ بِالْعِشِيِّ وَالْإِسْرَاقِ} میں پالیا۔ ❸

”وَيَكُونُ مِنْ هَهُنَا أَنَّ الْإِشْرَاقَ وَالضُّحَىٰ وَاحِدٌ يَعْنِي هُوَ فِي الْحَقِيقَةِ وَقْتُ وَاحِدٍ وَصَلَاةٌ وَاحِدَةٌ أَوَّلُهَا وَقْتُ الْإِشْرَاقِ وَآخِرُهَا إِلَى قُبُلِ يَصْفِ النَّهَارِ وَلَكَمَا صَلَّى فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ فِي الْوَقْتَيْنِ ظَنُّوا أَنَّ هَهُنَا وَقْتَيْنِ وَصَلَوَتَيْنِ“ ❶

”اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہیں یعنی ایک ہی وقت ہے اور ایک ہی نماز ہے اول وقت کو اشراق کہا جاتا ہے اور آخر کو ضحیٰ کہا گیا ہے آخر وقت زوال سے تھوڑا پہلے تک ہے جب بعض اوقات یہ نماز اول وقت میں پڑھی گئی اور بعض اوقات آخر میں تو یہ گمان ہوا کہ دو وقت علیحدہ علیحدہ نماز ہیں۔ (حالانکہ نماز ایک ہی ہے)

اشراق یا چاشت کی رکعات:

”أَقَلُّهَا رَكْعَتَانِ وَأَدْنَىٰ كَمَالُهَا أَرْبَعٌ وَيَزِيدُ مَا شَاءَ فَهُوَ ثَمَانٌ رَكْعَاتٍ وَأَكْثَرُهَا اثْنَتَا عَشْرَةَ رَكْعَةً“ ❷

”کم از کم دو رکعتیں اور کمال کا ادنیٰ درجہ چار رکعتیں ہے اس سے زائد جتنی چاہے پڑھے اور آٹھ رکعتیں اور اس سے بھی زائد بارہ رکعتیں ہیں۔“

تمام تعداد کی صورتوں پر احادیث مبارکہ دال ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے: {أَوْصَاهُ بِهِمَا وَأَنَّ لَا يَدْعُهَا} آپ نے دو رکعتیں ادا کرنے اور ان کو نہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔

مسلم مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَىٰ أَرْبَعًا وَيَزِيدُ مَا شَاءَ“ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبحی چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ اللہ تعالیٰ۔“

فرماتے جتنا رب تعالیٰ چاہتا۔“

ابن عبد البر نے تمہید میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا:

”قَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى ثَمَانِ رَكْعَاتٍ فَقُلْتُ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ قَالَ هَذِهِ صَلَاةُ الضُّحَى“ ❸

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون سی نماز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ چاشت کی نماز ہے۔“

ایک ضعیف روایت میں بارہ رکعت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

خیال رہے کہ راقم کا مطلب صرف مسئلہ کی تحقیق تھی۔ جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی ہوئی ہے اور وہ اشراق کے وقت علیحدہ نوافل پڑھتے ہیں اور چاشت کے وقت علیحدہ۔ انہیں اس مستحسن فعل سے منع کرنا مقصود نہیں۔ یہ جاہلانہ

طرز عمل ہے کہ: فلاں وقت دعا نہ کر دُفرض کے بعد دعا ثابت نہیں، سنتوں اور نوافل کے بعد دعا ثابت نہیں، جنازہ کے بعد دعا نہیں، جمعرات کو دعا نہیں، چالیسویں پر دعا نہیں، نہ جانے کیوں خدا سے مانگنے میں بھی جاہلوں کو شرم آتی ہے؟ خدا سے نہ مانگنے والے متکبر جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس مسئلہ پر میری کتاب ”شمع ہدایت“ کا مطالعہ کیا جائے۔

آپ کی بادشاہی کا دبدبہ اور اثر خطاب:

وَشَدَدًا مُلْكُهُ وَاتِّمَّةُ الْحِكْمَةِ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿١٢﴾
(سورۃ ص 23:12)

”اور ہم نے اس کو اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چھتیس ہزار آدمی رات کو آپ کی حفاظت کرنے والے ہوتے صبح ہوتی تو آپ ان کو فرماتے کہ تم لوٹ جاؤ تو پر اللہ کا نبی راضی ہے۔ بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی حفاظت کرنے والے چالیس ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ (کبیر)

اتنی تعداد میں لوگ اپنے شوق و محبت کی وجہ سے آپ کی حفاظت کے لئے آتے تھے اس میں اپنی سعادت سمجھتے اور باعث برکت سمجھتے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا یہ کہنا: یہ عقلاً بعید ہے کیونکہ اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی یہ قول مجھے درست نظر نہیں آ رہا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو ضرورت نہیں تھی لیکن آپ کے غلاموں کو آپ کی خدمت کی ضرورت تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک شخص پر گائے کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا: تم دونوں جاؤ! میں اس معاملہ میں غور و فکر کروں گا۔ وہ دونوں آپ کی محفل سے چلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نیند آگئی تھی آپ کو خواب میں کہا گیا کہ مدعی کو قتل کر دو۔ آپ علیہ السلام نے خیال کیا یہ خواب ہے مجھے اس معاملہ میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ دوسری رات پھر خواب میں آپ کو یہی کہا گیا کہ اس شخص کو قتل کر دو آپ نے پھر بھی اس پر عمل نہ کیا۔ تیسری رات پھر آپ کو یہ کہا گیا اس شخص کو قتل کر دو یا تم پر اللہ تعالیٰ طرف سے گرفت آئے گی۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلوایا۔ آپ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ ں نے کہا: آپ مجھے بغیر گواہوں اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کرائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اللہ تعالیٰ کا حکم تم پر ضرور جاری کروں گا۔ اس شخص نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں کیونکہ میں آپ کو اصل بات بتاتا ہوں میں اس (گائے کے) جرم کی وجہ سے اس گرفت میں نہیں آیا، بلکہ میں نے اس شخص کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور اسے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ میں اس

گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل پر آپ کی بہت بڑی ہیبت اور عظیم رعب طاری ہو گیا۔ اس طرح آپ کی بادشاہت کا دبدبہ ہر شخص کے دل میں بیٹھ گیا۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطاء کی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ (بقرہ 3:5) ”جسے حکمت عطاء کی جائے اسے خیر کثیر عطا کیا جاتا ہے۔“

یعنی علم اور ایسے اعمال جو دین دنیا میں اچھے اور نیک ہوں اور درست اعتقادات کا عطاء ہونا یہ سب حکمت میں داخل ہیں۔ ❷

پُر اثر خطاب فیصل:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ”خطاب فیصل“ سے نوازا جس کی وجہ سے آپ لوگوں کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کی قدرت رکھتے تھے، جو بہت زیادہ اثر انداز ہوتا تھا۔ خیال رہے کہ جمادات یعنی پتھروں وغیرہ کو تو ادراک و شعور ہی حاصل نہیں اور انسان کے بغیر دوسرے حیوانوں کو ادراک و شعور حاصل ہے لیکن وہ کسی چیز کو کچھ نہ کچھ سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل نہیں۔ اپنے دل کی بات کسی تک پہنچا سکیں یہ ان سے نہیں ہو سکتا۔ صرف انسان ہی ہے کہ کسی چیز کا ادراک کر کے دوسرے تک بھی پہنچا سکتا ہے۔ پھر بعض انسان اس انداز سے کلام کرتے ہیں کہ اس میں مضامین خلط ملط ہوتے ہیں دوسروں کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اور بعض اپنی بات کو کامل طور پر سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل صالح، اعتقاد صالح عطاء کر کے جس طرح قوت باطنیہ کو کمال بخشا اسی طرح ”خطاب فیصل“ عطاء کر کے آپ کی قوت گویائی (بولنے کی قوت) کو کمال عطا کیا۔

لوہے کا آپ کے ہاتھ میں نرم ہو جانا:

وَاللَّاهُ الْحَمِيدُ ﴿٩﴾ اِنَّا اَعْمَلُ سَبْعَ سَاعَاتٍ وَكَلِّدُ فِي السَّرْدِ ﴿١٠﴾ ”اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زر ہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔“ (سورہ سہا 22:9)

آپ کے ہاتھ میں لوہا موم اور گوندھے ہوئے آنے کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ آگ میں نرم کرنے اور ہتھوڑے سے کوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ آپ علیہ السلام جیسے چاہتے اس طرح لوہے کو ہاتھ سے ادھر ادھر پھیر کر زرہ بنا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ بہت خوبصورت اور معتدل زرہ بناتے نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ اس میں کیل بھی ایک خاص

مقدار کے لگاتے بہت بڑے یا چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔ تاہم بعض مفسرین کرام نے کہا آپ کو کیل لگانے کی ضرورت ہی درپیش نہیں آتی تھی۔ لوہا نرم ہو جاتا جیسے چاہتے اس کو اسی طرح پھیر لیتے۔

حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب سے بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ نے یہ عمل شروع کیا کہ رات کو عام آدمی کی حیثیت سے باہر تشریف لے جاتے جو شخص ملتا اس سے پوچھتے: داؤد بادشاہ کیسا ہے؟ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات ایک فرشتہ سے ہوئی جو انسانی شکل میں تھا جب آپ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: آدمی تو بہت اچھا ہے صرف ایک بات اس میں نہ پائی جائے تو وہ بہت ہی کامل انسان ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ وہ بیت المال سے رزق کھاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں تو ان کے فضائل میں تکمیل پائی جائے۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی: اے اللہ! مجھے زرہ بنانے کا علم عطا فرما دے اور مجھ پر زرہ بنانی آسان فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کا علم عطا فرما دیا اور لوہے کو آپ کے ہاتھ میں نرم فرما دیا۔ آپ اس کی آمدنی کا تہائی حصہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ فرماتے۔ ایک زرہ ہر روز تیار فرماتے تھے ایک ہزار چار ہزار اور چھ ہزار درہم تک آپ کی بنائی ہوئی زرہیں فروخت ہوتیں۔ اس کی آمدنی میں سے آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے اور اپنے اہل و عیال کا خرچ اسی سے پورا فرماتے۔ فقراء اور مساکین کو بھی اس مال سے دیتے۔ تین سو ساٹھ زرہ ہیں آپ نے تیار فرمائی تھیں ان کو فروخت کر کے آپ نے اتنے درہم حاصل کر لئے تھے کہ آپ بیت المال کے محتاج نہ رہے بلکہ اس سے کثیر رقم غرباء کو بھی دیتے۔ ①

انبیائے کرام کا مقام بہت بلند ہے:

کچھ آیات کریمہ کی تشریح میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایسے قصے منسوب کر دیئے گئے ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ میں نے جب ان آیات کریمہ کی تفسیر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر میں دیکھی تو ارادہ ہوا کہ آپ کے عظیم دلائل کو ذکر کیا جائے۔ اس کے بعد تفسیر ضیاء القرآن کو دیکھا تو خیال ہوا کہ اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یہ تفسیر ہی زیادہ بہتر ہے کہ اسی کو بعینہ ذکر کر دیا جائے۔ اس لئے ”ضیاء القرآن“ سے ہی نقل کر رہا ہوں۔ علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مقام میں تفسیر کبیر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخُسُفِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿١٠١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصِمُكَ بَعْضُ بَعْضًا عَلَى بَعْضٍ فَأَخَاطَمُكُم بِمَنَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَسْطِطُ وَاهِدِنَا إِلَى

”اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی؟ جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد (علیہ السلام) پر۔ پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔

سَوَاءٌ الصِّرَاطُ ﴿٢٣﴾ إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْبَةً وَلِي نَعْبَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٤﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْبَتِكَ إِلَىٰ بَعِاجِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ﴿٢٥﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ﴿٢٦﴾

انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ! (صورت نزاع یہ ہے) یہ میرا بھائی ہے اور اسکی ننانوے دنیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دو اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنی کو اپنی

(سورة ص 23:12)

دنیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آگیا داؤد (علیہ السلام) کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے۔ سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع (سجدہ) میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے۔

اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔ جب کسی واقعہ کی طرف مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تا کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر (بڑی توجہ سے) اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔

”الْإِسْتِفْهَامُ أَمْرٌ لِلتَّنْبِيهِ عَلَىٰ جَلَالَةِ الْقِصَّةِ وَالْإِصْغَاءِ إِلَيْهَا وَالْإِعْتِبَارُ بِهَا“

یعنی کیا آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں اچانک جادھمکے۔ ”تسور الحائط نسلق“ دیوار پر رینگ کر چڑھنا۔ محراب سے مراد آپ کی عبادت کا حجرہ ہے اس کا ماخذ مادہ اشتقاق ”حسب“ ہے کیونکہ وہاں آپ علیہ السلام اپنے نفس سے برسر پیکار رہتے تھے۔ اس لئے اس کو محراب کیا گیا۔ مسجد کے محراب کو بھی اسلئے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوائے نفس (نفس کی خواہشات) تھلیل ابلیس (شیطان کا بھٹکانا) اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یاد رہے کہ مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہد رسالت میں نہ تھی۔

”صَرَءَ الْجَلَالُ السُّوْطِيُّ أَنَّ لَا مَعَارِبَ أَلَيْسَ فِي الْمَسَاجِدِ بِمَنْتَبَهِهَا الْمَعْرُوفَةِ الْهُدَى لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ“
 ”علامہ جلال الدین سیوطی نے وضاحت فرمائی ہے کہ مساجد میں محرابوں کی آج جو مشہور و معروف شکل ہے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ ایک روز حکومت کے کاروبار سرانجام دیتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ دوسرے روز اپنے گھر کے فرائض انجام دیتے۔ تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تاکہ لوگ ان کی عبادت میں غل نہ ہوں (خلل نہ ڈالیں) اس روز کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اندر آئے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے عبادت کے حجرے میں عبادت میں مصروف تھے تو ایسے وقت میں ان اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اندر گھس آنا بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ ﷺ کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی، وہ بھی اس چیز کو بھانپ کر کہنے لگے: ڈریئے نہیں! ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ ازراہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجئے اور ہم میں سے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو جو فریق بھی ظلم اور عدوان کی راہ پر گامزن ہے اسے عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرما دیجئے۔

”لا تشطط ای لا تجاوز“ لا تشطط کا معنی ہے تجاوز نہ کرو۔ اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دینیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دینی ہے۔ یہ مجھ کو کہتا ہے کہ یہ ایک دینی بھی مجھے دے دو میں اس کی حفاظت کروں گا اس طرح میری دنیوں کی تعداد پوری (یعنی سو) ہو جائے گی اور تو اس دینی کی حفاظت کے جھنجھٹ سے چھوٹ جائے گا۔ یہ جب بات کرتا ہے تو چھا جاتا ہے اور سننے والوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میری دادرسی کرنے کے بجائے الٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا یہ مطلب ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

”أَيُّ مَخَاطَبَتِهِ إِيَّاهُ مَعَاجَظَةٌ بِأَنَّ جَاءَ بِحَبِيبِهِ لَمْ أَطِقْ رَدًّا“

آپ نے فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی سراسر زیادتی ہے یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دنیوں سے بھی اس کی چشم آرز (حرم والی آنکھ) سیر نہیں ہوتی بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دینی دیکھ کر اسے رحم آئے اور دس بیس دینیاں اپنے پاس سے دے دے تاکہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے وہ اس کے پاس ایک دینی بھی نہیں دیکھ سکتا ہے اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے یہ صریح ظلم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے بڑے حصہ والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ البتہ وہ حصے دار جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں (عادت بنائی ہو) وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے ان کا حق نہیں چھینتے بلکہ حق و انصاف اور مروت و اخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

یہ فیصلہ سنانے کے بعد معا (ساتھ ہی) حضرت داؤد علیہ السلام کو کوئی اپنی بات یاد آگئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جارہی ہے۔ فوراً مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے۔ یہاں (فخر راکعاً میں) راکع سے مراد ساجد ہے اور رکوع سجود کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے:

فَخَرَّ عَلَى وَجْهِهِ رَاكِعًا وَكَانَ إِلَىٰ الْوَمِنُ كُلِّ ذَنْبٍ

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں ”راکعاً“ کا معنی ”ساجدا“ سجدہ کرنے والا ہے۔ (اس شعر میں داؤد علیہ السلام کا ذکر نہیں شعر سے صرف یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ رکوع کا معنی سجدہ عام طور پر آتا رہتا ہے۔)

آیات کی اس تشریح کے بعد ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ داؤد علیہ السلام کا اصل واقعہ: کیا گیا ہے۔ مفکر اسلام مفسر قرآن علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ضیاء القرآن“ میں آپ مختلف مقامات پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیائے کرام پر فحش تہمتیں لگانے میں کتنے بے باک تھے؟ ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی طرف منسوب کرتے ہوئے انسان ہچکچاتا ہے وہ بے دریغ اپنے نبیوں، اپنے محسنوں اور اپنے مشاہیر (مشہور حضرات) کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہی خرافات میں سے ایک یہ واقعہ ہے جو بائبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا جائے لیکن عرض حال کے لئے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں:

کتاب ۱۲ سموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہار ہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی ”بت سبع“ نہیں جو ”حتی“ اور ”یاہ“ کی بیوی ہے؟ داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی پھر وہ اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ ①

کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ آیات ۲-۵ بحوالہ ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج ۴ ص ۴۰

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ”یوآب“ جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو ”حتی اور یاہ“ کو ایسی جگہ تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو:

”صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے ”اور یاہ“ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اور یاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا کہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو، اور یوں ہوا کہ جب ”یوآب“ نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے ”اور یاہ“ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا کہ بہادر مرد ہیں۔ اور اس شہر کے لوگ لٹکے اور ”یوآب“ سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور ”حتی اور یاہ“ بھی مر گیا۔^①

علمائے یہود نے اپنی مقدس کتاب میں جو الزام حضرت داؤد علیہ السلام پر لگایا اس کو پھر یوں اچھالا کہ زبان زد عام ہو گیا۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من وعن ذکر کر دیا۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس قصہ سے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں:

”یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے“

”فَالْذِي آيُنُّ بِهِ وَالْغَبُّ إِلَهُ أَنْ فَالِكَ بِاطِلُ“
”کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔“
پھر بھی اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا اور جس بد بخت نے ایسی فحش بات اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پر زور تردید کرے گا اور بہتان لگانے والے پر لعنت بھیجے گا۔ ایسا گھناؤنا جرم جسے ایک ادنیٰ درجہ کا امتی اپنے لئے پسند نہیں کرتا ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب آلودہ ہو سکتا ہے؟ نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام پر دو سنگین جرم ثابت ہوں گے: ایک قتل بیکناہ اور دوسرا فعل قبیح (برافعل)۔

قرآن میں یہ آیات اس لئے نازل کی گئیں تاکہ نبی کریم ﷺ کی دلجوئی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کفار کی دل آزاری سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اگر حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ

① کتاب 2، سونل باب 11 آیات 14-17 بحوالہ ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 1 ص

ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ فرماتا، جو اپنی خواہش نفس کے سامنے بے بس ہے اور قتل بے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے۔ نیز سابقہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو جن صفات عالیہ سے موصوف فرمایا گیا ہے..... عبدنا (ہمارا بندہ) ذالاید (عبادت و طاعت میں بڑا طاقتور) اواب (ہر وقت رجوع کرنے والا) صاحب فصل الخطاب وغیرہ۔

اگر آپ علیہ السلام سے ایسی رزیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے موصوف کرنے کا پھر کوئی مقصد نہ رہتا۔ آپ کو {عندنا لزلفی} اور {حسن ماب} کی خوشخبری ہرگز نہ دی جاتی۔ اس لئے آیات کا سیاق اور سباق دونوں اس قصہ کی پرزور تردید کرتے ہیں اور اسے سراپا لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:

”مَنْ حَدَّثَكُمْ بِحَدِيثِ دَاوُدَ عَلَى مَا يَرْوِيهِ الْقَصَاصُ جَلَدْتُهُ“ یعنی جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ درے (کوڑے) لگاؤں گا۔“

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ رواج عام تھا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی کہ اگر کسی کی منکوحہ (زوجہ) کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تا کہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں، چنانچہ بسا اوقات وہ شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ شخص عدت گزارنے کے بعد اس عورت سے نکاح کر لیتا لیکن نبی کی شان بڑی اونچی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات پر تنبیہ فرمادی۔ (یعنی داؤد علیہ السلام نے کسی شخص کی عورت کی طرف میلان کر کے اسے طلاق دینے کے متعلق کہا تھا پھر اس سے نکاح کر لیا تھا)

امام ابو بکر صام رحمہ اللہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی ”اور یاہ“ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔ صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہوں نے وہ رشتہ آپ کو دے دیا لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔ (اگر واقعہ اس صورت مذکورہ میں پیش کیا جائے تو آپ کی طرف گناہ صغیرہ کی نسبت لازم آئے گی جس سے انبیائے کرام پاک ہیں۔)

ان تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ نہ گناہ کبیرہ کی نسبت آپ کی

طرف ثابت ہو نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ کی مدح و ثناء کا پہلو لکھے۔“

بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ کے مخالف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کے تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھی۔ آپ ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آ گئے تاکہ تنہائی میں آپ کا کام تمام کر دیں اور پہرے داروں کو بھی اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ کے حجرے میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے، جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اور اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ:

”ہم آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے دروازہ بند پایا۔ پہرہ داروں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اس لئے مجبوراً ہم دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ آپ ان کی بدعتی پر آگاہ ہو گئے پہلے تو آپ کو بڑا غصہ آیا اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا لیکن بعد میں غنودر گزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔ اور استغفار اس لئے مانگی کہ ان کے دل میں اپنی ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں:

”وَكَانَ قَوْلُنَا أَوَّلَىٰ وَهَذَا مَا عِنْدَنَا فِي هَذَا الْبَابِ وَاللَّهُ” ”یعنی ہماری یہ توجیہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار رموز کو بہتر جانتا ہے۔“

علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین ہے:

”ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ کی عدالت کا وقت نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں (کیونکہ ایک گروہ آپ کا مخالف تھا) لیکن جب واضح ہو گیا کہ یہ دونوں تو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ (یعنی ان لوگوں کا بے وقت آدمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادے سے آئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا گھبرا جانا) آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں سوہن ظن کرنا آپ کی شان نبوت سے فروتر ہے (بہت کم ہے) اسلئے آپ مغفرت طلب کرنے لگے۔

آخر میں علامہ مذکور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وَنَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَعْصُومُونَ مِنْ” ”یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیائے کرام گناہ اور خطاء سے

الْغَطَايَا لَا يُمَكِّنُ وَقُوْعُهُمْ فِيْ شَيْءٍ مِنْهَا ضَرْوْدَةٌ اِنْ لَوْ جَوَزْنَا عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ بَطَلَتْ الشَّرَائِعُ وَلَكُمُ يُوَقِّقُ بَشِيْءٌ مِّمَّا يَذْكُرُوْنَ اِنَّهُ وَحْيٌ مِنَ اللّٰهِ فَمَا حَكَى اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ يَمُرُّ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ وَمَا حَكَى الْقَصَاصُ مِمَّا فِيْهِ نَقْصٌ لِّمَنْصِبِ الرِّسَالَةِ طَرَحْنَاهُ وَنَحْنُ نَقُوْلُ كَمَا قَالَ الشّاعِرُ:

وَنُوْثِرُ حُكْمَ الْعَقْلِ فِيْ كُلِّ شُبْهَةٍ
اِذَا تَرَّ الْأَخْبَارُ جَلَّاسٌ قَصَاصٍ

معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہیں رہتا اور انبیائے کرام کے فرمودات (ارشادات) سے اعتبار اٹھ جاتا، قصہ گو (قصے کہانیاں بیان کرنیوالے) لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑ لی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے: ”جس بارے میں شک و شبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گوؤں کے ہمنشین حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں“

شیخ اکبر حضرت ابن عربی رحمہ اللہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

”واعظوں کو چاہئے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے: کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں، جب داعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔“

پھر فرماتے ہیں:

”وَلَا يَتَعَرَّضُ لِمَا ذَكَرَهُ الْمُؤَرِّخُونَ عَنِ الْيَهُودِ مِنْ زَلَّاتٍ مَنْ اَنْسَى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَاجْتَبَاهُمْ وَبَجَعَلُ ذٰلِكَ تَفْسِيْرُ كِتَابِ اللّٰهِ“

مقدس ہستیوں کی لغزش کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثناء تو صیغہ فرمائی ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چھ لیا ہے۔ اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ: وہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔“

مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی اس ایمان افروز تفسیر..... جو تفسیر کبیر اور البحر نتیجہ واضح ہوا: المحیط اور فتوحات مکیہ کے حوالہ جات سے مزین ہے..... سے واضح ہو گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والی کہانیاں کہ ”آپ نے (معاذ اللہ) ایک عورت سے برائی کا ارتکاب کیا اور پھر اس کے خاوند کو قتل کر دیا“ یا

آپ نے کسی کی منگنی تڑا کر خود منگنی کر لی یا اپنے دوست کی بیوی پر عاشق ہو کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا؟ یہ تمام یہودہ باطل افسانے ہیں۔ یہود کی من گھڑت کہانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نبی شان کے لائق ہرگز ہرگز ایسے واقعات نہیں ہو سکتے۔ صحیح واقعہ وہی ہے جو صاحب تفسیر کبیر نے یا البحر المحیط نے تحریر کیا ہے اور اسی کو صحیح سمجھنے کی تاکید شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔

داؤد علیہ السلام کی خلافت اور عدل و انصاف کا حکم:

يٰۤاٰدٰوْدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِاِطْلَاقٍ لِّلَّذِيْنَ ظَنُّوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿١٧﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿١٨﴾ كِتٰبُ الْاَزْكٰى اَلَمْ يَبْرِكْ لِمَنْ يَّهْدُوْهُ اِلَيْهِمْ وَلِكَيْلَ تَكْفُرُوْا اَوْلٰٓئِكَ الْاَلْبَابُ ﴿١٩﴾ (سورہ ص 12:23)

”اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ ہیروئی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے بیشک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں اور لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ تدبیر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورشہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے لئے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنایا۔ اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرمادی اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو اور اپنی پسند و ناپسند کو کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے اپنی خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ اسکی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ اور جو شخص راہ حق سے بہک جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ضمن میں منہیہ تحریر فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے:

”ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ زبیر کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ما الخلیفۃ من الملک؟ یعنی

خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرات ظلو اور زیر نے کہا ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے عرض کیا:

”الْخَلِيفَةُ الَّذِي يَعْدِلُ فِي الرِّعَايَةِ وَيُقِيمُ بَيْنَهُم بِالْهُدَى وَيَشْفِقُ عَلَيْهِمْ شَفَقَةَ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ وَيَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ“
یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔“

سلیمان بن عوجاہدؓ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظمؓ نے حاضرین سے کہا: مَا أَدْرِي أَخْلِيفَةُ أَنَا أَمْ مَلِكٌ؟ ”مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔“ ایک شخص کہنے لگا: اے امیر المومنین! دونوں میں بڑا فرق ہے۔

آپ نے فرمایا کہ فرق کیا ہے؟
”قَالَ الْخَلِيفَةُ لَا يَأْخُذُ بِالْأَحْقَا وَلَا يَضَعُهُ إِلَّا فِي حَقِّ أَتٍ بِحَمْدِ اللَّهِ كَذَلِكَ وَكَذَلِكَ يَعْصِي النَّاسَ فَيَأْخُذُ مِنْ هَذَا يُعْطَى هَذَا فَسَكَتَ عُمَرُ“ (حاشیہ تفسیر مظہری)
اس نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے آپ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے اس سے لیتا ہے اس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔“

سربراہ مملکت کے لئے اسلام نے ”بادشاہ“ سلطان ”جیرمین“ وغیرہ کلمات پسند نہیں کئے کیونکہ ان میں خود سری اور انا نیت کی بو آتی ہے بلکہ ”خلیفہ“ کا لفظ تجویز کیا ہے۔ جس کا معنی خود سر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔

یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دوسروں نظاموں اور اسلام کے نظام سیاست میں بنیادی اہمیت کا مالک ہے۔ قرآن پاک نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر انداز اور پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فیصلہ کرتے وقت خارجی چیز، سفارش، کوئی طمع کوئی خوف، حتیٰ کہ اپنے ذاتی مفاد کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے روز جزاء کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزان عدل کو برابر نہیں رکھ سکتا تو اس کو یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اسے فراموش کر دیتے ہیں اس کے لئے عذاب شدید ہے۔
”اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نُضِلَّ عَنْ سَبِيلِكَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْحَشْرِ وَعَذَابِ النَّارِ“

کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش و عشرت کر لو، خوب مزے اڑاؤ، دولت کماؤ، جتنی کما سکتے ہو۔ حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو، یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ و منصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو، مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزار سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطے کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام عبث اور بے مقصد ہے۔ ایک نیک کار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ متقی اور پرہیزگار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں۔ سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی، ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل ہوں گے۔ حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ ❶

حضرت داؤد علیہ السلام کے ”جالوت“ کو قتل کرنے کا واقعہ حضرت ”طالوت“ کے واقعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کیا جائے گا۔



حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین:

حضرت سلیمان علیہ السلام

”اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا۔“

وَقَدْ ثَلَّثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ﴿سورۃ نمل 19: 16﴾

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ”ورث“ کا معنی ”جانشین“ کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کی بادشاہت اور خلافت کے جانشین بنے۔ مال و دولت کی وراثت یہاں مراد نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انبیائے کرام کے مال و دولت کا کسی کو وارث نہیں بنایا جاتا۔

”ہم انبیائے کرام کی جماعت نہ وارث بنتے ہیں اور نہ وارث بنائے جاتے ہیں۔“

”لَحْنُ مَعَاشِرِ الْأَنْبِيَاءِ لَا تَرِثُ وَلَا تُورِثُ“

اسی طرح ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

”إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرِكُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَكِنْ وَرَثَةُ الْعِلْمِ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَبْلِ الْوَارِثِ“

”بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہوتے ہیں اور بے شک انبیائے کرام کے ورثہ دار ہم و دنانیر کے وارث نہیں ہوتے بلکہ ان کے علم کے لوگ وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس (علم) کو حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ حاصل کر لیا۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ اگر یہاں وراثت مال کی مراد ہوتی تو سب بیٹے وارث ہوتے صرف سلیمان علیہ السلام نہ ہوتے۔ نیز بادشاہت اور نبوت میں بھی وراثت لزومی طور پر جاری

سنن ابی داؤد سلیمان ابن اصف بھٹانی رحمہ اللہ ج 2 ص 157 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور

نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے وارث کا ”جانشین“ معنی کرنا بہت ہی کامل اور حسین ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھتے:

وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِّمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ وَأَوْقِنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ ”انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور اِنَّا هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ“ (سورۃ نمل 16:19)

ہر چیز میں سے ہم کو عطاء ہوا بے شک یہی ظاہر فضل ہے۔“

یہ تو ہم روز مرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ پرندے ضرور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں جس طرح ایک قسم کے پرندے دوسرے قسم کے پرندوں سے مختلف بولیاں بولتے ہیں اسی طرح ایک ہی قسم کے پرندے مختلف اوقات میں مختلف قسم کی بولیاں بولتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے ان کے بولنے کا انداز اور ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کے وقت ان کی گفتگو کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ جب ان پر کوئی درندہ یا شکاری حملہ کرنا چاہے تو ان کے کلام کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی بولیاں صرف چیخ و پکار شور و غل میں ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں مطالب و مقاصد بھی پائے جاتے ہیں جنہیں وہ خود اچھی طرح سمجھتے ہیں اگرچہ ہم ان کی بولیوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام سمجھ لیتے تھے یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

یاد رہے کہ آپ علیہ السلام کا اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرنا سیاست کے قانون کے مطابق تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے اسی انداز سے کلام کرتے ہیں اس میں تکبر کی نیت نہیں تھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ پرندوں کی بولیاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے باپ حضرت داؤد علیہ السلام دونوں ہی جانتے تھے اسلئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھی پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ”موز“ کی آواز کون کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے: جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

{ہد ہد} کی آواز کون کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے: اے گناہگارو! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔

{خطاف} (لبے بازوں والا چھوٹے پاؤں والا سیاہ رنگ کا پرندہ)..... کی بولی سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے: نیکی کے کام کرو: تاکہ آگے ان کی جزا پاؤ۔

{قمری} کی آواز سن کر کہا: کہ یہ تسبیح پڑھ رہی ہے ”سبحان ربی الاعلیٰ“

- { چیل } کو بولتے ہوئے سن کر کہا: یہ کہہ رہی ہے: رب کے بغیر ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے۔
- { بھٹ تیر } کی آواز کون کر کہا: یہ کہہ رہا ہے: جو خاموش رہا وہ سلامتی میں رہا۔
- { مرغی } کی آواز سن کر فرمایا: یہ کہہ رہی ہے: اے غافلو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔
- { گدھ } کی آواز سن کر فرمایا: یہ کہہ رہی ہے: اے انسان جتنا چاہے تو زندہ رہے آخر تجھے موت آنی ہے۔
- { عقاب } کی آواز سن کر کہا: یہ کہہ رہا ہے: لوگوں سے دور رہنے میں ہی انس ہے۔
- { مینڈک } کی آواز کون کر کہا: یہ تسبیح پڑھ رہا ہے: ”سبحان ربی القدوس“ ❶

خیال رہے کہ ان پرندوں کی ہمیشہ یہ بولی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات یہ بولی انہوں نے بولی۔ مختلف اوقات میں مختلف بولیاں بولتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے“ یہ بطور شکر تھا بطور فکر نہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”أَنَا سَيِّدٌ وَلِدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ“ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ یعنی میں نعمت کے اظہار اور شکر کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

خیال رہے کہ میں نے اس حدیث کی وضاحت میں اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل تصنیف کی ہے۔ مزید تحقیق کیلئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

”ہوا“ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی:

وَكُلُّ مَنْ رِيحٍ غَدُوْهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ
(سورۃ سہا: 22: 12)

”اور ہم نے ہوا سلیمان کے تابع کر دی اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔“

ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع اس طرح کر دیا گیا تھا جس طرح سواری انسان کے تابع ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”غدو“ کا مطلب صبح سے زوال تک اور ”رواح“ کا مطلب زوال سے شام تک یعنی آپ صبح سے زوال تک اتنا سفر کر لیتے جتنا سیاح لوگ ایک ماہ میں کرتے اور زوال سے شام تک اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک ماہ میں کیا جاتا۔ آپ صبح بیت المقدس میں ہوتے تو قیلولہ کے وقت ”اصطفر“ میں پہنچ جاتے۔ پھر ”اصطفر“ سے شام تک خراسان کے قلعہ تک پہنچ جاتے۔ سیاح لوگ اس وقت تک ایک فرسخ یعنی تین میل صبح سے زوال تک سفر کرتے تھے تو آپ تیس فرسخ کرتے اسی طرح شام کو بھی۔

خیال رہے علامہ رازی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع یہ عام ہوائیں نہیں تھیں بلکہ خاص قسم کی ہوا تھی۔ ❶

سلیمان علیہ السلام کے لئے تابنے کا چشمہ:

وَاسْلُكْهُ عَنِ الْغَيْطِ (سورة سبا 22:12) ”اور ہم نے ان کے لئے پچھلے ہوئے تابنے کا چشمہ بہایا۔“

اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تابنے کو اس طرح نرم کر دیا تھا جیسے آپ کے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا۔ تابنے کی صنعت والے لوگ آپ کے پاس ٹھنڈا تانبہ لاتے۔ آپ بغیر آگ اور کوئلے کے جیسے انہیں ضرورت ہوتی اسی طرح بنا دیتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تابنے کی دھات ایک چشمہ کی صورت میں عطا کی تھی جتنا تانبہ ضرورت ہوتا اتنا اس چشمہ سے لے لیا جاتا۔

سلیمان علیہ السلام کا لشکر:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودٌ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالْعِطْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ (سورة نمل 19:17)

”اور فراہم کئے گئے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے لشکر جنوں انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم و ضبط کے پابند ہیں۔“
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ جن انسان اور پرندے۔ بعض لوگ جو قرآن کریم کو اپنے خیالات اور موعومات کا لباس پہنانا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے:
”جن“ سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا باجگوار بنا لیا تھا۔ اور ”طیور“ سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دتے ہیں۔

کاش وہ ”انس“ کا بھی کوئی ایسا معنی گھڑ لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا: جب ”جن“ سے مراد جنگی قبائل ہیں جو انسان ہیں۔ اور ”طیور“ سے مراد گھڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں۔ تو ان دونوں کے درمیان ”الانس“ یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

”عطف“ تغائر و تخالف پر دلالت کرتا ہے اور آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتے کہ جن اور ”انس“ کی طرح دو الگ الگ نوع ہیں۔ کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جہاں یہ لفظ مستعمل ہوگا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہوگا بلکہ مجازی معنی لینے کے لئے شرط اول یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنی نہ لیا جائے نیز وہاں

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 12 حصہ دوم ص 117..... روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 9 ص 218 مطبوعہ دار الفکر

کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معنی کا تعین کرے۔ جب یہاں دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دور از کار تاویلات کرنا یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

(آیت کریمہ میں لفظ یوزعون آیا ہوا ہے) ”وزع“ کہتے ہیں روکنے اور منع کرنے کو۔ اصل الوزع الکف والمنع۔ اس سے مراد مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بد نظمی اور انتشار کا نام و نشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ لشکر کا ہر دستہ سفر و حضر میں فوجی نظم و ضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔ ❶

سہیمان علیہ السلام کے تحت کے متعلق غیر معتبر قصے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تحت کے متعلق کچھ قصے اس قسم کے مشہور کر دیئے گئے ہیں جن پر اعتبار کرنا درست نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے کسی معتبر سند سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اکثر واقعات ایسے بیان کئے جاتے ہیں جو غیر معتبر ہیں ان پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ صرف ان واقعات پر ایمان لایا جائے جو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ایسے واقعات جو مبالغہ آمیز ہیں جنہیں قصہ گو لوگ اور مؤرخین حضرات بیان کرتے ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسے واقعات کو صرف یہ خیال کر کے بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر چیز ممکن ہے۔ اس سے بے دین لوگوں کے لئے دین کے ساتھ مذاق اڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھولنا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اکثر مبالغہ آمیز واقعات لوگوں کو دین سے متنفر کرنے کے لئے بے دین لوگوں نے گھڑ لئے ہوں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

”وَ أَكْثَرُ الْأَخْبَارِ فِي هَذَا الشَّانِ لَا يَعُولُ عَلَيْهَا فَعَلَمُكَ يَا إِبْرَاهِيمَ بَمَا نَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ وَ دَلَّتْ عَلَيْهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ وَ رَأَيْتُكَ عَنِ الْإِنْتِصَارِ لِمَا لَا صِحَّةَ لَهُ مِمَّا يَذْكُرُهُ كَثِيرٌ مِنَ الْعُصَاصِ وَ الْمُؤَرِّعِينَ مِمَّا فِيهِ مِبَالِغَاتٌ شَبِيحَةٌ بِمَجَرَّدِ أَنَّهَا أُمُورٌ مُمَكِّنَةٌ بِصِحَّةٍ تَعْلُقُ قُدْرَتَهُ عَزَّ وَ جَلَّ بِهَا فَتَفْتَحُ بِذَلِكَ بَابُ السُّخْرِيَّةِ بِالْإِيمَانِ وَ الْعِمَادُ بِاللَّهِ تَعَالَى ، وَ لَا يُبْعَدُ أَنْ يَكُونَ أَكْثَرُ مَا تَضَمَّنَ مِثْلَ ذَلِكَ مَنْ وَضَعَ الذِّكَايَةَ يُرِيدُونَ بِهِ التَّنْفِيرَ عَنْ دِينِ الْإِسْلَامِ“ ❷

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی وہ قصے کچھ نقل کئے اور میں بھی نقل کر رہا ہوں تاکہ قارئین کے ذہن میں رہیں کہ یہ واقعات غیر معتبر ہیں۔ کسی بیان کرنے والے سے سن کر یا کسی غیر معتبر کتاب میں پڑھ کر ان پر یقین نہ کر لیں۔

غیر معتبر قصہ نمبر ۱: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تین لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں۔ آپ کے قریب مومن لوگ بیٹھتے، پھر ان کے پیچھے مومن جن بیٹھتے، پھر آپ پرندوں کو حکم دیتے جو ان پر سایہ کرتے، پھر آپ ہوا کو حکم دیتے جو انہیں اٹھا لیتی اور ان کا ”سنبل“ سے گزر رہتا اور اس میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔

غیر معتبر قصہ نمبر ۲: سلیمان علیہ السلام کا لشکر ایک سو فرخ میں پھیلا ہوا ہوتا تھا۔ پچیس فرخ میں انسان ہوتے۔ پچیس فرخ میں جن، پچیس فرخ میں وحشی جانور اور پچیس فرخ میں پرندے۔ اور لکڑی پر شیشے کے بنے ہوئے ایک ہزار آپ کے گھومتے۔ تین سو آپ علیہ السلام کی زوجہ تھیں اور سات سو لونڈیاں۔ آپ جہاں جاتے پہلے تیز ہوا کو حکم دیتے وہ ان گھروں کو بلند کرتی، پھر آہستہ آہستہ چلنے والی ہوا کو حکم دیتے وہ ان کو وہاں لے جاتی جہاں آپ جانا چاہتے۔

غیر معتبر قصہ نمبر ۳: آپ علیہ السلام ہوا کے ذریعے زمین و آسمان پر چل رہے تھے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ میں تمہاری بادشاہی کو اور زیادہ کر رہا ہوں کہ تمام مخلوق میں سے کوئی بھی کلام کرے گا تو اسے آپ کے کانوں میں ہوا کے ذریعے پہنچا دیا جائے گا۔

غیر معتبر قصہ نمبر ۴: جنوں نے آپ کے لئے سونے اور ریشم سے بن کر ایک قالین بنایا جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرخ تھی اور آپ اس کے درمیان اپنا سونے کا منبر رکھ کر بیٹھتے۔ آپ کے ارد گرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں بچھائی جاتیں، سونے کی کرسیوں پر انبیائے کرام بیٹھا کرتے اور چاندی کی کرسیوں پر علماء اور ان کے ارد گرد لوگ بیٹھتے، پھر ان کے ارد گرد جن بیٹھتے، پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے۔ باد صبا اس قالین کو اٹھا کر ایک مہینے کی مسافت طے کر ادیتی۔

اس قسم کے ایک دو واقعے آپ نے اور بھی تحریر کئے ہیں اور ان پر اپنی رائے جو آپ نے قائم کی ہے اس کا ذکر اس بحث کی ابتداء میں کر دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی کلام سن کر مسکراتا:

”یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی
 حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ الْقَوْمِ قَالَ ثَمَلَةٌ يَأْتِيهَا النَّملُ ادْخُلُوا
 مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سَيِّمُنْ وَجُنُودُهُمْ لَا
 يَشْعُرُونَ ﴿١٩﴾ فَتَبَسَّ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ﴿٢٠﴾
 بولی: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ، تمہیں کچل نہ
 ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر کی بے خبری میں، تو سلیمان علیہ السلام
 اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنسے۔“
 (سورۃ نمل 17:19)

عام طور پر سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر ہوا کے ذریعے سفر کیا کرتے لیکن اس سفر میں آپ عام لوگوں کی طرف سفر کر

رہے تھے۔ آپ علیہ السلام کے لشکر میں کچھ لوگ پیدل چل رہے تھے اور کچھ سوار تھے۔ چیونٹیوں کی وہ بستی طائف یا شام میں تھی۔ ان کو حکم دینے والی ان کی ملکہ تھی وہ لنگڑی تھی اس کا نام ”طاحیہ“ یا ”منذرہ“ تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز تین میل سے سنی تھی۔ آپ نے اپنے لشکر کو آگے چلنے سے روک دیا تھا کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے اس میں کوئی بات تعجب کی نہیں۔

نبی کریم ﷺ سے ”گواہ“ نے کلام کیا۔ آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی۔ آپ نے گواہ کی آواز اور شہادت کو سن لیا، خیبر میں آپ کو بکری کا زہر آلود پایہ دیا گیا تھا۔ آپ کے معمولی تناول کرنے کے ساتھ ہی اس پائے نے کلام کیا اور بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے۔ ذبح شدہ بکری کے گوشت سے آواز سنا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا معجزہ ہی تو ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسکرانے کی ایک وجہ چیونٹی کی احتیاطی تدابیر پر تعجب کرنا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو چیونٹی کی آواز سننے کی رب نے جو توفیق عطا فرمائی تھی اس پر اظہار فرحت و سرور تھا۔ ❶

فائدہ: ہنسنے کی ابتدائی کیفیت جس میں آواز نہیں ہوتی اسے ”تبسم“ کہا جاتا ہے اور دانتوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی کچھ خفیف آواز بھی پیدا ہو جو انسان خود ہی سن سکے اسے ”ضحک“ کہا جاتا ہے۔ اور اگر آواز اتنی بلند ہو جو دوسرے بھی سن سکیں اسے ”قہقہہ“ کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے قہقہہ لگا کر ہنسا ثابت نہیں۔ تبسم آپ اکثر طور پر فرماتے تھے اور کبھی آپ سے ضحک یعنی معمولی ہنسا بھی ثابت ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: {مَا رَأَيْتُ مَسْنَحًا قَطُّ ضَاحِكًا} ”میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی طور پر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔“ یعنی آپ ﷺ زیادہ طور پر تبسم فرماتے تھے ہمیشہ ضحک یعنی ہنسا آپ کا معمول نہیں تھا۔

کئی احادیث میں آپ کا ضحک..... جس سے ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں..... بھی ثابت ہے، لیکن وہ کبھی کبھی ہوتا۔ البتہ خیال رہے کہ زمخشری نے تو یہ کہا ہے کہ جن احادیث میں یہ ذکر ہے..... ”أَنَّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ“ بے شک آپ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں..... اس کا حقیقی معنی معتبر نہیں، بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی کبھی تبسم سے کچھ زیادتی ہو جاتی، ورنہ نواجذ آخری ڈاڑھوں کو کہا جاتا ہے۔ اتنا ہنسا آپ سے ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) ❷

بہودہ قہقہہ لگانا انسان کے دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ ہنسی کی بات پر انسان پوری کوشش کرے کہ آواز کو جتنا کم کر سکے اتنا

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 175-176..... تفسیر جلالین ص 318..... تفسیر مدارک التنزیل للسنفی

❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 180

کم کرے گلی کوچوں میں زور زور سے ہنستا، انسانیت کا کام نہیں۔ دورانِ اسباق اتنا ہنستا کہ آواز دور دور تک سنائی دے یہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔

چیونٹی کے کلام میں عجیب حکمت: ایک وجہ تو واضح ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو روندے جانے کے خدشے سے اپنے مساکن میں چلے جانے کا حکم دیا۔ دوسری وجہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا کہ اس نے اپنی قوم کو گھروں میں داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ میری قوم حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور ان کے جلال شان کمال اور انکی عظمت کو دیکھ کر کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران (ناشکری) نہ کر دیں کہ ہمیں تو اتنی عظیم نعمتیں حاصل نہیں۔ اسلئے انہیں حکم دیا کہ گھروں میں داخل ہو جاؤ تاکہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم نعمتیں نظر نہ آئیں اور نہ ہی اپنی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان دنیا داروں کی محافل میں کم جائے ان کے دنیاوی مال و متاع سے اس کا دل نہ لپچائے۔ ❶

انسان چیونٹی سے کم عقل کیوں؟

چیونٹیوں کی ملکہ نے جب انہیں گھروں میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہا کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں..... {وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ} ایسے حال میں کہ وہ بے خبر ہوں..... کہہ کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں یہ ان سے کبھی نہ ہوگا کہ وہ ان حیوانوں کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں۔ ہاں! البتہ بھول اور بے خبری کی وجہ سے ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اس میں عظیم تنبیہ ہے کہ عصمت انبیاء پر یقین رکھنا واجب ہے اس میں شک کرنا ایمان کو ضائع کرتا ہے۔

”إِنَّ النَّمْلَةَ قَالَتْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ كَأَنَّهُمْ عَرَفْتُ أَنَّ النَّبِيَّ مَعْصُومٌ فَلَا يَقَعُ مِنْهُ قَتْلٌ هَذِهِ الْحَمَوَانَا إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الشَّهْوِ وَهَذَا تَنْبِيْهُ عَظِيمٌ عَلَى دُجُوبِ الْجَزْمِ بِعَصْمَةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ“ ❷

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث سے واضح ہوا کہ وہ انسان جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گناہ گار ٹھہراتے ہیں۔ وہ چیونٹی سے بھی کم عقل ہیں۔ کہاں انسان اور کہاں چیونٹی؟ خدا را! انسان کو حیوانوں سے زیادہ عقل آنی چاہئے انبیائے کرام کی عصمت پر کامل ایمان ہونا لازم ہے۔

چیونٹیوں کی سمجھداری: چیونٹیوں کے حالات میں غور و فکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شعور و سمجھ دے رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گرمیوں میں اتنا توشہ جمع کر لیتی ہیں جو سردیوں میں انہیں

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 168

کافی ہو سکے۔ اور یہ دانوں کے دو دو ٹکڑے کر دیتی ہیں اس ڈر کے پیش نظر کے یہی (پانی کی تری) سے کہیں اُگ نہ پڑیں۔
البتہ دھنیا اور مسور کے چار چار ٹکڑے کر دیتی ہیں: کیونکہ ان کے دو ٹکڑے کر بھی دیئے جائیں تو وہ پھر بھی اُگ پڑتے ہیں ایسے ہی جیسے ٹکڑے نہ کئے جائیں تو اُگتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَهَذَا وَمِثَالُهُ يَحْتَاجُ إِلَى عِلْمٍ كَلِّىٍّ اسْتِدْلَالِيٍّ وَهُوَ يَحْتَاجُ إِلَى نَفْسٍ نَاطِقَةٍ وَقَدْ بَرَّهْنَتْ شَمْعُ الْأَشْرَافِ عَلَى ثُبُوتِ هِيَ جَوْفُوسٍ نَاطِقَةٍ كَوَاصِلٍ هُوتَا هِـ۔ شَيْخُ الْأَشْرَافِ نَے اِیْ پَر
النَّفْسِ النَّاطِقَةِ لِجَمِيعِ الْحَيَوَانَاتِ“ ①

دلائل قائم کئے ہیں کہ تمام حیوانات کو نفسِ ناطقہ یعنی کلیات کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔“

تنبیہ: تفسیر کبیر اور مدارک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہتے ہو تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو۔ وہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے جو اس وقت نو جوان بچے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا سلیمان علیہ السلام والی نملۃ (چیونٹی) مذکر تھی یا مونث؟ تو وہ لا جواب ہو گئے۔ بعد ازاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بتایا کہ وہ مونث تھی۔ انہوں نے پوچھا: تمہیں یہ بات کہاں سے پتہ چلی؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”قالت نملۃ“ اگر مذکر ہوتا تو ”قال نملۃ“ ہوتا یعنی قالت مونث ہے۔ قال مذکر ہے۔ اور چونکہ لفظ نملۃ حمامہ اور شاة کی طرح مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث کے درمیان فرق کے لئے لفظ ذکر اور انشی کا اضافہ کرتے ہیں۔ حمامہ ذکر (کبوتر) حمامہ انشی (کبوتری) اور اسی طرح شاة ذکر (بکرا) اور شاة انشی (بکری) کہا جاتا ہے۔

تاہم علامہ آلوسی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ لفظ کا اعتبار کر کے صیغہ مؤنث ذکر کیا گیا ہو یعنی جب ایسا لفظ ہو جو باعتبار لفظ کے مونث ہو اور باعتبار معنی کے مذکر ہو اس کے لئے فعل مذکر اور مؤنث دونوں لاسکتے ہیں البتہ لفظ کا اعتبار کرنا زیادہ فصیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا يُضَحُّ بِعَوْرَةٍ وَلَا عَمِيَاءَ وَلَا عَجَفَاءَ“

یہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ شاة اور بقرہ وغیرہ کا اعتبار کر کے مونث صفات ذکر کی ہیں حالانکہ قربانی کیلئے مذکر اور مؤنث جانوروں کا حکم ایک ہی ہے کوئی مؤنث کی تخصیص نہیں۔ لہذا ممکن ہے قالت نملۃ میں لفظ نملۃ مؤنث ہے اس کا اعتبار کر کے مؤنث صیغہ قالت استعمال کر لیا گیا ہو اور معنی میں مذکر اور مؤنث دونوں کا احتمال ہو۔

”کَيْفَ يُسْأَلُ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِهَذَا وَيُفَعَّمُ بِهِ قَتَاكًا“ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کیسے یہ سوال کیا؟ اور کیسے ابو مع غزار کا علیہ

”قَالَ ابْنُ الْمُبَرِّقِ لَا أَدْرِي أَتَعَجَّبُ مِنْهُ أَمْ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ إِنَّ“ ابن مبرق نے کہا: کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے تو مجھے یہ علم نہیں

تجرب ابو قتادہ رحمہ اللہ کے لا جواب ہونے پر کیا جائے یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سوال کرنے پر کیا جائے کہ آپ نے ایسا سوال کیوں کیا ہے؟

آخر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: ”وَالْأَشْبَهُ أَنَّ ذَالِكَ لَا يَصِحُّ عَنْهَا“ زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ واقعہ ان دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کرنا ہی صحیح نہیں۔

”ہمد ہد“ کا لشکر سے غائب ہونا اور تخت بلقیس کی خبر لانا:

”اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولے: مجھے کیا ہوا میں ہمد کو نہیں دیکھتا؟ یا وہ واقعی حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کر دوں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے تو ہمد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور آ کر عرض کی کہ: میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر باد شاہی کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے (حصہ) ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهَدْدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿١٩﴾ لَا عَذِيبَتَهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا أَذِيعَتَهُ أَوْ لَهَا بُيُوتٌ يَسْلُطْنَ فِيهَا ﴿٢٠﴾ فَمَكَثَ غَمْرًا بَعِيدًا فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطُ بِهِ وَجَنَّتُكَ مِنْ سَبَأٍ أُنَبِّئُ بِقَوْمٍ ﴿٢١﴾ رَأَيْتُ وَجَدْتُ أَمْرًا تَمْلِكُهُمْ وَأُورِثَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَجَدْتُهُمْ وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَنَّ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٣﴾

(سورۃ نمل 17:19)

اعمال کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا ہے تو وہ راہ نہیں پاتے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی تمام رعایا کی دیکھ بھال کرتے، لشکر میں تمام پرندوں کو دیکھتے کہ کون سا موجود ہے اور کون سا غائب ہے۔ خصوصاً آپ اپنی رعایا میں سے کمزوروں کے حال کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ آپ نے جب اپنے لشکر میں تمام پرندوں کا جائزہ لیا تو ہمد پرندوں کا سردار موجود نہیں تھا جس کا نام ”لاحور“ تھا۔ تو آپ نے بلا اجازت اس کے غیر موجود ہونے پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ یا تو وہ آنے پر کوئی معقول دلیل پیش کرے کہ کیوں موجود نہیں، ورنہ میں اسے سخت سزا دوں

گا۔ یزید بن رومان کہتے ہیں:

”لَا عَذِيبَةَ بِنْتِ رِيْشٍ جَنَاحِيْهِ“

”کہ آپ کے سزا دینے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کے پراکھڑوں گا۔“

جس طرح ہمارا محاورہ ہے ”چڑی ادھیڑوں گا“ یا اسے ذبح کر دوں گا۔ ہد ہد کا خصوصی طور پر جائزہ لینے کا مقصد یہ بھی

ہو سکتا تھا کہ وہ پانی کی تلاش کرتا تھا۔ جہاں وہ اپنی چونچ رکھتا تھا وہاں جن اس زمین کو کھودتے اور پانی نکالتے۔ اسی طرح ہد ہد

خصوصی طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام پر سایہ کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیتا تھا۔ ❶

فائدہ: علامہ قرطبی لکھتے ہیں: کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں انکے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحمہ فرمائے وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا:

”لَوْ اَنَّ سَخْلَةَ عَلٰی شَاطِئِ الْفُرَاتِ اخَذَهَا الذِّئْبُ يُسْنَلُ عَنْهَا“ ”یعنی اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچہ کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے

لئے بھی عمر رضی اللہ عنہ کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔“

اس کے بعد علامہ موصوف حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے خبری اور فرض ناشناسی پر

گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے تھے۔ ❷

زیادہ دیر نہ گزری کہ ہد ہد واپس آگیا چونکہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خوف دامن گیر تھا چونکہ پرندے ہد ہد کی واپسی: آپ علیہ السلام کے بہت ہی زیادہ تابع تھے جس طرح باقی انسان و جن آپ کے تابع تھے۔ ہد ہد آپ کی خدمت

میں ڈرا اور آپ کے ادب و احترام کے پیش نظر اپنی دم کو ڈھیلا کئے ہوئے اور اپنے پروں کو زمین سے ٹھیسٹے ہوئے حاضر ہوا۔

آپ علیہ السلام نے غصہ سے اس کے سر کو اپنی طرف کھینچا تو اس نے کہا:

”يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَذْكُرُّ وَقُوفَكَ وَقَوْمَكَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ“ ”اے اللہ! کے نبی یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن آپ کو اور آپ کی

قوم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ سن کر

سلیمان علیہ السلام پر کچلی طاری ہو گئی اور اسے معاف کر دیا۔“

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے اس لئے بھی معاف کر دیا تھا: {كَانَ بَارًا بِأَبَوَيْهِ يَتَزَكَّىٰ بِالطَّعَامِ} ”وہ

اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا ان کے پاس طعام لا کر انہیں کھلایا کرتا تھا کیونکہ وہ بوڑھے تھے۔“ ❸

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 183 ❷ تفسیر ضیاء القرآن عبید محمد کرم شاہ الاداہری رحمہ اللہ ج 3 ص 438

❸ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 186 ایضاً

بددنا خیر کی وجہ بیان کرتا ہے:

بددنے آپ کو بتایا کہ میری تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ ملک سبا چلا گیا تھا وہاں سے ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں۔ وہاں ایک ملک ہے جس کا نام ”بلقیس بنت شراحیل“ ہے جس کے پاس دنیا کا ہر قسم کا مال و متاع ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے اس کے تخت کی لمبائی اسی ذراع اور چوڑائی چالیس ذراع اور بلندی تیس ذراع ہے اور وہ تخت سونے چاندی کا بنا ہوا ہے اور موتیوں سرخ یا قوت سبز زرد کا اس پر سنگھار کیا ہوا ہے۔ اسکے پائے بھی یا قوت اور زرد کے بنے ہوئے ہیں اور وہ سات کمرہ میں بند ہے۔ ایک کمرہ دوسرے کمرہ میں اس طرح سات کمرے ہیں۔ ہر ایک کا دروازہ بند ہے۔ ❶

سلیمان علیہ السلام پر مخفی کیوں؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور سبائین کا دار الحکومت تھا صرف تین مرحلے کے مسافت تھی پھر آپ پر بلقیس کا تخت مخفی کیسے رہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے:

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ أُعْلِيٰ ذٰلِكَ عَنْهُ لِمَصْلَحَةٍ رَّاهَا كَمَا غَفَىٰ“ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مصلحت اور حکمت کے پیش نظر آپ کو مکان یوسف علی یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام پر مخفی رکھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام پر مخفی رکھا۔“

حکمت اس میں یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد کریں اور اس سے دعا کریں کیونکہ جب آپ کو علم عطا کر دیا گیا تو یہ آپ پر ایک خصوصی انعام تھا حالانکہ آپ کو حکمت نبوت اور کثیر علوم عطا کئے گئے تھے اور اس معمولی بات کو مخفی رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ ❷

سبا شہر کے متعلق:

”مِمَّا اِسْمُ مَدِيْنَةٍ تُعْرَفُ بِمَا رِبِّهَا مِنَ السَّمَاءِ“ ”سبا ایک شہر کا نام ہے جس کو آرب یمن کے نام سے پہچانا جاتا ہے سبا اور صنعاء کے درمیان تین دن کا فاصلہ ہے۔“

امام یا قوت حموی معجم البلدان میں ”سبا“ کے متعلق لکھتے ہیں:

❶ تفسیر جلالین: امام جلال الدین مکی رحمہ اللہ ص 319 قرطبی ج 7 ص 182 / روح البیان ج 6 ص 434 جلالین ص 319
❷ روح المعانی: علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 186 قرطبی: امام قرطبی رحمہ اللہ ج 7 ص 181

”أَرْضَ الْيَمَنِ مَدِينَتُهَا مَارِبٌ بَيْنَهُمَا دِينٌ صَنَعًا مِثْرًا ثَلَاثَةٌ“ ”سبا“ یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر ”مارب“ ہے جو ”صنعا“ (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے آٹھ دن کی مسافت پر ہے۔

یشحب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبائی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اسلئے یہ علاقہ ”سبا“ کہلایا۔^①
علامہ قزوینی نے ”آثار البلاد“ میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

”سبا“ ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشحب بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا یہ شہر دناغی لحاط سے بھی مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ بہت میٹھی تھی باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی چھڑکا نام و نشان تک نہ تھا۔ ارد گرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا بارش ہوتی تو پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا۔ اس بندے کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سو رانچ تھے حسب ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا۔ جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوشحال ہو گئے خوشحالی اپنے ہمراہ عیش و عشرت اور فسق و فجور کو لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہر الہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ اس کا ذکر قرآن میں کئی مواقع پر آیا ہے۔^②

بلقیس اور اس کی قوم کا مذہب:

وہ سورج کی پرستش کرنے والے تھے۔ کچھ ان میں آگ کی پوجا کرنے والے بھی اور کچھ زندیق بے دین یعنی یہ زمین و آسمان کے نظام کے چلانے یا پیدا کرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ یہ کہتے کہ یہ نظام بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے۔ شیطان نے ان کے لئے سورج کی عبادت اور طرح طرح کے کنراور برے اعمال کے راستے مزین کر رکھے تھے۔ وہی شیطان یا اس کی باطل راہ کو مزین کرنا حق سے ان کے روکنے کا سبب بنا جس کی وجہ سے وہ راہ راست پر نہ آ سکے انہوں نے شیطانی راہ کو ہی حسین و جمیل سمجھا۔

جب یہ قرآن پاک اور تفاسیر سے واضح ہے کہ وہ قوم کافر تھی اور یہ بھی واضح ہے کہ کافروں کے طور طریقے مسلمانوں کے لئے کوئی دلیل نہیں تو اب مسئلہ روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گیا کہ بلقیس کا ملکہ ہونا عورت کی سربراہی کے جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ کافروں نے اسے سربراہ بنایا ہوا تھا۔ اب بھی کوئی کافر یہ کہے کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے تو اسے یہ

① ضیاء القرآن پبلیشرز کرم شاہ الازہری۔ حصہ اللہ ج 3 ص 439

② معجم البلدان ج 3 ص 181 مطبوعہ بیروت

حق پہنچتا ہے کیونکہ جب وہ اسلام سے ہی دور ہے تو جو چاہے کہے۔ اسلامی قوانین تو مسلمانوں کے لئے ہیں، کفار کے لئے نہیں۔ کسی اسلامی ملک میں بھی اگر بے دین لوگ کسی عورت کو حاکم بنالیں تو ان کے اس قبیح عمل سے عورت کی حاکمیت کا جواز ثابت نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کا یہ عمل خدا اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت ہی سمجھا جائے گا۔

علماء کرام نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے، مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں۔ اب اس کے بعد اس برائی کے مرتکب ہونے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے خود جوابدہ ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بکاؤ مولوی، ضدی اور ہٹ دھرم مولوی جو کسی وقت ایک ہی راگ الاپ رہے تھے۔ ”یہ بھی بری وہ بھی برا“ ان میں سے بعض کی آنکھیں کھل چکی ہیں کہ ملک کو بتا ہی کے کنارے پر پہنچانے والا کون ہے؟ وہ تو اب کسی مرد کو اچھا سمجھنے لگے۔ بکاؤ مال پیسے کو دین سمجھنے والے سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ عورت کی سربراہی کو جائز کہہ سکے، بلکہ اس نے بھی عجیب منطق پیش کی: ”کہ عورت کی سربراہی کو ہم جائز نہیں سمجھتے بلکہ برداشت کئے ہوئے ہیں“ یعنی پیسہ مل رہا ہے، نگاہوں کی ملاقاتیں ہو رہی ہیں، دل خوش ہو رہا ہے، اس لئے شراب پینا یا پیشاب پینا جائز تو ہے لیکن برداشت کر کے ہزپ کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو بخاری شریف کی حدیث کافی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسری کو اپنی ملکہ بنالیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {لَنْ يَفْلِحَ الْقَوْمُ وَلَوْ أُمُورَهُمْ إِمْرَأَةٌ} ہر گز وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیئے۔ یعنی عورت کو حاکم بنانے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے، ذلت ان کا مقدر ہوگی ملک کو تباہ کر دیں گے۔ لوٹ مار سے اودھم مچا دیں گے۔ ①

بدیہ کی بات کی تحقیق:

”آپ نے فرمایا: ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔“

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٩﴾
(سورة نمل 17:19)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری بات کی پوری تحقیق کریں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی عذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرانہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اس کی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَمْ يَسْأَلْ أَحَدٌ إِلَهًا الْعُدَّةَ مِنَ اللَّهِ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَأَرْسَلَ الرُّسُلَ ②

”یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں اسی لئے اس نے قرآن نازل کیا اور رسول مبعوث فرمائے۔“

روح المعانی بزیادہ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ 186 ② تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الانزہری رحمہ اللہ ج 3 ص 440

بلقیس کی طرف سلیمان علیہ السلام کا خط:

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَتَى الْغَىٰ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١٨﴾ أَلَا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿١٩﴾

اے سردارو! بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا

بیشک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ تعالیٰ

(سورة نمل 17:19)

کے نام سے جو نہایت رحم والا کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو اور اطاعت کرتے ہوئے میرے حضور حاضر ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط تحریر فرمایا اس پر کستوری لگائی بند کر کے اس پر مہر لگا دی۔ ہد ہد کو دیا کہ اسے لے جاؤ اور بلقیس کو پہنچا دو۔ ہد ہد خط لے کر گیا تو اسے سوتے ہوئے پایادہ اپنے محل میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ جب سوتی تھی تمام دروازے بند کر دیتی تھی۔ چابیاں اپنے سر کے نیچے رکھتی تھی۔ اس کا تخت اندر ساتویں کمرہ میں تھا۔ ہد ہد مکان کے روشن دان سے داخل ہوا۔ اور خط اس کے سینہ پر رکھ دیا جبکہ وہ لیٹی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ہد ہد اس کے پاس پہنچا تو اس کے درباری لشکری اس کے پاس موجود تھے ہد ہد کچھ دیر اوپر پھڑ پھڑایا لوگ یہ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ بلقیس نے بھی اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہد ہد نے خط اس کی گود میں ڈال دیا جو اس نے سر بہر خط دیا تو کانپ گئی ڈرتے ہوئے اپنی قوم کے سرداروں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔

بلقیس نے خط کو عزت والا کہا:

آپ کے خط کو ”کتاب کریم“ کہنے کی تین وجوہات تھیں:

- ① ایک تو یہ کہ اس خط کا مضمون بہت ہی حسین تھا۔
- ② دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک کریم یعنی عزت والے کرم والے بادشاہ کی طرف سے یہ خط آیا ہے لہذا یہ خط بھی عزت والا ہے۔
- ③ تیسری وجہ یہ تھی کہ خط سر بہر تھا اور جس خط پر مہر لگی ہوئی ہوتی تھی اسے ”کریم خط“ کہا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب بادشاہوں کی طرف خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مہر بنوائی تھی کیونکہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ بادشاہ بغیر مہر خط کو قبول نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بلقیس باوجود سورج پرست ہونے کے اللہ تعالیٰ کو بھی کسی طرح مانتی ہو جیسے بت پرست لوگوں کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴿٦٠﴾ ”اے محبوب اگر آپ ان (مشرکوں) سے سوال کریں زمین

(سورة لقمان 12:21)

”كَانَهَا عَلَتْ بِكَوْنِهِ مِنْ سُلَيْمَانَ وَتَعْدِيدُهُ بِسْمِ اللَّهِ“ ❶
 و آسمان کا خالق کون ہے تو ضرور بر ضرور کہیں گے اللہ۔“
 ”ہو سکتا ہے اس خط کو ”کریم“ اسلئے کہا کہ یہ سلیمان کی طرف
 سے ہے اور اسے ”بسم اللہ“ سے شروع کیا گیا ہے۔“

انبیائے کرام کے خطوط کے مضامین:

”إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يَطْلُبُونَ بَلْ يَتَصَرُّونَ عَلَى الْمَقْصُودِ“
 ”بیشک انبیائے کرام اپنے خطوط کو لمبا نہیں کرتے بلکہ بیان مقصد پر ہی اقتصار کرتے ہیں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پورے مضمون کو شامل تھا اگرچہ مختصر تھا لیکن مقصود اس میں مکمل تھا۔ اسلئے کہ مخلوق سے دو چیزوں کا ہی مقصد طلب کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ تم علم حاصل کرو اور دوسرا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ اور علم، عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے خط ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کے متعلق علم موجود ہے:
 ”لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَهِدَ عَلَى الْبَنَاتِ الصَّابِرِ سُبْحَانَهُ تَعَالَى وَابْنَاتِ“ اسلئے کہ بسم اللہ شریف سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا خالق
 گوہ عالمی قایداً حتماً مریداً حکیمًا رحیمًا“
 موجود ہے اور وہ لامحدود علم کا مالک ہے وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا
 ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے وہ کام سے پہلے ارادہ بھی فرماتا ہے اس کا ہر کام حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر رحیم ہے کیونکہ مہربان اور رحم والا اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ تمام صفات اس میں موجود ہوں۔

عمل کا دار و مدار وادار وادائی پر ہے یعنی جن کاموں کا حکم دیا جائے ان پر عمل کرے اور جن کاموں سے روکا جائے ان کاموں سے رک جائے۔ آپ کے خط میں..... {أَنْ لَا تَغْلُوا عَلَيَّ} یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو..... خواہشات نفسانیہ کی اطاعت اور تکبر کرنے سے نفی ہے۔ یعنی ان کاموں سے روکا گیا ہے اور {وَأَتَوْنِي مُسْلِمِينَ} اور مطیع بن کر میرے پاس حاضر ہو۔ یہ امر ہے کہ میری فرمانبرداری کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ! واضح ہوا کہ آپ کا خط نہایت مختصر ہونے کے باوجود دین و دنیا کے ضروری احکامات پر مشتمل تھا۔ ❷

اعتراض: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط کو بسم اللہ شریف سے پہلے اپنے نام سے کیوں شروع کیا یعنی ”أَنَا مِنْ سُلَيْمَانَ“ بسم اللہ سے پہلے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو پہلے ذکر کرنا چاہیے تھا۔

جواب: ”عَاشَا مِنْ ذَلِكَ بَلْ ابْتَدَأَ هُوَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ ”حاشا وکلا سلیمان علیہ السلام نے خط کو اپنے نام سے شروع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کی“

تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 174 مطبوعہ دار الفکر ❶
 تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 174 مطبوعہ دار الفکر

لیکن بلقیس نے اپنی قوم کے سرداروں کو یہ بتایا کہ یہ خط سلیمان

ؑ کی طرف سے آیا ہے۔ گویا ”اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ“ یہ الفاظ بلقیس کے ہیں۔ اس کے بعد اس نے خط کو ابتدا سے پڑھا جو بسم اللہ سے شروع ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی انداز پر بلقیس کا قول اور آپ کے خط کی حکایت بیان فرمائی۔“

بلقیس کا خط کے متعلق مشورہ:

”بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو“
 قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتَوْنِيْ فِيْ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى
 تَشْهَدُوْا ۖ قَالُوْا نَحْنُ أَوْلُوْا قَوْلًا وَأَوْلُوْا بِأَمْرِ شَدِيْدٍ ۚ
 وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ﴿١٨﴾
 (سورة نمل 18:19)

فتویٰ کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی نیا واقعہ درپیش آنے پر کسی سے کوئی رائے طلب کی جائے۔ بلقیس نے بھی اپنی قوم کے سرداروں کے دل کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے ان سے رائے طلب کی کہ میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک تم میرے پاس موجود ہو کر مجھے اپنی رائے نہیں دو گے۔

قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہمارے پاس جنگی ساز و سامان تو کافی مقدار میں موجود ہے اور ہمیں جسمانی قوت حاصل ہے اور لڑائی میں ہم ثابت قدم رہنا بھی جانتے ہیں یعنی لڑائی کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے۔ قوت ذاتیہ یعنی قوت جسمانیہ اور لڑائی میں ثابت قدمی یہ بھی ہمیں حاصل ہے اور قوت عرضیہ یعنی لڑائی کے ہتھیار جنگی ساز و سامان کا پایا جانا یہ بھی ہمارے پاس ہے اس لئے اگر جنگ کرنی ہو تو ہم اس کیلئے تیار ہیں لیکن ہم تو تمہارے حکم کے پابند ہیں۔ اصل حکم تمہارا ہی ہے تمہاری رائے ہی درحقیقت اصل رائے ہوگی لہذا جو حکم ہوگا ہمیں منظور ہوگا۔ ﴿۱۹﴾

بلقیس کا جنگ کو ناپسند کرنا:

”بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے
 قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَنْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعْرَافَ اَهْلِهَا
 اٰذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَاَتٰى مُّرْسِلَةً اِلَيْهِنَّ بِهَدِيَّةٍ فَانْظُرُوْا
 بِهٖ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٢١﴾
 (سورة نمل 18:19)

تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔“

تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 175 مطبوعہ دار الفکر

تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 174 مطبوعہ دار الفکر

بلقیس نے کہا: کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہیں، بادشاہ کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وہاں کے لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں کچھ کو قیدی بنا لیتے ہیں، کچھ کو جلاوطن کر دیتے ہیں، عزت والے لوگوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، بادشاہوں کا یہی طریقہ کار ہے۔

خیال رہے کہ رب نے ”وَادْلُوا عِزَّةَ اَهْلِهَا“ نہیں کیا حالانکہ یہ مختصر تھا اور اس کا معنی بھی یہی تھا کہ وہ عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اسلئے کہ ”جعلوا“ سے یہ ثابت کیا کہ وہ ذلیل کرنے میں پوری کوشش کرتے ہیں، اس میں کوئی کمی نہیں رہنے دیتے۔ بلقیس نے کہا جب بادشاہ کی یہ شان ہے تو ہمیں صرف اپنی تعداد اپنی طاقت، جنگی ساز و سامان اور مکمل تیاری پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ ہم ضرور فتح حاصل کر لیں گے، شکست بھی ہو سکتی ہے اسلئے صلح کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ ❶

ہدیہ بھیجنے کی وجہ:

بلقیس نے کہا دیکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا نبی۔ اگر بادشاہ ہے تو ہم اسے مال دیکر خوش کر لیں گے۔ وہ ہدیہ قبول کر لے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہو تو ہدیہ قبول نہیں کرے گا پھر ہمیں چاہئے کہ ہم اس کے دین کو قبول کر لیں۔ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمانے کے لئے کثیر تعداد میں غلام کنیریں سونا چاندی کستوری، عنبر اور یاقوت وغیرہ بھیجے کہ ہو سکتا ہے کہ مال سے کام چل جائے۔ ❷

اگرچہ ہدیہ کی مقدار محققین کے قول کے مطابق معین نہیں، تاہم ہدیہ میں تنوین تعظیم کی ہے جو ہدیہ کے بہت بڑے ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَاَمَّا الْكَلَامُ فِي صِفَةِ الْهُدِيَةِ فَالْاَنَاسُ اَكْثَرُ وَافِيهَا لَكِنْ لَا يُذَكَّرُ لَهَا فِي الْكِتَابِ“ ❸

ذکر قرآن پاک میں نہیں یعنی اتنا ایمان رکھنا کافی ہی کہ وہ ہدیہ بادشاہی شان کے مطابق بہت بڑا ہدیہ ہوگا، کیا تھا؟ کتنی مقدار میں تھا؟ اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔“

ہدیہ کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام کا جواب:

”فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنُ قَالَ اَتَيْتُكُمْ بِمَالٍ فَمَا اَلَيْسَ اللَّهُ خَيْرَ مِمَّا الْكُمُ هَٰؤُلَاءِ اَتَمُّ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ“ (١) اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَايِبَهُمْ

”پھر جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا فرمایا: کیا مال سے میری مدد کرتے ہو؟ تو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے

بَجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَخُورِجَتُهُمْ قَتْلًا إِنَّهُمْ صَغُرُونَ ﴿١٩﴾ (سورہ نمل 18:19)

اس سے جو تمہیں دیا، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو پلٹ جان ان کی طرف تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی

انہیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم کو شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے یوں کہ وہ پست ہوں گے۔“

آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے دین نبوت اور علوم عطا فرمائے ہیں جو سعادت اخرویہ سعادت ابدیہ کے اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کا مال و دولت بھی اتنا عطا فرمادیا ہے جس پر زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں۔ {فَكَيْفَ يُسْتَمَالُ مِثْلِي بِمِثْلِ الْهَدْيَةِ} میرے جیسے شخص کو اس قسم کے ہدیہ سے کیسے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے؟ اس ہدیہ پر تم خود ہی خوش ہوتے رہو کہ تمہیں یہ ہدیہ حاصل ہے۔ یہ ہدیہ جو تم مجھے دے رہے ہو اس کی قدر و منزلت ہمارے نزدیک تو کچھ نہیں۔ تمہیں ہی اس کی کوئی قدر ہوگی اسلئے تم خود ہی اس پر خوش ہوتے رہو۔ اس قسم کے ہدایا قبول کرنا تمہارا ہی حق ہے اور تمہیں ہی ایسے ہدایا سے خوشی ہوتی ہے ہمیں تو ایسے ہدایا کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ہم ایسے مال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ہدیہ لانے والے قاصد کو آپ ﷺ نے کہا:

”جاؤ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر چلے جاؤ اپنی ملکہ کو بتادو کہ اگر تم نے کفریہ عقائد سورج پرستی وغیرہ کو نہ چھوڑا اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے تو ہم اپنے لشکر سے تمہاری سرکوبی کریں گے، تمہیں ذلیل و خوار کر دیں گے اور تمہیں شہروں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے، تمہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی۔“

”لَا قِبَلَ لَهُمْ أُنَىٰ لَا طَاقَةَ وَحَقِيقَةُ الْعِبَلِ الْمُعَادِمَةُ وَالْمُعَابَلَةُ“ ”قرآن پاک میں جو لفظ لا قبل لہم استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ حقیقتاً قبل کا معنی ہی مقابلہ کرنا ہے۔“

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کا تخت منگوانا:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوا أَفْكُم بِأَمْرِي بِعَرْشِي قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٢٠﴾ (سورہ نمل 18:19)

”سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہوں۔“

بلقیس کا قاصد جب ہدایا واپس لے کر گیا اور سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو وہ سمجھ گئی کہ آپ نبی ہیں، آپ سے جنگ کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سلیمان علیہ السلام کے پاس آنے کی تیاری کر لی۔ چلنے سے پہلے اس نے اپنے تخت کے تمام کمروں کے

دروازے بند کئے کیونکہ وہ ساتویں کمرے میں تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کر دیئے۔ خود اپنی قوم کے سرداروں کو ساتھ لے کر آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ کی طرف پیغام بھیج دیا کہ میں اپنی قوم کے بڑے بڑے سرکردہ لوگ ساتھ لا رہی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کس دین کی ہمیں دعوت دے رہے ہو؟ سلیمان علیہ السلام سے ایک فرسخ کی دوری پر وہ پہنچ گئی تو آپ نے اپنے درباریوں کو کہا کہ اس کا تخت کون لائے گا؟ ❶

تخت کی طلب میں حکمت:

- آپ نے بلقیس کے تخت کو اپنے پاس منگوانے کا ارادہ کیوں فرمایا؟ اس کی چند وجوہ ہیں:
- ❶: اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب بلقیس آئے تو اس کے آنے سے پہلے جب اس کا عظیم تخت جو ہند کمروں میں ہے اور پہرے داروں کی حفاظت میں ہے یہاں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا اسے پتہ چلے گا وہ ایمان لانے کی طرف مائل ہوگی۔
- ❷: دوسری وجہ یہ تھی کہ تخت کی عظمت بادشاہی کی وسعت پر دلالت کرتی ہے اسلئے آپ نے کہا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی پتہ چل جائے کہ اس کی بادشاہی میں کتنی وسعت ہے؟
- ❸: تیسری وجہ یہ تھی کہ کافروں کے مال کو حاصل کرنا جائز تھا ابھی وہ کافرہ تھی۔ آپ نے خیال کیا کہ اس کا تخت ابھی منگوا لیا جائے تو اس کی ملکیت ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو پھر اس کے تخت پر قبضہ کرنا جائز نہیں رہے گا۔
- ❹: چوتھی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کی ذہنی آزمائش کرنا چاہتے تھے کہ اس کی عقل و فہم کتنی ہے کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا..... {قَالَ نَكْرِضُهَا وَعَرْضُهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ} ❺ آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔
- یعنی آپ نے تخت منگوانے کے بعد اس کی شکل میں تغیر و تبدل کرنے کا حکم دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تبدیل شدہ تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ آپ اس کی سمجھ دانائی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ اسی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو بھی سمجھ سکتی ہے یا نہیں۔ ❻

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ:

قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا أَتَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَكُونُ مِنْ مَّكَامِكَ (سليمان علیہ السلام نے جب فرمایا تخت کون لائے گا) تو ایک بڑا
وَأَتَيْتُ عَلَيْهِ لَقَوِيَّ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کی خدمت میں حاضر کر
أَنَا أَتَيْتُكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا دوں گا اس سے پہلے کہ آپ اجلاس برخواست کریں اور بیشک
عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ؕ أَشْكُرْ أَمْ أَكْفُرُ میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔ اس نے عرض کی جس
وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کی خدمت میں
كَرِيمٌ ﴿١٩﴾ (سورة نمل 18:19) حاضر کر دوں گا۔ ایک پل مارنے سے پہلے۔ پھر جن سليمان

نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہ یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو
شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے۔ سب خوبیوں والا۔“

”عفریت“ سرکش و خبیث کو کہا جاتا ہے یعنی ایسا خبیث و منکر جو اپنے ساتھیوں پر سرکشی اور خباثت کرے یعنی جنوں
میں سے ایک سرکش خبیث جن..... جسے اپنی طاقت پر ناز تھا..... نے کہا کہ میں بلقیس کے تخت کو آپ کے سامنے آپ کے
اجلاس برخواست کرنے سے پہلے لے آؤں گا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سليمان علیہ السلام صبح سے لے کر ظہر تک مجلس عدالت قائم فرماتے تھے جس میں لوگوں
کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔ گویا اس جن کا مطلب یہ تھا کہ میں آدھا دن گزرنے سے پہلے پہلے آپ کے پاس پہنچا دوں گا
کیونکہ مجھے اتنے بڑے عظیم تخت کا اٹھانا کوئی بھاری محسوس نہیں ہوگا۔ میں بڑی بڑی چیزوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں یعنی
یہاں قوی کا معنی قادر لیا گیا ہے اور میں وہ تخت لانے میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کروں گا۔ نہ اس سے کچھ توڑوں گا اور نہ ہی
اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں گا بلکہ امانت کا پاس کروں گا۔ ❶

اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا: چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے مؤدبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے
پہلے تخت وہاں سے اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔ آپ نے اجازت مرحمت

فرمائی اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں
غور و نحوث کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولا کا شکر ادا کرنے لگے عرض کیا: یہ میرے رب کا فضل
و کرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی تھی کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: فضل بہت بڑی

آزمائش ہے اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایات جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔

امتحان کبھی مصیبت سے اور کبھی آسائش سے لیا جاتا ہے:

مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش تصور کرتے ہیں لیکن جو فرحت و سرور کا دور آتا ہے جب اس کے انعامات کی بے بہا بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے اور پہلی قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے اس میں کامیاب ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تکالیف و مصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور آرام و آسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف زبان سے ہی شکر یہ ادا کرتے رہیں بلکہ حقیقی شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

شکر کرنے میں انسان کا اپنا بھلا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: { وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ } اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے تم اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے بلکہ اپنے لئے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہے ہو۔ اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ اپنے پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو وہ اسے اور زیادہ دیتا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دست جو دو عطا سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

تخت لانے والا کون تھا؟ ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت ”سبا“ سے بیت المقدس پہنچا دیا؟ نیز وہ تخت کہیں محکم میں تو پڑا نہیں ہوگا بلکہ قصر شامی کی کسی محفوظ ترین جگہ رکھا ہوگا اور اس کی نگہبانی کے لئے خصوصی پہرے داروں کا انتظام بھی ہوگا۔

اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر علیہ السلام کا نام اور کسی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام اور کسی نے آصف بن برخیا کا نام لیا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا یعنی اس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول (عقلوں کو حیران کرنے والے) کا رتا سے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

{وَإِنَّ لِهَذَا الْوَصْفِ تَأْيِيدًا فِي نَقْلِ ذَلِكَ الْعَرْشِ}

امام عبدالقادر جرجانی نے ”اسرار البلاغہ“ میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صلہ سے کی جائے تو اس فعل

کے صدور میں اس صلہ کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس..... ”عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ“..... کتاب کا علم تھا۔

اس آیت کریمہ سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر سلیمان علیہ السلام کا ایک امتیٰ الکتاب کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے تو سید الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ولی جو الکتاب کا ہی نہیں بلکہ الکتاب الہمین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے؟ وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیائے کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر (بار بار) غور کرنا چاہئے۔

ہمارے تجدید پسند مفسرین لکھتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بلیقہس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا تم میں سے تنبیہ: کوئی ایسا ہے جو بلیقہس کے بیٹھنے کیلئے کوئی تخت بنا دے تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھا دیا جائے۔ ان کی اس تاویل کو دیکھ کر برملا یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں۔ ورنہ وہ {اَبْكُم بِاَتْبَنِیْ بِعَرْشِہَا} کہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لاسکتا ہے؟ کا یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا، کھلے بندوں اس کا انکار کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ❶

بلیقہس، سلیمان علیہ السلام کے دربار میں:

فَلَمَّا جَاءَتْ قِمْلَ اَهْلَکْذَا عَرْشُکَ طَالَتْ کَاثَهُ هُوَ وَاَوْرَثْنَا
الْعِلْمَ مِنْ قَمْلِہَا وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾
گو یا یہ وہی ہے اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے خبر مل چکی، اور ہم
فرمانبردار ہوئے۔“
(سورۃ نمل 18:19)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلیقہس کے آنے سے پہلے اس کے تخت میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے وہ کتنی عقل و سمجھ کی مالک ہے؟ اس کے آنے پر پوچھا کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے جواب دیا گو یا یہ وہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھتے ہوئے یہ نہیں کہا ”اَهْلَکْذَا عَرْشُکَ“ کیا یہی تیرا تخت ہے؟ کیونکہ اگر آپ یہ سوال کرتے تو آزمانے کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اس سے تو اسے جواب دینے کی طرف اشارہ مل جاتا۔ بلیقہس کا جواب بھی نہایت عقلمندی پر موقوف تھا یعنی اس نے یہ نہیں کہا ”هُوَ هُوَ“ یہ وہی ہے کیونکہ بعینہ وہی نہیں تھا بلکہ اس میں تغیر و تبدل کیا گیا تھا اور اس نے یہ بھی نہیں کہا۔ ”لَہٗسَ ہِیَ“ یہ وہ تو نہیں: کیونکہ درحقیقت تخت تو وہی تھا اس کی لٹی کرنی بھی درست نہیں تھی اس لئے اس نے بڑی

عقل مندی سے جواب دیا۔ ﴿كَأَنَّهُ هُوَ﴾ گویا کہ یہ وہی ہے یعنی ہے تو وہی لیکن اس میں کچھ تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی نبوت، علم، معجزات اور اللہ تعالیٰ کے متعلق علم تھا اور دل سے تو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے صرف آپ کے پاس آ کر دل کو زیادہ تسلی دینا مقصود تھا۔ ❶

اتنی عقلمند عورت سورج پرست کیوں رہی؟

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿١٩﴾ (سورۃ نمل 18:19)

”اور اسے روکا اس چیز نے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتی تھی، بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔“

”اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ رَاٰ سِخْنٌ فِي الْكُفْرِ فَلِذَا لِكَ لَمْ تَكُنْ قَابِدَةً عَلٰى اِظْهَارِ اِسْلَامِهَا“ ❷

”وہ چونکہ ایسی قوم میں تھی جو کفر میں راسخ تھی اسی وجہ سے وہ اسلام کے اظہار پر قادر نہ ہو سکی۔“

یعنی سلیمان علیہ السلام کے خط کے بعد اسے کافی حد تک آپ علیہ السلام کی حقانیت کا علم ہو چکا تھا لیکن پھر وہ اسلام کو ظاہر نہ کر سکی کیونکہ وہ کافر قوم میں پیدا ہوئی تھی کافر قوم میں رہ رہی تھی۔

بلقیس کا چمکدار فرش کو پانی سمجھنا:

فَعَمِلَ لَهَا ادْخَالِي الصَّرْءَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا مِطْلًا إِنَّهُ صَرْءٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ اِلَیْهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٢٠﴾ (سورۃ نمل 18:19)

”اس سے کہا گیا محن میں آ“ پھر جب اس نے اسے دیکھا گہرا پانی سمجھی اور اپنی پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک چمکنا محن ہے شیشوں جڑا۔ عورت نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب ایمان لاتی

ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

{الصَّرْءُ الْقَصْرُ وَقَمْلُ صَحْنُ الدَّارِ} ”صرح کا معنی محل بھی ہے اور گھر کا محن بھی۔“ والممرّد المملّس مرد جس میں چمکنا ہٹ پائی جاتی ہو چمکدار چمکنا فرش چمکنا پتھر وغیرہ۔ ”مرد جس کے چہرے پر بال نہ اگے ہوں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے سفید شیشے کا ایک محل تعمیر کرایا جو پانی کی طرح نظر آتا تھا۔ محل بنوانے کی غرض یہ تھی کہ بلقیس ملکہ ہے وہ صرف اپنے انتظامات کو ہی نہ دیکھتی رہے بلکہ اسے آپ کی نبوت اور خلافت کی عظمت اور آپ کی مجلس کا رعب معلوم ہو جائے۔ اس بلورین فرش کے نیچے پانی اور مچھلیاں بھی تھیں۔ آپ کا تخت اس کے درمیان تھا۔

جب اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ اور تخت پر چل کر بیٹھ جاؤ تو اس نے فرش کو پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھایا تو آپ نے فرمایا: یہ تو بلور کا بنا ہوا فرش ہے پانی نہیں۔ تو اسے جلدی ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور سلیمان علیہ السلام کی عظمت نبوت اور نورانیت نے ایسا اثر کیا کہ برملا کہنے لگی: میں نے آج تک اپنی عمر گنوا دی اپنی جان پر کفر یہ عقائد کے مظالم ڈھاتی رہی۔ اب تو سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں۔ اس طرح بلیقہس کو دولت ایمان نصیب ہوئی۔ ❶

یہ جو مشہور ہے اور بعض مفسرین نے بھی تحریر کیا ہے کہ آپ کو مطلع کیا گیا تھا کہ بلیقہس ویسے تو خوبصورت ہے لیکن اس کی پنڈلیاں بد صورت ہیں، گدھے کے گھروں کی طرح ہیں۔ یا بعض نے کہا: کہ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے اس کی پنڈلیوں کو دیکھنے کے لئے ایسا فرش بنوایا تھا یہ درست نہیں۔ نبی کی شان عظمت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی کے متعلق علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كَانَ الْمَقْصُودُ مِنَ الصَّرْفِ تَهْوِيلُ الْمَجْلِسِ وَتَعْظِيمُهُ“ شیشے کا محل چمکدار فرش بچھانے کا مقصد فقط مجلس کو بارعب بنانا اور اظہار عظمت تھا۔ بلیقہس کا پنڈلیوں کا ننگا کرنا اس کی اپنی غلط فہمی کی وجہ سے تھا۔ اس نے چمکدار صحن کو پانی سمجھتے ہوئے

اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کیا تھا گویا کہ وہ پانی سے گزرنا چاہتی ہے۔“

یہ واقعہ بالکل اسی قسم کا ہے جیسے حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا۔ مشرکوں سے ایک شخص نے مسلمانوں کو جلا کر رکھ دیا (یعنی اس کے ہاتھوں مسلمان بہت تنگ آچکے تھے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اسے تیر مارو (ماں باپ کو جمع کرنے کا یہی معنی ہے) وہ کہتے ہیں میں نے اپنا تیر نکالا حالانکہ اس میں لوہے کی نوک نہیں تھی میں نے وہی اس کے پہلو پہ گاڑ دیا وہ گرا اس کا ستر کھل گیا وہ ننگا ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مجھے نظر آنے لگیں:

{وَأَنْكَشَفَتْ عَوْرَتَهُ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى نَوَاجِذِهِ}

اس حدیث کے ماتحت علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: {فَضَحِكَ} فرحاً بِقَتْلِهِ عَدُوَّهُ لَا لِانْكِشَافِهِ ❷ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی وجہ حضرت سعد کا دشمن کو قتل کرنا ہے آپ اس کے ننگے تنگیز کو دیکھ کر نہیں ہنسے تھے۔“ کسی کے ننگے تنگیز کو دیکھ کر ہنسنا نبی کی شان کے لائق نہیں نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں فرمایا کہ آپ نے غیر محرم عورت کی ننگی پنڈلیاں دیکھیں۔

❶ تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 24 ص 179

❷ روح المعانی، علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 208

❸ مسلم شریف باب فضائل سعد بن ابی وقاص ج 2 ص 280

غیر یقینی واقعات:

کچھ واقعات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكُلُّ ذَلِكَ اَعْمَارٌ لَا يَدْرِي صِدْقُهَا وَلَا كِذْبُهَا وَلَعَلَّ فِيْهَا بَعْضُهَا مَا يَمِيلُ الْقَلْبُ اِلَى الْقَوْلِ بِكَذِبِهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ“

”یہ جتنی خبریں ہیں ان کے صحیح ہونے یا جھوٹا ہونے میں کچھ پتہ نہیں، ممکن ہے کہ بعض واقعات جھوٹے ہوں جن کی طرف دل مائل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔“

وہ واقعات جن پر یقین نہیں کیا گیا، انہیں روح المعانی میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

①: بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غلام اور لونڈیاں بھیجیں، غلاموں کو زنانہ لباس پہنایا گیا۔ ان کے ہاتھوں میں کنکرن اور کانوں میں بالیاں پہنائی گئیں اور لونڈیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور انہیں ہدایت کی کہ غلاموں نے عورتوں کی طرح کلام کرنا ہے اور لونڈیوں نے مردوں کی طرح۔ اور ساتھ یہ کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو غلاموں اور لونڈیوں میں فرق کر کے دکھاؤ۔ اور بتاؤ کون سے غلام ہیں اور کون سی لونڈیاں؟

②: ایک اس نے موتی دیا جس میں سوراخ نہیں تھا اس کے متعلق کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو اس میں سوراخ کرا دو۔ اور یہ کام انسانوں اور جنوں سے نہیں کراتا۔

③: اور ایک موتی دیا جس میں سوراخ ٹیڑھا تھا۔ اس کے متعلق یہ کہہ کر بھیجا کہ اس میں دھاگہ ڈال دو اور بھیجے ہوئے قاصد کو کہا کہ دیکھنا۔ اگر وہ شخص تمہیں جواب سخت کلائی، تند مزاجی سے دے تو وہ بادشاہ ہوگا۔ اس سے ڈرنا نہیں، میں اس پر غالب آ جاؤں گی۔ اور اگر وہ شخص خوش اخلاقی نرم مزاجی لطافت طبع، نرم گوئی سے جواب دے تو سمجھنا کہ وہ نبی ہے۔ پھر اس کی بات کو غور سے سننا اور سمجھنا۔

بلقیس نے غلام اور غلامہ بیع سونے چاندی کے زیورات سونے اور چاندی کی اینٹیں، موتی لعل و جواہر، عنبر، کستوری، گھوڑے وغیرہ کثیر تعداد میں بطور ہدیہ بھیجے لیکن سلیمان علیہ السلام نے وہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی فرخ تک سونے اور چاندی کے محلات جنوں سے تعمیر کرا دیئے۔ دریائی جانور منگوائے جن کے پروں کے عجیب و غریب رنگ تھے۔ گھوڑے کی طرح ان کی گردن اور پیشانی کے بال تھے۔ مرغ کی طرح ان کے سر پر کلغیاں تھیں۔ جن انسان جانور درندے پرندے غرض یہ کہ ہر قسم کی مخلوق کو آپ نے اپنے پاس کئی کئی میلوں تک صفوں میں کھڑا کر دیا۔ ہدیہ لانے والے نے یہ منظر دیکھ کر اپنے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔

سلیمان علیہ السلام نے خوش طبعی سے اس سے ملاقات کی۔ اس نے بلقیس کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے ڈبیہ طلب کی۔ اس نے ڈبیہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کو کھولنے سے پہلے بتانا اس میں کیا ہے؟ جبرائیل

علیہ السلام آئے انہوں نے آپ کو بتایا تو آپ علیہ السلام نے اس شخص کو کہا کہ اس میں ایک موتی بغیر سوراخ کے ہے اور ایک ٹیڑھے سوراخ والا ہے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ کہا ہے۔ اس نے کہا کہ بغیر سوراخ موتی میں سوراخ کر دو اور ٹیڑھے سوراخ والے مکے میں دھا کہ ڈال دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ موتی میں سوراخ کون کرے گا؟ دیمک (لکڑی کھانے والا کھڑا) نے کہا: یہ کام میں کروں گا۔ اس نے اپنے منہ میں ایک بال لیا اور موتی میں ایک سرے سے گھوم کر دوسرے سرے سے نکل گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا تمہاری کوئی حاجت ہو؟ اس نے کہا: ہاں! اے اللہ کے نبی میرا رزق درختوں میں کر دو۔ آپ علیہ السلام نے اسے کہا: کہ ٹھیک ہے۔ تمہارا رزق درختوں میں ہی ہوگا۔

پھر آپ نے ٹیڑھے سوراخ والے مکے (موتی) کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا اس میں دھا کہ کون ڈالے گا؟ ایک سفید رنگ کا کیڑا آیا اس نے کہا یہ کام میں کروں گا۔ اس نے دھا کہ اپنے منہ میں لیا اور ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف نکل گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا: اگر تمہاری بھی کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ کے نبی میرا رزق پھلوں میں کر دو۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے تمہیں پھلوں سے ہی ملے گا۔

پھر ہدیہ لانے والے نے کہا: آپ غلاموں اور لونڈیوں میں تمیز کریں۔ ان کے حجاب ہٹانے سے پہلے بتاؤ۔ آپ نے فرمایا سب ہاتھ دھوؤ! جب انہوں نے ہاتھ دھونے شروع کئے تو جو دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھونے لگے۔ آپ نے کہا یہ غلام ہیں اور جنہوں نے پہلے پانی ایک ہاتھ میں لیا اور پھر دوسرے ہاتھ پر ڈالا آپ نے فرمایا: یہ لونڈیاں ہیں۔ ❶

گزشتہ سے پیوستہ:

سلیمان علیہ السلام نے ”ہدیہ“ کو غائب پا کر جوار شاد فرمایا: اس میں ”لا ذبح حسنه“ کا ذکر ہے جس میں لام کے بعد الف زائد لکھا گیا ہے بظاہر الف کے زائد کرنے کی وجہ نظر نہیں آرہی لیکن ایک شاعر ارکتہ یہ تحریر کیا گیا ہے: {هُنَا التَّنْبِيْهُ عَلَيْهِ اَنَّ الدَّبْحَ لَمْ يَقْعْ} ❶ کہ اس میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ واقعہ میں ذبح نہیں ہوا۔ یعنی آپ علیہ السلام فرمایا تھا کہ میں ذبح کروں گا یا وہ کوئی دلیل لے کر آئے۔ اس نے دلیل پیش کر دی تھی اسلئے ذبح سے محفوظ رہا۔

رب کی یاد کے لئے گھوڑوں سے محبت:

اِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَاشِيَةِ الصُّفِيَّتُ الْجَبَادُ (۱) لَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّهُمْ ”جب کہ اس پر پیش کئے گئے تیسرے پہر کو کہ روکے تو تین حُبُّ الْخَيْْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (۲) پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سم کو کنارہ زمین پر لگائے ہوئے

❶ روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 199-200 ❷ روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ ج 10 حصہ دوم ص 184

عَلَىٰ فَطْفِقَ مَسْعًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿١٢﴾
(سورۃ ص 23:12)

اور چلائے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمان علیہ السلام نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی اپنے رب کی یاد کے لئے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔ (نگاہ سے اوجھل ہو گئے) پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ (جب واپس لائے گئے) تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان پر گھوڑے پیش کئے جائیں تاکہ انہیں دیکھیں اور ان کے احوال کی کیفیت پر واقف ہوں تو آپ کے حکم کے مطابق گھوڑوں کو عصر سے دن کے آخر تک پیش کیا جاتا رہا۔ گھوڑوں کی دو لفظوں سے صفات بیان کی گئی ہیں۔ ”صافنات“ اور ”جیاد“ صافن کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دونوں قدموں کا ایک قطار میں رکھنا اور گھوڑا جب تین قدموں پر زور ڈال کر کھڑا ہو چوتھے قدم کا سم صرف زمین پر معمولی سہارا لگائے ہوئے ہو تو اسے بھی صافن کہتے ہیں۔ بیان یہ ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جب انہیں کھڑا کیا جاتا تو نہایت آرام سکون سے کھڑے ہو جاتے۔

”جیاد“ تیز گھوڑوں کو کہا جاتا ہے یعنی جب وہ چلتے ہیں تو ہوا کی طرح تیز چلتے ہیں لیکن ان کی تیز رفتاری ایسی نہیں ہوتی کہ سوار کو گرا دیں بلکہ تیز رفتاری میں بھی سوار کو سکون حاصل رہتا ہے آپ نے کہا:

إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْلِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي
علامہ رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”بِمَعْنَى أَنَّ هَذِهِ الْمَحَبَّةَ الشَّدِيدَةَ الَّتِي حَصَلَتْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَأَمْرِهِ لَا عَنِ الشَّهْوَةِ وَالْهَوَىٰ“
یعنی مجھے ان گھوڑوں سے اتنی شدید محبت دنیاوی خواہشات و لذات کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی یاد کی وجہ سے ہے۔“

جس طرح قرآن پاک میں گھوڑوں کو جہاد کے لئے پالنے کا حکم اور تعریف کو ذکر کیا گیا ہے اسی طرح تورات میں بھی ذکر کیا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے دیکھ رہے تھے کہ اس سے رب اور اس کے حکم کی یاد حاصل ہو رہی ہے۔ جب ایک مرتبہ گھوڑوں کو آپ کے سامنے سے گزار دیا گیا اور وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو آپ ان سے از روئے محبت ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ساتھ ساتھ اپنی امت کو اپنے اس فعل سے یہ تعلیم دے رہے تھے کہ حاکم وقت کو اکثر کام اپنے ہاتھ سے بھی سرانجام دینے چاہئیں۔ اور وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کو گھوڑوں کے امراض کا علم بھی حاصل تھا آپ اس وجہ سے بھی ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ گھوڑوں کے احوال امراض عیوب دیکھیں کہ کسی میں کوئی نقص تو نہیں اگر ہو تو اس کا علاج کیا جائے۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے یہ تفسیر بیان کرنے کے بعد فرمایا:

”فَهَذَا التَّفْسِيرُ الَّذِي ذَكَرْنَا يَنْطَبِقُ عَلَيْهِ لَفْظُ الْقُرْآنِ“ یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے قرآن کے الفاظ مبارکہ کے مطابق یہی ہے اور ہم پر یہ لازم نہیں کہ ایسے واقعات کو بیان کریں جو درست نہیں۔“

ایک مشہور لیکن غیر معتبر واقعہ:

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر گھوڑے پیش کئے جاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹایا جائے۔ جب گھوڑے آپ پر واپس لوٹائے گئے تو آپ نے ان کی ٹانگیں کٹوا دیں، گردنیں اڑا دیں کہ یہ میری نماز کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ اسے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ معنی لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد..... {أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي} مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے رب کی یاد کے لئے..... کے خلاف ہے۔

”فَإِنَّ تِلْكَ الْمَحَبَّةَ لَوْ كَانَتْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ لَمَّا نَسِيَ الصَّلَاةَ“ کیونکہ جب آپ کو گھوڑوں سے محبت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے تھی تو نماز آپ کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی اور نہ ہی آپ اللہ تعالیٰ کو کما تَرَكَ ذِكْرَ اللَّهِ کی یاد کو چھوڑ سکتے تھے۔ نیز اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

{فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ} کا اگر معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے تلوار سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹا تو پھر وضو کے حکم میں رب کے ارشاد: {وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ} میں بھی معنی یہ نہیں ہوگا کہ ”تم اپنے سروں کا مسح کرو“ بلکہ یہ معنی کرنا پڑے گا ”تم اپنے سروں کو تلواروں سے کاٹو“ کیا یہ معنی کوئی عقلمند تسلیم کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یقیناً جب یہ معنی غلط ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی اس قسم کا مطلب منسوب کرنا بھی غلط ہے۔ اور اس میں کئی خرابیاں یہ لازم آئیں گی کہ سلیمان علیہ السلام نے نماز چھوڑ دی اور آپ پر دنیا کی محبت غالب آگئی تھی کہ آپ گھوڑوں کو دیکھتے رہے نماز کے تارک بن گئے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ عَظِيمَةٍ“ دنیا کی محبت ہر قسم کے گناہوں کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسا گمان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر آپ سے (معاذ اللہ) اگر نماز چھوڑنے کا عظیم گناہ سرزد ہوا تھا تو آپ کو توبہ کرنی چاہئے تھی۔ جہاد والے گھوڑوں کی گردنیں اڑانے کا کیا مقصد تھا؟ پھر اگر ”رُدُّوْهَا عَلَيَّ“ کا معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے رب کو کہا کہ مجھ پر سورج کو واپس لوٹایا جائے تو یہ اور ہی بہت بڑی خرابی کا باعث بنے گا کہ ادھر نماز کے چھوڑنے کا گناہ ادھر توبہ کے بجائے رب کو حکم دینا یہ درحقیقت رب کی شان میں گستاخی ہے اور جمع کا صیغہ بھی اس معنی کو رد کر رہا

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدًا دَاوُدَ﴾ ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو۔ اس کے بعد آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا گویا کہ رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

”إِصْبِرْ يَا مُحَمَّدُ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَادْكُرْ عَبْدًا سَلِيمًا“ ”اے محمد (ﷺ)! یہ کفار جو آپ سے کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کیجئے۔“

اب اس کے بعد اگر واقعہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے پتہ چلے کہ سلیمان علیہ السلام اچھے اعمال، اچھے اخلاق کے مالک تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے تھے دنیا کی خواہشات و لذات سے دور تھے تو کلام کا کوئی مقصد نکل سکتا ہے کہ رب نے حضور ﷺ کو آپ کی یہ صفات بتا کر تسلی دی۔ اور اگر یہ بیان کیا جائے کہ آپ دنیا کی محبت کی وجہ سے نماز چھوڑ کر عظیم گناہوں کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ تو کلام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ) کیا حضور ﷺ کو یہ کہا گیا ہے کہ آپ بھی ایسا کریں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس مشہور واقعہ کو بڑی تفصیل سے رد کیا اور آخر میں فرمایا:

”وَأَقُولُ أَنَا شَدِيدُ التَّعَشُّبِ مِنَ النَّاسِ كَيْفَ قَبِلُوا هَذِهِ الْوُجُوهَ السَّخِيفَةَ مَعَانِ الْعَقْلِ وَالنُّقْلُ يَرْتَعَا“^① ”میں لوگوں پر بہت بڑا تعجب کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ کمزور وجوہ کیسے تسلیم کر لی ہیں؟ جن کو عقل بھی نہیں مانتی اور شریعت کے بھی خلاف ہیں۔“

سلیمان علیہ السلام کا ”ان شاء اللہ“ کہنا بھول جانا:

”وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَ عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ“ (سورۃ ص 12:23)

”اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محققین، مفسرین کرام نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات ستر عورتوں سے جماع کروں گا۔ (آپ کی شریعت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا منع نہیں تھا) ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو بہت بڑا شہسوار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ آپ ﷺ نے ”ان شاء اللہ“ نہ کہا۔ آپ نے ستر عورتوں سے جماع کیا لیکن کوئی بھی عورت حاملہ نہ ہوئی۔ سوائے ایک عورت کے اس کا بچہ بھی ناکمل بے جان پیدا ہوا۔

خیال رہے مسلم میں ستر عورتوں کا ذکر ہے اور بخاری میں چالیس عورتوں کا ذکر ہے ایک اور روایت میں سو کا ذکر ہے

① تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 26 ص 206

‘شاید پہلے چالیس کہا ہو پھر ستر پھر ایک سو۔ نیز یہ بھی روایات میں آیا ہوا ہے کہ آپ کو فرشتے نے کہا: ”قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَلَمْ يَقُلْ“ انشاء اللہ کہو..... لیکن آپ نے نہ کہا۔ آپ کا نہ کہنا بھول کر تھا یا قصد تھا؟ کسی صورت میں بھی گناہ نہیں کیونکہ فرشتے کا حکم ماننا آپ پر کوئی فرض نہیں تھا..... {وَعَايَتُهُ تَرَكَ الْأُولَى فَلَمْ يَسْ بِذَنْبٍ وَإِنْ عُدَّتْهُ هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَنْبًا}..... فرشتے کے کہنے پر آپ کا ان شاء اللہ نہ کہنا زیادہ سے زیادہ ترک اولیٰ (بہتر کام کو چھوڑنا) پایا گیا ہے۔ اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا اگرچہ انبیائے کرام کے ترک اولیٰ کو بھی ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

”قَالَ مُرَادُ بِالْجَسَدِ ذَلِكَ الشَّقُّ الَّذِي وَكَّدَ لَهُ وَمَعْنَى الْقَائِمِ عَلَى كُرْسِيِّهِ وَضَعَ الْقَائِلَةُ لَهُ عَلَيْهِ لِمَرَاة“
”جسم سے مراد وہی نامکمل بے جان بچہ ہے۔ اور کرسی پر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دایہ نے وہ بچہ لا کر اس کے تخت یا کرسی پر ایک بے جان جسم ڈال دیا۔“

”اس بے جان بچے کو پہلے کرسی پر رکھا گیا اور کرسی پر اٹھا کر لایا گیا وہ آپ کی گود میں رکھ دیا گیا کہ آپ دیکھیں۔“

”فَجِيءَ بِهِ عَلَى كُرْسِيِّهِ فَوُضِعَ فِي حَجَرَةٍ“ ①

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: {فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَجَاهِدُوا كُلَّهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَرَسَانًا} ایک روایت میں ”وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ“ کے الفاظ مبارکہ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی (میری) جان ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے اور تمام کے تمام بڑے شہسوار اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ نے ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے جسے میر محمد کرم شاہ صاحب حسین و جمیل الفاظ میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آپ ﷺ کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا کڑیل جسم ہڈیوں کو ڈھانچا بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے جن و انس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اب ضعف و نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا۔ تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہار گاوالہی میں بڑے معزو نیاز سے اپنی صحت کے لئے دعا کی کی جو قبول ہوئی۔ آپ ﷺ بالکل صحت یاب ہو گئے اور جہان بانی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔“ ②

سلیمان علیہ السلام کے حق میں یہودی گستاخی:

یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا من گھڑت واقعہ پیش کیا کسی نیک آدمی کے متعلق ایسا گمان کرنا بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسی بناوٹی کہانیاں منسوب کی جائیں یہودیوں نے کہا:

”سلیمان علیہ السلام کو سمندر میں ایک شہر کی خبر ملی کہ وہاں کوئی حکومت کر رہا ہے آپ نے اپنا لشکر ساتھ لیا اور ہوا کو حکم دیا جس نے آپ کو اور آپ کے لشکر کو وہاں پہنچا دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کو جو وہاں کا حاکم تھا، قتل کر دیا اور اس کی ایک بہت ہی خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام ”جرادہ“ تھا۔ اسے آپ نے اپنے لئے پسند کر لیا وہ اسلام لے آئی آپ بھی اس سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے باپ کو یاد کر کے روتی رہتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے شیطان کو حکم دیا کہ اس کے باپ کی تصویر بنا کھڑوے دو تا کہ اسے دیکھنے سے تسلی حاصل رہے۔ اس کے باپ کی شیطان نے تصویر بنادی اس عورت نے تصویر کو اپنے باپ کے لباس کی طرح ہی لباس پہنا دیا۔ صبح و شام اپنی لونڈیوں کے ساتھ لے جا کر اسے سجدہ کرتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام کو ان کے وزیر آصف نے جب اس معاملہ کی خبر دی تو آپ نے تصویر کو توڑنے کا حکم دیا اور اس عورت کو سزا دی۔ پھر اکیلے جنگل کی طرف نکل گئے۔ خاکستر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے۔“

سلیمان علیہ السلام کی ایک لونڈی ام ولد بھی تھی جسے ”امینہ“ کہا جاتا تھا۔ جب آپ طہارت کے لئے تشریف لے جاتے یا اپنی ازواج سے مجامعت کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگلیاں اتار کر ”امینہ“ کو دے جاتے آپ کی بادشاہی انگلی میں تھی۔ آپ انگلیاں پہن رکھتے تو انسان و جن آپ کے تابع ہوتے۔ آپ اتار دیتے تو کوئی بھی آپ کے حکم کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ ایک دن آپ نے انگلی ”امینہ“ کے پاس رکھی۔ آپ قضائے حاجت کے لئے چلے گئے۔ دریاؤں پر متصرف شیطان سلیمان علیہ السلام کی شکل میں امینہ کے پاس آیا اور کہا: اے امینہ میری انگلی دے۔ امینہ نے انگلی اسے دے دی وہ انگلی پہن کر آپ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ تمام انسان جن پرندے وغیرہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اسی کا حکم ان پر چل رہا تھا اور یہ اس کے تابع تھے۔

سلیمان علیہ السلام کی شکل بدل دی گئی تھی۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر امینہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ میری انگلی دے دو تو اس نے انکار کر دیا۔ تم سلیمان علیہ السلام کب ہو؟ جاؤ! اپنا کام کرو۔ سلیمان علیہ السلام تو اپنی انگلی لے گئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری خطا کی وجہ سے مجھے گرفت میں لے لیا گیا ہے آپ لوگوں کے گھروں پر دستک دیتے۔ ان کے سامنے کھانے کے لئے ہاتھ پھیلاتے کہ مجھے کھانے کو کچھ مل جائے۔ جب آپ بتاتے کہ میں سلیمان (علیہ السلام) ہوں تو لوگ آپ پر مٹی ڈالتے اور آپ کو گالیاں دیتے۔ آخر آپ نے چھیروں کی غلامی اختیار کر لی۔ ان کی پھلیاں ایک جگہ سے اٹھا کر

دوسری جگہ پہنچاتے۔ وہ آپ کو دو مچھلیاں ہر روز دے دیتے، آپ اسی سے گزراوقات کرتے رہے۔

چالیس دن اسی حال میں گزر گئے چالیس دن آپ کے گھربت پرستی ہوتی رہی تھی۔ جب آپ کے چالیس دن گزر گئے ادھر آصف اور بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لیڈروں نے شیطان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شیطان آپ کے تخت کو چھوڑ کر چلا گیا اور انگوٹھی کو دریا میں ڈال دیا، اس کو مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی جب آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے اس کے پیٹ کو چاک کیا تو آپ کو انگوٹھی مل گئی۔ آپ نے انگوٹھی پہن لی آپ کو حکومت واپس مل گئی آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بہت شدت و تفصیل سے رد کیا اور فرمایا:

”وَأَعْلَمُ أَنَّ أَهْلَ التَّحْقِيقِ اسْتَبَعَدُوا هَذَا الْكَلَامَ“ ”یقیناً جان لو کہ یہ محققین کے نزدیک لغو اور باطل کلام ہے۔“

اس قسم کا معاملہ شیطان علماء رحمۃ اللہ علیہم بھی نہیں کر سکتا انبیائے کرام سے کیسے کر سکتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ

وہ شیطان کو سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر مسلط کرتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا صورت بنوا کر دینا وغیرہ سب لغویات ہیں۔ ❶

سلیمان علیہ السلام کی دعا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِي مِنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۱۲﴾
”پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی: میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میرے بعد نہ ہو میرے بعد۔ بیشک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے۔“
(سورۃ ص 12:23)

پہلے مغفرت کے لئے التجاء کی اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا، ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جو دو عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ رب العالمین ہے، وہ اکرم الاکرمین ہے، اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔

حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے ”نبی ملک“ (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے ”نبی عبد“ بننا پسند فرمایا:
”وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَاكِذَا الْحُكْمِ عَلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ“ ”یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔“

صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں:

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدَةً تَمْشِي عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔

اور یہی حال خلفائے راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور فقیری دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے۔ ❶

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج رات کو سرکش شیطان میری نماز کو فاسد کرنے کے لئے میرے قریب منڈلاتا رہا: ”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى امْكِنَنِي مِنْهُ فَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ رَیْبُتُهُ سَارِبَةً“ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے زیادہ قوت دے رکھی ہے تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم تمام لوگ بھی اسے دیکھ سکو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی کہ آپ نے رب کے حضور عرض کیا تھا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْفِي لِي أَحَدٌ مِنْ بَعْدِي ❷ ”اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔“

حضور ﷺ کا کتنا واضح اشارہ ہے کہ مجھے جنوں پر بھی حکومت حاصل ہے لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا تاکہ سلیمان علیہ السلام کا جنوں پر حکومت کرنا مشہور رہے۔

سلیمان علیہ السلام کے فیصلے:

وَعَاوَدَ وَسَلَّمْنِ إِذْ يَحْكُمُن فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ❸ (سورۃ الانبیاء: 6:17)

”اور یاد کرو داؤد و سلیمان علیہ السلام کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔“

ایک آدمی کی بکریاں رات کے وقت چھوٹ گئیں ان کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ دوسرے شخص کی کھیتی کھا گئیں۔ یہ مقدمہ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہوا۔ آپ علیہ السلام نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دو چونکہ کھیتی بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب فیصلہ سنا تو آپ نے کہا کہ ایک صورت اس سے بہتر اور دونوں فریقوں کے لئے نفع مند ہو سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تم بتاؤ! وہ کیا صورت ہو سکتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں

❶ تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ج 8 ص 182 تفسیر ضیاء القرآن: پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 4 ص 244

❷ روح المعانی: علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 12 حصہ اول ص

کھیتی والے کو صرف اسلئے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرتا رہے اور بکریوں والے شخص کو کھائے کہ وہ اس شخص کے کھیت میں کام کرے اور محنت کر کے ضائع شدہ فصل کے برابر اور نئی فصل کاشت کر کے تیار کرے۔ جب کھیتی اپنے حال پر آجائے تو کھیتی والے کو اس کی کھیتی دے دی جائے اور بکریوں والے کو اس کی بکریاں دے دی جائیں۔

یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال تھی یہ دونوں فیصلے اجتہادی تھے جو اس وقت کی شریعت کے مطابق تھے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قانون کے مطابق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی صورت میں تھا ہماری شریعت میں اگر جانور از خود چھوٹ جائیں کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچائیں تو جانوروں کے مالک پر کوئی ضمان لازم نہیں۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک وقت دو عورتوں کے جھگڑے میں فیصلہ: دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے ان کے ساتھ تھے۔ ایک بھیڑیا ایک بچے کو لے گیا ایک عورت نے دوسری کو کہا بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری کہنے لگی: تمہارے بچے کو لے گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑے نے طول پکڑا تو وہ اپنا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آگئیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ان عورتوں میں سے ایک عمر میں چھوٹی تھی اور ایک بڑی۔ جب وہ دونوں (فیصلہ کے بعد) نکلیں تو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے سامنے آئیں تو ان کو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

”اِنَّتَوْنِیْ بِالْیَسِیْرِ اَشَقُّهُ بِیْنِکُمَا فَقَالَتِ الصَّغْرٰی لَا یُؤْخَذُکَ“ ”چھری لاؤ میں اس کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں تو چھوٹی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ایسا نہ کریں اللہ ہو ایتھما فلقضی بہ للصغری“

وہ اسی کا بیٹا ہے تو آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔“

حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا تھا؟ آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ اس وضاحت حدیث: لئے کیا تھا کہ یا تو بچے میں آپ نے بڑی سے کچھ مشابہت دیکھی تھی یا ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں بڑے کو مقدم رکھا جاتا ہو یا یہ کہ بچے پر قبضہ بڑی کا تھا اور آپ کی شریعت میں جس کا قبضہ ہوتا تھا اس کے حق کو ترجیح دی جاتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا؟ اس لئے کہ آپ نے دیکھا کہ بچے سے محبت کسے ہے؟

① تفسیر خزان القرآن: سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ زیر آیت 78 سورۃ الانبیاء پارہ 17

② صحیح مسلم شریف: امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 58 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

جب آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ کہ میں اس کے کٹڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں تو آپ کے اس ارشاد پر بڑی خاموش تھی کیونکہ حقیقتاً وہ جانتی تھی کہ میں جھوٹی ہوں۔ اس وجہ سے بھی خاموش تھی کہ میرا بیٹا تو ضائع ہو چکا ہے یہ بھی قتل ہو جائے تو دوسری عورت کو بھی میری طرح غم لاحق ہو لیکن چھوٹی نے کہا: حضور! اسے قتل نہ فرمائیں بلکہ اسے ہی دے دیں کیونکہ جب حقیقت میں بیٹا ہی اسی کا تھا تو اس نے از روئے محبت بیٹے کا قتل ہونا پسند نہیں کیا بلکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ مجھے ملے نہ ملے لیکن کم از کم زندہ تو رہے۔ چھوٹی کے اس پیار و محبت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا اسی کا بیٹا ہے دوسری کا نہیں۔ لہذا آپ علیہ السلام نے اسی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کیسے توڑا؟ قانون یہ ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا فیصلہ نہیں توڑ سکتا حالانکہ دونوں حضرات کے فیصلے اجتہاد پر تھے۔ وحی کے ذریعے کوئی ایک فیصلہ نہیں تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بظاہر توڑنا درست نظر نہیں آتا لیکن اس کی چند وجوہ ہیں:

- ① حضرت داؤد علیہ السلام نے حتیٰ فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ بڑی کے قبضے کو دیکھ کر بچہ اسی کے پاس رہنے کی رائے قائم کی تھی۔
- ② حضرت داؤد علیہ السلام نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ فتویٰ اور قضا میں فرق ہے۔ قضاء یعنی فیصلہ پر عمل لازم ہوتا ہے لیکن فتویٰ پر عمل لازم نہیں ہوتا کیونکہ مفتی کو عمل کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔
- ③ ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایک مجتہد دوسرے کا فیصلہ توڑ سکتا ہو اور یہ جائز ہو۔
- ④ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اظہار حق کے لئے حیلہ کیا اس پر چھوٹی کا سچا ہونا جب واضح ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا ہو۔

دیو آپ کے تابع:

فَلَا تُطِيعُنَّ كُفْلًا بَنَاءً وَغُلَاظًا (سورة ص 23:12) ”اور تمام معمار اور غوطہ خورد دیو آپ کے تابع کر دیئے۔“

یعنی کچھ وہ جن تھے جو فن تعمیر میں ماہر تھے بڑی بڑی عمارات بہت جلدی تیار کرتے اور کچھ جن دریاؤں سمندروں میں غوطے لگا کر طرح طرح کے موتی، ہیرے، لعل و جواہر نکالتے۔ دریاؤں میں سب سے پہلے موتی نکالنے کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی شروع کیا۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَن يُّعْمَلُ لَّيْلًا يَكْنِيهِ بِأَذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَدْرِي مَن يُّعْمَلُ لَّيْلًا لَّنِيذًا لِّعَذَابِ السَّعِيرِ (سورة النجم 3:1-4) ”اور (آپ کے تابع کر دیئے) جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں سے

مِنْ مَّحَارِبَ وَ تَمَائِيلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُودٍ سَمِيَّةٍ ۖ
 ہمارے حکم سے اعراض کرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب
 چکھائیں گے۔ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے
 (سورة سہا 22:8)

حل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیکھیں۔“

”محاریب“ جمع ہے محراب کی اور حرب سے لیا ہوا ہے جس کا معنی لڑائی کرنا۔ یہاں محاریب سے مراد وہ محلات ہیں جن کی حفاظت کے پیش نظر ان کا مالک دوسروں سے لڑائی کرے۔ اگر وہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ ”تمائیل“ سے مراد پتیل، تانبہ، بلور، سنگ مرمر وغیرہ سے تصویریں بنانا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ:

”كَانَ اتِّخَاذُ الصُّوْرِ فِي ذَٰلِكَ الشَّرِّعِ جَائِزًا كَمَا قَالَ الضَّعَّافُ“ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویریں بنانا جائز تھا۔
 یہی قول حضرت ضحاک اور ابوالعالیہ کا ہے۔“

ایک شریعت کے مسائل کو دوسری شریعت میں اس وقت تک ثابت نہیں کیا جاسکتا جب تک دونوں شریعتوں میں انکا حکم ایک نہ ہو۔

”جفان“ سے مراد وہ برتن جس میں طعام ڈالا جائے۔ ایسا برتن جس میں اتنا طعام آئے کہ جو ایک شخص کو سیر کر سکے۔ اسے ”صُخْفَةٌ“ کہا جاتا ہے اور جو دو یا تین آدمیوں کو سیر کر سکے اس ”مُرْغَلٌ“ کہا جاتا ہے اور جو پانچ آدمیوں کو سیر کر سکے اس ”صُخْفَةٌ“ کہا جاتا ہے اور جو دس آدمیوں کو سیر کر سکے اسے ”قُصْعَةٌ“ کہا جاتا ہے اور جفان مطلقاً برتن کو کہا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ لیکن یہاں کالجواب کہہ کر ثابت کر دیا کہ وہ بڑے حوضوں کی طرح لگن بناتے تھے جس میں سے ایک ہزار آدمی سیر ہو کر کھانا کھا لیتے تھے۔ ”قدور راسبات“ بڑی بڑی دیکھیں بناتے تھے جن کے نیچے پائے ہوتے تھے۔ بہت بڑی ہونے کی وجہ سے انہیں اتار نہیں جاتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کا وصال:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنِّسَانَهُ فَلَمَّا خِرَّ تَبَشَّتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
 پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا۔
 پتہ نہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مرکز زمین کے دیمک نے جو
 کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آئے تو جنوں
 (سورة سہا 22:8) الْغَيْبِ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ
 جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔“

جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے انسانوں پر اپنا رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی

باتیں بتاتے جن کا تعلق امور غیبیہ سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا چور ہے میں پھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے۔ وہ آپ کو کھڑا ہوا دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ سلامت ہیں۔ ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ حکم الہی سے دیمک نے عصا کو چاشنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا اور وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے۔ تو اب ان کے دعویٰ کی حقیقت فاش ہو گئی۔ نیز وہ لوگ جو ان جنات کی غیب دانی کے دعویٰ کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں۔

تبہت کا فاعل یا تو جن ہیں یعنی تمام جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے سردار جو غیب دانی کی لافیں مارا کرتے تھے وہ بالکل جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ سال بھر اپنی جان کو اس مصیبت میں نہ ڈالے رکھتے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر حقیقت کھل گئی کہ جنات کو غیب کا کوئی علم نہیں۔

جنات کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شان نبوت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور وہ اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے۔ جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں لیکن یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے چہرہ اسی طرح پھول کی طرح گلستا رہا، بدن بالکل تروتازہ رہا، تعفن اور بوسیدگی (جسم کا بدبودار ہونا اور گل سڑ جانا) تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسم گرما کی حدت لو اور جس نے جسید اطہر کو متاثر کیا اور نہ موسم سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شان رفیع کو دیکھو۔

”دَابَّةُ الْكَذِّبِ“ دیمک۔ مِئْسَاةُ عَصَا۔ یہ لفظ نَسَاتُ الْغَنَمِ سے ماخوذ ہے جس کا معنی میں نے ریوڑ کو ہانک دیا اسی سے مِئْسَاةُ لیا گیا ہے یعنی ہانکنے کا آلہ (عصا)۔ ①

موت العالم موت العالم:

{مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ} ”عالم کی موت جہان کی موت ہے۔“

آج بروز جمعرات 1996 بمطابق ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ سحری کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ جب قلمبند کر رہا تھا اسی وقت استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا اسرار الحق حقانی قدس سرہ (راولپنڈی) کا وصال ہو گیا۔ صبح مدرسہ (جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سیٹلاٹ ٹاؤن راولپنڈی) پہنچنے پر استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام محی الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نے خبر دی کہ قاضی صاحب کا وصال ہو گیا ہے تو بہت زیادہ پریشانی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت پر صابر و شاکر رہنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر انوار پر ہر ہزار نعمتیں فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین



حضرت حزقیل علیہ السلام

بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تیسرے خلیفہ تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون آئے۔ ان کے بعد کالب بن یوذا خلیفہ بنے اور ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام آئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کی کنیت:

آپ علیہ السلام کی کنیت ”ابن الحوز“ تھی۔ ”حوز“ بڑھیا عورت کو کہا جاتا ہے۔ آپ کی یہ کنیت رکھنے کی وجہ یہ تھی:
 ”لَإِنَّ أُمَّهُ كَانَتْ عَجُوزًا فَسَأَلَتِ اللَّهَ تَعَالَى الْوَكْدَ بَعْدَ مَا كَثُرَتْ وَعَقَمَتْ فَوَهَبَ اللَّهُ لَهَا حِزْقًا قَلِيلًا“
 آپ کی والدہ بڑھاپے کی عمر میں تھیں تو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اولاد کا سوال کیا حالانکہ وہ عمر یا نبھ ہونے کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کو بیٹا ”حزقیل“ عطا کر دیا۔
 اسی وجہ سے ان کی کنیت ”ابن الحوز“ (بڑھیا کا بیٹا) ہو گئی۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب:

آپ کا لقب ”ذوالکفل“ تھا۔
 ”وَيُقَالُ لَهُ ذُو الْكِفْلِ سُبْحَىٰ بِهِ لِأَنَّهُ تَكْفَّلَ سَبْعِينَ نَهْمًا أَنْجَاهُ“
 ”ان کو ذوالکفل اس وجہ سے کہا جاتا تھا کیونکہ انہوں نے ستر نبیوں کی کفالت کی اور ان کو قتل سے بچایا۔“
 یہ بھی واضح ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی رہے جو مختلف خطوں میں مقرر رہے اسلئے ستر نبیوں کی کفالت پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر خازن بحوالہ تفسیر نجوم الفرقان ج 6 ص 35-36 مطبوعہ جامعہ جماعیہ مہر العلوم راولپنڈی

تنبیہ: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی ”ذوالکفل“ کا صراحتاً ذکر کیا لیکن وہ اور نبی ہیں۔ اس سے مراد حضرت حزقیل نہیں کیونکہ آپ نام سے زیادہ مشہور تھے لقب سے زیادہ مشہور نہیں تھے۔ مشہور ”حضرت ذوالکفل“ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلْوَفٰى حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿١٦﴾
(سورۃ البقرہ 2: 16)

”اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ! پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اپنی قوم کو جہاد کرنے کے لئے کہا تو گھروں سے باہر نکل کر وہ کہنے لگے: ہم تو اس زمین میں نہیں جائیں گے جہاں تم ہمیں لے جانا چاہتے ہو کیونکہ وہاں وباء پھیلی ہوئی ہے۔ جب وباء (طاعون) وہاں سے زائل ہو جائے گی تو پھر ہم جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام پر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اپنے علاقہ میں ہی شہر سے باہر موت کو مسلط کر دیا۔ وہ آٹھ دن تک اسی حال میں رہے یہاں تک کہ ان کے جسم پھول گئے۔ دوسرے علاقہ کے بنی اسرائیل کو جب ان کی موت کا علم ہوا تو وہ ان کو دفن کرنے کے لئے آئے لیکن ان کی بدبو کی وجہ سے وہ انہیں دفن کرنے سے عاجز آ گئے اسلئے انہوں نے ان کے ارد گرد ایک دیوار بنا دی۔

ایک اور روایت میں اسی طرح ذکر ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت جہاد دی لیکن انہوں نے بزدلی کا مظاہر کیا اور جہاد میں شرکت کو ناپسند سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو مسلط کر دیا جب ان میں سے کثرت سے موتیں واقع ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے شہروں سے موت کے ڈر کی وجہ سے بھاگنا شروع کر دیا جب ہزاروں کی تعداد میں شہروں سے باہر نکلے ہی تھے تو حزقیل علیہ السلام نے دعا کی۔

”اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ يَعْطُوْبٌ وَّ اِلٰهَ مُوْسٰى تَرٰى مَعْصِيَةَ عِبَادِكَ فَآرِهِمْ اِيَةً فِيْ اَنْفُسِهِمْ تَذَلُّهُمْ عَلٰى يَفَادٍ قُدْرَتِكَ وَاَنْتَهُمْ لَا يَخْرُجُوْنَ عَنْ قَبَضَتِكَ فَارْسَلِ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ“
”اے اللہ! اے یعقوب علیہ السلام کے خدا اور اے موسیٰ علیہ السلام کے خدا! تو اپنے بندوں کی نافرمانی دیکھ رہا ہے تو انہیں اپنی کوئی نشانی دکھا جس سے انہیں تیری قدرت کا پتہ چل جائے کہ وہ تیرے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے۔ تو آپ کی اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم پر موت مسلط کر دی وہ ہزاروں کی تعداد میں شہر سے نکلے ہی تھے کہ مر گئے۔“

حضرت حزقیل علیہ السلام نے جب ہزاروں کی تعداد میں اپنی قوم کے افراد کو مرا ہوا دیکھا تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔

خیال ہوا کہ یہ دوبارہ زندہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے حزقیل! تم ہڈیوں کو کہو: اے ہڈیو! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم جمع ہو جاؤ۔ آپ کے کہنے پر وہ تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مل کر جسموں کے ڈھانچے مکمل ہو گئے لیکن ابھی تک ان میں گوشت اور خون نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اب تم یہ کہو: اے جسمو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اب اٹھ کھڑے ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔

جب وہ زندہ ہو کر اٹھے تو کہہ رہے تھے۔ {سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ} زندہ ہونے کے بعد بھی ان پر اثرات موت باقی رہے یہاں تک کہ جس طرح موت کے وقت ان کا رنگ زرد ہوا تھا اسی طرح زرد ہی رہا۔
”وَبَقِيَ فِيهِمْ شَيْءٌ مِّنْ ذَلِكَ اللَّتْنِ وَبَقِيَ ذَلِكَ فِي أَوْلَادِهِمْ“ اور ان کے مرنے کی وجہ سے جو ان کے جسموں میں بدبو پیدا ہوئی تھی وہ ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی باقی رہی بلکہ آج تک ان کی اولاد میں بھی بو پائی جاتی ہے۔“

خیال رہے کہ موت کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا۔ اس پر اوامر و نواہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا کیونکہ یا تو انہیں موت کے وقت سکرات موت اور موت کی وجہ سے لاحق ہونے والی ہولناکیاں نہیں حاصل ہوئی تھیں۔ یا یہ چیزیں تو حاصل ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلا دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ کسی چیز کو زہنوں سے مٹانے پر بھی قادر ہے اور یا یہ وجہ ہے کہ یہ موت ان پر بطور سزا عادت کے خلاف ان پر مسلط کی گئی تھی اس لئے اس پر احکام موت جاری نہیں کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا۔

”وَقَدْ رُويَ أَنَّ هَذَا لِأَحْمَدَ إِنَّمَا وَقَعَ فِي زَمَانٍ جَزَقَهُمُ النَّبِيُّ“ اور تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور

یہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے۔“

فائدہ: انسان موت سے بھاگ نہیں سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ (سورة احزاب 17:22)

موت سے بھاگنا قتل سے موت اپنے وقت میں آکر رہتی ہے۔“

اس میں دیر یا سویر نہیں۔ یہ ہمارے خیالات و باطلہ ہیں کہ فلاں کو موت بے وقت آگئی فلاں شخص کاش سفر نہ کرتا تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ موت کے وقت انسان نے موت کے منہ میں جانا ہی ہوتا ہے۔

حضرت اشموئیل علیہ السلام

”اے محبوب! کیا تم نے دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو
 موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا جب اپنے ایک نبی سے بولے:
 ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں
 نبی نے فرمایا: کیا تمہارے اعدا ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا
 جائے تو پھر نہ کرو؟ بولے: ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ
 میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے وطن اور اپنی اولاد سے
 بالظلمین ﴿۱۶﴾ (سورة بقرہ 2: 16)

تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں سے تھوڑے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔“

”الملاء“ قوم کے بڑے سرکردہ لوگ ان کے بڑے لوگوں کو ”ملاء“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:

”لَإِنَّ هُمُيْتَهُمْ تَمَلَّا الصَّدَادَ وَلَئِنْهُمْ يَتَمَالَتُونَ أَيُّ
 ”ان کا رعب دوسرے لوگوں کے سینوں کو بھردیتا تھا یا اس کی
 وجہ یہ تھی کہ وہ دوسروں سے تعاون کرتے تھے۔“

موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام آئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات ان میں قائم کرتے رہے اور تورات کے مطابق عمل
 کرنے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ ان کے بعد ”کالب“ اور ان کے بعد ”حز قیل“ اور ان کے بعد ”الیاس“ اور ان کے
 بعد ”الیسع“ علیہم آئے۔ ان حضرات کے بعد بنی اسرائیل پر ان کے دشمن جالوت کی قوم عمالقه کے لوگ غالب آ گئے۔ اس وقت
 بنی اسرائیل بحر روم یعنی مصر اور فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ بنی عمالقه نے ان کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا اور ان کے بڑے
 بڑے رئیسوں کے بیٹے چار سو چالیس کی تعداد میں قیدی بنالئے۔ اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان کی تورات بھی لے گئے۔ اس
 وقت ان کے کوئی نبی نہیں تھے جو ان کے معاملات کی تدبیر کرتے۔ خاندان نبوت کے سب لوگ وفات پا چکے تھے۔ صرف ایک
 عورت خاندان نبوت سے زندہ تھی جو حاملہ تھی دعا کرتی رہتی تھی۔ ”اشموئیل“ (اے اللہ اسن) یعنی اے اللہ ادعا قبول کرو اے عبرانی
 زبان میں {اشمو} کا معنی ”سن“ اور {ایل} کا معنی ”اللہ“۔

بچہ پیدا ہونے پر بھی نام رکھا۔ جب بچہ بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو تورات دی اور بیت المقدس کی خدمت پر مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت عطا فرمائی۔ جب وہ نبی بن کر اپنی قوم میں آئے تو قوم نے کہا: کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرو جس کی زیر قیادت ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا: تم وعدہ کو پورا نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا: کہ ہم ضرور جہاد کریں گے۔ ہمیں اپنے گمروں سے نکالا گیا ہے۔ ہماری اولاد کو قیدی بنایا گیا ہے۔ اولاد سے مراد ان کے آباء کی اولاد تھی۔ یا وہ بڑی عمروں کے تھے اور ان کی اپنی ہی اولاد ہو۔ (واللہ اعلم)

لیکن جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا تھا ایسے ہی ہوا کہ وہ سب لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے تھے۔ صرف تین سو تیرہ تھے جو ثابت قدم رہے تھے۔

خیال رہے کہ اس واقعہ میں جس نبی کا ذکر ہے ان کے نام میں اختلاف اگرچہ ہے لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا: **كَانَ اسْمُ ذَلِكَ النَّبِيِّ اِسْمُوئِيلَ مِنْ بَنِي هَارُونَ وَاسْمُهُ بِالعِبْرَانِيَةِ اِسْمَاعِيلُ وَهُوَ قَوْلُ الْاَكْثَرِينَ** "اللہ تعالیٰ کے اس نبی کا نام {اشمویل} تھا۔ عبرانی زبان میں "اسماعیل" کہا جاتا ہے یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی اکثر اہل علم قول ہے۔"

بادشاہ کے لئے طالوت کا انتخاب:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَكَاةٌ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَكَيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ (سورة بقرہ: 16)

"اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ بولے: اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ فرمایا: اسے اللہ تعالیٰ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔"

طالوت کا انتخاب کیسے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتایا کہ قوم جس امیر کا مطالبہ کر رہی ہے اور آپ دعاء بھی کر رہے ہیں۔ اس کی دو نشانیاں ہیں:

① ایک یہ ہے آپ اپنے عصا سے قد کی پیمائش کریں جس شخص کا قد اس عصا کے برابر ہو وہی ان کا امیر اور سپہ سالار ہوگا۔

② دوسری نشانی یہ ہے کہ آپ کے پاس جو سینک بطور بوتل استعمال ہوتا ہے اس میں تیل جب خود ہی کسی شخص کے آنے

پر چھلک پڑے وہی ان کا امیر ہوگا۔

طالوت کے جانور گم ہو گئے تھے وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ ان کے ساتھ ایک دوست بھی تھا۔ اس نے کہا: ہم اگر اس نبی کے گھر جائیں اور جانوروں کے ملنے کے لئے دعاء کرائیں یا ان سے راہنمائی طلب کریں تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں جانور مل جائیں۔ طالوت نے کہا: ٹھیک ہے جب وہ اللہ کے نبی کے گھر گئے تو سینگ میں تیل خود ہی چھلک پڑا۔ قدناپنے پر طالوت کا قد بھی عصا کے برابر پایا گیا۔ اللہ کے نبی نے دونوں نشانوں کو جب طالوت میں پایا تو قوم میں اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارا امیر "طالوت" کو بنادیا۔ ①

پہلے انہوں نے خود ہی اللہ تعالیٰ کے نبی سے سوال کیا کہ ہمیں کوئی بادشاہ عطا کریں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ قوم کا جواب: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ منتخب کیا ہے اب اس کا انکار کرنے لگے کہ یہ کیسے ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ ان کا اسے بعید سمجھنا دو وجہ سے تھا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل میں نبوت لادی بن یعقوب کی اولاد میں آرہی تھی اسی خاندان سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے اور بادشاہت یہودا کی اولاد میں آرہی تھی۔ اس خاندان سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام تھے چونکہ طالوت ان دونوں قبیلوں میں سے ایک سے بھی نہیں تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ طالوت ایک غریب شخص تھے۔ رنگ ساز تھے یا ماشکی تھے۔ لہذا انہوں نے کہا: {وَلَمْ يُولَدْ مِنْ آلِ سُلَيْمَانَ} "اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی" وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جواب دیا کہ طالوت بادشاہت کا مستحق اسلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مختص کر دیا ہے اور تم سے زیادہ اسے پسند کر کے چن لیا ہے اور ملک اللہ تعالیٰ کا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ اور اس کے انتخاب میں اعتراض کرنا صاحب عقل کا کام نہیں۔ اور ظاہر چیز جسے تم بھی سمجھ سکتے ہو وہ یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے علم اور جسمانی طاقت زیادہ ہونی چاہئے یہ دونوں چیزیں طالوت کو تم سے زیادہ حاصل ہیں اسی وجہ سے وہ بادشاہت کا مستحق ہوا۔

علم اور طاقت بادشاہت کے اسباب کیوں؟

علم اور طاقت حقیقی کمالات ہیں مال اور مرتبہ ظاہری کمالات ہیں۔ یہ واضح ہے کہ حقیقی کمالات کو برتری حاصل ہے۔ اسی طرح علم اور قدرت انسان کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں لیکن مال اور مرتبہ آنی جانی چیزیں ہیں کبھی حاصل ہو گئیں اور کبھی زائل ہو گئیں۔ ان کا انسان کی ذات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ صفات عارضہ ہیں۔ علم اور قدرت انسان سے زائل ہونے والی چیزیں نہیں اور مال و مرتبہ زائل ہونے والی چیزیں ہیں۔ تو یقیناً علم اور قدرت کو برتری حاصل ہے۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نظام مملکت چلانے اور جنگوں کے طریقہ کار کا علم رکھتا

ہو۔ جنگی تدابیر کو جاننا ہو کہ کسی طرح کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ دشمنوں کے شر سے قوم کو بچا سکے اور شہر حدود کی حفاظت کر سکے۔ انہی تمام وجوہ کے پیش نظر بادشاہت کا استحقاق علم و قدرت پر ہے مال اور مرتبہ پر نہیں۔

عورت اور بادشاہت:

جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ حاکم صاحب علم اور بہادر ہونا چاہئے تو اس سے خود بخود یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ کم عقل قوم کو حاکم بنانا بے وقوفی نادانی حماقت ہے۔ ❶

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے راستے میں عورتوں کے پاس سے گزر رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ زیادہ کیا کرو۔ میں بہت سی عورتوں کو جہنمی دیکھ رہا ہوں۔ عورتوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو پھر آپ نے فرمایا:

”مَا رَأَيْتُ مِنْ نَائِصَاتٍ عَقِلٍ وَدِينٍ أَتَّخَبَ لِلرَّجُلِ“ میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی اور کو ایسا نہیں دیکھا کہ عقل اور دین میں بھی کم ہو لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو ضائع کر دے۔“

عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور ہماری عقلوں میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایک عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ! ایسے ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عقل کی کمی ہے پھر آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ تم حیض کے دنوں میں نماز اور روزہ ادا نہیں کر سکتی؟ عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔ ❷

سبحان اللہ! جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے عقل کہہ دیں وہ حکومت کے منصب پر فائز ہو کر بھی بیوقوف ہی رہے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ کو یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسری کو اپنی ملکہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا: {لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ} ”وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے عورت کو اپنا حاکم بنالیا۔“ ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے امراء تم سے نیک ہوں اور تمہارے

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 حصہ اول ص 167 تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 6 ص 185

❷ بخاری و مسلم مشکوٰۃ المصابیح باب الایمان ج 1 ص 13 مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ج 2 ص 321

اغنیاء تخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اوپر کا حصہ نیچے سے بہتر ہے (زندہ رہنا بہتر ہے) اور اگر تمہارے امراء (حکام) شریر ہوں اور تمہارے غنی کنجوس ہوں:

”وَأُمُورُكُمْ إِلَىٰ يَسَاءِ كُمْ فَبَطُنُ الدُّخَانِ عَمَّ لَكُمْ مِنْ“ اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اندرونی حصہ ظاہر سے بہتر ہے۔ (مرجانا بہتر ہے) یعنی مرجانا زندہ رہنے سے بہتر ہے۔“

طالوت کی بادشاہت پر تابوت کا بطور نشانی آنا:

مَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٦﴾ (سورۃ بقرہ 2: 16)

اور کہا: انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور

اولاد ہارون علیہم السلام۔ اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار ہو۔“

جب اللہ تعالیٰ کے نبی نے اپنی قوم کو بتایا کہ حکومت کے لئے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے اور دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔..... بائبل میں ہے کہ.....

”یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے

لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے

انہیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ رب العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لئے

منتخب فرمایا ہے۔ تمہیں اس کی عطا و بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔“

بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے! کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس وقت ان کے نبی نے فرمایا: اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہاری تسکین و طمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے اور جو عمالہ قدیم سے چھین کر لے گئے تھے اور تمہیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمہیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جب فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تابوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے

پاس لے آئے تو اب انہیں طالوت کے بادشاہ بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انہیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتیاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پار چات اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ (پگڑی) تھا انہیں واپس مل گیا۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دائیں **فائدہ:** قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔

قوم کی آزمائش:

”پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں اور جو اس کا پانی نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو ہاتھ سے لے لے تو سب نے اس سے پیا مگر تمہاروں نے اور پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں (کے ساتھ جنگ) کی بولے: وہ جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ کروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔“

جب طالوت کی حاکمیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی آگئی تو بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا وہ ان کی زیر قیادت میدان جنگ میں نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ طالوت نے اعلان کیا: جو لوگ اپنے مکانوں وغیرہ کی تعمیر میں مشغول ہوں ابھی تک تعمیر سے فارغ نہ ہوئے ہوں وہ میرے ساتھ نہ نکلیں اور تا جوتجارت میں مشغول ہوں وہ بھی میرے ساتھ نہ نکلیں اور جنہوں نے نئی نئی شادیاں کی ہوں اور ابھی جماع نہ کر چکے ہوں وہ بھی میرے ساتھ نہ چلیں۔ میرے ساتھ چلنے والے صرف نو جوان

تفسیر ضیاء القرآن پیر کرم شاہ الاندلسی رحمہ اللہ ج 1 ص 172

پھر تیلے اور تمام دنیاوی حاجات سے فارغ ہونے چاہئیں۔ مقصد یہ تھا کہ میدان جنگ میں جا کر کسی کو بھی گھر کی یاد نہ آئے کہ میں نے فلان کام کرنا تھا جو مکمل نہیں ہوا تھا۔

حضرت طالوت جب بہت بڑا لشکر لے کر شہری حدود سے باہر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے نبی اشمویل علیہ السلام نے یا حضرت طالوت نے لشکر کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرے دین پر نہیں اور جس نے اس کا پانی نہ پیا وہی میرا مطیع ہوگا اور میرے دین پر قائم ہوگا۔ ہاں! صرف چلو بھر پانی اس سے لینے کی اجازت ہو گی۔ یہ آزمائش انکے لئے بہت سخت تھی کیونکہ ان پر پیاس کی شدت کا غلبہ تھا۔ پانی کو دیکھ کر صبر کرنا ان کے لئے بہت دشوار تھا۔ تمام لشکر والوں نے اس سے پانی پی لیا۔ صرف تین سو تیرہ تھے جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف ایک چلو پانی پی لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس چلو بھر پانی میں اتنی برکت رکھ دی تھی کہ انہیں وہی کافی ہوا اور وہی چلو ان کے خادموں اور ان کی سوار یوں کو بھی کافی ہو گیا۔

”وَلَهُمْ كَانَ مُعْجَزَةٌ لِّنَبِيِّ ذَٰلِكَ الزَّمَانِ كَمَا أَنَّهُ تَعَالَىٰ كَانَ يُرَوِّى الْخَلْقَ الْعَظِيمَ مِنَ الْمَاءِ الْقَلِيلِ فِي زَمَانٍ مُّحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“^①

سیراب کرتا رہا یہ کئی مرتبہ ہوا۔

جو لوگ آزمائش میں ناکام ہو گئے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام کے نافرمان ہو گئے وہ بزدل ہو گئے اور کہنے لگے: ہم تو آج جالوت اور اس کے لشکر سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کو نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے انسان کافروں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ آج تمام اسلامی ممالک کفار سے ڈر کر زندگی گزار رہے ہیں۔ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت عطا کی کہ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کر لیا اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ موت تو ایک دن آنی ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جان دے کر جاودانی زندگی کیوں نہ حاصل کی جائے؟ جب کہ ایک دن رب سے ملاقات بھی کرنی ہے تو کامیابی کی ملاقات ہو اس سے ثواب ملے اور اس کی رضا حاصل ہو۔ وہ ملاقات کیا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب حاصل ہو؟ انہیں یقین کا وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا کہ کہنے لگے: کہ کتنی تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ بے شک زیادہ لوگ ہم سے پھر چکے ہیں ہم تھوڑے رہ گئے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں امداد حاصل ہوگی تو ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

قوم کو آزمانے کی وجہ:

قوم بنی اسرائیل کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے نبی کی مخالفت ہی کرتے تھے۔ اس لئے انہیں آزمایا گیا کہ صدیق اور زندق، مطیع اور عاصی میں فرق ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں ان کو ساتھ لیا جائے، مخالفین کو ساتھ نہ لیا جائے۔ اس لئے کہ دشمن کے مقابلے میں جانے سے پہلے ہی پیچھے ہٹ جانا دوسرے مسلمانوں کے لئے زیادہ پریشانی کا سبب نہیں تھا لیکن دشمن کے مقابلہ میں جا کر اگر وہ بھاگ آتے تو بہت بڑی پریشانی کا سبب ہوتا اور بھاگنے والوں کو بھی زیادہ ذلت ہوتی۔ ❶

داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا:

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَكَانَ اللَّهُ الْمَلِكَ وَالْحِكْمَةُ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ..... ﴿١٧﴾ (سورۃ بقرہ 2: 17)

سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔ آپ گلاخن (پتھر پھینکنے کا آلہ) کے ذریعے بھیڑیوں اور شیروں کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کے سات بھائی طالوت کے ساتھ میدان جنگ میں تھے۔ جب ان کو خبر پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی کہ کس حال میں ہیں تو آپ کو آپ کے باپ "ایسا" نے بھیجا کہ جاؤ اور بھائیوں کی خبر لاؤ۔ آپ علیہ السلام آئے تو دیکھا کہ بھائی جنگ کرنے کے لئے ایک صف میں کھڑے ہیں۔ اور جالوت بنی اسرائیل کو کہہ رہا ہے کہ اگر تم حق پر ہو تو میرے مقابلہ کے لئے کوئی نکلے۔ داؤد علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا: تم اس غیر خشنہ شدہ (کافر) کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن اس کی بہادری کے پیش نظر کوئی اس کے مقابل جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام جب دوسری صف میں گئے تو دیکھا طالوت لوگوں کو جالوت کے قتل کرنے پر ابھار رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا: جو اسے قتل کرے اس سے تم کیا سلوک کرو گے؟ طالوت نے کہا: اسے اپنی بیٹی نکاح میں دوں گا اور آدمی بادشاہی دوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے آواز دے کر کہا تھا کہ ہمیں اٹھاؤ جالوت کا قتل ہم میں ہے۔ آپ نے وہ پتھر اٹھائے تھے۔ ایک پتھر جالوت کے سینے پر مارا وہ قتل ہو گیا آپ نے کئی اور لوگوں کو بھی قتل کیا۔ اس طرح جالوت اور اس کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور نبوت عطا کر دیا۔ ❷



حضرت عزیر علیہ السلام

”یا (کیا آپ نے نہیں دیکھا) مثل اس کے جو گزرا اوپر بستی
 کے حالانکہ وہ گری ہوئی تھی اوپر چھتوں کے؟ آپ نے کہا: کہ
 کیسے زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد؟ تو اللہ تعالیٰ
 نے اسے موت دی (مردہ رکھا) سو برس پھر اٹھایا اسے کہا:
 کتنا ٹھہرا؟ تو کہا: ٹھہرا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا۔ کہا: بلکہ
 ٹھہرے ہو تم سو برس۔ پس دیکھو تم اپنے کھانے اور پینے کی
 طرف اب تک بونہ لایا اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو (جس
 کی ہڈیاں تک سلامت نہیں رہیں) اور تاکہ کریں ہم آپ کو
 (سورۃ بقرہ 3:3)

نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھو گدھے (کی ہڈیوں) کی طرف کیسے اٹھاتے ہیں ہم ان کو؟ پھر پہناتے ہیں ہم ان کو گوشت۔ پس
 جب ان پر معاملہ ظاہر ہوا تو کہا: میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

بنی اسرائیل بیت المقدس میں آباد تھے۔ جب وہ اپنے گناہوں کا فرمانی فسق و فجور میں حد سے تجاوز کر گئے اور اپنے
 نبی کے اطاعت نہ کی تو بخت نصر نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا اور قبضہ کر لیا۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا واقعہ
 ہے۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ علمبردار (جنڈے اٹھانے والے) تھے اور ہر جنڈے کے نیچے بے شمار فوج تھی۔ اس نے بیت
 المقدس کو دیران کر ڈالا۔ تورات شریف کے تمام نسخے جلا دیئے۔ بنی اسرائیل کے تقریباً ایک تہائی لوگوں کو قتل کر دیا اور ایک تہائی
 لوگوں کو شام کے علاقہ میں بہت ذلت سے رکھا۔ اور ایک تہائی کو قیدی بنالیا یعنی بنی اسرائیل کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ان
 قیدیوں میں حضرت عزیر اور دانیال علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت بچپن کی عمر میں تھے۔

بہت عرصہ کے بعد جب کچھ لوگ قید سے آزاد ہوئے تو ان آزاد ہونے والوں میں عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ عزیر علیہ السلام

بیت المقدس سے گزرے جو اس وقت برباد ہو چکا تھا آپ ادھر ادھر پھرے لیکن آپ کو کوئی نظر نہ آیا۔ البتہ باغوں میں مختلف قسم کے درخت پھلوں سے بھرے ہوئے تھے پھلوں کا کھانے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے کچھ انجیر اور انگور توڑ کر کھائے اور ان کا رس نکال کر پیا اور کچھ انجیر اور انگور تو شہ دان میں رکھ لئے اور کچھ رس بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آپ نے ویران آبادی کو دیکھا تو بڑے تعجب سے افسردہ حال میں کہنے لگے: رب اسے پھر زندہ کرے گا؟ اسکی کیسی عظیم قدرت ہوگی؟ سوال رب کی قدرت میں شک کے طور پر نہیں تھا بلکہ اپنے تعجب کا اظہار تھا کہ رب اس بستی والوں کو پھر کیسے زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کاملہ پر مطلع کرنا چاہا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے جس گدھے پر سوار تھے اسے باندھا اور اپنے کھانے پینے کے پھل وغیرہ اور انگور کا رس جو نچوڑ کر آپ نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا انہیں قریب ہی رکھ کر آپ سو گئے۔ سوئے ہوئے حال میں ہی آپ پر موت کو مسلط کر دیا گیا آپ کا گدھا بھی مر گیا۔ یہ واقعہ تقریباً دو پہر سے پہلے کا ہے۔

جس طرح نمرود کے ناک میں پھر گھس گیا تھا ایسے ہی بخت نصر یعنی شداد کی ناک میں بھی پھر گھس گیا تھا جس سے وہ مر گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی۔ تقریباً ستر سال کے بعد فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا تو اس نے بیت المقدس کو پہلے سے بھی بہتر طور پر آباد کر دیا۔ بنی اسرائیل جو بخت نصر کے مظالم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر گئے تھے پھر بیت المقدس میں آباد ہو گئے تیسرا مال تک یہ لوگ کافی حد تک بہتر حالت میں آ گئے اور ان کی نسل میں بھی اضافہ ہو گیا۔ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو زندہ فرما دیا۔

اتنے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کاملہ سے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا اور آپ کو درندے پرندے چمندے وغیرہ بھی اتنا عرصہ نہ دیکھ سکے۔ آپ پر وفات صبح کے وقت دو پہر سے پہلے آئی تھی اور آپ زندہ شام کے وقت ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رب نے آپ سے پوچھا: کتنی دیر یہاں ٹھہرے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا: ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم یعنی آپ کا خیال تھا کہ میں آج صبح ہی یہاں لیٹا ہوں اس لئے پہلے آپ نے ایک دن کہا پھر خیال کیا کہ ابھی تو ایک دن بھی مکمل نہیں ہوا بلکہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا یہاں سو سال ہو چکے ہیں۔

سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ ایک سو سال عزیر علیہ السلام پر موت طاری رہی جسم مکمل طور پر محفوظ رہا۔ کھانے پینے کی اشیاء جوں کی توں رہیں اور آپ کے سامنے رب نے گدھے کو زندہ کر کے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دیا۔ گدھے کی ہڈیوں کو حکم ہوا جو آپس میں آکر مل گئیں۔ آپ کے سامنے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھے کو آزادی۔ اب تم زندہ ہو جاؤ اور زندہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ آنا فانا ہو گیا۔ اب آپ زندہ ہو کر شہر میں آئے تو دیکھا شہر تو پہلے سے زیادہ اچھے طریقہ سے آباد ہے۔ بنی اسرائیل کے نئے نئے لوگ بھی ہیں جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ آپ پر جب موت مسلط ہوئی تھی اس وقت آپ کی

عمر چالیس برس تک تھی اور اب بھی وہی چالیس برس تھی۔ شہر سے باہر جب آپ گئے تھے آپ کے بیٹے کی عمر اٹھارہ برس تھی اب اس کی عمر ایک سو اٹھارہ برس تھی بلکہ آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ جب اپنے مکان میں تشریف لائے تو وہاں آپ کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جو آپ کی لونڈی تھی۔ اب اس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کی وجہ سے ٹانگیں کمزور ہو چکی تھیں، چلنے سے عاجز ہو چکی تھی، بینائی ختم ہو چکی تھی۔

ایک سو سال گزر جانے کی وجہ سے مکانات کے نقشے بدل چکے تھے۔ نئی نئی تعمیرات کی وجہ سے آپ کو اپنے مکان کا صحیح تعین نہیں تھا یعنی یہ یقین نہیں تھا کہ یہ ہمارا ہی مکان ہے اندازے سے گئے تھے۔ جب آپ نے بڑھیا سے پوچھا: کہ عزیر کا یہی مکان ہے؟ تو وہ رونے لگی اور کہنے لگی اتنے عرصہ بعد عزیر کا نام لینے والا کون ہے؟ وہ تو ایک سو سال سے گم ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک سو سال مردہ رکھ کر زندہ فرما دیا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا: کہ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ مجھے نظر عطا کرے کہ میں تمہیں دیکھ کر پہچان سکوں اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ عزیر کی دعا قبول فرماتا تھا۔ آپ کی دعا کے قبول ہونے کی وجہ سے بھی یقین آ جائے گا کہ تم ہی عزیر ہو۔

آپ نے دعا فرمائی تو اسے نظر مل گئی اور اس کی ٹانگیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ وہ چلنے کے قابل ہو گئی۔ اب اس نے آپ کو پہچان لیا آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے اور دوسرے اہل خانہ کے پاس لائی کہ عزیر آ گئے ہیں۔ سب لوگ سن کر تعجب کر رہے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عزیر سو سال بعد آ گئے ہوں؟ اس بڑھیا نے بتایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ رہے کہ مجھے انکی دعا سے اللہ تعالیٰ نے نظر عطا کی، چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا۔ آپ کے بیٹے نے کہا: کہ میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان سیاہ بال چاند کی شکل میں تھے۔ جب آپ کے کندھوں کو دیکھا گیا تو اسی طرح بال موجود ہے۔

بخت نصر نے تورات کے تمام نسخے جلا دیے تھے۔ تورات کسی کو یاد نہ تھی بلکہ پہلی کتب صرف انبیائے کرام کو ہی یاد ہوا کرتی تھیں۔ لوگوں نے کہا: کہ اگر تم عزیر ہو تو تورات سناؤ؟ آپ نے انہیں تمام تورات لفظ بلفظ لکھوا دی کسی ایک حرف کا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اس وقت ایک شخص بولا: کہ میں نے دادا سے سنا تھا کہ بخت نصر کے مظالم کی وجہ سے میرے دادا نے تورات کا ایک نسخہ دفن کر دیا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس نسخے کے دفن کی جگہ کی نشاندہی بھی فرمائی۔ جب وہ نسخہ نکالا گیا تو اس کا مقابلہ اس نسخہ سے کیا گیا جو آپ نے تحریر کرایا تو کسی ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا گیا۔ لوگوں نے آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: {وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ} ”یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔“ ①

① روح المعانی ج 2 حصہ دوم ص 24..... تفسیر ابی السعود ج 1 ص 255..... تفسیر خازن ج 1 ص 279..... تفسیر جمل
② روح البیان علامہ سید سلیمان بن علی رحمہ اللہ ج 1 ص 508..... تفسیر خزانة العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

حضرت دانیال علیہ السلام

آپ علیہ السلام کی ولادت بخت نصر کی بادشاہی کے زمانہ میں ہوئی۔ بخت نصر جب بادشاہ بنا تو اسے کاہنوں نے خبر دی کہ تیری بادشاہی میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا تو اس نے پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ جو بچہ پیدا ہوتا اسے ہی قتل کر دیا جاتا۔ جب حضرت دانیال علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کے ماں باپ نے انہیں جنگل میں چھوڑ دیا کہ ہو سکتا ہے کہ بچہ قتل ہونے سے بچ جائے: {فَقَبَضَ اللَّهُ لَهُ أَسَدًا بِحِفْظِهِ وَلَبِوَةٌ تَرْضَعُهُ وَهُمَا يُسَلِّحَانِهِ} ”تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر اور ان کو دودھ پلانے کے لئے ایک شیرنی کو مقرر کر دیا۔ وہ دونوں ان کو اسی طرح چاٹتے تھے جیسے جانور اپنے بچوں کو چاٹتے ہیں۔“ ❶

قدرتی طور پر ان کی تصویر ایک گھنے پرشت ہو چکی تھی۔ اسی حال میں آپ کو شیر اور شیرنی چاٹ رہے تھے وہ گھینہ ایک انگلی میں لگا دیا گیا۔

اتفاقاً طور پر وہ انگلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تصویر تو دانیال علیہ السلام کی ہے جن کو شیر اور شیرنی چاٹ رہے ہیں تو اس منظر کو جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی کہ انبیاء کرام پر کتنی بڑی آزمائشیں آئیں جن میں وہ کامیاب بھی ہوئے اور مصائب میں بھی انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات لوگوں تک پہنچائے۔ وہ انگلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دے دی۔

مسئلہ: تصویر چھوٹی ہو یا بڑی وہ ذی روح چیز کی تصویر ہو (تصویر بنانے والا) تو گنہگار ہے لیکن اتنی چھوٹی تصویر ہو جو زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو مذکر اور مؤنث میں تمیز نہ ہو سکے تو ایسی تصویر رکھنا حرام نہیں کیونکہ چھوٹی تصویروں

کی عبادت نہیں کی جاتی۔

”إِنَّ دَانِيَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ طُرِعَ فِي الْجُبِّ وَالْقَيْتُ عَلَيْهِ السُّبَاءُ“ بے شک دانیال علیہ السلام کو ایک مرتبہ گڑھے میں پھینک دیا گیا فَجَعَلَتِ السُّبَاءُ تُلْحَسُهُ وَتَبْصُصُ إِلَيْهِ فَاتَّكَاهُ رَسُولٌ فَقَالَ يَا دَانِيَالَ فَقَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا رَسُولُ رَبِّكَ إِلَيْكَ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ بِطَعَامٍ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا يُنْسَى مِنْ ذِكْرِهِ“ اور ان پر درندوں کو مسلط کر دیا۔ درند نے ان کو چاٹنے لگے اور دم ہلانے لگے تو آپ کے اللہ کا بھیجا ہوا آیا تو اس نے کہا: اے دانیال: تو آپ نے جلدی سے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں تمہارے رب کا تمہاری طرف بھیجا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے تمہارے لئے کھانا دے کر بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جو اس سے نہیں دور ہوتا جو اسے یاد کرے۔“

دانیال علیہ السلام کے وسیلہ سے بارش کا برسا:

الہدایہ والنہایہ میں بروایت یونس بن بکیر حضرت ابوالعالیہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب ہم نے قلعہ تشریح کیا تو ہرمزان کے گھر کے مال و متاع میں ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے قریب ایک مصحف تھا۔ ہم نے وہ مصحف اٹھا کر حضرت عمر بن خطاب علیہ السلام کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عمر علیہ السلام نے حضرت کعب علیہ السلام کو بلایا۔ انہوں نے اس کو عربی میں لکھ دیا۔ عرب میں میں پہلا آدمی ہوں جس نے اس کو پڑھا۔ میں نے قرآن کی طرح پڑھا ابو خالد بن دینار کہتے ہیں: میں نے ابوالعالیہ سے کہا: اس میں کیا تھا؟ انہوں نے کہا: تمہارے احوال و امور اور تمہارے کلام کے لہجے اور آئندہ ہونے والے واقعات۔ میں نے کہا: تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم نے دن کے وقت متفرق طور پر تیرہ قبریں کھودیں جب رات ہوئی تو ہم نے انہیں دفن کر دیا اور تمام قبروں کو برابر کر دیا تاکہ لوگوں سے مخفی رہیں اور کوئی قبر سے لکا لئے نہ پائے۔ میں نے انہیں کہا: ان سے لوگوں کی کیا امیدیں وابستہ تھیں۔ انہوں نے کہا: جب بارش رک جاتی تھی تو لوگ ان کے تخت کو باہر لے آتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی۔ میں نے کہا: تم اس رجل مبارک کے متعلق کیا گمان رکھتے تھے کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ انہیں دانیال کہا جاتا تھا۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی دعا:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ دَانِيَالَ دَعَا رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُدْخِلَهُ“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دانیال علیہ السلام نے اپنے

① ماخوذ از کفایہ شرح ہدایہ بحوالہ جواہر السانیہ جامعۃ الہدایہ ج 1 ص 178 مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا کیری روڈ راولپنڈی

② الہدایہ والنہایہ ج 2 ص 41 بحوالہ حیات النبی ﷺ علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ ص 99 مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال

اَمْتَمَعْنِي فَلَمَّا اُنْتَهَى اَبُو مُوسَى الْاَشْعَرِيُّ تَسْتَرْ وَجْهَهُ فِي رُبَّ سَيِّدَةٍ دَعَاكِ تَحِيَّ كِه اَنِيَسِ مُحَمَّدٌ ﷺ كِي اَمِت دُفِن كَرِي
 كَاكُوْت تَضْرِبُ عُرْوَةً وَوَيْدَةً ❶
 جب ابو موسیٰ اشعری علیہ السلام نے قلعہ تستر فتح کیا تو انہیں ان کے
 تابوت میں اسی حال میں پایا کہ ان کے تمام جسم اور گردن کے
 سب رگیں برابر چل رہی تھیں۔“

فائدہ:

دونوں روایتوں سے اتنی بات بلا تردد واضح ہے کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود صحیح
 سالم تھا۔ اس کے بعد یہ بات بھی ان دونوں روایتوں سے پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انبیائے کرام کا تو سل حق ہے اور ان حضرات
 کے تو سل سے بارش طلب کی جاتی ہے اور لوگ سیراب بھی ہوتے تھے۔ نیز یہ کہ دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک صد ہا برس کے بعد
 نہ صرف صحیح سالم تھا بلکہ اس کی نبضیں اور وریدیں بھی چل رہی تھیں۔



حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ایک مدین اور دوسرے اصحاب ایکہ۔ آپ چونکہ مدین قبیلہ سے تھے اس لئے جب مدین کا ذکر ہوا تو فرمایا: {وَالِیْ مَدَیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا} ”اور مدین کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔“ اور اصحاب ایکہ کے ذکر میں ”اُخُوهُمْ“ نہیں کہا بلکہ صرف کہا: {اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ} ”اور جب ان کو شعیب (علیہ السلام) نے کہا“ اس طرح دونوں قوموں پر عذاب بھی مختلف قسم کے تھے۔ جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں آئے گا۔ البتہ دونوں قوموں کے لوگ قریب قریب فاصلہ پر رہنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کے ساتھ روابط کی وجہ سے ایک جیسے عمل کیا کرتے تھے۔ اس لئے دونوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے تبلیغ ایک جیسی فرمائی۔

شعیب علیہ السلام کی مدین کو تبلیغ:

”اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھنا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی (ٹیز چاہن) جایا ہو

وَالِیْ مَدَیْنٍ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرَہٗ قَدْ جَاءَکُمْ بُرْہٰنٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَہُمْ وَلَا تَفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِہَا وَارْحَمُوْا عِمْمَ لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَتَّبِعُوْا ہَکُلَ صِرَاطٍ تُوعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنِ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَتَبٰیغُوْاہَا عِوَجًا وَاذْکُرُوْا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَفَرْتُمْ وَاَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَآکِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۹﴾

(سورہ اعراف 18:8)

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فساد یوں کا کیا انجام ہوا؟“

”مدین“ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے۔ اس کی اولاد پر بھی مدین ہی بولا جاتا رہا یعنی ایک قبیلہ کا نام مدین ہوا تو پھر اسی قبیلے کے لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلے کے فرد تھے۔ آپ علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے: {شعیب بن ثؤنب بن مدین ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام}

ان آیات کریمہ میں ذکر ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین چیزوں کا حکم دیا اور ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ تمام انبیائے کرام کی شریعتوں میں یہ قانون معتبر رہا شعیب علیہ السلام نے اسی قانون کے مطابق اپنی قوم کو کہا:

{يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ} ”اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

دوسری بات یہ تھی کہ آپ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور فرمایا: {قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ} ”بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی۔“ یہاں ”بیئۃ“ سے مراد معجزہ ہے اس لئے کہ ہر مدعی نبوت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا معجزہ دکھائے۔ اگر اس کے پاس کوئی معجزہ نہ ہو تو وہ نبی نہیں ہوگا بلکہ جتنی (جھوٹا نبوت کا دعویدار) ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ آپ علیہ السلام کو معجزہ حاصل تھا جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتا تھا۔ البتہ یہ معجزہ کیا تھا؟ اس کا ذکر قرآن پاک اور حدیث پاک میں واضح طور پر نہیں البتہ صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا تھا۔ جس سے آپ نے جادو گروں کا مقابلہ کیا تھا اور ان کے بڑے بڑے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اسی طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ ان کی بکریوں کے بچے سیاہ سفید رنگ کے ہوں گے تو ایسے ہی ہوا۔

تیسری بات جو آپ نے اپنی قوم سے کی وہ یہ تھی کہ انہیں برائیوں سے روکا۔ تمام انبیائے کرام کی یہ عادت شریفہ رہی کہ وہ اپنی قوموں کو برائیوں سے روکتے رہے۔ خصوصاً سب سے بڑی برائی سے روکنے میں زیادہ توجہ دیتے رہے اور اسی سے ابتدا کرتے آپ نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے یہ کہا: {فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْجِيزَانَ} ”ناپ اور تول کو پورا کرو“ چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تاجر تھے وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اس طرح لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرتے تھے۔ اس برائی پر فتنہ فساد مرتب ہوتا تھا اسلئے سب سے پہلے اسی چیز کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔

ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد عمومی طور پر یہ ارشاد فرمایا: {وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ} ”اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو“ یہ ارشاد تمام قسم کی برائیوں سے روکنے کو شامل ہے یعنی کسی کا مال نہ چھینو (غصب نہ کرو) چوری نہ کرو رشوت نہ لوؤا کہ نہ ڈالو کسی طرح بھی کسی حیلہ سے بھی لوگوں کا مال نہ بنو۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا: {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} ”اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ“ زمین میں فساد پھیلا نا دین و دنیا کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیج کر جب زمین میں اصلاح پیدا کر دی، ایک خاص نظام پر منتظم کر دیا، تو اب تم برائیوں کے ارتکاب سے اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کثیر مال اور نعمتیں عطا کر کے زمین میں انتظام پیدا کر دیا تو تم اس میں حرام کی آمیزش کر کے فساد کیوں پھیلاتے ہو؟ ان تمام امور کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم بجالاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کو تسلیم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربانی کرو، اگرچہ تم تمام مخلوق کو نفع تو نہیں پہنچا سکتے لیکن کم از کم فساد کو چھوڑ کر کم تو لے کر کم ناپنے کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے شر سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا (تکلیف) سے تو بچا سکتے ہو، اگر تم ایمان لاتے ہو تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہی بہتر ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا:

”وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُؤْهَا عِوَجًا“
”اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈارو اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو۔“

”صراط“ کا ایک معنی یہاں راستہ لیا گیا ہے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لوگ راستے پر بیٹھ جاتے اور شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والا جو شخص بھی وہاں سے گزرتا اسے ڈراتے دھمکاتے۔

دوسرا معنی دین کے طریقے یعنی اب مطلب ہوگا کہ تم شیطان کے طریقے پر نہ چلو کیونکہ اس نے کہا تھا: {لَا تُفْسِدُوا لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ} ”میں ضرور بر ضرور ان کے راستے پر بیٹھوں گا“ یعنی جس طرح شیطان کا کام ہے کہ وہ انسان کو دینی راہ پر چلنے سے روکتا ہے تم بھی وہ طریقہ اختیار نہ کرو۔

شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ آپ پر ایمان لانے والوں کو تین طریقے سے روکتے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں تین طریقوں سے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ وہ کبھی ڈر دھمکا کر لوگوں کو سیدھی راہ سے برگشتہ کرتے اور کبھی ویسے ہی ان کو باتوں میں لگا کر نیکی کے کام سے روکنے کی کوشش کرتے اور کبھی دین میں اپنی حماقت کی وجہ سے اعتراض کرتے اور اس میں نقص نکالنے کی کوشش کرتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے انہیں اپنی نعمت یاد دلائی اور کہا: {وَإِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرْنَاكُمْ} ”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھایا۔“ یعنی جب اللہ تعالیٰ کے تم پر کثیر انعامات ہیں تو تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے دور ہو۔

”کثرت“ کے تین مقصد ہو سکتے ہیں:

① ”كَثْرَ عَدَدِكُمْ بَعْدَ الْفَلَةِ“ تم تعداد میں تھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑھا دیا یعنی اب تم تعداد میں بہت زیادہ ہو یہ اس کا تم پر احسان عظیم ہے۔

② ”وَكَثْرَكُمْ بِالْغِنَى بَعْدَ الْفَقْرِ“ تم غریب تھے تمہارے پاس مال و دولت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال و دولت کو بڑھا دیا، حق تو یہ تھا کہ تم اس کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرتے اور حلال طریقے سے مال حاصل کرتے لیکن تم نے تو حرام طریقے سے مال بڑھانا شروع کر رکھا ہے۔

③ ”وَكَثْرَكُمْ بِالْقُسْرَةِ بَعْدَ الضَّعْفِ“ تم کمزور تھے اس نے تمہیں طاقت و رینا دیا۔ جن کی طاقت کم ہو وہ خواہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہوں وہ قلیل ہی نظر آتے ہیں۔ ان کو کسی بھی قسم کا رعب اور دبدبہ حاصل نہیں ہوتا، لیکن جنہیں اللہ تعالیٰ طاقت دے دے وہ کثیر تعداد والوں پر بھاری ہونے کی وجہ کثیر ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے اپنی قوم کو عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَأَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ دیکھو! فساد یوں کا کیا انجام ہوا؟ یعنی تم سے پہلے جو سرکش اور ظالم اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوئے انہیں سوائے ذلت و رسوائی اور عذاب الہی کے کچھ حاصل نہیں ہوا اگر تم بھی اس حال پر رہے تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

حلال مال میں ہی بھلائی ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لوگوں کو چیزیں گھٹا کر دینے اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا تو ساتھ ہی رزق حلال پر اکتفاء کرنے کی ترغیب بھی دی ارشاد فرمایا:

بَلِّغْتُ اللَّهَ عَمْرُؤُكُمْ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ كَذَمَّا آتَا عَلَمُكُمْ ”اللہ کا دیا جو بیج رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں یقین پہنچا“ (سورۃ ہود 8:12)

ہو اور میں کوئی تم پر نگہبان نہیں“

آپ کے ارشاد کا یہ مقصد تھا کہ اگر تم نے ناپ تول میں کمی نہ کی لوگوں کو ان کے حقوق پورے کر کے دیئے اور کسی کے مال میں کمی نہ کی تو جو مال تمہارے پاس بیج رہے گا اس میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا اور رزق کا دروازہ کھول دے گا اور رب کی اطاعت میں جو عظیم ثواب حاصل ہوتا ہے وہ دنیا کے مال سے قدر و منزلت کے لحاظ پر عظیم درجہ رکھے گا۔

یہ بات سمجھ اسے ہی آ سکتی ہے جسے ایمان اور یقین حاصل ہو کہ موت بھی آتی ہے اور اس جہان کے بغیر ایک اور جہان بھی ہے جہاں حساب و کتاب ہوتا ہے۔ اور ثواب و عذاب بھی حاصل ہوتا ہے۔ یقین کامل ہو تو پھر ہی انسان برائیوں سے اجتناب کر سکتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میرا کام صرف تمہیں بھلائی کی نصیحت کرنا ہے۔ میں تمہیں برائیوں کے ارتکاب سے منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اگر تم نے برے اعمال نہ چھوڑے اور ان کی نحوست سے تمہاری نعمتوں کا زوال ہو گیا اور مال و دولت برباد ہو گیا تو میں تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔

قوم کا بطورِ طنز جواب:

”بولے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی! تم بڑے عقلمند نیک چلن ہو۔“
(سورۃ ہود 8:12)

شعیب علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا: کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے، وہ کئی معبودوں کی عبادت کرتے تھے، ہم بھی یہی کریں گے۔ اور آپ ﷺ نے قوم کو کم تولنے اور کم ناپنے سے منع کیا اور کہا کہ لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ تو وہ کہنے لگے: کہ ہم تو مال جمع کرنا چاہتے ہیں، مال جمع کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ہیں، ہم جس طرح جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ طنزاً انہوں نے کہا: تم (معاذ اللہ) بڑے نمازی، ایمان دار اور دیندار بنے بیٹھے ہو! یہ تمہاری نمازیں تمہیں کہتی ہیں کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے پھیر دو اور ہمیں مال نہ جمع کرنے دو۔ ہاں جی! تم بڑے عقلمند اور نیک چلن سمجھتے ہو اپنے آپ کو! (معاذ اللہ) ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں، ہم تمہاری باتوں میں کیسے آئیں؟

آپ نے کہا: میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں:

”قَالَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ عَلٰىٰ يَمِيْنٍ فَاِنْ يَدْرِكْكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ مِّنْ سَمٰوٰتٍ مَّا تَلٰكُمُ الْاِلٰهَةُ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلٰىٰ تَوْكَلٍ ۚ وَرَآءَ الْوَدَّاعِ ۙ“
(سورۃ ہود 8:12)

کہا: اے میری قوم بھلا بتاؤ: اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں، میں تو جہاں تک بے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ کی ہی

طرف سے ہے میں نے اسی کی طرف بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ہدایت دین اور نبوت عطا کی ہے اور مجھے رزق حلال بہت زیادہ عطا کیا

ہے (یاد رہے حضرت شعیب علیہ السلام بہت مالدار تھے) جب اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادات روحانیہ یعنی نبوت و معجزات اور سعادات جسمانیہ یعنی مال و رزق حلال عطا کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اتنے عظیم انعامات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے اوامر و نواہی میں خیانت کروں؟

خیال رہے کہ {اِنَّكَ لَآتَى الْحِلْمِ الرَّشِيدُ} کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ کے حوصلہ اور عقلمندی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: کہ تم تو حوصلہ مند اور عقلمند ہو پھر بھی ہمیں اپنے آباء اجداد کے دین سے کیوں روکتے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب تم میری عقلمندی کے معترف ہو تو سمجھ لو کہ میں تمہیں بہتر راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور خود بھی اس پر قائم ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں تو برے اعمال سے منع کروں اور خود ان پر عمل کروں۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ حاصل ہے اور مجھے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

نبی کی مخالفت عذاب کا سبب:

وَيَقَوْمٌ لَا يَجْرُمُكُمْ شِقَاقِي لَئِنْ يَصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ طَوْفًا مِّنْكُمْ ۖ وَطَوْفًا مِّنْكُمْ يَحْمِلُ ۖ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ

(سورۃ ہود 8:12)

”اور میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔“

”یعنی آپ نے اپنی قوم کو فرمایا: اے میری قوم! میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حاصل نہ کرو۔“

اگر تم اسی طرح میری عداوت پر قائم رہے تو تم بھی ایسے تباہ و برباد ہو جاؤ گے جیسے قوم نوح، ہود اور لوط علیہم السلام کی قومیں تباہ و برباد ہو گئیں، انکا کوئی نام و نشان نہیں رہا۔ اور لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیوں تمہارے علاقہ سے کوئی دور نہیں اور ان کا زمانہ بھی تمہارے زمانے سے کوئی دور نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے تمام جرائم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس سے مغفرت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے، رحیم ہے وہ کبھی اپنی طرف جھکنے والوں کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔

قوم کے جوابات:

شعیب علیہ السلام نے قوم کی راہ حق کی تبلیغ فرمائی انہیں عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن قوم نے آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

”قَالُوا يٰشُعَيْبُ مَا نَفَعُهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرُكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْمُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝۱۱“
 تمہاری بہت سی باتیں اور بیشک ہم تمہیں اپنے میں بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور ہماری نگاہ میں تمہاری کچھ عزت نہیں“
 (سورة ہود 8:12)

حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ساتھ ان کی زبان میں کلام فرما رہے تھے لیکن وہ پھر بھی کہنے لگے: کہ ہمیں تمہاری باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ وہ آپ کی باتوں سے بہت زیادہ نفرت کرنے کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے گویا کہ ان کے کانوں پر پردے چھائے ہوئے تھے۔ اور جو سن لیتے وہ بھی آپ کی باتوں کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ گویا کہ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہوتا اور آپ نے انہیں توحید نبوت اور قیامت پر ایمان لانے اور ظلم لوٹ کھسوٹ کے چھوڑنے پر جن دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک ان دلائل کی کوئی حیثیت نہیں، ہمیں گویا یہ دلائل سنائی ہی نہیں دیتے۔

قوم نے آپ علیہ السلام کو کہا: کہ تم ہمارے ہی قبیلہ سے ہو۔ تمہارا خاندان ہمارے نزدیک عزت اور احترام والا ہے۔ اگرچہ تمہاری عزت ہمارے نزدیک کچھ نہیں اور نہ ہی کوئی تم اتنے بہادر ہو۔ ہم صرف تمہیں تمہارے خاندان کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں ورنہ ہم تم پر پتھراؤ کر کے تمہیں ہلاک کر ڈالتے۔

قوم کی حماقت پر تعجب:

”قَالَ يٰقَوْمِ اَرْمُطِیْ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْا وِدَادًا ۝۱۲“
 ”آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! کیا تم پر میرے کنبہ کا دباؤ اللہ سے زیادہ اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔
 بے شک جو تم کرتے ہو وہ میرے نزدیک رب کے احاطہ

(قدرت) میں ہے۔“

(سورة ہود 8:12)

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی حماقت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میرے خاندان کی عزت کرتے ہو۔ ان کی وجہ سے مجھے ہلاک نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہو اس کی تابعداری نہیں کرتے حالانکہ حق یہ تھا کہ تم

نے اگر میری حفاظت کرنی ہی تھی تو مجھے اللہ تعالیٰ کا نبی بھیج کر میری حفاظت کرتے اس سے تمہیں رب کی خوشنودی حاصل ہوتی۔ مجھے دھمکیاں دینے والو! یہ بھی خیال کرو کہ میرا رب تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ تم کبھی اس کے احاطہ قدرت سے بچ نہیں سکتے۔

متکبر سرداروں نے کہا:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِكَ أَوْ لَنَعُودَنَّ فِيْ مِلَّتِكَ..... ﴿١٩﴾
(سورة اعراف 19)
”آپ کی قوم کے متکبر سردار بولے: اے شعیب قسم ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آ جاؤ۔“

آپ کی قوم کے رئیس و سردار لوگ جو بہت بڑے متکبر تھے۔ آپ ﷺ کو دھمکیاں دینے لگے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی ہمارے دین میں آ جائیں۔ اگر تم نے ہمارے دین کو قبول نہ کیا تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

نبی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے:

قَالَ اَوَكُنتُمْ اَكْبَرُ مِنْهُمْ قَالُوا نَحْنُ اَكْبَرُ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ الْاِلَهِ..... ﴿٢٠﴾
(سورة اعراف 20)
کہا: کیا اگرچہ ہم بے زار ہیں ضرور ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی قوم کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دونوں الفاظ میں جواب دیا کہ کیا ہم اس دین میں آ جائیں جس سے ہم بیزار ہیں جو ہمیں ناپسند ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے ہم پر جس نے ہمیں تمہارے باطل دین سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہارے کہنے پر ہم اس دین میں آ جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) لازم آئے گا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اور اس پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں؟ یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے یہ خیال بھی محال ہے۔

فیصلہ کن بات:

فَلَقَوْمٍ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَاتِبِكُمْ اِنِّيْ عَلِيْلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
”اور اے قوم! تم اپنی جگہ اپنے کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا“

تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔“

(سورة هود 8:12)

اللہ تعالیٰ کے عذاب کا آنا اور مدین کی تباہی:

(سورة نوح: 8:12)

مئے۔ اُس طرح ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا جیسے کہ وہاں یہ لوگ کبھی بستے ہی نہیں تھے۔“

تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 18، ص 51

شعیب علیہ السلام اور اصحاب ایکہ:

كَذَّبَ اصْحَابُ لُثَيْمَةَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٩﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٠﴾ اِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ﴿٢١﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنِى ﴿٢٢﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىْ اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ اَلْمُسْتَقِيمِ ﴿٢٥﴾ وَلَا تَمْشُوا فِى النَّاسِ اَشْيَاءَ هُمْ وَلَا تَعْتَوُوا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٢٦﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّ الْاُولٰٓئِنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَاحِرِىْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاَنْ تَظُنُّكَ لِمَنِ الْكَذِبِىْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَسْعِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣٠﴾ قَالَ رَبِّىْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٣١﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابٌ يُّوْمِ الظُّلُمٰتِ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابٌ يُّوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٣﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَاَنَّ رَّبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٥﴾

(سورة الاحزاب: 13:19)

جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی رسولوں کو جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے: کیا تم (قہر الہی سے) نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا جزو اس کے ذمہ ہے جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔ انہوں نے (چلا کر) کہا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند۔ اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔

(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی

ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو سوائے انہوں نے جھٹلایا شعیب کو تو پکڑ لیا ان کو چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بیشک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اسلئے دونوں کی ہدایت کے لئے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مقرر فرمایا گیا۔

نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اسلئے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔

”الْأَيْكُ الشَّجَرُ الْكَثِيرُ الْمُلْتَفُ الْوَاحِدَةُ أَيْكَةُ فَهِيَ الْفَيْضَةُ“ ”وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہوا سے عربی میں ”ایکہ“ کہتے ہیں۔“

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقے میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لئے انہیں ”اصحاب الایکہ“ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا لیکن جنہوں نے ”لئکہ“ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لئکہ ایک بستی کا نام تھا۔ علامہ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ”ایکہ“ اور ”لئکہ“ دونوں ایک ہی بستی کے نام ہیں جس طرح مکہ اور مکہ۔ مدین کی طرح اصحاب الایکہ کی بھی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ باز یوں پر تھا وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر ان سے باز آ جاتے شعیب علیہ السلام تو ان کو یہ کہہ رہے تھے۔
وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَى وَالْجِبِلَّةَ قَالَ مُجَاهِدٌ هِيَ
پہلے (بقول علامہ مجاہد) جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی الخلیقہ“
خالق ہے۔“

حق تو یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے بھی انکار کر دیا بلکہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گہما گہمی یا دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔ اے شعیب! یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا پہلے اپنا علاج کراؤ پھر آ کر ہمیں نصیحت کرنا اور تم ہم سے کوئی بڑے بھی تو نہیں ہو ہمارے جیسے ہی ایک بشر ہو۔ ہمیں تو تمہاری باتوں پر کوئی یقین نہیں آ رہا بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے قوم کی طرح طرح کی بیہودگیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ کا فریضہ جاری رکھا۔ ان کو دھوکہ باز یوں سے باز آنے کے متعلق اصرار کرتے رہے۔ وہ راہ راست پر آنے کے بجائے سیخ پا ہو کر اور شرم و حیا کی چادر کو اتار کر کہنے لگے کہ: ”لو ہم تمہاری بات نہیں مانتے اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔“ ان کا خیال یہ تھا کہ عذاب تو آئے گا نہیں اس طرح شعیب علیہ السلام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔

سبحان اللہ انہی کا صبر اور کمال کتنا عظیم ہے۔ وہ لوگ آپ کو جھوٹا کہہ رہے ہیں جادو کے اثرات سے آفت زدہ کہہ رہے ہیں بلکہ خود مطالبہ کر رہے ہیں تم نے جو کرنا ہے کر لو۔ آسمان گرانا ہے گرا لو۔ ہم تو تمہاری باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں آپ

پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں۔ { رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ } تمہارے کرتوتوں کو میرا رب بہتر جانتا ہے، یعنی آپ نے ان حالات کے باوجود معاملہ رب کے سپرد کر دیا۔ ان کی ہلاکت کی دعا نہ کی اور یہ نہیں عرض کیا: اے اللہ! اب تو ان پر عذاب بھیج ہی دے بلکہ کمال صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

جب انہوں نے بار بار شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر دیا۔ سات دن تک اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو روک لیا اور ریت کو مسلط کر دیا، ان کے دم گھٹنے لگے۔ نہ انہیں کوئی سایہ نفع پہنچا سکتا اور نہ ہی پانی۔ وہ پریشان ہو کر جنگل کی طرف لکھ اور ان پر ایک بادل نے آکر سایہ کر دیا۔ جس سے انہوں نے خوب ٹھنڈک محسوس ہوئی اور بادِ نسیم کے خوشگوار مزے لوٹنے لگے۔ اس طرح سب اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ تو یکا یک ان پر آگ کی بارش برسنے لگی جس سے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ ایسے تباہ و برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ رب تعالیٰ نے انکی بستی کو صفحہ ہستی سے ایسے مٹایا کہ گویا یہاں کوئی بستی تھی ہی نہیں۔

شعیب علیہ السلام کی پیمانی ضائع ہونے کی وجہ:

”قَالَ الضَّعَافُ بَلٰی ضَعُفَ مِنْ عَشِيَةِ اللّٰهِ حَتّٰی فَهَبَ عَيْنَا“ ”ضحاک فرماتے ہیں: کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اتنا روتے تھے کہ آپ کی دونوں آنکھوں کی نظر ضائع ہو گئی آپ علیہ السلام تاپینا ہو گئے۔“

روح البیان کے بیان ذیشان کے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ پیدائشی طور پر تاپینا نہیں تھے بلکہ بعد میں خوفِ الہی سے روتے ہوئے آپ کی نظر ضائع ہو گئی۔

کیا نبی تاپینا ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ میں فرق یہ ذہن میں رہے: تاپینا نبی نہیں ہو سکتا، نبی تاپینا ہو سکتا ہے۔

”قَالِقُولُ بَأْتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ اَعْمٰی لَا عِكَازَ لَہٗ“ ”بعض حضرات نے کہا: کہ حضرت شعیب علیہ السلام تاپینا تھے اس مَعْمَدُ عَلَیْہِ ہَلْ قَدْ نَعَسَ الْعُلَمَاءُ نَوُوْا الْبَصِيْرَ عَلٰی اَنَّ الْقَوْلَ لَا بُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ سَلِيْمًا مِنْ مُّتَقِرٍّ وَمَقْلُوْبٍ بِالْعَمٰی وَلَکُمْ مِّنْ الْجَذَامِ وَلَا یَرِدُ ہَلَاةُ الْیُوسُفَ وَعَمٰی یُعْقُوْبَ ہٰذَا“ ”قول کی کوئی سند نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے بلکہ بصیرت رکھنے والے علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ بے شک رسول کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ نفرت دلانے والی چیزوں سے سلامتی

روح البیان علامہ اسماعیل حق رحمہ اللہ ج 3 ص 200 بحوالہ نجوم الفرقان غیر مطبوعہ

عَلَى أَنَّهُ حَقِيقٌ لَطَرُوهُ بَعْدَ الْاَنْبَاءِ وَالْكَلَامُ فِيمَا قَارَنَهُ ، میں ہوں ان علماء نے مثال یہ دی ہے کہ نبی نابینا نہ ہو برص کی
وَالْفَرْقُ أَنَّ هَذَا مُنْقَرِبٌ خِلَافِهِ فِيمَنْ اسْتَعْرَضَتْ نُبُوَّتُهُ وَقَدْ يُقَالُ مرض میں مبتلا نہ ہو اور کوڑھ کی مرض اسے لاحق نہ ہو۔ اس
پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی
إِنْ صَحَّ فَالِكَ فَهُوَ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ ❶

کی نظر کا چلا جانا تو قرآن مجید سے ثابت ہے اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کا ایسی بیماری میں مبتلا ہونا جس سے بظاہر نفرت
سمجھ آتی ہے اس کا بھی واضح ثبوت ہے تو یہ کیسے کہنا درست ہے کہ نفرت دلانے والی مرضوں اور نابینا ہونے سے نبی کا سلامت
ہونا ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کے اعلان نبوت سے پہلے ان چیزوں کا نبی میں پایا جانا منع ہے کیونکہ لوگ نفرت
کر کے اس کی نبوت کو تسلیم نہیں کریں گے لیکن اعلان نبوت کے بعد آزمائش کے لئے یا کسی اور وجہ سے مصائب میں مبتلا
ہونا یا نابینا ہونا جائز ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شعیب پہلے نابینا تھے پھر اعلان نبوت کا حکم دیا گیا تو یہ قول
درست نہیں کیونکہ یہ نفرت دلانے والا عیب ہے۔ اگر نبوت کے اعلان کے بعد رب تعالیٰ کے خوف سے نظر چلی جائے تو یہ
اعزاز ہے عیب نہیں۔ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کے فراق کی وجہ سے رونا آپ کی نظر ضائع ہونے کا سبب بنایہ بھی عیب نہیں
حضرت ایوب علیہ السلام کا آزمائش میں مبتلا ہونا اور صابر کا لقب پانا آپ کا اعزاز تھا۔



حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ ”اسرائیل“ آپ علیہ السلام کا ”لقب“ ہے یا آپ کا دوسرا نام ہے۔ لفظ ”اسرائیل“ میں ایک قول یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ ”اسرا“ اور ”ایل“ سے مرکب ہے۔ ”اسرا“ کے چار معنی بیان کئے گئے ہیں۔ عبد (بندہ عبادت کرنے والا) صفوة (برگزیدہ) انسان اور مہاجر (ہجرت کرنے والا)۔ اور ”ایل“ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اس لحاظ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اس کے برگزیدہ اور اس کے پیدا کردہ عظیم المرتبت انسان اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے یعنی ہجرت کرنے والے بھی تھے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو لے جانا اور ایل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اب اس لحاظ پر آپ کا نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات کے وقت اپنی طرف رجوع کرایا کہ آپ اس کی طرف ہجرت کرنے والے ہوئے۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران ہیں جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام میں اختلاف ہے یارخا، یارخت، نوخاند، لوخا، مریم۔ یہ تمام نام ذکر کرنے کے بعد حاشیہ جلالین میں ذکر کیا گیا ہے ”وَالْأَصْحَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ كَمَا فِي رُوحِ الْبَيَانِ“ صحیح قول پہلا ہے یعنی ”یارخا“ جیسے روح البیان میں ہے۔ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے تفسیر نعیمی میں ”عائد“ لکھا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ❷

حضرت ہارون علیہ السلام: آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے بھائی ہیں بہت بڑے حوصلہ مند اور بردبار تھے۔ بنی اسرائیل آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

”وہ موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔“

”وَهُوَ اكْبَرُ مِنْ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِثَلَاثَ سِنِينَ“ ❶

”سامری“ کا نام بھی ”موسیٰ“ تھا:

”سامری“ جس نے بنی اسرائیل کو پھڑے کی پوجا پر لگا دیا تھا..... جس کا ذکر آگے آئے گا (ان شاء اللہ)..... اس کا نام بھی ”موسیٰ“ تھا۔ سامری کے نام و نسب اور جائے سکونت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ رائج قول یہی ہے کہ اس کا نام موسیٰ اور اس کے باپ کا نام ظفر تھا اور بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ ”سامرہ“ تھا۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس کی جائے سکونت کا نام بھی ”سامرہ“ ہوا۔ اس لئے اس کو سامرہ کہتے ہیں۔ یہ شخص خود اور اس کا سارا قبیلہ بلکہ اطراف و جوانب کے تمام لوگ گائے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ سامری اس زمانے میں پیدا ہوا جب کہ فرعون بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو ذبح کر دیتا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اسے پہاڑ کے غار میں چھپا دیا۔ بنی اسرائیل کے اس قسم کے بچوں کی تربیت کے لئے حضرات جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا۔ اس موسیٰ بن ظفر یعنی سامری کی تربیت کے لئے بھی جبریل امین علیہ السلام متعین تھے۔ وہ اس کی غار میں تشریف لاتے اور اس کا اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے دیتے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا رہتا۔ ❷

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام خود اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دے دیتے تھے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا تھا۔ صاحب روح المعانی نے اس ضمن میں دو شعر بھی نقل کئے ہیں:

إِذَا الْمَرْءُ لَمْ يَخْلُقْ سَعِيدًا تَحِيَّرَتْ عَقُولُ مُرَيْسَةٍ وَخَبَابِ الْمَوْئِلِ
فَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ جِبْرِيلُ كَافِرٌ وَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسِلٌ

جب آدمی اصل خلقت میں سعادت سے محروم ہو تو اس کی تربیت کرنیوالوں کے دماغ حیرت زدہ اور اس سے بہتری کی امید رکھنے والے خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ موسیٰ جس کی پرورش جبرائیل امین علیہ السلام نے کی کافر ہوا اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) جس کی پرورش فرعون نے کی اللہ تعالیٰ کا رسول (فرستادہ بھیجا ہوا) ہے۔ ❸

”سامری“ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بظاہر ایمان لایا مگر پکا منافق تھا۔ ❹

مصر کے بادشاہوں کا لقب ”فرعون“ ہوا کرتا تھا جس طرح روم کے بادشاہوں کا قیصر، فارس کے بادشاہوں کا ”کسریٰ“ یمن کے بادشاہوں کا ”جع“ ترک کے بادشاہوں کا ”خاقان“ اور حبشہ کے بادشاہوں کا

فرعون:

❶ تفسیر قرطبی، امام ابو بکر ص 7 ج 7 ص 284

❷ اتہیان للکاملی رحمہ اللہ ص 201

❸ تفسیر صادی برہان ص 141 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

❹ روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 ص 277

لقب ”نماش“ تھا۔

”وَلَمَّا يَكُنْ مِنَ الْفَرَاعِيَةِ أَحَدًا أَشَدَّ غَلْظَةً وَلَا أَثْنَىٰ قَلْبًا“
زمانے کے فرعون سے زیادہ بدخلق، سخت دل اور ظالم نہیں تھا۔“

یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ”ریان بن ولید“ تھا جس نے ایمان قبول کر لیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پایا جانے والا فرعون ”ولید ابن مصعب یا مصعب بن ریان“ تھا۔ بعض نے اس کا نام ”قابوس“ بھی تحریر کیا ہے، قبیلہ قبطیہ سے تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پائے جانے والے فرعونوں کے درمیان چار سو سال سے زائد عرصہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے:

بنی اسرائیل کی حالت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے یہ تھی کہ یہ لوگ فرعونوں کے خادم تھے۔ فرعونوں نے ان کو مختلف قسم کے کاموں پر مقرر کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو تعمیر کے کاموں پر لگایا ہوا تھا اور کچھ لوگوں سے مل چلانے کا کام لیا جاتا اور کچھ لوگوں سے کھیتی باڑی کے مختلف کام لئے جاتے، فصل کی کاشت اور کٹائی وغیرہ کے کاموں پر مقرر تھے۔ گندے کاموں پر بھی انہیں لگایا جاتا، بیت الخلاء کی صفائی انہی لوگوں کے ذمہ تھی۔ کچھ صفائی وغیرہ کے کاموں پر ان کو ہی مقرر کیا جاتا۔ پتھر تراشنا اور پتھروں کو اٹھا اٹھا کر لانا انہی کے ذمہ تھا۔ جو لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے ان پر جزیہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے جزیہ نہ ادا کرتا اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے جاتے اور ایک مہینہ تک اسی طرح بندھے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں سے اس طرح کام لئے جاتے جیسے لونڈیوں سے کام لئے جاتے ہیں یعنی گھریلو تمام کام ان کے سپرد ہوتے، سوت کا تنا اور سلائی بنائی وغیرہ کے کام ان عورتوں سے ہی لئے جاتے تھے۔

بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنا:

فرعون نے ایک خواب دیکھا ہے کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا لیکن بنی اسرائیل کو اس نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اس خواب سے فرعون بہت پریشان ہوا اس نے خواب کی تعبیر بیان کرنے والے ماہرین سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس خواب سے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہوا اسے ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح اس کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں ان کے بچے ذبح کر دیئے گئے وہ جو ذبح کئے گئے ان کی تعداد بارہ ہزار یا ستر ہزار تھی۔ اتنی بات واضح ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں تھی۔ ①

● جمل بحوالہ تفسیر جلالین ص 9 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی حالات یاد کرانے کی لئے یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بنی اسرائیل کو یاد کرنے کے لئے کہا کہ تمہارے آباء واجداد پر ہمارے بڑے انعام تھے وہ بھی شکر کرنے کی بجائے رب تعالیٰ کے احکام کا انکار ہی کرتے رہے اور خائب و خاسر ہوئے تمہیں چاہیے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَاَذْكُرْكُمْ مِنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ يَسُومُكُمْ سُوًّا الْعَذَابِ يَذْبَحُونَ اَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَعْبِدُونَ نِسَاءَكُمْ ذُلُّكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾

”جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعون کی آل سے وہ تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری لڑکیوں کو، اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔“

(سورة البقرة: 6)

ایک اور معنی ”وَيَسْتَعْبِدُونَ نِسَاءَكُمْ“ کا یہ بھی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کی شرمگاہیں دیکھتے تھے کہ یہ حاملہ ہیں یا نہیں۔ زندہ چھوڑنے والا معنی زیادہ مشہور ہے کہ انہیں لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہ تھا اس لئے ان کو زندہ چھوڑ دیتے۔

”اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔“

وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾

اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تم جن مصیبتوں میں گرفتار تھے وہ تمہاری بہت بڑی آزمائش تھی کہ صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کئے کہ تمہیں فرعونیوں سے نجات دی یہ تمہاری آزمائش تھی کہ کیا تم نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہیں؟ ①

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا، پھر

وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاَنكَرَتْ عَلٰیهَا فَاَلْقٰہُ فِی الْهَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَاٰہُ الْاَلٰہُ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿٢٠﴾

جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے، اور نہ ڈر اور نہ غم کر بیشک اسے ہم تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔“

(سورة القصص: 20)

آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال کر یقین کرا دیا گیا تھا کہ پیدائش کے بعد تم بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ جب تمہیں فرعون کے جاسوسوں سے خطرہ لاحق ہو یا بچے کے رونے وغیرہ سے پڑوسیوں سے تمہیں خطرہ ہو تو بچے کو دریا میں ڈال دو، ہم اس بچے کی حفاظت کریں گے اور تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔

آپ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دریا میں بھینکنے سے پہلے کتنی مدت دودھ پلایا اس کی حد کا ذکر قرآن پاک میں تو نہیں

البتہ ایک قول ابن جریج کا یہ ہے:

”إِنَّهُ بَعْدَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ صَاءَ فَأَلْبَسَ فِي الْبَيْتِ وَالْمَرْكَدُ بِالْبَيْتِ هُنَا“ ”بے شک آپ چارہ ماہ بعد روئے تو پڑوسیوں وغیرہ کے خطرہ کے پیش نظر آپ کو دریا میں نیل میں ڈال دیا گیا۔“

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کے پاس ایک دایہ آئی۔ اس میں سے جو فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کی کرنیں ظاہر ہو رہی تھیں جن کو دیکھتے ہی دایہ کا ہر جوڑ کا پنپنے لگا۔ اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی گئی اس نے کہا: اے عورت (اے اس بچے کی ماں)! میں تو اسے قتل کرنے کے لئے آئی تھی لیکن مجھے اس سے شدید محبت ہو چکی ہے اس لئے تو اپنے بچے کو محفوظ کر لئے وہ دایہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ اتنے میں فرعون کے جاسوس آپ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جاسوسوں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا: اے ماں! فرعونی آرہے ہیں۔ آپ کی ماں کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے ہوش و حواس جاتے رہے بچے کو ڈر کے مارے کپڑے میں لپیٹ کر جلتے تنور میں ڈال دیا۔ جب فرعونی آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو جلتے تنور کی طرف تو وہ نہ گئے اور گھر تمام چھان مارا کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیکھا تو ان کے رنگ میں بھی کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ جو عام طور پر عورتوں کا بچے کی پیدائش پر رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور آپ کا دودھ بھی نظر نہ آنے پر پوچھا کہ وہ دایہ تمہارے گھر کیوں آئی تھی؟ آپ نے کہا وہ میری دوست تھی جو مجھے ملنے آئی تھی۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا وہ آپ کی دوست تھی۔

جب فرعونی آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ کو ہوش آیا اور اپنی بیٹی سے پوچھا بچہ کہاں گیا یعنی آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بچے کو کہاں ڈالا تھا۔ بیٹی نے جواب دیا مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ اتنے میں تنور سے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آئی تو آپ نے دیکھا کہ بچے پر آگ ٹھنڈی سلامت ہو چکی ہے۔ انہوں نے بچے کو تنور سے نکال لیا۔ والدہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ فرعون بچے کی تلاش میں پوری جدوجہد کر رہا ہے تو آپ نے بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پختہ بات ڈال دی تھی کہ اس طرح بچہ محفوظ رہے گا اور ایک دن انہیں واپس مل جائے گا۔

آپ کی والدہ ایک نجار کے پاس گئیں تاکہ اس سے ایک صندوق حاصل کریں اس نے پوچھا تم نے لکڑی کے صندوق کو کیا کرنا ہے تو آپ نے سچ بتا دیا کہ اپنے بیٹے کو اس میں ڈال کر دریا میں ڈالنا ہے ہو سکتا ہے فرعونوں سے بچ جائے۔ صندوق اس نے آپ کو فروخت کر دیا لیکن بڑھئی کے دل میں بدعتی پیدا ہو گئی۔ وہ فرعونوں کو لوگوں کے پاس گیا جو بچوں کو ذبح کرنے پر مقرر تھے کہ انہیں بتا سکے۔ جب وہ ان کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بند کر دیا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر

رہا تھا، ان لوگوں نے اسے (پاکل سمجھ کر) مارا اور بھگا دیا جب وہ واپس اپنے گھر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو اس پر پھر لوٹا دیا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ ان لوگوں کی طرف گیا تاکہ انہیں بتا سکے پھر اس کی زبان بند ہو گئی، پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے کی وجہ سے انہوں نے اسے مارا اور اسے گھر لوٹا دیا، پھر اس کی زبان ٹھیک ہو گئی، پھر تیسری مرتبہ انہیں بتانے کے لئے گیا تو اس کی زبان بھی بند ہو گئی اور اندھا ہو گیا۔ پھر اس کی پٹائی ہوئی اور اسے واپس بھگا دیا گیا۔ اب وہ سچے دل سے توبہ کرنے لگا: اے اللہ تعالیٰ! اگر تو مجھے میری نظر اور زبان دے دے تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا اور اسے زبان اور نظر دے دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا۔ فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی، وہ اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا۔ وہ بھی ہر روز اپنے باپ کے پاس تین حاجات پیش کرتی تھی۔ وہ بہت زیادہ برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ فرعون نے اس کے بارے طیبیوں اور جادو گروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: اے بادشاہ! یہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک دریا میں سے ایک انسان کے مشابہ کوئی چیز نہ پائی جائے اور اس کی لعاب لیکر اس کے برص والے مقامات پر ملی جائے، پھر یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب فلاں دن اور فلاں مہینہ ہو اور سورج خوب روشن ہو۔ جب وہی دن آگیا تو فرعون نے دریا کے کنارے پر محفل سجائی اس کے ساتھ اس کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم بھی تھی، فرعون کی بیٹی بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محلات کی طرف آئی ہوئی تھی۔ اس میں فرعون کی بیٹی اور اس کی لونڈیاں نہانے لگیں، انہوں نے دیکھا ایک تابوت دریا کی موجوں میں ہچکولے کھا رہا ہے، جو ایک درخت کے ساتھ آکر رکا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ جلدی سے وہ تابوت میرے پاس لایا جائے، کشتی والے لوگوں نے جلدی سے وہ تابوت فرعون کے پاس پیش کر دیا۔

انہوں نے کوشش کی کہ اس کو کھولیں، وہ کامیاب نہ ہوئے، پھر توڑنا چاہا لیکن توڑنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔ فرعون کی زوجہ آسیہ کو اس تابوت کے اندر ایک نور چمکتا ہوا نظر آیا جو دوسروں کو دکھائی نہ دیا۔ جب آسیہ نے تابوت کو کھولنا چاہا تو کھول لیا، جس میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا، جس کی آنکھوں کے درمیان ایک نور چمک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس بچے کی محبت ڈال دی فرعون کی بیٹی نے اس بچے کا لعاب لیکر جب اپنے برص والے مقامات پر لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگایا فرعون کو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ وہی بچہ نہ ہو جس سے ہم بچتا چاہتے ہیں۔ تمہارے ڈر کی وجہ سے اسے دریا میں پھینک دیا گیا ہوگا۔ فرعون نے یہ سن کر بچے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن فرعون کی زوجہ آسیہ نے بچے کی بخشش طلب کی اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس طرح یہ پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کی لعاب کی خیر و برکت کا مظاہرہ بھی کرایا گیا آپ کو قتل ہونے سے بچا کر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھادی کہ جس بچے کو ختم کرنے کی غرض سے تم نے ہزاروں بچے ذبح کرا

دیئے اسے میں نے تمہارے پاس پہنچا دیا ہے لیکن تم اسے نہ ذبح کر سکے اور نہ ہی کر سکو گے۔

فرعون کی زوجہ بہت نیک عورت تھی۔ انبیائے کرام کی نسل سے تھی، غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرتی تھی۔ اس نے فرعون کو کہا کہ یہ بچہ بہت نہیں کس سر زمین سے آیا ہے تمہارے لئے خطرہ تو اسی ملک کا بچہ ہوگا، یہ کتنا پیارا اور خوبصورت ہے۔ یہ تو بچہ بنانے کے قابل ہے اسے قتل نہیں کرنا ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے اس لئے ہم اسے اپنا بچہ بنالیں گے۔ آسیہ کی یہ بات فرعون اور اس کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے تسلیم کر لی۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل ہونے سے بچالیا، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَمِّي لِي وَلَكَ طَلَا تَتْلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾
 ”تو اسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو، بیشک فرعون اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی زوجہ نے کہا: یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔“ (سورة القصص 4:20)

یعنی فرعون اور اسکے وزیر ہامان اور ان کے دوسرے سرکردہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہی وہ بچہ ہے جس نے بڑے ہو کر ہماری بادشاہی کو تباہ کرنا ہے تو وہ اس بچے کو نہ اٹھاتے اور اگر اٹھا بھی لیا تھا تو قتل ضرور کرتے لیکن قدرت باری کا مقابلہ ممکن نہیں۔
 وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۖ وَكَتُفِّنُكَ عَلَىٰ عَمِي ۖ ﴿٩﴾
 ”اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور اس لئے کہ تو میری نگاہوں کے سامنے تیار ہو۔“ (سورة طہ 11:16)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا اور مخلوق کا محبوب کر دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی ملاحیت، خوبصورتی اور نورانیت رکھی گئی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنالیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آسمان والے آپ سے محبت نہ کرتے۔ ①

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کی بے قراری:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنتَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٠﴾ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَقْرَأُكَهَا قَوْمًا يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾
 ”اور صبر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم ڈھارس نہ بندھاتے اس سے محبت نہ کرتے۔“

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 9 حصہ اول ص 189..... کبیر امام رازی رحمہ اللہ ج 22 ص 53..... خزائن العرفان

قَصِيْرُهُ قَبِيْرَتُهَا عَنْ جُنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١﴾

کے دل کو کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی بہن کو کہا اس کے پیچھے چلی جاؤ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔“

(سورة القصص 4:20)

”فارغا“ کا ایک معنی یہ ہے۔ ”قَرَأَ الْفَوَادِ هُوَ الْخَوْفُ وَالْإِشْفَاقُ“۔ کہ دل کو خوف اور ڈر لاحق ہونا یعنی آپ کی والدہ کو جب یہ خبر ملی کہ بچہ فرعون کے ہاتھ آ گیا تو آپ کو بہت زیادہ خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں قتل ہی نہ کر دیں۔

دوسرا معنی ہے خالی ہونا یعنی آپ کا دل اور تمام غموں سے فارغ ہو گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کا غم دامن گیر ہوا۔ اس معنی کے لحاظ سے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کے ہاتھ تابوت آ گیا ہے تو آپ کا دل عقل سے خالی ہو گیا، ہوش اڑ گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پھر القاء کیا کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ تو آپ کے دل کو تسلی ہوئی اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ڈھارس نہ بندھاتا تو ہو سکتا ہے کہ آپ دریا میں پھینکتے وقت واویلا شروع کر دیتیں۔ ہائے میرے بچے! ہائے میرے بچے! کی پکار سے لوگ خبردار ہو جاتے۔ یا آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کی زوجہ آسیہ بچے پر مہربان ہو گئی اس وقت آپ خوشی سے ظاہر کر دیتیں کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر کرنے سے روک رکھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام ”مریم“ تھا۔ زیادہ مشہور یہی نام ہے اگرچہ ”کلثوم“ اور ”کلثمہ“ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی والدہ نے مریم کو کہا کہ جاؤ دیکھو تابوت کدھر گیا۔ کیا واقعی فرعون کے ہاتھ آ گیا ہے؟ انہوں نے بچے سے کیا سلوک کیا؟ مریم دور دور سے دیکھتی رہی تاکہ انہیں پتہ نہ چل سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”مریم“ تھا اور ”مریم“ کے باپ کا نام ”عمران“ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی سگی بہن کا نام بھی ”مریم“ ہے اور آپ کے باپ کا نام بھی ”عمران“ ہے۔ بعض منفرات نے وہم کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔ یہ غلط ہے ان دونوں انبیائے کرام کے درمیان زمانے کے اعتبار سے بہت بڑا فاصلہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش آپ کی ماں کے ذمہ:

”اور ہم نے پہلے ہی سب دایاں اس پر حرام کر دی تھیں تو بولی: کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچہ کو پال دیں؟ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے۔“

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصِبٌ ﴿١﴾ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَكُنَّ عَلِمْنَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢﴾

(سورة القصص 4:20)
اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں اپنی ماں کے دودھ کے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں سے نفرت پیدا کر دی تھی۔ فرعون نے بچے کی پرورش کے لئے دایہ بلانے کا حکم دیا۔ جو دایہ بھی آتی آپ اس کا دودھ نہ پیتے لیکن بھوک کی وجہ سے بے قرار ہو رہے تھے۔ فرعون بھی اپنی زوجہ آسیہ کی وجہ سے بچے کی حالت سے فکر مند تھا۔ بچے کو گود میں لے کر تسلیاں دے رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ کاش کوئی ایسی دایہ مل جائے جس کا دودھ یہ بچہ پینا شروع کر دے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایک گھر والوں کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کی تربیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہونے دیں گے جو اس کی پرورش کی ضمانت دیں گے کسی قسم کی خیانت کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ خلوص سے سب کام کریں گے کوئی نقص لازم نہیں آنے دیں گے۔

{وَهَذَا نَصِصُهَا} اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ کہا کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں تو ہامان نے کہا کہ یہ اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے اسے پکڑ لو تو خود بچے کے گھرانے کا پتہ چل جائے گا۔ تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ اس گھرانے کے لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ اس بچے کے خیر خواہ میں نے نہیں کہا۔ چونکہ وہ خاندان نبوت کی لڑکی تھی اس کی ذہانت اسی قابل تھی کہ اس نے نہایت حسین جواب دے کر اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو بچالیا۔ اس کے اس جواب کو سن کر فرعون نے کہا: اچھا! تم اس عورت کو لے آؤ جس کے متعلق تم کہہ رہی ہو۔ تو وہ اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں لے گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھوں میں تھے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے قرار تھے وہ آپ کو تسلیاں دے رہا تھا جیسی آپ کی والدہ پہنچیں تو ماں کی خوشبو سونگھ کر فوراً ماں کی طرف لپکے اور دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون نے بڑے تعجب سے پوچھا تم کون عورت ہو؟ کہ اس بچے نے تمہارا دودھ پسند کیا حالانکہ کتنی دایہ ہم نے طلب کیں کسی کا دودھ اس نے نہیں پیا تو آپ کی والدہ نے جواب دیا:

”إِنِّي أُمْرَأَةٌ طَهِيرَةٌ الرَّحِيمِ طَهِيرَةُ اللَّبَنِ لَا أُؤْتِي بِصَبِيٍّ إِلَّا قَبْلِي“

”بے شک میں ایسی عورت ہوں کہ مجھ سے خوشبو آتی ہے یعنی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی ہوں میرا لباس صاف ستھرا ہوتا ہے۔ میں اچھی قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہوں اور قدرتی خوشبو بھی میرے جسم سے آتی ہے میرا دودھ بھی پاکیزہ اچھا خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے آج تک میں نے جس بچے کو بھی دودھ پلایا اس نے ضرور میرا دودھ پیا ہے۔“

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا اور ان کا خرچ بھی مقرر کر دیا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک وعدہ ڈالا تھا کہ تم اس بچے کو دریا میں پھینک دو میں تمہارے پاس اسے واپس لوٹا دوں گا۔ اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا تاکہ آپ کی والدہ کو یقین ہو جائے کہ جب یہ وعدہ پورا ہو گیا ہے تو یہ بچہ رسول بھی ضرور بنے گا۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے بے خبر ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کی قدرت کے مقابل تمام تدبیریں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو گھونسا مارنا:

”وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا۔ اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا ہے۔“

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَفَاهَهُ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ ۖ فَكَرَّهُهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥١﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّمَا أَتَمَمْتُ عَلَىٰ فَلَئِنْ أَكُونُ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾

(سورۃ القصص 5:20)

آپ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشے والا مہربان ہے۔ عرض کی: اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مدد کار نہ ہوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام کے پوشیدہ طور پر شہر میں داخل ہونے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں تاہم زیادہ صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو روز اول سے ہی اپنی والدہ کے پاس رہنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا۔ ساری صورت حال سے آپ اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ نیز آپ کو اپنے جلیل القدر آباء اجداد کے منصب نبوت پر آگاہی ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون خدا بنا بیٹھا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے تو آپ کا موحد ذہن اس شرک صریح کو زیادہ عرصہ گوارا نہ کر سکا اور آپ کے پر جلال مزاج نے فرعون کو اس ناشائستہ حرکت پر ٹوکا۔ اور آپ نے فرعون اور فرعونوں کی گمراہی کا رد شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل آپ کی بات سنتے اور آپ کی اتباع کرتے آہستہ آہستہ اس کا چہ چاہو گیا۔ فرعون کو بھی براہ راست خدائی دعویٰ

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 11 ص 51-50 تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 24 ص 205 دار الفکر

سے ٹوک چکے تھے اس لئے قطع تعلق تک نوبت جا پہنچی آپ کو مجرم اور باغی سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے روپوش ہو گئے اور اگر کسی ضروری کام کے لئے آپ کو شہر میں آنا پڑتا تو ایسے وقت شہر میں آتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب آپ ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ لوگ آرام کر رہے تھے۔ چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر محققین نے اسی قول کو ترجیح دی:

”قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَكَانَ فِي هَذَا الْوَقْتِ قَدْ أَظْهَرَ خِلَافَ فِرْعَوْنَ وَعَابَ عَلَيْهِمْ عِبَادَةَ فِرْعَوْنَ وَالْأَصْنَامِ فَدَخَلَ مَدِينَةَ فِرْعَوْنَ يَوْمًا عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِنْ أَهْلِهَا“

اور اس سے پہلے قرطبی لکھتے ہیں: ”فَكَانَ لَا يَدْخُلُ مَدِينَةَ فِرْعَوْنَ إِلَّا خَائِفًا مُسْتَخْفِيًا“ ①

آپ کے شہر میں خوف سے چھپ کر داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے فرعون کے ساتھ اختلاف کو ظاہر فرما دیا اور فرعون کی بتوں اور فرعون کی عبادت کی مذمت کی تو ان کی طرف سے شدید رد عمل ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے پوشیدہ رہنے کی راہ اختیار کی ان دنوں میں ہی آپ شہر میں پوشیدہ طور پر اس وقت داخل ہوئے جب کہ وہ لوگ غفلت میں تھے۔

جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریبان ہیں ایک اسرائیلی اور دوسرا قبلی اسرائیلی نے آپ کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ آگے بڑھے کہ قبلی کو دست درازی سے منع کریں جب اس نے بات نہ مانی تو آپ نے اسے ایک مکار سید کیا اسے قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا لیکن وہ مکا جان لیوا ثابت ہوا اور اس کا قصہ تمام ہو گیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے لڑنے کی وجہ بیان کی ہے کہ وہ قبلی اسرائیلی کو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھانے کا حکم دے رہا تھا اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا چنانچہ اس قبلی نے حاکم قوم کا فرد ہوتے ہوئے اسے زد و کوب شروع کی۔ اتنے میں آپ علیہ السلام تشریف لائے اور اسرائیلی نے آپ علیہ السلام سے فریاد کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی فریاد رسی کے لئے محض اس لئے نہیں گئے کہ فریاد کرنے والا اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔

”وَأَنَّمَا أَخَذَهُ لِأَنَّ نَصْرَ الْمَظْلُومِ دِينٌ فِي الْوَلَدِ عَلَى الْأَمْرِ وَفَرَضَ لِي جَمِيعَ الشَّرَائِعِ“ ②

شیطان کی طرف قتل کو منسوب کرنے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل کرنا مباح کر رکھا ہے لیکن ایک وقت تک ان کے قتل کو مؤخر کیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد قتل کرنا

تفسیر قرطبی: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمہ اللہ ج 7 ص 260 مطبوعہ دار احیاء التراث

تفسیر قرطبی: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمہ اللہ ج 7 ص 260 تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الاندلسی رحمہ اللہ ج 3 ص 482

مستحب ہوتا لیکن وقت سے پہلے قتل کرنے سے مستحب کو ترک کرنا لازم آگیا اس وجہ سے آپ نے اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ میرا اقدام ترک مستحب پر شیطان کے عمل سے ہے۔

دوسری یہ ہے کہ آپ کا اشارہ مقتول کے عمل کی طرف تھا اپنے عمل کی طرف تھا ہی نہیں آپ کا مطلب یہ تھا: ”عَمِلَ هَذَا الْمَقْتُولُ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ الْمَرَادُ مِنْهُ بَيَانُ“ ”یہ شخص جو قتل ہو گیا ہے اس کے کام ہی شیطانی تھے کیونکہ اللہ کو وہ مخالف اللہ تعالیٰ مُسْتَحِقُّ الْقَتْلِ“ تعالیٰ کے احکام کا مخالف تھا اس لئے یہ قتل کا مستحق تھا۔“

تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے عمل کا معنی لشکر اور گروہ لیا۔ ”يَعْنِي أَنَّهُ مِنْ جُنْدِ الشَّيْطَانِ وَحِزْبِهِ يُقَالُ فَلَانٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ أَيْ مِنْ أَحْزَابِهِ“ آپ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ یہ قتل ہونے والا شخص شیطانی لشکر اور شیطانی گروہ سے ہے عام طور پر عربی محاورہ میں ”فلان من عمل الشيطان“ کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شخص شیطانی گروہ سے ہے۔“

﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ﴾ کہنے کا ایک مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ! جو مستحب کام مجھ سے چھوٹ گیا کہ میں نے اسے جلدی قتل کر دیا اگرچہ تاخیر کی جاتی اس کی وجہ سے میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اور تو اس ترک مستحب کو بھی معاف فرما۔

”اے میرے رب! میں نے اس ملعون کو قتل کر کے اپنی جان کے لئے وبال بنا لیا ہے کیونکہ اگر فرعون کو یہ پتہ چل گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اسلئے اے اللہ! میری پردہ پوشی فرما کہ یہ خبر فرعون تک نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون تک اس خبر کو پہنچنے سے محفوظ رکھا۔“

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ ﴿١﴾

قتل کا راز ظاہر ہوتا:

”تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے؟ جیسی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی فریاد کر رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بے شک تو کھلا گمراہ ہے تو جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جو ان

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَعْصَمَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِي مُبِينٌ ﴿٥﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْهَضَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَمُوسَى إِنَّكَ لَأَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ

موسیٰ علیہ السلام کا ”مدین“ کی طرف ہجرت کرنا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٥١﴾
 ”تو اس شہر سے نکلے ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی: اے میرے رب! مجھے ستم گاروں (ظالموں) سے بچالے اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے کہا: قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے۔“
 (سورۃ القصص 5:20)

”مدین“ سے مراد وہ شہر ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس شہر کو مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ مصر اور مدین میں آٹھ دنوں کی مسافت تھی اس شہر پر فرعون کی حکمرانی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی شہر کی جانب جانے کی ہدایت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو یہ شہر اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا راستہ جانتے تھے۔ کوئی سواری پاس نہیں تھی راستے کا کوئی خرچ اپنے پاس نہیں تھا۔ صرف درختوں کے پتوں پر گزر کر کے آپ نے راستہ کی مسافت کو طے کیا۔ راستہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی معاونت کے لئے جبرائیل امین علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ فرعونی لوگ آپ کو تلاش کرتے رہے لیکن آپ کو تلاش نہ کر سکے کیونکہ مدین کو جانے والے تین راستے تھے آپ نے درمیانی راہ کو اختیار کیا اور وہ دو سفرے راستوں پر آپ کو تلاش کرتے رہے۔ جب رب تعالیٰ آپ کی حفاظت کر رہا تھا تو وہ آپ کو تلاش کر بھی کیسے سکتے تھے؟ ❶

موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر:

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءَ وَأَبُونَا شَعَمٌ كَبِيرٌ ﴿٥٢﴾ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا آتَيْتُكَ مِنَ الْخَمْرِ قَلِيلٌ ﴿٥٣﴾

”اور آپ جب مدین کے پانی پر آئے وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتیں جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں۔ اور ہمارے ہاں بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سایہ کی طرف پھرا عرض کی: اے میرے رب! میں اس کھانے کا جو تو میرے لئے اتارے محتاج ہوں۔“

(سورۃ القصص 6:20)

جب آپ مدین کے ایک کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ کثیر مقدار میں کنویں پر جمع ہیں جو اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ کوئی اونٹوں کو پانی پلا رہا ہے، کوئی گائے بھینس کو اور کوئی بھیڑ بکریوں کو لیکن دیکھا کہ دو عورتیں ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتیں کہ مزاحمت کر کے آگے بڑھیں، ان کے نزدیک لوگوں سے پانی حاصل کرنے میں مزاحمت کرنا جہاں بری بات تھی وہاں عورتوں کا مردوں سے آزادانہ میل جول اور دھکا بازی حرام تھی۔ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بھی دور کھڑی تھیں کہ کنویں سے پانی نکالنا زور آور مردوں کا کام تھا۔ اس پر استعمال ہونے والے ڈول کو دس آدمی مل کر نکالتے تھے۔ اور کنویں کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا اسے ڈھکنے کے لئے اور ہٹانے کے لئے بھی دس آدمی مل کر ہٹاتے، نیز وہ یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ ان کے جانور دوسرے لوگوں کے جانوروں سے مل جل جائیں کہ انہیں علیحدہ کرنے میں دشواری ہو۔ ان وجوہ کے پیش نظر وہ اپنے جانوروں کو علیحدہ ایک طرف روک کر کھڑی تھیں۔ لوگوں کے فارغ ہو کر چلے جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تم ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کیوں کھڑی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں ہم خود پانی نکال نہیں سکتیں اس لئے ایک طرف کھڑی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو جو پانی حوض میں بچ جائے وہ ہم اپنے جانوروں کو پلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو ان پر رحم کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے کہا کہ اگر تم اتنے ہمدرد ہو تو خود ہی پلا دو۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے مل کر بھاری پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا آپ نے اکیلے ہی اس پتھر کو ہٹا دیا اور دس آدمیوں کے نکالنے والے ڈول کو اکیلے ہی نکال لیا۔

”وَدَعَا بِالنُّذُرِ كَذِبًا قَرَّبَ عَنْهُمَا فَشَرِبَتْ حَتَّى رُقِيتَ“
”اور برکت کی دعا کی اور ان کی بکریوں کو پانی کے قریب کیا، وہ ایک ہی ڈول سے پانی پی کر سیراب ہو گئی۔“

پھر آپ ایک طرف سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی: اے اللہ! مجھے کھانا عطا فرما دے کیونکہ آپ سات دنوں سے صرف درختوں کے پتے ہی کھا رہے تھے۔ ❶

سبحان اللہ! نبی کی شان عظمت کا اندازہ کیجئے! کہ سات دنوں سے بھوکے لیکن دس آدمیوں سے بڑھ کر زور بھی موجود ہے سفر کی تھکان بھی اور کناں سخت تپتی دھوپ میں لیکن کوئی چیز بھی رکاوٹ نہ بن سکی ہمدردی کی ایک عظیم مثال قائم کر دی۔

شعیب علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو طلب کرنا:

وہ دونوں لڑکیاں شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ جب عام معمول سے ہٹ کر آج وہ جلدی اپنے گھر لوٹ کر آ گئیں تو ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے آ گئی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ آج کنویں پر ایک نیک اور بہادر شخص تھا جس نے

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 24 ص 202..... روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 11 حصہ اول ص 64

ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا اس لئے ہم جلدی واپس آ گئی ہیں کہ ہمیں تمام لوگوں کے فارغ ہونے اور باقی بچ جانے والے پانی کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔

شعیب علیہ السلام نے کہا کہ جاؤ اور اس شخص کو بلا کر لاؤ۔ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم عطا فرما دیا ہوگا کہ آنے والا شخص موسیٰ علیہ السلام ہے وہ بھی میرا نبی ہے جس کو کچھ عرصہ بعد میں نے اعلان نبوت کا حکم دینا ہے اسے تم اپنے پاس رکھو۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ظَلَمًا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ لَا قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾

ہوئی۔ بولی میرا باپ تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں بدلہ دے اس کا جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ جب (موسیٰ علیہ السلام) اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کر سنائیں اس نے کہا ڈریئے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے۔“

(سورۃ القصص 20:6)

”لیکن موسیٰ علیہ السلام اجرت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں گئے تھے بلکہ صرف شعیب علیہ السلام کی زیارت کرنے کی غرض سے گئے تھے۔“

إِنَّ قَالَتْ ذَلِكَ فَلَعَلَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا نَهَبَ إِلَيْهِمْ طَلَبًا لِأَجْرَةٍ بَلْ لِلتَّبَرُّكِ بِرُؤْيَاكَ ذَلِكَ الشَّيْخَ“

اگرچہ اس عورت نے تو یہ کہا تھا کہ آپ کو میرے باپ بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں اجرت عطا کریں جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ اجرت لینے کے لئے میں جاؤں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچے تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اعوذ باللہ اللہ کی پناہ! شعیب علیہ السلام نے پوچھا: تم نے یہ کیوں کہا؟ تو آپ نے جواب دیا:

”اَنَا أَهْلُ بَيْتٍ لَا نَبِيَّ دِينَنَا بِدِينِكَا وَلَا نَأْخُذُ عَلَى الْمَعْرُوفِ“

بے شک ہمارے گھرانے کے لوگ اپنے دین کو دنیا کے بدلے نہیں بیچتے اور کسی بھلائی کی کوئی قیمت نہیں لیا کرتے۔“

شعیب علیہ السلام نے کہا:

”وَلَكِنْ عَادَتِي وَعَادَةُ آبَائِي إِطْعَامُ الضَّيْفِ فَجَلَسَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَكَلَ“

لیکن وہ میری اور میرے آباء و اجداد کی عادت ہے کہ ہم مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد پر موسیٰ علیہ السلام بیٹھے اور کھانا کھایا۔“

لیکن پھر بھی بار بار خیال یہی آ رہا تھا کہ کہیں میری نیکی کے عمل کی یہ اجرت نہ ہو جس سے میرے عمل کے خلوص میں

فرق آئے۔ بعد ازاں شعیب علیہ السلام نے پوچھا کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے بتایا میں موسیٰ بن عمران بن قاہٹ بن لاوی بن یعقوب ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔ بچوں کا قتل کیا جانا آپ کو دریا میں ڈال دینا اور دایہ کا طلب کرنا۔ آپ کا اپنی والدہ کے پاس پرورش پانا قبیلہ کا ان کے ہاتھوں قتل ہونا اور فرعونوں کا آپ کا تلاش کرنا۔ تمام واقعہ سننے کے بعد شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

”خوف نہ کرو ظالموں سے تمہیں نجات مل سکتی ہے۔“ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾

یعنی ہمارے علاقہ پر فرعون اور اس کے لشکر کا ان شاء اللہ تسلط نہیں چلے گا یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ فرعون اپنے لاکھوں لشکریوں کے ہوتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرنے کے باوجود صرف آٹھ دن کی مسافت پر تلاش نہ کر سکا۔

شعیب علیہ السلام کو بیٹی کا مشورہ:

قَالَتْ اِحْدُهُمَا يَا بَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنْ عَمِدَ مِنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيَّ ﴿۶﴾ (سورۃ القصص 20:6)

بے شک بہتر تو کرو وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔“

چونکہ شعیب کی بیٹی موسیٰ علیہ السلام کی بہادری کو دیکھ چکی تھی کہ دس آدمیوں کے نکالنے والے ڈول کو آپ نے اکیلے ہی نکال لیا اور بھاری پتھر کو اکیلے ہی کنویں کے منہ سے ہٹا دیا اور آپ کے تقویٰ کو بھی دیکھ تھیں کیونکہ ان سے سوال کرنے میں آپ کی نگاہیں نیچے تھیں اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی یہی کہا کہ تم پیچھے پیچھے چلو۔ میں آگے چلتا ہوں تم مجھے پیچھے سے راہ بتلائی آنا۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اگر میں پیچھے چلا تو میری نگاہ اس پر پڑے گی۔

خیال رہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہو رہا تھا۔ یہ کہنا کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی جوان بیٹی کو اکیلے ہی ایک اجنبی کو بلانے کے لئے بھیج دیا تھا درست نہیں۔ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَعَلَّهٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ كَانَ قَدْ عَلِمَ بِالْوَحٰی طَهَارَتَهَا فَكَانَ یُعْتَمِدُ عَلَیْهَا“

ہوا کہ آپ اپنی بیٹی کو بھیج کر اس شخص کو بلائیں آپ کی بیٹی پاک دامن تمام عیوب سے پاک اور با اعتماد ہے۔“

اور جس کو بلانے کے لئے جارہی ہے وہ بھی تو میرا پیارا صاحب کمال نبی ہے۔ شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے موسیٰ علیہ السلام کے دو کمال ذکر کئے۔ قوت اور امانت یعنی آپ قوی (بہادر) اور امین (صاحب تقویٰ) ہیں۔ حالانکہ دو اور وصف جب تک نہ پائے جائیں اس وقت تک انسان کامل انسان نہیں ہوتا۔ وہ ہیں فطانت اور زیرک ہونا۔ لیکن یہ دونوں وصف امانت میں موجود

ہیں کیونکہ کامل امانت انسان میں فطانت اور عقل مندی کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔ ❶

سبحان اللہ! شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا انتخاب کیا خوب تھا؟ کہ بہادر ہونا جو کافروں کے ساتھ جنگ بھی کر سکے اور صاحب تقویٰ عقلمند اور سمجھ دار ہونا ہی انسان بنانا ہے۔ اور پھر یہ انتخاب بھی مشورہ کی حد تک تھا۔ عرض باپ سے ہی کیا کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ ہمارے باپ نے اپنی شریعت کے مطابق کسی شخص کو اپنے پاس رکھ کر اس سے بطور مہر خدمت لے کر ہمارا نکاح اس سے کرنا ہے۔

آج کی لڑکیاں اس سے سبق حاصل کریں جو والدین کی مرضی کے بغیر سبز باغ دکھانے والے لڑکوں کو پسند کر کے والدین کو عمر بھر کا روگ لگا کر از خود ہی ان کے پاس چلی جاتی ہیں لیکن ایسی لڑکیاں سو فیصد ناکام رہتی ہیں۔ چند دنوں کے بعد انہیں ذلت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

شعیب علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو شادی کی پیشکش:

”کہا میں چاہتا ہوں اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو پھر اگر پورے دس دس کر لو تو تمہاری طرف سے ہے۔ اور میں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرے درمیان اقرار ہو چکا ہے میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں۔ ہمارے اس قول پر اللہ کا ذمہ ہے۔“

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنِكَحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَبَبًا فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

(سورۃ القصص 20:6)

شعیب علیہ السلام کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ لہذا آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بیٹی کا نکاح اس نیک شخص سے کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے مشورہ لیا کہ اگر تمہارا نکاح ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے کر دیا جائے تو کیا تم مہر کے بدلے آٹھ سال تک ہماری خدمت کر سکو گے؟ یعنی آٹھ سال تو تم پر واجب ہوں گے مزید دو سال خدمت کرنا مستحب ہوگا وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کر لیا اور عرض کیا کہ ان دو مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر لوں مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس طرح دونوں کے درمیان معاہدہ طے ہو جانے کے بعد نکاح ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے مہر ادا کرنے کے لئے آپ کے گھر بحیثیت داماد خدمت کرنی شروع کر دی۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام

تفسیر کبیر علامہ رازی رحمہ اللہ ج 24 ص 214 دار الفکر بیروت

کو بکریوں کو ہانکنے اور انہیں درختوں کے پتے جھاڑ کر کھلانے کے لئے ایک عصاد یا جو سا گوان کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جو آدم علیہ السلام ساتھ لائے تھے اور پھر انبیائے کرام سے نخل ہوتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آگیا یہی عصاد بعد میں آپ کا معجزہ بن گیا۔ ❶

مدت کی تکمیل کے بعد مصر واپسی:

”پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی میعاد پوری کر لی اور بی بی کو لے چلے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنے گھر والی سے کہا: تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک طرف آگ نظر پڑی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لئے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں تاکہ تم تا پو۔ پھر جب آگ کے پاس آئے ندا کی گئی: میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا أَلَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُّؤْمِنُوا بِي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾

(سورة القصص 6:20)

درخت سے کہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ رب ہوں سارے جہاں کا۔“

حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ سال اور دس سال خدمت کرنے کے متعلق کہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ اس کے متعلق امام بخاری اور دوسرے کئی حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو آپ نے جواب دیا: ”قَضَىٰ أَكْثَرُ وَأَطِيعُهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِذَا قَالَ فَعَلْتُ“ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اکثر مدت یعنی دس سال مکمل خدمت کی تھی (کیونکہ آٹھ سال تو واجب تھے اور اوپر دو سال مستحب تھے جو پاکیزہ اور زیادہ ثواب کا ذریعہ تھے اس لئے آپ نے زیادہ ثواب والی مدت کو بھی یقیناً پورا کیا۔) اور اللہ تعالیٰ کا رسول جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ ❷

دس سال جب آپ نے خدمت کے مکمل کر لئے تو آپ نے شعیب علیہ السلام سے مصر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی والدہ اور اپنے بھائی سے ملاقات کریں اور یہ خیال کیا کہ قبلی کے قتل کو بھی کافی عرصہ گزر چکا ہے اب معاملہ کچھ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا ایک سواری اور کچھ بکریاں بھی ساتھ تھیں۔ مختصر سامان سفر ضروریات کے لئے ساتھ لیا اور شام کے بادشاہوں کے خطرہ کے پیش نظر آپ نے عام راستہ کو چھوڑ کر ایک اور صحرائی راستہ اختیار کیا راستہ بھی بھول گئے۔ آپ کی بکریاں وغیرہ بھی متفرق ہو گئیں۔ پانی وغیرہ بھی پاس نہیں تھا۔ طور

کی غربی جانب وادی طوی میں جب آپ پہنچے تو جمعہ کی رات کو جو بہت زیادہ سرد تھی آپ کے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ آپ نے طور کی بائیں جانب راستہ میں آگ دیکھی تو اپنی زوجہ کو کہا:

”تم یہاں ہی ٹھہرو کہ میں وہاں سے آگ کی چنگاری لے آؤں یا وہاں سے آگ سلگا کر لاؤں تاکہ تم آگ تاپ سکو اور سردی کم محسوس ہو۔“

خیال رہے کہ قرآن پاک میں جذوة (چنگاری) قیس (شعلہ) اور شہاب (چمک شعلہ) کے لفظ استعمال ہیں یعنی میں چنگاری لے آؤں یا شعلہ لے آؤں یعنی کوئی ایسی چیز وہاں سے سلگا کر لے آؤں یا وہاں کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے یہ راہ معلوم کر لوں۔

آپ ﷺ جب آئے تو دیکھا کہ آگ آہستہ آہستہ شعلے مار رہی ہے۔ جب قریب آئے تو آگ نے شدت اختیار کر لی۔ بہت بڑی شعلے مارنے والی آگ نظر آئی عجیب منظر یہ تھا کہ آگ ایک درخت سے نکل رہی تھی آگ جتنی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح درخت کے پتے بھی زیادہ سبز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ اسی سوچ میں کچھ دیر تک گم رہے آگ کی شدت کہاں اور درخت کے پتوں کا سبز ہونا کہاں؟ کافی دیر سوچنے کے بعد اگرچہ ذہن نے کوئی فیصلہ نہ کیا تاہم خیال کیا کہ آگ سلگا کر لے جاؤں جب آپ ارادہ کرتے ہیں کہ آگ سلگاؤں تو آگ دور ہو جاتی ہے پھر سوچ میں گم ہو جاتے ہیں۔ ❶

تنبیہ: آگ کی چار قسمیں ہیں:

- ❶ ایک وہ جو کھاتی ہے پتی نہیں یہ ہے ”دنیا کی آگ۔“
 - ❷ دوسری وہ جو کھاتی ہے اور پتی بھی ہے وہ ہے ”معدہ کی آگ۔“
 - ❸ تیسری وہ جو کھاتی بھی نہیں اور پتی بھی نہیں یہ وہ آگ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی۔
 - ❹ چوتھی وہ آگ ہے جو پتی ہے کھاتی نہیں۔ یہ وہ آگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے کیا:
- الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتَعَمُ مِنْهُ ۖ جَسَ ۚ لَكُم مِّنْهُ نَارٌ كَمَا كُنْتُمْ تَنَارُونَ ۚ (سورہ یسین 4:23)
- تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔“

یعنی عرب کے علاقوں میں دو درخت ہوتے ہیں جو وہاں جنگلوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ایک کا نام ”مرخ“ اور دوسرے کا نام ”عقار“ ہے ان کی خاصیت یہ ہے کہ جب ان کی سبز شاخیں کاٹ کر ایک دوسرے پر گرڑی جائیں تو ان سے آگ نکلتی ہے باوجودیکہ وہ اتنے تر ہوتے ہیں کہ ان سے پانی ٹپکتا ہے۔ اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کی کتنی عظیم

نشانیاں ہیں کہ آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ایک اور لحاظ پر بھی آگ کی چار قسمیں ہیں:

- ① ایک وہ آگ جس میں روشنی تو تھی لیکن جلانے کی تاثیر نہیں تھی یہ وہ آگ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی تھی۔
 - ② دوسری وہ جس میں جلانے کی طاقت تو ہوگی لیکن اس میں روشنی نہیں ہوگی۔ یہ ”جہنم کی آگ“ ہے۔
 - ③ تیسری وہ آگ ہی جس میں روشنی بھی پائی جاتی ہے اور جلانے کی طاقت بھی اسے حاصل ہے یہ ”دنیا کی آگ“ ہے۔
 - ④ چوتھی قسم یہ ہے کہ اس میں روشنی بھی نہیں اور جلانے کی تاثیر بھی نہیں جو آگ درخت میں رکھی گئی ہے۔ جب ان کی شاخوں کو نہر گڑیں اس وقت تک ان میں آگ تو ہوتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی۔ ①
- موسیٰ علیہ السلام آگ کے عجیب منظر سے سوچ میں گم تھے کہ آپ کو آواز دی گئی:

يٰمُوسٰى اِنِّى اَنَارْتُكَ فَاَخْلَعُ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِاَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ (سورة طہ 10:16) طوی ﴿﴾
 انا رڈال بے شک تو پاک جنگل ”طوی“ میں ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے فضل و کرم سے یہ علم دے دیا کہ آپ نے آواز کو سن کر سمجھ لیا۔ یقین کر لیا کہ یہ میرے رب کی آواز ہی ہے۔ یہ آپ کا معجزہ ہے رب تعالیٰ کی آواز کسی مکان سے نہیں آرہی تھی وہ مکان سے پاک ہے اس کی آواز کی کیفیت کو بھی نہیں بیان کیا جاسکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت سے آسمانوں کی طرف اٹھنے والے نور کو دیکھا اور اس میں فرشتوں کی تسبیحات کو سنا اور آپ کو جب یہ آواز دی گئی تو آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا: لبتک میں تیری خدمت میں حاضر ہوں میں تیری آواز تو سن رہا ہوں تجھے دیکھ نہیں رہا تو کہاں ہے؟ رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی:

اِنَّا مَعَكَ وَاَمَامَكَ وَخَلْفَكَ وَمُحِيطٌ بِكَ وَاَقْرَبُ إِلَيْكَ ”میں تمہارے پاس ہوں تمہارے سامنے ہوں تمہارے پیچھے ہوں تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہوں اور تم سے بھی تمہارے زیادہ قریب ہوں۔“

آپ نے تمام دوسوسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی آواز کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے پیچھے سے اور اپنے دائیں طرف سے اور اپنی بائیں طرف سے ایسے ہی سن رہا ہوں جیسے سامنے سے سن رہا ہوں۔

”فَعَلِمْتُ اَنَّهُ لَمْ يَسْ بِكَلَامِ الْمَخْلُوقِينَ“
 ”مجھے یقین ہو گیا یہ کلام مخلوق میں سے کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”فَاَخْلَعُ نَعْلَيْكَ“ آپ اپنے جوتے اتار دو۔ ایک تو اس کا مشہور و معروف مطلب یہ ہے کہ آپ پاکیزہ جگہ آگئے ہیں جہاں میری تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے اور میں تم سے ہم کلام ہوں اسلئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے جوتے اتار دو۔ ایک اور وجہ جوتے

اتارنے کی یہ بھی تھی:

”اِنَّمَا اُمِرَ بِخُلْعِهِمَا لِيَنَالَ قَدَمَيْهِ بَرَكَةُ الْوَادِي وَهَذَا قَوْلُ الْحُسَيْنِ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُجَاهِدٍ“^①
 جو تے اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ آپ کے قدموں کو اس سرزمین کی برکت حاصل ہو جائے۔“

اور وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خواب میں جو تادیکھنے سے مراد زوجہ اور اولاد لیا جاتا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ آپ اپنے دل میں زوجہ اور بچے کا خیال نہ رکھوان کی طرف مشغول نہ ہو بلکہ خالص توجہ میری ذات کبریائی کی طرف ہو۔ اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کو چھوڑ دو گویا کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کلی طور پر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اپنے دل کو مستغرق کر دو۔^②

رب تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام کو ارشادات:

”اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے بے شک میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ بے شک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔“

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٦﴾ اِنِّىٓ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۚ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىٓ ﴿١٧﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اَتَمَّةٌ اَكَّادٌ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿١٨﴾ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنۢ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاَتَّبَعَ هَوٰهٗ فَتَرْدٰی ﴿١٩﴾

(سورۃ طہ 16:10)

رب تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ میں نے اپنی رسالت و نبوت کے لیے تمہیں تمام لوگوں اور تمہاری قوم سے چن لیا ہے اس لئے اب میں تمہیں وحی کرنے لگا ہوں تم کامل توجہ سے سننا۔ رب تعالیٰ کے اس حکم کو سنتے ہی آپ ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور ایک پتھر سے سہارا لگا لیا۔ اپنے دائیں ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اپنی ٹھوڑی کو اپنے سینے سے لگایا اور کامل طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

فائدہ: حضرت وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”أَدَبُ الْإِسْتِمَاعِ سُكُونُ الْجَوَارِحِ وَغَضُّ الْبَصَرِ وَالْإِصْفَاءُ“ ”سننے کے آداب یہ ہیں کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو حرکت بالسمع وحضور العقل والعزم على العمل وذلك هو“ ”سننے سے باز رکھے نظر نیچے رکھے یعنی ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ الاستماع لما يحب الله تعالى“ ①

کلام کرنے والے کی طرف ہی صرف متوجہ ہو اور مکمل طور پر کان لگا کر سننے اور عقل کو حاضر رکھے اور پھر کام کرنے کا مصمم ارادہ رکھے بس یہی وہ سننا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔“

فائدہ: اسی انداز و آداب پر سبق سننے والے طلباء اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کامیاب ہو جاتے ہیں ورنہ ایک ہی کلاس میں بیٹھے ہوئے ذہین اور زیرک طلباء محروم ہو جاتے ہیں۔ کم ذہن والے برتری لے جاتے ہیں۔ شرارتی قسم کے طلباء استاذ کے ادب سے محروم چوہدر اہٹ کے طلبکار حضرات کی قسمت میں محرومیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی وحدانیت کا ذکر فرمایا کیونکہ اس کی ذات و صفات پر ایمان لانا اصل الاصول (سب اصولوں کی اصل) ہے پھر اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا پھر نماز کا حکم دیا کہ یہ میری یاد کا ذریعہ ہے پھر قیامت کا ذکر فرمایا کیونکہ جسے یہ یقین ہوگا کہ قیامت آتی ہے اور نیکیوں اور برائیوں کا حساب بھی ہوتا ہے۔ وہی شخص ایمان لائے گا اور عبادت بھی کرے گا اور حرمت سے اجتناب بھی کرے گا پھر قیامت کو غفی رکھنے کا ذکر فرمایا اس لئے کہ اگر وقت بتا دیا جاتا تو لوگ کہتے ابھی قیامت دور ہے دوسرے مقام پر قیامت کے قریب ہونے کا ذکر کہ اخروی لازوال زندگی کے مقابل یقیناً قیامت قریب ہی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا ہونا:

”اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰ علیہ السلام! عرض کی: یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے چھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔ فرمایا: اسے ڈال دے اے موسیٰ علیہ السلام! تو موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ جیسی دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا اور فرمایا: اسے اٹھالے اور ڈر نہیں اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سفید لکے بغیر کسی مرض کے۔ ایک اور نشانی کہ ہم تمہیں بری بڑی نشانیاں دکھائیں۔“

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى ۖ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاهْتَمُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلَئِنْ فِيهَا مَا رُبُّ الْاُخْرَى ۖ قَالَ اَلَيْهَا يَا مُوسَى ۖ فَاَلْقَهَا فَاِذَا هِيَ حَبَّةٌ تَسْفَى ۖ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۚ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْاُولَى ۖ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَغْضًا مِّنْ غَمْرٍ سُوِّ اَيَّةِ الْاُخْرَى ۖ لِنُرِيكَ مِنْ اٰيَاتِنَا الْكُبْرَى ۝

(سورۃ طہ 16: 10)

”وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ“ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تِلْكَ اشارہ ہے عصا کی طرف اور بِيَمِينِكَ سے مراد آپ کا ہاتھ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا دونوں کی طرف تو ہر ایک کو غالب معجزہ اور روشن دلیل بنا دیا۔ جمادیت (بے جان) سے مقام کرامت تک پہنچا دیا۔

جب رب تعالیٰ کی ایک نظر سے جماد حیوان بن گیا اور کثیف جسم نورانی اور لطیف بن گیا تو کون سی تعجب والی بات ہے کہ گنہگار مسلمانوں کے مردہ دلوں کو عبادت کی وجہ سے سعادت اور نور معرفت حاصل ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اپنی نظر رحمت سے نوازتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی برکت کی وجہ سے جب عصا اڑ دیا بن گیا اور آپ علیہ السلام کا عظیم معجزہ بن گیا تو کون سا مقام تعجب ہے؟ کہ مومن کا دل معصیت سے نکل کر نور معرفت کی طرف منتقل ہو جائے؟ جبکہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے۔ ”قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اصْبَعَيْنِ مِنَ اصْبَاحِ الرَّحْمَنِ“

رب تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ جب جواب دیں گے کہ یہ عصا ہے تو پھر اڑ دیا بنے پر آپ کو کوئی خوف نہیں ہوگا کہ یہ تو وہی عصا ہے جو ابھی میں نے پھینکا تھا۔ ❶

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا گیا کہ رب تعالیٰ نے آپ سے کیا فرمایا اور آپ نے کیا عرض کیا؟ لیکن بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا اسے یوں ذکر کیا ”فَاَوْحَىٰ اِلَىٰ عَبْدِهِ مَا اَوْحَىٰ“ وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ اس کی تفصیل نہیں بیان فرمائی:

”وَالَّذِي ذَكَرْتَهُ مَعَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم كَانَ سِرًّا لَمْ يَسْتَاہِلْ لَہٗ اَحَدٌ“ جو باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئیں وہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز کی باتیں تھیں مخلوق سے کوئی اس کا اہل ہی نہیں تھا کہ اسے بتایا جاتا۔“

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو قیامت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور سلام سے عزت و تکریم بخشے گا رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ”سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحْمَةٍ“ ان پر سلام ہوگا مہربان کا فرمایا ہوا۔ ❷

موسیٰ علیہ السلام نے سوال کے جواب میں فرمایا: ”ہِيَ عَصَايَ“ یہ میرا عصا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام بھی کر رہے ہیں لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہونے کا مقام حاصل نہ ہوا کیونکہ آپ کو اپنے عصا کا علم ہے کہ یہ میرا عصا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرنے کا باوجود ان کی توجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہیں۔ ”مَا زَاغَ الْبَصَرُ“

وَمَا طَغَىٰ "آنکھ نہ کسی کی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔ آپ انوار تجلیات باری تعالیٰ میں ایسے محو تھے کہ کسی اور طرف آنکھ پھرتی ہی نہ تھی بلکہ جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کہا گیا ہے "اِمْدُحْنَا" ہماری مدح کیجئے! تو آپ نے عرض کیا: لَا اُخْصِي ثَنَاءَ عَلَیْكَ میں تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد آپ رب تعالیٰ کی ثناء اور اپنے آپ کو بھی بھول گئے اور عرض کیا: "اَنْتَ كَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِكَ" اے اللہ! تیری وہی تعریف ہے جو تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو جب زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن گیا قرآن پاک میں اس کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں: "حیة" جان، "تعبان" چھوٹا سانپ ہو یا بڑا اند کر ہو یا مونث سب کو حیة کہا جاتا ہے لیکن "تعبان" بہت بڑے جسم والے سانپ کو کہا جاتا ہے اور "جان" باریک سانپ کو کہتے ہیں۔ تینوں الفاظ کا ایک ہی سانپ پر استعمال اس طرح ہے کہ جب آپ علیہ السلام عصا کو پھینکتے تو ابتدائی طور پر وہ باریک سانپ بن جاتا پھر آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا اور بڑا اڑدہا بن جاتا۔ یا صورت یہ تھی کہ وہ جسم کے لحاظ پر تو بہت بڑا سانپ یعنی اڑدہا بن جاتا لیکن دوڑا اور پھرتی میں باریک سانپ کی طرح ہوتا۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کا جواب صرف اتنا کافی تھا کہ یہ میرا عصا ہے لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے سلسلہ کلام بڑھاتے ہوئے از روئے محبت کے بات کو لمبا کیا اور کہا: میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اس سے پتے جھاڑ کر اپنی بکریوں کو کھلاتا ہوں اور بھی اس سے میں منافع حاصل کرتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ عطا ہوا کہ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ اڑدہا بن جاتا ہے اور جب اسے پکڑتے ہیں تو وہ پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ کر عصا بن جاتا ہے۔ دوسرا معجزہ آپ کو یہ عطا ہوا کہ آپ کو اپنے دائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے بازو سے لگاتے اور پھر باہر نکالتے تو وہ سفید چمکدار ہو جاتا جو نظروں پر چھا جاتا حالانکہ آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔

فرعون کو تبلیغ کا حکم:

اِنْعَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰ (سورۃ طہ 16:10) "فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش بن گیا ہے۔"

رب تعالیٰ نے جب آپ کو رسالت و نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تو حکم دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جاؤ اسے میری وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دو وہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے میرے حقوق کا انکار کر چکا ہے۔ میری ربوبیت کا منکر ہے۔ اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں اس سے غافل ہوں، قسم ہے مجھے اپنی عزت کی اگر میں نے بندوں کو مہلت نہ دے رکھی ہوتی تو وہ میری گرفت میں کب کا آچکا ہوتا۔ اور میرے غضب کی وجہ سے زمین و آسمان پہاڑ دریا وغیرہ سب چیزیں اس پر غضب

میں ہوتیں۔ اب اس پر میری گرفت کا وقت آچکا ہے۔ تم اسے بتاؤ کہ اللہ ایک ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں تو اپنے رب ہونے سے توبہ کر لے اگر وہ راہ راست پر آگیا تو بہتر ورنہ اسے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

”عرض کی اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول
دے۔ اور میرے لئے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان
کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں۔ اور میرے لئے میرے
گھر والوں سے ایک وزیر کر دے۔ وہ کون؟ میرا بھائی ہارون
اس سے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک
کر کہ ہم کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا
(سورة طہ 16:11)

ذکر کریں۔ بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تیری مانگ تجھے عطا ہوئی۔“

وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ فرعون نے آپ کو ایک مرتبہ اٹھایا ہوا تھا آپ نے اس کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچ لیا چونکہ وہ اپنی
داڑھی میں لعل و جواہر سجا کر رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کی داڑھی کو کھینچنے کی وجہ سے غصہ میں اس نے آپ کو تھپڑ مار دیا اور
کہا کہ یہ ہی میرا دشمن ہے ایک تلوار والے شخص کو بلا کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تو اس کی زوجہ آسیہ جو موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتی تھی کہنے
لگی: یہ بچہ ہے اس نے تو تمہارے جواہر دیکھ کر کھینچ لیا ہے۔ اسے ابھی یا قوت اور آگ کے انگاروں میں تیز کرنے کی صلاحیت
بھی حاصل نہیں۔ فرعون نے کہا ٹھیک ہے دیکھتے ہیں کہ یہ سمجھ دار ہے یا نہیں۔ دہکتی آگ کے انگارے اور یا قوت آپ کے
سامنے رکھ دیئے آپ نے اپنا ہاتھ یا قوت کی طرف بڑھانا چاہا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے ہاتھ کو آگ کے انگاروں کی
طرف بڑھا دیا۔ جب آپ کو آگ گرم لگی تو آپ نے وہ چنگاری منہ میں ڈال لی جس سے آپ کی زبان کچھ جل گئی اور لکنت پیدا
ہو گئی۔ اب اسی کے زوال کی دعا کی تاکہ لوگ میری بات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے بھائی کی معاونت کی
درخواست کی کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔

لیکن خیال رہے کہ دعا کرتے وقت یہ ہی حالت تھی کہ ہارون علیہ السلام کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی وہ کلام صاف
کرتے تھے اور ان کا انداز بیان فصیح ہوا کرتا ان کی بات آسانی سے سمجھ لیتے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی زبان کو سمجھنے میں لوگوں کو مشکل
درپیش آتی جب آپ نے دعا کی اور رب تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر یہ مژدہ سنا دیا۔ ”قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى“ اے موسیٰ

علیہم السلام تمہاری مانگ تمہیں دے دی گئی۔ تو آپ کی زبان مکمل صحیح ہو گئی۔ آپ علیہم السلام کو ہارون علیہ السلام سے زیادہ فصاحت حاصل ہو گئی لیکن آپ نے دعائیں حضرت ہارون علیہ السلام کی جو معاونت طلب کی تھی وہ بھی قبول ہو گئی یعنی رب تعالیٰ نے آپ کی زبان کو درست فرما کر مزید احسان فرماتے ہوئے آپ کو ہارون علیہ السلام کی معاونت بھی عطا فرمادی۔

”وَالْعَاصِلُ أَنْ مَا اسْتَعْدِلَ بِهِ عَلَى بَقَاءِ عُنُقِهِ مَا فِي لِسَانِهِ“ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دلائل پیش کرنا کہ ”آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو مکمل نہیں کھولا گیا تھا گرہ باقی رہی جس کی وجہ سے کچھ لکنت باقی رہی“ درست نہیں۔“
(روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 9 ص 183)

فائدہ: ”وزیر“ مشتق ہے وِزْر سے جس کا معنی ہے بوجھ اٹھانا۔ وزیر کا معنی ہوا بوجھ اٹھانے والا لیکن افسوس کہ ہمارے زمانے کے وزراء قوم کا بوجھ اٹھانے کی بجائے قوم پر بوجھ بن کر بیٹھے ہیں۔ قومی خزانہ کو لوٹ کر کھا چکے ہیں۔ کھربوں روپے پاکستان پر قرض ان وزراء کی شاہ خرچیوں اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے لازم آ رہا ہے۔ شرعی اصولوں کو چھوڑ کر مغربی جمہوریت کی رٹ لگانا بیہودگی ہے۔

دونوں بھائیوں کو حکم دیا:

”اور میں نے مخصوص کر لیا ہے اپنی ذات کے لئے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لیکر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“
(سورۃ طہ 11:16)

دونوں بھائیوں کو فرعون سے نرم کلام کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری سخت گفتگو سے طیش میں آ کر تمہارے لئے مصیبت نہ بن جائے۔ اور تمہاری وجہ سے جو دوسروں کو تعلیم حاصل ہونی ہے اس کا مقصد بھی نہ فوت ہو جائے۔ ہر مبلغ کے لئے اس میں رہنمائی ہے۔ مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔

”مَنْ قَالَ الْقَوْلَ الْكَلِيمَ لَا خَشْيَةَ فِيهِ فَإِنَّهُ كَانَ“ ”میں کہتا ہوں کہ لین یہ ہے کہ اس میں نرمی ہو کوئی سختی نہ ہو“
جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ فرعون سے نرم کلام کریں تو دوسروں کو زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی نرم کلام کریں۔“

لَعَلَّہٗ میں لعل کے معنی میں جو امیدور جاء ہے اس کا تعلق ذات باری سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام سے

ہے یعنی تم اس امید پر پوری کوشش کرنا کہ شاید وہ ہدایت قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ ❶

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا:

”فرعون نے کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے بچپن میں نہیں پالا؟ اور تم نے ہمارے ہاں اپنی عمر کے کئی برس نہیں گزارے؟ اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم نا شکرے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے وہ کام کیا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی تو میں تمہارے ہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا۔ اور یہ کوئی نعمت ہے جس کا تو مجھے احسان جاتا ہے حالانکہ تو نے غلام بنا کر رکھے

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْمَا وَلَدْنَا وَكَبَدْنَا فِیْمَا مِنْ عَمْرِكَ سِیِّئًا ۚ وَفَعَلْتَ فَعَلْتِكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ ۚ قَالَ فَعَلْتُهَا اِنَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ ۚ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۚ وَبِذَلِكَ نِعْمَ تَمَّتْهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَدْتُ بُنِیَّ اِسْرَءِیْلَ ۚ

(سورۃ شعراء: 19: 6)

ہیں بنی اسرائیل۔“

موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبلی کو مکا مارا تھا جس سے وہ مر گیا اور آپ مدین چلے گئے یا اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ زیادہ مناسب یہی قول نظر آتا ہے کیونکہ آپ دس سال شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اس طرح چالیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام کا اعلان نبوت چالیس سال کی عمر میں ہی ہوتا رہا۔ فرعون نے کہا: ہم نے تمہیں بچپن میں پالا اور اتنی عمر تک ہمارے پاس رہے تو ہماری نعمتیں کھاتے رہے لیکن تم نے ان نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور ہمارے ایک آدمی کو بھی مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: قتل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا صرف اس شخص کو ادب سکھانا مقصود تھا لیکن وہ بے ارادہ قتل ہو گیا۔ اس کی ناگہانی موت پر مجھے مجرم بھی نہیں ٹھہرایا جاسکتا تھا اور نہ ہی مجھے شہر کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت تھی لیکن جب تم نے غلط فیصلہ کر دیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کا حکم دے دیا تو میں اپنی جان کے خوف سے شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

”ضالین کا معنی ہے غافل ہونا یعنی میں نے یہ کام غفلت میں کیا۔ یہ بات میرے علم میں بھی نہ تھی کہ وہ ایک کئے سے ہی مر جائے گا۔ میں نے مکا سے ادب سکھانے کے لئے مارا تھا قتل کرنے کیلئے نہیں مارا تھا۔“

”فَعَلْتُهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّیْنَ وَالْمُرَادُ بِذَلِكَ الدَّاهِلِیْنَ عَنْ مَعْرِفَةِ مَا یُؤْوِلُ الْاِلٰهُ مِنَ الْقَتْلِ لِاِنَّهُ فَعَلَ الْوَسْوَۃَ عَلٰی وَجْهِ التَّأْدِیْبِ“ ❷

دن بھر مشقت کے کام لئے جاتے اور ان سے ہر طرح کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے اپنے دو بندوں کو روانہ فرمایا مصری لوگ سورج دیوتا کو ”الہ اکبر“ (بڑا خدا) یقین کرتے تھے اور مصر کے فراعنہ (تمام فرعون) اپنے آپ کو اس سورج دیوتا کا ”اوتار“ کہتے تھے۔ اسی طرح مصریوں کے مذہبی عقیدے کا سہارا لے کر انہوں نے اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رکھی تھیں۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے آپ کو رب (سورج دیوتا) کا مظہر سمجھتا اور..... ”اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى“ ہونے کی ڈینگیں مارتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

”إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ“ اے فرعون! ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں۔ تو وہ چونکا اور بڑبڑایا ہیں! میرا بھی کوئی رب ہے؟ سب مصریوں کا میں رب ہوں! میرا کوئی رب نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ (علیہ السلام) غلط کہہ رہا ہے۔“

اس نے پوچھا: ذرا اس رب کی حقیقت بتاؤ جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ایک فقرہ کہا اور کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیا فرمایا: ”میرے پروردگار وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفہ حیات اور مقصد تخلیق بحسن و خوبی ادا کر سکے پھر اسے اتنی سوجھ بوجھ بھی عطا کر دی کہ وہ صحیح طور پر ان قوتوں سے کام لے سکے پرندوں کو پر بخشنے اور پھر انہیں اڑانے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھا دیا۔ مچھلی کو ایسا جسم دیا کہ وہ گہرے دریاؤں اور طوفانی سمندروں میں تیر سکے اور ساتھ اس نے تیرنے کا ڈھنگ بھی بتایا۔ گوشت خورد درندوں کے پنجے اور دانت بنائے کہ وہ اپنا شکار پکڑ سکیں۔ اونٹ کی قامت کو بلند کیا تو اس کی گردن بھی لمبی بنادی تاکہ اونچے درختوں کے پتے بھی کھا سکے اور نیچے زمین سے گردن جھکا کر پانی پی سکے۔ صحراؤں میں جہاں پانی کی سطح بہت نیچی ہوتی ہے وہاں جو درخت اگائے ان کی جڑیں اتنی لمبی بنادیں کہ وہ زمین کی تہہ سے اپنی خوراک حاصل کر سکیں۔ ہر خطہ زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات کو وہاں کے مخصوص موسمی تقاضوں کے مطابق لباس بھی دیا اور رزق بھی۔ پھر اس گلشن ہستی کے گل سرسبز اور بزم حیات کے صدر نشین حضرت انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کی عظمت کا یقین ہو جائے گا۔

علامہ زمخشری ”أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ صُورَتَهُ وَشَكْلَهُ الَّذِي يُطَابِقُ الْمَنْفَعَةَ“ ”یعنی ہر چیز کو ایسی شکل و صورت بخشی جو ان فوائد اور منافع کے لئے موزوں و مناسب ہے جن کے لئے اس کی تخلیق ہوئی۔“

اور ”ثُمَّ هَدَى“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أَيُّ عَرَفَ كَيْفَ يَرْتَفِقُ بِمَا أَعْطَى وَكَيْفَ يَتَوَصَّلُ إِلَيْهِ“ ”یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے۔“

(تفسیر کشاف بحوالہ فیاء القرآن ج 3 ص 115)

”قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ“ فرعون نے کہا اور سارے جہان کا رب کیا ہے؟ یعنی جس رب العالمین کا تم اپنے آپ کو رسول کہتے ہو وہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت بیان کرنا انسانی طاقت سے ماوراء ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسا حکمت بھرا جواب دیا جسے وہ بھی سمجھنے کی کوشش کرتا تو سمجھ جاتا۔

قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُوتَ مُوقِنِينَ ﴿٦﴾ ”موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں یقین ہو۔“ (سورۃ شعراء 6:19)

یعنی اگر تم اشیاء کو دلیل سے جاننے کی صلاحیت رکھتے ہو تو ان چیزوں کی پیدائش ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی کافی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ”ایقان“ اس علم کو کہتے ہیں جو استدلال سے حاصل ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان میں ”موقن“ نہیں کہا جاتا۔

”فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا کیا تم غور سے سنتے نہیں؟“ (سورۃ شعراء 6:19)

اس کے گرد اس وقت اس کی قوم کے بڑے بڑے سردار تھے وہ لوگ پانچ سو کی تعداد میں زرق برق لباس سے آراستہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے فرعون نے کہا: کیا تم غور سے موسیٰ (علیہ السلام) کی بات نہیں سنتے ہو؟ یہ کہتا ہے زمین و آسمان کو بھی پیدا کرنے والا ہے حالانکہ زمین و آسمان قدیم ہیں۔ انہیں تو کسی نے نہیں پیدا کیا ان کے لئے رب تعالیٰ کی کیا حاجت ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر دلیل بدل دی۔ ایسی چیزوں کا ذکر کیا جن کے حادث ہونے یعنی پہلے نہ ہونے پھر فنا ہونے کا وہ بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٨﴾ ”آپ نے کہا: وہ تمہارا رب تعالیٰ ہے اور تمہارے اگلے آباء (اجداد) کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور عقل نہیں رکھتے۔“ (سورۃ شعراء 6:19)

فرعون اپنے سوا کسی کو معبود نہ سمجھتا تھا؟ ظن کے طور پر کہا: یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے یعنی یہ خود جو رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ عقل سے دور ہیں کیونکہ فرعون اس شخص کو عقل سے دور سمجھتا تھا جو اسے معبود نہیں مانتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی گفتگو انسان اس وقت کرتا ہے جب دلائل سے عاجز آجائے لیکن نبی کی عظمت کو دیکھئے! آپ علیہ السلام اپنے دلائل پھر بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کو مجنون دیا نہ کہ رہا ہے لیکن آپ رب تعالیٰ کی ربوبیت کو اپنے دلائل سے بیان فرما رہے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُوتَ تَعْلُونَ ﴿٩﴾ ”آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں عقل ہو۔“ (سورۃ شعراء 6:19)

مشرق سے سورج کو ہر روز طلوع کرنا، مغرب میں غروب کرنا اور سال میں ہر موسم ہر بہار کا اپنے وقت پہ آنا، بارشیں برسانا، ہواؤں کا چلانا۔ یہ سب کچھ اس کے نظام قدرت میں ہے۔ کاش کہ تمہیں بھی کچھ سمجھ آ جائے۔ فرعون نے آپ کو (معاذ اللہ) صراحتاً مجنون کہہ کر اپنی حماقت کا ثبوت دیا لیکن آپ نے حکمت آمیز جملہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں عقل ہو یعنی رب تعالیٰ کی قدرت اس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہ کرنا تمہاری حماقت پر دلالت کر رہا ہے۔ ❶

فرعون کی دھمکی:

”فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا ٹھہرایا تو
قَالَ لَئِنْ اتَّخَذْتُ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُورِينَ ﴿١٩﴾
(سورۃ شعراء 6:19)
میں ضرور قید کروں گا۔“

فرعون کی قید قتل سے بھی بدتر تھی اس کا جیل خانہ تنگ و تاریک عیسق (گہرا) گڑھا تھا۔ اس میں اکیلا ڈال دیتا تھا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کچھ نظر آتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں معجزات لے کر آیا ہوں:

”کہا: میں اگر چہ تمہارے پاس کوئی روشن چیز لاؤں؟“
قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٢٠﴾ (سورۃ شعراء 6:19)
یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری نبوت پر دلالت کر رہے ہیں کیا تو میری حقانیت کے ظاہر

ہونے پر بھی مجھے قید میں بھیجے گا؟

”فرعون نے کہا: تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا
قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٢١﴾ فَأَلْقٰی عَصَاهُ فَإِنَّا هِيَ
ڈال دیا جیسی وہ صریح (ظاہر) اڑدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو
تُعْبَأَنَّ مُبِیِّنٍ ﴿٢٢﴾ وَنَزَعْنَا مِنْهُ لَبِءًا لِّلْظٰلِمِیْنَ ﴿٢٣﴾
جیسی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔“
(سورۃ شعراء 6:19)

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ بہت بڑا اڑدہا بن گیا رنگ اس کا زرد تھا اس کے جسم پر بال تھے منہ کھولا ہوا تھا۔ اس کے دونوں جڑوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور ایک میل تک بلند ہو گیا۔ اس نے اپنا نیچے والا جڑ زمین پر رکھا اور پر والا فرعون کے محل کی دیواروں پر فرعون کی طرف متوجہ ہوا تاکہ اسے پکڑے۔ فرعون نے تخت سے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کی ہوا خارج ہونے لگی۔
بعض روایات میں ہے کہ اس کی چار سو مرتبہ اس دن ہوا نکلی اور مرتے دم تک اسی وجہ سے پیٹ کی بیماری میں مبتلا

تفسیر خزائن العرفان: سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ پ 19 سورۃ شعراء

رہا اسی حال میں غرق ہو گیا۔ جب اڑدہا نے لوگوں کی طرف رخ کیا تو لوگ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنا شروع ہوئے۔ اس بھگدڑ کی وجہ سے پچیس ہزار آدمی ایک دوسرے پر گر کر مر گئے۔ فرعون نے چلانا شروع کیا اور کہنے لگا: اے موسیٰ علیہ السلام اس کو پکڑو میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب پکڑا تو وہ پھر اپنے حال پر لوٹ آیا یعنی عصا بن گیا۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا ایک معجزہ دکھا دیا تو فرعون نے کہا کیا اور بھی تم نشانی لائے ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں آپ نے اپنے ہاتھ کو بغل میں لے کر باہر نکالا تو وہ سورج ک شعاعوں کی طرح چمکنے لگا۔

وَنَزَعْنَاهُ فَاِذَا هِيَ بِمُضَاءٍ لِلنُّجُومِ ۚ قَالَ لِلْمَلَأِ حَوْلَهُ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿١٩﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو جیسی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔ فرعون نے اپنے گرد (بیٹھے ہوئے) سرداروں سے کہا کہ بے شک یہ دانا جادوگر ہیں۔“ (سورة شعراء 19:6)

فرعون نے جب اپنے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں کو کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں تو انہوں نے بھی فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بطور مشاورت کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔

”فرعون کی قوم کے سردار بولے: یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے۔ (فرعون نے اپنے قوم کے سرداروں کو کہا) چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے جادو کے زور سے تب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ وہ بولے انہیں اور ان کے بھائی کو ٹھہرائے رہو اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیجو کہ وہ تیرے پاس بڑے دانا جادوگروں کو لے آئیں۔“

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠﴾ يُّسَبِّحُ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ۚ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا لَرَجْءٌ وَّ اَعْمَٰهٌ وَاُبْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ خَبِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ يَبْتَغُوْكَ بِكُلِّ سَعَةٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

(سورة شعراء 19:7)

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کے لئے کہا:

”فرعون نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہوئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو؟ اے موسیٰ (علیہ السلام): تو ضرور ہم بھی تیرے آگے ویسا ہی جادو لائیں گے تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم

قَالَ اَجْتَعَنَّا لِنُعْرِجَكَ مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰى ۚ كَلٰٓئِذَا يَمِيْنُكَ بِسِحْرِ مِّثْلِهِ ۚ فَاَجْعَلْ لِّمِثْنَا مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٢٤﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُخًى ﴿٢٥﴾

بدلیں گے نہ تم۔ (جہاں مقابلہ ہو گا وہ) ہموار جگہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔“

(سورۃ طہ 12:16)

فرعون نے کہا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو؟ ہم بھی اپنے جادوگر بلاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے لہذا تم ہمارے ساتھ ایک دن اور ایک جگہ مقرر کر لو تا کہ اس دن جو ہموار میدان ہو اس میں نشیب و فراز نہ ہوتا کہ سب لوگ یہ مقابلہ دیکھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے تم اپنے میلے کا دن مقرر کر لو اس لئے کہ تمہارے تمام لوگ اس دن فارغ ہو کر ایک جگہ عیش و عشرت کے لئے جمع ہوتے ہیں اس طرح تمام لوگ اس مقابلہ کو آسانی سے دیکھ سکیں گے اور تمام لوگوں کو دن چڑھے جمع ہونا چاہیے۔

جادوگروں کا آنا:

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿١٩﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَذَا يَوْمُ مَجْتَمِعُونَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّبِعُونَ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٢٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَمَّا لَآجِرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٢١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٢٢﴾ (سورۃ شعراء 7:19)

”تو جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا تم جمع ہو گے شاید ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں اگر یہ غالب آجائیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم غالب آئے اس نے کہا ہاں اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے۔“

جادوگر میلے کے دن آ گئے لوگوں کو بھی کہہ دیا گیا کہ سب لوگ ضرور جمع ہونا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ ہمارے جادوگر ہی غالب آئیں گے ہم ان کے دین پر قائم رہیں گے۔ اگرچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دین پر آنا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن لوگوں کو مائل کرنے کے لئے انداز ایسا رکھا کہ جس کلام میں شک ہو کہ شاید ہم ان جادوگروں کی ہی تابعداری کریں گے اگر یہ غالب آ گئے۔ جادوگر جب فرعون کے دربار میں آئے تو انہوں نے شاہی دربار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں بہت معاوضہ ملے گا جو بادشاہ کی شان کے لائق ہو؟ فرعون نے کہا: ہاں! میں تمہیں اپنا مقرب بنالوں گا۔ بادشاہ جن کو اپنا قریبی بنا لیتے ہیں ان پر قوی خزانوں کا منہ کھول دیا جاتا ہے وہ انعام کا سن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کی جادوگروں کو تبلیغ:

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيٰٓهٰٓؤُلَآءِ لَا تَقْعُرُوْا عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتْكُمْ ۚ اِنَّ سَعٰى مَّوْسٰى نَعٰى خَرَابٰى ۚ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۚ پَر جھوٹ نہ

بِعَذَابٍ وَكَذَّ حَبَابٍ مِّنْ افْتَرَى ﴿١٦﴾ فَنَنَازَعُوا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ
وَاسْتَرْسَلُوا السَّجُودِ ﴿١٧﴾ قَالُوا اِنْ هَذَا اَنْ لِّسِحْرَيْنِ يُمِرُّنَا اَنْ
يُخْرِجَكُم مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقِكُمْ
الْمُغْلٰى ﴿١٨﴾ فَاَجْمِعُوا كُھْدَكُمْ ثُمَّ امْتُوا صَفًا وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ
مَنْ اسْتَعْلٰى ﴿١٩﴾

(سورۃ طہ 12:16)
تمہارا اچھا دین لے جائیں تو اپنے داؤ کو پکا کر لو (تمام میلے
میں مل کر جمع کر لو) پھر سب صف باندھے آ جاؤ آج وہی کامیاب ہوگا جو اس مقابلہ میں کامیاب رہا۔“

یہاں سے یہ بیان کیا جا رہا ہے فرعون نے جب جادو گروں کو جمع کر لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے ہونے پر کیا
کہا؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ”قَالَ لَهُمْ بِطَرِيقِ النَّصِيبَةِ“ آپ نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی
نشانیوں دکھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں تم یہ کہتے ہو کہ میں جادو کر رہا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ
باندھتا ہے اس سے تو تمہاری بربادی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب سے تباہ کر دے گا۔ جس عذاب کو ٹالنے کی تمہیں کوئی قدرت
حاصل نہیں ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت پر.....

”فَنَنَازَعُوا اَبٰی السَّحَرٰٓءُ حِمْنًا سَمِعُوْا كَلٰمَهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ كَانَ ذٰلِكَ غَاظَهُمْ فَنَنَازَعُوْا“

یعنی آپ کے کلام کو سن کر جادو گر غیظ و غضب میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے اور بحث کرنے لگے کہ کیسے
اسے جواب دیا جائے؟ اور یہ مشورہ ان کا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے چھپ کر تھا کہ وہ اس پر واقف نہ ہو جائیں۔ آخر کار
ان کو اسی پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں جادو گر ہیں یہ تو ہمیں اس زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان سے سر توڑ مقابلہ کرنا چاہیے
اپنے اپنے داؤ اس کے سامنے لا کر اسے عاجز کرنا چاہیے کامیابی پر ہمیں غلبہ حاصل ہوگا۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا مقابلہ:

قَالُوا يٰمُوسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقٰى وَاِمَّا اَنْ تَكُوْنَ نَحْنُ الْمُلٰٓئِیْنَ ﴿٢٠﴾ ”انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ (اپنا عصا) ڈالیں یا
ہم (اپنی رسیاں اور لٹھیاں) ڈالنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام
نے کہا: تم ڈالو جب انہوں نے ڈالالوگوں کی نگاہوں پر جادو
فَاَسْحَرُوْهُمۡ ۚ ﴿٢١﴾

(سورہ اعراف 4:9)

کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے انہیں تبلیغ کی کہ تم غلط راہ پر ہو اپنی بربادی نہ تلاش کرو لیکن جادوگر جب باز نہ آئے مقابلہ پر ہی ان کا اتفاق ہوا اور انہوں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کو کہ اب ذرا سامنے آ جاؤ یا پہلے تم اپنا عصا ڈالو یا ہم اپنی رسیاں اور لاثھیاں ڈالتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ نے انہیں کہا کہ ٹھیک ہے پہلے تم ہی ڈالو۔

دائے ہیں۔ جب کوئی ایسا رویت نہ کرے تو اس پر اس کی اجازت نہیں تھی بلکہ ان کی ضد پر انہیں پہلے اپنی یاد رہے کہ جادو گروں کو موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا: ”پہلے تم ڈالو“ یہ جادو کی اجازت نہیں تھی بلکہ ان کی ضد پر انہیں پہلے اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈالنے کی اجازت دی۔ ذکر کردہ بحث سے وہ اعتراض مندرج ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جادو کرنے کی اجازت دی حالانکہ جادو کرنا کفر ہے۔ کفر کی اجازت دینا بھی کفر ہے تو آپ نے کیسے اجازت دی؟ اس کا جواب واضح ہو چکا کہ آپ علیہ السلام نے انہیں جادو سے روکا اور یہ بتایا کہ یہ باعث عذاب ہے لیکن جب وہ جادو کرنے پر بضد تھے تو آپ نے کہا: ٹھیک ہے اگر اپنے کفر کی وجہ سے میرے معجزے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کر لو تا کہ حق اور باطل میں فرق واضح ہو جائے۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر اثر کر دیا کہ وہ صحیح دیکھنے سمجھنے کے قابل نہ رہے۔

”لَوْ كَانَ السِّحْرُ حَقًّا لَكَانُوا أَقْدُ سِحْرًا وَقُلُوبُهُمْ لَا أَعْمَهُمْ“
 ”اگر جادو حق ہوتا یعنی اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ ذکر کیا جاتا
 کہ ان کے دلوں پر جادو کر دیا یہ نہ کہا جاتا کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔“

بعض روایت میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے رسیوں اور لائٹیوں پر پارہ چڑھا دیا تھا، پھر دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے ان میں حرکت پیدا ہو گئی، لوگوں نے سمجھا کہ یہ اپنے اختیار سے حرکت کر رہی ہیں، ان کی حرکت دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈرانے لگے کہ بچ جاؤ! یہ تو سانپ بن گئے ہیں کیونکہ کثیر مقدار میں خود جادو کرتے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کتنی لائٹیاں اور رسیاں تھیں۔ اس طرح اس میدان میں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے گئے۔ ❶

الْأَعْلَى ﴿١٦﴾ (سورة طہ 12:16)

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسٰى ﴿١٦﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

”تو اپنے نفس میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف پایا“ ہم نے فرمایا: ڈر

نہیں بے شک تو ہی غالب ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو بلا خوف و خطر تبلیغ فرمائی کہ بے شک تم اپنے جادو گروں کو بلا لوتو ڈرنے کا مطلب کیا ہو

.....

”قَدْ عَلِمَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُمْ لَا يَصِلُونَ إِلَيْهِ وَأَنَّ اللَّهَ نَاصِرٌ“

“—”

آپ کو ڈر کس چیز کا محسوس ہوا؟ آپ کو ڈر اس چیز کا محسوس ہوا۔

”أَلَمْ يَخَفْ أَنْ تَدْخُلَ عَلَى السَّمِیْمِ فَبُهِمَ بِرُؤُفِهِ“ کہ لوگ کہیں جادو گروں کے جادو کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ فَمَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ سَادُوا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَشَعَهُ ذَٰلِكَ عَلَيْهِمُ ”لوگ بھی موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہی ہے لوگوں پر کہیں جادو اور معجزہ میں فرق کرنا مشکل نہ ہو جائے۔ جو اصل مقصد ہے کہ

لوگوں پر معجزہ کا غلبہ واضح ہو جائے وہ فوت نہ ہو جائے پس صرف اسی بات کا خوف تھا۔“

رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام ڈریئے نہیں! بے شک آپ کو ہی غلبہ حاصل ہو گا یعنی جادو گر خود ہی اپنی شکست کا جب اعتراف کر لیں گے اور آپ کی حقانیت تسلیم کر لیں گی تو مقصد پورا ہو جائے گا۔ ❶

”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نکلنے لگا“ تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹے اور جادو گر سجدے میں گرادیئے گئے بولے ایمان لائے جہاں کے رب امَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿١٠﴾

پر جو رب ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا۔“ (سورہ اعراف 4:9)

وحی کرنے سے مراد حقیقی وحی بھی ہو سکتی ہے اور الہام بھی یعنی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے دل میں القاء کر دیا گیا ہو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں وہ ان کے جادو سے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گا جب آپ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا اڑدھا بن گیا۔ اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے منہ کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا اور اس نے ان کی تمام رسیوں اور لائٹھیوں کو نگل لیا حالانکہ وہ تین سوا دنوں پر لا ذکر لائے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا ہو گیا۔ جادو گروں کی رسیاں اور لائٹھیاں معدوم ہو گئیں یعنی ایسے باقی نہ رہیں جیسے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

بعض جادو گروں نے دوسرے جادو گروں کو کہا کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا کیونکہ جادو میں ایک چیز کی حقیقت نہیں بدلتی صرف دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر اثر ہوتا ہے۔ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور لائٹھیوں کو نہ نگل لیتا:

”فَلْيَسْتَلْزَمُوا بِهٖ عَلَى أَنَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِیٌّ صَادِقٌ مِّنْ“ اس سے انہوں نے دلیل پکڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی ❷ ”تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔“

واضح ہوا کہ علم کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے جادو کا علم میں کامل درجہ رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی انتہاء کہاں ہے؟ جب وہ اپنے فن کا اعلیٰ درجے کا علم رکھتے تھے تو.....

”وَجَدُوا مُعْجَزَةً مُّوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِجَةً عَنْ حَدِّ السَّحَرِ“
 ”انہیں معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو کی حد سے خارج
 ہے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ
 معجزات سے ہے انسانی ہناوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“
 البَشَرِيَّةُ

اگر وہ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ نہ رکھتے ہوتے تو معجزہ اور جادو میں فرق نہ کر پاتے بلکہ کہتے کہ وہ شخص جادو کے
 علم میں ہم سے زیادہ ہے اس لئے ہم اس سے عاجز آ گئے ہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جادو کے علم میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اسی کامل علم کی
 وجہ سے وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہوئے۔

”فَإِنَّا كُنَّا حَالُ عِلْمِ السَّحَرِ كَذَلِكَ فَمَا ظَنُّكَ بِكَمَالِ حَالِ“
 ”جب جادو کے علم سے ان کو اتنا فائدہ حاصل ہو گیا تو اے
 انسان! ذرا غور کر کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہو تو
 الْإِنْسَانُ فِي عِلْمِ التَّوْحِيدِ“
 اس میں کتنا ہی کمال ہو گا؟“

جب جادو گروں پر موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کھل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے بے اختیار سجدہ میں
 گر گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا کی ہے کہ ہمیں پتہ چل گیا یہ معجزہ ہے جادو نہیں پھر انہوں نے کہا: رب العالمین پر ہمارا
 ایمان ہے۔

خیال رہے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ایمان کمال اسی وقت ہوتا ہے۔ جب
 نبی پر ایمان لائے کیونکہ نبی پر ایمان لانے سے تمام ایمانیات پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے اسی لئے انہوں نے پھر کہا کہ ہمارا
 ایمان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب تعالیٰ پر ہے یعنی انہیں اسی نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

جادو گروں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کہا:
 قَالُوا يَمْوَسَّىٰ إِنَّمَا أَنْ تُلْقِي وَرَمًا أَنْ تَكُونَ نَحْنُ الْمُلْعِنُونَ ○ ”اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالنے والے ہیں۔“
 انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور اپنا ذکر بعد میں کیا:

”إِنَّ الْقَوْمَ رَاعُوا حُسْنَ الْأَدَبِ حَيْثُ قَدَّمُوا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ“
 ”بے شک جادو گر قوم نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کر کے آپ
 السَّلَامُ فِي الذِّكْرِ وَقَالَ أَهْلُ التَّصَوُّفِ أَنَّهُمْ لَمَّا رَاعُوا الْأَدَبَ“
 کے ادب و احترام کی اچھے طریقے سے پاسداری کی صوفیائے

لَا جُرْمَ لَكُمْ بِاللَّهِ تَعَالَى الْإِيمَانُ بِهِ رُكَّةٌ رَعَايَةُ هَذَا كَرَامُ نَبِيِّكُمْ فِي دِينِهِ: کہ اسی ادب و احترام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ❶

سبحان اللہ! کیا شان ہے انبیائے کرام کی کہ ان کے ادب و احترام سے کافروں کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گستاخی کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے والے بھی مردود ہو جاتے ہیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اس زمانے میں جادوگر کثیر تعداد میں تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا اور ان کو عاجز کر دیا۔ تمام انبیائے کرام کو ان کے زمانے کے مطابق معجزات عطا کئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (حکمت) کا زور تھا۔ آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطاء ہوئے کہ تمام اطباء (حکماء) ان سے عاجز رہے کیونکہ آپ کو مردوں کا زندہ کرنا، مادرزاد اندھے کو نظر عطا کرنا، برص والے کو درست کرنے کے معجزات عطاء ہوئے جو کسی طبیب کی طاقت میں یہ نہ تھا کہ ایسا کر سکے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فصاحت کا زور تھا، بڑے بڑے شعراء ایک ایک طرح مصرعہ پر قصائد لکھ دیتے تھے لیکن آپ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جو آپ کا عظیم معجزہ ہے تو وہ تمام عاجز آ گئے۔ کسی ایک کو جرأت نہ ہو سکی کہ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورۃ کا مقابلہ کر سکے جبکہ قرآن پاک نے انہیں بار بار چیلنج بھی کیا۔ ❷

نتیجہ حاصل ہوا:

فرعون..... جو خدائی کا دعویدار تھا، کہتا تھا: ”أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى“ میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں..... اس کے متعلق تمام لوگوں کو پتہ چل گیا کہ وہ ذلیل، عاجز، گھٹیا انسان ہے۔
”وَلَمَّا احْتَكَمَ إِلَىٰ الْإِسْمَاعِيلَ بِالْشَّرْكِ فِي نَجْمِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ“۔ ”وَرَنَدَ وَهُوَ مُوسَىٰ كَيْ دَفَاعٍ فِي جَادُوْغُرُوْصِ كِي اِمْدَادِ طَلَبِ نَهْ كَرْتَا۔“
اگر خدا ہوتا تو خود ہی صرف ”کن“ سے کام تمام کر دیتا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جادوگر کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتے، اگر وہ کسی چیز کی حقیقت کو بدل سکتے تو فرعون کو یہ نہ کہتے کہ ”اگر ہم غالب آ گئے تو کیا تو ہمیں اجرت دے گا؟“ بلکہ وہ خود ہی مٹی سے سونا بنا لیتے، بلکہ وہ اپنے جادو کے ذریعے فرعون کی بادشاہی پر قبضہ کر لیتے یا کسی اور ملک کی بادشاہی حاصل کر کے بہت بڑے رئیس بن جاتے۔ انسانوں کو ان آیات سے متنبہ کیا گیا کہ تم باطل اور جھوٹے اقوال اور شعبدہ بازی کے افعال سے فریب نہ کھا جانا، بلکہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔ ❸

تفسیر کبیر، امام غزالی رحمہ اللہ ج 13، ص 200

❶ تفسیر کبیر، امام غزالی رحمہ اللہ ج 13، ص 202

❷ تفسیر کبیر، امام غزالی رحمہ اللہ ج 13، ص 201

فرعون کی جادو گروں کو دھمکی:

قَالَ فِرْعَوْنُ اَمْنَعُم بِمِ قَبْلَ اَنْ اَذْنَ لَكُمْ اِنْ هَذَا لَمَكْرٌ
مَكْرَتُمُوهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لَعُغْرُجُوْا مِنْهَا اَهْلُهَا فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٩﴾ لَا قَطْعَنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ
لَا صَلْبَتُكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٠﴾

”فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ
میں تمہیں اجازت دیتا یہ تو بڑا مکر ہے جو تم سب نے شہر میں
پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے
قسم ہے کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف
کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا۔“

(سورہ اعراف 9: 4)

جب فرعون نے دیکھا کہ جادو گروں نے تمام مخلوق کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کر لیا ہے اسے خوف ہوا کہ
تمام لوگ آپ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اس نے دو قسم کے شبہات ڈال کر قوم کو ایمان لانے سے منع کرنے کی کوشش کی۔ ایک تو
اس نے یہ کہا: کہ ان لوگوں کا ایمان لانا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی حقانیت کو دیکھا ہے بلکہ انہوں نے پہلے
سے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز کر رکھی تھی کہ ہم تمہاری نبوت کا اقرار کر لیں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر تم پر
ایمان لائیں گے۔

دوسری بات اس نے یہ کہی کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور جادو گروں کا اتفاقی مشورہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے شہروں سے باہر
نکال دیں اور خود اس ملک پر قابض ہو جائیں۔ وطن سے لوگوں کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے وہ ان لوگوں کو ایمان سے
دور رکھنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ اس کے دونوں شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن قوم بھی تو بے سمجھ ہی تھی۔ ❶

نومسلموں کا فرعون کو جواب:

قَالُوا لَنْ تُؤَدِّرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَهِتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا
فَاتَّقِ مَا آتَتْ قَاصِدَاتُنَا تَقْضِيْنَ هَٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١١﴾ اِنَّا
اَمَّا بِرَبِّنَا لِنُفَرِّقَنَّ اَوْ عَظَمْنَا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ
وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَهْلٰى ﴿١٢﴾ اِنَّهُ مِّنْ يَّأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ
لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّمْسِمْ مِّمَّا قَدْ عَمِلَ
الصَّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَہُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿١٤﴾ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرٰى
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَاؤُا مَّنْ تَزَكٰى ﴿١٥﴾

”انہوں نے کہا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دیں گے ان روشن
دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں۔ ہمیں اپنے پیدا کرنے
والے کی قسم تو کر لے جو تجھے کرتا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی
میں تو کرے گا۔ بیشک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لائے کہ
ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو
پر۔ اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا
ہے۔ بے شک جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور مجرم ہو کر آئے تو

(سورۃ طہ 12:16)

ضرور اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے اور نہ جیئے اور جو

اس کے حضور ایمان کیساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں انہی کے درجے اونچے بننے کے باغ جن کے نیچے جاری نہریں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ صلہ اس کا ہے جو پاک ہوا۔“

فرعون کی دھمکی کو انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں رد کر دیا اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ انہیں کامل یقین اور مکمل بصیرت حاصل ہو چکی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں۔ انہوں نے فرعون کو کہا کہ تمہارے فیصلہ کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے جو فانی ہے اور ہمارا مطلوب اخروی زندگی کی سعادت جو باقی رہنے والی سعادت تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں۔

فَالْوَاِثِنَاۗ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا تَنْفَعُ مِنَّا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَ تَنْبٰۤیْہَا اَفْرِغْ عَلٰیہَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمٰیۡنَ ﴿۱۷﴾
”انہوں نے کہا: ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا یہی نہ کہ ہم اپنے رب کی طرف نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے!“

ہم پر صبر اٹھیل دے (ہمیں صبر عطا کر) اور ہمیں مسلمان اٹھا۔“

انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم مرعوب ہونے والے ڈرنے والے نہیں کیونکہ ہم تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنے والے یعنی اس پر ایمان لانے والے ہیں۔ اے بے عقل! خدائی کے دعوے دار؟ تو کس چیز کو برا سمجھ رہا ہے؟ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آگئیں ہم ان کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بس یہی چیز تجھے ناپسند آئی۔ پھر انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ! اگرچہ تو نے ہمیں سیدھی راہ پر قائم کر دیا اور فرعون کی دھمکیوں کے مقابل صبر عطا کر دیا ہے لیکن یہ نعمت ہمارے پاس قائم اسی وقت رہ سکتی ہے جب تیرا فضل ہمیں شامل حال رہے۔ انہوں نے عرض کیا: ”رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلٰیہَا صَبْرًا“ اے ہمارے رب ہمیں کامل صبر عطا کر۔

”اِفْسَاحُ الْاِنْسَانِ“ اس وقت کہا جاتا ہے جب برتن اٹھیل کر اس میں موجود چیز کو کامل طریقہ سے بہا دیا جائے گویا انہوں نے کامل صبر طلب کیا کہ اللہ صبر ہم پر اٹھیل دے۔ اور لفظ ”صبرا“ نکرہ ذکر کیا جس میں تنوین تعظیم پر دلالت کر رہی ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عظیم صبر کی دعا کی۔ ان کی دعا کو رب تعالیٰ نے قبول فرمایا اور انہیں وہ عظیم صبر عطاء فرمایا جس کی بدولت انہیں شہادت جیسا عظیم مرتبہ نصیب ہوا۔

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَقَالَ ذٰلِکَ وَکُطِعَ اَبْرَہِمَہُمَا وَارْجُلُہُمَا مِنْ جِلْدٍ وَهٰذَا هُوَ الْاَظْہَرُ مَبَکْفَۃً مِنْہُ فِی تَحْذِیْرِ الْقَوْمِ عَنْ قَبُوْلِہِیْنِ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ“
”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر دکھایا جادوگر جنہوں نے ایمان قبول کر لیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور انہیں شہید کروا دیا۔ یہی قول

زیادہ صحیح ہے کیونکہ فرعون نے اپنا رعب جما نے اور قوم کو موسیٰ علیہ السلام کا دین قبول کرنے سے روکنے اور ڈرانے میں مبالغہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا۔“

قوم کے سرداروں کا فرعون کو ڈرانا:

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اتَّخَذَ مُوسَىٰ وَكُوفُهُ لِنَفْسِهِ ذَا فِی الْأَرْضِ وَیَذِّکَ وَالْهِنَکَ طَالَ سَبَقُتِلْ أَبْنَاءُ هُمُ وَتَسْتَحِیٰ یَسَاءَ هُمْ وَآنَا فَوْقَهُمْ فَرِیُّونَ ﴿٥﴾ (سورہ اعراف 5)

”اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ

دیں۔ فرعون نے کہا: ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں زعمہ رکھیں گے اور بیشک ان پر غالب ہیں۔“

موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے مقابلہ کرانے کے بعد فرعون نے آپ علیہ السلام کو کچھ نہ کہا نہ گرفتار کیا اور نہ ہی اور کسی قسم کی سزا دی بلکہ آپ کو آزاد چھوڑ دیا۔

”وَاعْلَمُوا أَنَّ فِرْعَوْنَ كَانَ مُكَلِّمًا رَّأٰی مُوسٰی خَافَهُ اَشَدَّ الْخَوْفِ“

”یقین کیجئے! بیشک فرعون نے جب بھی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اس پر آپ کا شدید رعب طاری ہوا وہ آپ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ علیہ السلام کا راستہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔“

فرعون کی قوم کے سرداروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون تو موسیٰ علیہ السلام سے ڈرتے ہوئے آپ کو آزاد رکھے ہوئے ہے، انہوں نے کہا: کہ اگر تم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو اسی طرح آزادی دیئے رکھی کہ وہ اپنی تبلیغ کرتے رہے تو تمہیں اور تمہارے خداؤں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔

ایک قول زجاج کا یہ بھی ہے: ”اَیْکُونُ مِنْکَ اَنْ تَذَرَ مُوسٰی وَاَنْ یَذِّکَ مُوسٰی“ ”تم نے اگر موسیٰ (علیہ السلام) کو اس طرح آزادی دیئے رکھی اس کا راستہ کھلا چھوڑے رکھا تو موسیٰ علیہ السلام تم سے اور تمہارے معبودوں سے دور رہے گا۔“

خیال رہے کہ فرعون اگرچہ خود بھی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا لیکن اس نے لوگوں کو بتوں کی عبادت کی اجازت دے رکھی تھی یہی مفہوم ہے ”الہنک“ کا کہ تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں گے۔

”قَالَ اِنَّ فِرْعَوْنَ كَانَ قَدْ وَضَعَ لِقَوْمِهِ اَصْنَامًا صَفَارًا وَاَمْرَهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَقَالَ اَنَا رَبُّکُمْ الْاَعْلٰی وَدَبَّ هٰذَا الْاَصْنَامِ“

”کہا گیا کہ فرعون نے اپنی قوم کے لئے چھوٹے چھوٹے بت بنائے تھے وہ انہیں بتوں کی عبادت کا حکم دیتا تھا اور کہتا تھا میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں اور ان بتوں کا بھی میں رب

ہوں حضرت حسن علیہ السلام کا قول ہے کہ فرعون خود بھی بتوں کی عبادت کرتا تھا قوم کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قید کر لیا جائے اور سخت ترین سزا دی جائے۔“

”فَعِنْدَ هَذَا لَمْ يَذْكُرْ فِرْعَوْنُ مَا هُوَ حَقِيقَةُ الْعَالِ وَهُوَ كَوْنُهُ“ ”قوم کے اس مطالبہ پر فرعون نے حقیقت حال کو ان پر واضح نہ کیا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام سے شدید خوف لاحق ہو چکا ہے۔“

البتہ یہ کہنے لگا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر ادیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معاون مرد نہیں رہیں گے اور ان کی قوم کی نسل ختم ہو جائے گی۔ یہ کام کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں کیونکہ ان پر ہمیں غلبہ حاصل ہے۔ ❶

بنی اسرائیل کا ڈرنا اور موسیٰ علیہ السلام کا تسلی دینا:

”موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے اور آخر میدان پر ہیزگاروں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ستائے گئے ہیں۔ آپ کے آنے سے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: قریب ہے کہ تمہارا رب دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ زمین کا مالک تمہیں بنائے پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو۔“

قوم نے جب سنا کہ فرعون نے ہمارے بچوں کو ذبح کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے تو بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ ان پر بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہوئی کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمیں آپ کی تشریف لانے سے پہلے ستایا گیا، جزیہ ہم سے وصول کیا گیا اور ہر مشکل کام اور ہر حقیر کام ہم سے لیا جاتا رہا، کسی قسم کی نعمت آسائش ہم تک نہیں پہنچنے دی گئی۔ ہمارے بچوں کو ذبح کر لیا گیا، ہماری لڑکیوں کو زندہ چھوڑا گیا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے کیا اب بھی ہمیں پہلے کی طرح ہی ستایا جائے گا؟ یاد رہے کہ ان کا یہ سوال حقیقت حال جاننے کے لئے تھا، کوئی اعتراض نہ تھا اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ناراضگی کا اظہار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے دو چیزوں کا حکم دیا، اور دو چیزوں کی بشارت دی۔ آپ علیہ السلام نے ایک حکم یہ دیا۔

”استعينوا بالله“ اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور دوسرا حکم آپ نے یہ دیا ”واصبروا“ صبر کرو۔ پہلے آپ نے انہیں

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 13 ص 210-211

اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور جہاں میں مدبر (تمام امور کی تدبیر فرمانے والا) نہیں تو اس کا سینہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے کھل جاتا ہے۔ اور اس پر تمام قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا مشاہدہ کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام قسم کی مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دو بشارتیں دیں ان میں ایک یہ ہے:

”بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے
إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
(سورہ اعراف 5:9)
چاہے مالک بنائے۔“

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ تسلی دیتے ہوئے یہ خوشخبری دی کہ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا اور تمہیں اس زمین کا مالک بنا دے گا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدے پر ایمان رکھتے ہوئے خوش ہو جائیں اور فرعون کی دھمکیوں کے خطرہ کو دل سے نکال دیں۔ دوسری بشارت آپ علیہ السلام نے یہ دی: وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ اور آخر میدان پر ہیزگاروں کے ہاتھ ہے۔“

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے کتنا پیارا ترجمہ فرمایا اس کی تفسیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”فَعَمِلَ الْمُرَادُ أَمْرًا آخِرَةً فَقَطُّ وَقِيلَ الْمُرَادُ أَمْرًا دُنْيَا فَقَطُّ“
”بعض حضرات نے کہا اس سے مراد صرف آخرت کی کامیابی ہے یعنی متقین کا آخر میں انجام اچھا ہوگا“ بعضوں نے کہا مراد اس سے صرف دنیا کی کامیابی و کامرانی اور دشمن پر ان کو امداد
الْأَمْرَيْنِ
حاصل ہونا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد دین اور دنیا کی کامیابی ہے۔“

زیادہ بہتر یہ آخری معنی ہے کیونکہ ”لِلْمُتَّقِينَ“ کی تفسیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ كُلَّ مَنْ اتَّقَى اللَّهَ تَعَالَى وَخَافَهُ فَالِلَّهِ“
”اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور خوف رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں امداد فرماتا ہے۔“
یعنی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا میدان پر ہیزگار لوگوں کو ہی حاصل رہے گا۔

فرعون کی قوم کا مشورہ:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اتَّبِعُوا آلِهَتَكُمُ الَّذِينَ آمَنُوا ”پھر جب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق

تفسیر کبیر امام محمد غزالی رحمہ اللہ ج 13 ص 212

مَعَهُ وَاسْتَعْمُوا بَسَاءَهُمْ طَوَّامَكُمُ الْكَافِرِينَ الْآفِي ضَلَلٌ ﴿٢٤﴾ ہمارے ہاں سے انہوں نے کہا: قتل کر ڈالو! ان لوگوں کے

بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی

(سورہ مؤمن 8:24)

لڑکیوں کو اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مکر رائیگاں۔“

جب موسیٰ علیہ السلام دین حق لے کر ان کے پاس آئے اور اپنی صداقت اور اپنے دین کی حقانیت کو براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا تو وہ لوگ دلائل و براہین کے میدان میں زچ ہو گئے اور جھوٹے الزامات پر اثر آئے اور بہتان تراشی کا شیوہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی بات نہ بنی تو تشدد پر اتر آئے۔ یہ فیصلہ کیا بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے بچے مار ڈالے جائیں لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کی عددی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ کسی طرح ہمارے لئے خطرہ کا باعث بنے گی لیکن ان کی یہ سازش ناکام ہو گئی۔ کیا پیارے الفاظ ہیں: ”وَمَا كُنْزُ الْكَافِرِينَ الْآفِي ضَلَلٌ“ یعنی انہوں نے یہ منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کو کمزور کرنے کے لئے اور آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لئے سوچا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال سیدھی راہ سے بہک گئی اس لئے مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ ❶

فرعون کا شیخی مارنا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِرُؤُسِي أَتَعْلَمُ مُوسَىٰ وَلِكَيْدُهُ رَبِّي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٥﴾ ”اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کے لئے) مجھے

اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے
ملک میں۔“

(سورہ مؤمن 8:24)

فرعون شیخی بگھارتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اعیان مملکت! اگر مجھے کچھ نہ کہو میں چشم زدن میں موسیٰ علیہ السلام کا کام تمام کر دوں۔ مجھے تو تمہاری رائے کا پاس ہے اور میں اسے کچھ نہیں کہتا گویا کہ موسیٰ علیہ السلام پر امرائے حکومت کی پاسداری کی وجہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا گیا حالانکہ فرعون دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے زیادتی کی تو کہیں موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا اڑ دھا بن کر اسے نکل نہ جائے اپنی رعایا کو اپنی پالیسی کے بارے میں مطمئن کرنے کے لئے فرعون نے دو خطروں کو ذکر کیا۔

پہلی بات تو یہ بتائی کہ اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ کی تو یہ تمہارے عقائد کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔ دوسری یہ بات ہے کہ اب تو تم بڑے امن و سکون اور خیر و عافیت سے زندگی بسر کر رہے ہو نہ بیرونی حملے کا خطرہ ہے اور نہ اندرون ملک کوئی شور برپا کر سکتا ہے اور اگر بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں کو پذیرائی حاصل ہو گئی تو یاد رکھو بغاوت

تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ج 4 ص 301 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پسماندہ اور مفلوک الحال لوگ تمہاری بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملک بھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ عقلمندی اور دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابھرتے ہوئے خطرہ کا آج ہی مکمل طور پر انسداد کر دیا جائے۔

حقیقت میں اس کی ذات اور اس کا تخت شاہی خطرے سے دوچار تھا۔ وہ صرف مصریوں کا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کا خدا بھی تھا اس نے سوچا اگر موسیٰ (علیہ السلام) اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو لوگ اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیں گے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کو قبول کریں گے۔ نیز اس ظلم و ستم کی پھر اس حاکم قوم کو اجازت نہ ہوگی۔

در اصل دعوت موسوی سے اس کی ذات کو خطرہ لاحق تھا۔ عصائے موسوی کی ہیبت سے اس کا تخت کانپ اٹھا تھا وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اپنی قوم کو رضا مند کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کی ذات اور اس کا اقتدار سلامت رہے لیکن ایک چالاک اور شاطر سیاست دان کی طرح ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ اقدامات قوم کے مذہب کی سلامتی اور ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ صد ہا سال پہلے فرعون نے جو چال چلی۔ ”فرعونی سیاست کا پیروکار“ آج بھی آواز بلند کرتا ہے اور اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان عقل کے اندھوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خامیوں کی اصلاح کر لیں جو روستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ قانون کی فرمانروائی بحال کریں، اللہ وہ لٹھ لے کر ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کو فساد کی اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٤﴾
 تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (سورہ مؤمن 24:8)

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپ گھبرائے نہیں پریشان نہیں ہوئے بلکہ آپ کی زبان سے وہی جملہ نکلا جو موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ رسول کے شایان شان تھا فرمایا: مجھے اکیلا نہ سمجھو مجھے اس رب ذوالجلال کی پناہ اور حمایت حاصل ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ تم لاکھ اس کی بندگی کا رشتہ توڑنا چاہو تم فرعون کو اپنا خدا سمجھتے ہو تم حقیقت کو بدل نہیں سکتے بندے پھر بھی تم اسی رب تعالیٰ کے ہو جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے ہر متکبر اور سرکش کے شر سے اس کے دامن میں پناہ لی ہوئی ہے تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ ❷

ایمان چھپانے والے شخص نے کہا:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٩﴾ يُقَوْمُ لَكُمْ الْمُلْكَ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِن بَنِي النَّاسِ إِنْ جَاءَنَا ظَلَمٌ فَقَالَ فِرْعَوْنُ مَا أَرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّفَادِ ﴿١٠﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

”اور کہنے لگا ایک مرد مؤمن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس کی وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے (اسے اپنے حال پر چھوڑ دو)۔ اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی۔ اور اگر وہ سچا ہوا (اور تم نے اس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں وہ عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ

ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے؟ اگر وہ ہم پر آجائے گا۔ (یہ سن کر فرعون) کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف۔“

”قبل“ قوم کا ایک فرد موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ فرعون اپنے حواریوں سے مل کر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس نے ان کو اس ارادہ سے باز آنے کی تلقین شروع کی پہلے تو انہیں جھڑکا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے درپے آزار کیوں ہو؟ اس نے کون سی قانون شکنی کی ہے؟ محض اس لئے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ اور اس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کر دی ہے تمہارا معاشرہ تو بڑا ترقی یافتہ ہے۔ تم اس کے ذاتی عقیدہ میں دخل دیتے ہو؟ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا ہمیں اپنے ہاتھ اس کے لہو سے سرخ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آج کل ہم بڑی عزت و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں حکومت ہماری ہے ہمارے اشارہ ابرو پر لوگوں کی قسمیں بدلتی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے فرمان سے سرتابی کرنے دولت سامان عیش و عشرت کی فراوانی ہے ہم اس حالت کو بدلنا نہیں چاہتے ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ حالات برقرار رہیں۔

اگر موسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو خدا ”مسرف کذاب“ (حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا)

سے خود نپٹ لے گا اور اگر وہ سچا ہے اور ہم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھو! خدا کا غضب جوش میں آئے گا اور عیش و عشرت کی یہ بساط الٹ جائے گی اس لیے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو نہ چھیڑیں۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور مفروضہ خطرات سے حواس باختہ ہو کر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں کہ خدا کے عذاب میں یوں گرفتار ہو جائیں کہ بچ کر نکلنے کی پھر کوئی صورت نہ رہے۔ اس کے جواب میں فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے میرے نزدیک وہ درست ہے اور میں تمہیں اس راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود آج کل کے فرعونوں کی طرح تنگ مزاج اور کم ظرف نہیں تھا کہ ادھر کسی نے مخالف رائے دی، جھٹ وہ غدار اور گردن زدنی قرار دے دیا گیا بلکہ وہ اختلاف رائے کو بڑے تحمل سے برداشت کرتا تھا۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٢٤﴾ مِثْلَ مَا بَقِيَ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَاقْتَمُوهُمُ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِّلْعٰبَادِ ﴿٢٥﴾
اور کہنے لگا وہی ایمان والا: اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا نہ آجائے جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور قومود کا۔ اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔“
(سورہ مؤمن 9:24)

مرد مؤمن نے جب دیکھا کہ اس کی چند موعظت اثر انگیز نہیں ہو رہی تو اس نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور گزشتہ زمانوں میں اپنی بد اعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کیا اور فرمایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

اور اس نے کہا: مجھے پکار کے دن تم پر ڈر ہے یعنی اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ذرا سا زلزلہ آ جائے یا کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو اتنا شور و غل مچتا ہے کہ کانوں پر پی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب لوگ یکا یک قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے قدموں کے نیچے زمین الٹا رہے گی اور پھر سے سورج کی کرنیں آگ برسا رہی ہوں گی سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے چاروں طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا۔ اس سراسیمگی کے عالم میں شور و غل کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس دن کو ”یوم التناد“ یعنی ایک دوسرے کا پکارنے کا دن کہہ دیا۔

یَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرٍ نَّامَالِكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِّنْ عَاصِمٍ ؕ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٦﴾
”مزید اس نے اپنی نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس دن سے ڈرو جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا اور
(سورہ مؤمن 9:24)

جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

اس مرد مومن نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا:

”اے میری قوم! بے شک آئے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام
موسیٰ علیہ السلام سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار
رہے اس میں وہ جو لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ
وفات پا گئے تو تم نے کہا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ
ان کے بعد کوئی رسول یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو
حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے (یونہی گمراہی کرتا

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ
مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ طَحْتِيْ اِذَا هَلَكَ قَلْعُكُمْ لَنْ يُبْعَثَ اَللّٰهُ مِنْ بَعْدِهِمْ
رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿٩﴾
بِالَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيَةِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتَاهُمْ كِبَرٌ مِّمَّا
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ
قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٌ ﴿١٠﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر

کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مومنوں کے
زردیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے دل پر۔“

پہلے جن قوموں کا ذکر ہوا وہ دور دراز علاقوں میں بسنے والی تھیں۔ اب اس نبی اور اس کے منکرین کا ذکر ہو رہا ہے جو
کچھ عرصہ پہلے اسی ملک کے باشندے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے نام سے کون ایسا مصری تھا جو واقف نہ تھا؟ ان کا دور حکومت مصر
کی تاریخ دو وہ درخشاں دور تھا جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا نور برس رہا تھا۔ قانون کی بالادستی قائم تھی غریبوں اور مفلوک
الحال لوگوں کی اس طرح دل داری کی جاتی تھی کہ سبحان اللہ! اس عام اور شدید قحط کی چیرہ دستیوں سے انہیں یوسف علیہ السلام کے
حسن انتظام کے باعث پناہ ملی تھی۔ اس نبی اور عادل فرمانروا کے ساتھ اس کی قوم نے جو برتاؤ کیا ”مومن آل فرعون“ اس کا ذکر
فرما کر انہیں تنبیہ کر رہا ہے کہ بے داغ سیرت ان کے بے عدل نظام حکومت ان کی عدل گستری اور ان کی رعایا پروری کو اپنی
آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود ان کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ ان کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی کی یہ نبی ہے
کہ نہیں؟ قطعی اور یقینی دلائل کے باوجود وہ تذبذب کا ہی شکار رہے اور شک کی وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے عمر گزار دی۔ اور جب وہ
نیرتاباں غروب ہو گیا تو پھر کف افسوس ملنے لگے اور کہنے لگے: ایسی ہستی اب دوبارہ پیدا نہیں ہوگی۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں
آئے گا۔

پہلے ہدایت سے یوں محروم رہے اب امکان یہ تھا کہ کوئی دوسرا نبی تشریف لائے تو یہ اپنی گزشتہ غفلت اور کوتاہی کی
تلافی کر لیں، یہ کہہ کر ”اب اور کوئی ایسا نہیں آئے گا“ انہوں نے اس مکان کو بھی کالعدم کر دیا۔

رجل مومن نے اپنی کلام کے آخر میں ایک اصول بیان فرما دیا کہ جس فرد یا قوم میں یہ تینوں عیوب پیدا ہو جائیں ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ کوئی معجزہ کوئی پند و نصیحت انہیں چاہے ضلالت سے نہیں نکال سکتی۔ وہ اندھیروں سے اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ نور سے انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ وہ تین عیب یہ ہیں:

❶ مسرف: حد سے بڑھنے والا جو احکام و اوامر اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے والا اسے ہزار سمجھایا جائے وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔

❷ مرتاب: وہ شخص جو شک کی بیماری کا مریض ہو اس کے سامنے روشن دلائل کے انبار لگا دو شک کے جراثیم کے ذہن سے نکلنے ہی نہیں۔

❸ من یجادل: جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بے حد تاویل کرتا ہے ان میں عیب نکالتا ہے تضاد ثابت کرتا ہے جس فرقہ میں یہ تین عیب ہوں خدا انہیں کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَهْمُنُ الْإِنْسَانُ لِي صَرَحًا لَعَلِّي الْبَلَّغُ الْأَسْبَابُ
﴿١﴾ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطْلِعْ إِلَيَّ إِلَهَ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ كَاذِبًا
وَكَذَلِكَ نَجِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا
كُنَّا لِنَرِيَهُ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٢﴾

(سورہ مؤمن 9:24)

اسیرا (راست) سے اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے۔“

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ اس مرد مومن کی گفتگو حاضرین کو متاثر کر رہی ہے تو اس نے فوراً پینتر ابدلا اور کہنے لگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی صداقت پر کھنا کوئی اتنا مشکل نہیں کہ ہم اس کے بارے میں پریشان رہیں اور کسی حتمی (یقینی) فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں۔ ابھی ایک بلند مینار تعمیر کرتے ہیں اور اس پر چڑھ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کا سراغ لگائیں گے۔ زمین پر تو کہیں ہے نہیں اگر آسمان پر مل گیا تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر آسمان پر بھی اس کا سراغ نہ ملا تو پھر سب کو یقین ہو جائے گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی بات غلط ہے۔ پھر ہامان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ہامان! اے وزیر! بتا دیر ایہ کام تم کرو۔ ہمیں ایک اونچا بہت اونچا مینار تعمیر کر دو اس پر چڑھ کر ہم آسمان پر چڑھنے کا راستہ دریافت کر لیں گے اور آسمان کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ خیال رہے ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اسے ”سبب“ کہتے ہیں یہاں اسباب سے

مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ فرعون نے ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات میں سچائی نام کو نہیں۔

خیال رہے ظن بمعنی گمان غالب بھی لیا جاسکتا ہے اور بمعنی یقین بھی یعنی فرعون نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نہیں یا اس کا مطلب ہوگا میرا یقین ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو سچے نہیں۔ فرعون کا مکروہ فریب اس کی تباہی کا سبب بنا یعنی اس کی مکاری عیاری حیلہ سازی اور دانستہ انکار حق کے باعث اس کے برے اعمال اسے حسین و خوشنما نظر آنے لگے وہ انہیں کے پیچھے پڑا رہا اور جو حیلہ سازیاں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کی تھیں وہ سب خود اس کی قیاس اور بربادی کا سبب بنیں۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ اتَّبَعُونَا أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٢٤﴾
 (سورہ مؤمن 10:24)
 ”اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا اے میری قوم میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔“

یعنی بھلائی اور نجات کا راستہ وہ نہیں جس پر فرعون تمہیں چلانا چاہتا ہے بلکہ آؤ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاتا ہوں جس پر چل کر تم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

يَقُولُ إِنَّمَا هَذِهِ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٢٥﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اتَّقَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَنفَكُ مِنَ الْجَنَّةِ رِزْقُونَ لَهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٦﴾
 (سورہ مؤمن 10:24)
 ”اب میری قوم یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔“

مرد و مومن کا سلسلہ وعظ شروع ہے اب اس نے مصلحت کے سارے حجاب تار تار کر دیئے ہیں اور اس کے نتائج اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اعلان حق کر دیا اور کہا:

وَيَقُولُ مَالِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ﴿٢٧﴾ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَمْ يَكُنْ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ﴿٢٨﴾ لَا جَرَمَ لَنَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لِي دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَوْثِقًا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٢٩﴾ فَتَذَكَّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَفْوَضُ أَمْرِئِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾
 ”اے میری قوم میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلا تے ہو مجھے آگ کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میرا حال یہ ہے میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا بخشنے والا ہے سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی

(سورہ مؤمن 10:24)

کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے جہنمی ہیں پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔“

اس مرد مؤمن نے کہا: یعنی میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب و غریب ہے۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں کودنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی بندگی کی تلقین کرتا ہوں جو سب سے زبردست بھی ہے اور اس کے باوجود بڑا بخشنے والا ہے، عمر بھی خطائیں کر کے بھی اگر اس کے درگرم پر کوئی آجائے تو معاف کر دیتا ہے۔ اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دوں اور اس کے ساتھ ایسے شریک بناؤں جو بالکل بے بس اور بے اختیار ہیں۔ اور جن کی خدائی کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمہاری خیر خواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی ڈبو دینا چاہتے ہو۔ تم میرے عجیب دوست ہو مجھے تمہاری ایسی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے اس قسم کی نصیحتیں نہ کیا کرو اور اس نے کہا جن معبودان باطلہ کی عبادت اور بندگی کی تم مجھے نصیحت کر رہے ہو یہ تو ایسے ہیں کہ انہیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ دنیا میں یا آخرت میں انہیں خدا تسلیم کیا جائے اور نہ انہوں نے خود کبھی اپنی خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ دنیا میں ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ قیامت کے دن کسی کی فریاد سنیں گے۔

فرعون جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کہلواتا تھا اس کے روبرو اور بھرے دربار میں اتنی حق گوئی ایک مرد مؤمن کو ہی زیبا ہے لیکن جب سامعین کو اس نے متاثر ہوتے نہ دیکھا تو اس نے صاف کہا آج تو تم میری بات نہیں مان رہے اور میری تلخ نوائی تمہیں گراں گزر رہی ہے عنقریب وہ وقت آئے گا عذاب الہی تم پر نازل ہوگا اس وقت تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

فَوَلِّ اللّٰهُ سَمَاتٍ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿٢٥﴾ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٢٦﴾

پس پچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا)

داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں۔“

(سورہ مؤمن 10:24)

چنانچہ فرعونیوں نے اس مرد حق کیش کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خود حفاظت فرمائی اور کوئی اس کا ہال بیکانہ کر سکا، الٹا فرعون لاؤ لشکر اور جاہ اور وحشت سمیت غرق کر دیا گیا۔ (غرق

کرنے کا واقعہ تفصیلی طور پر ان شاء اللہ بعد میں ذکر کیا جائے گا) فرعون اور اس کا ٹھانٹھیں مارتا ہوا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ گئے۔ دنیا میں ہی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔

یاد رہے کہ ان کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کی پرستاروں کو ہر صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ جب عالم برزخ کی میعاد ختم ہو جائے گی تو قیامت قائم ہوگی اس کے بعد انہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

”هَذِهِ الْأَيَّةُ أَصْلُ كَيْفِ فِي اسْتِدْلَالِ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى عَذَابِ الْبَرَزِيِّ فِي الْقُبُورِ“

اس آیت سے علماء اہل سنت نے ”عذاب قبر“ کا اثبات کیا ہے۔ قبر سے مراد صرف وہ گڑھا نہیں جس میں کسی کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبر تو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کے وقت کو ”عالم برزخ“ کہتے ہیں۔ آل فرعون کو دیئے جانے والے دو عذابوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے: ایک وہ جس میں وہ قیامت سے پہلے مبتلا ہیں دوسرا وہ جو قیامت کے بعد انہیں دیا جائے گا۔ ❶

فرعون اور اس کی قوم قحط سالی میں مبتلا:

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّيَمِ وَلَقَدْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿٦﴾ (سورة اعراف 6:9)

گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔“

اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کرنے سے پہلے دنیا میں چھوٹے چھوٹے عذاب دے کر سوچنے سمجھنے کا موقع دیا کہ یہ کفر و معصیت سے باز آجائیں۔ فرعون نے اپنے چار سو برس کی عمر میں سے تین سو بیس سال تو اس آرام کے ساتھ گزارے تھے کہ اس کی مدت میں کبھی درد یا بخار یا بھوک میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اب قحط سال کی سختی ان پر اس لئے ڈالی گئی کہ وہ اس سختی ہی سے خدا کو یاد کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں لیکن وہ کفر میں اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ ان تکلیفوں سے بھی ان کی سرکشی ہی بڑھتی رہی۔

فَإِنَّا جَاءَهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنَّا نَصِبُهُمْ سَنَةً يُظْفَرُونَ بِمُوسَى وَمَنْ مَّعَهُ إِلَّا إِنَّمَا طَيْرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْفَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٧﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِيَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ (سورة اعراف 6:9)

”تو جب انہیں بھلائی کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں سے بدشگونی لیتے سن لو! ان کے نصیبہ کی شامت تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے

پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کر دو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں۔“

جب ان کو ارزانی فراخی خوشحالی اور امن و عافیت حاصل ہوتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے ہم جب مستحق تھے تو اس لئے ہی یہ امن و عافیت کی حالت ہمیں حاصل ہے۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھتے اور نہ ہی شکر بجالاتے اور جب انہیں تنگ حالی قحط سالی اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تو کہتے کہ یہ بلائیں تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے پہنچیں اگر یہ نہ ہوتے تو یہ مصیبتیں بھی نہ آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شامت تو تمہارے اپنے اعمال یعنی کفر و ضلالت کی وجہ سے ہے جو اس نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے وہی تمہیں حاصل ہونا ہے پھر اصل شامت تو وہ ہوگی جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

حق تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تنبیہات کی وجہ سے سوچتے سمجھتے، کفر و ضلالت کو چھوڑتے اور ایمان لے آتے لیکن وہ اپنی شرکشی میں اتنے غالب آچکے تھے کہ ایمان لانے سے سراسر انکار کر دیا جب وہ اپنی ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کر دی۔

”اے رب ہمارے! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے۔“

”رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ“

آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا فرعونیوں کے درہم و دینار پتھر ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ پھل اور کھانے کی چیزیں بھی برباد ہو گئیں اور طرح طرح کی ان پر آزمائش آئیں۔

مختلف قسم کے عذاب:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادَ وَالْدَّمَ (جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔“

(سورۃ اعراف 6:9)

جب جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بھی فرعون نے اپنے کفر اور سرکشی پر جسے رہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے نشانیاں آنے لگیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کر دیا تھا: اے اللہ! فرعون اس دنیا میں بہت سرکش ہو چکا ہے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اسے اور اس کی قوم کو ایسے عذاب میں گرفتار کر جو ان کے لئے سزا اور میری قوم اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سبب بنے تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، ابراہیم و اسمعیل کو کھڑے کر دیا، کثرت سے بارش ہونے لگی۔ قبطیوں کے گھروں میں پانی گھس گیا یہاں تک کہ وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں تک آگیا۔ ان میں سے جو بیٹھا ڈوب گیا۔ نہ ابل سکتے اور نہ کچھ کام کر سکتے تھے۔ ہفتہ کے دن سے پھر ہفتہ کے دن تک سات روز اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور

باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے گھران کے گھروں سے متصل تھے ان کے گھروں میں پانی نہ آیا۔ جب یہ لوگ عاجز ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت دور ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی، طوفان کی مصیبت دور ہوئی، زمین میں سرسبزی و شادابی آئی جو پہلے نہ دیکھی تھی، کھیتیاں خوب ہوئیں، درخت خوب پھلے تو فرعونی کہنے لگے: یہ پانی تو نعمت تھا اور وہ ایمان نہ لائے ایک مہینہ اسی طرح ان کا عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ”نڈی“ بھیجی۔ وہ کھیتیاں اور پھل، درختوں کے پتے، مکانوں کے دروازے، چھتیں، تختے، سامان یہاں تک کہ لوہے کی کیلیں تک کھا گئی اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں اور بنی اسرائیل کے گھروں میں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ اس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز تک نڈی کی مصیبت میں گرفتار رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات پائی، کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے: یہ ہمیں کافی ہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ایمان لانے کا وعدہ انہوں نے ایفاء نہ کیا اور اپنے برے اعمال میں مبتلا رہے۔ ایک ماہ پھر ان کا اس طرح عافیت میں گزر گیا۔

ان کے بعد ان پر ”قمل“ کا عذاب آیا۔ قمل سے مراد گھن یا جوں یا کوئی اور چھوٹا سا کیڑا ہے۔ اس کیڑے نے جو کھیتاں اور پھل باقی بچے وہ کھالئے، کپڑوں میں گھس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا کھانے میں بھر جاتا تھا۔ اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین سیر واپس لاتا۔ باقی سب کیڑے کھا جاتے۔ یہ کیڑے فرعونوں کے بال بھنویں پلکیں چاٹ گئے۔ جسم پر چیچک کی طرح آبلے پڑتے پھر نشان پڑ جاتے۔ سونا و دشوار کر دیا تھا۔ اس مصیبت سے فرعونی چیخ پڑے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: ہم توبہ کرتے ہیں، آپ اس بلا کے دفع ہونے کی دعا فرمائیے۔ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مصیبت کو بھی سات روز کے بعد دور فرمایا۔ لیکن فرعونوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور ایمان نہ لائے بلکہ پہلے سے زیادہ برے اعمال شروع کر دیئے ایک ماہ ان کا پھر آرام سے گزر گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ”مینڈک“ بھیجے۔ اور یہ حال کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اس کی مجلس میں مینڈک بھر جاتے تھے۔ بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک کو درمنہ میں داخل ہو جاتا۔ ہانڈیوں میں مینڈک کھانے میں مینڈک اور چوہوں میں مینڈک بھر جاتے تھے۔ آگ بجھ جاتی تھی۔ مینڈک اوپر سوار ہو جاتے تھے۔ اس مصیبت سے فرعونی رو پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی اس دفعہ ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ توبہ کریں گے ایمان لائیں گے۔ آپ دعا کریں یہ مصیبت ہم سے ٹل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لے کر پھر دعا فرمائی سات روز یہ عذاب بھی ان پر رہا، آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بھی دور ہوا۔ ایک مہینہ ان کا پھر امن و عافیت میں گزر گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور اپنے کفر پر برقرار رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل کیا ان کے تمام کنوؤں کا پانی نہروں اور چشموں کا پانی دریائے نیل کا پانی غرضیکہ ہر پانی ان کے لئے تازہ خون بن گیا انہوں نے فرعون سے اس کی شکایت کی تو کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جادو سے تمہاری نظر بندی کی ہے انہوں نے کہا نظر بندی کیسے ہمارے برتنوں میں خون کے سوا پانی کا نام و نشان ہی نہیں تو اس نے حکم دیا کہ قبلی اور بنی اسرائیل ایک ہی برتن سے پانی لیا کریں لیکن اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بنی اسرائیل جب نکالتے تو پانی ہی نکلتا لیکن جب اسی برتن سے قبلی نکالتے تو خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعون عورتیں پیاس سے عاجز ہو کر بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے پانی مانگا تو وہ پانی ان کے برتن میں آتے ہی خون ہو گیا تو فرعون عورت کہنے لگی: کہ تو پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں ڈال دے۔ جب تک وہ پانی اسرائیلی عورت کے منہ میں رہا پانی تھا جب فرعون عورت کے منہ میں آیا خون بن گیا۔ فرعون کا شدت پیاس کی وجہ سے برا حال تھا۔ درختوں کا رس چوس رہا تھا۔ وہ بھی منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔ پھر اس مصیبت سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی۔ اس طرح یہ عذاب بھی سات روز رہنے کے بعد ختم ہو گیا مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ ان کے بار بار ایمان لانے کے وعدے اور مصیبت اٹھ جانے پر وعدے کو توڑنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ ۖ وَكَأَن نُّسَلِّقَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ يُلَاقُونَ ۖ إِنَّا هُمْ يُنْكُثُونَ ﴿٩﴾

(سورة اعراف 9:6)

ان پر تمام عذاب ایک ایک ہفتہ رہے جب بھی کوئی عذاب آتا موسیٰ علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کرتے کہ تم دعا کرو کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھالیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے عذاب جب اٹھالیا جاتا پھر وعدہ توڑ دیتے ایک مہینہ ان کا آرام سے گزر جاتا پھر دوسرے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہر بار انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن توڑ دیا۔ ①

بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم:

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ مَطَرِيئًا ۚ ۝۱۰

تفسیر خزان العرفان: سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ پارہ 9 سورة الاعراف رکوع 6-5

بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ نکال دے تجھے ڈرنہ ہوگا فرعون آلے اور نہ خطرہ۔“

فِي الْمُبْرِجَاتِ لَا تَخَفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ﴿١٦﴾
(سورۃ طہ 13:16)

اور موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات میں مصر سے نکال کر لے جاؤ یعنی اب بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا وقت آچکا ہے۔

رات کو نکالنے کا حکم دیا تاکہ بنی اسرائیل کا اجتماع دشمن کے سامنے نہ ہو اور وہ ان کی مراد کی تکمیل میں مانع نہ بنے رات کو نکالنے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان کا پیچھا کر کے ان کو روک نہ سکے اور فرعون کے عظیم لشکر کو دیکھ کر بنی اسرائیل خوف نہ کریں۔ چاندنی رات میں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے۔ بنی اسرائیل کے پاس کافی مقدار میں سونے اور چاندی کے زیورات بھی تھے جو انہوں نے قبیلوں سے مانگ کر لئے ہوئے تھے کہ ہم انہیں اپنی عید میں استعمال کریں گے وہ پہلے بھی ان سے زیورات لیتے رہتے تھے۔

یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تم مصر سے نکلو تو میرا تابوت بھی ساتھ لے کر جانا تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق ایک بوڑھی عورت کی نشاندہی پر وہ تابوت نکال کر خود بنفس نفیس اٹھایا۔

ابن ابی حاتم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس ایک مرتبہ بٹھرے۔ اس نے حضور کی مہمان نوازی کی اور بہیم، تنظیم اور لریم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم کبھی ہمارے پاس بھی آنا تو وہ دیہاتی ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ کہ میں تمہیں عطا کروں۔ اس نے کہا: ایک اونٹنی جس پر کجاوہ پڑا ہوا سو اور ایک دودھ دینے والی بکری جس کا دودھ میرے گھروالے پیئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تو بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔ (اس نے تو جنت طلب کی تھی) صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت کا واقعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ بھول گئے اس پر حیرانگی۔ سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے یہ کیا ہوا؟ کچھ لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت آعلم تھا تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ہمارے آباؤ اجداد سے پختہ عہدہ لیا تھا کہ مصر سے نکلتے وقت میرا تابوت ضرور ساتھ لے۔ بانا ہمارے بھولنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو یوسف علیہ السلام کی قبر کو جانتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے ایک بوڑھی عورت کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو بلا کر کہا: کہ تم بتاؤ کہ یوسف علیہ السلام کی

قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک میری ایک شرط نہ پوری کرو۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میری صرف یہ خواہش ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کچھ سوچ میں پڑے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل کی کہ اے موسیٰ! اس سے وعدہ کر لو۔ آپ نے کہا: ٹھیک ہے تمہاری درخواست منظور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب اس عورت کے ساتھ چلے تو اس نے آپ کی قبر کی نشاندہی کی۔ جب یوسف علیہ السلام کے تابوت کو نکالا گیا تو اندھیری رات روشن ہو گئی اس طرح انہیں راستہ مل گیا۔ یہ حدیث غریب ہے، قریب ہے کہ صحابی تک موقوف ہو۔ ❶

صبح ہونے پر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی طرف روانگی:

فَارْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ خَبْرَيْنِ ۖ إِنَّ هَؤُلَاءِ شِرِذْمَةٌ قَلِيلُونَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ۖ وَأَنَا لَجَمِيمٌ خَذِرُونَ ۖ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۖ كَذَلِكَ ۖ وَأَوْدَغْنَاهُمْ بِإِسْرَائِيلَ ۖ فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدَّكُمْ ۖ قَالُوا قَالَتْ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۖ (سورة شعراء 8:19)

”فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک ہم سب کا دل جلاتے ہیں اور بیشک ہم سب چوگئے ہیں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو فرعون نے ان کا تعاقب کیا دن لکھے پھر جب آنا سامنا ہوا دونوں گروہوں کا تو موسیٰ والوں نے کہا: ہم کو انہوں نے

آلیا۔ موسیٰ نے فرمایا: یوں نہیں بیشک میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ مجھے ابھی راہ دیتا ہے۔“

فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل موجود نہیں ہیں تو بہت غصہ میں ہوا۔ اس نے ہر طرف اپنے کارندے دوڑا کر اپنی فوجوں، لشکروں اور اپنے تمام حامیوں کو جمع کر لیا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے وہ ہمیشہ غیظ و غضب کو بھڑکاتے رہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس برباد کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ بات ثابت کر دی کہ سب لوگ بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے ان کا مکمل صفایا کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان تمام فرعونوں کو برباد کر کے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ فرعون کو ماننے والے تمام اس کے کہنے پر اپنی نعمتوں اپنے اعلیٰ قسم کے مکانات اور پھلدار درختوں کے باغات اور اپنے سامان قییش یعنی اپنی عیش و عشرت کے سامان کو چھوڑ کر بظاہر بنی اسرائیل کو تباہ کرنے کے لئے چلے جو درحقیقت اپنی ہی بربادی کی طرف چل رہے تھے۔

فرعون کے کہنے پر سب لوگ جمع ہو کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے۔ دریائے قلزم کے کنارے پر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا تو کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے جائیں گے ان کے دلوں میں پہلے ہی فرعون کا رعب چھایا ہوا تھا اور وہ تعداد میں بھی فرعونوں سے بہت کم تھے اور کسی قسم کا ان کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا اس لئے ان پر بہت زیادہ خوف طاری ہوا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ ابھی میری رہنمائی فرمائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں عصا مارنے کا حکم:

”تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جیسا دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچا لیا موسیٰ اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک تمہارا رب تعالیٰ وہی عزت والا مہربان ہے۔“

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٢٥﴾ وَازْلَفْنَا ثَمَّ الْأَخْرُسِ ﴿٢٦﴾ وَاجْتَمَعْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ اغْرَمْنَا الْآخْرُسِ ﴿٢٨﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٣٠﴾

(سورۃ شعراء 8:19)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا دریا پر مارو آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا تو دریا پھٹ گیا اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ درمیان میں خشک راستہ اور ادھر ادھر پانی کی بلندی اتنی عظیم تھی جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہوں۔ بنی اسرائیل چونکہ بارہ قبائل تھے ایک ہی راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے ہر قبیلہ کے لئے علیحدہ راستہ بنایا گیا یعنی دریا میں بارہ راستے بنائے گئے۔ ہر راستہ کے دائیں بائیں پانی کی بلندی عظیم پہاڑوں جیسے تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی زندہ ہیں یا پانی کی طغیانی میں غرق ہو چکے ہیں۔ تو درمیان سے روشن دانوں کی طرح پانی کو ہٹا دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دریا عبور کر گئے۔ فرعون اور اس لشکر نے بھی دریا میں راستہ دیکھ کر اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن وہ بنی اسرائیل کو نہ پاسکے۔

حضرت سائب بن جابرؓ سے مروی ہے کہ فرعونوں اور بنی اسرائیل کے درمیان جبرائیل امین علیہ السلام تھے۔ بنی اسرائیل کے پچھلے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ جلدی چلو اگلے لوگوں سے مل جاؤ۔ اور فرعونوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ آہستہ چلو پچھلے لوگوں کو ساتھ ملنے دو۔ بنی اسرائیل جب دریا عبور کر چکے اور فرعونوں ابھی درمیان میں ہی پہنچے تھے تو پانی آپس میں مل گیا اس طرح فرعون اور اس کی قوم کے تمام لوگ غرق ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ چھ لاکھ کی تعداد تھے۔ بنی اسرائیل یہ تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

فرعون کا غرق ہونے پر ایمان لانا اور قبول نہ ہونا:

وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِ يَلِ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْفَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُوا إِسْرَآءِ يَلِ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٠﴾ أَتْلُنَّ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَتِنَا لَغَفْلُونَ ﴿١٢﴾

”اور ہم بنی اسرائیل کو دریا میں پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک جب اسے ڈوبنے نے آیا بولا: میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو اترادیں گے (تند موجوں سے باہر پھینک دیں گے اور باقی رکھیں گے) کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔“

(سورۃ یونس 14:11)

سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ کہ وہ شخص..... جو کبھی ”أَنَارُكُمْ الْأَعْلَى“ (میں تمہارا بڑا خدا ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا..... آج جب اس کی گرفت میں آتا ہے دریا کی طغیانی میں شدید موجوں کے تھڑوں میں آتے ہی ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ ایمان لاتا ہے ایک مرتبہ کہا ”آمنت“ میں ایمان لایا دوسری مرتبہ کہا: ”أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُوا إِسْرَآءِ يَلِ“ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔

تیسری مرتبہ کہا: ”وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ اور میں مسلمان ہوں لیکن یہ اس کا ایمان قبول نہ ہوا کیونکہ رب تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر فرشتوں کا سامنا کرتے ہوئے ایمان لانا نفع مند نہیں ہو سکتا۔

”تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔“

رب تعالیٰ نے فرمایا: اب تو ایمان لاتا ہے پہلے نافرمانیاں کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا، یعنی پہلے تمہیں ایمان لانے کا کتنا وقت دیا؟ کئی مرتبہ تجھے آزمائشوں میں مبتلا کر کے ایمان لانے کی طرف سوچنے کے مواقع فراہم کئے، لیکن اس وقت تو ایمان نہ لایا اب غرق ہونے پر تیرے ایمان لانے کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اب تو تیرے جسم کو دریا کی موجوں سے باہر پھینک کر لوگوں کے لئے نشانی بنایا جائے گا۔ سب کو پتہ چل جائے کہ آج خدائی کا دعویٰ غرق ہو کر مردہ حالت میں پڑا ہے۔ خدائے حقیقی تو وہ ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہے۔ ①

تفسیر کبیر امام محمد غزالی بن رازی رحمہ اللہ ج 17 ص 154 مطبوعہ مدینہ

بنی اسرائیل کی ناشکری:

وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَبْهَلُونَ ﴿٩﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مَتَّبِعُونَ مَا هُم بِفِيهِ وَيُبْطِلُونَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠﴾ قَالَ أَغْمِرَ اللَّهُ أَبْصَارَكُمْ إِلَهَاهُمْ فَهُمْ لَصُلُوكُمْ عَلَى الْعُلَمِينَ ﴿١١﴾

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے: اے موسیٰ! ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے ان کے لئے اتنے خدا ہیں! آپ نے فرمایا: تم ضرور جاہل لوگ ہو یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے آپ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی۔“

(سورۃ اعراف 9:6)

اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے انہیں دریا سے سلامتی سے گزار دیا۔ حق تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے لیکن رب تعالیٰ نے ان کی جہالت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ کتنے جاہل اور ناشکرے لوگ تھے کہ وہ بت پرستوں کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ”ہمیں بھی ایسا خدا بنا دو“۔ ”يَلِكُ الْأَصْنَامُ كَمَا يَلِكُ بَقَرُ“ بنی اسرائیل نے جو بت دیکھے تھے وہ گائے کی شکل کے تھے۔ (بت پرستی کی طرف ان کے میلان کو دیکھ کر ہی سامری نے انہیں پتھرے کی پوجا پر لگا دیا تھا) موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم تو جاہل لوگ ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عبادت تو اعلیٰ درجے کی تعظیم کا نام ہے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم اسی ذات کی ہو سکتی ہے جس کے عظیم انعامات ہوں اور سب سے بڑے انعامات جسم کی تخلیق، زندگی عطا کرنا، خواہشات قدرت عطا کرنا اور نفع مند اشیاء کا پیدا کرنا ان اشیاء پر قادر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ ❶

تورات لینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں فرعونوں سے نجات دے گا تو میں تمہیں رب تعالیٰ سے ایک کتاب لا کر دوں گا جس میں حرام و حلال، امر و نہی کا ذکر ہوگا اسی وعدہ کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تورات لینے طور پر آئے۔

وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ سِتِّ مِائَاتٍ رَّبِّهِ ﴿١٢﴾ ”اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي
وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٩﴾

دس اور بڑھا کر پوری کیس تو اس کے رب کا وعدہ پوری چالیس
رات کا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا:

(سورة اعراف 6:9)

راہ کو دخل نہ دینا۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تم طور پر آؤ تمہیں چالیس دنوں کے بعد کتاب دی جائے گی آپ کو حکم دیا
گیا کہ تم تیس دن ایسے نیک اعمال کرنا جو میرے قرب کا ذریعہ بنیں پھر دس دنوں میں تمہیں کتاب عطا کر دی جائے گی اس طرح
تیس دنوں کا وعدہ چالیس دنوں تک ہوا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ذی القعدہ کے تیس روزے رکھنے کا حکم دیا
جب آپ نے تیس دن کے روزے مکمل کر لئے تو منہ میں بونا مناسب سمجھ کر مسواک کی فرشتوں نے کہا کہ ہم تو تمہارے منہ سے
کستوری کی خوشبو سونگھ رہے تھے لیکن تم نے مسواک کر کے ضائع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی:

”أَمَّا عَلِمْتَ أَنَّ خُلُوفَ نَمِرِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدِي مِنْ رِيحِ
النُّسْكِ“ ①

نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔“

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذی الحج کے دس روزے اور رکھیں اس طرح چالیس دن بڑھا کر چالیس کر دیئے
گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا جو خود بھی مستقل نبی تھے یہ نیابت نبوت میں
نہیں تھی بلکہ رسالت میں تھی یعنی حضرت ہارون علیہ السلام فقط نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اس لئے آپ نے انہیں اپنے
منصب رسالت کا نائب اور خلیفہ بنایا وہ بھی فقط طور سے واپسی تک۔

دوسری وجہ ہے کہ آپ کا ارشاد ایک محاورہ کے مطابق ہے یعنی جس طرح دو شخصوں کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو ان
میں سے ایک نے اگر کہیں جانا ہو تو دوسرے سے کہتا ہے:

”كُنْ عَوْضًا عَنِّي عَلَى مَعْنَى أَهْذِلْ غَايَةَ وَسُحِكَ وَنَهَايَةَ
جُهِدِكَ بِحِمَّتِكَ يَكُونُ فِعْلُكَ فِعْلَ شَخْصَيْنِ“ ②

”تم میری جگہ بھی کام کرنا یعنی بہت زیادہ کوشش سے یہ کام کرنا
ایسے پتہ چلے کہ تم دو آدمیوں کی جگہ کام کر رہے ہو۔“

رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ لَقَالَ رَبِّ انْظُرْ
إِلَيْكَ طَاقًا لَّنْ تَرُنِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ

”جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر حاضر ہوئے اور ان سے
ان کے رب نے کلام فرمایا عرض کی: اے میرے رب مجھے

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 5 حصہ دوم ص 43

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 5 حصہ دوم ص 43

①

فَسَوْفَ تَرَاهُ فَلَئِمَّا تَبْعَلِي رَبَّهُ لِلْبَيْتِ جَعَلَهُ دُكَّانًا وَخَرَّ مُوسَى
صَعْقَةً ﴿٦٩﴾ (سورة اعراف 6:9) . گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو
عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر
گئے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا البتہ اس کلام کی حقیقت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کلام
سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طور میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک
بادل نازل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا، شیاطین اور زمین کے جانور یہاں تک کہ ساتھ
رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیحدہ کر دیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے فرشتوں کو دیکھا اور آپ
نے عرش معلیٰ کو دیکھا، لوح محفوظ کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا، آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش
کئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اگرچہ ساتھ تھے لیکن وہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام اور رب تعالیٰ کے درمیان ہونے
والے کلام کو نہ سن سکے۔

موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام کو سن کر ایسی لذت محسوس کی کہ آپ کے دل میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش پیدا
ہو گئی اور عرض کی: اے اللہ تعالیٰ! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تم مجھے
نہیں دیکھ سکتے“ یہ نہیں فرمایا: {لَسْنَا أَرَىٰ} ”مجھے نہیں دیکھا جاسکتا“ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات رب کا دیدار
کیا۔ نیز یہ دیکھنے کی نفی دنیا سے متعلق ہے جنت میں مومنین رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس چیز پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ نے ممکن چیز کا سوال کیا اگر رب تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا
تو آپ سوال نہ کرتے، رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر کرتا ہوں تم پہاڑ کو دیکھو! اگر تم نے پہاڑ کو دیکھ لیا تو
سمجھنا کہ مجھے بھی دیکھ لو گے لیکن رب تعالیٰ کی تجلیات کی تاب پہاڑ نہ لاسکا کہ وہ قائم رہتا بلکہ وہ بھی پاش پاش ہو گیا اور موسیٰ
علیہ السلام بھی ہوش برقرار نہ رکھ سکے۔ ﴿٦٩﴾

قوم نے پھڑے کی پوجا شروع کر دی:

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٧٠﴾ ”رب تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم
فرجہ موسیٰ اسی قوم غصبان لیسافا قَالَ يَتَوَمَّرُ الْوَمَرُ يَعْدُكُمْ“ کو بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ

تفسیر خزان العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ ذرا آیت 143 سورة الاعراف پارہ 9

رَبُّكُمْ وَعَدَّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿١٦﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمُلْكِنَا وَلَكِنَّا حُمِلْنَا فَنَذَرَ الْقَوْمَ فَنَدَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿١٧﴾ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمُ وَإِنَّهُ مَوْسَىٰ لَافْتَنَسِي ﴿١٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿١٩﴾

(سورة طہ 13:16)

اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے آپ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا کہ تم پر لمبی گزری یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب (عذاب) اترے۔ تو تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا! انہوں نے کہا: ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے زیورات کے تو ہم نے انہیں

ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لئے پتھر بنایا ہے جو بے جان جسم ہے گائے کی طرح بولتا ہے تو بولے: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود موسیٰ تو بھول گئے تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی بڑے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔

موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے ستر سر کردہ افراد کو ساتھ لے کر طور پر کتاب لینے کے لئے گئے۔ قوم سے چالیس دنوں کا وعدہ کر کے گئے آپ اپنی قوم کے ان افراد سے ذرا جلدی ہی آگے طور پر پہنچ گئے رب تعالیٰ نے پوچھا: تم اپنی قوم کے افراد سے پہلے کیوں آ گئے تو آپ نے عرض کیا: اے مولائے کائنات! وہ بھی میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں میں صرف تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جلدی آ گیا۔ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ تمہاری قوم گمراہ ہو چکی ہے آپ کو گئے ہوئے جب بیس دن مکمل ہو گئے تو سامری نے کہا: کہ موسیٰ علیہ السلام کو گئے بیس دن اور بیس راتیں ہو چکی ہیں۔ چالیس کی تکمیل ہو گئی آپ نہیں آئے اس کی وجہ صرف یہ کہ تمہارے پاس فرعونوں کے زیورات ہیں وہ تم پر حرام ہیں۔ اس لئے وہ زیورات تم لوگ مجھے دے دو کہ میں ایک خدا بنادوں کیونکہ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ قوم ایسا خدا چاہتی ہے جو انہیں نظر آئے۔ یہ خود بھی گائے کی پرستش کرتا تھا اس لئے اس نے تمام زیورات جمع کر کے انہیں پتھر بنادیا۔

پتھرے کے بولنے کی وجہ:

چونکہ فرعون کے لشکر نے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈالنے سے سوچ و بچار شروع کر دی تھی تو جبرائیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آئے وہ جہاں قدم رکھتی تھی وہاں سبز گھاس پیدا ہو جاتی۔ سامری نے یہ ماجرا دیکھ لیا تھا اس لئے اس نے گھوڑی کے سم کے نیچے سے مٹی اٹھا کر محفوظ کر لی تھی۔ وہی مٹی پتھرے کے ڈھانچے میں ڈال دی تھی جس کی وجہ سے اس میں افریحات پیدا ہو گیا اور وہ گائے کی طرح ڈکارنے لگا سامری سے جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مِرْيَ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿١٦﴾ (سورة طہ 14:16)

”سامری تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا۔ تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے“ پھر اسے ڈال دیا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا۔“

گھوڑی کے قدموں کے نشانات سے مٹی لینا:

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں کے نشان کی جگہ سے ایک مٹھی بھر مٹی لے کر پھڑے کے ڈھانچے میں ڈالی۔ ①

خیال رہے کہ سب سے پہلے اس قول (گھوڑی کے قدموں کے نشان سے مٹی لینا) کو ابو مسلم اصفہانی نے تسلیم نہیں کیا جو بہت بڑا معتزلی ہے۔ پھر اس قول کا سہارا لیتے ہوئے مودودی صاحب نے ”تفہیم القرآن“ میں بھی تحریر کر دیا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا۔ مودودی صاحب کی یہ سوچ غلط ہے۔ قرآن پاک نے اگرچہ واضح طور پر اس قول کو نقل بھی نہیں کیا لیکن رد بھی نہیں کیا اس لئے حقد میں حضرات کی تفاسیر کو چھوڑ کر ایک معتزلی کی بات کو تسلیم کرنا بھی کوئی عقل و دانش کا کام نہیں۔

واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی سرزنش کی:

وَكَمَا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنۢ بَعْدِي ۖ أَعْبَدْتُمُ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَيْتُمُ الْأَوْثَانَ ۚ وَاعْتَدُوا بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمِّ الْقَوْمِ اسْتَظْفَرُونِي ۖ وَكَأَنَّهُمْ يُقَتِّلُونَنِي ۖ فَلَا تَشْعُوبَ لِي مِنَ الْأَعْدَاءِ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿١٠﴾

”اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے جھنجھلائے ہوئے کہا: تم نے کیا میری جانشینی کی میرے بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور (آپ نے) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون علیہ السلام نے) کہا: اے میرے ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا۔ عرض کی: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

(سورة اعراف 8:9)

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی گمراہی کو دیکھ کر حمیت دینی اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اتنے شدید غصے میں آئے کہ

تفسیر قرطبی امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی رحمہ اللہ ج 11 ص 239

آپ سے بے اختیار توراۃ کی تختیاں گر گئیں اور اسی بے اختیاری کی صورت میں اپنے بڑے بھائی کے سر اور داڑھی کو پکڑنے لگے: یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا بلکہ مدح کے ضمن میں آیا آخر بھائی کے عذر پیش کرنے پر ان کی دلجوئی کے لئے رب تعالیٰ کے حضور دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! مجھ سے غصہ کی حالت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو یا میرے بھائی سے قوم سے عاجز آنے کی وجہ سے کوئی کوتاہی ہو تو معاف فرما دے۔ ❶

سامری کی سزا:

قَالَ فَانْصَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُغْلَفَهُ ۖ..... ﴿١٦﴾
 میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے چھوٹا نہیں اور بے شک تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ کا وقت ہے۔“
 (سورۃ طہ 14:16)

سامری کی دنیا میں یہ سزا مقرر ہوئی کہ جو شخص اس کے قریب آ کر اسے ہاتھ لگا تا وہ شخص اور یہ شدید بخار میں مبتلا ہو جاتے اس لئے یہ دور سے آتے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہتا مجھ سے مصافحہ نہ کرنا مجھے چھوٹا نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگوں کے درمیان ایک وحشی جانور کی حیثیت میں ہو گیا لوگوں نے اس سے میل ملاقات اس کے ساتھ مل کر کھانا خرید و فروخت اور اس کے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا یعنی ہر قسم کے معاملات جو لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ اس سے منقطع کر دیئے گئے اور اخروی سزا جس نے ضرور واقع ہونا ہے جس نے معاف بھی نہیں ہونا وہی سزا ہوگی جو مشرک کی ہوگی بلکہ اور لوگوں کو مشرک و گمراہ بنانے کی وجہ سے اس سزا میں شدت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ فَتْنًا يَكُونُ حُكْمًا فَتَنَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧﴾
 اس سے نیچے جو کچھ ہے (شُرک کے بغیر ہر قسم کے گناہ) جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔“
 (سورۃ نساء 15:5)

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دنوں کے بعد تورات عطا کی گئی کہ آپ چالیس دن دنیا والوں سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں۔ اس طرح اس کے ذکر و فکر سے آپ کے قلب و روح کو ایک خاص قسم کی قوت حاصل ہو جائے جو اس عظیم بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے:

”بیشک چالیس کو ایک خصوصیت حاصل ہے اسی وجہ سے“
 إِنَّ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ إِنَّ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ

كَمَا أَنَّ لَهَا اخْتِصَاصًا فِي ظُهُورِ بَنَائِمِ الْحِكْمَةِ مِنْ قُلُوبِ انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت کے اعلان کا حکم دیا
الْأُولِيَاءِ كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا جاتا رہا۔ ان سے رب تعالیٰ کا کلام بذریعہ وحی اسی عمر میں ہوا
ظَهَرَتْ بَنَائِمِ الْحِكْمَةِ مِنْ قُلُوبِهِ عَلَى لِسَانِهِ ① پھر اولیاء عظام کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ چلاکشی کرتے ہیں
یعنی چالیس روز تک دنیا سے علیحدہ ہو کر فقط رب تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کے دلوں پر حکمت کے چشمے پھوٹ
پڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص چالیس صبح خلوص سے (دنیا سے الگ تھلگ ہو کر) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا
ہے اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے نمودار ہو جاتے ہیں۔“

کاش! کہ لوگوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ چالیس دن تک فوت شدہ کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے رہنا پھر چالیس پر
اس کے لئے اجتماعی دعا کتنی مقبولیت کا سبب ہوگی۔ خیر! جس بد قسمت کے لئے دعا کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہمیں ان لوگوں سے
جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔

بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم:

وَأَنقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۖ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٦٠﴾
”اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے پھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ (توبہ کرو) تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک
(سورۃ بقرہ 6:1)

تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔“

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا ”إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ“ کہ تم نے پھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا
اب تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور تمہاری توبہ کی صورت یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو چنانچہ توبہ کرنے
والوں نے اسی طرح توبہ کی کہ ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی بلا امتیاز ہر ایک نے دوسرے کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول
فرمائی اور ہر قاتل و مقتول نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

ان کے لئے قتل کرنا کیسے ممکن ہوا؟

بنی اسرائیل جب سب ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار تھے تو ان کے لئے

بہت مشکل کام تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کریں وہ توبہ کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن ان سے یہ کام جب مشکل ہوا تو ان کے لئے آسانی پیدا کی گئی:

فَإَرْسَلَ اللَّهُ ضُجَابَةً وَسَحَابَةً سَوْدَاءَ لَا يَتَّبِعُ صُرُوفًا فَاعْتَدُوا يَغْتُلُونَ مِنَ الْغَدَلَةِ إِلَى الْعُشِيِّ حَتَّى دَعَا مُوسَى وَهَارُونَ فَكُشِفَتِ السَّحَابَةُ وَنُزِلَتِ التَّوْبَةُ وَكَانَتِ الْقَتْلَى سَبْعِينَ أَلْفًا ①

سکتے تھے انہوں نے صبح سے لے کر شام تک ایک دوسرے کو قتل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! اب ان کو معاف کر دے دعا کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اگر ان پر یہی سلسلہ جاری رہا تو بنی اسرائیل کا نام و نشان دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور معاف فرمادیا لیکن اس وقت تک ستر ہزار کی تعداد میں یہ لوگ قتل ہو چکے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس پھڑے کو ذبح کر کے اس کا خون بہایا اور ہڈیوں کا ریتی سے برادہ کر کے جلا دیا اور خاکستر پانی میں بہادی موسیٰ علیہ السلام کا پھڑے کو ذبح کر کے اس کا خون بہانا اس بات کی دلیل ہے کہ سونے چاندی کی دھات سے بنا ہوا اس کا جسم گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا اور اس میں حیات پیدا ہو گئی۔ بعض نے کہا: کہ ریتی سے اس کا برادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جسم دھات سے گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل نہیں ہوا لیکن یہ دلیل اس لئے ضعیف ہے کہ دھات کا ہی برادہ نہیں کیا جاتا بلکہ ریتی سے ہڈی کا برادہ بھی کیا جاتا۔ قدما مفسرین کے مطابق صحیح یہی ہے کہ وہ پھڑا دھات سے گوشت اور ہڈی میں تبدیل ہو گیا تھا قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ:

وَأَنْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْتَحَرِقَنَّهُ ②

”اپنے اس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے اسے

لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ③

دریا میں بہائیں گے۔“

(سورۃ طہ 14:16)

اپنے ظاہر الفاظ کے ساتھ قدما مفسرین کے قول کی تائید کرتا ہے۔ ②

بنی اسرائیل کی پشیمانی کے بعد بھی کج روی:

پھڑے کی پوجا کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی سرزنش کرنے کے بعد وہ لوگ بہت پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کے بہترین ستر افراد کو ساتھ لے کر طور پر آجائیں تاکہ وہ تمام قوم کی طرف سے پھڑے کی پوجا کے جرم کی معافی طلب کریں۔ آپ ان کو جب ساتھ لے کر گئے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام تم اپنے رب تعالیٰ سے

روح المعانی ص 257 بحوالہ اتھمان علامہ کالمی رحمہ اللہ ص 206

بیضاوی و شیخ زادہ بحوالہ نجوم الفرقان ج 3 ص 113

سوال کرو یہاں تک کہ ہم بھی اس کے کلام کو سنیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اسے قبول کر لیا گیا۔

جب آپ پہاڑ کے قریب پہنچے تو ستون کی شکل میں بادل نمودار ہوا جس نے تمام پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل کے قریب ہوئے یہاں تک کہ اس میں داخل ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے رب تعالیٰ سے کلام کیا تو آپ کی پیشانی سے ایک نور چمکنے لگا انسانوں میں سے کوئی ایک اسے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ قوم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا یہ کرو اور یہ نہ کرو جب کلام کا سلسلہ ختم ہوا تو بادل کو اٹھا لیا گیا۔

قوم نے کہا ”لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً“ ہم ہرگز تمہارا نہیں یقین کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہیں دیکھ لیں گے تو ان کو بجلی کی کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ اور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے لایا تھا تا کہ ان کی توبہ قبول ہونے پر میرے گواہ بنیں اب میں ان کی طرف واپس جاؤں گا تو میرے ساتھ کوئی ایک بھی جب نہیں ہوگا تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گے موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو لوٹا دیا۔

خیال رہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے کے لئے طور پر گئے اس وقت ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے پھر واپس لوٹنے پر قوم کے چھڑے کی پوجا کرنے کے بعد لے کر گئے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے ان آدمیوں کو لے کر گئے پھر انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کر کے توبہ کی توبہ کے واقعہ کے بعد لے کر گئے۔ ❶

رہا یہ امر کہ بعض آیات قرآنیہ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد دنیوی حیات حاصل نہیں ہوتی ان آیات میں اسی عادت الہیہ کا قانون عام کا بیان ہے لیکن خرق عادت بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے اور بعض امور کا قانون خاص کے تحت ہونا قرآن و حدیث سے واضح ہے اس لئے یہاں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علم الہی میں باقی تھی اور بطور سزائے معصیت یا کسی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر موت طاری کی گئی ان لوگوں کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علم الہی میں پوری ہو چکی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی ہے۔ ❷

قوم کا احکام خداوندی ماننے سے انکار:

وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِكُمْ وَلَا تَقْعَبُوا فُتُورَكُمْ الطُّورُ طَعْدُوا مَا

”اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور طور (پہاڑ) کو

تمہارے اوپر اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا (اسے) مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں ہے (اسے) یاد کرو تا کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔“

اَتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاَذْكُرُوا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦﴾
(سورۃ بقرہ 6:1)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی ایک اور اشد ترین بغاوت و سرکشی کا ذکر فرمایا وہ یہ کہ اس قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے خود ہی مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب آنی چاہیے جس کے احکام کے مطابق ہم اپنی زندگی بسر کریں اور ان احکام کی روشنی میں فلاح اور بھلائی کی راہ پائیں۔ موسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات لائے تو اس میں ان کی طبعی سرکشی اور طغیان کے لحاظ سے کچھ بھاری احکام بھی تھے مگر ایسے نہیں جو ناقابل عمل ہوں بلکہ ان کی حالت کے مناسب اور حکمت الہیہ کے عین مطابق تھے بنی اسرائیل نے صرف بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے پہاڑ کا ایک حصہ ان پر اٹھالیا اور ارشاد ہوا۔

”خُذُوا مَا آتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ“ ہم نے تمہیں جو کچھ دیا اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ اس پر ان سے پختہ عہد لیا گیا لیکن انہوں نے اس کو بھی توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطنی فساد کو خوب اچھی طرح ظاہر کرنے اور انہیں رسوا کرنے کے لئے قرآن مجید میں الفاظ ”ورفعنا“ کے ساتھ ان پر پہاڑ اٹھا لینے کا ذکر بار بار فرمایا۔

خیال رہے کہ بعض لوگوں نے یہاں سے مراد زلزلہ لیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ جب لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جاسکتا ہے تو مجازی معنی لینا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تین مرتبہ ”ورفعنا“ اور ایک مرتبہ ”ننقنا“ ذکر کیا گیا اگر آیت کریمہ میں یہی مشہور و متعارف معنی مراد نہ لئے جائیں تو قرآن پاک میں واقعہ میں تینوں جگہ لفظ ”ورفعنا“ بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ صرف پہاڑ کا بلند ہونا معنی مراد نہیں اس لئے کہ پہاڑ تو پیدائشی طور پر بلند ہی ہیں ہو سکتا ہے کہ پہاڑ ان کے سروں پر سائبان کی طرح بلند کیا گیا۔ یہی معنی ”ننقنا“ کا بھی ہے کیونکہ یہ صحیح اسی وقت ہی ہو سکتا ہے جب ”ننق“ کا معنی ”جڑ سے اکھاڑنا ہو“ تعجب ہے ان لوگوں پر جو متقدمین علماء کرام اسلام کی تحقیقات کو پس پشت ڈال کر یہود و نصاریٰ کی بے بنیاد کتابوں اور جدید ملحدانہ نظریات پر اعتماد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مادہ پرستی اور لادینی افکار سے متاثر ہو کر محض عقل ناقص اور ناقص تجربات پر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں جن کی نظر میں علماء حقہ میں اور اسلاف کی تحقیقات کوئی وقعت نہیں رکھتیں وہی لوگ کتاب و سنت کی نصوص میں غلط تاویلین کر کے خود بھی گمراہی کا شکار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے ”ضلوافا ضلوا“ (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) کا مصداق بن جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

واضح رہے کہ پہاڑ کو اس جگہ سے اکھاڑ کر بلند کرنا اس لئے نہ تھا کہ تورات کے احکام ان سے جبراً منوائے جائے بلکہ محض ان کی اور سرکشی طغیان کی وجہ سے تھا۔ لہذا اس آیت کریمہ کا ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ دین میں کوئی جبر نہیں سے کوئی تعارض نہیں۔ ❶

عمالہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی:

”موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے، ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔ (اس وقت) کہا: دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازے سے اور جب تم داخل ہو گے دروازے سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔ کہنے لگے: اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑوان سے ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں سوائے اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نا فرمان قوم کے درمیان۔“

بنی اسرائیل کا اصل آبائی وطن ”مالوف“ شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آ کر مقیم ہوئے اور وہاں مختلف حالات سے گزرتے رہے۔ فرعون مصر کی غلامی میں کٹھن دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات دلائی۔ فرعون دریا میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا، اس دوران ملک شام پر قوم عمالہ قابض ہو چکی تھی اور انہوں نے وہاں تسلط قائم کر لیا تھا۔ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا اصل وطن آزاد کرائیں اور وہاں جا کر مقیم ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بارہ نقیب (سردار) روانہ کئے جو چالیس

روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: کہ قوم کے سامنے بر ملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے ان کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت ان کی قد و قامت ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلا اٹھے اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رخ کریں گے۔ انہوں نے کہا: ہم شام کی زرخیز زمینوں ٹھنڈے پانی کے ابلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزت کی زندگی سے باز آئے ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔

دوسرے دوسرے داروں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو ذرا ہمت کر کے دشمن کے شہر کے دروازے سے داخل ہو کر حملہ کر کے دیکھو۔ نصرت الہی کس طرح تمہارے دشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا جب وہ عمالقہ کی طاقت کا حال سن کر دل چھوڑ بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزایں دی کہ وہ اپنے گھروں تک واپس نہ پہنچ سکے اور چالیس برس تک وادی تہیہ میں حیران و پریشان گھومتے رہے۔

”تہیہ“ مصر اور شام کے درمیان ایک وسیع اور کھلا میدان تھا۔ تہیہ کے معنی ہی حیرانی و پریشانی کے ہیں۔ بنی اسرائیل اس میدان میں چالیس سال تک انتہائی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں سرگرداں رہے اسی لئے اسے ”وادی تہیہ“ کہا جاتا ہے بنی اسرائیل اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے رات بسر کرنے کے بعد صبح اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ①

بنی اسرائیل کی سرکشی کے باوجود ان پر انعامات:

”اور ہم نے تم پر بارل کا سایہ کر دیا اور من اور سلوی تم پر
وَضَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی طُكُلُوا
مِنْ طُوبٰی مَا رَزَقْنٰكُمْ طَوْمًا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا اَنفُسَهُمْ
(ہماری نافرمانی) کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا ہاں! وہ اپنی جانوں
پر ظلم کرتے رہے۔“
(سورۃ بقرہ: 6:1)

بنی اسرائیل کی انتہائی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات فرمائے اس آیت کریمہ میں جن نعمتوں کا ذکر ہے ان کا تعلق میدان تہیہ سے ہے جہاں وہ چالیس برس تک پریشان حالی اور سرگردانی میں رہے اس وادی میں نہ کوئی سایہ

ہے نہ کوئی درخت نہ ہی کوئی عمارت نہ پینے کے لئے پانی نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نہ روشنی تھی اور نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات۔ اس بے سرو سامانی اور غریب الوطنی کے عالم میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لئے سب سامان مہیا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لئے بادل بطور سائبان نازل فرما دیا کھانے کے لئے من سلوی بھیج دیا۔

من کیا چیز ہے؟

من کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ ”من“ سے مراد ”ترنجبین“ ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔
”فَلَمَّا أَكْثَرُوا أَكْلَهُ سَمُّوا مِنْ أَكْلِهِ فَقَالُوا لِمُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ ”جب وہ کثیر مقدار میں من کھا کر موٹے ہو گئے تو کہنے لگے: اے قَتَلْنَا هَذَا الْمَنِّ بِحَلَاوَتِهِ۔“
موسیٰ علیہ السلام اس من کی مٹھاس نے تو ہمیں مار کر رکھ دیا ہے۔“
موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حضور دعا کی تو رب تعالیٰ نے ان پر سلوی نازل فرمایا۔

ایک حدیث پاک کا مطلب:

”لَكُمْ مَنَّ مِنَ الْمَنِّ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَمَا وَهَّا شِفَاءً لِلْعَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ مِنَ الْمَنِّ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ مُوسَىٰ.....“
پرفرمایا اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس من سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ (مطلب دونوں روایات کا ایک ہی ہے)
کماؤ کیا ہے؟ یہ پودا بہار کے موسم میں زمین کے نیچے پایا جاتا ہے۔ یہ اردی کی طرح گول جڑ ہوتی ہے جس کا نہ تنا ہوتا ہے نہ رگیں اس کا رنگ خیالا ہوتا ہے (المنجد) تاہم بعض مترجمین نے اس کا معنی کھمبی بھی کیا ہے۔
فائدہ: کماؤ کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ بعض اہل علم نے بیان فرمایا کہ اس کے پانی میں برودت (ٹھنڈک) کی تاثیر ہے اسلئے اگر اسے استعمال کیا جائے جب کہ آنکھیں حرارت کی وجہ سے خراب ہوں تو آنکھوں کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔ البتہ مختلف اوقات میں دواؤں کے ساتھ استعمال آنکھوں کے لئے نفع مند ہے۔ ❶

سلوی کیا ہے؟ سلوی کے بارے میں متعدد اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ وہ شیر تھا بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے۔ الغرض من اور سلوی ان کی شیریں اور نمکین لطیف غذائیں تھیں جنہیں شکم سیر ہو کر وہ کھاتے تھے۔ تاریکی دور کرنے کے لئے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان اس طرح ظاہر

❶ تفسیر نجوم الفرقان شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بحر الوری مدظلہ العالی ج 2، ص 124، منجد و تاج

فرمائی کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے اور نہ ہی پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔ ”وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ“ یہاں لفظ ”فَعَصَوْا“ محذوف ہے یعنی اتنے عظیم و جلیل احسانات و انعامات کے باوجود انہوں نے نافرمانیاں کیں اور اپنی نافرمانیوں سے انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا۔ ہاں! وہ اپنے (آپ) ہی کو نقصان پہنچاتے

رہے۔ ❶

پتھر سے پانی نکالنا:

”اور جب پانی طلب کیا موسیٰ نے اپنی امت کے لئے تو ہم وَ اِذَا سْتَسْقٰی مُوسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِیًّا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُّوْا وَاَشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الدُّرْهِیْ مُفْسِدِیْنَ ﴿۶﴾“

نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ بے شک ہر گروہ نے پانی پینے کی جگہ کو پہچان لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ (تعالیٰ) کے رزق سے اور نہ پھر زمین میں فساد کرتے ہوئے۔“

(سورۃ بقرہ: 1:7)

کرتے ہوئے۔“

میدان تہ میں چھ لاکھ کی تعداد میں بارہ میل پر پھیلے ہوئے لشکر جب پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی بے بسی کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور حکم دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنا عصا پتھر پر مارو پانی جاری ہو جائے گا۔ آپ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے مختص کر لیا۔ پتھر سے جاری ہونے والا پانی اتنی بڑی تعداد کے لوگوں کے لئے کافی تھا۔ پتھر کعب شکل کا تھا اور ہر طرف سے تین تین چشمے جاری ہوئے۔ یہ پتھر کوئی خاص معین تھا یا کہ عام پتھر تھا۔ اگرچہ اس میں مختلف اقوال تو ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ قرآن پاک میں کسی پتھر کو مختص جب نہیں کیا گیا تو وہ پتھر عام تھا۔ ❷

میدان تہ سے نجات اور ان کی سرکشی:

”اور جب ہم نے فرمایا اس شہر میں چلے جاؤ پھر اس میں جہاں وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ۚ وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوْا حِطَّةٌ تُغْفِرْ لَكُمْ عَظَمٰتُكُمْ ۚ وَ سَنُرِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَانْزَلْنَا عَلٰی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۸﴾“

چاہو با فراغت کھاؤ اور داخل ہو دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور کہو ”حطّہ“ (ہمارے گناہوں کو معاف کر) ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو عنقریب ہم زیادہ دیں گے تو بدل دیا ظالموں نے اس بات کو

(سورۃ بقرہ: 1:6)

کائناتوں ❸

جوان سے کہی گئی تھی دوسری بات سے تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔“
اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کر لیا، بائبل کی تصریح یہ ہے:
”اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں
کیں جن کے نتیجہ میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور چوبیس ہزار آدمی ہلاک کر دیئے۔ (گنتی باب ۵ آیت ۱-۸)

ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ نظر دینی چاہیے وہ یہ ہے کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود
صرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا
ہے جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ قصص قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان
و مکان کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ❶

جب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا واقعہ مراد لیا جائے تو بستی سے مراد ”اریحا“ ہوگی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل
نہیں ہوئے۔ اگر بیت المقدس مراد لیا جائے تو یہ واقعہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعد حضرت یوشع
علیہ السلام کے زمانے سے متعلق ہوگا۔ رب تعالیٰ نے اس قوم کو کہا کہ جب تم شہر میں داخل ہو تو سجدہ کرتے ہوئے عجز و انکساری سے
داخل ہونا اور زبان سے ”حطہ“ کہنا لیکن قوم نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے سرکشی سے سجدہ کرتے ہوئے داخل
ہونے کے بجائے اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہونا اختیار کیا اور ”حطہ“ کہنے کی جگہ ”حطہ“ (ہمیں گندم چاہیے) کہا ان
کی سرکشی اور حدود سے تجاوز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعون کا عذاب بھیجا جس سے وہ چوبیس ہزار کی تعداد میں مر گئے۔ ❷

من وسلوی سے اعراض اور ذلت کا تسلط:

”جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! ہم سے ایک
کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا
کیجئے کہ وہ (من وسلوی کی بجائے) ہمارے لئے زمین سے
اگنے والی چیزیں پیدا کرے زمین کی سبزی (ترکاری) کھڑی
’گندم بے شک (وہاں) تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ڈال
دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں
آگئے یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر
وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ لَنْ نُّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاجِبٍ فَادْعُ لِقَارِئِكَ
يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّاءِهَا وَفُومِهَا وَ
عَدِيسِهَا وَبَصِلِهَا فَلَمَّا اتَّبَعُوكَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي
هُوَ غَيْرُ مُبْطُوءٍ مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبِ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٧﴾ (سورة بقرہ 7:1)

کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے (بھی) کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔“

یہ بات بھی بنی اسرائیل نے ”میدان تہ“ میں کہی تھی۔ ①

بنی اسرائیل عرصہ دراز تک بلاناغہ من و سلوی کھاتے رہنے کی وجہ سے اکتا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اب ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہ کر سکیں گے۔ من و سلوی کی دو مختلف قسم کے کھانوں کو ایک کھانا اس لئے کہا گیا کہ دونوں قسم کے کھانے ۷۰ ایک ساتھ کھاتے تھے یا اس لئے کہ ہر روز بطور غذا انہیں یہی دو چیزیں ملتی تھی۔ یہ نفیس کھانا باقی کھانوں سے بہتر تھا لیکن بنی اسرائیل کے اصرار پر ارشاد ہوا ”اهبطوا“ تم مصر میں اتر جاؤ جو کچھ تم نے مانگا وہ تمہیں وہاں ملے گا۔

اس مصر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ فرعون کا مصر تھا یا کوئی اور شہر رائج ہے کہ اس سے غیر متعین شہر مراد ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وادی تہ کے قریب کوئی شہر تھا جس میں عارضی طور پر جانے کا حکم ان کی خواہش کے مطابق دیا گیا تھا بڑھتی ہوئی نفسیاتی خواہشات کی بناء پر طاعت اور بندگی کی حدود سے بار بار یہود کا تجاوز اور طغیانی ان کے حق میں دائمی ذلت و مسکنت (مسکینی) پر منتج ہوا۔ قوم یہود پر ذلت و مسکنت کا مسلط ہونا ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کا انکار واقعات کی روشنی میں کوئی اہل انصاف نہیں کر سکتا قرآن مجید میں بھی (علی رؤس الاشہاد) واضح شہادت سے فرما رہا ہے کہ ذلت و مسکنت اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے حق میں مقدور ہو چکا ہے دنیا جانتی ہے کہ یہود تاریخ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں سے بہت پرانی اور قدیم ہے ابتداء سے لیکر آج تک ان کی تاریخ کو سامنے رکھ لیجئے کوئی دوران کا ذلت و مسکنت سے آپ کو خالی نظر نہیں آئے گا حالانکہ ان میں ایک طبقہ بہت بڑا سرمایہ دار ہے لیکن انتہائی بخیل اور حریص کتنا ہی مالدار ہو مگر بخل کی وجہ سے وہ ہمیشہ مسکینی کی ہیئت پر رہتا ہے اور حریص کمال حرص کے سبب ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال جمع کرنے کی فکر میں رہتا ہے (مصیبت اور مشقت) میں مبتلا رہتا ہے پھر یہ کہ سب یہودی مال دار نہیں بلکہ بہت سے یہود فقر و مسکنت کا شکار ہیں۔ حیوانیت و بربریت، ظلم و جور و کمی انسانیت پر لرزہ خیز مظالم ان کی طبائع میں مرکوز ہیں۔ عہد شکنی وعدہ خلافی ان کا طرہ امتیاز ہے ان کے ظلم و ستم کے باعث اقوام عالم کی نظروں میں وہ لائق گردن زنی (گردن اڑا دینے کے قابل) رہے ہیں۔ اسی لئے ان کی پوری تاریخ میں ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ ان کے جرائم کی پاداش میں لوگ انہیں قتل کرنے اور سخت تکلیفیں پہنچانے کے درپے نہ رہے ہوں قرآن مجید کے اعلان کے مطابق یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

”وَاذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْغِيَمَةِ مَن يَسُوءُهُمْ سَوْءَ الْعَذَابِ.....“ (سورۃ اعراف 11:9)

تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیں گے۔“

اس زمانہ میں بھی جب کہ یہود کی نام نہاد حکومت فلسطین میں قائم ہے مظلوم فلسطینی ہر وقت ان کی تاک میں رہتے ہیں گویا وہ یہودیوں پر مسلط رہتے ہیں جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ یہود کو تکلیفیں پہنچانے قتل کرنے اور قیدی بنانے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور یقیناً یہ صورت حال قیامت تک جاری رہے گی البتہ ان کے لئے جان و مال کی بے حرمتی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی رسی کے سہارے ہو سکتا ہے یا اس کے علاوہ ذلت و خواری سے محض بظاہر محفوظ رہنا لوگوں کی رسی کے ذریعے ممکن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا تُنْفِرُوا اِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ
مِّنَ النَّاسِ.....“ (سورۃ آل عمران 4:3)

اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کے۔“

اللہ کی رسی سے مراد قرآن اور اسلام ہے قرآنی اور اسلامی حکم ہے۔

”وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ“ (سورۃ توبہ ۱۰:۶)

”یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو۔“

اور ارشاد فرمایا:

”حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ“ (سورۃ توبہ 10:10)

”یعنی اگر چہ پناہ طلب نہ کریں تو ان کا مال و جان محفوظ نہیں
یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔“

اگر چہ پناہ مانگنا اور جزیہ ادا کرنا دونوں باتیں موجب ذلت ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں مستامن اور ذمی کا جان و مال بے حرمتی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور لوگوں کی رسی سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلم لوگ ان سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت کا ذمہ اٹھالیں جیسا کہ آج کل بعض غیر مسلم بڑی طاقتوں نے یہود سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہوا ہے جس کی بل بوتے پر فلسطین میں یہود کی بے بنیاد حکومت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ اگر وہ لوگ آج اپنا معاہدہ ختم کر دیں تو یہ نام نہاد حکومت باقی نہ رہے۔

بعض مفسرین نے ”لوگوں کی رسی“ کا مفہوم ”جزیہ“ بیان کیا ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رسی اور لوگوں کی رسی ایک ہی قرار پائے گی حالانکہ نسب یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ ہوں۔ ❶

غالباً اسی لئے قرآن مجید میں ”ذیل من المسلمین“ کی بجائے ”ذیل من الناس“ فرمایا گیا ہے ایسی حکومت کا قیام قرآن کی پیشگوئی کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ ذیل من الناس کے الفاظ میں اس مسئلہ میں قرآنی صداقت کا اعلان کر رہے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ قرآن کے مطابق محض لوگوں کے سہارے فلسطین میں بے بنیاد اسرائیلی حکومت قائم ہے جو آج بھی حقیقی ذلت و مسکنت اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہے اور یقیناً آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں یہ لوگ مبتلا ہوں

گے۔ ”وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ”بغیر الحق“ نے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی ایسا کام سرزد ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کا قتل حق قرار پائے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں ان سے کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا یہاں بغیر الحق فرما کر انبیاء کے قاتلین کے فعل کا وصف بیان فرمایا کہ وہ ناحق تھا۔ ❶

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء کا قتل ان کی نبوت کے خلاف نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حق میں وعدہ الہیہ ”واللہ یعصمکم من الناس“ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کا لوگوں سے بچائے گا..... حضور کی خصوصیات سے ہے ورنہ نفس قتل کا نبی پر وارد ہونا ہرگز اس کی نبوت کی نفی نہیں کرتا جس کی روشن دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اگر رسول اللہ ﷺ پر موت طاری ہو جائے یا مقتول ہو جائیں تو اے مسلمانو! کیا تم پچھلے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یعنی رسول کے لائے ہوئے دین کو چھوڑ دو گے۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی انتہائی شقاوت قلبی کا بیان کا بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کرنے والوں سے بڑھ کر کون شقی القلب ہو سکتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے انتہائی بیدردی کے ساتھ شہید کیا یہ سب کچھ یہودی کی نافرمانی اور پرانی سرکشی کا ظہور تھا۔ ❷

گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ:

”اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے ایک گائے ذبح کرنے کا وہ بولے: کہ آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں نادانوں سے ہو جاؤں انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتا دے وہ کیسی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچھری (بلکہ) اس کے درمیان متوسط عمر کی پس بہا لاؤ جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ زرد گائے ہے گبرے چمکدار رنگ کی دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے وہ بولے اپنے رب اللہ تعالیٰ سے ہمارے

وَأَدَّكَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَتْ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بُكْرٌ طَعَوَانِ بَيْنَ ذَلِكَ طَاعِلٌ فَاذْعَلُوا مَا تُمَارُونَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْ هِيَ طَالَتْ لَنَا مَالُ نَوَاحٍ قَالَتْ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقْبَعُوا لَوْ هِيَ تَسْرُ الطَّيْرِينَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ لَا إِنَّ الْبَقْرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ قَالَتْ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثَمِّرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْعَرْشَ مَسْلَمَةً لَا شِمَةَ فِيهَا قَالُوا الثَّنَ جَنَّتْ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ (سورة بقرہ: 8)

وہ فرماتا ہے یقیناً وہ زرد گائے ہے گبرے چمکدار رنگ کی دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے وہ بولے اپنے رب اللہ تعالیٰ سے ہمارے

لئے دعا کیجئے وہ ہمیں کھول کر بتائے اس کا وصف کیا ہے؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور بیشک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ضرور راہ پائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بیشک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ گائے ہے جو نہ محنت کش ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ وہ کھیتی کو پانی دیتی ہے صحیح سالم ہے (یک رنگ) جس میں کوئی (داغ) دھبہ نہیں۔ وہ بولے: آپ ٹھیک بات لائے پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے کے قریب نہ تھے۔“

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تاکہ اس کا وارث بن جائے۔ قتل کر کے اس کی لاش کو چوراہے میں پھینک دیا پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر آ گیا موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کی قاتل کا پتہ لگانے کی لیکن پتہ نہ چل سکا وہ لوگ کہنے لگے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ وہ بتائے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی۔ آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کر کے اس کا گوشت مردہ کو مارو وہ زندہ ہو کر بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے؟ انہوں نے تعجب کیا کہ ذبح شدہ جانور کا گوشت مردہ کو کیسے زندہ کرے گا؟ یہ تو ایک مزاح نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

”يَعْنِي أَنَّ الْإِسْتِغْفَالَ بِالْإِسْتِهْزَاءِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِسَبَبِ الْجَهْلِ“ یعنی مزاح اڑانا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی سے مزاح اڑائے اور خصوصاً دینی معاملات میں مزاح اڑانا شدید عذاب اور سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ ایسا اقدام کر سکتا ہے جو عذاب کا سبب بنے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”لَوْ دَبَحُوا يَمَّةً أَرَادُوا لِأَجْزَاتٍ مِنْهُمْ لَكُنْتُمْ فَتَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ اگر وہ کوئی گائے بھی ذبح کرتے تو ان کو کفایت کرتی لیکن انہوں نے خود بار بار سوال کر کے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”وَأَلْذِي نَفْسٍ مُّحْتَمِلٍ يَدِيمُ لَوْ لَمْ يَقُولُوا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَيَحْمِلَنَّ“ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہتے تو ہمیشہ ان کے اور گائے کے حصول میں سوالات حائل رہتے۔“

یعنی جب انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ہدایت پائیں گے تو اسی وقت ان کو سوالات ختم کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ ●

وہ کیوں ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے:

اس کی چند وجوہ ہیں جن کے پیش نظر وہ ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اب ان کو اس کام کے نہ کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا لہذا انہیں ذبح کرنا پڑا۔

① "لنخوف الفضيحة" ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نے ذبح کر دیا اور اس کا گوشت مقتول شخص کو مار دیا تو وہ زندہ ہو جائے گا اور پتہ چل جائے گا کہ قاتل کون ہے؟ قاتل تو وہ خود ہی تھے اس لئے وہ رسوائی کے ڈر سے ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔

② "لعزة وجودها بهذه الاوصاف جميعا" اور وجہ یہ تھی کہ وہ اس لئے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ سمجھدار تھے کہ ان تمام اوصاف والی گائے کا ملنا مشکل ہے۔

③ "لغلاء ثمنها" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس لئے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی بہت قیمت ہے کیونکہ اس وقت عام گائے کی قیمت تین دینار تھی لیکن یہ گائے ان کو گائے کا چمڑا بھر کر اس کے برابر سونا وغیرہ ادا کرنے کی قیمت مل رہی تھی۔ ④

بہت بھاری قیمت سے گائے حاصل کی:

اس وقت عام طور پر گائے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی لیکن انہوں نے سوال کر کے اپنے لئے اتنی مشکل پیدا کر دی تمام اوصاف کسی گائے میں بیک وقت پائے جانے دشوار نظر آئے۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے انہیں ایک بیوہ اور اس یتیم بچے کے پاس ایسی گائے نظر آئی جس میں بیان کردہ جمیع اوصاف موجود تھے۔ بوڑھی نہیں تھی اور چھڑی نہیں تھی بلکہ درمیانی عمر کی تھی زرد رنگ تھا دیکھنے والوں کو خوش کرتی تھی زمین میں اس نے ہل نہیں چلایا تھا اور نہ ہی کھیتی کو سیراب کیا تھا اور اس میں کوئی عیب اور داغ دھبہ نہیں تھا کیونکہ اس یتیم کے بوڑھے نیک پرہیزگار باپ نے اپنی ایک چھڑی کو جنگل میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے دیا تھا کہ میرا بچہ کچھ بڑا اور سمجھدار ہو کر اسے لے جائے گا۔ وہ بچہ بھی والدین کا فرمانبردار تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنی گائے جنگل سے لے آیا تھا۔ اسی گائے میں تمام اوصاف موجود تھے۔ موٹی تازی تھی خوبصورت تھی بنی اسرائیل کو اس کے چمڑے میں جتنی مقدار میں سونا وغیرہ آسکتا تھا اتنی مقدار میں سونا بطور قیمت ادا کرنا پڑا۔

سبحان اللہ! مالک الملک نے اپنے بندے کی گائے کی جنگل میں حفاظت فرمائی اور اس نیک بندے کی بیوہ اور اس کے

یتیم بچے کو کثیر مقدار میں مال و دولت عطا فرمایا۔ بنی اسرائیل اگر چہ گائے کی بھاری قیمت ادا کرنے پر بخوشی رضا مند نہیں تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ہمارا مقتول زندہ ہو گیا تو ہمارا اپنا ہی عیب ظاہر ہوگا لیکن انہیں پھر بھی گائے ذبح کرنی پڑی کیونکہ اب ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا تھا اگر چہ وہ ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ❶

گائے کے ذبح کرنے میں حکمت:

- ❶ ایک وجہ تو یہی تھی کہ نیک آدمی کے یتیم بچے اور اس شخص کی بیوہ کو کثیر مال عطا کرنا تھا اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ سوال کرتے رہیں کہ اس طرح وہ گائے کہیں اور نہ مل سکی۔
- ❷ دوسری وجہ یہ تھی کہ گائے کی قربانی کا طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اور وہ لوگ گائے کی قربانی کو عظیم سمجھتے تھے اس لئے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کے ذہن اسے قبول کر لیں کہ گائے کی قربانی میں یہ اثر ہوگا مقتول کو زندہ کرنے کا یہ عجیب انداز بیان کر لیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر وہ جادوگری کا الزام عائد نہ کر سکیں۔
- ❸ تیسری وجہ یہ تھی کہ مقتول کو اس عجیب انداز سے زندہ کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اس طرح مردوں کو زندہ فرما لیتا ہے۔
- ❹ چوتھی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ کی برتری ان پر واضح ہو جائے اور آپ کا معجزہ ظاہر ہو جائے۔
- ❺ پانچویں وجہ یہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد نے دیکھ کر پھڑے کی پوجا شروع کر لی تھی ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دے کر تنبیہ کر دی کہ گائے خدا نہیں ہو سکتی جو خود ذبح ہو جائے وہ خدا کیسے؟ ❻

قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون:

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَاتَّبَعَ فِيمَا آلَكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ

”بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی چابیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اتر نہیں ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً
وَاَكْفَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ
عَلٰى قَوْمِهِ فِيْ زِينَتِهِمْ طَقَالَ الَّذِيْنَ يُرِيدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يَلْمِزْتَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ لَا اِنَّهٗ لَذُوْ حِظٍّ عَظِيْمٍ ﴿١١﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيُلْكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ غَيْرَ لِمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَلَا يُلْقٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿١٢﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِءَابَاۤءِ الْاَكْثَرِ
فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوْهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَتَّوْا مَكَانَهُ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ
وَيَسْكَانُ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْ لَا
اَنَّ مِّنَ اللّٰهِ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِعَاۤءِ وَيَسْكَانُ لَا يُغْنِيكُمُ الْكِبَرُ وَلَا

(سورة القصص 11:20)

کر جیسا اللہ تعالیٰ نے تمہ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ
چاہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ فساد یوں کو دوست نہیں رکھتا بولا: یہ تو
مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں
معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرمادیں
جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جماعتیں اس سے
زیادہ (اللہ خود ہی جانتا ہے) اور مجرموں سے ان کے گناہوں
کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا (کہ تمہارا مال کہاں
ہے تمہاری زیادتیاں کیا ہیں؟) تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش
میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا
جیسا قارون کو ملا ہے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے
جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ تعالیٰ کا ثواب بہتر

ہے۔ اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین
میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا اور کل جس نے
اس مرتبہ کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کیلئے چاہے اور تنگی فرماتا
ہے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر حسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب اکافروں کا بھلا نہیں۔

قارون (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا قریبی رشتہ دار تھا۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا بعض حضرات نے
اسے آپ کا خالہ زاد کہا ہے اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی نبوت پر حسد کرتے ہوئے منافقت اختیار کر لی تھی جیسے آپ
کی قوم میں سامری منافق تھا۔ قارون خوبصورت ہونے کی وجہ سے منور کہلاتا تھا اور تورات کا بھی بہت بڑا قاری تھا لیکن نبی کا
گستاخ ہونے کی وجہ سے ذلیل ہوا وہ بہت بڑا مالدار تھا۔ دس آدمیوں کی جماعت اس کے مال کو شمار نہیں کر سکتی تھی یا یہ لوگ اس
کے خزانوں کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

”اِنَّ اِخْتِمَارَ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنِ اِنْ تَحْمِلُ الْمَفَاتِيْحَ عَلٰى
نَفْسِ الْمَالِ“
”حضرت ابن عباس اور حسن (رضی اللہ عنہما) کا مختار مسلک یہ ہے کہ
مفتاح سے مراد مال لیا جائے یعنی اس کے مال کو دس آدمی نہیں
اٹھا سکتے تھے۔“

”وَالْعَصْبَةُ الْجَمَاعَةُ الْكَثِيرَةُ مِثْلُهَا فَالْعَشْرَةُ عَصْبَةٌ“
 ”عصبہ اور عصابہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں دس کی تعداد پر عصبہ
 بولا جاتا ہے۔“

کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا ”وَنَحْنُ عَصْبَةٌ“ اور ہم ایک جماعت ہیں یہ کہنے والے دس کی تعداد میں تھے۔
 ”إِنَّ بِذَلِكَ لَمَفَاتِيحَ بَلَّغْتَ سِجِّينَ حَمَلًا لِّسَ مَذْكُورًا فِي“ ”جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں
 القرآن فَلَا تَقْبَلُ لَهُ الرِّوَايَةُ“
 ساتھ سوار یوں کا بوجھ تھا اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں اس
 روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔“

قارون اپنی مالداری کی وجہ سے اپنی قوم کے غرباء کو گھٹیا سمجھتا تھا ان کے ایمان کا کچھ پاس نہ کرتا۔ اپنے کثرت مال
 کی وجہ سے اس کے دل میں ان کی کوئی عظمت نہ تھی مصر میں رہنے کے دوران بھی فرعون کا ایجنٹ تھا اس لئے وہاں بھی بنی
 اسرائیل پر مظالم ڈھاتا رہتا تھا اور اپنے تکبرانہ انداز سے بھی ان پر غصہ کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ ❶

اس کی قوم نے اسے کہا: تم اپنے کثیر مال کی وجہ سے اتر آؤ نہیں اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی
 نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق تمہیں مزید نعمتیں عطا کرے گا کیونکہ
 اس کا وعدہ ہے۔

”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“ (سورة ابراہیم ۷: ۱۳)
 ”اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں دوں گا۔“

اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم دنیا میں آخرت کے لئے عمل کر کے عذاب سے نجات حاصل کرو اس لئے کہ دنیا میں انسان
 کا حقیقی حصہ یہ ہے کہ آخرت کے لئے عمل کرے صدقہ دے کر صلہ رحمی کر کے اور اعمال خیر کر کے ساتھ آخرت کا ثواب اور
 کامیابی حاصل کرے اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پانی، صحت، قوت و جوانی اور دولت کو نہ بھول بلکہ ان سے اے
 انسان! آخرت کو طلب کر۔ حدیث شریف میں ہے:

”پانچ سے پہلے پانچ کو غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، ثروت کو ناداری
 سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔“

قارون نے کسی کی نصیحت کو قبول نہ کیا بلکہ کہنے لگا یہ مال تو مجھے کسی نے نہیں دیا میں نے تو اپنے علم سے اسے حاصل
 کیا۔ علم سے مراد تورات کا علم یا کیمیا گری جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا تھا اور اس کے ذریعے قلعی کو چاندی اور
 تانبے کو سونا بنالیتا تھا یا علم تجارت یا علم زراعت یا اور پیشوں کا علم۔ ❷

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 25 ص 13-14 ❶
 تفسیر خزان العرقان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ

جب وہ زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے شاندار سواری پر سوار ہو کر شاہانہ انداز پر نکلتا تو اسے دیکھ کر دنیا دار لوگوں کا جی لپکتا، دل میں حسرت پیدا ہوتی۔ وہ کہتے: کتنا خوش نصیب ہے یہ قارون۔ کاش! ہمیں بھی اس جیسا مال و دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میسر ہوتی لیکن جو لوگ صاحب علم تھے دنیا کے مال کی حقیقت سے باخبر تھے کہ یہ ناپائیدار چیز ہے ان کے دل میں کسی قسم کو کوئی خیال پیدا نہ ہوتا کہ ہمیں بھی ایسا مال ملے بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی سمجھایا کہ تمہاری بربادی ہو تم دنیا کا مال طلب کر رہے ہو تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے اپنے ایمان پر ثابت رہو اور اچھے اعمال کرتے رہو۔

قارون کا زمین میں دھنس جانا:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال سے زکوٰۃ وصول کروں۔ قارون نے انکار کر دیا اس نے دوسروں کو بھی برگشتہ کرنے کی کوشش کی لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا: موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس نماز ادا کرنے کا حکم لائے اور بھی کئی احکام لائے کہ تم ان پر عمل کرو تو تم نے ان پر عمل کیا۔ اب وہ ہم سے ہمارا مال بھی چھیننا چاہتے ہیں یہ ہم کیسے برداشت کریں؟ سب نے کہا: ہاں یہ تو ہم کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا کیا جائے؟ اس نے کہا: فاحشہ عورتوں میں سے ایک عورت کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلاتے ہیں اور اسے انعام کا لالچ دے کر موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگاتے ہیں تاکہ سب لوگ اسے چھوڑ جائیں اس نے اپنے منصوبہ کے مطابق ایک فاحشہ عورت کو بلایا۔ اسے ایک ہزار دینار یا سونے سے بھرا ہوا ایک طشت دینے کا وعدہ کیا کہ تم سب لوگوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ موسیٰ علیہ السلام نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔

موسیٰ علیہ السلام نے عید کے دن خطبہ دیا اور احکام الہیہ بیان کئے اس دوران قارون نے بھی اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی نڈ موم لیکن ناکام کوشش کی کہ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم بنی اسرائیل کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاؤ کہ مجھے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا۔ ممکن ہے قارون کے کہنے پر عید کے دن ہی سب کو جمع کر کے آپ نے خطبہ دیا ہو اس طرح دونوں روایتوں کا مقصد ایک ہی ہوگا آپ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پیغام تمہیں پہنچاؤں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہراؤ صلوٰۃ رحمی کرو اس طرح آپ نے اور بھی کئی احکام بیان فرمائے اور آپ نے یہ فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زانی کو سنگسار کر دوں۔ قارون اور اس کے چچے کڑ جھمے کہنے لگے: یہی کام اگر تم کرو؟ آپ نے فرمایا: مجھے بھی سنگسار کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا تم نے تو زنا کیا ہے (معاذ اللہ)۔ آپ علیہ السلام نے کہا: میں نے؟ انہوں نے کہا: ہاں اتم نے۔ ابھی وہ عورت مجمع عام میں آکر بتائے گی۔ اس عورت کو بلایا گیا سب نے کہا: کہ تم بتاؤ جو معاملہ تمہارے ساتھ درپیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام

نے کہا: اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے سچ بتاؤ کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ اس عورت نے کہا جب تم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے تو اب میں سچ بیان کروں گی کوئی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوگی۔

اس نے کہا: ان لوگوں نے مجھے بلایا اور کثیر مال دینے کی پیش کش کی ہے کہ میں تم پر تہمت لگاؤں کہ تم نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک تم پاک دامن ہو ہر طرح سے پاک صاف ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔ موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے اور رب تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے: اے مولائے کائنات! جب میں تیرا رسول ہوں تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! زمین کو تمہارے حکم کے تابع کر دیا ہے اے جو حکم دیں گے وہ تسلیم کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا: مجھے رب تعالیٰ نے قارون کی طرف بھی ایسے ہی بھیجا جیسے فرعون کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس پر شاہد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ ﴿٢٥﴾ (سورۃ مؤمن 24:3)

ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف۔

اس لئے جو شخص اس کا ساتھ دینا چاہے وہ اس کا ساتھ دے اور جو میرا ساتھ دینا چاہتا ہے وہ اسے چھوڑ دے۔ آپ کے اس ارشاد پر اس کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے۔ باقیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا پھر آپ علیہ السلام نے کہا: ”اے زمین! ان کو (قارون اور اس کے ساتھیوں کو) پکڑ لے“ زمین نے ان کو ایڑیوں تک اپنے اندر دھنسا لیا وہ کہہ رہے تھے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اے موسیٰ علیہ السلام! لیکن آپ بدستور فرما رہے تھے۔ اے زمین! ان کو پکڑ لے۔ تو زمین نے ان کو گھٹنوں تک دھنسا لیا۔ پھر اس نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! اے موسیٰ علیہ السلام! لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ زمین کو کہا: ان کو اپنی گرفت میں لے لے تو زمین نے ان کو کمر تک دھنسا لیا پھر اسی طرح گردنوں تک وہ دھنس گئے اس حالت میں وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے آپ پر رحم کے واسطے ڈال رہے تھے لیکن آپ نے شدت غضب کی وجہ سے ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ کیا بلکہ زمین کو آخری حکم بھی دے دیا کہ اے زمین! ان کا مواخذہ کر لے۔ آخر زمین نے ان کو مکمل طور پر اپنے اندر سمیٹ لیا۔

رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور کہا: اے موسیٰ تم نے کتنی سخت ولی کا مظاہرہ کیا ہے وہ تمہیں بار بار پکار رہے تھے لیکن تم نے ان پر کچھ رحم نہ کیا ان کی آہ وزاری پر کچھ توجہ نہ دی۔ ”أَمَّا وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَوْ بِي اسْتَغَاثَ لَا غُثَّةُ“ اور دوسری روایت میں ہے کہ ”لَوْ إِنِّي دَعَوْتُ امْرَأَةً وَاحِدَةً لَّوَجَدْتُ نَبِيًّا مُّجِيبًا“ خبردار! اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر مجھ سے کوئی فریاد طلب کرتا تو میں اس کی فریاد کو ضرور پہنچاتا یعنی اس کی حاجت کو پورا کرتا کہ اگر وہ مجھے ایک مرتبہ ہی کوئی پکارتا تو مجھے اپنی پکار قبول کرنے والا پاتا۔

رب تعالیٰ کے اس ارشاد کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا خوب دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”رَبِّ غَضَبًا لَكَ فَعَلْتُ“ اے میرے رب! میں نے تیرے لئے ہی تو غصہ کرتے ہوئے یہ کیا ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ! جب وہ تیرے دین کی دجیاں بکھیر رہے تھے تیرے احکام کو پامال کر رہے تھے خود گمراہ ہو رہے تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے تھے تو میں نے تیرے حضور عرض کیا: کہ اے مولائے کریم! جب میں تیرا رسول ہوں! انہیں تیرے احکام پہنچا رہا ہوں لیکن یہ اپنے طریقہ سے باز نہیں آ رہے تو تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔

اے رب کریم! تجھ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ میں نے ان پر اس لئے غصہ نہیں کیا کہ انہوں نے مجھ پر تہمت لگائی ہے اس میں وہ خود ہی ذلیل ہو چکے تھے میرا غصہ تو تیری ذات کی وجہ سے تھا میں ان کی آہ پکار کو کیسے سنتا؟ ❶

موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ایذا سے بری کرنا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَوْسَىٰ سَيِّئًا ۚ فَرَأَاهُ اللَّهُ
مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهًا ۖ
”اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ستایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بری فرما دیا اس بات سے جو انہوں نے کی اور موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو والا ہے۔“
(سورۃ احزاب 6:22)

نبی کریم ﷺ کے مال پر جب ایک شخص نے اعتراض کیا تو حضور ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”مَرْحَمُ اللَّهِ مُوسَىٰ لَقَدْ أَوْدَىٰ بِأَكْثَرٍ مِنْ هَذَا فَصَبْرٌ“
”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا لیکن آپ نے صبر کیا۔“

موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک واقعہ تو ابھی گزرا ہے کہ آپ پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمایا۔

دوسرا واقعہ جو مسند احمد بخاری ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام بہت حیا فرماتے تھے۔ آپ اپنے جسم کو اس طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے کہ آپ کے جسم کی جلد کو کوئی شخص نہ دیکھے۔ یہ اہتمام آپ حیا کی وجہ سے کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں سے آپ کو بعض نے وحی الہیت (تکلیف) پہنچائی وہ کہنے لگے: آپ اپنے جسم کو کسی عیب کی وجہ سے ڈھانپتے ہیں یا تو آپ کو برص کی مرض ہے یا أدرة (خصیتین میں ہوا بھری ہونا) کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جب ہی آپ ہمارے ساتھ مل کر ننگے ہو کر نہیں نہاتے۔ وہ سب لوگ مل کر ننگے نہاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبی کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری فرمائے۔

ان تمام تکالیف وہ اقوال سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی آپ کے دل کو تسلی دی۔
 ”موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں وجیہ تھے۔“

وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٠﴾

”وجیہ“ کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں: مرتبہ والے قدر و منزلت میں بلند مقام رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے مقبول، مستجاب الدعوات (آپ کی ہر دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا سوائے اس کے کہ آپ نے دنیا میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی جو دعا کی اسے قبول نہیں کیا گیا) اور ”وجیہ“ کا معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ان تمام معانی کو شامل ہے کہ ”آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو (عزت) والے تھے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات:

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کہ بے شک نوحا بکالی گمان کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب بنی اسرائیل یہ وہ موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں جو خضر علیہ السلام والے موسیٰ ہیں۔ انہوں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے جھوٹ کہتا ہے۔ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے۔ آپ سے پوچھا گیا ”لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے؟“ آپ نے فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں تو رب تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا کیونکہ آپ علیہ السلام نے سوال کے جواب کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین (دریاؤں کے ملنے کی جگہ) میں رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! میں انہیں کیسے پاؤں گا تو آپ کو بتایا گیا کہ تم اپنے تھیلے میں ایک مچھلی بند کر کے اپنے ساتھ لے لو جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے وہی ان کا مقام ہوگا۔ ①

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا خُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي جَدَدٌ آءَاكَ لَقَدْ لَعِينْنَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْخُوتَ وَمَا أَتَيْتُهَا إِلَّا الشُّمُظُنَّ أَنْ أَذْكُرَهَا وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٤﴾

”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرونوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے۔ اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بنائے ہوئے۔ پھر جب وہاں سے گزر گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے خادم سے کہا: ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک ہمیں اپنے سفر

صحیح مسلم باب فضائل خضر علیہ السلام ج 2 ص 269 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ

(سورة کھف 21:15)

میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا۔ بولا: بھلا دیکھئے تو جب ہم نے

اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بیشک میں مچھلی کو بھول گیا تھا اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ میں اس کا ذکر کروں اس (مچھلی) نے تو سمندر میں اپنی راہ لی ہے جو باعث تعجب ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے جس جوان کو اپنے ساتھ لیا وہ ”یوشع بن نون“ تھے جو آپ کی خدمت و صحبت میں رہتے تھے اور آپ سے علم اخذ کرتے تھے اور آپ کے ولی عہد ہیں۔

”مجمع البحرین“ سے مراد دو دریاؤں کی جگہ یعنی بحر فارس اور بحر روم جہاں ملیں گے وہاں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ اس کی نشانی یہ بتائی گئی کہ جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے اسی مقام میں ان کو تلاش کرنا موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچنے کا مصمم عزم (پکا ارادہ) کر لیا اور فرمایا کہ میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا یہاں تک کہ وہاں پہنچ جاؤں بیشک وہ جگہ کتنی ہی دور ہو میرا سفر وہاں پہنچنے تک جاری رہے گا۔ پھر ان حضرات نے روٹی اور بھونی ہوئی نمکین مچھلی اپنے ساتھ ایک تھیلے میں لی تاکہ راستہ میں کام آئے پھر یہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک پتھر کی چٹان تھی وہاں ان حضرات نے آرام کیا اور سو گئے۔ بھونی ہوئی مچھلی تھیلے میں زندہ ہو گئی تڑپ کر دریا میں گر گئی۔ اس پر سے پانی کا بہاؤ رک گیا اور ایک محراب سی بن گئی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بیدار ہو چکے تھے۔ مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں گرنے کو دیکھ رہے تھے لیکن یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے تھے۔

دونوں حضرات وہاں سے چلے دوسرے دن کھانے کے وقت تک اپنا سفر جاری رکھا۔ جب دوسرے دن کھانے کا وقت ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: سفر کی تھکان بھی ہے اور بھوک کی شدت بھی اس لئے تھیلے سے روٹی اور مچھلی نکالو تاکہ کھانا کھالیں اس وقت یوشع بن نون کو یاد آیا۔ انہوں نے کہا: مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی بھونی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں جانا حیران کن اور تعجب ناک معاملہ تھا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے بھولنے کو شیطان کی طرف منسوب کیا:

اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کے دل میں وطن اور گھر کے افراد کا خیال ہو آپ نے نفس کے خیالات کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا ہو جو مثل شیطان ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے مشاہدہ میں مستغرق ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ کی وجہ سے اور کچھ خیال نہ رہا ہو اس کا حقیقی فاعل تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آپ نے عاجزی کے طور پر یہ کہا ہو کہ مجھے کچھ نہ کچھ دیگر امور کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے تھے یہ میرا توجہ نہ کرنا مجازاً شیطان کی طرف منسوب ہے۔ ①

① روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 8، حصہ اول ص 314 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

② تفسیر خزائن العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ سورة الكهف پارہ 15

فائدہ: {وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِفَتٰیهِ} میں ”فتی“ سے مراد ”یوشع بن نون“ ہیں۔ فتی ”نوجوان“ کو کہتے ہیں خادم کو ادب و احترام کے لئے خادم کے بجائے فتی (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔ اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ فرق مراتب کے باوجود ہمیں ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل ہو اور دل آزاری ہو۔ کاش کہ یہ سبق پولیس کے افراد کو حاصل ہو جائے جن میں اکثریت شرفاء سے بیہودہ کلام سے درپیش آتی ہے اور یہ سبق اللہ تعالیٰ کرے سکولوں اور دینی مدارس کے ہزاروں مدرسین میں کسی ایک بیہودہ کو بھی حاصل ہو جائے جو گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔ طلباء کرام کو اپنی اولاد و اقارب سے کم سمجھنے والے بیہودہ بکواس کرنے والے مخرب اخلاق تو ہو سکتے ہیں معلم اخلاق نہیں ہو سکتے۔ علم سے دور کرنے کا ذریعہ تو ہو سکتے ہیں علم عطا کرنے کا سبب نہیں بن سکتے۔ طلباء کو بدکلامی تو سکھا سکتے ہیں شیریں خنی سکھانا ان سے بھلا کیسے ممکن ہے؟

مچھلی زندہ ہونے کی جگہ لوٹنا:

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ ۚ فَارْتَدَّا عَلٰی اٰفَاقِنَا قَصَصًا ۚ فَوَجَدْنَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتٰیْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعِلْمًا مِّنْ لَّدُنَّا ۚ عَلِمًا ۚ قَالَ لَهُ مُوسٰی هَلْ اَتٰیكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَ مِنَّا عَلِمًا ۚ رُشْدًا ۚ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۚ قَالَ سَعَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۚ

(سورہ کہف 21:15)

”موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: کہ یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے ہٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت اور اسے علم لدنی عطا کیا اس سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں

تعلیم ہوئی۔ کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کہ آپ کا علم محیط نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: عنقریب اللہ تعالیٰ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام وہاں لوٹ کر آئے جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ پانی کا بہاؤ رکنے کی وجہ سے مختلف نشانات موجود تھے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہی مقام ہمارا مقصود ہے۔ دونوں نے تلاش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ایک چٹان کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے لیٹ رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے کہا: اس زمین میں سلام کہاں سے آگیا؟ (یہاں تو کوئی سلام کرنے والا کبھی نظر نہیں آیا) آپ نے کہا: موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ آپ نے کہا: جی ہاں! حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا وہ مجھے عطا نہیں فرمایا اور جو علم مجھے عطا فرمایا تمہیں نہیں عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیا میں آپ کی تابعداری کر سکتا ہوں کہ

تم مجھے وہ علم عطا کر دو۔ حضرت علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انہیں ظاہری شریعت کا علم عطا کیا گیا ہے یہ باطنی امور پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے کہا تم کیسے صبر کر سکو گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا۔ ●

حضرت خضر علیہ السلام نے شرط عائد کر دی:

قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٢١﴾ (سورہ کہف 21:15)

پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔“

موسیٰ علیہ السلام چونکہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا اور آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا اس لئے آپ کو خضر علیہ السلام نے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا:

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ لَدَارِ كَهَانٍ السَّيِّئَةِ عَمَرَكُمَا قَالَا اَعْمَرْتُمَا لِيَتَفَرَّقَ اَهْلُهَا لَقَدْ جِئْتُمَا امْرَاً ﴿٢٢﴾ قَالَا اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٢٣﴾ قَالَا لَنُؤَاخِذُكَ بِمَا نَبِيتُ وَلَا تَظْهَرُ مِنَّا اَمْرًا ﴿٢٤﴾ (سورہ کہف 21:15)

”اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے۔ اس بندہ نے اسے چیر ڈالا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: تم نے اس لئے چیرا کہ اسکے سواروں کو ڈوبادو۔ بے شک تم نے بری بات کی۔ کہا: میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ دونوں چلے۔ یوشع علیہ السلام کا ذکر نہیں آیا تو اس لئے کہ وہ تابع تھے ان کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی یا یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا ہو۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں دریا کے کنارے چل رہے تھے۔ ان کے قریب سے ایک کشتی والے لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا تھا اس لئے انہوں نے آپس میں کلام کیا کہ انہیں کشتی میں سوار کرنا چاہیے۔ لہذا انہوں نے بغیر اجرت لینے کے ان حضرات کو سوار کر لیا۔ یہ دونوں جب سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی جو کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھی۔ اس نے دریا میں اپنی چونچ ماری تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

”مَا نَقَصَ عَلَيَّ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ اِلَّا بِقُلِّ مَا نَقَصَ هٰذَا الْمَصْلُودُ مِنَ الْبَحْرِ“

”میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کی چونچ میں آنے والے پانی کو دریا کے پانی سے نسبت ہے۔“

● صحیح مسلم شرح مسلم شریف ج 2 ص 270 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

یہ بات صرف سمجھانے کی حد تک ہے کہ ان دونوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل اس سے بھی قلیل ہے۔ خیال رہے یہاں ظاہری معنی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ ظاہری معنی یہ ہے کہ میرے اور تمہارے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی سوائے اتنی مقدار کے جتنی چڑیا کی چونچ نے دریا میں کمی کی ہے۔ یہ معنی کسی حد تک بھی درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کمی کا واقع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ ماقبل بیان کردہ معنی کو ہی علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں الفاظ سے پیش کیا ہے:

”قَالَ الْعُلَمَاءُ لَفْظُ النَّقْصِ هُنَا لَيْسَ عَلَى ظَاهِرِهِ وَأَنَّمَا مَعْنَاهُ أَنَّ عِلْمِي وَعِلْمَكَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى كَنِسْبَةِ مَا تَقَرَّرَ هَذَا الْعُصْفُورُ إِلَى مَاءِ الْبَحْرِ هَذَا عَلَى التَّقَرُّبِ إِلَى الْإِفْهَامِ وَالْأَفْسَبَةِ عَلَيْهِمَا أَقْلٌ وَأَحَقُّ“۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھیر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا: کہ اس قوم نے ہمیں بغیر اجرت کے کشتی پر سوار کیا تم نے اسے توڑ دیا کیا تم لوگوں کو غرق کرنا چاہتے ہو۔ خیال رہے یہ کشتی کا توڑنا کنارے کے قریب جا کر تھا اور خضر علیہ السلام نے وقتی طور پر اس میں کیل بھی لگا دیا تھا۔

”لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا أِمْرًا“ تم نے بہت بری بات کی یعنی تمہارا کام اچھا نہیں۔ ”امرا“ کا معنی ”دَاہِبًا مُنْكَرًا“ بہت خوفناک معاملہ عام طور پر امر الامر لفظ بولا جاتا ہے جبکہ کوئی عظیم کام واقع ہو یا کثیر امور کا وقوع ہو۔ خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے جو کہا تھا کہ تم ظاہر دیکھ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مجھ سے بھول واقع ہو گئی ہے اس لئے اس میں میری کوئی گرفت نہ کریں۔

خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا:

”پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم نے ایک سقری جان بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دی؟ بیشک تم نے بری بات کی کہا: میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے کہا: اس کے بعد تم سے پوچھوں تو پھر میرے ساتھ رہنا بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا ہے۔“

فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَعِمَا غُلَامًا يَخْتَلُّ قَالَ أَتَتَلَّ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكَرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَٰذَا فَلَا تُصِيبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا ۖ

(سورہ کہف 22:15)

جب کشتی سے دونوں حضرات نکلے تو کنارے پر چل رہے تھے۔ جب ان کی گزر ایک بستی سے ہوا وہاں لڑکے کھیل رہے تھے۔ ایک لڑکا ان میں جس کا نام ”جیسور“ یا ”جہوز“ تھا جو تمام لڑکوں سے زیادہ حسین اور صاف ستھرا تھا۔ آپ نے اسے

سر سے پکڑا اور اس کا سر جدا کر دیا۔ ایک روایت میں ہے: آپ نے اسے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بڑے غصہ میں زوردار آواز سے کہا: یہ تم نے کتنا برا کام کر دیا! ایک نابالغ بچے کو قتل کر دیا! جو صاف ستھرا گناہوں سے پاک تھا! اس پر کوئی قصاص لازم نہیں تھا۔ یہ ایسا کام تم نے کیا ہے جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میں نے جو کھا تھا کہ تم صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس کے بعد اگر میں نے کوئی سوال کیا تو تم میرا ساتھ چھوڑ دینا کیونکہ اس وقت تمہیں میری طرف سے عذر حاصل ہو جائے گا۔ ①

خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا:

فَاَنْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا تَمَّا اَهْلَ قَرْيَةٍ ۖ اسْتَطَعَمَا اَهْلُهَا فَاَكْبَوْا اَنْ
يُّضَوِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يُّنْقَضَ فَاَقَامَهُ ط قَالَ
لَوْ شِئْتَ لَتَنفَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿١٦﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ
سَاكِنُكَ بِتَاوِيلٍ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿١٧﴾
(سورۃ کہف 1:16)

”پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب گاؤں والوں کے پاس آئے۔ ان دو ہقانیوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرنا چاہتی ہے۔ اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے

خضر (علیہ السلام) نے کہا: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ اب میں ان باتوں کی وجوہ بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“
یہ بستی ”اطلا کیہ“ یا ”ایلہ“ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بھوک کی وجہ سے اس حالت میں تھے کہ کسی سے طعام طلب کرنا جائز ہوتا ہے بلکہ جان بچانے کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔ ایسے حال میں ان لوگوں پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طعام کھلائیں اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے دیوار درست کرنے پر اعتراض کیا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں شدید بھوک کے حال میں کھانا بھی نہیں کھلایا تو ان سے اجرت یعنی ضروری تھی۔ جب ان دونوں نے دیوار کو دیکھا جو ایک طرف جھکی ہوئی تھی گرنے کے قریب پہنچ چکی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ سے اسے سیدھا کر دیا یا صرف ہاتھ پھیرا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ درحقیقت ان کا معجزہ تھا موسیٰ علیہ السلام کے اس اعتراض پر خضر علیہ السلام نے کہا: اب آپ کے وعدہ کے مطابق میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آچکا ہے البتہ یہ تین کام جو میں نے کئے ہیں جس پر تم نے اعتراض کیا ان میں سے ہر ایک کی وجہ اور حکمت میں بیان کر دیتا ہوں تاکہ تمہیں پتہ چل جائے اور تم جس غرض سے آئے تھے یعنی علم حاصل کرنے کے لئے وہ بھی حاصل ہو جائے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حکایات کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئی جس میں ہے ”فَاَكْبَوْا اَنْ يُّضَوِّفُوهُمَا“ اس بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بستی والے جن کے آباء

واجداد نے انکار کیا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سونا لیکر حاضر ہوئے کیونکہ انہیں اس سے بڑی شرم آ رہی تھی کہ ان کے آباء واجداد اتنے گھٹیا لوگ تھے کہ صرف دو یا تین بھوک سے ستائے ہوئے مسافروں کو کھانا نہیں کھلا سکے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سونے کے بدلے صرف باء کے بدلے تاہ خریدنا چاہتے ہیں یعنی..... ”فَأَبْوَأَانِ يُضَيِّفُوهُمَا“ کی جگہ ”فَأَتَوَانِ يُضَيِّفُوهُمَا“..... آپ کر دیں جس کا معنی ہو جائے ”وہ ان کے پاس مہمان نوازی کے لئے کھانا لے کر آئے“ اس سے ہماری بہتی والوں سے ملامت اور ندامت اٹھ جائے گی لیکن رسول اللہ ﷺ نے صاف انکار کر دیا فرمایا: کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تغیر و تبدل کیا جائے۔ اگر ایک نقطہ کے بدلنے سے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی لازم آ رہی ہو تو یہ رب تعالیٰ کے کلام میں کذب ثابت کرے گا اس سے احکام الہیہ پر اعتبار ہی نہیں رہے گا۔ رب تعالیٰ کی ربوبیت اور عہد کی عبودیت کا بطلان لازم آئے گا۔

ان کا مطالبہ ہی حقیقت میں حماقت پر مبنی تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ جس قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے اٹھایا ہو اس میں تبدیلی کوئی انسان کر سکے اور خاص کر کے اللہ تعالیٰ کے رسول سے امید کرنا اور ہی زیادہ عقل سے دوری کی علامت ہے۔

کاش! کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے:

”رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمَا وَعَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْلَا أَنَّهُ عَجَلَ لَرَآى الْعَجَبَ وَلَكِنَّهُ أَخَذَتْهُ مِنْ صَاحِبِهِ ذِمَامَةٌ قَالَ إِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ تَعُدُّهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا“ ”اللہ تعالیٰ ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر آپ جلدی نہ کرتے تو اور عجیب واقعات دیکھتے لیکن آپ نے جو اپنے ساتھی سے وعدہ کر لیا تھا اس نے آپ کو آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں اس کے بعد سوال کروں تو تم میرے ساتھ نہ رہنا بیشک تمہیں میرے طرف سے عذر مل گیا۔“

اسی وعدہ کے مطابق تیسرے سوال کے بعد دونوں کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قَالَ أَصْحَابُنَا فِيهِ ابْتِدَاءُ الْإِنْسَانِ بِنَفْسِهِ فِي الدُّعَاءِ وَشِبْهُهُ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَأَمَّا حُطُوطُ الدُّعَاءِ فَالْأَدَبُ فِيهَا الْإِنْفَارُ وَتَقْدِيمُ غَيْرِ عَلَى نَفْسِهِ“ ”اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کر دیا ہے کہ دعاء میں یعنی اس قسم کے اخروی امور میں انسان اپنا ذکر پہلے کرے لیکن دنیاوی معاملات میں ایسا کرنا یعنی اپنے آپ پر دوسرے کو ترجیح دینا اور دوسرے کو اپنے آپ پر مقدم رکھنا بہتر ہے۔“

① مسلم شریف امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 279 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

② نووی شرح مسلم امام نووی ج 2 ص 279 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

حضرت خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی وضاحت کرتے ہیں:

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿١٦﴾
 ”وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔“
 (سورۃ کہف 1:16)

آپ نے فرمایا یہ کشتی دس مسکینوں کی ہے جن میں کچھ پانچ بھی ہیں وہ اس کی مزدوری سے اپنی گزراوقات کر رہے ہیں۔ جب یہ واپس لوٹیں گے تو ان کو ایک کافر بادشاہ ”جلندی“ کا سامنا کرنا پڑے گا وہ صحیح کشتیوں کو پکڑ رہا ہے لیکن عیب دار کو نہیں پکڑتا۔ اس لئے میں نے اسے عیب دار بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ یہ کشتی وہ نہ چھین سکے اور ان کی محنت و مزدوری جاری رہے آپ نے کہا: ”فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا“ میں نے ارادہ کیا اسے عیب دار بناؤں۔ یہ نہیں کہا ”فَأَعِيبْتُهَا“ میں نے اسے عیب دار کر دیا اس لئے کہ ظاہر اگرچہ عیب واقع ہو گیا تھا لیکن درحقیقت اسے نفع مند بنایا گیا تھا۔

وَأَمَّا الْفُلُ فَكَانَ لِبُوهٍ مُّؤْمِنٍ قَنَاطِئِرًا أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْهِمْ طُغْيَانًا وَأَوْكُفُّوا ۖ فَكَرَرْنَا أَنْ يَمِيلَهُمَا رَبُّهُمَا غَيْرَ آتِنَهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رَحْمًا ﴿١٧﴾
 ”اور وہ لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھادے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستمرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے۔“
 (سورۃ کہف 1:16)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”إِنَّ الْفُلَّامَ الَّذِي قَعَلَهُ الْبُحْرُ طُغْيَانًا كَافِرًا وَكَوْكَافًا لَدَهُنَّ أَبْوَابُ طُغْيَانًا وَكُفْرًا۔“

”بیشک وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس پر کافر ہونے کی مہر لگادی گئی تھی کہ اگر یہ زندہ رہا تو اپنے والدین کو سرکشی اور کفر کی طرف مجبور کر دے گا۔“

”مَعْنَاهُ أَنَّ اللَّهَ عَلِمَ أَنَّهُ لَوْ بَلَغَ لَكَانَ كَافِرًا لَا أَنَّهُ كَفَرُ فِي الْأَعْمَالِ وَلَا يَجْرِي عَلَيْهِ فِي الْأَعْمَالِ أَحْكَامُ الْكُفَرِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ“
 ”یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ بڑا ہو کر کافر ہو جائے گا اگرچہ اسے بچپن میں کافر نہیں کہا جاسکتا تھا۔“
 ”رَبِّي وَهُوَ يُوَارِثُهُ شَهْرُكَ دُوَيْتِيمَ لُزُكُونَ كِي تَحِي أَوْرَاسَ كِي بِيحِي أَن كَا خَزَانَهُ تَحَا أَوْرَانِ كَا بَابِ نِيكَ آدِي تَحَا تَوَآبِ كِي رَبِّ نِي چَاہَا كِي وَهُوَ دُونُؤِ اِپْنِي جَوَانِي كُو بِيحِي اِوْر اِپْنَا خَزَانَهُ تَكَالِي اِپْ“

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا
(سورة کہف 1:16)

کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ اپنے حکم سے نہ کیا، یہ وجہ ہیں
ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

”وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا عَلَىٰ اَنْ صَلَّاهَ الْاَبَاءُ يُفِيدُ الْعِنَايَةَ“
اس سے پتہ چلا کہ آباء کی نیکی سے ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی
مہربانی ہوتی ہے۔

”قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُنْكَدِرٍ اِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِصَلَاةِ الْعَبْدِ وَلَدَهُ“
محمد بن منکدر فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک
بندے کی نیکیوں کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی
اولاد اور اسکے قبیلہ اور اس کے ارد گرد رہنے والے پڑوسیوں کی

اللہ مآفام فیہم ❶

حفاظت کرتا ہے وہ لوگ جب تک اس نیک بندے کے پڑوس میں رہیں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے۔
فائدہ: تین واقعات کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے
فرمایا: ”فَارَدْتُ اَنْ اَعِيْبَهَا“ میں نے ارادہ کیا کشتی کو عیب دار بناؤں۔ دوسری توجیہ میں فرمایا: ”فَارَدْنَا“ ہم نے یہ
ارادہ کیا۔ اور تیسری میں فرمایا: ”فَارَادَ رَبُّكَ“ آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا۔

اسلوب بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کے متعلق مختصر گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر و شر نفع و ضرر ہر چیز کا خالق
حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہل ادب و عرفاں کا طریقہ یہ ہے کہ خیر و نفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے
ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”وَكَفَا
مَرْضُتٍ فَهُوَ يَشْفِينُ“ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی مجھے شفا دیتا ہے۔ بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اللہ
کی طرف حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔

اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو ”فَارَدْتُ“ کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ کشتی توڑنا بظاہر بڑا موم نظر
آتا تھا اور جب دیوار درست کرنے کی بات آئی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی ”فَارَادَ رَبُّكَ“ کیونکہ وہ فقط خیر ہی
ہے اور قتل غلام کے دو پہلو تھے: خیر اس لئے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جا رہی تھی اور شر اس
لئے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس لئے ”فَارَدْنَا“ جمع کا صیغہ استعمال کیا تا کہ خیر کے پہلو کی نسبت ذات خداوندی
کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا علامہ بدر الدین رحمہ اللہ نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا فرماتے ہیں:
”لَمَّا ارَادَ ذِكْرَ الْعَيْبِ لِلرَّهْوِيَّةِ لِنَفْسِهِ اَدْبَا مَعَ الرَّهْوِيَّةِ فَقَالَ ارَدْتُ وَلَمَّا كَانَ قَتْلُ الْغُلَامِ مُشْعَرًا الْحُكْمَ هُنَّ

تفسیر مظہری بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن: محمد کرم شاہ الاداری رحمہ اللہ ج 3 ص 45

الْمَحْمُودُ وَالْمَذْمُومُ اسْتَتَبَعَ نَفْسَهُ مَعَ الْخَلْقِ فَقَالَ فِي الْأَخْبَارِ بَيُّونُ الْإِسْتِثْبَاعِ لِيَكُونَ الْمَحْمُودُ مِنَ الْفِعْلِ وَهُوَ رَاحَةُ أَبَوَيْهِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ كُفْرِهِ عَائِدًا عَلَى الْحَقِّ سُبْحَنَهُ وَالْمَذْمُومُ ظَاهِرًا وَهُوَ قَتْلُ الْغُلَامِ بِغَيْرِ حَقِّ عَائِدًا إِلَيْهِ وَفِي إِقَامَةِ الْجِدَارِ كَانَ غَيْرًا مَحْضًا فَتَنَسَبَهُ لِلْحَقِّ فَقَالَ فَأَرَادَ رَبُّكَ ثُمَّ يَمُنُ أَنَّ الْجَمِيعَ مِنْ حَيْثُ الْعِلْمُ التَّوْحِيدِي مِنْ الْحَقِّ بِقَوْلِهِ وَمَا فَعَلْتَهُ عَنْ أَمْرِي ❶

ضیاء القرآن سے نقل کرنے کے بعد کبیر کو دیکھا تو اس میں بھی یہی وجہ مذکور ہے البتہ الفاظ مختصر ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟

اس مسئلہ میں اہل علم کے ہر طرف سے دلائل موجود ہیں۔ کچھ حضرات نے ولی کہا اور کچھ نے نبی کہا۔ محققین حضرات اس طرف ہیں کہ آپ نبی تھے۔ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مفکر اسلام، مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے ان کا نام ”بلیا بن مکنان“ ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لئے خضر علیہ السلام آپ کا لقب تھا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی یہ رائے ہے کہ وہ نبی تھے کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔“ ❶

آپ کو نبی ماننے والوں کے دلائل:

❶ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اِنَّهُمْ رَحْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا“ ہم نے اسے اپنی طرف سے رحمت عطا کی۔ رحمت سے مراد اس مقام میں نبوت ہی ہے دوسرے مقام پر رحمت بمعنی نبوت استعمال ہے۔ جب کافروں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”وَقَالُوا الْوَلَا يُدْرِكُ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْفَرِثِيِّ عِظْمُهُ“ ❷ کیوں نہ اُتارا گیا قرآن دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر یعنی مکہ اور طائف کے کسی امیر ترین آدمی پر قرآن اترنا چاہئے تھا تو ان کے جواب میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّهُمْ بِقِسْمٍ مِّنْ رَّحْمَتِ رَبِّكَ“ کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے۔

مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ”خزائن العرفان“ میں فرماتے ہیں: یعنی کیا نبوت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کو چاہیں دے دیں کس قدر جاہلانہ بات کہتے ہیں۔

❶ البرہان فی علوم القرآن للورکشی ج 4 ص 60 ضیاء القرآن ج 3 ص 46 ❷ ایضاً

ارشاد ربانی ہے: **وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا** اور اسے علم لدنی عطا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے استاذ کے واسطے کے بغیر اور رہنمائی کرنے والے کی رہنمائی کے بغیر علم عطا کیا۔

”وَكُلُّ مَنْ عِلْمُهُ اللَّهُ لَا بِوَسِطَةِ الْبَشَرِ وَجَبَ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا يَعْلَمُ الْأُمُورَ بِالْوَحْيِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى“
فرمائے جو قطعی درجے کا ہو وہ صرف وحی کے ذریعے ہی عطا ہوگا۔

خواہ وحی جلی ہو یا خفی ہو ایسا شخص نبی ہی ہو سکتا کیونکہ ولی کا علم جو اسے الہام کے ذریعے حاصل ہو وہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: ”هَلْ أَتَيْكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلِمْتَ رُشْدًا“ کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔ نبی تعلیم حاصل کرنے میں غیر نبی کی تابعداری نہیں کرتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نبی تھے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کہا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دو۔ انہوں نے اپنی رفعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ”وَكَيْفَ نَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا“ اور تم کیسے صبر کرو گے اس بات پر جسے آپ کا علم محیط نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے تواضع سے جواب دیا: ”وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا“ اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ اس سے پتہ چلا کہ علم لدنی کے لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام پر خضر علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی۔ ”وَمَنْ لَا يَكُونُ نَبِيًّا لَا يَكُونُ فَوْقَ النَّبِيِّ“ جو نبی نہ ہو اسے نبی پر کسی قسم کی بھی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

خیال رہے کہ خضر علیہ السلام کو صرف جزوی فضیلت یعنی علم لدنی کے لحاظ سے حاصل تھی ورنہ مدارج کے لحاظ پر موسیٰ علیہ السلام کو برتری حاصل ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی زیر آیت ”هَلْ أَتَيْكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي“ کے تحریر فرماتے ہیں:
”وَهَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَفْضُولَ قَدْ يَكُونُ لَهُ فَضْلٌ جُزْئِيٌّ عَلَى مَنْ هُوَ أَفْضَلُ مِنْهُ عَلَى أَنَّ الْفَاضِلَ يَنْبَغِي أَنْ يَطْلُبَ هَذِهِ الْحِصَّةَ مِنَ الْفَضْلِ مِنَ الْمَفْضُولِ“
یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبھی کم درجہ والے شخص کو زیادہ درجہ والے پر جزوی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ زیادہ مرتبہ والے کو چاہیے کہ کم مرتبہ والے سے وہ فضل و کمال حاصل کرے جو اسے حاصل ہے۔

علم لدنی کیا ہے؟ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”وَالصُّوْفِيَّةُ سَمُّوا الْعُلُومَ الْحَاصِلَةَ بِطَرِيقِ الْمَكَاشِفَاتِ الْعُلُومَ الْلَدُنِيَّةَ“
”صوفیاء کرام نے ان علوم کا نام لدنی رکھا جو کشف کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔“

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 149

تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ج 6 ص 50

یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے عطا سے حاصل ہوتے ہیں ان میں انسان کے کسب کو دخل نہیں۔

⑤ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي“ میں نے اپنے حکم سے کچھ نہ کیا۔ یعنی میں یہ تمام کام اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے نہیں کئے۔ ”وَأِنَّمَا فَعَلْتُهُ بِأَمْرِ اللَّهِ وَوَحْيِهِ“ بلکہ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے کئے ہیں۔

”لَإِنَّ الْأَقْدَامَ عَلَى تَنْعِصِ أَمْوَالِ النَّاسِ وَكَرَاهَةِ مَعَالِمِهِمْ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْوَحْيِ وَالنَّصِ الْقَاطِعِ“
”وَهُوَ يَدُلُّ عَلَى النَّبُوءَةِ“ اس سے واضح ہوا کہ جب آپ کی طرف وحی آتی تھی تو آپ نبی تھے۔
”وَجِی اور قطعی نص کے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔“

⑥ موسیٰ علیہ السلام کی جب ابتدائی ملاقات آپ سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”السلام علیک“ آپ نے جواب دیا: ”وعلیک السلام یانبی بنی اسرائیل“ اے بنی اسرائیل کے نبی تم پر بھی سلام ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”من عرفک“ تمہیں کس نے بتایا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں۔ آپ نے کہا: ”الذی بعثک الی“ اسی ذات نے بتایا جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔

”وَهَٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ إِنَّمَا عَرَفَ ذَٰلِكَ بِالْوَحْيِ وَالْوَحْيُ لَا يَكُونُ إِلَّا مَعَ النَّبُوءَةِ“
”اس سے پتہ چلا کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے پہچانا۔ وحی صرف نبی کے پاس ہی آتی ہے اس طرح آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔“

خیال رہے علامہ رازی رحمہ اللہ نے ان کے جوابات بھی نقل کئے ہیں لیکن راقم چونکہ آپ کی نبوت کا قائل ہے اس لئے ان دلائل پر اکتفا کر رہا ہے جو حضرات آپ کی ولایت کے قائل ہیں نبوت کے نہیں۔ وہ کبیر اور روح المعانی کا تفصیلی مطالعہ کریں۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

اس کے متعلق پیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”رعی بات یہ کہ خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں اور ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوئی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کے مزار کو اپنے الوار کا

مہبط بنائے انہوں نے اس سلسلہ میں ایسی بات رقم کی ہے کہ جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔ فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے بغیر ناممکن ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہ الہی میں حقیقت حال کے انکشاف کے لئے متوجہ ہوئے:

”قَرَأَى الْخَضِرُ حَاضِرًا عِنْدَهُ فَسَأَلَهُ عَنْ حَالِهِ فَقَالَ أَنَا وَالْيَاسُ لَسْنَا مِنَ الْإِحْيَاءِ لَكِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ أَعْطَى لَدُونِ أَحْيَا قُوَّةً تَتَجَسَّدُ بِهَا وَتَفْعَلُ بِهَا أَفْعَالُ الْإِحْيَاءِ مِنْ إِرْشَادِ الضَّالِّ وَرِغَايَةِ الْمَلْهُوفِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَتَعْلِيمِ الْعِلْمِ اللَّذِي وَاعْطَاوِ النَّسَبَةِ لِمَنْ شَاءَ اللَّهُ وَجَعَلْنَا مِيعَةً لِّلْقُطْبِ الْمَذَارِ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَذَارًا لِلْعَالَمِ وَجَعَلَ بَقَاءَ الْعَالَمِ بِبَرَكَتِهِ وَجُودِهِ وَرِغَايَتِهِ وَقَالَ الْخَضِرُ إِنَّ الْقُطْبَ فِي هَذَا الزَّمَانِ فِي دِيَارِ يَمَنٍ مُّتَّبِعٍ لِلشَّافِعِيِّ فِي الْفِقْهِ قَالَ فَذَنُّنُ نُصَلِّيَ مَعَ الْقُطْبِ صَلَوةً عَلَى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ فَبِهَذَا الْكُشْفِ الصَّحِيحِ اجْتَمَعَ الْأَقْوَالُ وَنَهَبَ الْإشْكَالُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ“

”تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے فرمایا: کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہوتے ہیں اور زندوں کے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی راہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں، علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں، ہمیں اولیاء اللہ تعالیٰ میں سے جو قطب مدار ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدار عالم بنایا ہے اور اس کی برکت و فیض سے دنیا کی بقاء ہے

آج کل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اس کشف صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد اور اشکال دور ہو گیا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جو کبیر و متعال ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فوائد: موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ کثیر علوم و اعمال کے مالک تھے اور آپ کا منصب بھی بلند تھا۔ آپ کے حق میں کامل شرافت کے اسباب مجتمع تھے لیکن پھر بھی آپ خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے گئے اور ان کے سامنے تواضع اختیار کیا۔ ”وَذَا لِكَ يَذُلُّ عَلَى أَنَّ التَّوَاضُّعَ خَيْرٌ مِنَ التَّكْبُرِ“ یہاں سے پتہ چلا تواضع تکبر سے بہتر ہے یعنی انسان تواضع سے ہی اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

متعلم دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ متعلم جو کچھ بھی نہیں جانتا اس کو بحثیں کرنے کیل وقال کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا تقریر کو لوٹا نہیں سکتا اعتراض کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

دوسرا متعلم وہ ہے اسے پہلے ہی کثیر علوم حاصل ہوتے ہیں استدلال اور اعتراض کرنے کا اسے تجربہ حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ کسی کامل انسان کو مل کر علم میں درجہ کمال حاصل کرے ایسے شخص کا علم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ جب کسی چیز کو دیکھے گا کوئی کلام سنے گا تو بسا اوقات ظاہر طور پر اسے وہ کام یا بات درست نظر نہیں آئے گی تو وہ اعتراض کرے گا کیل وقال کرے گا اس میں جھگڑا کرے گا کیونکہ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہوگا حالانکہ حقیقت میں وہی کام درست ہوگا۔ ایسے متعلم کے مجادلہ سے استاذ جو علم میں کمال درجہ رکھتا ہے متنفر ہو جاتا ہے دو تین مرتبہ برداشت کرنے کے بعد اسے کہتا ہے آپ چلے جائیں میں تمہیں نہیں پڑھا سکتا تم ہی زیادہ علم رکھتے ہو۔

متعلم وہی بہتر ہے جو استاذ پر اعتراض برائے اعتراض نہ کرے اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے کتنے ہی منصب تد ریس پر فائز ہم نے انہیں ہی دیکھا جو باادب تھے نیاز مند تھے متواضع تھے۔ بے ادب گستاخ اور بے وفاؤں نے اگرچہ دنیا کا مال و دولت حاصل کیا بھی ہو تو استاذ کی ناراضگی کا طوق ان کے گلے میں پڑ کر ان کی ذلت کا سبب بنا۔

کئی ایسے تھے جنہیں ہم سمجھتے تھے کہ یہ استاذ بن کر دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہو گئے لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ ان کی بد طبیعتی نے انہیں مقام فتنہ و فساد پر پہنچا دیا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے ادب و احترام کا لحاظ کرے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں ذکر کرتے ہیں:

”قَالَ فَإِنْ أَتَيْتَ نَفْسِي فَلَا تَسْأَلْنِي وَهَذِهِ الْآيَةُ قَدْ عَلِيَّ أَنَّهُ ”اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مرید کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ پر اعتراض کرنا چھوڑ دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب

حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنا چاہا تو ادب و احترام اور نیاز مندی کا بہت ہی پاس کیا۔“

آپ نے اپنے آپ کو ان کا تابع بناتے ہوئے یوں عرض کیا ”هَلْ أَتَيْتُكَ“ کیا میں آپ کا تابع ہو جاؤں تا بعداری پر قائم رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں گویا آپ نے یوں کہا: ”هَلْ تَأْذِنُ لِي أَنْ أَجْعَلَ نَفْسِي تَبَعًا لَكَ“ کیا آپ مجھے اجازت دیتے کہ میں خود کو آپ کا تابع رکھوں۔ اس میں آپ نے بہت بڑی عاجزی کا اظہار کیا آپ نے علیٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مجھے آپ علم سکھائیں کہہ کر گویا اقرار کیا کہ جو علم لدنی آپ کو حاصل ہے وہ مجھے حاصل نہیں۔ یہ بھی ادب کا ایک طریقہ ہے۔

① اور آپ نے کہا: ”بِمَا عَلَّمْتَنِي“ آپ کو جو علم دیا گیا اس سے کچھ بتادیں۔ اس میں مقصد یہ تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھے تمام علوم عطا کر دیں کہ میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ میں تو آپ سے کچھ علوم حاصل کرنا چاہتا ہوں جس طرح

فقر غنی سے کچھ مال طلب کرتا ہے اس طرح کا سوال موسیٰ علیہ السلام نے کر کے عاجزی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ خیال رہے کہ اس میں ”میں“ ”تجفیہ“ ہے۔

آپ نے کہا: ”مِمَّا عَلِمْتُ“ کہہ کر اعتراف کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ نے علم لدنی کیا ہے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔
 کہا: ”رشد“ (نیک بات) یعنی آپ کو جو نیک بات عطا ہوئی وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ اس میں خضر علیہ السلام کے نیکی کے راہ پر ہونے کا اعتراف ہے اور اپنا رشد و ہدایت طلب کرنے کا اظہار ہے۔

کہا: ”عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلِمْتُ“ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے آپ سکھا دیں۔ یہ کہہ کر گویا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے معاملہ کیا ہے یعنی آپ کا مجھ پر ایسا احسان ہو گا جیسا رب تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے اسی لئے استاذ کے احسان کا اعتراف کرنے والے کسی بزرگ نے کہا ہے: ”اَنَا عَبْدٌ مَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْهُ خَرَفًا“ میں نے جس سے ایک حرف بھی حاصل کیا ہے میں اس کا ”عبد“ ہوں۔

متابعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام غیر کی طرح کرنا صرف اس لحاظ پر کہ یہ کام فلاں نے کیا ہے میں نے بھی اس کی تابعداری کی کی وجہ سے کرتا ہے خود انسان کے پاس اس کام کرنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم ”لا الہ الا اللہ“ کہتے ہیں اور یہود بھی یہی کلمہ کہتے ہیں لیکن ہم ان کے قبیح نہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن ہمارا پانچ نمازیں ادا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے کیونکہ آپ کے افعال و اقوال کے بغیر ہمارے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”هَلْ أَتَّبِعُكَ“ کہہ کر خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کی اجازت طلب کی یعنی میں آپ کے افعال کو دیکھ کر اقوال کو سن کر ہی آپ کی تابعداری کروں گا مجھے کسی اور دلیل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس مسئلہ سے واضح ہوا کہ

”إِنَّ الْمُتَعَلِّمَ يَجِبُ عَلَيْهِ فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ التَّسْلِيمُ وَتَرْكُ“ ”بے شک متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ابتدائی طور پر ہی استاذ کی بات تسلیم کرے اور جھگڑا کرنا اور اعتراض کرنا ترک کر دے۔“

المُعَازَعَةُ وَالْإِعْتِرَافُ“

سمجھنے کے لئے پوچھنا درست ہے استاذ نے عدم توجہ سے درست نہ بیان کیا ہو تو مستحسن طور پر علیحدگی میں وہ مسئلہ دوبارہ پوچھ لیا جائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ”أَتَّبِعُكَ“ کہہ کر یہ کہا کہ میں تمام امور میں آپ کی تابعداری کروں گا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں کچھ

باتوں میں تابعداری کروں گا۔

جب روایات سے یہ واضح ہے کہ خضر علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں صاحب تورات ہیں رب تعالیٰ نے آپ سے بلا واسطہ کلام کر کے آپ کو خصوصیت سے نوازا ہے آپ کو عظیم الشان معجزات عطا

کئے گئے ہیں پھر موسیٰ علیہ السلام کا بلند و بالا منصب رکھنے کے باوجود اور بلند درجات حاصل ہوتے ہوئے اتنی بڑی تواضع کرنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ علم حاصل کرنے میں کتنی عظیم کوشش فرما رہے ہیں اور یہ آپ کی شان کے لائق بھی تھا کیونکہ جتنا علم زیادہ ہوگا اسی قدر چہرے پر علم کی نورانیت اور سعادت زیادہ حاصل ہوگی اور وہ شخص اور زیادہ علم حاصل کرنے میں شدید کوشش کرے گا۔ ”وَكَانَ تَعَظِيمُهُ لِأَرْبَابِ الْعِلْمِ اكْتِمَالًا وَآشَدًّا“ وہ شخص علم والوں کی کامل طور پر زیادہ تعظیم کرے گا۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي“ کیا میں آپ کی تابعداری کروں اس شرط پر کہ آپ مجھے علم سکھا دیں۔ آپ نے تابعداری خدمت گزاری کا ذکر پہلے کیا اور علم حاصل کرنے کا بعد میں۔ ”وَهَذَا مِنْهُ ابْتَدَاءٌ بِالْخِدْمَةِ ثُمَّ فِي الْمَرْتَبَةِ الثَّانِيَةِ طَلَبَ مِنْهُ التَّعْلِيمَ“ اس سے واضح ہوا کہ متعلم پہلے استاذ کی خدمت کو شعار بنائے پھر حصولِ علم کا نظر رکھے۔ ①

وہ طالب علم بد بخت ہے جو استاذ کی خدمت کو عار سمجھتا ہو یا استاذ کے بتائے ہوئے کام نہ کرے اور مثالِ مٹول سے کام لے۔ تاہم استاذ کے لئے بھی ضروری ہے کہ حسن اخلاق سے طلباء کو اپنے قریب کرے آدم خور کے قریب ہونے والے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح استاذ جو صرف اپنے کاموں کو ترجیح دے اپنے خدمت کرنے والے کی تعلیم کا نقصان کرے وہ اس طالب علم کا درحقیقت دشمن تو ہو سکتا ہے محسن نہیں۔ خدمت گزار پر احسان یہی ہے کہ اس کی تعلیم میں جو کام نقصان کا سبب بن رہے ہوں ان پر سختی سے متنبہ کرے۔ چھما سبق یاد کرنے پر شفقت کرے شفقت سے ہی اپنی اولاد کی طرح اس سے محبت رکھے۔

ایسا استاذ طلباء کا محسن ہو سکتا جو لطائفِ قصے کہانیاں سنا کر تھکیج اوقات کا سبب بنے اور کتاب نہ پڑھائے اور ایسا بھی طلباء کا محسن نہیں جو اپنا سبق مکمل کر کے کسی کو کام پر لگائے اور دوسرے استاذ کی حق تلفی کرے یا سبق مکمل کرنے کے بعد قصے کہانیاں شروع کر دے اور دوسروں کا حق ضائع کر کے ظلم کا مرتکب ہو۔

فارغ ہونے کے بعد یقیناً طلباء کو احساس ہوتا ہے کہ کون سا استاذ ہمارے اوقات ضائع کرتا رہا اور کس استاذ نے ہمیں پڑھانے کی طرف توجہ دی تھی؟ کاش ایہ بات طلباء کو دورانِ تعلیم پتہ چل جائے۔

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کے عوض مالِ دولت یا کچھ مرتبہ نہیں طلب کیا بلکہ صرف تحصیلِ علم کا مطالبہ کیا۔ ②

وہ طلباء درحقیقت احمق ہوا کرتے ہیں جو استاذ کے قرب کی وجہ سے دوسرے طلباء کی شکایتیں لگاتے ہیں۔ دوسرے طلباء کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اے دین کے معلمین! خدا را انصاف سے بتائیں کہ جاسوس

مقرر کرنا کون سی شریعت میں جائز ہے؟ کبھی استاذ پر جاسوس مقرر کرنا، کبھی طلباء پر یہ انصاف سے بعید ہے۔ آج کا استاد کل اپنی طالب علمی کو دیکھے، جس استاذ کو اپنا ماضی بھول جائے، کینی حرکات کا مرکب وہی ہو سکتا ہے۔

اے آج کے آدم خور استاد! تو ذرا اپنے ماضی کو جھانک کر دیکھ تو کتنا لائق تھا؟ کتنا فرشتہ سیرت تھا؟ کیا تو نے کوئی غلطی نہیں کی؟ کیا تجھ سے کوئی تساہل نہیں ہوا؟ کیا تجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی؟ جب تو بھی آج کے طلباء کی طرح ہی تھا تو آج بیہودہ بکواس کیوں کر رہا ہے؟ آج تو ڈنڈے کیوں برسا رہا ہے؟ آج تو انسانوں کو گدھا کیوں سمجھ رہا ہے؟ کیا تیرا استاذ بھی تیری طرح بیہودہ تھا؟ جیسا تو ہے۔ ذرا غور تو کر! ذرا سوچ! انسانیت کیا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام کا انتقال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ملک الموت (عزرائیل فرشتہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آیا تو ”صَعَكَ فَقَفَا عَيْنَهُ“ آپ نے تھپڑ مار کر اس کی آنکھ نکال دی۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: کہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کرو تو آپ نے اسے تھپڑ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ عزرائیل علیہ السلام واپس اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا۔ عرض کی: ”أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ“ مجھے تو نے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو آنکھ پھر عطاء کر دی، یعنی نظر پھر لوٹا دی اور فرمایا: جاؤ میرے بندے کے پاس اسے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، عمر اتنے سال بڑھا دوں گا۔ آپ نے عرض: اے میرے رب! پھر کیا ہوگا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آجائے گی۔ آپ نے عرض کی: موت ابھی آجائے۔ ساتھ یہ سوال کیا کہ اے میرے رب! مجھے بیت المقدس کی سرزمین پر پہنچا دینا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے صحابہ! اگر میں چاہوں تو تمہیں سرخ ریت کے ٹیلوں کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر بھی دکھا سکتا ہوں۔ ❶

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش اس لئے کی کہ وہ مقام انبیائے کرام علیہم السلام کے دفن ہونے کی وجہ سے مشرف تھا۔ آپ کی دعا سے واضح ہوا کہ فضیلت والے مقام میں صالحین کے قرب و جوار میں دفن ہونا

مستحب ہے۔ ❷

”اِنَّ الدَّفْنَ بِقُرْبِ الصَّالِحِيْنَ فِي مَوَاضِعَ مُتَّبِعَةٍ اَمْرٌ مُنْدُوبٌ“ ❶
”نیک لوگوں کے قریب متبرک مقامات میں کسی کو دفن کرنا امر مستحب ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ کے ساتھ روضہ مطہرہ میں دفن ہونے کی خواہش کی اور حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ نے ایسا فرماتے ہوئے اجازت دی۔ اس پر فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہو رہا ہے کہ نیک لوگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا پائی جائے اس خیال کے پیش نظر کہ ان پر جب رحمت کا نزول ہوگا مجھے بھی اس سے فائدہ ہوگا نیک لوگ جب ان کی زیارت کو آئیں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے تو اس دعا کا فائدہ مجھے بھی ہوگا۔ ❷

تنبیہ: مسلم شریف کی حدیث پاک سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ عزرائیل علیہ السلام کو انبیائے کرام علیہم السلام نے حکم باری کو قبول کرتے ہوئے ابتداء ہی میں عزرائیل علیہ السلام کو خوش آمدید کہا۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے عزرائیل علیہ السلام کو اپنے پاس بلا اجازت آنے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ عزرائیل کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دی عمر کی مہلت ملنے کے باوجود قبول نہیں فرمائی تو واضح ہوا کہ ان کا منشأ عمر کا حصول نہیں ہوتا بلکہ شان انبیائے کرام علیہم السلام کو عوام الناس پر واضح کرنا مقصد عظیم ہوتا ہے۔

فائدہ جلیلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا: زمین پر میرے حبیب ﷺ کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے حاضر نہ ہونا۔ بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو عزرائیل نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کی:

”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ بَيْتِ النَّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفِ“ ”اے معدن رسالت! ملائکہ کے مقام آمد و رفت! اہل بیت نبوت! تم پر سلام ہو۔“

مجھے اجازت دیجئے! تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں انہوں نے جواب دیا: کہ نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر اجازت طلب کی یہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اجازت طلب کی اور باواز بلند اجازت طلب کی۔ چنانچہ جتنے صاحبان گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور ﷺ ہوش میں آئے اور آنکھ مبارک کھول کر فرمایا: کیا بات ہے؟ صورت حال آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا خواہش اور تمناؤں کو کچلنے والا اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں بچیوں

کو یتیم کرنے والا ہے۔ ❶

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا:

حضرت سلیمان تیسری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ" "میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تو اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔"

ایک روایت میں ہے کہ "مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرَى بِي" "معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ ❷ اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ❸

خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر بیت المقدس میں اپنے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا، پھر آسمانوں پر آپ کو مرجا کہتے ہوئے بھی دیکھا۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ براق پر سوار تھے آپ براق کی رفتار سے سفر کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر کسی سواری کے اپنی شان نبوت سے چل رہے تھے۔ اس لئے آپ نبی کریم ﷺ سے پہلے بیت المقدس اور آسمانوں پر پہنچ گئے یعنی رفتار نبوت براق کی رفتار سے بڑھ کر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک وقت میں قبر میں بھی تشریف فرما ہوں اور بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں میں بھی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❶ مدارج النبوت: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ج 2 ص ❷ صحیح مسلم شریف: امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 2 ص 267

❷ صحیح مسلم شریف: امام مسلم قشیری رحمہ اللہ ج 1 ص 116 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

{كُلُّ نَفْسٍ فَاَتَةُ الْمَوْتِ}

تذکرہ اسلاف کرام علیہم السلام

آہ! میرے والد مرحوم کے چچا زاد بھائی:

میرے پردادا قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ کے چار پوتوں سے تین کا پہلے وصال ہو چکا تھا۔ آخری (بزرگ) مولانا عبد الحلق صاحب بحر الوی جو میرے والد مکرم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آج بروز منگل 13 اگست 1996ء بمطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے شفقت فرماتے اپنے بیگانے میں تمیز کم ہی کرتے تھے جب کسی سے سلام کرتے تو مصافحہ کرتے وقت سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ اپنے ہاتھ پہلے نہیں چھڑایا کرتے تھے۔

کچھ اسی طرح کا حسن سلوک آپ کا فوت شدہ حضرات سے بھی ہوا کرتا۔ نماز جنازہ کے بعد آپ بڑے اہتمام سے دعا کیا کرتے۔ ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص سب لوگوں کو پڑھنے کے لئے کہتے اور پھر دعا فرماتے۔ جب کسی کے گھر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے تو اسی محبت و خلوص سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے صبر و تحمل کی تلقین فرماتے۔

ایک دفعہ اپنے گاؤں کے قریب ”جودھ“ نامی گاؤں کے ملک اشرف صاحب کے انتقال پر مجھے بھی فاتحہ خوانی میں ساتھ لے گئے حالانکہ میں جنازہ پہلے پڑھا آیا تھا۔ آپ راولپنڈی سے دو تین دن بعد پہنچے تھے۔ محمد اشرف صاحب کا چونکہ جوانی میں انتقال ہوا تھا پسماندگان بہت زیادہ غمزدہ تھے تو آپ نے وہاں ارشاد فرمایا:

”موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے، رب کا اپنا نظام ہے اس لئے سمجھا جائے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز کسی کو نفع اٹھانے کے لئے دے پھر واپس لے لے تو مانگنے والے کو کچھ کہنے کا حق نہیں۔“

ساتھ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا:

”ابن ابی شیبہ نے حضرت خیرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: کہ ایک مرتبہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک کو بہت گھور کر دیکھنے لگے۔ جب آپ

چلے گئے تو اس شخص نے سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا: کہ یہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ ملک الموت تھے۔ اس نے عرض کیا: کہ حضور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری روح نکالنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے سرزمین ہند میں پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو حکم دیا تو اس شخص کو سرزمین ہند میں چھوڑ آئی، پھر ملک الموت تشریف لائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم میرے ایک ساتھی کو گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا: کہ میں اس پر تعجب کر رہا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کی روح ہند میں قبض کروں اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہے کیسے ہند پہنچے گا؟ ❶

میرے گاؤں کے ایک دوست محمد حنیف مرحوم کے والد محمد حیات درزی کے جنازہ پر چچا مرحوم تشریف لے گئے۔ جنازہ آپ ہی نے پڑھایا (یہ جنازہ بکرا منڈی راولپنڈی کے قبرستان میں پڑھایا گیا تھا) فوت ہونے والے مرحوم چونکہ نمازی متقی پرہیزگار تھے تو آپ نے بیان فرمایا:

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی زوجہ نے آپ کو قریب الموت دیکھ کر پریشانی کے عالم میں کہا: ”وَاحْزَنَاهُ“ کتنا ہی افسوس ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کیا خوب کہا: ”وَاطْرَبَاهُ الْغَى عِنْدَ الْآجِبَةِ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهُ“ کتنی ہی خوشی کا مقام ہے کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں اپنے مہربان دوستوں سے ملاقات ہوگی یعنی حبیب پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی ملاقات ہوگی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی اپنی موت پر خوش ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ روحوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ میری ملاقات نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے ہوگی یہ میرے لئے کتنی خوشی کا

مقام ہوگا۔ ❷

حضرت محمد بن منکدر (مشہور تابعی) سے مروی ہے: ”دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَهُوَ يَمُوتُ فَقُلْتُ اقْرَأْ عَلَيَّ“ کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات کے وقت کے قریب حاضر ہوا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ ﷺ کے پاس میرا سلام پیش کرنا۔

فتاویٰ شریف قاضی میاض مالکی رحمہ اللہ ج ۲ ثانی باب علامات النبوة

❶ شرح الصدور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

❷ ابن ماجہ مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضر الموت ج ۱ ص ۱۴۳

اس حدیث کی نقل کرتے ہوئے ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ محمد اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن عبد اللہ بن انیس سے حدیث بیان فرمائی کہ ام انیس بنت ابی قتادہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی وفات کے پندرہ دن بعد حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتی ہیں جبکہ وہ مرض الموت میں تھے تو انہوں نے کہا: کہ اے میرے چچا! اسلام میرے باپ کی خدمت میں پیش کرنا۔

راقم کی وضاحت:

چچا مرحوم کے جنازے میں ہزاروں لوگ شریک تھے اور جب آپ کے جنازے کو اٹھایا گیا تو بلند آواز سے خوبصورت انداز میں کلمہ شریف پڑھا جا رہا تھا کلمہ کی گونج میں جنازہ گاہ تک آپ کو پہنچایا گیا۔ جنازے کے بعد بڑے بلند آواز سے دعا کی گئی۔ مرحوم کے اخلاق کریمہ کی وجہ سے اپنے تو اپنے تھے غیروں کو بھی روتے ہوئے دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

یہ چند الفاظ میں نے چچا مرحوم کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر کئے ہیں اور اس لئے بھی کہ میری اولاد اور آنے والی نسل کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے خاندان کے بزرگوں کا طریقہ کار کیا تھا اور مرحوم کے بیٹوں کو بھی شاید ان الفاظ سے سوچنے سمجھنے کا موقع مل جائے کہ ہمارے والد مکرم کا طریقہ کار کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بزرگ، عظیم باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔



حضرت زکریاؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت یحییٰؑ

عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا نذر ماننا:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي
مُحَرَّرًا فَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲﴾
”جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میں
تیرے لئے نذر مانتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے خالص
تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کر لے بیشک تو ہی
ہے سننے والا جاننے والا۔“ (سورۃ البقرہ 3: 12)

عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم نانی کا نام حنہ نانا کا نام عمران ہے حنہ کی ایک اور بہن تھی جس کا نام ایساع تھا۔ یہ
دونوں فاتوٰذ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت عمران اور حضرت زکریا علیہ السلام دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ حنہ عمران کے نکاح میں تھیں
اور ایساع زکریا علیہ السلام کے نکاح میں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد ہیں۔
بخاری و مسلم میں واقعہ معراج میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”فَإِذَا أَنَا بِأَهْنَى الْعَالَةِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَبَحْسَى
ابْنُ زَكْرِيَّا“ پھر میری ملاقات دو خالہ زاد یعنی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سے ہوئی۔“ اس حدیث سے
واضح ہوا کہ یہ دونوں حضرات خود خالہ زاد تھے۔

جواب: صاحب تقریب نے جواب دیا کہ حدیث پاک میں مجاز پایا گیا ہے کثیر طور پر خالہ کی بیٹی کو عزت و تکریم کے پیش نظر
خالہ کہہ دیا جاتا ہے۔ (جیسے ہمارے رواج میں ماں کی خالہ اور ماموں کو بچے خالہ اور ماموں کہہ دیتے ہیں)
”وَالْفَرْضُ أَنَّ بَيْنَهُمَا عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ هَذِهِ الْجِهَةُ“ ”مقصد صرف ان دونوں انبیاء کرام کی قربت کو بیان کرنا ہے
کہ ان دونوں میں باعتبار خالہ کے رشتہ پایا گیا۔“
مِنَ الْقَرَابَةِ وَهِيَ جِهَةُ الْخَوْلَةِ“

خیال رہے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن محی السنہ اور علامہ رازی رحمہما اللہ قائل ہی اس کے ہیں کہ حضرت زکریا
علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کی بہن تھیں۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمران کی زوجہ حنہ کی اولاد نہیں تھی۔ یہ بڑھاپے کی عمر
تک پہنچ چکی تھی ایک دن درخت کے سائے میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو چوک کھلا رہا تھا تو

آپ کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے بچہ عطا فرما۔ آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا، جب آپ حاملہ ہو گئیں تو آپ نے نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی، جو تیرے گھر کی خدمت گزاری کرے گا۔ اگرچہ آپ نے صرف اتنا ہی کہا تھا جو میرے پیٹ میں ہے لیکن اس سے مراد مذکور تھا کیونکہ اس وقت بیت المقدس کی خدمت کے لئے مذکور بچے ہی وقف کئے جاتے تھے۔ مونٹ پچیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں، جب آپ نے اپنی نذر کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہاری بچی پیدا ہوگئی تو پھر کیا کرو گی؟ تو انہوں نے پھر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی: ”قَسَّبَلْ مِیْنِی“ اے اللہ تعالیٰ! میری نذر قبول کر یعنی مجھے بچہ ہی عطا کر تا کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر سکوں۔ ●

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو نذر مانی تھی وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہام ہوا تھا، اگر الہام نہ ہوتا تو شاید آپ نذر بھی نہ مانتیں۔ یہ ایسے ہی تھا جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حالانکہ اس میں صراحۃً وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی الہام کے ذریعے ہی آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔

بچی پیدا ہونے پر حسرت:

”پھر جب اس نے جنا بولی: اے میرے رب! میں نے یہ لڑکی جنی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا اس لڑکی سا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں رائدے ہوئے شیطان سے۔“

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۚ وَلَکُمُ الدُّکْرُ کَالْاُنْثٰی ۚ وَلَکِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ ۚ وَانِّیْ اَعْمَلُھَا بَیْکَ وَفِیْہَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۱۲﴾

(سورۃ البقرہ 3: 12)

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے لڑکے کو بیت المقدس کی خدمت میں وقف کرنے کی نذر مانی تھی کیونکہ اس وقت ان کی شریعت میں لڑکوں کی ہی نذر مانی جاتی تھی لڑکیوں کی نہیں۔ مذکور ہی عبادت کے مقام کی ہمیشہ خدمت کر سکتے ہیں، مونٹ کو یہ مقام حاصل نہیں کیونکہ ان کو حیض (ماہواری) کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ مذکور اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے خدمت کر سکتا ہے وہ مونٹ نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں طاقت کی کمی ہوتی ہے۔ مذکور خدمت کے معاملات میں لوگوں سے میل جول رکھ سکتا ہے اس کے لئے عیب نہیں لیکن مونٹ کے لئے لوگوں سے اختلاط عیب ہے۔ مذکور کے لئے مردوں سے ملنے جلنے میں کوئی تہمت عائد

نہیں ہوتی لیکن مونٹ کے لئے تہمت ہے۔

جب لڑکی پیدا ہوگئی تو خوف لاحق ہوا کہ رب میں نذر کیسے پوری کر سکوں گی عذر پیش کرتے ہوئے حسرت اور اظہار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا: ”رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی“ اے میرے رب! میں نے بچی جنی۔ اب میں کیا کروں؟ نذر کو کیسے پورا کروں؟ تو رب قدوس نے کہا: ”وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ“ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جتا۔ جو لڑکا تمہارا مطلوب تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے یعنی تم تو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہونے کے لئے لڑکا طلب کر رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ لڑکی عطا جسے عیسیٰ روح اللہ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! میں نے اس کا نام ”مریم“ رکھا۔ مریم عبرانی زبان میں عابدہ (عبادت کرنے والی) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی گئی کہ اسے دین و دنیا کی آفات سے محفوظ فرما اور ساتھ ہی یہ دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! اسے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھ یعنی نیک و مطیع بنا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل حضرت زکریا علیہ السلام:

”تو اے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا“ اے اچھا پروردگار! چڑھایا اور اے زکریا (علیہ السلام) کی نگہبانی میں دیا۔ جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے“ کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں: وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے“

(سورۃ البقرہ 3: 12)

اچھی طرح قبول کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے جو علماء اور قراء موجود تھے ان کے حوالے کر دیا یہ لوگ بیت المقدس کی خدمت گزاری میں رہتے تھے۔ چونکہ مریم علیہا السلام ان کے امام کے بیٹی تھیں اس لئے ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کی کفالت کا حق مجھے ملے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: میں حقدار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے لیکن سب نے کہا: کہ نہیں قرعہ ڈالتے ہیں۔ یہ حضرات ستائیس کی تعداد میں تھے سب نے اپنے قلم ایک کپڑے کے نیچے رکھے اور ایک نابالغ بچے کو کہا گیا کہ کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال

لو۔ اس نے جو قلم نکالا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا۔ پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں۔

اب سب نہر اردن کی طرف چلے کہ اپنے اپنے قلم نہر میں ڈالتے ہیں جس کا قلم الٹا تیرا یعنی پانی کے آنے کی طرف اس کا رخ ہوا وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ قرعہ بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے حق میں ہی نکلا کیونکہ آپ کا قلم ہی الٹا تیرا۔ پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں۔ اب جس کا قلم سیدھے رخ کی طرف چلا وہ کامیاب ہو گا۔ تیسری مرتبہ میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کو ہی کامیابی حاصل ہو گئی۔ آپ کا قلم ہی پانی کے بہاؤ کے رخ کی طرف چلا قرعہ میں کامیابی پر آپ نے کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

﴿وَأَنبَتْنَا بَنَاتًا حَسَنًا﴾ ”اور اسے اچھا پروان چڑھایا جو ان ہونے تک۔“

ایک دن میں آپ اتنی بڑی ہو جاتیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو نیکی پاک دائمی سیدھی راہ پر چلنے اور اطاعت میں بھی بلند و بالا مقام عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل بنا دیا اور مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال ہر مصلحت کے کام کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔

﴿كُلَّمَا دَعَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لَا﴾ ”جب زکریا اس کے پاس نماز پڑھنے کی جگہ جاتے۔“

اس وقت ”محراب“ کا اطلاق مساجد پر ہوتا تھا۔ یہاں مراد وہ کمرہ ہے جس میں مریم علیہا السلام کو ٹھہرایا گیا تھا اس کا دروازہ دیوار کے درمیان تھا۔ اس کمرہ میں جانے کے لئے سیڑھی کو استعمال کیا جاتا تھا۔

خیال رہے کہ آج کل مساجد میں جو محراب بنائے جاتے ہیں ان کے ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے نہیں ہوئی بلکہ عرب بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے سے شروع ہوئے۔

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ”اس کے پاس نیا رزق پاتے۔“ حضرت زکریا علیہ السلام جب اس کے کمرے سے نکل کر آتے تو اس کے ساتھ دروازے بند کر کے تالے لگا کر آتے کوئی اور شخص وہاں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن آپ جب بھی کمرے میں آتے تو دیکھتے کہ مریم علیہا السلام کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے گرمیوں میں جو جو ہوتے۔

﴿قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكَ هَٰذَا﴾ ”کہا: اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ یہ سوال حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب کی وجہ سے تھا خیال رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا یہ آپ کی کرامت ہے۔

”فَلَنُعِيدَنَّ بِآيَاتِهِ عَلَىٰ جَوَارِ الْكِرَامَةِ لِلْأُولِيَاءِ لِأَنَّ مَرْيَمَ“ ”اس آیت سے واضح ہوا کہ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں علیہا السلام لَا نُبُوَّةَ لَهَا“ کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت حاصل نہیں ہوئی۔“

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط﴾ ”انہوں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“

حضرت زکریا علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت مریم علیہا السلام نے یہ جواب دیا کہ جنتی رزق ہے جو کسی انسان کے واسطہ کے بغیر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ کلام بچپن میں ہے کہ یعنی اس عمر میں جس میں عام بچے کلام نہیں کرتے یا کہ کچھ بڑی عمر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کلام بچپن میں ہے آپ نے ایک نظم میں ذکر کیا ہے کہ گیارہ شخصوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی (محمد) ﷺ
(ویحییٰ وعیسیٰ والخلیل والمريم)

ومبری (جریج) ثم (شاهد یوسف)
(وطفل الذی الاخدود) پرویہ مسلم

(وطفل) علیہ مربالامۃ التی
یعال لها ترسی ولا تتکلم

وما شطۃ فی عہد فرعون (طفلا)

وفی زمن الہادی (المبارک) یختتم

نبی کریم ﷺ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

۱ جریج سے تہمت زائل کرنے والے نے بچپن میں کلام کیا۔

۲ یوسف علیہ السلام سے تہمت زائل کرنے والے نے بچپن میں کلام کیا۔

۳ اصحاب اخدود میں ایک بچے نے ماں کو کہا کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔

۴ ایک عورت پر تہمت لگا رہے تھے تو وہ خاموش تھی۔ ایک عورت نے اسے دیکھ کر کہا: میرے بچے کو اللہ تعالیٰ ایسے نہ

بنانا تو بچے نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے ایسا ہی بنانا یعنی یہ عورت بے گناہ ہے۔

۵ فرعون نے جب ایک عورت کو ایمان لانے پر عذاب دیا تو اس کے بچے نے دین پر قائم رہنے کی تلقین کی۔

۶ مبارک نے بچپن میں کلام کیا۔

۷ ”بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

۸ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: کہ اپنے بندوں میں اللہ تعالیٰ جسے پسند فرماتا ہے انہیں کسی انسان کے وسیلہ کے بغیر ہی رزق

عطا فرماتا ہے جو اپنی وسعت کے پیش نظر بے حساب ہوتا ہے۔ ❶

حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا کلام حضرت مریم علیہا السلام کی طرح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کو چند دن کھانے کے لئے کچھ میسر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ بھوک کے غلبہ کی وجہ سے آپ پر معاملہ شاق ہوا (مشکل درپیش آئی) تو آپ نے تمام ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تمام سے جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کے گھر تشریف لائے اور انہیں کہا: اے میری پیاری بیٹی! آپ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ کیونکہ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ انہوں نے عرض کیا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کچھ بھی نہیں۔

نبی کریم ﷺ وہاں سے لوٹے ہی تھے کہ ایک پڑوسی عورت نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی خدمت میں دو روٹیاں اور کچھ گوشت پیش کیا۔ آپ نے اسے برتن میں رکھ لیا اور خیال کیا کہ اپنے آپ پر اور دوسرے اپنے گھر کے افراد پر نبی کریم ﷺ کو ہی ترجیح دینی چاہیے حالانکہ گھر کے سب افراد ہی بھوک میں مبتلا تھے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے عرض کیا: آپ پر میں میری ماں قربان! اللہ تعالیٰ نے کھانا عطا فرمایا ہے جو میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! وہ کھانے کا برتن لے آؤ۔ جب آپ نے برتن سے کپڑے وغیرہ کو ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ جب حضرت فاطمہ علیہا السلام نے دیکھا تو حیران ہوئیں۔ پھر سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے میں برکت نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور کھانا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے کھانا دیکھا تو آپ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور پوچھا: اے میری پیاری بیٹی! یہ کھانا کہاں سے آیا تو آپ نے عرض کی: اے میرے ابا جان!

”هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“
 ”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔“

نبی کریم ﷺ نے پھر حمد کی اور پھر کہا:

”لَعَمْرُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَكَ شِبْهَةَ سَوْدَةَ بَنِي إِسْرَائِيلَ“
 ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے تمہیں بنی اسرائیل کی ایک سردار عورت (مریم) کی طرح بنایا۔“

کیونکہ انہیں بھی جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا تو ان سے یہ پوچھا گیا کہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ بے شک جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے بغیر حساب کے پھر آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین علیہ السلام اور دوسرے اہل بیت کو جمع کیا سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا اسی طرح موجود تھا جیسے پہلے تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھانا دوسرے پڑوسی گھروں میں بھی بھیجا۔ ❶

حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نعت کے حاصل ہونے پر ”الحمد للہ“ پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر والدین کو ترجیح دے۔ اپنے پڑوسیوں کو بھی کھانے وغیرہ کی اشیاء بطور ہدیہ دی جائیں اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اس کھانے میں برکت نازل ہونا اور کھانے کا بڑھ جانا نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے۔

اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

هُدَالِكَ دَعَا زَكْرِيَّا رَبِّهٖ عَمَّا لَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً
اٰیہہٗ اِنْكَ سَمِعَ الدُّعَاءَ ﴿۱۲﴾ (سورۃ البقرہ 12:3)

”یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو کہا: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما“ بیشک تو ہی ہے سننے والا۔“

حضرت زکریا علیہ السلام کو دعا کرنے کا خیال کیوں آیا؟

اس کی چند وجوہ ہیں:

- ❶ آپ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل عطا فرمائے ہیں تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگرچہ میری عمر بڑھا پے تک پہنچ چکی ہے اور میری زوجہ بھی بانجھ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مہربانی فرما دے تو کچھ بعید نہیں تو آپ نے اولاد کی دعا کی۔
- ❷ جب اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کی جگہ لڑکی کو قبول کر لیا تو اس پر بھی خیال آیا کہ بوڑھے کو جوان اور بانجھ کو غیر بانجھ کا مقام عطا فرما دے تو یہ بھی اس کی رحمت کا ہی ایک حصہ ہوگا۔
- ❸ بیت المقدس کی خدمت کیلئے بڑوں کو قبول کیا جاتا تھا۔ جب ایک منہی سی بچی کو قبول کر لیا گیا تو یہ بھی اس دعا بھی اس دعا کے لئے خیال کا سبب بنا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے قبول کر لے۔
- ❹ جب حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام کرنے کی طاقت عطا فرمائی جب بچے نہیں بولتے تو آپ کو خیال آیا کہ بے

وقت اولاد عطا کرنا بھی اس کی اسی طرح مہربانی ہو سکتی ہے۔

خیال رہے کہ یہاں یہ مقصد نہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی قدرت میں پہلے یقین نہیں تھا بلکہ ”فَلَمَّا شَهِدَ عَلِمَ أَنَّهُ إِذَا وَكَمَ كَرَامَةً لَوْ كُنِيَ فَهَكَذَا يَجُودُ وَكُوْعُ“ ”جب آپ نے ولی کی کرامات کا مشاہدہ کیا تو دل کی توجہ اس ”مُعْجَزَةٍ لِّنَبِيِّ كَانَتْ أُولَى فَلَا حَرَمَ قَوِي طَمَعُهُ عِنْدَ مُشَاهِدِ“ طرف واضح طور پر ہو گئی کہ نبی کا معجزہ تو اس سے بڑھ کر ہے ان کرامات کے مشاہدہ پر اولاد کی طمع بڑھ گئی توجہ زیادہ ہو گئی عرض کرنے کا خیال آ گیا۔“

﴿ذَرِيَّةٌ طَيِّبَةٌ﴾ ”پاکیزہ اولاد۔“

”ذریہ“ کا معنی نسل، یہ ایک اور جماعت مذکور اور مونث پر بولا جاتا ہے۔ آپ کی دعا ایک مذکر بچے کے لئے تھی جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آ رہا ہے ”ذریہ“ کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ”طیبہ“ لفظ مونث لایا گیا۔ دعا مونث کے لئے نہیں بلکہ مذکر کے لئے ہے۔

﴿أَنْتَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ ”بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔“

اگرچہ ظاہری طور پر تو یہی معنی ہے لیکن حقیقت میں مراد یہ ہے کہ تو ہی قبول کرنے والا اور کسی کو تو رسوا نہیں کرتا، جس طرح نمازی حضرات کہتے ہیں: ”سبح اللہ لمن حمدہ“ اس کا حقیقی مطلب یہ ہے: ”قَبِلَ حَمْدًا مِّنْ حَمِيدٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ“ ”مومنوں میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حمد قبول کرتا ہے۔“ ظاہری معنی یہاں بھی ”حمد“ کا سننا ہے وہ مراد نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مخفی دعا کرنا:

﴿كَمَلَقَ﴾ ۱ ﴿ذَكَرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا﴾ ۲ ﴿إِنِّي نَادَى رَبِّي﴾ ۳ ﴿يَذَآءُ عَذَابًا﴾ ۴ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاسْتَعَلَ الرَّأْسُ فِيمَا وَلَّمْتُ أَكُنْ بِدُعَايِكَ رَبِّ ضَلَالًا﴾ ۵

”کہیں“ یہ ذکر ہے تیرے رب تعالیٰ کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی۔ جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا عرض کی: اے میرے رب! میری ہڈی کمزور ہو گئی اور سر سفید ہو گیا بڑھاپے کی وجہ سے اور اے میرے رب! میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہ رہا۔“

(سورہ مریم 4:16)

حضرت زکریا علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے تھے، یوحنا کا کام کرتے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد جو نبی تھے وہ بیت

المقدس میں وحی لکھا کرتے تھے۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے رب تعالیٰ سے دعاء کی۔ آپ نے دعائرات کو یعنی قبولیت کے وقت میں کی دعا مخفی طور پر کی تاکہ ریاکاری سے دور رہے اور اس میں کامل خلوص پایا جائے اور لوگ بھی یہ نہ کہیں کہ یہ بڑھاپے کی عمر میں اولاد کو مانگ رہا ہے اور یہ بھی خیال کیا تھا کہ اس دعا پر میرے موالی مطلع نہ ہوں دعا کرتے ہوئے پہلے اپنے عجز کا اظہار کیا کہ اے میرے اللہ تعالیٰ میرے بڑی کمزور ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ”العظم“ کا بڑی کیا ہے اور دوسرے مترجمین نے ”بڑیاں“۔ آپ کے ترجمہ پر لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے جس کا ذکر میں نے اپنے کتاب ”تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان“ میں کیا ہے حقیقت میں یہی ترجمہ معتبر ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَأَسْنَادُ فَالِكَ إِلَى الْعُظْمِ لِمَا أَنَّ عِمَادَ الدِّينِ وَدَعَامُ الْجَسَدِ
فَإِذَا أَصَابَهُ الضُّعْفُ وَالرَّخَاوَةُ تُدَاعِي مَا وَدَّاءُ وَتَسَاقَطَتْ قُوَّتُهُ“

”وہن“ (ضعف و کمزوری) کی نسبت ”العظم“ کی طرف کی کیونکہ یہ صلب (ریڑھ) کی بڑی ہی بدن کا ستون اور جسم کا ستون ہے۔ جب اسے ضعف اور نرمی پہنچے تو تمام بڑیوں کو ضعف پہنچتا ہے اور ان کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔

”لفظ ”العظم“ مفرد ذکر کیا ہے۔ علامہ زمخشری اور کثیر محققین نے یہی پسند کیا ہے کہ مفرد معنی جنسیت پر دلالت کر رہا ہے مراد اس سے جنس ہے یعنی وہ جسے بدن میں ستون کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ بدن کا قوام ہے اور اس سے بدن کو قوت حاصل ہے اس میں کمزوری آنے سے تمام بدن میں کمزوری حاصل ہوتی ہے۔“

”وَأَفَرَدَ عَلَى مَا قَالَهُ الْعَلَامَةُ الزَّمَخْشَرِيُّ وَارْتَضَاهُ كَثِيرٌ مِنَ الْمُتَعَلِّقِينَ لِأَنَّ الْمُفْرَدَ هُوَ الدَّلَالُ عَلَى مَعْنَى الْجَنْسِ وَالْقَصَّةُ إِلَى أَنَّ هَذَا الْجَنْسَ الَّذِي هُوَ الْعُمُودُ وَالْعَوَامُ وَاشْتَدَّ مَا تَرَكَّبَ مِنْهُ الْجَسَدُ قَدْ أَصَابَهُ الْوَهْنُ“ ❶

مذکورہ بحث کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی فوقیت واضح ہوگئی۔

جب آپ علیہ السلام نے اپنی کمزوری پیرانہ سالی سر کے بالوں کے سفید ہونے کا ذکر کر دیا تو عرض کیا: میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصہ دراز سے اپنے لطف و کرم کا خوگر بنا دیا ہے۔ جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا کیا مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس خوگر لطف کی التجا بھی شرف قبول سے سرفراز ہوگئی۔ ❷

بچے کی تمنا کیوں؟

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ قَدَآءِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلَدًا ﴿١٦﴾ يَرْثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿١٧﴾

”اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے دے جو میرا کام اٹھالے اور وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا

(سورہ مریم 4:16)

وارث ہو اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ کر۔“

”موالی“ جمع ہے ”مولیٰ“ کی اس کے کئی معنی ہیں: مددگار، مالک، صاحب، چچا، ازاد، غلام، رشتہ دار۔ یہاں مراد قرابت دار رشتہ دار ہیں۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے رشتہ داروں پر خوف ہے کہ وہ دین کے امور کو کامل طور پر سرانجام دے سکیں گے دین میں فساد پھیلائیں گے۔ اس لئے تو مجھے بچہ عطا فرما جسے منصب نبوت پر فائز کر دے تاکہ وہ امور دین کی حفاظت کر سکے۔ اسے علم اور نبوت کا میرا اولاد یعقوب میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کا جانشین بنا۔ یہاں وراثت سے مراد مال و دولت نہیں بلکہ علم اور نبوت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا

”لَنَحْنُ مَعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ“

ہم جو مال بھی چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”الْعُلَمَاءُ وَدَكَّةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَنْبِيَاءُ لَمْ يُورَثُوا إِبْنَارًا وَلَا دِهْنًا وَلَا مَالًا وَدَكَّةُ الْعُلَمَاءِ“

”علماء انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کا کوئی وارث دراہم، دنانیر کا نہیں بلکہ ان کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر، امام غزالی رحمہ اللہ ج 21، ص 184)

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ مُّصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَتَسْوَدًا وَحَصُوْرًا ۚ وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٣﴾

”فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو مرثدہ دیتا ہے، یحییٰ علیہ السلام کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا سردار اور ہمیشہ کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خالص

(سورۃ البقرہ 3:12)

بندوں میں سے۔“

ملائکہ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی یہ خوشخبری دینے والے جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ذکر جمع کا صیغہ ہے، مراد مفرد ہے جیسا کہ...

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ۖ فَزَاۡهُمْ اِيْمَانًا (سورہ آل عمران 4:173)

”وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا۔“

..... میں پہلے ”الناس“ سے مراد نعیم الدین بن مسعود انجمنی اور دوسرے لوگوں سے مراد ”ابوسفیان“ ہے یعنی ذکر الناس کیا گیا ہے جس کا معنی ”لوگوں“ ہے۔ لیکن مراد دونوں جگہ ایک ایک شخص ہے (یہاں واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں) آپ کو بشارت دینے کے لئے جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو آپ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔

”فِی الْمِحْرَابِ اٰی فِی الْمَسْجِدِ اَوْ فِی مَوْقِفِ الْاِمَامِ مِنْهُ اَوْ فِی“ ”محراب سے مراد مسجد یا امام مسجد کے کھڑے ہونے کی جگہ (آج کل کے محراب کی طرح اس وقت محراب نہ ہوتے غُرفۃ مَرْمَر“

تھے) یا حضرت مریم علیہا السلام کے رہنے والا اونچا کمرہ۔“

اعلیٰ حضرت محمد ﷺ کا ترجمہ ”کنز الایمان“ ان سب کو شامل ہے۔

آپ کو جس پیٹے کی بشارت دی گئی اس کے چند اوصاف بھی ذکر کئے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ یہاں ”کلمہ“ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے ہیں سب سے پہلے آپ ہی اسے تسلیم کرنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ”کلمہ اللہ“ اور ”روح اللہ“ ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ سے ملاقات کی جو ان کی خالہ ہیں تو انہوں نے کہا: کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں حاملہ ہوں؟ تو مریم علیہا السلام نے کہا: ”وَاَنَا اَيْضًا حُبْلٰی“ اور میں بھی حاملہ ہوں۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ نے کہا: ”فَاِنِّیْ وَجَدْتُ مَا فِیْ بَطْنِیْ یُسَبِّحُ لِمَا فِیْ بَطْنِکِ“ جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے میں نے اسے اپنے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرتے ہوئے پایا“ یعنی میرا بچہ تمہارے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔

یہ واقعہ خواب کا ہے یا کشف کا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

”وسیدا“ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سردار بنایا۔ ”سید“ کے مختلف معانی ہیں: حلیم یعنی بردبار، مومنین کا سردار دینی امور میں رئیس یعنی علم، علم، عبادت و تقویٰ میں جسے سرداری حاصل ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم، فقیہ عالم، جس شخص پر غضب غالب نہ آسکے لوگ جس کی طرف اپنی حاجات اور مصائب و آلام میں رجوع کریں اور وہ ان کی حاجات کو پورے کرے بحسن اخلاق کا مالک شریف اللہ تعالیٰ کی رضا پر رضا مندی کا اظہار کرنے والا متوکل، عظیم الہمت، وہ کسی پر حسد نہ کرے ہر بھلائی کے کام میں اپنے ہم زمان لوگوں پر فوقیت رکھنے والا۔

”حصودا“ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ایک وصف عطا فرمایا۔ ”حصور“ کا معنی ہے کہ اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ روکنے والا یعنی زہد اور تقویٰ کی وجہ سے آپ کو عورتوں کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس شریعت

میں اللہ کی طرف زیادہ راغب رہنا اور نکاح نہ کرنا افضل تھا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت میں نکاح کرنا سنت ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔

خیال رہے کہ آپ کو رب تعالیٰ نے سیادت عطا فرمائی: اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آپ کو مخلوق کی بہتری، مصلحت اور تعلیم دین کی قدرت عطا فرمائی اور دوسری مخلوق کو ادب سکھانے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طاقت عطا فرمائی اور آپ کو حضور بنایا یعنی آپ کو کامل زہد و تقویٰ عطا فرمایا۔ سیادت زہد اور تقویٰ کے اجتماع کے بعد نبوت عطا فرمائی، ان دونوں چیزوں کے بعد اعلیٰ مقام نبوت کا ہی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھا:

يٰۤاَيُّهَا اِنَّا نَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۖ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۱۶﴾ (سورۃ مریم: 16)

”اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ بھی ہے اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔“

ہر بچے کا نام اس کے والدین رکھتے ہیں اور وہ بھی پیدائش کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کا نام رب تعالیٰ نے رکھا اور وہ بھی ایسا نام کہ آپ سے پہلے یہ نام کسی شخص کا بھی نہیں تھا۔

خیال رہے کہ ”سَمِيًّا“ کا ایک معنی نظیر، مثل بھی ہے یعنی ہم نے آپ سے پہلے کوئی شخص آپ کی مثل نہیں بنایا آپ کو عظیم تر زہد و تقویٰ حاصل ہوا۔ ❶

آپ کا نام یحییٰ علیہ السلام کیوں رکھا؟

حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور بعض اوقات اسما یا القاب میں ماخذ اشتقاق کا کوئی خاص خیال نہیں کیا جاتا، لیکن مفسرین کرام نے بعض وجوہ بیان کی ہیں کہ اصل میں معنی ”زندہ کرنا“ ہے اسی مناسبت سے نام میں وجوہ مذکور ہیں:

- ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ان کی والدہ کے بانجھ پن کو زندگی عطا فرمائی۔
- ❷ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایمان و طاعت عطا کر کے زندہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مطیع کو زندہ کہا ہے اور عاصی (نافرمان) کو مردہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿اَوْمِنْ كَانَ مَيِّتًا فَاحْيِنَا﴾ اور کیا مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا، یعنی کافر کو ایمان عطا کیا عاصی کو مطیع بنایا۔

❸ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی اور نافرمانی کے ارادہ سے دور رکھ کر طاقت کی زندگی سے سرفراز کیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ

تفسیر کبیر، امام محمد بن رازی رحمہ اللہ ج 21، ص 186

نے گناہوں اور عصیان کے ارادہ سے بھی دور رکھا۔

آپ کو شہادت کی زندگی عطا فرمائی کیونکہ شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ﴿بَلْ

أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کو ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح اللہ“ تسلیم کیا تو اس ایمان کی وجہ سے آپ کے دل کو زندگی حاصل ہوئی۔

دین کو آپ کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دین کے قیام کے لئے ہی تو آپ کے لئے دعا لی تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر تعجب ہوا:

”عرض کی: اے میرے رب! میرا لڑکا کہاں سے ہوگا؟ مجھے تو پہنچ گیا بڑھا پا اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ یوں ہی کرتا ہے جو چاہے۔ عرض کی: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی کر دے۔ فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کر۔“

(سورۃ آل عمران 3: 12)

آپ کو جب بشارت دی گئی اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ کی عمر نوے سال تھی۔ یہی قول زیادہ معتبر ہے اگرچہ اور اقوال بھی ہیں۔ آپ نے بیٹے کے لئے دعاء بھی کی تھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ نبی کو رب تعالیٰ کی قدرت میں کبھی کو شک نہیں ہو سکتا۔ پھر اس سوال کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اے میرے رب! لڑکا کہاں سے ہوگا؟

اس سوال کا جواب علامہ آلوسی رحمہ اللہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

”ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِسْتِعْظَامِ لِقُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَالتَّعَجُّبِ الَّذِي يَحْصِلُ لِلْإِنْسَانِ عِنْدَ ظُهُورِ آيَةِ عَظِيمَةٍ“

پر بطور تعجب تھا یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اسے کوئی بڑی نشانی حاصل ہو تو وہ تعجب کرتے ہوئے کہتا ہے ایسا بھی ہو جائے گا؟ انسانی سوچ سے بلند چیز کا حصول یقیناً متعجب کرتا ہے۔

رب تعالیٰ نے جواب دیا: ﴿كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ ”یونہی اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب افعال کا وقوع پذیر ہونا اور عادت کے خلاف عجیب عجیب کام ہونے بعید نہیں بڑھاپے کے حال میں اولاد عطا

کرنا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ دوسرے مقام پر اسی سوال کا جواب ان الفاظ سے دیا:

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ مَبْنِيٌّ وَقَدْ خَلَقْتَكَ مِن قَبْلُ ”فرمایا: ایسا ہی ہے تیرے رب نے فرمایا وہ مجھے آسان ہے اور
وَكَمْ تَكُ فِتْنًا ﴿١٦﴾ (سورۃ مریم 1:16) میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ نہ تھا۔“

رب تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو ”کُنْ“ کہتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے بلکہ صرف ارادہ کرنا بھی کسی کام کے
معرض وجود میں آنے کے لئے کافی ہے جو رب تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لایا وہ تمہیں اولاد بھی عطا فرمادے گا۔ اس میں
تعجب کرنے حیران ہونے کی ضرورت نہیں اور یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں کہ تمہیں اولاد بڑھا پے کے حال میں ہی عطا کرے
گایا تمہیں جو ان کر کے اولاد عطا کرے گا اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمہیں اپنے حال پر رکھتے ہوئے صاحب اولاد کر
دے کیونکہ وہ تمہیں نیستی سے ہستی میں لایا اور جہاں تمہاری ذات موجود ہوئی وہاں تمہیں صفات بھی عطا ہوئیں۔ ❶

نشانی طلب کرنے کی وجہ:

آپ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے کوئی ایسی علامات بتا کہ جن سے مجھے نطفہ کے قرار پکڑنے سے ہی پتہ چل
جائے تاکہ میں تیری اس نعمت کے شکر بجالانے میں تاخیر نہ کروں اور مجھے جلدی ہی سرور بھی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: تم تین دن تک کلام نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیحات نماز پڑھ سکو گے یعنی زبان صحیح ہوگی
لیکن قدرتی طور پر لوگوں سے کلام کی طاقت نہ ہوگی اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَكَلِّمُ النَّاسَ فَلَكَ لِسَانٌ سَوِيًّا ﴿١٦﴾ ”تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا
(سورۃ مریم 1:16) چنگا ہو کر۔“

”لوگوں کے ساتھ کلام نہ کر سکنے کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ
آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی طاقت رہے گی۔“
”تم بالکل صحیح ہو گے زبان میں کوئی نقص بیماری نہ ہوگی، چنگے
بھلے ہونے کے باوجود قدرتی طور پر لوگوں سے کلام نہیں کر سکو
گے بس یہی تمہارے لئے نشانی ہے۔ تم سمجھ لینا اب نطفہ قرار
پا چکا ہے۔“

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا "تو اپنی قوم پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح بکراؤ و عیشیا (سورۃ مریم 1:16) و شام تسبیح کرتے ہو۔"

جب آپ کو لوگوں سے کلام کرنے کی طاقت نہ رہی آپ نے انہیں اشارہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صبح و شام تسبیح کرتے رہو اس کیفیت سے آپ کو پتہ چلا گیا کہ آپ کی بیوی عالمہ ہو چکی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا:

يَا حَيُّ عَذِّ الْكِتَابِ بِقَوْلِ وَالْمِثْقَالِ الْحُكْمَ صَبِيًّا (سورۃ مریم 1:16)
 "اے یحییٰ! کتاب مضبوط تمام اور ہم نے اسے بچپن میں ہی نبوت دی۔"

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعے آپ کو یہ حکم دیا۔ یہاں جس کتاب کا حکم دیا جا رہا ہے اس سے مراد تورات ہے کیونکہ علیحدہ کوئی مستقل کتاب نہیں عطا کی گئی جس میں حکم دیا گیا کہ تورات پر لوگوں کو عمل کرائیں۔

ابو نعیم ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سات سال کی عمر میں عقل و فہم وافر مقدار میں عطا فرمائی اور عبادت گزار بنایا۔ ایک اور مرفوع روایت میں ذکر ہے کہ بچپن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لڑکوں نے کہا: ہمارے ساتھ کھیلنے کیلئے چلو تو آپ نے فرمایا: "كَلْعَبُ خَلِقْنَا اِنْعَمُوا نَصَلِّي" کیا ہمیں کھیلنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے چلو ہم نماز پڑھیں۔

﴿وَالْمِثْقَالِ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ یہاں "الحکم" سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: حکمت، عقل، معرفت، آداب، خدمت، فراست، صاف گوئی۔ "وَقِيلَ النَّبُوءَةُ وَعَلَيْهِ كَثِيرٌ" بعض نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

یحییٰ علیہ السلام پر رب تعالیٰ کے انعامات:

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَبِيًّا ﴿١٧﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَكَرَّهًا مِّنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٨﴾ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٩﴾
 "نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جانب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جاہل اور سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔"

(سورۃ مریم 1:16)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں پر مہربان بنایا اور انہیں اچھا بدلہ دینے والا بنایا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

رب تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ ان کے لئے نرم دل ہوئے۔“ اور آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا فرمائی لیکن دینی احکام میں آپ نرمی نہیں فرماتے جیسے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا: ”اور تمہیں ان (زانی وزانیہ) پر ترس نہ آئے اللہ تعالیٰ کے دین میں۔“ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ مِّنَ اللَّهِ

یہ معنی بھی ممکن ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر مہربان بنایا اور گناہوں سے دور رکھا ہو نہ انہوں نے کوئی گناہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ کیا اور یہ معنی بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت تھی اور مزید آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا کر کے شرف بنایا۔

﴿وَبِرَّاءُ الْوَالِدَيْنِ﴾ ”اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے۔“
 ”اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے بعد والدین کی تعظیم جیسی کوئی اور عبادت نہیں۔“ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَىٰ مِثْلُ تَعْظِيمِ الْوَالِدَيْنِ

اسی لئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكَفَىٰ رِبًّا أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
 (سورہ بنی اسرائیل 3:15)
 ”آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔“

﴿وَكُلُّكُمْ رِجَالٌ مِّثْلُ نَجْدٍ﴾ ”اور وہ جاہل اور سرکش نہ تھے۔“
 یعنی آپ میں تواضع اور نرم دلی پائی جاتی تھی اور یہی سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَكُنتَ نَجْدًا غَلِيظًا الْقَلْبَ لَا تَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ
 (سورہ آل عمران 9:4)
 ”اگر آپ تند و مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔“

سب سے اعلیٰ عبادت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ میں گھٹیا ہوں اور ذات باری کو پہچانے کہ وہ عظیم ذات ہے: وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالذَّلِيلِ وَعَرَفَ رَبَّهُ بِالْكَمَالِ كُنِيَ بِرَبِّهِ
 ”جس شخص نے اپنے آپ کو حقیر سمجھا اور رب کو عظیم اور باکمال سمجھا وہ کبھی تکبر نہیں کر سکتا۔“ التَّوَقُّعُ وَالْتَّجَبُّرُ

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پیدائش کے دن شیطان سے محفوظ رکھ کر سلامتی عطا فرمائی اور موت کے دن قبر کے عذاب سے بچا کر آپ کو سلامتی سے سرفراز کیا جائے گا۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: کہ مخلوق تین اوقات میں نہایت وحشت میں ہوتی ہے یعنی بہت ہی گھبراہٹ میں مبتلا ہوتی ہے:

① ”پیدائش کے دن“ جب شکمِ مادر سے خروج ہوتا ہے تو انسان کو بہت پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ پتہ نہیں اب میرے لئے نیا مقام کیسا ہوگا؟

② پھر جب وہ فوت ہوتا ہے تو ایسی قوم کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوتی، یہ حالت بھی اس کے لئے ہیبت ناک ہوتی ہے۔

③ پھر جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو عظیم محشر میں پائے گا تو اس سے بھی وہ نہایت خوفزدہ ہوگا۔ لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں مواقع میں سلامتی کا مژدہ سنا دیا گیا کہ تمہیں ان مقامات میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ فرمایا آپ کے اوصاف ذکر فرمائے آپ پر سلام بھیجا۔ بفضلہ تعالیٰ امتِ مصطفیٰ ﷺ بھی آپ کے میلاد کو اسی طرح بیان کرتی ہے جو قرآن کے مطابق ہے۔ سبحان اللہ! میرے نبی کریم ﷺ کا معجزہ کیسے ثابت ہے؟ اور رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی.....

”اور بیشک ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔“ (سورۃ النحی: 30)

..... کس آب و تاب سے جگمگا رہا ہے کہ جو لوگ پہلے میلاد النبی ﷺ کے لفظ سے ”الرجک“ تھے اب وہ بھی ذکر ولادت کا نفریس کرنے لگے۔ ”سیرت سیرت“ کی رٹ لگانے والے شاید ترمذی شریف میں ”باب میلاد النبی ﷺ“ کو نہیں دیکھ سکے تھے؟ پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ جنہوں نے..... ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾..... میں آپ کی رحمت کو صرف اس جہان کے لئے خاص کر دیا تھا وہ بھی ”رحمۃ للعالمین کا نفریس“ کر کے آپ کو سب جہانوں کے لئے رحمت ماننے لگے۔ ماشاء اللہ! اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق ان لوگوں کا کام کرنا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ مسلک اہل سنت ہی حق ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تہمتی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ کی زندگی بتاتی ہے آپ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا کر لوگوں کو پیغامِ حق سنایا اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہِ حق پر آ گئے۔ فسق و فجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔

علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے تھے کہ احکامِ الہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں انہیں فرمایا:

”اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا ہے کہ آنے والے غضب سے بھاگو، پس توبہ کے موافق حل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑ پر کھاڑا رکھا ہوا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔“ (متی باب ۱۳ آیت ۱۰۸)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرۂ حق سے لرزہ بر اندام تھا۔ بادشاہ وقت ”ہیرودیس“ نے اپنے بھائی قلع کی منکوہ بیوی ”ہیرودیس“ کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ نے اس کو برملا جا کر کہا: اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو روا (جائز) نہیں۔ انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

”پس ہیرودیس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا اور ایک موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی اور اسی ہیرودیس کی بیٹی اندراآئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا: جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا اور اس سے قسم کھائی جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدمی سلطنت تک تجھے دوں گا اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا: کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا: یوحنا ہتسمہ دینے والے کا سر۔ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندراآئی اور اس سے عرض کی: میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا ہتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوادے بادشاہ بہت غمگین ہوا اور اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے انکار نہ کرنا چاہا، پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔“ (مرقس باب ۶ آیت ۱۸۶۹)

اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب تعالیٰ کے اس فرمان: {يُصْحِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ} کی تعمیل کا

حق ادا کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا گیا:

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بادشاہ کے قلم و ستم سے بچنے کیلئے شہر سے باہر جانے کا رخ کیا۔ بادشاہ نے اسی فاحشہ عورت کے کہنے پر آپ کو پکڑنے کے لئے بھی اپنے سپاہیوں کو بھیجا آپ نے اپنی جان بچانے کے لئے درخت کے تنے میں چھپا لیا جو اندر سے خالی تھا۔

”فَوَجَدَ فِيْ جَوْفِ شَجَرَةٍ فَلَقَا الشَّجَرَةَ مَعَهُ فَلَقَتْنِ طُوْلًا“ آپ کو درخت کے اندر سے خالی تنے میں جب پایا گیا تو ان ہمیشہ

یعنی اس طرح آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ خیال رہے کہ جان کی حفاظت کا وعدہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ نے فرمایا: {وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ} ”اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔“ اور دوسرے رسولوں سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے لوگوں کی مخالفت کے باوجود میرے احکامات ان تک پہنچا سکو گے تمہارے دلائل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور تمہارے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کو قتل کرادوں گا۔ جب دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوگوں سے بچائے رکھنے کا وعدہ نہ فرمایا تو ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

”وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ (سورۃ البقرہ 61:1) ”وہ (بنی اسرائیل) انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے۔“
 یعنی وہ خود بھی سمجھتے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں، ہمیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا“ بیشک ہم اپنے رسولوں کی امداد کرتے ہیں۔“ یعنی دلائل و حجت اور ظاہری غلبہ میں۔ ❶

حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت:

”اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے جن لیا اور خوب ستمرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا۔ اے مریم! اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر۔“

(سورۃ آل عمران 3:13)

آیت کریمہ میں ملائکہ کا ذکر ہے لیکن مراد صرف ”جبرائیل علیہ السلام“ ہیں کیونکہ سورۃ مریم میں آپ سے کلام کرنا

جبرائیل علیہ السلام کا ہی ثابت ہے۔

”وَهَذَا وَكَانَ كَأَنَّ عَدُوًّا عَنِ الظَّاهِرِ إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ النَّصِيرُ“ ”یہ جمع کے صیغہ سے مفرد والا معنی لینا اگرچہ ظاہر سے عدول ہے مگر اس معنی کی طرف پھیرنا ضروری ہے۔“ ●

حضرت مریم علیہا السلام کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں: ”اصطفاء“ جن لینا۔ ”التطہیر“ پاک ستھرا کرنا اور ”الا صطفاء علی نساء العالمین“ جہاں کی عورتوں پر پسند کرنا۔

پہلی صفت کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی مؤنث کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اجازت نہیں تھی، صرف آپ کو ہی اس مقصد کے لئے جن لیا گیا تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ نہیں پلایا تھا، بلکہ پیدا ہوتے ہی بیت المقدس میں حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو جنت کے کھانے عطا کر کے خصوصیت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت کے لئے جن لیا اور اسی وجہ سے آپ پر مختلف قسم کی مہربانیاں کیں اور ہدایت سے نوازا اور آپ کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔ آپ کی معیشت کا معاملہ بغیر ظاہری اسباب کے اپنے قبضہ قدرت میں لیا۔ آپ کو ہمیشہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل رہا، کسب معیشت کی ضرورت نہ رہی۔ فرشتے کا کلام آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست سننے کی توفیق عطا فرمائی جو کسی دوسری عورت کو میسر نہ ہوئی۔

دوسری صفت یعنی آپ کو ”پاک“ ستھرا“ بنایا۔ اس کی بھی چند وجوہ ہیں: کفر و معصیت سے آپ کو پاک رکھا اور آپ کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا اور آپ کو حیض سے پاک رکھا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے آپ کو حیض نہیں آتا تھا اور آپ کو برے افعال اور بری عادات سے پاک رکھا اور آپ کو یہودیوں کی تہمت، جھوٹ اور ان کی چہ میگوئیوں سے بری فرمایا۔ ●

”وَالْأُولَى الْغَمْلُ عَلَى الْعُيُوبِ أَيْ طَهْرُكَ مِنَ الْاَلْذَنْبِ“ ”بہتر یہ ہے کہ معنی عام ہی مراد لیا جائے یعنی آپ کو حسی اور الجسیمی وَالْمَعْنَوِيَّة وَالْقَلْبِيَّة وَالْعَاكِئِيَّة“ ●

معنوی اور جسمانی تمام عیوب سے پاک بنایا۔“

تیسری صفت آج سارے جہان کی عورتوں پر تجھے پسند کیا، اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں:

حضرت مریم علیہا السلام جہان کی تمام عورتوں کی سردار ہیں یا کہ آپ کو حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ علیہن السلام پر فضیلت حاصل نہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد خان بریلوی علیہ السلام نے لفظ ”آج“ بڑھا کر اپنا مختار قول بیان کر دیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنے زمانہ میں تمام عورتوں پر افضلیت حاصل تھی، ہر زمانہ میں ہر عورت پر فضیلت حاصل نہیں۔ یہی قول اسی آیت کے تحت محشی جلالین کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں:

تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8، ص 45

تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8، ص 45

روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2، حصہ دوم، ص 155

”آپ کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کا عطا ہونا اگرچہ آپ کی خصوصیت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فضیلت کی وجہ سے ان کو مطلقاً فضیلت حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر حاصل ہو جائے اگرچہ فضیلتِ شخصہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔“

”لَکِنْ فَضَائِلُهُمَا کَثِيرَةٌ وَارِدَةٌ فِي الْأَحَادِيثِ لَا يُوْجَدُ مِنْهَا شَيْءٌ فِي مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَفَاطِمَةُ وَعَائِشَةُ أَفْضَلُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ کَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُتَحَقِّقِينَ الْعُلَمَاءِ“^①

”لیکن ان دونوں کے فضائل کثیر ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں وہ فضائل حضرت مریم علیہا السلام کو حاصل نہیں اس لئے فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کو تمام جہان کی ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت آنے والی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے یہی محققین علمائے کرام کا مذہب ہے۔“

حضرت مریم علیہا السلام کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور مراتب کی بلندی حاصل ہو سجدہ کا حکم رکوع سے پہلے دیا اس لئے کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں آتی یعنی ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ ادا بھی پہلے کیا جائے البتہ پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں سے سجدہ افضل ہے اس کی فضیلت کے پیش نظر ذکر پہلے کر دیا گیا ہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دے کر یہ کہا گیا ہے کہ نماز جماعت سے ادا کرو اور اس مسئلہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع میں نماز کو پالیا اسے وہ رکعت مل گئی۔

اعتراض: حضرت مریم علیہا السلام کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم کیسے دیا گیا حالانکہ وہ ایک جوان لڑکی تھیں؟

جواب: یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اپنے حجرہ میں نماز جماعت سے ادا کرتی ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ باپردہ ہو کر مردوں کی صف سے علیحدہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المقدس کے تمام خدام آپ کے اقرباء ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی کفالت کا ہر شخص تقاضا کر رہا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کے وقت اور عورتیں بھی حاضر ہوتی ہوں تو آپ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔^②

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا آنا:

”وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّخَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۖ“

”بیان کیجئے کتاب میں مریم علیہا السلام (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا پس بنالیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ پھر ہم نے بھیجا

اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے
ایک تندرست انسان کی صورت میں۔“

(سورۃ مریم 16:5)

حضرت مریم علیہا السلام نے تمام سے علیحدہ ہو کر بیت المقدس کی شرقی جانب کو اختیار کیا۔ ”التَّخَلَّیٰ هُنَاكَ لِلْعِبَادَةِ“ تاکہ عبادت کے لئے آپ کو خلوت حاصل ہو سکے۔ اسی وجہ سے آپ نے علیحدہ پردہ کو بھی اختیار کیا کہ کوئی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ شرقی جانب کو اختیار کرنا ہو سکتا ہے صرف اتفاقاً ایسا ہوا ہو کوئی خاص ارادہ نہ ہو۔ ”وَكَوْنُهُ شَرْقِيًّا كَانَ اتِّفَاقِيًّا“ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القاء کیا ہو کہ شرقی جانب کو اختیار کرو کیوں:

”وَقَدْ عَلِمَ سُبْحَانَهُ أَنَّهُ حَانَ ظُهُورُ النَّوْرِ الْعِيسَوِيِّ مِنْهَا“ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی ابدی کی وجہ سے مناسب یہی سمجھا فَتَنَاسَبَ أَنْ يَكُونَ ظُهُورُ النَّوْرِ الْمَعْنَوِيِّ فِي جِهَةِ ظُهُورِ النَّوْرِ الْحِسِّيِّ“ کہ یہ نور عیسوی کے ظہور کا وقت ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ نور معنوی کا ظہور نور حسی کے ظہور کے بالکل سامنے ہو۔“

جن حضرات کا قول یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حیض سے پاک تھیں یعنی ان کو حیض نہیں آتا تھا ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مقصد یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے۔ کچھ حضرات کا قول یہ ہے کہ آپ کو حیض آتا تھا آپ مسجد کی خدمت کے لئے وقف تھیں مسجد میں ہی رہتی تھیں لیکن حیض کے دنوں میں اپنی خالہ کے گھر (جو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ تھیں) آ جاتی تھیں۔ اور جب حیض سے پاک ہو جاتیں تو مسجد میں لوٹ آتی تھیں۔ آپ کو حیض کے بعد غسل خانہ میں جاتے ہوئے ایک شخص نظر آیا جو بڑا وجیہ تھا چمکدار خوبصورت اس کا رنگ تھا اور اس کے منظر پر بال تھے یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

”فَاَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا“ ”ہم نے اس کی طرف روح الامین (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا۔“

چونکہ جبرائیل علیہ السلام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لاتے رہے جو دین کے احیاء کا سبب بنتی رہی اس لئے آپ کو روح کہہ دیا گیا چونکہ آپ بھی بذریعہ وحی احیائے دین کا ذریعہ بنے۔ جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس کامل انسانی شکل میں تھے۔ ”لَمْ يَفْقُدْ مِنْ حَسَنِ نُّعُوتِ الْأَدَمِيَّةِ شَيْئًا“ ”یعنی انسانی اوصاف سے کوئی بھی آپ میں کمی نظر نہیں آتی تھی بلکہ کامل انسان نظر آتے تھے۔“

خیال رہے کہ جبرائیل علیہ السلام کامل بشر نظر آنے کے باوجود بھی نور تھے جبرائیل علیہ السلام حقیقت میں نور اور ظاہر میں بشر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور اور ظاہر میں بشر ہوں تو اس میں کون سی مشکل درپیش ہے؟ بات صرف ایمان کی ہے۔ ●

حضرت مریم علیہا السلام کا خوف:

قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ کُنْتَ تَلِيْهَا ﴿۱۵﴾

”بولی میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ڈر ہے۔“

ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر آپ پر خوف طاری ہو گیا کہ معلوم نہیں یہ انسان میرے پاس کہاں سے کس ارادہ سے آ گیا؟ فوراً کہا: خدا کی پناہ! اگر تو متقی شخص ہے رب کا تجھے کوئی خوف ہے تو دور ہو جا! میرے پردہ میں خلل انداز نہ بن!

جبرائیل علیہ السلام کا تسلی دینا:

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ لِاَهْبَ لَكَ غُلَامًا زَكٰیًّا ﴿۱۶﴾

(سورۃ مریم 16:5)

”بولا: میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔“

”لِیَذُوْلَ عَنْهَا فَالِکَ الْخَوْفُ“ جبرائیل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوں اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو خوف زائل ہو جائے یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا مالک بنا کر اور تمہاری مصلحت کا ناظر بنا کر بھیجا ہے جو تم نے مجھ پر شرکا وہم کیا ہے وہ مجھ سے کبھی توقع نہیں کی جاسکتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے رب کی پناہ طلب کی تو جبرائیل علیہ السلام نے مسکرا کر کہا میں تمہاری قمیص میں پھونک مار کر تمہیں پاکیزہ اور ستھرا بیٹا دینے کیلئے آیا ہوں یعنی ایسا بیٹا عطا کرنے کے لئے جو گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف ہوگا اس کے نیک اعمال میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا اور مقام نبوت پر فائز ہوگا۔ ①

حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے اس لئے بطور فائدہ: مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کردی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ معمم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔ ②

حضرت مریم علیہا السلام کی حیرت اور بڑھ گئی:

قَالَتْ اَنِّیْ یٰکُوْنُ لِّیْ غُلَامٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشْرٌ وَلَمْ اَنْ یُّنْفَخْ ﴿۱۷﴾

”بولی: میرا لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔“

(سورۃ مریم 16:5)

① تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 196..... روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 9 حصہ اول ص 77

② تفسیر ضیاء القرآن ج 3 ص 73

وَكَاثِمًا عَلَيْهَا السَّلَامُ مِنْ فَرْطِ تَعَجُّبِهَا وَغَايَةِ اسْتِعْبَادِهَا لَمْ تَلْعَلْتُ إِلَى الْوَصْلِ فِي قَوْلِ الْمَلِكِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَأَهَبَ لَكَ خَلَامًا زَكَاةً ❶

”آپ کو یہ سن کر اتنا زیادہ تعجب ہوا اور آپ نے اسے عقل سے بعید سمجھتے ہوئے یہ کہا: میرا بیٹا کیسے ہوگا؟ آپ کو حیرانگی کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں رہی کہ مجھے ایک فرشتہ کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں ایک سحر ایسا دینے کے لئے آیا ہوں۔“

آپ نے یہی سمجھا کہ بیٹا تو عام عادت کے مطابق ہی پیدا ہو سکتا ہے یا تو جائز نکاح سے یا بدکاری سے نیز آپ عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس طرف توجہ ہی نہ کر سکیں کہ رب کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جواب:

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئْ وَلَنَجْعَلَ لَآيَةً لِلنَّاسِ ❷

”کہا: یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور اس کام کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔“

(سورۃ مریم: 5:16)

بغیر باپ کے بیٹے کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہوگا اس کی قدرت کے سامنے کوئی مشکل نہیں اور اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو سمجھیں اور یہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے رب کی عظیم رحمت ہے اور رب کے علم ازل کے مطابق اسے لوح محفوظ پر لکھا جا چکا ہے اس فیصلہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ❸

سورۃ آل عمران میں اسی سوال کا جواب یہ دیا:

قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ لَنَا قُلُوبٌ أَمْ نَحْنُ أَكْثَرُ فَكَلَّمْنَا بِقَوْلٍ لَّهُ كُنْ فَمَكُونُ ❹

”فرمایا: بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو فوراً ہو جاتا ہے۔“

(سورۃ آل عمران 3:13)

فائدہ: ایک چیز یہاں قابل غور ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی حیرانی کے موقع پر فرمایا: ﴿يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ ”اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے“ اور حضرت مریم علیہا السلام کی حیرانی کے تعجب کو دور کرنے کے لئے فرمایا: ﴿اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ ”اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے“ جواب میں یہ تفاوت (فرق) کیوں؟ اس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لئے ”فعل“ اور ”خلق“ کا معنوی فرق ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے:

”لَفْظُ الْفِعْلِ يَسْتَعْمِلُ كَثِيرًا فِيمَا يَجْرِي عَلَى قَانُونِ الْأَسْبَابِ الْمَعْرُوفَةِ وَلَفْظُ الْخَلْقِ يَسْتَعْمِلُ فِي الْإِهْدَاءِ وَالْإِجَادِ“

یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں انہیں عام طور پر لفظ ”فعل“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رونما ہوتے ہیں ان کی تعبیر عام طور پر لفظ ”خلق“ سے کی جاتی ہے۔“

(النار)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت چونکہ ماں باپ کی وجہ سے تھی اور یحییٰ ولادت کا سبب عادی (عادت کے مطابق) ہے اسلئے وہاں فرمایا: ”يَفْعَلُ اللَّهُ“ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت صرف ماں سے ہوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقود تھا (یعنی نہیں تھا) اسلئے لفظ ”خلق“ سے بیان کیا (”يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ“ کہا) ❶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں:

”پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ سے) پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔“

فَعَمَلَتْهُ فَانْتَبَهَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٥﴾
(سورۃ مریم 16:5)

حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیل میں نیک زاہدہ مشہور تھیں اور سب کو یہ علم تھا کہ آپ والدہ نے نذر مانی جو قبول کر لی گئی آپ کی تربیت میں انبیاء کرام صلحا حریص تھے۔ وہ کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوئی آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق آتا رہا۔ ان واقعات کی شہرت کے پیش نظر آپ کو بہت پریشانی لاحق ہوئی کہ میں رب کی اس قدرت سے لوگوں کو کیسے مطمئن کروں گی؟ لوگ میری بات کیسے مانیں گے؟ اسی وجہ سے آپ نے بیت المقدس کے حجرہ کو چھوڑ کر علیحدہ دور و دراز جگہ اختیار کیا تاکہ وقتی طور پر کوئی مطلع نہ ہو سکے۔ ❷

دروازہ کے وقت پریشانی میں اضافہ:

فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ فَقَالَتْ يَلَيْتُنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا نَسِيًّا ﴿٦﴾

”پس لے آیا انہیں دروازہ (پیدائش کے وقت کا درد) ایک کھجور کے تنے کے پاس (بھد حسرت و یاس) کہنے لگیں: کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔“

(سورۃ مریم 16:5)

”اجاء“ منقول ہے ”جاء“ سے لیکن صرف لے آیا پہنچانا معنی مقصود نہیں ہوتا اس کے لئے لفظ ”بَلَّغْنِيهِ“ یا ”أَبْلَغْنِيهِ“ استعمال ہوتے ہیں جب کسی کو کہیں جانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اس وقت لفظ اجاء استعمال ہوتا ہے یعنی آپ کو

درود کی تکلیف کی وجہ سے جو حسرت حاصل تھی اس نے ایک کھجور کے درخت کے پاس آنے کے لئے مجبور کر دیا تھا اور
 يَحْتَمِلُ لِلتَّعَرُّبِ بِهَا مَنْ يَخْشَى مِنْهُ الْعَالَةَ اِذَا رَاَهَا
 ”اس وجہ سے بھی آپ نے کھجور کے درخت کا رخ کیا تاکہ
 باتیں کرنے والوں سے پردہ پوشی رہے۔“

زیادہ یہی فکر دامن گیر تھا۔ تفسیر کشاف میں ذکر کیا گیا ہے کہ کھجور کا درخت صرف تنا تھا اور پر سے کاٹا ہوا خشک تھا اور
 پھل بھی نہیں دیتا تھا البتہ درخت اتنا مشہور تھا کہ صرف ”جِدْعُ النَّخْلَةِ“ کہنے سے یہی مراد ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج کر ان کے گریبان میں پھونکنے کا حکم دیا۔ حضرت
 مریم علیہا السلام کو بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹا عطا کرنا ہے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنانا ہے
 وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ لیکن پھر بھی آپ کہہ رہی ہیں يٰاَلْمَتَّيْنِ مِتُّ قَبْلَ هَذَا کاش! میں اس پہلے مر چکی ہوتی۔ آخر اتنی
 بے قراری کی کیا وجہ تھی؟ وجہ واضح ہے کہ یہ احساس تیز تر ہو گیا کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب بچہ بھی پیدا ہو
 گیا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ شدت بے چارگی اور درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ گئے۔ رب پر
 کوئی شکوہ نہیں تھا بلکہ لوگوں کی طعنہ زنی کی فکر تھی اور زیادہ تر نا سمجھ لوگوں کو سمجھانے کی فکر تھی نیز رب سے خوف کی حالت میں اس
 طرح کے الفاظ صالحین سے ادا ہوتے رہے ہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے
 دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے پرندے! تو کتنا ہی خوش بخت ہے کہ درخت پر بیٹھ کر اس کا پھل کھا رہا ہے۔ وَدِدْتُ اِنِّي لَمَرَّةٌ
 يَنْقُرُهَا الطَّائِرُ کاش! میں بھی کوئی پھل ہوتا کہ مجھے پرندے کھا جاتے۔ آپ کا یہ کلام خوف الہی کی وجہ سے تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھاس کا ایک تنکا ہاتھ میں لیا اور فرمایا: يٰاَلْمَتَّيْنِ هَذِهِ التَّمَنَةُ يٰاَلْمَتَّيْنِ لَوْ اَنَّ شَيْئًا کاش! میں
 بھی گھاس کا ایک تنکا ہی ہوتا کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔“ آپ کا یہ ارشاد بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم جمل میں فرمایا: يٰاَلْمَتَّيْنِ مِتُّ قَبْلَ هَذَا عَشْرَ سِنِينَ کاش! میں آج سے دس سال قبل مر چکا
 ہوتا۔ آپ کا یہ کہنا ظاہری فتنہ سے پریشانی کی وجہ سے تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَلَيْسَتْ بِهَلَا لَوْ قَلْبُهُ اُمُّهُ کاش! بلال کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ آپ نے اس
 کلام سے اپنے کمال عجز کا اظہار کیا ہے۔ ❶

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا پھر بھی آپ اس قسم

کے الفاظ اپنی زبان پر لا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:
”إِسْتَعْمَاءُ مِنَ النَّاسِ وَخَوْفًا مِنْ لَا يَمْتَحِمُهُ“

”لوگوں سے شرم کے مارے اور ان کی ملامت کرنے کے خوف
کے پیش نظر آپ کی یہ بے قراری تھی۔“

اور دوسری وجہ یہ تھی:

”حَذَرًا مِنْ وَكُوعِ النَّاسِ فِي الْمَعْصِيَةِ بِمَا يَتَكَلَّمُونَ فِيهَا“
میرے متعلق جھوٹا کلام کرنے اور مجھ پر بہتان لگانے کی وجہ سے گناہگار ہوں گے۔“
سبحان اللہ! کتنا عظیم تقویٰ ہے کہ فکر بھی لاحق ہے تو ان لوگوں کی جن سے خدشہ ہے کہ وہ تہمت لگائیں گے اور اس فعل کی وجہ سے گناہگار ہو جائیں گے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ۹

دل دشمنان را نکردند تنگ

شہد کہ مردان را خدا

میں نے سنا ہے کہ راہ خدا کے مرد (نیک لوگ) دشمنوں کے دل بھی تنگ نہیں کیا کرتے۔

اس قسم کی صورت میں موت کی تمنا جائز ہے البتہ مرض، فاقہ، دشمن کے مظالم دنیا کے مصائب آلام سے تنگ آ کر موت کی تمنا منع ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لِيُضَرَّ ذَكَلَ فَإِنْ كَانَ لِأَهْلٍ مُمْتَلِكًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ احْبِسْ مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ عَمَلًا لِي وَتَوَفَّنِي إِنْ كَانَتْ الْوَفَاةُ عَمَلًا لِي“
”کوئی شخص موت کی تمنا تکالیف کی وجہ سے نہ کرے۔ اگر کوئی موت کی تمنا ضرور کرنا ہی چاہتا ہے تو یہ کہے: اے اللہ تعالیٰ! مجھے زندہ رکھ اگر میرے لئے میری زندگی بہتر ہے اور مجھے موت عطا کر اگر میرے لئے میرا مرنا بہتر ہے۔“

خیال رہے کہ اگر کسی شخص نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق یہ گمان کیا کہ انہوں نے دروازہ یا اور دنیاوی تکالیف کے پیش نظر موت کی تمنا کی تھی ”فَقَدْ آسَاءَ الظَّنَّ“ تو اس نے برا گمان کیا۔ ۱۰

کھانے پینے کا انتظام اور مزید تسلی:

”تو اسے اس کے بچے سے پکارا کہ غم نہ کھا، بیشک تیرے رب نے تیرے بچے ایک نہر بہا دی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاتا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی تو کھا اور پی اور“
فَلَمَّا مِنْ تَحْتِهَا لَا تَحْزَنُ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرًّا ۖ وَهَؤُلَاءِ إِلَهُكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُسَوطُ عَلَيْهِمْ رُطْبًا حَبِيبًا ۖ فَتَكَلِّسِي وَشَرِبِي وَكَرِي عَمَّا قَلَمَا تَدِينِ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۖ لَقَوْلِي إِنِّي

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 حصہ اول ص 82

لَذَذْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْماً فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا

(سورۃ مریم 5:16)

آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے آج
رخصن کا روزہ مانا ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

آپ کو وادی کے نشیب سے آواز آئی: تم غم نہ کرو! ہم نے تمہاری جگہ سے نشیبی جگہ کی طرف ایک نہر بہادی جو تمہارے
حکم کے ماتحت ہوگی (جبرائیل علیہ السلام نے پاؤں کی ٹھوکرماری تو یہ نہر جاری ہوئی یا عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد ایڑی رگڑی
تو اس سے جاری ہوئی) کھجور کا خشک تنا جس کا سر کٹا ہوا ہے موسم بھی سردیوں کا ہے وہ ان حالات میں اگرچہ پھل نہیں دیتا لیکن
تم اسے اپنی طرف ہلاؤ تو وہ تمہیں پکی ہوئی تازہ کھجوریں دے گا۔ کھاؤ اور پیو یعنی کھجوریں کھاؤ جو پیدائش کے وقت زچہ اور بچہ
دونوں کے لئے بہت مفید غذا ہے اور جاری شدہ چشمہ سے پانی پڑاؤں سے اندازہ لگا لو کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے
کھانے اور پینے کا انتظام فرمادیا ہے اسی طرح وہ خطرات جو تمہارے ذہن میں آرہے ہیں وہ بھی زائل کر دے گا۔ تمہارے نفس
کو اطمینان حاصل ہوگا، آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی اس لئے حکم دیا نفس کو مطمئن رکھو اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھو:

”فَإِنَّ الْعَيْنَ لِلْكَرَامَاتِ مَا يَسُرُّ النَّفْسُ سَكَنَتْ إِلَيْهِ“
”بیشک آنکھ جب اس چیز کو دیکھتی ہے جس سے نفس کو خوشی
حاصل ہوتی ہو تو اس سے آنکھ کو بھی سکون ملتا ہے۔“

ابن زید سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ”لَا
تَحْزَنِي“ ”غم نہ کھا! آپ نے کہا: کیسے غم نہ کھاؤں جب تم میرے ساتھ ہو گے۔ میرا خاوند کوئی ہے نہیں اور میں کسی کی لونڈی بھی
نہیں لوگوں کے سامنے کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اَنَا الْكَلِمَةُ الْكَلَامُ
”میرا کلام ہی تمہیں کفایت کر جائے گا۔“ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب تم بچے کو ساتھ لے کر جاؤ تو کوئی بھی تمہیں ملے تو
تم اشارے سے اسے بتانا کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے کہ رب تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے روزہ رکھوں گی اور کسی آدمی سے کلام
نہیں کروں گی:

”وَلَمَّا أُمِرْتُ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِذَلِكَ عَلَى مَا قَالَهُ غَدْرٌ وَاجِدِي
لِغُرَاةٍ مُّجَاهِلَةٍ السُّلْهَاءِ وَالْإِخْفَاءِ بِكَلَامٍ عَمْسِي عَلَيْهِ
السَّلَامُ فَإِنَّهُ نَعْسٌ قَاطِعٌ فِي قَطْعِ الطَّعْنِ“
”آپ کو یہ حکم دیا گیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کی اہل علم
حضرات نے بیان کیا کہ بے وقوفوں سے آپ کو کلام کرنے کی
ضرورت پیش نہ آئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام خود ہی کلام کر کے ان

کے طعنوں کا جواب دیں آپ کا کلام کرنا اور انہیں جواب دینا طعنوں کے ختم کرنے میں نفع قطعی کا درجہ اسے حاصل ہوگا۔“

واپسی پر لوگوں کی طعنہ زنی:

”فَإِنَّتُ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ طَالُوا يَمُرُّمُ لَقَدْ جُنْتُ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٥٦﴾“
 اے مریم! بیشک تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے اے ہارون
 کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔“
 (سورۃ مریم 5:16)

آپ جب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تو اپنے فرزند ولید کو گود میں اٹھا کر اپنے گمراہوں میں جب کنبہ والوں نے دیکھا
 کہ کنواری مریم بچہ اٹھائے آرہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہوگا (روح المعانی میں ہے: ”فَتَبَاكُّوْا“ انہوں نے رونا
 شروع کر دیا) اور فرطِ خجالت (بہت زیادہ شرمندگی) سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ یا مریم..... الخ۔

وہب بن منہر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور
 ہو گئی۔ ملامت کرنے کے لئے مرد وزن (مرد اور عورتیں) دوڑے آئے ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ
 سوکھ گیا۔ ایک مرد نے کہا ”یہ تو زنا کارہ ہے“ تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا برا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم
 انداز میں اتنا ہی کہہ سکے: ﴿لَقَدْ جُنْتُ شَيْئًا فَرِيًّا﴾ خود سوچئے! اگر کسی شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا اس کی آؤ
 بھگت یوں کی جاتی ہے؟

لفظ ”فریاً“ کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:

”الْفَرِيُّ كَفَيْتِي الْأَمْرَ الْمُتَعَلِّقَ الْمَصْنُوعِ أَوْ الْعَظِيمِ نَقَلَهَا الْجَوْهَرِيُّ أَوِ الْعَجِيبِ نَقَلَهُ الرَّائِغِبُ“
 یعنی فری جو معنی کا ہم وزن ہے جوہری نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں: ”المصنوع المصنوع“ گمراہ ہوا
 بناوٹی اور العظیم بہت بڑا امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی عجیب حیران کن کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حبان
 اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی..... العظیم الشنیع بتایا ہے کہ یعنی بہت قبیح فعل ہے۔ (بحر)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”أَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِي الْعَظِيمِ مِنَ الْأَمْرِ شَرًّا أَوْ خَيْرًا قَوْلًا أَوْ فِعْلًا“ ”ہر بڑے کام کے لئے خواہ برا ہو یا اچھا قول ہو یا فعل یہ لفظ
 (فری) استعمال ہوتا ہے۔“
 روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 ص 87

کیونکہ یہ وضاحت مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے اور موقع کے بھی مناسب ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی کا
 نام ”ہارون“ تھا اس لیے قوم نے آپ کو ”يٰٓهَارُونَ“ (اے ہارون کی بہن!) کہہ کر پکارا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی
 تائید ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں

حضرت مریم علیہا السلام کو ”احبت ہارون“ کہا گیا ہے حالانکہ ہارون مریم علیہا السلام سے صد ہا سال پہلے گزرے ہیں وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ جب واپس آئے تو بارگاہ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَمُّونَ بِاَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ“
 ”کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیائے کرام علیہم السلام کے اور پہلے بزرگوں کے نام پر رکھا کرتے تھے۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی تھے جن کا نام حسب دستور برکت کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام نام پر رکھا گیا تھا۔

جن الفاظ سے لوگ مریم علیہا السلام کو عار دلار ہے ہیں وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی تم نے یہ بے دین اور بد اعتقاد لونڈا کیسے جتا؟ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیرا باپ ”امرء سوء“ (مرد بدکار) نہ تھا اور تیری ماں ”بنیہا“ (بدکارہ) نہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ عورت کو یوں عار دلائی جاتی تھی؟ ❶

حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ بچے کی طرف کر دیا:

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِمْ فَكَلَّمُوْا كَلِمَةً مِّنْ كَانَ فِی السَّمْعِ صَبِيًْا ﴿۱۶﴾
 ”اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے: ہم کیسے بات کریں؟ اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔“
 (سورۃ مریم 16:5)

حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ نے کسی سے کلام نہیں کرنا بلکہ اشارہ سے بتانا ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کے لئے روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے کسی سے بولنا نہیں۔ اسی ارشاد کے مطابق آپ نے عیسیٰ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے کلام کر کے پوچھ لو۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے کلام کرو تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے ساتھ مزاح کر رہی ہے اس سے ہماری تو ہین کر رہی ہے ہمیں گھٹیا سمجھ رہی ہے یہ تو اس کا جرم (معاذ اللہ) زنا کے جرم سے بڑا برا ہے۔

”السمیہ“ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ماں کی گود گہوارہ چار پائی وہ جگہ جہاں بچہ قرار پکڑے ہوئے ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ان تمام کو شامل ہے (وہ بچہ جو پالے میں ہے)۔ ان لوگوں نے بطور انکار اور تعجب کے کہا: ہم اس بچے سے کیسے کلام کریں؟ جواب بھی اں کو گود میں گہوارہ میں ہے۔

علمی نکتہ: بظاہر آیت کریمہ میں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ”کان“ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ ہم اس

سے کیسے کلام کریں جو گہوارہ میں ہوتا تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہر ایک بچہ پہلے ماں کی گود یا گہوارہ میں ہوتا ہے جب وہ بڑا ہو جاتا ہے اس سے کلام کیا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد زمانہ ماضی مبہم ہے خواہ قریب ہو یا بعید۔ یہاں سے مراد قریب لیا گیا ہے یعنی ابھی چند لمحے پہلے جسے ہم تمہاری گود میں دیکھ رہے ہیں اس سے کیسے کلام کریں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کبھی کلام نہیں کیا اور نہ ہی ایسی عمر کے بچوں میں جواب دینے کی طاقت ہوتی ہے۔ اے مریم! بچے کی طرف تمہارا اشارہ کرنا سراسر مزاح ہی نظر آتا ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ ماضی سے حال کی حکایت بیان کی جا رہی ہے۔ ”من“ موصوفہ ہے اب معنی یہ ہوگا ہم کیسے کلام کریں ان بچوں سے جو ماں کی گود یا گہوارہ میں ہونے کے وصف سے متصف ہیں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کلام نہیں کیا۔ تو اس سے کیسے کلام کریں ماضی سے حال کی طرف عدول میں تصور لانا اور استمرار مقصود ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”کان“ زائد ہو صرف تاکید کے لئے آیا ہو، زمانے پر ان کی کوئی دلالت نہ ہو اور جیسا حال ہو، اب معنی یہ ہوگا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو ابھی پالے میں ہے، حال ہونے اس کے کہ وہ بچہ ہے۔

اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ”من“ شرطیہ ہو اور معنی یہ ہو: ”مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ فَكَيْفَ نُكَلِّمُهُ“ جو پالے میں ہے اس سے ہم کیسے کلام کریں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ”كَيْفَ أَعْطَى مَنْ لَا يَعْمَلُ بِمَوْعِظَتِي“ اس صورت میں ماضی بمعنی مستقبل کے ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں وارد ہوگا۔ ①

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا:

”بچہ نے فرمایا: میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا۔ اور مجھے زبردست بد بخت نہ کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر“

قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللَّهِ الْكَتَبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَادْعُنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَعَانَقْتُهُ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَكَمْ يَجْعَلُنِي جَبَّارًا قَبِيحًا وَاسْلَمَ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ امُوتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (سورۃ مریم 16:5)

جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔“

حضرت عیسیٰ دودھ پی رہے تھے جب آپ نے بنی اسرائیل کا کلام سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں ہم بچے سے کیسے کلام کریں؟

تو آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا ان کی طرف متوجہ ہوئے، بائیں ہاتھ پر سہارا لگا کر اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے کلام کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلا اعلان یہ فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِؐ ”میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔“ چونکہ سالکین کا مقام ہی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کلام میں ان لوگوں کا رد بھی پایا گیا ہے جنہوں نے آپ کو رب کہنا تھا۔

سبحان اللہ! نبی کا کتنا عظیم مقام ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی یہ علم عطا فرمادیا کہ تمہیں لوگ خدائیں گے۔ آپ نے اپنی عبودیت کا اعتراف کر کے واضح طور پر فرمادیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے کوئی معبود ماننے کی حماقت نہ کرے۔

﴿اِنِّیْ الْکَیْبُ وَجَعَلْنِیْ نَبِیًّا﴾ ”اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔“

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

”اِنَّہٗ سَمِعْنِیْ مِنْۢ بَعْدُ وَاَمَّا تَکَلُّمٌ بِذٰلِکَ سَکَتًا وَّعَادًا لِیْ حَالِ الْیَسْرِ وَاَمَّا ہٰکُمُ فَلَا لَیْمَنَ سَتَقْبَحُ اللّٰہُ نَبِیًّا“

”بے شک اللہ تعالیٰ مجھے مبعوث فرمائے گا یعنی اعلان نبوت کا حکم دے گا آپ نے جب یہ کلام مکمل کیا تو اس کے بعد خاموش

ہو گئے اور عام بچوں کے حال کی طرف لوٹ کر آ گئے پھر جب

آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر

(تفسیر کبیر، امام غزالی رحمہ اللہ ج 21 ص 213)

مبعوث فرمایا۔“

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ”حَدَّثَنَا الْاَنْجِلُ وَالْحِکْمَةُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ“ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ہی انجیل پڑھادی اور نبوت عطا فرمادی۔

اصل تطبیق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو نبوت یا کتاب عطا تو اسی وقت فرمادی جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اور اعلان نبوت کا حکم بعد میں دیا گیا تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے۔

﴿وَجَعَلْنِیْ مُہْرًا لِّاٰمِنٍ مَا کُنْتُ﴾ ”مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں۔“

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے دین پر قرار پکڑنے والا بنایا اور مجھے معلم الناس بنایا ہے کہ میں لوگوں کو دین کی تعلیم دوں ان کو راہ حق کی طرف بلاؤں یعنی جب وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے بھٹک جائیں تو میں انہیں سیدھی راہ دکھاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک کاتب کے پاس لے گئیں اور کہا: کہ اس بچے کو لکھنا سکھانا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کو مارنا نہیں۔ معلم نے آپ کو کہا: لکھو! آپ نے کہا: میں کیا لکھوں؟ تو اس نے کہا: ”ابجد“ (اب ت وغیرہ) لکھو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے سراٹھایا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ”ابجد“ کیا ہیں؟ معلم نے اپنا کوزا آپ کو مارنے کے لئے اٹھایا تو آپ نے فرمایا: اے مودب (ادب سکھانے والے) مجھے ماریں نہیں اگر آپ کو علم نہیں تو مجھے سے پوچھیں میں آپ کو بتاتا

ہوں کہ

الف: آلاء اللہ (اللہ کی نعمتیں) سے لیا ہوا ہے اور ب: بہاء اللہ (اللہ کی خوبصورتی) سے اور

ج: جمال اللہ (اللہ کا جمال) سے اور

د: اداء الحق الی اللہ (اللہ تعالیٰ کے حقوق اس کے سپرد کرنا) سے ماخوذ ہے۔

اور برکت والا بنانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ تمام احوال میں مجھے غالب بنایا جب تک میں دنیا میں رہوں گا مجھے اللہ تعالیٰ دلائل میں غیروں پر غالب رکھے گا اور جب دنیا سے جانے کا میرا وقت آجائے گا تو مجھے زندہ ہی آسمانوں پر اٹھالیا جائے گا اور میری برکت کے اثرات کا لوگوں کو فائدہ ہوگا کہ میری دعا سے مردے زندہ ہو جائیں گے، مادرزاد اندھے بینا (نظر والے) ہو جائیں گے اور برص کے مرض والے صحت یاب ہو جائیں گے۔

{ وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا } "مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب میں زندہ رہوں۔"

یعنی رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بالغ ہونے کے بعد نماز ادا کروں اور لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نصیحت کروں۔

"لَا زَكَاةَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَآكَ اللَّهُ نَزَّهَهُمُ عَنِ الدُّنْيَا فَمَا فِيهِمْ لِيْلِهِ تَعَالَىٰ وَكَذَا الْبُورُ كُنُونٌ" ❶

انبیائے کرام علیہم السلام پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے مال سے پاک رکھا ہوتا ہے (اگر ان کے پاس کوئی مال آ بھی جائے تو وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ ایک سال جمع کر کے رکھتے ہی نہیں کہ ان پر زکوٰۃ لازم آئے) اسی وجہ سے ان کے مال کو بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں مال درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مال ہوتا ہے وہ اس کے مالک ہی نہیں ہوتے۔

{ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي } "اور مجھے ماں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔"

اس کلام سے اشارہ تھا کہ میری ماں پاک دامن ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معصوم رسول کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا

اگر معاذ اللہ اس میں کوئی عیب ہوتا تو معصوم رسول کو اس کی تعظیم کا کبھی حکم نہ دیا جاتا۔ ❷

{ وَكَمْ يَجْعَلُنِي جَبَّارًا شَقِيًّا } "مجھے زبردست بد بخت نہیں بنایا۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے متکبر نہیں بنایا بلکہ خضوع کرنے والا اور اپنی ماں کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے والا بنایا ہے

اگر میں متکبر ہوتا تو نافرمان اور بد بخت ہوتا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "قَلْبِي لَيْنٌ وَأَنَا صَغِيرٌ فِي نَفْسِي" میرا دل نرم ہے اور میں اپنے

❶ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 215

❷ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 9 حصہ اول ص 89

خیال میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہوں یعنی عجز کا اظہار کرتا ہوں۔

بعض علماء نے فرمایا: ”لَا تَعْبُدُ الْعَاقِيَ إِلَّا جَبَّارًا شَعِيًّا“ ماں باپ کا نافرمان متکبر اور بد بخت ہی ہوتا ہے۔ ان حضرات نے اپنے اس قول پر یہی آیت کریمہ بطور دلیل پیش کی: {وَلَا تَجِدُ مِثْلِي الْعَلِيَّةِ إِلَّا مُخْتَلًا فَخُورًا} بد خلق کو تم ضرور اترانے والا بڑائی مارنے والا پاؤ گے اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا ﴿٥﴾ (سورۃ النساء: 5) ”بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے بڑائی مارنے والے (متکبرین) کو پسند نہیں کرتا۔“

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٥٦﴾ ”اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔“

اعلیٰ حضرت ﷺ کا ترجمہ اس قول کے مطابق ہے:

”لَا أَلَمُ التَّعْرِيفِ فِي السَّلَامِ مُنْصَرِفٍ إِلَى مَا تَقَدَّمَ فِي قِصَّةِ يَحْيَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ“ ”یعنی الف لام عہد خارجی ہے اور مراد یہ ہے کہ جس سلامتی کا یحییٰ علیہ السلام کے لئے رب تعالیٰ نے خود تین مقاموں کے لئے ذکر فرمایا ہے وہی سلامتی مجھ پر بھی ان تین وقتوں میں ہے۔“

صاحب کشاف کا قول یہ ہے کہ یہ ”الف لام“ تعریف کا عوض ہے حضرت مریم علیہا السلام پر لگائی گئی تہمت کا اور ان پر کئے گئے لعن و طعن کا یعنی اب مطلب یہ ہوگا کہ تم نے تو میری والدہ پر لعن طعن کیا اور ان پر تہمت لگائی لیکن اس کے بدلے رب تعالیٰ نے مجھے اس عظیم انعام سے نوازا ہے کہ مجھے پیدائش موت اور زندہ اٹھائے جانے کے وقت سلامتی عطا فرمادی۔

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَتَحْقِيقُهُ أَنَّ السَّلَامَ لِلْإِسْتِغْرَاقِ“ تحقیق یہ ہے کہ لام استغراق کے لئے ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ ان تین وقتوں میں مجھ پر ہر قسم کی سلامتی ہے یعنی اللہ نے مجھے اور میرے طفیل میرے قبیحین کو ہر قسم کی سلامتی عطا فرمادی ہے۔ میرے دشمنوں کے لئے سوائے لعنت کے کچھ بھی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: {وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ أَتْبَعِ الْهُدَىٰ} سلامتی ہو اس پر جس نے تابعداری کی۔ اسی سے ضمانت یہ خودی سمجھ میں آگیا کہ {أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ} یعنی جنہوں نے تکذیب کی اور راہ حق سے پھر گئے ان پر عذاب ہے۔

انبیاء کرام اس طرح تعریضاً (اشارہ سے کافروں کو عذاب کے متعلق بتانا) کلام فرماتے رہے کیونکہ کسی کو سمجھانے اور سوچنے کا موقع فراہم کرنے کی یہ بہتر صورت ہے۔ سلام سے مراد امن حاصل ہونا نعمتوں میں سلامتی اور آفات کا زائل ہونا

دنوی اور اخروی خطرات سے محفوظ ہونا۔

خیال رہے یہاں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو بتایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرمادی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے دعا کی ہو کہ اے اللہ! جس طرح تو نے یحییٰ علیہ السلام کے متعلق خود بتایا ہے کہ میں نے انہیں سلامتی عطا فرمائی ہے ایسے مجھے بھی عطا فرمادے۔ آپ کی دعا کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرمادی۔

”وَلَا بُدَّ فِي الْأَنْبِيَاءِ مِنْ أَنْ يَكُونُوا مُسْتَجَابِي الدَّعْوَةِ“
(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 21 ص 216)
”انبیاء کرام کا مستجاب الدعوات (دعاؤں کا قبول) ہونا۔
ضروری ہے۔“

عیسیٰ علیہ السلام کے القاب:

کلمۃ اللہ مسیح، وجہ مقرب، صالح، مہد و کھولیت میں مکلم۔
لَقَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ بِشَرِّكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ لَسَمَهُ الْمَسِيحُ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِهًا فِي الذِّكْرِ وَالْأَمْرِ ۚ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١٣﴾
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٤﴾
”اور یاد کرو! جب فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک ”کلمہ“ کی جس کا نام مسیح، عیسیٰ، مریم علیہا السلام کا بیٹا، وجہ ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں قرب والا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔ پالے اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔“
(سورۃ آل عمران 13:3)

آپ کو ”کلمہ“ کیوں کہا گیا؟

اس کی کئی وجوہ ہیں:

- ① آپ کی پیدائش بغیر باپ کے واسطہ کے اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے ہوئی۔ آپ کی تخلیق میں جب باپ کا واسطہ نہیں بیچ (نطفہ) کا استعمال نہیں بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے ہوئی تو اس وجہ سے آپ کو کلمہ ”کن“ کہا گیا یعنی ”کلمہ اللہ“ سے پیدا شدہ جیسے مخلوق کو خلق، مقدور کو قدرت کہہ دیا جاتا۔
- ② آپ نے بچپن میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام فرمایا اس لئے آپ کو ”کلمہ“ کہہ دیا گیا۔
- ③ کلمہ معانی اور حقائق کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام حقائق اور اسرار الہیہ کی راہنمائی فرماتے رہے لہذا آپ کو ”کلمہ“ کہہ دیا گیا۔

آپ کی بشارت آپ ﷺ کے آنے سے پہلے انبیاء کرام کی کتابوں میں آچکی تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو کہا گیا کہ یہ وہی ”کلمہ“ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کا نام ”کلمہ“ رکھ دیا گیا۔
 جس طرح انسان کا نام کبھی ”فضل اللہ“ اور کبھی ”لطف اللہ“ رکھ لیا جاتا ہے اسی طرح آپ کا ایک نام ”کلمۃ اللہ“ رکھا گیا۔

خیال رہے کہ ”کلمہ“ سے مراد اس مقام پر کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے آپ کوئی بعینہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے پیدا ہونے کی وجہ سے ”کلمۃ اللہ“ ہوئے ہیں یہ تاویل کرنی ضروری ہے ورنہ اس کا معنی درست نہیں ہو سکتا۔
قائدہ: عادل بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے: ”ظِلُّ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِہٖ“ اللہ تعالیٰ کا سایہ اس کی زمین میں۔ اسی طرح کبھی کہا جاتا ہے: ”اِنَّہٗ نُورُ اللّٰهِ“ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ جب بادشاہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو وہ مخلوق پر عدل و انصاف کے فیصلے کرتا ہے۔ اس کے عدل کا سایہ زمین پر پھیلتا ہے تو اسے..... ظِلُّ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِہٖ..... کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب اس کے احسانات کا نور جگمگاتا ہے تو اسے..... نُورُ اللّٰہ..... کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کثیر بیانات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ظاہر فرمایا اور لوگوں کے شبہات کو زائل کیا رب تعالیٰ کے کلام میں لوگوں کی تحریفات کو زائل کیا تو اس مناسبت کی وجہ سے بھی آپ کو ”کلمۃ اللہ“ کہا گیا۔

آپ کو ”مسح“ کیوں کہا گیا؟

اس میں چند وجوہ ہیں: خیال رہے کہ ”مسح“ فاعل کا وزن ہے۔ ”فعلیل“ کبھی بمعنی فاعل کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول کے۔ اگر بمعنی ”فاعل“ کے ہو تو آپ کو ”مسح“ کہنے کی یہ وجوہ ہیں:
 ① جب کوئی شخص آفت زدہ ہوتا یعنی کسی بھی مرض میں مبتلا ہوتا تو آپ پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کو شفا حاصل ہو جاتی۔
 ② ”مسح الارض“ لفظ استعمال ہوتا جس کا معنی ہوتا ہے ”زمین کو قطع کرنا“ یعنی سفر کرنا اور سیر کرنا آپ بھی چونکہ ایک جگہ پر ساکن نہیں رہتے تھے بلکہ چلتے پھرتے رہتے تھے اس لئے آپ کو ”مسح“ کہا گیا۔
 ③ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قیاموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اس لئے آپ ”مسح“ ہوئے۔
 اور اگر ”فعلیل“ بمعنی مفعول کے استعمال ہو تو آپ کو ”مسح“ کہنے کی یہ وجوہ ہوں گی:
 ① آپ سے گناہوں اور گناہوں کے بوجھ گناہوں کی آلودگی کو مٹا دیا گیا تھا یعنی آپ کو رب تعالیٰ نے گناہوں سے دور رکھا ہوا تھا۔

آپ کے قدموں سے نشیب کو مٹایا ہوا تھا یعنی آپ کے قدم بالکل سیدھے تھے عام آدمیوں کی طرح نہیں تھے کہ قدموں کے تلووں کا کچھ حصہ زمین پر نہیں لگتا کیونکہ اس میں نشیب ہوتا ہے۔

آپ کو زیتون کا مبارک تیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگا دیا گیا تھا جو تمام انبیاء کرام کو لگایا جاتا تھا جس سے فرشتوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ اس ہستی کو ”نبی“ بنایا جائے گا۔

جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے پروں سے مس کیا تھا تاکہ آپ شیطان کے مس سے محفوظ رہیں۔

آپ جب والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ کو تیل لگا ہوا تھا عام بچوں کی طرح آپ کے بالوں کو تیل لگانے کی ضرورت درپیش نہیں آئی۔ ❶

دجال کو بھی ”مسح“ کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ”مسوح العین“ (ایک آنکھ اس کی ضائع ہو چکی ہوگی) ہوگا اور تنبیہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو قطع کرے گا مختلف علاقوں میں پھرے گا۔ اسی مقام پر روح المعانی میں مذکور ہے کہ امام نخعی نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا جب لقب ہوگا اس وقت مسح ”میم کے فتح اور سین کے تخفیف سے“ پڑھا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمن دجال کا لقب ہوگا تو ”مسح“ میم کے کسرہ اور سین کی شد سے پڑھا جائے گا۔

”مسح“ آپ کا لقب ہے اور ”عیسیٰ“ نام ہے اور ”ابن مریم“ آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا لقب ایسا ہے جو آپ کی شرافت اور مراتب کی بلندی پر دلالت کر رہا ہے۔ جس طرح ”صدیق“ لقب ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور ”قاروق“ لقب ہے عمر رضی اللہ عنہ کا۔ ان کے القاب بھی ان کی شرافت اور بلندی مراتب پر دال ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لقب کو پہلے ذکر کیا تاکہ ابتدائی طور پر ہی آپ کی شان کا ہر شخص کو پتہ چل جائے۔

خیال رہے کہ بشارت بھی حضرت مریم علیہا السلام کو دی جا رہی ہے اور پھر ابن مریم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام انبیائے کرام کو ان کے آباء کے ناموں کی طرف منسوب کیا آپ کو ماں کی طرف منسوب کر کے حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت کے وقت ہی بتا دیا گیا کہ تمہارا بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔ ❷

آپ کو ”وجیہ“ کہا گیا:

”وجیہ“ کا معنی صاحب مرتبہ صاحب شرافت اور صاحب قدر و منزلت ہے۔ ”وَجِیۡہَ الرَّجُلُ وَجِیۡہُ وَجَہُہٗ فَہُوَ وَجِیۡہُ“ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کا مرتبہ لوگوں یا بادشاہ کے نزدیک زیادہ بلند و بالا ہو۔ اور بعض اہل لغت نے بیان

کیا ہے ”الوجہ“ کا معنی کریم ہے کیونکہ انسان کے تمام اعضاء سے اشرف اس کا چہرہ ہے اس لئے ”الوجہ“ کا معنی بطور استعارہ کرم اور کمال لیا جاتا ہے۔

آپ علیہ السلام دنیا میں ”وجہ“ تھے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا مادرزاد اندھوں کو نظر عطا فرمائی، برص والے مریضوں کو برص سے نجات دی۔

اور دنیا میں آپ کے وجہ ہونے کی اور وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام عیوب سے بری رکھا جو یہود آپ پر لگاتے تھے یعنی آپ کا حقیقت میں عیوب سے بری ہونا ہی ”وجہ“ ہونے کا سبب تھا اگرچہ آپ پر یہود عیب لگاتے رہے لیکن آپ کی شان میں کوئی فرق نہ آسکا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وجہ بنایا اگرچہ آپ پر بھی یہود عیب لگاتے رہے آخرت میں بھی آپ ”وجہ“ ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے مومنین کو حق راہ پر چلنے والوں کا شفیع بنایا۔ آپ کا شفاعت کو دوسرے تمام اکابر انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت کی طرح قبول کیا جائے گا۔ ❶

اور وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ذریعے زیادہ ثواب اور بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔

آپ مقربین سے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کی عظیم مدح کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین کہا تو آپ کو بھی یہی صفت عطا فرمائی کیونکہ آپ بھی بلند مراتب اور رفیع درجات ہیں اور فرشتوں کے ساتھ ہی زندہ رہیں گے۔ نیز آخرت میں جس شخص کو ”وجہ“ بنایا گیا اس نے مقرب تو ہونا ہی ہے کیونکہ اسے جنت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوں گے۔ ❷

”مہد“ اور ”کہولیت“ میں آپ کو متکلم بنایا:

مہد سے مراد ”پنکھوڑا“ یا ”ماں کی گود“۔ تاہم یہاں مراد یہ ہے:

”فَإِنَّهُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْحَالَةِ الَّتِي يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهَا إِلَى الْمَهْدِ“
پنکھوڑے کا محتاج ہوتا ہے۔“

خواہ پنکھوڑے میں ہو یا ماں کی گود میں آپ نے بچپن میں ایک مرتبہ کلام فرمایا جس سے اپنی والدہ کی برأت بیان کی اور اپنے اوصاف بیان کئے پھر آپ نے خاموشی اختیار کی پھر عام بچوں کی طرح بولنے کے وقت بولنا شروع کیا۔ یہ قول حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور یہی معتبر بھی ہے البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے جب سے کلام شروع فرمایا اسی وقت سے آپ نے اعلان نبوت بھی فرمادیا اور پھر آپ مسلسل تبلیغ فرماتے رہے۔

”کہولیت“ یعنی بڑی عمر میں بھی آپ کلام فرمائیں گے۔ بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ بڑی عمر میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے اس میں آپ کی فضیلت کیسے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں:

① اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کا رد پایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے قائل ہیں کہ جو شخص پہلے چھوٹا ہو پھر بڑا ہو اس میں تغیر آتا رہے وہ اللہ نہیں بن سکتا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا بچپن میں کلام کرنا والدہ کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے بھی معجزہ ہے اور بڑی عمر میں وحی اور نبوت کے ذریعے کلام کرنا بھی معجزہ ہے۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں کا ذکر ایک ساتھ ہے کہ آپ بچپن میں اس طرح فرمائیں گے جس طرح بڑی عمر میں یعنی بچپن کا کلام بڑی عمر کے کلام سے مختلف نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ ”کہولیت“ سے مراد بڑھا پانہیں بلکہ ”إِنَّ الْكُهْلَ فِي أَصْلِ اللَّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ الْكَامِلِ الشَّامِ“ اصل میں ”کہولیت“ کی عمر وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا جسم کامل ہو۔ یہ تیس سال سے لے کر چالیس سال تک کی عمر ہے۔

ایک قول کے مطابق حضرت کو تینتیس سال کی عمر میں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا اور پھر آپ دنیا میں تشریف لا کر لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اس عمر میں آپ کا آسمانوں سے اتر کر کلام کرنا آپ کا اعجاز ہے۔ ●

آپ کا صالحین سے ہونا:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظیم صفات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ”وَمِنَ الصَّالِحِينَ“ آپ صالحین سے ہوں گے۔ کیونکہ ”لَا رُتْبَةَ أَعْظَمُ مِنْ كَوْنِ الْمَرْءِ صَالِحًا لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ“ اس سے بڑھ کر کوئی اور مرتبہ نہیں کہ انسان صالح ہو اس لئے کہ صالح وہی وہ سکتا ہے جس کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق عمل سے ہو یا چھوڑنے سے ہمیشہ بہتر طریقہ پر ہوں اور کامل طریقہ پر ہوں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صالح ہونے کا تعلق تمام مقامات سے ہے خواہ ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے۔ اسی طرح

ایسے افعال جو دل سے متعلق ہوں یا ظاہری اعضاء سے تمام میں صالحیت ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ”روح“:

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَدُودُومَنَّهُ..... ﴿٣٦﴾

ایک کلمہ کہ مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے

ایک روح۔“

(سورۃ نساء: 3:6)

آپ علیہ السلام کو روح کہنے کی چند وجوہ ہیں:

① عام لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب کسی طہارت اور نظافت کے اعلیٰ درجہ کی تعریف کرنی ہو تو اسے روح کہہ دیتے ہیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق باپ کے نطفہ سے نہیں ہوئی بلکہ نوح جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو یقیناً آپ کی صفت ”روح“ سے بیان کی گئی۔

② آپ مخلوق کے دین کے زندہ رہنے کا سبب بنے جس کا دین زندہ رہا اسے ”روح“ کہہ لیا جاتا ہے جیسے قرآن پاک کو روح کہا گیا: وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا أَمَّا نَسُوا حَظِيصَ مَا جَاءَهُمْ فَأَعْرَجُوا وَعَلَّمَ يُجِيبُوا لِقَاءَ رُسُلِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِقَاءَ رَبِّكُمْ ﴿١٠٠﴾ (قرآن)

③ ”روح“ بمعنی رحمت کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے {وَأَنبَهُمْ بِرُوحِهِ مِنهُ} یہاں ”روح“ سے مراد رحمت ہے۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مِّنْهُ“ میں رحمت اور ہدایت بن کر آیا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ان کو دین و دنیا میں نیکی کے راستے کی ہدایت کرتے تو اسی وجہ سے آپ کو ”روح“ کہا گیا۔

④ ”روح“ کلام عرب میں لُحْ (پھونک) کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ ”روح“ اور ”روح“ معنی میں قریب قریب ہیں لہذا آپ کو ”روح“ اس لئے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے نوح جبریل سے پیدا ہوئے۔

⑤ روح پر تنوین تعظیم کی ہے اب یہ معنی ہے کہ: {رُوحٌ مِّنَ الرُّوحِ الْقُدُسِ الْعَالِيَةِ} شریف قدسی بلند مراتب رکھنے والی روحوں میں سے آپ کی روح بھی ہے۔ یعنی آپ کی روح عظیم روح ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی لئے آپ کو ”روح“ کہہ دیا گیا۔

”روح قدس“ سے آپ کی امداد کی گئی:

”اور پاک روح سے اس کی مدد کی۔“

وَأَيَّدْنَا بِرُوحِ الْقُدُّسِ (سورة البقرة: 11)

اس ”پاک روح“ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن ان تمام وجوہ سے آپ کو امداد دی گئی۔ رئیس المحققین والمحققین استاذی المکرم حضرت مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”کہ کسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہوں یا کسی حدیث پاک کی شرح میں محدثین کرام کے مختلف اقوال ہوں اور ان میں کوئی تعارض نہ ہو تو سب کو جمع کر لیا جائے۔“

اس قانون و ضابطہ کے مطابق آپ کو مختلف طریقوں سے امداد دی گئی:

① ”روح قدس“ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ کی امداد فرماتے رہے۔ جبرائیل علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت اور بلندی مرتبہ حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے ”روح قدس“ کہا گیا اور جس طرح بدن کو روح کے ذریعہ زندگی حاصل ہوتی ہے ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دین کو زندگی حاصل ہوتی رہی کیونکہ آپ تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لاتے رہے جس کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام احیاء دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اگرچہ تمام فرشتوں کو روحانیت حاصل ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کو تمام سے زیادہ اور کامل روحانیت حاصل ہے اسی وجہ سے آپ کو ”روح قدس“ کا لقب عطا کیا گیا۔

② ”روح قدس“ سے مراد انجیل بھی ہو سکتی ہے جیسے قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا﴾ اسی طرح انجیل کو بھی ”روح“ کہہ دیا گیا کیونکہ آسمانی کتب کے ذریعے ہی انبیاء کرام علیہم السلام تک احکام خداوندی پہنچے اور انبیاء کرام نے وہی احکام اپنی امتوں کو پہنچا کر ان کے دنیاوی امور کو بھی درست فرمایا اور ان کے دین کو بھی زندہ کیا۔

③ ”روح قدس“ سے مراد اسم اعظم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسم اعظم آپ کو عطا کر کے آپ کی امداد فرمائی۔ اسی اسم اعظم کے ذریعے آپ مردوں کو زندہ فرماتے۔

④ ”روح“ سے مراد وہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ ”قدس“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی آپ میں مالک الملک نے اپنی طرف سے روح بواسطہ جبرائیل علیہ السلام پھونک کر آپ کو اپنا مقرب بنایا اور ”روح اللہ“ کا لقب عطا فرمایا۔ ⑤

اگرچہ تمام معانی بیک وقت لینے درست ہیں تاہم زیادہ حضرات نے روح قدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہی لئے ہیں

کہ آپ کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ حاصل رہی کیونکہ آپ جہاں جاتے جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہی چلتے اور جمع احوال میں آپ کا ساتھ دیتے رہے اور آسمانوں میں بھی آپ کے ساتھ گئے۔ ❶

آپ کو کتاب و حکمت عطا کی گئیں:

کتاب سے مراد کتابت یعنی آپ کو لکھنے کا علم عطا کیا گیا:

”أَعْطَى اللَّهُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ مِنَ الْخَطِّ“ ”آپ کو اللہ تعالیٰ نے خط کے نو حصے عطا فرمائے اور باقی تمام واعطی سائر الناس جزءً واحدًا“ ❷

لوگوں کو ایک حصہ عطا کیا گیا۔“

”حکمت“ سے مراد فقہ حلال و حرام کا علم تمام امور دین کا علم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتوں کا علم اور تمام علوم عقلیہ

آپ کو عطا کئے گئے۔ ❸

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

”میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً زندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور شفا دیتا ہوں مادرِ زادن دھمے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر

آتَىٰ قَدْ جَنَّاتِكُمْ بَابًا مِّنْ رَبِّكُمْ لِتَقُولُوا لِمَن رَزَقْنَا مِنْهُ غَيْرَ أَنِ بِيَدِنَا إِلَهِكُمْ وَأَنَّا مُنْزِلُونَ وَمَا تَدْعِرُونَ لَئِن رَّبُّكُمْ طَائِفٌ فِي ذَٰلِكُمْ لَكُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ❶

(سورۃ آل عمران 3: 13)

رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“

آپ کو یہ معجزہ عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیدائش پر دلیل قائم فرمادی یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے گویا کہ اپنی قوم کو پرندے بنانا: بتایا: اے میری قوم! تم پیدائش میں شک کرتے ہو یہ درحقیقت رب تعالیٰ کی قدرت میں شک ہے۔ رب تعالیٰ نے مجھے بھی یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں بغیر ماں باپ کے مٹی سے پرندے کی صورتی بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ حقیقی طور پر پرندہ بن جاتا ہے۔

❶ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 'حصہ دوم' ص 166

❷ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 3 'ص 177

❸ روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 'حصہ دوم' ص 166

عیسیٰ علیہ السلام نے چمگاڈ بنائی:

بنی اسرائیل نے آپ سے بھی اسی طرح سرکشی کے طور پر چمگاڈ بنانے کا مطالبہ کیا جس طرح وہ اپنی عادت کے مطابق پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات کا سوال کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب آپ نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھا دیا تو وہ کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے۔ انہوں نے آپ سے چمگاڈ بنانے کا مطالبہ ہی کیوں کیا تھا؟ اس لئے کہ یہ ایسا پرندہ ہے جس میں پرندوں، حیوانوں اور انسانوں والے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اسے بنانے میں انہیں بظاہر مشکل نظر آئی کہ اسے بنانا تو بہت بڑی قدرت کا تقاضا ہے۔

چمگاڈ کے اعضاء و اوصاف یہ تھے:

چمگاڈ کے دانت اور داڑھیں ہوتی ہیں اسے حیض آتا ہے اور یہ بچے جنتی ہے، انڈے نہیں دیتی۔ پروں کے یعنی گوشت کے بازوؤں سے اڑتی ہے۔ اس کے کان ہوتے ہیں اس کے پستان ہوتے ہیں۔ اس کے تھنوں سے دودھ آتا ہے یہ انسانوں کی طرح ہنستی ہے۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں نہیں دیکھ سکتی۔ اسے صرف دو وقتوں میں نظر آتا ہے ایک سورج کے غروب ہونے کے بعد جب تک روشنی رہے اور دوسرا صبح کے بعد زیادہ روشنی ہونے سے پہلے۔

مشہور یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چمگاڈ کے بغیر کوئی اور پرندہ نہیں بنایا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آپ نے جس چمگاڈ کو بنایا وہ لوگوں کے سامنے اڑی اور جب نظروں سے غائب ہو گئی تو مگر مرگئی تاکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندے کے بنانے میں فرق رہے۔ البتہ بعض دوسرے اہل علم نے کہا: کہ آپ نے کئی قسم کے پرندے بنائے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب ❶

آپ کے پرندے بنانے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ایک مرتبہ لڑکوں کے ساتھ مکتب میں تھے آپ نے گوندھی ہوئی مٹی لی اور آپ نے لڑکوں کو کہا کیا میں تمہیں اس سے پرندہ بنا دوں؟ انہوں نے کہا: کیا تم بنا سکتے ہو؟ آپ نے کہا: ہاں! میں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر سکتا ہوں پھر آپ نے ایک پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک ماری تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن گیا اور آپ کے ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا بچوں نے یہ واقعہ اپنے استاد کے سامنے بیان کیا اور یہ دوسرے لوگوں میں بھی مشہور ہو گیا تاہم پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ ❷

مادر زادانند سے اور برص والے کو شفا دینا:

”جو پیدائشی طور پر اندھا ہوا ہے ”اکہ“ کہتے ہیں۔“

”اَلَا تَرٰهُ هُوَ الَّذِي وُلِدَ اَعْمٰی“

ایضاً

روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 حصہ دوم ص 167

اسی طرح جس کی آنکھوں کا نشان نہ ہوا سے بھی ”اکمہ“ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ ایسے اندھوں کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نظر عطا فرمادیتا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے مرض والے کے لئے دعا فرماتے اسے بھی اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا۔

سرف دو مرضوں کا ذکر کیوں؟

ان دو مرضوں سے شفا دینے کا خصوصی طور پر معجزہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا کیونکہ اس وقت کے بڑے بڑے طبیب جو کثیر تعداد میں تھے ان دو مرضوں کا علاج کرنے سے عاجز آچکے تھے۔ ان کو پیچیدہ امراض قرار دے دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں علم طب کا زور تھا بڑے بڑے طبیب موجود تھے تو آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ جس سے تمام طبیب عاجز آچکے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا زور تھا تو آپ کو معجزات عطا کئے گئے۔ خصوصاً عصا سے اڑھا بنانا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر عاجز آ گئے تھے۔

حضرت وہب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ سے پچاس ہزار آدمیوں نے علاج کرایا جو آپ کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ خود حاضر ہوئے اور جو آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے جاتے ان سے ایمان لانے کی شرط رکھتے پھر آپ ان کا علاج اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے فرماتے۔ آپ اندھوں، مجنوں، چلنے پھرنے سے عاجز اور ہر قسم کے مریضوں کے لئے یہ دعا فرماتے:

”كَلِمَةُ اَنْتَ اِلَهٌ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَكَاهُ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا اِلَهَ فِیْهِمَا غَمْرُكَ وَاَنْتَ جَبَّارٌ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَجَبَّارٌ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِیْهِمَا غَمْرُكَ وَاَنْتَ مَلِكٌ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَلِكٌ مَنْ فِي الْاَرْضِ لَا مَلِكَ فِیْهِمَا غَمْرُكَ قُدْرَتُكَ فِی الْاَرْضِ كَقُدْرَتِكَ فِی السَّمَاءِ وَمُلْكُكَ فِی الْاَرْضِ كَمُلْكِكَ فِی السَّمَاءِ اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْكَرِیْمِ وَوَجْهِكَ الْمُبِیْنِ وَمُلْكِكَ الْقَدِیْمِ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ“

قائدہ: حضرت وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ دعا کسی مصیبت زدہ پریشان حال اور جنون کے مرض والے پر پڑھی جائے اور لکھ کر اسے پلائی جائے تو انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

مردوں کو زندہ کرنا:

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے اور یا حی یا قیوم پڑھتے ’مردہ زندہ ہو جاتا۔ محی السنہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ آپ نے چار شخصوں کو زندہ کیا:

① عازر ② بڑھیا کا بیٹا ③ عاشق کی بیٹی ④ سام بن نوح۔

عازر: آپ کا دوست ”عازر“ جب فوت ہو گیا تو اس کی بہن نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی ”عازر“ فوت ہو گیا۔ عازر کے گھر اور آپ (جہاں تشریف فرما تھے اس) کے درمیان تین دنوں کی مسافت تھی۔ آپ اور آپ کے کچھ ساتھی جب وہاں تشریف لائے تو اس کی بہن کو کہا: مجھے اس کی قبر پر لے جاؤ۔ آپ نے قبر پر آ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ وہ اسی طرح کچھ زمانہ زندہ رہا یہاں تک کہ زندہ ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی ہوئی۔

بڑھیا کا بیٹا: اسی طرح بڑھیا کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اسے چار پائی پرائٹھا کر لے جا رہے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے قریب سے جنازہ کا گزر ہوا تو آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہو کر چار پائی پر بیٹھ گیا اور نیچے اتر آیا۔ اس نے کفن اتار کر کپڑے پہن لئے اور چار پائی کو خود کندھوں پر اٹھا لیا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ وہ بھی کچھ زمانہ زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی بعد میں ہوئی۔

عاشق کی بیٹی: ایک شخص جو لوگوں سے عشر وصول کرتا تھا یعنی بادشاہ کی طرف سے اسے عشر وصول کرنے پر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی بیٹی فوت ہو گئی۔ دوسرے دن عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی وہ زندہ ہو گئی۔ وہ بھی اس کے بعد کچھ وقت تک زندہ رہی اس کی بھی اس کے بعد اولاد ہوئی۔

سام بن نوح: نوح علیہ السلام کے بیٹے ”سام“ کو فوت ہوئے کئی صدیاں بیت چکی تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اس کی قبر پر آئے اس کے لئے دعا کی اتنے بھی اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔ جب وہ قبر سے نکلا تو قیامت کے خوف سے اس کا سر نصف سفید ہو چکا تھا حالانکہ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے۔ اس نے قبر سے نکلتے ہوئے پوچھا: کیا قیامت آگئی؟ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں قیامت تو ابھی نہیں آئی البتہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے تمہیں زندہ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اب تم پھر مر جاؤ! اس نے کہا: ٹھیک ہے لیکن یہ شرط ہے کہ مجھے سکرات موت سے محفوظ رکھا جائے۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے سکرات موت کے بغیر ہی دوبارہ موت عطا فرمادی۔

سام بن نوح کو زندہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟

”سام بن نوح“ کو زندہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب قوم نے کہا: تم نے جو مردے ابھی زندہ کئے ہیں ان کی موت کے بعد جلدی ہی تم نے ان کو زندہ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ حقیقت میں مرے ہی نہ ہوں بلکہ ان کو سکتہ کا مرض لاحق ہو تو ان کے کہنے پر

آپ علیہ السلام نے ”سام بن نوح“ کو زندہ کیا۔ آپ اور اس کے درمیان چار ہزار سال کا قاصد تھا۔ جب وہ زندہ ہوا تو اس نے کہا: اے لوگو! تم ان پر ایمان لے آؤ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو ایمان قبول کر لیا تھا لیکن کچھ بد بختوں نے یہ عظیم معجزہ دیکھنے کے بعد بھی یہ کہا: کہ یہ جادو ہے وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔ ❶

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نے اپنے بیٹے کے زندہ کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ زندہ ہو کر میرا خلیفہ بن سکے تو آپ کی دعا سے وہ بھی زندہ ہو گیا تھا اور آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس سے دعا کر کے کئی جانوروں کو بھی زندہ کیا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو علوم غیبیہ عطا کئے گئے:

وَأَتَيْنَاكُمْ بِمَا تَكْفُلُونَ وَمَا تَدْعُونَ لَنَا بِشُرُكِكُمْ
(سورۃ آل عمران 3:13)

”اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔“

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کا عنوان ذکر کیا:

”وَأَمَّا النَّوْعُ الْخَامِسُ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ إِعْهَارُهُ عَنِ الْغُيُوبِ“ ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی پانچویں قسم غیبی خبریں دینا۔“ آپ نے بچپن میں ہی غیبی خبریں دینی شروع کر دی تھیں۔ جب آپ کے ساتھ بچے کھیلتے تو آپ انہیں ان کے والدین کے افعال کی خبریں دیتے اور یہ بتاتے تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا چیز چھپا کر رکھی ہوئی ہے؟ بچے گمراہ چیز مانگتے نہ ملنے پر روتے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بچوں کو یہ بتاتے ہیں تو انہوں نے بچوں کو کہا: تم اس جادوگر کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے گھروں میں روک لیا۔ باہر نکل کر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کھیلنے پر پابندی عائد کر دی۔ آپ خود ہی بچوں کو بلانے ان کے گھروں میں آگئے۔ ان کے والدین نے کہا: کہ وہ گمراہ نہیں ہیں۔ آپ نے کہا: وہ تو گمراہی ہیں اگر وہ گمراہ نہیں تو کون گمراہوں میں ہیں؟ انہوں نے کہا: خنزیر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا خنزیر ہی ہوں گے۔ آپ کے کہنے پر وہ خنزیر ہی ہو گئے۔

اسی طرح مائدہ کے اترنے پر آپ نے قوم کو کہا: کہ ذخیرہ بنا کر نہیں رکھنا۔ اتنا ہی لینا ہے جو اس وقت تم کھا سکو لیکن قوم نے ذخیرہ بنانا اور دوسرے وقت کے لئے جمع کرنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے جو تم کھاتے اور جو جمع کرتے ہو۔ آپ نے ہر ایک کو واضح طور پر بتایا تم نے کتنا کھایا ہے اور کتنا جمع کیا ہے۔ ❷

تعبیہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات آلات کے تابع نہیں ہوتے عادات کے خلاف کام کرتے ہیں۔ لیکن ان میں فقط تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔ آج کل سائنسی ترقی نے بہت سے طریقے ایجاد کئے ہیں۔ اگرچہ وہ عام عادات کے خلاف ہیں لیکن وہ آلات کے محتاج ہیں۔ اس لئے انہیں معجزات کرامات نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً دور سے کلام سننا اور کرنا اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے لیکن فون کا واسطہ ہے۔ اسی طرح دور سے کسی کی تصویر ٹیلی ویژن کے ذریعے دیکھنا بھی ایسے ہی ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں کوئی آلہ استعمال نہیں ہوا۔

نجومی بعض اوقات غیبی خبریں دیتے ہیں لیکن ”لَا یُمْکِنُھُمْ ذَٰلِکَ اِلَّا عَنْ سَوَالٍ یَّتَقَدَّمُ“ وہ اس وقت تک کوئی خبر نہیں دے سکتے جب تک وہ پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال نہ کر لیں:

”ثُمَّ یَتَعَمَّنُونَ عِنْدَ ذَٰلِکَ بِاَلْوِیَّةِ وَیَتَوَصَّلُونَ بِہَا اِلٰی“ ”پھر وہ اپنے (حساب وغیرہ کے) آلات کی امداد طلب کرتے ہیں“
ان آلات کے ذریعے ستاروں کے احوال کو حاصل کرتے ہیں۔“
مَعْرِفَةِ اَحْوَالِ الْکَوَاکِبِ“

اور تب جا کر آنیوالے واقعہ کی خبر دے سکتے ہیں لیکن پھر بھی صحیح خبر ان سے بہت کم ہی واقع ہوتی ہے اور غلط زیادہ ہوتی ہے۔ ”ثُمَّ یَعْتَرِفُونَ بِاَنَّهُمْ یَخْلِطُونَ کَثِیْرًا“ پھر وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ طور پر غلطیاں ہی واقع ہوتی ہیں ہماری خبریں یقینی طور پر صحیح نہیں ہوتی ہے۔

”فَاَمَّا الْاِغْمَارُ عَنِ الْغَیْبِ مِنْ غَیْرِ اِسْعَافَةِ بِاَلْوِیَّةِ وَلَا تَقَدَّمَ“ ”لیکن غیبی خبروں میں آلات سے کوئی امداد طلب نہیں لی جاتی اور نہ ہی پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے یہ صرف“
مَسْأَلَةٌ لَا یَسْکُونُ اِلَّا بِالْوَحْیِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی“
اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔“

علامہ رازی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کے بعد بھی کوئی یہ کہتا پھرے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہو جائے اسے علم غیب نہیں کہا جاتا تو وہ نادان اپنی عقل کا علاج کرے یا پھر اپنی مردہ عقل کا ماتم کرتا پھرے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کو رب تعالیٰ نے بلند کر دیا وہ کسی کے کم کرنے سے کم نہیں ہو سکتی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم جزا اور علم فلکیات یا اس قسم کے اور علوم چونکہ اصول و ضوابط پر مشتمل ہیں۔ لہذا انہیں کبھی علم غیب نہیں کہا جاسکتا۔ علم غیب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مادہ اور“
”مکوئی واسطوں سے خالی ہو۔“
وَکُلُّ سَائِلٍ الْکَوْنِیَّةِ“

اس سے بھی واضح ہوا کہ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو غیبی کہنے سے انکار کرنا جہالت ہے۔

حوارین کا ایمان لانا:

وَكَذَٰلِكَ حَمَتُ إِلَىٰ الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قُلْ أَمَّا أَنَا فَأَكْفَهُد بِأَنكُم مَّسْلُومُونَ ﴿٥٧﴾
 (سورۃ المائدہ: 75)
 ”اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں ”أَوْحَيْتُ“ کا معنی القاء یعنی دل میں ڈالنا اور الہام کرنا ہے کیونکہ وحی انبیاء کرام کی طرف ہی فقط آتی ہے غیر نبی کی طرف وحی کا معنی القاء الہام ہی ہوتا ہے جیسے ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ﴾ ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں القاء کیا۔ اور ﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو انعامات عطا فرمائے ان میں سے یہ بھی ہے کہ حواریین نے آپ کے ارشادات کو تسلیم کیا اور ایمان لائے:

”لَٰكِن صَبَرْنَا الْإِنْسَانَ مَقْبُولُ الْقَوْلِ عِنْدَ النَّاسِ مَحْبُوبًا فِي قُلُوبِهِمْ مِنْ أَعْظَمَ نِعَمِ اللَّهِ عَلَى الْإِنْسَانِ“
 ”اس لئے کہ انسان کا قول جب دوسرے لوگوں کے نزدیک مقبول ہو جائے اور وہ ان کے دلوں میں محبوب ہو جائے تو یہ اس انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے۔“

خیال رہے کہ ایمان دل کی صفت ہے یعنی صدق قلبی اور اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے گویا کہ رب تعالیٰ نے انہیں دو چیزوں کا حکم دیا: ”آمِنُوا بِقُلُوبِهِمْ وَانْقَادُوا بِظُكُورِهِمْ“ ”دلوں سے ایمان لاؤ اور ظاہری طور پر بھی اطاعت کرو۔“
 ”قُلْ أَمَّا أَنَا طَهَيَّ مَا أُمِرْتُ بِهِ وَأَكْفَهُد بِأَنكُم مَّسْلُومُونَ“ ”حواریوں نے کہا: جس طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم اسی کے مطابق ایمان لائے اور تو خود ہی گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں یعنی اپنے ایمان میں قلعہ ہیں اور ظاہری طور پر بھی تیرے مطیع ہیں جیسے تو نے ہمارے دلوں میں حکم القاء کیا ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔“

حوارین کون تھے؟

”حواریون“ جمع ہے ”حواری“ کی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے: ”قَلَانٌ حَوَارِيٌّ قَلَانٌ“ ”قلاں شخص قلاں کے مددگاروں

اور دوستوں میں سے خاص ہے۔

خیال رہے کہ بظاہر وہم ہوتا ہے ”حواری“ جمع ہے ”کراسی“ کی طرح لیکن ایسا نہیں ”بَلْ هُوَ مُفْرَدٌ مُنْصَرِفٌ كَمَا مَرَّحَ بِهِ الْمُحَقِّقُونَ“ بلکہ وہ مفرد منصرف ہے جیسا کہ محققین نے وضاحت کی ہے۔

”حواری“ سفید ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ گہروں میں باپردہ رہنے والی سورج کی گرمی سے بچنے والی عورتوں کو بھی ”حواریات“ کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ”دھوبی“ کو بھی حواری کہا جاتا کہ وہ کپڑوں کو سفید کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو حواریین کہنے کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں:

① وہ سفید کپڑے پہنتے تھے اسلئے انہیں حواریین کہا گیا ہے۔

② وہ دھوبی تھے لوگوں کے کپڑے سفید کرتے تھے اسلئے حواریین کہا گیا۔

③ ان کے دل صاف اور اخلاق پاکیزہ تھے اس لئے ان کا یہ نام ہوا۔

وہ لوگ کیا کام کرتے تھے؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں:

④ ایک یہ کہ وہ مچھلی کا شکار کرتے تھے ان میں یعقوب، شمعون اور یوحنا نامی آدمی تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان کے قریب سے گزرے تو انہیں کہا: تم مچھلی کا شکار کرتے ہو۔

”فَإِنْ أَتَيْتُمُونِي صِرْتُمْ بِحِمَّتِ تَصِيدُونَ النَّاسَ بِالْحَمَاةِ“ ”اگر تم میری تابعداری کرو تو تم ہمیشہ لوگوں کا شکار کرو گے یعنی مجھ پر ایمان لاؤ تو تمہیں حیات جاودانی حاصل ہوگی۔“

لوگ خود بخود تمہاری تابعداری کریں گے تمہارے احکام پر چلیں گے، گویا وہ تمہارے شکار ہوں گے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے شمعون کو پانی میں جال ڈالنے کے لئے کہا جب اس نے جال ڈالا تو اتنی مچھلیاں نکلیں کہ دو کشتیاں بھر گئیں۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ رات بھر اپنی کوشش کر چکا تھا۔ کئی مرتبہ جال ڈالنے پر کوئی مچھلی نہیں نکلی تھی۔

آپ علیہ السلام کے اس معجزہ کو دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے۔ اس وقت وہاں وہ جتنے لوگ تھے بارہ یا انتیس سب ہی ایمان لے آئے۔ یہ جب بھوکے ہوتے تو کہتے: اے روح اللہ! ہم بھوکے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ زمین پر مارتے۔ ہر ایک کو دور روٹیاں نکال دیتے۔ جب وہ پیاسے ہوتے تو پیاس کی شکایت کرتے تو آپ زمین پر اپنا ہاتھ مار کر ہر ایک کو پانی نکال دیتے تو وہ پانی پی لیتے۔ وہ کہنے لگے: ہم سے افضل کون ہوگا؟ جب ہم طعام طلب کرتے ہیں تو آپ طعام کھلا دیتے ہیں اور جب ہم پانی طلب کرتے ہیں تو آپ ہمیں پانی پلا دیتے ہیں تحقیق ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”اَفْضَلُ مِنْكُمْ مَنْ يَعْمَلُ بِدِينِ وَيَأْكُلُ مِنْ كُسْبِهِ“ ”تم میں سے افضل وہ ہے جو اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور اس سے حاصل کردہ مال کھائے۔“ آپ کے اس ارشاد کے بعد انہوں نے محنت و مزدوری شروع کر دی۔ وہ لوگوں کے کپڑے دھوئے تھے اور اس کی حاصل شدہ مزدوری کو ہی اپنا خرچ بناتے۔

⑤ حواریین کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک مرتبہ لوگوں کی دعوت کی۔ طعام تیار ہو گیا، تقسیم کے وقت ایک پیالے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہوئے۔ آپ نے تقسیم کرنا شروع کیا، ایک ہی پیالہ سب لوگوں سے ختم نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے جب آپ کے معجزہ کو دیکھا تو اس نے اپنی بادشاہت چھوڑ دی، آپ کی تابعداری اختیار کر لی۔ بادشاہ کے کچھ قریبی لوگ بھی اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہو گئے ان ہی لوگوں کو ”حواریین“ کہا جاتا ہے۔

⑥ ایک اور قول یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو ایک کپڑے رنگنے والے شخص کے پاس چھوڑا تا کہ یہ بھی کپڑے رنگنا سیکھ جائیں۔ وہ آپ کو جب بھی اپنے فن کی کوئی بات بتانا چاہتا تو وہ آپ پہلے ہی جانتے ہوتے۔ ایک دن وہ شخص کسی کام کے لئے جانے لگا تو آپ کو کہا: کہ یہ کپڑے ہیں، ہر ایک پر میں نے نشان لگا دیا ہے، اسی کے مطابق تم کپڑے رنگ دینا۔ وہ چلا گیا، تو آپ نے تمام رنگ ایک برتن میں ڈال کر پکاد دیئے اور اسی ایک برتن میں تمام کپڑے بھی ڈال دیئے اور کپڑوں سے مخاطب ہو کر کہا: ”كُونُوا بِاِذْنِ اللّٰهِ كَمَا اُرِيدُ“ تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے ہی ہو جاؤ جیسے میں چاہتا ہوں۔

جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے پوچھا: کیا تم نے کپڑے رنگ دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے سب رنگ اور سب کپڑے ایک برتن میں ڈال دیئے ہیں، رنگے جا چکے ہیں آپ نکال لیں۔ اس نے جب یہ سنا تو کہنے لگا تم نے کپڑے برباد کر دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھ کر دیکھو! تو شاید صحیح رنگے ہوں۔ اس نے جب کپڑے نکالنا شروع کئے تو وہ اسی طرح رنگے ہوئے تھے جیسے اس نے نشان لگائے تھے۔ کوئی سرخ، کوئی زرد اور کوئی سبز رنگ تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر وہاں سب حاضرین متعجب ہوئے اور سب نے ایمان قبول کر لیا ان لوگوں کو ہی ”حواریین“ کہا جاتا ہے۔

ان تمام اقوال کے متعلق حضرت قتال رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ ان میں سے بعض بادشاہ اور اس کے قریبی تھے اور کچھ شکاری تھے، کچھ کپڑے رنگنے والے اور کچھ دھو بی تھے۔ ان تمام کو ”حواریین“ کہا گیا کیونکہ وہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے اور ان کے ساتھ محبت کرنے والے اور ان کی اطاعت میں قلمبند تھے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں مجازی معنی لینا زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے جتنے لوگ بھی معاون اور خلوص سے آپ کے ساتھ محبت کرنے والے تھے وہ تمام ”حواریین“ تھے۔ ⑦

حوارِ بین کا آسمانی طعام طلب کرنا:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِثُ يٰعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ
يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ط قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا
وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١٠٨﴾

”جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب
ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے؟ کہا: اللہ
تعالیٰ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو۔ بولے: ہم چاہتے ہیں کہ
اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور

”جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے؟ کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو۔ بولے: ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہم آپ کے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔“

(سورة المائدة: 5)

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے {هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ} کا ترجمہ کیا..... ”کیا آپ کا رب ایسا کرے گا؟“ کیونکہ یہ سوال کرنے والے حواریین تھے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ ”هُمْ أَوَّلُ مَنْ آمَنَ بَعِثْنِي عَلَيْهِ السَّلَامُ“ ”حواریین وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔“ قرآن پاک میں ان کے ایمان کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کیا گیا ہے:

قَالَ الْهَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَتَصَارُ الْهَوَارِيُّونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ایمان لانے پر آپ گواہ رہیں۔“

(سورۃ آل عمران 3: 13)

(سورة آل عمران 3:13)

حوار بین چونکہ مسلمان تھے انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں کیا۔ اسی وجہ سے جلالین میں اس کا معنی بیان کیا گیا ہے: ”هَلْ يَسْتَطِيعُ اَنْ يَفْعَلَ رَبُّكَ“ کیا تمہارا رب کرے گا۔ تفسیر صاوی میں اسی کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی: ”اَنْ يَفْعَلَ اَنْی فَاُطْلِقَ اللّٰزِمَ وَهُوَ الْاِسْتِطَاعَةُ وَارَادَ الْمَلْزُومَ وَهُوَ الْفِعْلُ وَدِيكَمَ هَذَا اِلَيْكَ مَا يُقَالُ اِنَّ الْحَوَاكِي يَمْنُ مُؤْمِنُونَ فَكَيْفَ يَشْكُونَ فِی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی“ (تفسیر صاوی)

وہ سوال یہ ہے کہ حواریین تو ایمان والے تھے۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کیسے شک کیا ہے؟ تو اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ یہاں یہ سوال ہی نہیں کہ کیا تمہارا رب ایسا کر سکے گا؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا تمہارا رب ایسا کرے گا۔“

قائدہ: ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ابو طالب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ وہ مریض تھے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! تم اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے عافیت دے دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دعا فرمائی: ”اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَمِّي“ اے اللہ تعالیٰ! میرے چچا کو شفا عطا فرما۔ ”فَقَامَ كَمَا نَمَّا نَشْطُ مِنْ عِقَالٍ“ ان کو اسی وقت آرام آیا۔ وہ جلدی سے اس طرح اٹھے جس طرح کسی اونٹ کی رسی کھول کر آزاد کریں تو وہ خوشی سے پھرتی سے اٹھتا ہے۔ ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم جس کی عبادت کرتے ہو ”بطبعك“ وہ تمہاری بات مانتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مَا عَمِرَ وَانْتَ لَوْ اطَعْتَهُ لَكَانَ بِطُوعِكَ“ اے میرے چچا! اگر تم اس کی اطاعت کرو تو وہ تمہاری حاجات کو بھی پورا کرے گا۔“

ابو طالب نے ”بطبعك“ لفظ استعمال کیا تو حضور ﷺ نے بھی اس کے جواب میں حسین انداز میں مشا کلت کے طور پر وہی لفظ ”بطبعك“ استعمال کیا ہے۔ جس کا ظاہری معنی ہے وہ تمہاری اطاعت کرے گا حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ اس کا معنی ہے: ”بُحْبُوكَ لِمَقْصُودِكَ“ وہ تمہارے مقاصد کو پورا فرمائے گا۔ ❶

”مائدہ“ ہر چیز جسے بچھایا جائے اور پھیلا یا جائے لیکن یہاں مراد ”دستر خوان“ ہے۔ اسی طرح ”مائدہ“ اسے بھی کہتے ہیں جو چیز بلند ہو اور کھانا کھانے کے لیے اسے تیار کیا جائے۔ (جیسے آجکل ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھایا جاتا ہے) ”وَالَا كُلُّ عَلُوٍّ بِدَعَا لِكِنَّةٍ حَائِزٍ اِنْ خَلَا عَنْ قَصْدِ التَّكْبُرِ“ اس پر کھانا اگرچہ بدعت ہے لیکن تکبر کی نیت نہ ہو تو جائز ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے کچھ فکر یہ ہے جو ہر بدعت کو گمراہی بھی کہتے ہیں اور پھر ہزار ہا بدعات کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔ ”وَتُطْلَقُ الْمَائِدَةُ عَلَى نَفْسِ الطَّعَامِ اَيْضًا“ ”مائدہ کا اطلاق طعام پر بھی کیا جاتا ہے۔“

عام محققین نے ایسا ہی بیان کیا ہے یعنی انہوں نے آسمان سے طعام اترنے کا مطالبہ کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم اس قسم کے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو زیادہ نشانیاں اور معجزات کا مطالبہ نہ کرو۔

حضرت فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ نے کہا: کہ تقویٰ رکھو! اللہ تعالیٰ خود ہی تمہاری امیدوں کو پورا کرتا رہے گا۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿١﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا

گمان نہ ہو۔“

(سورۃ طلاق 1:29)

اور آپ نے فرمایا: اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت پر ایمان ہے اور میری نبوت کے صحیح ہونے پر یقین ہے اور تمہیں اپنے ایمان میں کمال اور خلوص حاصل ہے اور اگر تم اپنے دعوٰی ایمان اور خلوص میں سچے ہو تو اس قسم کے سوال کرنے کا تمہارا کیا مقصد ہے؟ ❷

قوم نے جواب دیا کہ ہم آسمانوں سے کھانا اترنے کا سوال کر کے ایک معجزہ کی طلب نہیں کر رہے بلکہ ہمارا یہ سوال درحقیقت کئی چیزوں کی طلب پر مشتمل ہے:

① ہم چاہتے ہیں کہ آسمان سے ہمارے لئے کھانا اترے کیونکہ ہم بھوک میں مبتلا ہیں ہمارے پاس اور کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔

② ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو جائے لیکن جب ہم اس کا مشاہدہ کریں گے کہ یہ کھانا آسمانوں سے نازل ہوا ہے تو ہمارا یقین اور بڑھ جائے گا اور اطمینان ہوگا۔

③ ہم آپ کے کئی معجزات کو دیکھ کر آپ کی صداقت کا یقین کر چکے ہیں۔ جب یہ معجزہ بھی دیکھ لیں گے تو آپ کی صداقت و نبوت پر ہمارا ایمان اور زیادہ ہوگا۔ آپ کی معرفت اور زیادہ حاصل ہوگی آپ کے متعلق اور اطمینان ہوگا۔

④ اس سے پہلے آپ نے اگرچہ کئی معجزات دکھائے ہیں لیکن وہ تمام زمین سے تعلق رکھنے والے تھے۔ اب ہم وہ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آسمانوں سے ہے۔ یہ عظیم اور عجیب معجزہ ہوگا جب ہم اس کا مشاہدہ کر لیں گے تو ہم اس پر گواہ بن جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے جو لوگ نہیں حاضر نہیں بھی بتائیں گے۔

⑤ ہم یہ کھانا بطور تبرک کھائیں گے کہ یہ نبی کے معجزہ سے حاصل ہے۔

⑥ اور ہم یہ کھانا بطور محبت کھائیں گے کہ ہمیں یہ اپنے نبی کے ذریعے حاصل ہے۔ ⑦

عیسیٰ علیہ السلام کی مائدہ کے لئے دعا:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِمْدًا وَلَا فَلَاحًا وَلَا حِزْبًا فَإِنَّكَ ءَاكِلُ الْفُلْكِ وَأَنْتَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑧

ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والے ہے۔“

(سورہ مائدہ 5:7)

جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان لوگوں کا معجزہ کی طلب پر اصرار ہے اور غرض بھی ان کی صحیح ہے تو آپ نے دعا کرنے کا مہم ارادہ کر لیا۔ آپ نے بکری کے بالوں کا بنا ہوا سیاہ موٹا لباس پہنا وضو کیا غسل کیا، لو اقل ادا کئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوئے نہایت خشوع و خضوع سے آنکھوں کو بند کر کے سر کو جھکایا، آنسو بہاتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی: اے اللہ تعالیٰ! ہم پر آسمانوں سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید بنے۔ ⑨

”تَعْبُدُ الْيَوْمَ الَّذِي نَزَّلَ فِيهِ الْمَائِدَةُ عِمْدًا نُعَظِّمُهُ نَحْنُ“ یعنی جس دن آسمانوں سے خوان اترے گا ہم اسے اپنے لئے عید کا دن سمجھیں گے ہم بھی اس دن کی عظمت کریں گے اور

ہمارے بعد آنیوالے بھی اس کی عظمت کریں گے۔“

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں سنانا عبادتیں کرنا، شکر الہی بجالانا، طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف کے موضوع پر نعتیں پڑھ کر، تقاریر کر کے تلاوت قرآن پاک کر کے شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح و سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ میں نے اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔ یہاں اس کا ایک ورق بطور خلاصہ ذکر کر رہا ہوں:

”سَمِيَّ بِهِ لِأَنَّ لِلَّهِ فِيهِ عَوَاكِدُ الْإِحْسَانِ وَكَعُودٌ بِالسُّرُودِ غَالِبًا“
”عید کو“ عید“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں اور ان کے آنے سے سرور بھی غالباً لوٹ آتا ہے یا نیک شگونی کی وجہ سے ”عید“ کہا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کرے خوشی لوٹ آئے ہر مسرت کے موقع پر لفظ عید استعمال

عَمْدٌ وَعَمْدٌ وَعَمْدٌ حُرُنَ مُجْتَمِعَةٍ
وَجْهٌ الْحَبِيبِ وَيَوْمُ الْيَوْمِ وَالْجُمُعَةِ ❶

کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے شاعر نے کہا: آج تو تین عیدیں جمع ہو گئیں۔ حبیب کے چہرے کا دیدار عید کا روز اور جمعہ کا دن۔“

معلوم ہوا کہ ہر مسرت کے دن کو ”عید“ کہنا، فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ جب ہر مسرت کے دن کو ”عید“ کہا جاتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن سے بڑھ کر مسرت کا دن اور کونسا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے..... {الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ}..... آیت کریمہ تلاوت کی تو آپ کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا: اگر یہ آیت کریمہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بناتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”فَلَيْتَ نَزَلَتْ فِي يَوْمٍ عَمْدَيْنِ فِي يَوْمٍ جُمُعَةٍ وَيَوْمٍ عَرَفَةٍ“ ❷ بیشک یہ آیت کریمہ اس دن نازل ہوئی جس دن دو عیدیں تھیں: ایک جمعہ کا دن اور ایک نویں ذوالحجہ کا دن۔“

وہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں یعنی ہم ہر ذوالحجہ کی تو تاریخ کو ”عید“ مانتے ہیں اور یہ آیت کریمہ بھی حجۃ الوداع کے موقع پر اسی دن نازل ہوئی اور جمعہ کا دن بھی ہمارے لئے عید کا دن ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آیت کریمہ جب نازل

ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں۔ واضح ہوا کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے نازل ہونے کی وجہ سے جب عید بن گئے تو یقیناً جس دن سراپا رحمت، جان رحمت، حبیب کبریا ﷺ اشریف لائے وہ دن سب عیدوں کے دنوں سے بڑا ہے البتہ محبت و ایمان کے بغیر اسے سمجھنا دشوار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ بجواب عیسیٰ علیہ السلام:

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾
(سورہ مائدہ 5:7)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔“

آپ کی دعا سے سرخ رنگ کا مائدہ دو بادلوں کے درمیان اتر آجسے سب لوگ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آگیا۔ اس خوان کے آنے کو رب تعالیٰ نے چونکہ اس سے مشروط کر دیا تھا کہ نازل تو میں کر رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا، نافرمانی کرے گا، اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔ اس شرط کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام خوان کو اترتے ہوئے دیکھ کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الشَّاكِرِينَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا مِثْلًا وَعُقُوبَةً“
”اے اللہ تعالیٰ! مجھے شکر گزاروں میں رکھ۔ اے اللہ تعالیٰ! اس خوان کو ہمارے لئے رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے جابی اور عذاب نہ بنا۔“

پھر آپ نے وضو فرمایا نوافل ادا کئے روتے ہوئے دعا کرتے ہوئے اس سے رومال کو ہٹایا جس سے وہ ڈھانپا ہوا تھا اور کہا:
”اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہتر رزق دینے والا ہے۔“

اس خوان میں آپ نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچلی ہے۔ اس مچلی میں کانٹے اور چھلکے نہیں۔ اس کے سر پر نمک دم پر سرکہ اور اس کے ارد گرد مختلف قسم کی سبزیاں ہیں۔ اس پر ہر قسم کی سبزیاں تھیں سوائے ایک ساگ کراٹ (گندنا کا ساگ) کے اور اس خوان میں پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک پر زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر بخیر اور پانچویں پر بھنا ہوا گوشت۔

شعون نے پوچھا: اے روح اللہ علیہ السلام! کیا یہ دنیا کا کھانا ہے یا کہ آخرت کا؟ تو آپ نے فرمایا: ان دونوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے اب ہی معرض وجود میں لایا ہے۔ تمہارے سوال کے مطابق رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اب تم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرو۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا تو وہ تمہاری اور اہل اہل فرمائے گا اور اپنا فضل اور زیادہ فرمائے گا۔ وہ لوگ کہنے لگے: اے روح اللہ علیہ السلام! اس معجزہ میں آپ کوئی معجزہ بھی دکھا دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”اے مچھلی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا۔“

”يَا سَمَكَةُ اُحْيِيْ بِاَمْرِ اللّٰهِ“

وہ مچھلی تڑپا اور زندہ ہو گئی۔ آپ نے پھر فرمایا: تو اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ جا! وہ پھر اسی طرح بھنی ہوئی مچھلی بن گئی۔ ان لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اس میں خیانت نہ کریں! اسے دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں، لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ بنا لیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آ گئے۔ دنیا میں انہیں شدید عذاب یہ دیا گیا کہ انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔ تین سو تیس آدمی اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ رات انہوں نے ٹھیک ٹھاک اپنے اہل و عیال میں گزاری، لیکن صبح خنزیر بنا دیئے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر روتے تھے۔ آپ جب ان کے نام لے کر انہیں بلاتے تو وہ سر ہلاتے لیکن انہیں کلام کرنے کی طاقت نہ ہوتی، اسی حال میں وہ تین دن زندہ رہے پھر مر گئے۔ یہ تو ان کو دنیاوی عذاب دیا گیا، اخروی عذاب بھی انہیں شدید ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ كَفَرَ مِنْ أَصْحَابِ الْمَائِدَةِ وَالْمُنَافِقِينَ قَالَ فِرْعَوْنُ“
والوں اور منافقین اور فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔“

یہودیوں کی سازش:

”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر بتائی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔“

وَمَكْرُفًا وَمَكْرُفًا لِلّٰهِ وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَكْرُفِينَ ﴿١٣﴾

(سورۃ آل عمران 3: 13)

عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی سازش کافروں نے کیوں کی؟ اس کی چند وجوہ ہیں:

① جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی تو وہ سرکش اور نافرمان ہو گئے تو آپ نے ان سے مخفی رہنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں حال تھا کہ آپ کفار کے خوف سے ابتداء میں مخفی طور پر نمازیں ادا فرماتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ کہیں تشریف لے گئے تاکہ ان لوگوں سے کچھ دیر کے لئے کنارہ کش ہو جائیں تو آپ نے ایک بستی میں ایک شخص کے پاس قیام کیا، اس نے بہت اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم تھا، ایک دن وہ شخص جو آپ کا مہمان نواز تھا، غمگین تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم اتنے پریشان غمگین کیوں ہو؟ اس نے کہا: اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم ہے اور اس کی عادت ہے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص پر باری باری دعوت کو لازم کر دیتا ہے کہ اس کی اور اس کے لشکر کی دعوت کرے۔ انہیں کھانا کھلائے اور

شراب پلائے۔ آج میری باری ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں کہ میں اس کی دعوت کا انتظام کر سکوں۔

جب حضرت مریم علیہا السلام نے سنا تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! اس کے لئے دعا کرو تا کہ اس کی مشکل حل ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری امی! اگر میں نے اس کے لئے دعا کر دی تو اس میں فتنہ برپا ہو جائے گا، لیکن حضرت مریم علیہا السلام نے کہا: اس شخص نے ہماری بہت عزت کی احسان و اکرام کیا اس پر بھی احسان ہونا چاہئے۔

والدہ کے ارشاد و اصرار پر آپ نے کہا: کہ جب بادشاہ اور اس کا لشکر کے آنے کا وقت قریب ہو جائے تو ہنڈیا اور مکے پانی سے بھر لیتا اور مجھے مطلع کرنا۔ جب اس شخص نے آپ کے ارشاد پر عمل کر لیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ جتنی ہنڈیا پانی سے بھری تھیں سب میں پکا ہو گوشت ہو گیا اور سب پانی سے بھرے ہوئے۔ مکے شراب سے بھر گئے۔

جب وہ بادشاہ اور اس کے لشکر آئے تو انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی تو بادشاہ نے اس شراب کو عام شرابوں سے مختلف لذت والا پا کر سوال کیا کہ شراب تم کہاں سے لائے؟ پہلے تو اس شخص نے کافی ٹال مٹول سے کام لیا لیکن بادشاہ کے زیادہ مجبور کرنے پر اس نے بتا دیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا چند دن پہلے مر گیا تھا اس نے خیال کیا کہ جس شخص کی دعا سے اللہ تعالیٰ پانی کو شراب بنا دیتا ہے۔ اس کی دعا سے اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو بھی زندہ کر دے گا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو زندہ کر دے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ زندہ ہو گیا فتنہ برپا ہو جائے گا۔ اس بادشاہ نے کہا: جب مجھے میرا بیٹا نظر آ جائے گا تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہوگی اور جب تم میرے بیٹے کو زندہ کر دو گے تو میں تمہیں ہر قسم کی آزادی دے دوں گا، تم جو چاہو وہی کرو، تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کا لڑکا زندہ ہو گیا۔

جب اس کی بادشاہی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ اس کا لڑکا زندہ ہو گیا تو وہ فوراً اپنے اپنے ہتھیار لے کر آ گئے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی جب زیادہ شہرت ہونے لگی تو یہود نے حسد کرنا شروع کر دیا، آپ کے نسب میں طعنہ زنی شروع کر دی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

۲۷: عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی بشارت تورات میں رب تعالیٰ نے دے دی تھی۔ اس لئے یہود کو معلوم تھا کہ انہوں نے تورات کے کئی احکام منسوخ کر دیئے ہیں۔ اس لئے پہلے انہوں نے آپ کے نسب پر طعنہ زنی شروع کی پھر آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے یعنی آپ نے جب دین حق کی دعوت دینی شروع کی تو یہود کا غضب بڑھ گیا اور آپ کو ایذا پہنچانی اور وحشت پھیلانی شروع کی اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ ❶

تنبیہ: {وَمَكَّرَ اللَّهُ} کا کئی لوگوں نے ترجمہ کیا ”اللہ تعالیٰ نے مکر کیا“ جو اردو زبان میں ”فریب“ اور ”دھوکہ دینے“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ ترجمہ کر کے لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ ”مکار“ ہے، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے اہل سنت نے ترجمہ کیا ہے ”اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر کی“ یہی معنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہل زبان ان الفاظ کو بلا تامل ان کے مختلف معنوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی معنی ہوتا ہے۔ ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال لفظ ”مکر“ ہے اس کا معنی ”حیلہ سازی“ بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف ”تدبیر کرنے“ اور ”کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے“ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ہم اس لفظ کو صرف ”دھوکہ دہی“ اور ”فریب کاری“ کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جب اس فعل کی نسبت ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذات مقدس ہو جو ہر عیب ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ مکر کا معنی صرف ”خفیہ تدبیر“ یا خفیہ طریقہ جس سے دشمنان حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔

”قَالَ الْمُفَضَّلُ وَدَبَّرُوا وَدَبَّرَ اللَّهُ وَالْمَكْرُ لُطْفُ التَّدْبِيرِ“ ”مفضل فرماتے ہیں: ”وَمَكَّرُوا وَوَمَكَّرَ اللَّهُ“ کا معنی ہے اور

یہودیوں نے بھی (مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور

اللہ تعالیٰ نے بھی (مسیح علیہ السلام کو بچانے کی) خفیہ تدبیر کی۔“ (بحر محیط)

کیونکہ مکر کا معنی یہاں صرف لطیف تدبیر ہی لیا جاسکتا ہے اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لئے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدہ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اس لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو مثلاً {وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا} ”یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔“ اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوا کرتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً {فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ} ”یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو“ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام

کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔ ❶

لیکن یہ نکات وضوابط صرف اہل علم ہی جانتے ہیں عوام الناس ان سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے وہی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے وہ کوئی فائدہ حاصل کر سکیں۔ ایسے تراجم کا کیا فائدہ جو شکوک و شبہات تو پیدا کریں لیکن کوئی نفع نہ دے سکیں۔

ایمان والوں سے عیسیٰ علیہ السلام کا امداد طلب کرنا:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٠﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿١٣١﴾

”پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا: کون ہوتے ہیں میرے مددگار اللہ تعالیٰ کی طرف؟ حواریوں نے کہا: ہم دین خدا کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔“

(سورہ بقرہ 13:31)

جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حکیمانہ کلام اور اپنے معجزات اس قوم کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے بجائے اطاعت کے ان کے قتل کرنے کی تدبیر کی۔ لہذا عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس ارادہ اور پختہ کفر کو علامات سے محسوس فرمایا۔ اپنے قبیحین سے خطاب کیا: فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) میرا مددگار کون ہے؟ ان کے خاص دوستوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں۔ اے عیسیٰ علیہ السلام! ہم آپ کی ضرورت مدد کریں گے۔ اس مدد پر کوئی دنیوی اجرت مانگتے ہیں نہ کوئی اور چیز۔ خواہش یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اور مسلمان ہونے کی گواہی دیں پھر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے: اے مولیٰ! ہم تیری تمام اتاری ہوئی کتابوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کردہ معجزات پر ایمان لائے اور سچے دل سے ظاہر و باطن میں تیرے اس رسول کے پیروکار بنے۔ ❷

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ:

تفسیر خازن اور روح المعانی میں بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو جب

عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی تو وہ آپ سے مقابلہ تو نہ کر سکے البتہ آپ کی شان میں گستاخی شروع کر دی اور آپ کی والدہ مکرمہ پر عیب لگانے شروع کر دیئے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کر دیں۔

ایک دن آپ شہر میں گشت فرما رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تو ان کو خنزیر بنا دے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب خنزیر بن گئے۔

اس واقعہ سے لوگوں پر ایک خوف طاری ہو گیا کسی نے اس وقت کے یہودی بادشاہ کو خبر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ آپ کی دعا سے اتنے لوگ خنزیر بن گئے ہیں۔ تم بھی ان کے مخالف ہو اس لئے تم اپنی فکر رکھو کہیں یہ تمہارے خلاف بھی دعا نہ کر دیں اور تمہارا بھی ایسا حال نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کیا ہو سکتا ہے ایسے مقبول دعا کے مقابلہ میں تو کوئی تدبیر بھی کام نہیں آ سکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی حیلہ سے شہید کر دیا جائے تو ان کی دعا کا خوف ختم ہو جائے گا کہ کہیں وہ مخالف دعا نہ کریں۔

اس نے ایک شخص ”ططیانوس“ کو اس کام کے لئے منتخب کر دیا۔ ایک منافق شخص تھا، بظاہر عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملتا تھا لیکن در پردہ وہ یہود سے بھی ملا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ در پیش آنے والا ہی تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پہلے فرما دیا تھا کہ آج صبح سے پہلے ہی مجھے ایک شخص چند دراہم کے عوض فروخت کر دے گا۔

خیال رہے کہ منافقین تقریباً ہر دور میں رہے یعنی جہاں مخلصین ہوتے ہیں وہاں منافقین بھی ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زمانہ میں بھی منافقین تھے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں آیا تھا اس وقت تک جاننے کے باوجود آپ ان سے چشم پوشی فرماتے رہے۔ جب حکم آ گیا تو ایک ایک کا نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم تھا لیکن آپ بھی رب تعالیٰ کی مشیت پر شاکر تھے۔ اسے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی کسی اور کو کہا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ططیانوس کو اس یہودی بادشاہ نے جس کا نام بھی ”یہودا“ تھا، تمیں درہم دینے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خود شہید کر دے یا کسی سے کرادے۔ تمیں درہم کے لالچ میں آ کر ”ططیانوس“ نے ”یہودا“ کے چند آدمیوں کو ساتھ لیا اور آپ کی قیام گاہ پر آ گیا۔ ان لوگوں کو باہر کھڑا کیا اور خود اندر گیا۔ اس کے سامنے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑکی کے ذریعے آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا گیا۔ وہ یہ ماجرا دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور کافی دیر تک اس تعجب میں گم سم رہا۔ اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید ”ططیانوس“ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ وہ اندر جانا ہی چاہتے تھے لیکن ان کا ساتھی باہر آ گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔

اب اس کے باہر نکلتے ہی اس کے ساتھی یہودیوں نے یہی سمجھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ یہ ان کا ہم شکل بھی تھا۔ اسلئے انہوں نے اسے پکڑ لیا یہ چلا چلا کر انہیں بتا رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ حضرت مسیح کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی بات کو کسی ایک نے بھی نہ سنا، بلکہ وہ کہنے لگے: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہو یہ کہہ کر اسے سولی پر چڑھا دیا۔

خیال رہے کہ عیسائی بھی آج تک اسی دہم میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا، البتہ پھر زندہ کر کے انہیں آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے سارے عیسائی ”صلیب“ کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ططیانوس کو قتل کیا گیا نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مِمَّا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿٢٠﴾

اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم کو جو کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھا سکے، بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لئے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک شبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس

(سورۃ نساء: 2:6)

امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔

یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسول مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ مفسرین کرام علیہم الرضوان نے لکھا ہے کہ جب وہ آپ کو رسول مانتے تھے تو پھر قتل کا منصوبہ کیوں تیار کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- ①: یہ الفاظ انہوں نے بطور تمسخر بڑھائے تھے وہ آپ کو رسول مانتے ہی نہیں تھے۔
 - ②: یہ الفاظ یہود نے نہیں بڑھائے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بیان کرنے کے لئے بڑھائے ہیں۔
- اگر یہود کی گزشتہ تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ کچھ بعید معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسول اللہ مانتے ہوئے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبی مانتے تھے لیکن جب ان بزرگواروں نے انہیں ان کی بد اخلاقیوں پر ٹوکا تو انہیں اپنے ہاتھوں سے شہید کر دیا۔ بہر حال ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے قرآن پاک میں اس کو مکمل اور واضح کر دیا گیا ہے اور پھر ان کا اس پر اترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سولی پر دے دیا اور آپ کو ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو سولی دے دی ”گویا بیٹا سولی پر لٹکتے ہوئے

ایلی ایلی (تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ اسی محاورے کے مطابق جب دشمن اور دوست اس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آکر حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت و جلالت و شان سے پردہ اٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے باعث انہوں نے قتل کرنے کی سر توڑ کوشش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا اور اپنے رسول کا بال بھی بیکانہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے جیسے مختلف انجیلوں میں مذکور ہے۔ (تحریف شدہ انجیلیں غیر معتبر ہیں)

مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک میں اس جگہ تو ضیحی نوٹ لکھا ہے۔ اس میں اس بات کی بڑی زحمت اٹھائی ہے کہ آیات قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایات پر منطبق کریں چنانچہ وہ ان تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجود ہیں بڑی فراخ دلی سے قبول کرتے ہیں کہ:

حضرت مسیح کو سولی دی گئی چنانچہ نیم جان ہو کر دوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے آپ کے پہلو میں ضربیں لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خون کے فوارے بہہ نکلے وغیرہ۔ پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

”قرآن ان چیزوں کا انکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سولی پر مرنے کی نفی کی ہے“

لیکن اگر وہ ذرا سائنس (سوچے) تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمت لا طائل (بے فائدہ) سے بچا لیتا وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سولی پر چڑھائے جانے کی بھی کیونکہ صَلَب کا معنی ہے: (الْصَّلَبُ هُوَ تَغْلِيقُ الْإِنْسَانِ لِلْقَتْلِ) کسی انسان کو لٹکا دینا کہ وہ مرجائے۔ مرجانا صلب کے معنی موضوع لہ میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے اور مقصد و غایت مفہوم کو مستلزم ہوتا ہے لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہو گئے انہوں نے اپنے ساتھی ططیلاوس کو مسیح سمجھ کر پکڑا بھی اور اس کے منہ پر تھوکا بھی اور اسے کانٹوں کا تاج بھی پہنایا اور پھر سولی پر بھی چڑھایا گویا اپنی طرف سے انہوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسیح بچ گئے ان کو رب تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا۔ یہود بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اپنے ہی ساتھی کو مسیح سمجھ کر تذلیل و تحقیر بھی کرتے رہے اور اذیت رسانی کے سارے ارمان پورے کرتے رہے لیکن یہ ساری ذلت ان کے اپنے ہی ساتھی کو حاصل ہوئی۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودی ناپاک سازش کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسول کی توہین کرنے کا انہیں موقع قطعاً نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے۔

یہود و نصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی چڑھانے میں شک ہی رہا۔ وہ فقط اپنے ظن ہی کی پیروی ہی کرتے رہے۔ یہود کہتے تھے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر ہمارا ساتھی قتل ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ اور اس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی حد نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین مشہور فرقوں کی آراء نقل کی ہیں:

① نسطوریہ ② ملکانیہ ③ یعقوبیہ

- ①: نسطوریہ فرقہ کا قول یہ ہے کہ حضرت مسیح کا "ناسوت" سولی چڑھایا گیا لیکن ان کا "لاہوت" سولی نہیں چڑھایا گیا۔
- ②: ملکانیہ کا خیال ہے کہ "لاہوت" کو بھی سولی چڑھایا گیا لیکن بالذات نہیں بلکہ بواسطہ "ناسوت"۔
- ③: یعقوبیہ کا نظریہ ہے کہ "ناسوت" اور "لاہوت" دونوں کو سولی چڑھایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی یہ آراء کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن و گمان کی نقش آرائیاں ہیں۔ حضرت مسیح کے نام سے واقف ہیں جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اسی غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ اس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح کی عظمت کا اعلان اگر قرآن حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ اسلئے بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے:

ایک مرتبہ فرمایا: {وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ} "نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھا سکے۔" اور پھر فرمایا: {وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا} "اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔" یعنی یہ بات یقینی ہے شک و وہم اور گمان سے پاک ہے جس بات کو رب تعالیٰ یقینی کہے اس میں پھر شک کرنا کفر نہیں اور کیا ہے؟ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھائے اور آپ کی موت کا قول کرنے والے خود ہی اپنی زبان سے برملا طور پر اپنے کفر کا اعلان کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں پھیلے ہوئے تمام نظریات کا بطلان کر کے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ کہاں گئے فرمایا: {هَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْنَا} بلکہ اٹھالیا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف۔

اب قدر تا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اٹھالیا؟ کہیں وہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بلا لیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معراج میں اس کی تصریح موجود ہے کیونکہ "رفع" کا معنی بلند کرنا ہے۔ اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اٹھا کر بلند جگہ رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کر دی جائے تو وہاں "رفع" کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں یعنی بلندی مقام اور بلندی شان تو "رفع" کا استعمال کیوں دل میں کھلے۔ بات اتنی سی تھی بالکل مختصر اور دو ٹوک کہ یہودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سولی دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اٹھایا لیکن انسان کی کج بختی یا عذرت آفرینی کا کیا علاج؟ جب تک سیدمی اور صاف بات میں اپنی منہج نہ لگالے حضرت کو قرار نہیں آتا۔

جناب مرزا صاحب تشریف لائے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے وفات مسیح کو بطور اساس قرار دیا حالانکہ ختم نبوت کے مسئلہ کو حیات مسیح کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر بفرض محال حیات مسیح ثابت نہ ہو سکے تو بھی خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا صریح انکار اور کفر ہے۔

مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح ہونے کا دعویٰ استدلال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ آپ مسیح کیوں ہیں؟ اس لئے کہ احادیث میں موجود ہے کہ حضرت مسیح تہ نسیں گے اور حضور ﷺ کا کوئی فرمان غلط نہیں ہو سکتا اور اگر پوچھا جائے کہ جناب! جن احادیث میں مسیح علیہ السلام کی آمد کا ذکر ہے ان میں تو مسیح کا نام اور ان کی والدہ کا نام اور محل نزول اور جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حسن اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وہ مسیح کیوں کر ہوئے؟ جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا۔

جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو پھر انہیں احادیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور جب اس کا میاں بی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے دانشوروں نے پچھڑے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ
يَكُونُ عَلَيْهِمْ شِهَادًا ﴿٢٦﴾
(سورہ نساء: 6:2)
”اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے
گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں
گے ان پر گواہ۔“

یعنی عیسیٰ علیہ السلام وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانہ میں جتنے اہل کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لا کر دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ابن حیان کی عبارت:
”وَالظَّاهِرُ أَنَّ الضُّمُورَيْنِ فِيْهِ وَمَوْتَهُ عَائِدَانِ إِلَى عِيسَى“
”ظاہر یہی ہے کہ لفظ ”یہ“ اور لفظ ”موتہ“ میں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام
کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ سیاق کلام سے یہی سمجھ آتا ہے۔“

اور امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

”وَأَوَّلَى الْأَقْوَالِ بِالصِّحَّةِ وَالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ تَأْوِيلُ
ذَلِكَ إِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِعِيسَى قَبْلَ مَوْتِ
عِيسَى“
”تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہ اور
موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ (علیہ السلام) ہے یعنی تمام کتابی
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے سے پہلے ان پر ایمان
لے آئیں گے۔“

زندہ اٹھایا گیا چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا قطعی یقینی اجماعی مسئلہ ہے اس پر ساری امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے۔ البتہ وہب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صرف تین ساعتوں کے لئے موت دی لیکن آپ کو سولی نہیں چڑھایا گیا، پھر تین لمحات کے بعد آپ کو زندہ کر کے آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ بہر حال وہب بھی عیسیٰ علیہ السلام کے اب زندہ ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔

خیال رہے کہ وہب کا قول جمہور مسلمانوں کے مخالف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے بہر حال اس مسئلہ میں آج تک مسلمانوں میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔ مرزائیوں نے چودھویں صدی میں اس قطعی اور یقینی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ صرف مرزا صاحب کے نبی بنانے کے شوق میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ:

”عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے تختہ پر لٹکایا اور انہیں بہت ذلیل بھی کیا مگر رب تعالیٰ نے ان کی جان صلیب پر نہ نکلنے دی بلکہ یہود انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے آپ غشی کی حالت سے بیدار ہو کر نصیبین پہنچے۔ وہاں سے افغانستان گئے وہاں سے کوہ نعمان پہنچے اور وہاں سے پنجاب کی طرف آئے اور یہاں سے کشمیر میں گئے آخر میں ایک سو پچیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ وہاں ہی آپ کا مزار ہے۔“

یہ من گھڑت کہانی مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات میں تحریر کی ہے یعنی تبلیغ رسالت صفحہ 60، تحفہ گوڑو یہ صفحہ 20 اور ایام اصلاح صفحہ 120 پر مرزا صاحب یہ داستان بے سرو پا نقل کر کے اپنے نبی بننے کی راہ ہموار کرتے رہے لیکن مسلمان بھی ان کی چالبازیوں کو بخوبی سمجھ گئے۔ مرزا صاحب نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی حدیث اور یہاں تک کہ کوئی تاریخی حوالہ بھی نہیں پیش کر سکے اور بے چارے پیش بھی کیا کرتے من گھڑت داستانوں کو کیسے دلائل سے ثابت کرتے؟ ہاں! البتہ ان کے چیلے، جھپے، کڑ جھبے اب مرزا صاحب کی کہانیوں پر مبنی کتابوں کا حوالہ دے کر اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں لیکن بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں کو درغلانے، دھوکہ دینے اور مرزا کی نبوت کا قائل کرنے میں ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ) ●

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل:

”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔“

وَمَكْرُوفًا وَمَكْرًا لِّلّٰهِ وَاللّٰهُ عَمَّا يُكْشَرُونَ ﴿۱۳﴾

(سورۃ آل عمران 3: 13)

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 3، ص 477-478

”مَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى بِهِمْ هُوَ أَنَّهُ رَفَعَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى السَّمَاءِ“
(تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 69)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَمَكَرَ اللَّهُ بِأَنَّ الْغُلَى شِبْهَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى غَيْرِهِ فَصَلِبَ وَدَفَعَهُ إِلَيْهِ“
(روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 ص 177)

”اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ایک اور شخص کو آپ کے مشابہہ کر دیا جسے سولی دے دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔“

”وَمَكَرَ اللَّهُ أَيُّ حَازَاهُمْ عَلَى مَكْرِهِمْ بِأَنَّ رَفَعَ عِيسَى إِلَى السَّمَاءِ وَالْغُلَى شِبْهَهُ عَلَى مَنْ أَرَادَ اغْتِيَالَهُ حَتَّى قَتَلَ“
(تفسیر مدارک، امام نسفی رحمہ اللہ)

”اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ان کے مکر کی انہیں جزا دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اسی شخص کو آپ کے مشابہہ کر دیا جو آپ کو دھوکہ سے قتل کرانا چاہتا تھا یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی قتل ہو گیا۔“

”وَمَكَرَ اللَّهُ بِأَنَّ رَفَعَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْغُلَى شِبْهَهُ عَلَى مَنْ قَصَدَ اغْتِيَالَهُ حَتَّى قَتَلَ وَمَكَرَ اللَّهُ بِهِمْ بِأَنَّ الْغُلَى شِبْهَهُ عِيسَى عَلَى مَنْ قَصَدَ قَتْلَهُ فَتَلَوُوهُ وَدَفَعَ عِيسَى“
(تفسیر جلالین، امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ص 52)

”اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی کہ جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ کر دیا تو انہوں نے اسے ہی قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا۔ تمام مفسرین کرام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔“

”يَا دُرُوبُ اللَّهِ تَعَالَى نِيَّ فَرَمَا: اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے قبیحین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا“ پھر تم سب میری طرف پلٹ آؤ گے میں تم میں فیصلہ کر دوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔“
(سورہ آل عمران 14:3)

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا کر کافروں سے نجات دی۔ کافروں کی سازش سے آپ کو بچالیا۔ کافروں سے پاک کرنے کا یہی مطلب ہے آپ کی تابعداری کرنیوالے یعنی مسلمان آپ پر صحیح عقیدہ رکھنے والے تا قیامت منکرین پر غالب رہیں گے اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ عیسائی حکومت وغیرہ کے لحاظ سے یہودیوں پر غالب رہیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری عمر تک پہنچانے اور آسمانوں پر اٹھانے اور کافروں کی سازشوں سے

پاک کرنے کا ذکر واضح طور پر فرمایا۔ ”مُتَّوْفِيكَ“ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ اور حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ نے کیا ہے ”میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا“ یعنی معنی سب سے بہتر ہے۔ پیر صاحب اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

علم معانی کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی پر ترجیح دی جائے گی، ہاں! اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی صحت رکھتا ہو تو اس وقت حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے، لیکن اگر ایسے قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔

اب آپ لفظ ”تَوَفَّى“ کے معنی پر غور فرمائیے! تاج العروس میں لفظ ”وَفَّى“ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَتَوَفَّاهُ لَمْ يَدْفَعْ مِنْهُ شَيْئًا“

”یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔“

امام ابو عبد اللہ رحمہ اللہ الاحکام میں لکھتے ہیں:

”تَوَفَّيْتُ مَلِكِي مِنْ فُلَانٍ اَيَّ قَبَضْتُهُ“

”یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا۔“

یہ تو ہے لفظ ”تَوَفَّى“ کا حقیقی معنی۔ ہاں! یہ لفظ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے:

”وَمِنْ الْمَجَازِ اَنْدَكُ الْوَفَاةُ اَيَّ الْمَوْتُ وَالْمَيِّتَةُ وَتَوَفَّى فُلَانٌ اِنْمَاتَ وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ اِنْكَبَضَ رُوحُهُ“

”اس کا مجازی معنی ہے کہ اسے موت نے پا لیا جو کوئی شخص فوت ہو جائے تو ”تَوَفَّى“ کہلاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کی روح کو قبض کر لیا جائے تو کہا جاتا

”تَوَفَّاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ“

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لئے جانے پر دلالت کرتے ہیں آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ: ایک تو اس آیت کا سیاق و سباق امر کا قوی قرینہ ہے یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہی اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مرچکے اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس

آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

”قَالَ الْحَسَنُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِلْيَهُودِ إِنَّ عِيسَى لَمْ يَمُتْ“ ”رسول اللہ ﷺ نے یہود کو فرمایا: کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور
وَأَنَّهُ رَاجِعٌ إِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔“

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو
مد نظر رکھے ہوئے ہیں:

”مُتَوَفِّيكَ أَيُّ مُسْتَوْفَى أَجَلَكَ وَمُؤَخَّرَكَ إِلَى أَجَلَكَ الْمُسْمَى“ ”اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل
عَاصِمًا بِأَيَّكَ عَنْ قَتْلِهِمْ“ سے بچائے گا۔“
”مُتَوَفِّيكَ أَيُّ مُسْتَوْفَى أَجَلَكَ مَعْنَاهُ أَيُّ عَاصِمِكَ مِنْ أَنْ
يَقْتُلَكَ الْكُفَّارُ“ (کشاف) ”اللہ تعالیٰ تمہیں پوری عمر تک بچائے گا یعنی تمہیں کفار کے قتل
سے بچائے گا۔“

امام ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَأَوَّلَى الْأَقْوَالِ بِالصَّحَةِ عِنْدَنَا قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنَى ذَلِكَ
إِنِّي قَابِضُكَ مِنَ الْأَرْضِ وَدَافِعُكَ إِلَيَّ لِعَوَاكِرِ الْأَخْبَارِ مِنْ
رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ ”یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ! میں
تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا
ہوں کیونکہ حضور ﷺ کی احادیث متواتر سے یہی چیز ثابت
ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔“

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: {إِنِّي مُتَوَفِّيكَ} اور اس کی مثل رب تعالیٰ کے دوسرے ارشاد گرامی: {فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ} ”پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا“ میں تفسیر دو طرح کی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ
آیت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہ کی جائے اور دوسری تفسیر میں تقدیم و تاخیر کا اعتبار کرنا فرض ہوگا۔ پہلی
تاویل میں پھر چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

”إِنِّي مُتَوَفِّيكَ أَيُّ مُتِمِّمٍ عُمُرَكَ فَيَحْيِيكَ أَتَوَفَّاكَ فَلَا أَرْكُحُهُمْ
حَتَّى يَقْتُلُوكَ بَلْ أَنَا رَافِعٌ إِلَى سَمَائِي وَمَقَرَّتْكَ بِمَلَأِيكِي
وَأَصَوْنُكَ عَنْ أَنْ يَتَمَكَّنُوا مِنْ ذَلِكَ وَهَذَا تَأْوِيلٌ حَسَنٌ“ ”یعنی {إِنِّي مُتَوَفِّيكَ} کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں پوری عمر تک
بچاؤں گا۔ اب ”أَتَوَفَّاكَ“ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہیں
ایسے ہی نہیں چھوڑوں گا کہ یہود تمہیں قتل کر دیں بلکہ میں

(کشاف)

آسمانوں کی طرف تمہیں اٹھالوں گا اور فرشتوں کا مقرب بنا

دوں گا اور تمہیں اس سے محفوظ رکھوں گا کہ یہود تم پر قادر ہو سکیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو اچھا کہا ہے۔

دوسری وجہ: کہ ”مُتَوَفِّیْكَ“ کا معنی ”مَیِّتُكَ“ کا کیا جائے۔ یہی معنی حضرت ابن عباد اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ یہود آپ کو قتل نہیں کر سکیں گے بلکہ آپ کو اپنے وقت پر طبعی طور پر وفات ہوگی۔ اگرچہ ابن وہب نے تین ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمان پر اٹھائے جانے کا قول کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے سات ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمانوں پر اٹھائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

تیسری وجہ: ربیع الس کا قول ہے: آپ کو آسمانوں پر اٹھاتے وقت وفات عطا کی گئی۔

چوتھی وجہ: اگرچہ داؤد ترتیب پر دلالت نہیں کرتی لیکن اگر ترتیب والا معنی اعتبار کر ہی لیا جائے تو پھر بھی اتنا مطلب نکل سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: میں تمہیں پہلے فوت کرنے والا ہوں اور پھر آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں، لیکن یہ کیسے کرے گا اور کب کرے گا؟ اس کا ذکر نہیں۔ یہ دلیل پر موقوف ہے اور دلیل سے ثابت ہے کہ آپ زندہ ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر فوت ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پہلے جو ہوگی وہ یہی ہے۔ اور آسمانوں پر اٹھایا جانا بعد میں ہوگا جیسے پہلے تھا۔

پانچویں وجہ: ابو بکر واسطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ”مُتَوَفِّیْكَ“ کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری خواہشات اور نفسانی منافع کے حصول کو مارنے والا ہوں اور میں تمہیں آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں اور ان خواہشات سے دور کرنے والا ہوں، تاکہ تمہیں غیظ و غضب اور برے اخلاق کے زوال سے ملائکہ کا مقام حاصل ہو جائے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی محبت کو نہیں مارتا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔

چھٹی وجہ: بیشک ”التَّوَفِّی“ کا معنی کسی چیز کو مکمل طور پر لینا اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ذات ہے جسے یہ معلوم تھا کہ۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو آسمانوں پر اٹھایا ہے جسم کو نہیں تو رب نے ”متوفیک“ ذکر کر کے اس وہم کا ازالہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل طور یعنی روح اور جسم دونوں کو آسمانوں پر اٹھایا اس تاویل کے صحیح ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: ﴿وَمَا يَحْضُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”وہ آپ کا کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے۔“ دلالت کر رہا ہے۔

آہ! رحمت و شفقت سے محرومی:

آج کئی دنوں کے تعطیل کے بعد پھر قلم کو ہاتھ میں لیا، کیونکہ والدہ مکرمہ جو پیرانہ سالی میں بھی قرآن پاک کے سترہ

اٹھارہ پارے ہر روز تلاوت کیا کرتی تھیں اور آخری دو سال دس پارے تلاوت کرنے کا معمول رہا۔ اچانک ایک دن ڈیڑھ پارہ تلاوت کرنے کے بعد کمر میں کچھ تکلیف ہوئی۔ اگرچہ بظاہر تکلیف مندفع بھی ہو گئی لیکن خوراک میں کمی ہوئی شروع ہو گئی تلاوت کرنے کے بعد کمر میں کچھ تکلیف ہوئی۔ قرآن پاک کی تلاوت بھی معمول کے مطابق جاری نہ رکھ سکیں اور آخر کار ضعف بڑھتا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ دو ماہ یہی کیفیت رہی۔ قرآن پاک کی تلاوت بھی معمول کے مطابق جاری نہ رکھ سکیں اور آخر کار اتوار کی شب بعد از نماز عشاء ۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ 28 ستمبر 1996ء ی اس دارقانی سے آپ نے رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ مرحومہ و مغفورہ نے اپنے بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں اور نواسیوں کو دعاء و رحمت اور شفقت و محبت بھری نگاہوں سے محروم کر دیا۔

راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے جنہوں نے کثیر تعداد میں جنازہ میں شرکت کی۔ خصوصاً علمائے کرام اور بالخصوص حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کا جنہوں نے نماز جنازہ اور سوئم کے ختم قرآن پاک میں شرکت فرما کر میری حوصلہ افزائی کی اور والدہ مکرمہ کو دعاء مغفرت کا ہدیہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ والدہ محترمہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور مدارج بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں امید ہے کہ شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔ جَزَاهُمْ



اللّٰہُ اَحْسَنَ الْحَزَاءِ۔

ساتویں وجہ: ”اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ“ کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں فوت ہونے والے کی طرح کرنے والا ہوں۔ جس طرح اس کی خبر منقطع ہو جاتی ہے اور ظاہر زمین پر اس کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں ایسے ہی تم سے بھی ظاہر طور پر لوگ کوئی نفع حاصل نہیں کر سکیں گے تمہاری زیارت سے مشرف نہیں ہو سکیں گے۔

آٹھویں وجہ: ”اَلتَّوَفُّی“ کا معنی قبض کرنا بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ ”وَفَاتَنِیْ فُلَانٌ دَرَاهِیْ“ یعنی فلان شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور کبھی کہا جاتا ہے ”تَوَفَّیْتَهَا مِنْہُ“ تو اس کا معنی ہوتا ہے میں نے اس سے درہم قبضہ میں لے لئے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میں تمہیں زمین سے نکال کر اپنے قبضہ قدرت میں لے کر آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں۔

اعتراض: اس صورت میں تو دونوں لفظوں کا ایک معنی ہوگا کیونکہ ”مُتَوَفِّیْکَ“ کا معنی ہوگا ”قبض کرنا“ یعنی اٹھانا اور ”رَافِعُکَ“ کا معنی بھی اٹھانا ہوگا یہ تکرار ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟

جواب: ”مُتَوَفِّیْکَ“ ایک عمومی معنی پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ جنس ہے اس کے تحت مختلف نوعیں ہیں کیونکہ قبض کرنا کبھی موت کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی آسمانوں پر اٹھا کر ہوتا ہے۔ اب واضح ہوا کہ ”مُتَوَفِّیْکَ“ سے پتہ چلا کہ آپ کو قبض کرنا ہے کہ

وہ کیسے؟ پھر اَفْعَلْتَ سے یہ واضح ہو گیا کہ آسمانوں پر اٹھا کر۔

نویں وجہ: ”مَنْ مَوْتُكَ“ کا معنی فوت کرنے والا نہیں بلکہ مکمل کرنا مراد لیا گیا ہے اور مضاف یہاں محذوف ہے۔ اصل عبارت ”مَنْ مَوْتُكَ“ ہے یعنی میں تمہارے اعمال کو اپنے حضور مکمل طور پر قبول کرنے والا ہوں۔ یہاں تک تو پہلی تاویل کے مطابق کلام ہے جو اپنے ظاہر پر ہے کوئی تقدیم و تاخیر کا اعتبار نہیں۔

دوسری تاویل:

یعنی جب داؤ کو اپنی اصلی حالت میں رکھا جائے کہ داؤ میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تو اب معنی میں تقدیم و تاخیر ہو گی۔ اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا:

”اِنِّیْ وَدَّعْتُکَ اِلٰی وَمُطَهَّرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا وَمُتَوَفِّیْکَ“ ”بیشک میں تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور پھر تمہیں دنیا میں جب اتاروں گا اس کے بعد فوت کرنے والا ہوں۔“

(تفسیر کبیر، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8، ص 83)

تقدیم و تاخیر قرآن پاک میں کثیر جگہ واقع ہے۔ ”اتقان“ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی کئی مثالیں دیں ہیں چند ملاحظہ ہوں:

- ① حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا: {وَاَسْبِغْیْ وَارْمِیْ} ”اور سجدہ کرو اور رکوع کرو“ حالانکہ اس وقت بھی نماز میں رکوع پہلے اور سجدہ بعد میں تھا لیکن یہاں تقدیم و تاخیر کے طور پر ذکر ہوا۔
- ② {يَخْلُقُ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ} ”اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو پیدا کیا“۔ حالانکہ حیات موت سے پہلے ہے۔
- ③ {خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ} ”(وہ ذات جس نے) تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔“ یہاں بھی مخاطبین کا ذکر پہلے اور ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا۔
- ④ {وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ} ”اور تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی گئی۔“ یہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلے اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا ذکر بعد میں۔
- ⑤ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلٰکِنْ فِیْہِ لَہُمْ ۭ وَاَنَّ الَّذِیْنَ اَعْتَلَفُوْا لَہُمْ لَیْسَ فِیْہِ شَیْءٌ مِّنْہُمْ مَّا لَہُمْ بِہِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّمَاعُ الْخُلُقِ وَمَا قَتَلُوْهُ یَعْمٰیۤہٗٓ اَہْلَ رَفْعَہٗ اللّٰہُ

(سورۃ نساء: 62)

اور یقینی طور پر انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھایا ہے۔“

اس آیت کریمہ کے ماقبل یہود کے وعدہ توڑنے اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اس کی وجہ ان کا کفر کرنا اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانا اور یہ کہنا کہ ہم نے مسیح بن مریم علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ ان کا یہ کہنا ہی کفر تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهُوَ حَتَّىٰ فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ عَلَىٰ مَا صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَدِيثِ الْمَعْرَاجِ وَهُوَ هُنَاكَ مُعَيَّنٌ حَتَّىٰ يَنْزِلَ إِلَى الدُّنْيَا يَقْتُلُ الدَّجَالَ وَيَمْلَأُهَا عَذَابًا كَمَا مَلَأْتَ جُورًا“
”وہ دوسرے آسمان میں زندہ ہیں یہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث معراج سے ثابت ہے۔ آپ وہیں مقیم ہیں یہاں تک کہ زمین میں اتریں گے دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو اس عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ پہلے ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔“

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کلمہ ”ہَلْ“ آیت مذکورہ میں جس کا ترجمہ ”بلکہ“ ہوتا ہے ابطال ماقبل کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زعم یہود کو جو عیسیٰ بن مریم کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے باطل کرتا ہے اور ماقبل اور مابعد بل اضطرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں میں معاً تحقق نہیں ہوتے۔ {وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا} ہَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ ﷻ میں حسب مقتضی کلمہ بل مقتولیت (قتل ہو جانا) اور مرفوعیت (اٹھایا جانا) یعنی مسیح کے مارے جانے اور اٹھائے جانے میں منافات اور عدم اجتماع فی التحقيق چاہیے اور ظاہر ہے کہ مابین مارے جانے اور اٹھائے جانے روح کے آسمان کی طرف کچھ منافات نہیں دونوں امر معا پائے جاتے ہیں۔ مقررین سے جو قتل کیا جاتا ہے ان کی ارواح بھی عالم طوی کو اٹھائی جاتی ہیں۔ اب بالضرورتہ رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی دونوں میں تضاد اور تنافی ہے اگر جسم مسیح یہود کے ہاتھ میں مقتول ہو تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہو (نہ اٹھایا گیا) اور اگر مسیح بجسدہ العصری (اپنے ظاہر جسم کے ساتھ) محفوظ و امان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھ میں مقتول نہیں ہو سکتے۔ ❶

اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ رفعتہ اللہ تعالیٰ یا تو کنا یہ ہوگا اعزاز اور رفعت منزلت سے۔ جیسا کہ مرزا صاحب شہادتِ محاورہ اور حوالہ کتب لغت لیتے ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قتل اور قرب الہی میں تضاد نہیں بلکہ قتل اور شہادت موجب مستقل ہے رفعت منزلت عند اللہ تعالیٰ کے لئے سوائے نبوت کے۔ اور یا مراد اس سے رفعت روحی بطریق موتِ طبعی کے ہوگا بقرینہ وعدہ توفی یعنی..... ﴿يَا عِيسَى ابْنِي مُتَوَفِّكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾..... فقط لفظ ”متوفیک“ اگرچہ مطلق موت پر دال ہے عام اس سے کہ اپنے آپ ہو یا قتل کی وجہ سے لیکن مصر جو مستفاد ہے ضمیر متکلم کے مسند الیہ اور صیغہ مشتق کے مسند بنانے سے مفید ہے موت طبعی کا۔ اس تقریر میں اگرچہ تضاد محقق ہے مگر بلحاظ اس کے کہ ماضویت توفی اور رفعت کے..... ”بَلْ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَرَفَعَهُ اللّٰہُ إِلَیْہِ“..... میں بہ نسبت ما قبل کلمہ بل کے طرف ہونی چاہئے کہ موت طبعی مسیح کی قبل از واقعہ قتل و صلیب زعمی محقق ہو حالانکہ کوئی مؤرخ اسلامی اور غیر اسلامی اس کی شہادت نہیں دیتا بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام اہل اسلام آج تک اسی کے قائل ہیں کہ آپ کے جسم کو سولی چڑھانے سے پہلے ہی اٹھایا گیا ہے۔ ❶

وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَیْؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ”اور کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان ہوگا“ (سورہ نساء: 6) ❷

نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَمْ يَعْشَى أَنَّهُ لَا يَطْلُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْمَوْجُودِينَ عِنْدَ نُزُولِ عِيسَى إِلَّا لَیْؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ وَتَكُونُ الْأَنْبِيَاءُ كُلُّهَا بَيْنًا وَاحِدًا“ ❸

”مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں سے اترنے کے وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کی وفات سے پہلے آپ پر ایمان نہ لائے یعنی سب ایمان لے آئیں گے تمام دین ختم ہو جائیں گے اور صرف ایک دین ہو جائے گا۔“

اس آیت میں بھی آپ کے آسمانوں سے اترنے اور آپ پر اہل کتاب کے ایمان لانے کا ذکر ہے:

وَلَمَّا نَسُوا لَيْلَةَ الْقِيَامَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا فَاتَّبِعُونَهَا هَٰذَا هِيَ رَأٰی ”اور بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میری تابعدار کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔“ (سورہ زخرف: 25) ❹

”عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقُرْبِ السَّاعَةِ وَيَجْتَمِعُ عِيسَى“ ”عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کے قریب ہونے کی علامت ہو

عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْمَهْدِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَيَقُومُ عِيسَى
بِالشَّرِيعَةِ وَالْإِمَامَةِ وَالْمَهْدِيُّ بِالسُّفْبِ وَالْخِلَافَةِ
(حاشیہ جلالین شریف ص 409)

گا۔ عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی علیہ السلام کا اجتماع ایک زمانہ میں ہوگا۔
عیسیٰ علیہ السلام شریعت و امامت کے امور سرانجام دیں گے اور حضرت
مہدی علیہ السلام کے سپرد خلافت و جہاد کے معاملات ہوں گے۔

”اِنَّهُ يَنْزِلُ شَرْطٌ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَتَسْمِيَّتُهُ عَلِمًا لِحُصُولِهِ بِه“
(تفسیر ابی السعد و ابوسعود عمادی رحمہ اللہ ج 8 ص 52)

”بیشک عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک
نشانی ہے۔ آپ کے اترنے کو ”علم“ کہا گیا ہے کیونکہ آپ

کے اترنے سے قیامت کا علم حاصل ہو جائے گا کہ قیامت آ رہی ہے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی ان الفاظ سے ہی روح المعانی میں تفسیر کی ہے جن الفاظ سے ابوالسعد نے کی ہے۔ اس
آیت میں بھی واضح ہوا کہ آپ ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب اتریں گے۔
”اور لوگوں سے کلام کرے گا پتھروں میں اور پکی عمر میں۔“
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا.....

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے بچپن کی وہ عمر جس میں عام بچے کلام نہ کرتے ہوں گے اس وقت کلام
کرنا ایک معجزہ ہے لیکن پکی عمر میں تو ہر انسان کلام کرتا ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیسے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے
علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكَهْلًا اَنْ يَكُوْنَ كَهْلًا بَعْدَ اَنْ يَنْزِلَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ اَحَدِ
الْزَمَانِ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ وَيَقْتُلُ الدَّجَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ
الْفَضْلِ وَفِيْ هَذِهِ الْاَيَةِ نَصٌّ فِيْ اَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
سَيَنْزِلُ اِلَى الْاَرْضِ“
(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ج 8 ص 55)

”پکی عمر میں کلام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ آخر زمانہ میں
آسمانوں سے اتریں گے اس وقت آپ کی عمر پکی ہوگی اور
آپ لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے
حسین بن فضل رحمہ اللہ نے کہا: یہ آیت واضح طور پر نص ہے کہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے۔“

احادیث مبارکہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا کئی احادیث سے ثابت ہے:

① ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي
بِيَدِهِ لَمَوْفِقُكُمْ اَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمْ اِنْ مِنْكُمْ حَکَمًا عَدْلًا
فَتُكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْيَهُودَ وَيَضَعُ الْجُذَيْفَةَ فِيْ يَمِيْنِ
الْمَالِ حَتَّى لَا يُقْبِلَهُ اَحَدٌ حَتَّى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ غَيْرَ

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ
عیسیٰ علیہ السلام تم میں حاکم اور عادل بن کر اتریں گے صلیب کو
توڑ ڈالیں گے جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے آپ مال لوگوں کو عطا

مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَقْرَأُوا إِن شِئْتُمْ
وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ ❶

کریں گے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ اس وقت کا ایک
سجدہ دنیا اور دنیا کے مال و دولت سے افضل ہوگا پھر حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیات پڑھ لو: وَإِنْ
مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ اہل کتاب

میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا یہاں تک کہ آپ پر ایمان لے آئے گا۔“

آپ حاکم اور عادل بن کرائیں گے یعنی نصرانیت کو باطل کر دیں گے اور ملت حنیفیہ یعنی دین اسلام کو قبول کرنے
کا حکم دیں گے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل گمان کو ختم کرنے کے لئے صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کر کے یہ ثابت
کریں گے کہ میں محمد ﷺ کا امتی ہونے کی حیثیت سے آیا ہوں چونکہ آپ کی شریعت میں خنزیر حرام ہے اسلئے اے عیسائیو! تمہارا
اسے پالنا اور خرید و فروخت کرنا حرام ہے۔ اہل کتاب سے صرف اسلام کو قبول کریں گے کوئی جزیہ ان سے نہیں لیں گے۔ آپ
کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ جس طرح وادیوں میں پانی چلتا ہے ایسے ہی مال کی فراوانی ہوگی۔ اس وقت
صرف عبادت میں لوگ اتنی لذت محسوس کریں گے کہ ایک سجدہ اور ایک نماز انہیں دنیا بھر سے بہتر محسوس ہوں گی۔ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آیت کو بطور دلیل پیش کیا کہ اس وقت تمام لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔

❷ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاللَّهِ
لَمَنْزِلْنَاهُنَّ مِنْ مَرْمَرٍ حَكَمًا عَدْلًا فَلَمْ يَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَمْ يَقْتُلَنَّ
الْخَنَازِيرَ وَلَمْ يَضَعَنَّ الْجُزْيَةَ وَلَمْ يَغْرُبَنَّ الْقَلَاصَ فَلَا يَسْفِي عَلَمَهَا
وَلَتَذْهَبَنَّ الشُّعْنَةُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّنَاصُتُ وَلَيُؤْمِنَنَّ إِلَى الْمَالِ
فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهَا قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا
ذَكَرَ لَكُمْ مِنْ مَرْمَرٍ فِيمَا مَعَكُمْ وَأَمَّا مَعَكُمْ مِنْكُمْ ❸

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:
قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ابن مریم حاکم و عادل بن کر ضرور بالضرور
اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور ضرور بالضرور خنزیر کو قتل
کر دیں گے اور یقینی طور پر جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے اونٹوں کو
چھوڑ دیں گے ان پر کوئی عمل نہیں کریں گے۔ عداوت بغض
اور حسد کو ختم کر دیں گے مال کی طرف لوگوں کو بلائیں گے
کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے

بخاری و مسلم دونوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارے امام بھی تم
میں ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔“

اس حدیث شریف میں تمام تاکید کے صیغے استعمال ہوئے ہیں کہ آپ کا اترنا یقینی ہے شک و شبہ سے پاک ہے۔

قلاص: بکسر القاف ”قلوص“ کی جمع ہے ”جوان اونٹنی“ کو کہا جاتا ہے۔ آپ اونٹوں کو کام میں لانا چھوڑ دیں گے کیونکہ اونٹ کی ضرورت ختم ہو جائے گی اس وقت اونٹ کے بغیر اور سواریاں بوجھ اٹھانے اور سامان کی نقل و حرکت کے لئے کثیر تعداد میں ہوں گی۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی ایک کو اونٹوں کے حصول کیلئے مقرر نہیں کریں گے کہ زکوٰۃ کے اونٹ حاصل کئے جائیں کیونکہ اس وقت زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

”نہایہ“ میں ذکر کیا گیا ہے: ”تَسْرُكُ زَكَاتُهَا فَلَا يَكُونُ لَهَا سَاعٌ“ آپ زکوٰۃ لینی چھوڑ دیں گے اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے کوئی عامل مقرر نہیں کریں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس وقت نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مخالف کوئی حکم دیں گے۔ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملے گا اس لئے کوئی عامل مقرر نہیں کیا جائے گا۔ یہ خبر بھی تو نبی کریم ﷺ نے ہی دی ہے۔

”فَلَا يَسْعَىٰ عَلَيْهَا“ اس کا ایک معنی ہے: ”وَلَا يَأْمُرُ أَحَدًا أَنْ يَسْعَىٰ عَلَيْهَا وَيَأْخُذَهَا لِأَنَّهُ لَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا لِاسْتِفْخَاءِ النَّاسِ عَنْهَا“ کہ آپ کسی کو اونٹ بطور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل نہیں بنائیں گے کیونکہ اس وقت تمام لوگ غنی ہوں گے کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہیں ملے گا۔“

دوسرا معنی اس کا یہ ہے: ”وَالْمُرَادُ بِالسَّعْيِ الْعَمَلُ“ سعی سے مراد عمل ہے یعنی اونٹوں کے ذریعے تجارت اور زمین میں سفر مال کے طلب کرنے اور دوسری ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔

شحنة: کا معنی ہے وہ عداوت جو دلوں کو کینہ اور غیظ و غضب سے بھر دے۔

تباعد: بغض رکھنا یہ عداوت کا سبب ہے۔

تحاسد: حسد کرنا یعنی کسی کی نعمت کا زوال طلب کرنا اور اسی نعمت کو اپنے لئے طلب کرنا یہ حسد بغض کا سبب ہے۔ ان تمام برائیوں کا سبب دنیا کے مال سے محبت رکھنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے دلوں سے دنیا کی محبت زائل کر دیں گے جس کی وجہ سے یہ برائیاں خود بخود زائل ہو جائیں گی۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام دنیا چونکہ ایک ہی دین پر قائم ہوگی یعنی سب کا دین اسلام ہوگا بغض اور حسد وغیرہ جیسی برائیاں مختلف دینوں اور مذاہب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک پہلا معنی ہی زیادہ معتبر ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں: آج کے زمانہ میں بہت سے شہروں میں لوگ اسلام پر اتفاق رکھتے ہیں اور ان میں علماء کرام مشائخ کرام بھی موجود ہوتے ہیں باوجود اس کے ان میں بغض و حسد

عداوت جیسے محبوب پائے جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے قتل و غارت پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسباب صرف مخلوق میں بلند مرتبہ حاصل کرنا اور حرام مال کی طرف میلان ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا جب نزول ہوگا اس وقت مسلمانوں کے امام مہدی ہوں گے جو قریش سے ہوں گے آپ علیہ السلام اتر کر پہلی نماز امام مہدی کی اقتداء میں ادا کریں گے تاکہ نبی کریم ﷺ کے دین کی عظمت واضح ہو جائے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ کے احکام ہی لوگوں پر نافذ کریں گے۔ ان کی شریعت تو کب کی منسوخ ہو چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب تم میں اتریں گے اور تمہارے امام تم میں سے موجود ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا یعنی تمہیں اپنی عظمت و تکریم پر تعجب ہونا چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام آتے وقت پہلی نماز تمہارے امام کی اقتداء میں ادا کریں گے۔

﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَمَنْهُمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَقَالُوا أَمِيرُهُمْ تَعَالَى صَلِّ لَنَا فَمَقُولُ لَا إِنْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ أَمْرًا تَكْرِمُهُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةُ“

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ ایک گروہ میری امت میں سے حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک ان کو غلبہ حاصل رہے گا۔ آپ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم اتریں گے لوگوں کے امیر انہیں کہیں گے: آؤ! ہمیں نماز پڑھاؤ۔ آپ فرمائیں گے: نہیں! بیشک تم میں سے بعض امیر ہیں بعض پر۔ آپ کا یہ ارشاد تکریم کے پیش نظر ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کیا ہے۔“

(مسلم مشکوٰۃ اب نزول عیسیٰ علیہ السلام ج 2 ص 480)

عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے پر امام مہدی رضی اللہ عنہ انہیں نماز پڑھانے کے متعلق کہیں گے کیونکہ:

”فَإِنَّ الْأَوَّلَى بِالْإِمَامَةِ هُوَ الْأَفْضَلُ وَأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ“

اور رسول ہیں اور کامل درجہ رکھنے والے ہیں۔“

یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نبوت ختم نہیں ہوگا۔ صرف آپ کی شریعت کے احکام جاری نہیں ہوئے بلکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کے احکام کی تبلیغ فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام کے نازل ہونے پر پہلی نماز امام مہدی رضی اللہ عنہ پڑھائیں گے تاکہ اس امت کی فضیلت واضح ہو جائے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام ہی نمازیں پڑھائیں گے۔ اس حدیث پاک سے بھی عیسیٰ بن مریم کا نزول واضح طور پر ثابت ہوا۔

﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَى الدَّخْلِ فَيَتَرَدُّوهُ وَيُوَلِّدُوهُ وَيَمُوتُ“

”حضرت عبد اللہ عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریں گے پھر شادی کریں گے اور آپ

عَمَّسًا وَارْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوتُ فَيُدْفَنُ فِي قَبْرِى فَاقُومُوا اَنَا
وَعِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِي هَكْرٍ وَعُمَرَ زَوَا
ابْنِ الْجَوْزَى فِي كِتَابِ الْوَفَاءِ
کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال ٹھہریں گے پھر آپ فوت
ہوں گے پھر میرے ساتھ میرے مقبرے میں دفن ہوں گے
میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے یہاں تک کہ
ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوں۔“

(مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام ج 2 ص 480)

حدیث شریف میں جو لفظ ”قبر“ استعمال ہوا ہے اس کا معنی ”مقبرہ“ ہے یعنی میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔
”فِي قَبْرِ وَاحِدٍ“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساتھ ہم اپنی اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے ایک قبر سے اٹھ رہے
ہوں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں نبیوں کے دائیں بائیں ہو جائیں گے تاکہ یہ دونوں حضرات ایک ساتھ ہوں دائیں
جانب ابوبکر اور دوسری جانب عمر ہوں گے۔

بعض راویوں سے مروی ہے: ”وَقَدْ بَقِيَ فِي الْهَيْئَةِ مَوْضِعُ قَبْرِ“ یعنی قبر مبارک کے پاس جگہ خالی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے۔
محقق ابن جوزی فرماتے ہیں: عمر کے پاس مدفون ہوں گے کیونکہ ہمیں بہت سے لوگوں نے خبر دی ہے جو حجرہ شریف
کے اندر گئے ہیں کہ عمر کے پہلو میں جگہ خالی ہے۔

”وَأَخْبَرَنَا الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
سَلَامٍ قَالَ يُدْفَنُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ
وَصَاحِبَيْهِ فَيَكُونُ قَبْرًا رَاقِعًا“
بخاری نے اپنی تاریخ میں اخراج کیا ہے اور طبرانی نے عبد
اللہ بن سلام سے کہ وہ فرماتے ہیں: عیسیٰ بن مریم محمد ﷺ اور
شیخین کے پاس دفن کئے جائیں گے اور ان کی قبر چوتھی ہوگی۔“

”وَأَخْبَرَنَا التِّرْمِذِيُّ وَحَسَنُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ
اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَةِ
صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَعِيسَى بْنُ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ“
ترمذی نے حدیث کا اخراج کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے کہ
عبد اللہ بن سلام نے فرمایا: محمد ﷺ کی صفت توراۃ میں موجود
ہے اور یہ بھی توراۃ میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم خاتم النبیین ﷺ
کے ساتھ مدفون ہوں گے۔“

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَى أَعْمَشُ
بَعْدَكَ فَعَاوُنٌ لِي أَنْ أَدْفِنُ إِلَى جَنْبِكَ فَقَالَ وَأَنْتِ لِي بِذَلِكَ
الْمَوْضِعُ مَا فِيهِ الْأَمْوَضِعُ قَبْرِي وَقَبْرِ أَبِي هَكْرٍ وَعُمَرَ وَعِيسَى
بْنِ مَرْيَمَ“
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کی خدمت
میں عرض کی: کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ
رہوں گی۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے پاس مدفون ہوں
حضور ﷺ نے فرمایا: کہ میرے پاس تو ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما اور عیسیٰ
بن مریم علیہ السلام کی قبر کے سوا اور جگہ نہیں۔“

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آثار دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے اور احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سوا ان کے جو بیان کر چکا ہوں اور بھی بکثرت موجود ہیں جس کا جی چاہے تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور، تفسیر ابن جریر کو ملاحظہ فرمائے۔ اگر اس سے بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کنز العمال و مسند احمد وغیرہ کتب احادیث کو مطالعہ فرمائے مگر مومن فہیم کے واسطے آثار اور احادیث سے جو بیان کر چکا ہوں کافی ہیں۔ یہ احادیث متواترہ ہیں نزول مسیح کا جو مستلزم ہے رفع کو سب میں اتفاق ہے۔ زیادہ بیان ہونا افعال اور صفات کا بعض حدیثوں میں اور بعضوں میں کم وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر اوصاف بذریعہ وحی علیہ السلام کو معلوم ہوئے ان کو بیان فرمایا۔ سامع نے ان کو یاد رکھا پھر جب اور معلوم ہوئے ان کو پھر بیان فرمایا علیٰ ہذا القیاس ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (۴) ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۵) یہی وجہ ہے کہ بعض راویوں میں سے بعض صفات اور احوال مروی ہیں دوسرے سے کچھ اور کبھی ایک راوی کی روایت میں کمی پیشی ہوا کرتی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے۔ جو احادیث عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق مروی ہیں وہ ان جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہیں: ابو ہریرہ، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابوامامہ، نواس ابن سمعان، عبد اللہ بن العاص، مجمع بن جاریہ، ابی شریحہ، حذیفہ بن اسید، جابر بن سمرہ بن جندب، عمرو بن عوف، عمران بن حصین، کیسان، حذیفہ بن یمان، عائشہ، عبد اللہ بن عباس، انس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی مروی ہیں۔ ❶

افسوس جہالت ایسا مرض ہے کہ ہزاروں اردو خوانوں سادہ لوحوں کے لئے روز بروز ہلاک کرنے والا ثابت ہو رہا ہے۔ نہ تو صحابہ کرام کی طرح مہارت لسانی انہیں حاصل ہے اور نہ ہی صحابہ کرام کی طرف ان کے دل کو روشن و منور کیا گیا ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ کر راہ راست پر چلیں اور نہ ہی علمی استعداد کہ فصاحت و بلاغت اور کلام کے سیاق و سباق سے مقصد کو سمجھیں اور نہ ہی یہ صلاحیت حاصل ہے کہ مقتضی حال کے مطابق مراد کو سمجھ سکیں۔ ❷

ان جہلاء کے بھٹکنے کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے گمراہ اور بھٹکے ہوئے شخص کو اپنا راہنما بنا لئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائے۔

مقام توجہ: بیان کردہ احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آسمانوں سے اترنے والی شخصیت کا نام عیسیٰ ہو گا وہ مریم

ﷺ کے بیٹے ہوں گے ان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی، کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ہوگا، دین ایک ہو جائے گا، یہودیت و نصرانیت ختم ہو جائیں گی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں: کہ ان احادیث میں عیسیٰ بن مریم سے مراد ہوں مگر خیال رہے کہ مرزا جی کا نام عیسیٰ ہے اور نہ ان کی ماں کا نام مریم ﷺ ہے بلکہ ان کا نام ”غلام احمد“ اور ان کی ماں کا نام ”چراغ بی بی“ ہے اور مرزا جی مدینہ پاک میں نہیں مرے۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے لیکن مرزا جیسے ناپاک جسم کو حضور ﷺ اپنے ساتھ کیسے قبول کر سکتے تھے؟ اس لئے اسے ”قادیان“ میں ہی مرنا پڑا۔

نیز مرزا صاحب کے زمانہ میں مال و دولت کی کثرت بھی نہیں ہوئی، خود وہ انگریز سے چندہ لیتے رہے، بلکہ وہ انگریز کا لگایا ہوا ہی پودا تھا۔ آج تک مرزائیوں کی یہ حالت ہے۔

”ربوہ“ میں دیکھئے! دو قبرستان ہیں: ایک میں پودے لگے ہوئے ہیں اور دوسرا پودوں اور پھولوں سے خالی ہے۔ اس میں گھاس پھوس اور جھاڑیاں نظر آتی ہیں جو زیادہ پیسے دے دے اسے باغیچہ والے قبرستان میں جگہ دی جاتی ہے اور جو تھوڑے پیسے دے اسے دوسرے میں جگہ دی جاتی ہے گویا قبریں بیچ کر وہ اب بھی اپنا گزارہ چلا رہے ہوں اور مرزا صاحب کے زمانہ میں یہودیت و نصرانیت کو ختم کر کے ایک دین اسلام میں سب لوگ آگئے ہیں ایسا بھی نہیں ہوا تو مرزا صاحب کج موعود کیسے؟

حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہ کرام سے:

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ انام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بہت سی احادیث درج فرمائی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام آکر دعوت اسلام فرمائیں گے۔ ان کے زمانہ پاک میں اسلام کے سوا تمام دین مٹ جائیں گے اور شیراؤنٹ کے ساتھ اور چیتا گائے کے ساتھ اور بھیڑیا بکری کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد کی ایک اور روایت شمس الہدایہ کے حوالے سے ہی نقل کی جا چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے آپ سے دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں چار قبروں سے زیادہ کوئی گنجائش نہیں۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ”فقاہ کبر“ میں فرماتے ہیں:

”دجال کا لکھنا یا جوج و ماجوج کا خروج“ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا“ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا اور یہ ساری علامات قیامت حق ہیں۔“

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا:

”اس حال میں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیریں سن رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔“

علامہ زرقانی مالکی اپنی کتاب ”قسطانی“ میں فرماتے ہیں:

”عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ اگر چہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ نبی بھی ہوں گے کیونکہ شریعت کے نسخ سے نبوت زائل نہیں ہوتی۔“

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے قبضین امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ اس مسئلہ پر تفصیلی طور بحثیں کی ہیں اور وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد اور تمام محدثین کرام رحمہم اللہ کا یہی عقیدہ تھا۔ نیز امام غزالی، امام رازی، امام جوزی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جائے کہ ”سوائے مرزا قادیانی اور اس کے قبضین کے اہل علم میں سے کوئی بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر نظر نہیں آتا۔“ ●

معجزات و حیات عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات و جوابات:

عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تمام کامرانیوں نے انکار کیا ہے اور اس آیت میں یہودیہ نہ تحریقات کیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھر کے نبی اور خود ساختہ مثیل مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی کمال نہ تھا لہذا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام کمالات کا انکار کر دیا۔

پہلا اعتراض: پیدا کرنا خدا کی صفت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: {قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ} (سورۃ الرعد: آیت ۱۶) ”فرمادیجئے اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔“ نیز فرماتا ہے: {خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ} (سورۃ الفرقان: آیت ۲) ”اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔“ نیز فرماتا ہے: {رَبُّكَ الَّذِيۢ اعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حَلَقًا} ”ہمارا رب جس نے ہر چیز کو صورت خلق عطا کی۔“

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خالق صرف رب تعالیٰ ہی ہے غیر خدا میں یہ صفت ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: {اَمْ جَعَلُوا۟ لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا۟ كَخَلْقِهٖ} (سورۃ الرعد: آیت ۱۶) ”کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ وہ ایسے پیدا

تفسیر عیسیٰ مفتی احمد یار خان عیسیٰ رحمہ اللہ ج 3 ص 480

کرتے ہیں جیسے اللہ پیدا کرتا ہے۔“ نیز بتوں کے بارے میں فرماتا ہے: {لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ} (سورۃ النحل: آیت ۲۰) ”وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود گھڑے گئے ہیں۔“

لہذا اگر عیسیٰ علیہ السلام مٹی میں پھونک کر پرندے بناتے ہوں تو انہیں خدا ماننا پڑے گا۔ مشرکین بتوں کو خالق مان کر ہی مشرک ہوئے اور مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو خالق مان کر مرتد۔ (نعوذ باللہ من جہالتہ و کفرہ)

اس آیت کے معانی صرف یہ ہیں کہ:

”میں تمہارے دلوں کو نور ایمانی سے منور کر دیتا ہوں جس سے وہ پرندہ بن کر راہ الہی طے کرتا ہے نہ کہ کوئی مٹی کا کھلونا۔ حدیث شریف میں شہداء کے متعلق ہے کہ شہیدوں کی روح سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہ کر جنت کی سیر کرتی ہے اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے۔“

دوسری جگہ کہتے ہیں:

”مر کر دنیا میں لوٹنا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہید شہادت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی کیونکہ قانونِ قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے کیونکہ مردے اگر اپنی عمر پوری کر کے مرے تھے تو انہیں دوبارہ عمر کیسے ملی اور اگر انکی عمر باقی تھی تو پہلے موت کیوں آگئی۔“

جواب: ”خلق“ کا ایک معنی ہے پیدا کرنا یعنی عدم سے وجود میں لانا حیات بخشا۔ اور دوسرا معنی ہے بنانا گھڑنا اندازہ لگانا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص جو ”خلق“ ہے وہ بمعنی ”پیدا کرنے“ کے ہے۔ شکل و صورت بنانا یہ صفت بندوں کو بھی حاصل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے کی صورت بنائی اور اس کو حیات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر اسی لیے یہ آپ کا معجزہ ہوا۔ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو عام عادت کے خلاف ہو اور مدعی نبوت سے سرزد ہو۔

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِ فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ. ”اور جب تو مٹی سے پرندے کی سی صورت میرے حکم سے بناتا حکمِ باری“ (سورۃ مائدہ 75)

دوسرے مقام پر فرمایا:

”(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:) میں اس شکل و صورت میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“

فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ (سورۃ آل عمران 13)

ان آیات سے بخوبی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی صورتی بناتے تھے اور اس میں پھونک مارتے اور یہ کہتے کہ اللہ کے حکم سے اڑوہ پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اسے حیات عطا فرماتا تھا۔

جو توحید محمد علی صاحب نے بیان کی ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ ہی آپ کا معجزہ ہے کیونکہ دلوں کو نور ایمانی سے تمام انبیاء کرام منور کرتے رہے بلکہ یہ وصف اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی حاصل ہے۔

یہ کہنا کہ ”موت کے بعد زندہ ہونا قانونِ قدرت کے خلاف ہے“ تو اس کا جواب بھی واضح ہے کہ معجزہ تو ہے ہی وہ کہ عادت کے خلاف ہو یعنی ہلاک شدہ ہستیوں کو زندہ کرنا قانون نہیں، البتہ خصوصیات اس کے علاوہ ہیں۔ قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ یوں بیان فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا۔“

فَأَمَّا اللَّهُ فَمِائَةٌ عَامٌ ثُمَّ يَبْقَى (سورة بقره 3:3)

● 11/11

”اے عزیز! اپنے مرے ہوئے گدھے کی خشک ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح جمع کر کے گوشت پہناتے ہیں۔“

وَالنَّظْرَ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نَشِئُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا
(سورة البقرة: 3:3)

حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا پورا واقعہ یوں بیان فرمایا:

”تو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ! پھر انہیں زندہ فرمایا۔“

فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ (سورة بقره: 16)

یعنی رب تعالیٰ نے ان کو پہلے موت دی، پھر ان سب کو زندہ فرمایا۔ نیز قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا: کہ تم نے ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا:

فَاَعَدْتُكُمْ السَّاعَةَ وَلَآتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٦﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا كُوفًا مِّنْ

بَعْدِ مَوْتِكُمْ (سورہ بقرہ: 6)

یعنی تمہیں دیکھتے ہوئے کڑک نے پکڑا لیا، پھر ہم نے تمہیں
مرنے کے بعد زندہ کیا۔“

غرضیکہ مردے زعمہ کرنے کے لئے بے شمار واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب دجال لوگوں کو مار کے زعمہ کرے گا۔ اگر ان سب آیات اور احادیث میں مجازی معنی مراد لئے جائیں تو پھر قرآن و احادیث ایک تماشہ بن کر رہ جائیں اور کسی آیت پر احماد نہ رہے۔ ❶

دوسرا اعتراض: اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے، وہ نبوت کرنے آئے تھے نہ کہ طبابت لہذا یہاں سے دل کے اندھے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

”بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔“

وَلٰكِنْ تَعْمٰی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی السُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾

ایسے ہی برص یعنی کوڑھی سے وہ بدی مراد ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہو اور حضرت مسیح یہ فرما رہے ہیں کہ میں دل کے اندھوں اور بدکاری کے کوڑھیوں کو ایمان و تقویٰ کا راستہ بتا کر اچھا کر سکتا ہوں۔ ●

جواب: اگر بغیر کسی دلیل کے اپنی رائے سے تفسیر کرنی ہو تو جو چاہو کر لو لیکن اگر دلائل کی بات کرنی ہے تو یہ بتاؤ کہ یہ معانی کس مفسر نے کئے ہیں؟ بے شک نبوت میں احکام کی تبلیغ ہے مگر نبوت منوانے کے لئے معجزات کی ضرورت اور معجزہ میں عاجز کرنا شرط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایسا معجزہ دکھایا جائے جس سے کام کے ماہر عاجز رہ جائیں تاکہ یہ خدا داد اختیار نبوت کی دلیل ہو چونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا تو طبیعوں کو عاجز کرنے کے لئے یہ معجزات عطا فرمائے گئے جس کی صد ہا روایتیں ملتی ہیں لیکن مرزا صاحب کے چیلے اپنے موقف پر ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ●

تیسرا اعتراض:

عیسیٰ ﷺ بغیر والد پیدا نہیں ہوئے بلکہ مریم یوسف نجار کے نکاح میں آئیں آپ ان کے بیٹے ہیں۔

جواب:

قرآن کریم نے عیسیٰ ﷺ کے بغیر باپ پیدا ہونے کی بے شمار گواہیاں دی ہیں:

① انہیں آدم ﷺ سے مشابہت دی ہے:
 اِنَّ مَقَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَقَلَ اٰدَمَ ؕ
 (سورہ آل عمران 143)
 ”عیسیٰ ﷺ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم ﷺ کی طرح ہے۔“

② انہیں عیسیٰ بن مریم کہا، حالانکہ قرآن کریم نے سوائے مریم کے عورت کا نام نہ لیا۔ اگر وہ کسی مرد کے فرزند ہوتے تو اس کی طرف نسبت کی جاتی۔

③ یہود نے حضرت مریم ﷺ کو تہمت زنا لگائی تھی تو عیسیٰ ﷺ کو بچپن میں کھام کرنے کی طاقت عطا کر کے ان سے ماں کی پاکدامنی بیان کرائی۔ اگر مریم شادی شدہ تھیں تو اس تہمت کے دفع کرنے کے لئے اتنا بڑا واقعہ کیوں ہوتا؟
 صرف یوسف نجار کہہ دیتا کہ یہ میرا بچہ ہے۔

④ عیسیٰ ﷺ کا لقب روح اللہ ہوا اور کلمۃ اللہ ہوا کیونکہ وہ کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے۔

تفسیر عیسیٰ ملتی احمد یار خان عیسیٰ رحمہ اللہ ج 3 ص 552

ہمان القرآن مولوی محمد علی لاہوری مرزا

⑤: قرآن کریم نے ان کی ماں کا یہ قول بار بار نقل فرمایا: ﴿وَلَمْ يَمَسَّ يَیُّ بَشَرًا﴾ ”مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔“ اگر ان کا نکاح ہو چکا تھا تو اس کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

⑥: حضرت مریم جنگل میں جا کر وضع حمل ہوئیں اگر یوسف نجار کی بیوی ہوتیں تو اس قدر مشقت اٹھانے کیا ضرورت تھی؟ ● خیال رہے کہ مرزائیوں نے یہ عقیدہ یہودیوں سے حاصل کیا ہے:

”وَالْمُؤَدُّ تَلْذِیْکَ أُمُّهُ یُؤَسِّفُ النَّجَّارَ“ ● ”یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یوسف نجار سے تہمت لگاتے تھے۔“

چوتھا اعتراض:

”وَنَكُونُ الْجِلْدُ كُلُّهَا مِلَّةَ الْإِسْلَامِ“ فقرہ کو یہ آیت معارض ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَذْكُرُونَ مَعْلَمَاتٍ ۖ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ عَلَّمَهُمْ نَبِيُّكَ كَلِمَةً رَبِّكَ لِأَمَلْتَنَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾

”اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے، مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور لوگ اسی لئے بنائے ہیں اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور آدمیوں کو ملا کر۔“

(سورہ ہود 10:12)

چنانچہ فاضل امر دہوی (مرزا کا چیلہ) صاحب ”اعلام الناس“ لکھتے ہیں کیونکہ بحسب مقتضی اس آیت کے کسی زمانہ میں اتفاق ایک ملت پر ممکن نہیں۔

جواب: اس فقرہ حدیث کو بوجہ عدم قبول تاویل کے حسب مطلب اپنے کے آپ کا ثنا چاہتے ہیں آیت میں استثناء {إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ} موجود ہے اور استثناء زمانیات کا مستلزم ہے استثناء زمان کو۔ لہذا مسیح کے وقت سب کا مرحوم ہونا اور سب کا متفق ہونا ملت واحدہ پر ممکن ہوگا۔ ضروری امر بمقتضی آیت کے صرف اتنا ہی ہے کہ اختلاف فی الجملہ اور جہنم کا بھر دینا متحقق ہو۔ وہاں اگر بعد {وَلَا يَذْكُرُونَ مَعْلَمَاتٍ} کے {إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ} نہ ہوتا تب بوجہ اختلاف دائمی کے زمان مسیح کا اتفاق ہونا ممکن تھا۔

پانچواں اعتراض: جس حدیث سے سمجھا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تمام لوگ ایک دین پر قائم ہو جائیں گے وہ اس آیت کے مخالف ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک دین پر قائم کر دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف پر رہیں گے۔ جب یہ حدیث آیت کے مخالف ہے تو اس پر عمل نہیں ہو سکے گا۔

● تفسیر عیسیٰ مفتی احمد یار خان عیسیٰ رحمہ اللہ ج 3 ص 536 ● روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 2 حصہ دوم ص 163

جواب:

یہ یہودی طرز عمل ہے کہ کچھ کتاب پر ایمان لانا اور کچھ پر ایمان نہ لانا حالانکہ ساتھ ہی یہ بھی آرہا ہے کہ مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا یعنی وہ ایک دین پر قائم ہوں گے مسیح کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں پر رحم کیا جائے گا لہذا وہ سب ایک دین پر قائم ہو جائیں گے۔

چھٹا اعتراض:

حدیث پاک میں مسیح موعود کی جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ مرزا صاحب میں پائی گئی ہیں صحیح بخاری میں ہے:

”ارَابِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكُعْبَةِ فِي الْمَنَامِ فَإِذَا رَجُلٌ أَمْرٌ كَأَحْسَنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ میں نے خواب میں کعبہ کے پاس مَاتَرَى مِنْ أَمْرِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لَمَعَةً بَيْنَ مَنْكَبَيْهِ سَيْدُ اس کے بال سیدھے ہیں اور کندھوں تک پہنچ رہے ہیں۔“

مرزا صاحب کا حلیہ بھی یہی ہے ان کا رنگ گندی ہے بال سیدھے ہیں یعنی گھونگریا لے نہیں کندھوں کے قریب کانوں کی لو کے نیچے لٹکے ہیں۔

جواب: اسی صحیح بخاری میں اس کے قریب ہی مسیح حقیقی یعنی صاحب انجیل کا حلیہ یہ لکھا ہے: سرخ رنگ اور گھونگریا لے بال چوڑا سینہ۔ ”فَأَمَّا عَيْسَى فَأَحْمَرُّ عَرِيضُ الصَّدْرِ“ ناظرین یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے سرخ اور گندی رنگت دونوں کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ایسا ہی گھونگریا لے اور غیر گھونگریا لے دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے کیونکہ مسیح ابن مریم کی رنگت میں سرخی مائل سفیدی تھی۔ ایسا ہی بالوں میں جمود غیر تامہ یعنی تھوڑے گھونگریا لے بال تھے نہ بہت زیادہ پیچیدہ اور نہ سیدھے۔ اسلئے آپ کے رنگ کو سرخ کہنا بھی صحیح ہے اور گندی رنگ کہنا بھی صحیح ہے۔ اسی طرح آپ کے بالوں کو گھونگریا لے کہنا صحیح ہے اور غیر گھونگریا لے بھی۔

بخاری شریف میں جو..... عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ مُوسَى وَ إِبْرَاهِيمَ فَأَمَّا عَيْسَى فَأَحْمَرُّ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ..... آیا ہے یعنی حضرت ابن عمر کی روایت ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ اور بال گھونگریا لے اور سینہ چوڑا ذکر ہے یہ بخاری کی خطا ہے حقیقت میں یہ روایت حضرت ابن عباس سے ہی ہے یعنی عن مجاہد عن ابن عباس دیکھو اخراجات محمد بن کثیر اور اسحاق بن منصور سلولی اور ابن ابی زائدہ اور یحییٰ بن آدم رحمہم وغیرہ کے۔

یعنی شرح بخاری اور مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرَى بَنِي مُوسَى رَجُلًا أَمَرَ طَوَّالًا جُعْدًا كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةٍ وَرَأَيْتُ عِيسَى رَجُلًا مَرْبُوعًا الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَهَاضِ سَبْطُ الرَّأْسِ“

اس حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا رنگ سرخی سفیدی سے ملا ہو بیان کرتے ہیں اور آپ کے بال بہت زیادہ بچھاڑے تھے (بلکہ معمولی گھونگر یا لے تھے)۔ یہ بھی ابن عباس بیان کرتے ہیں اور اب یہ گمان کرنا کہ سرخ رنگ والے عیسیٰ علیہ السلام اور تھے اور گندی رنگ والے عیسیٰ علیہ السلام اور ہیں صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد دونوں روایتوں میں واقعہ معراج کے متعلق ہے جس کے پہلے بروایت مسلم.....

”عَنْ جَاهِلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ عَرَضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ“ ”رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ فَرَمَايَا: مَجْهُدًا بِرَأْسِهِ كَرَامٍ بِشِئْنٍ كَمِثْلِهِ“

اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دونوں روایتوں میں اسی عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جو انبیاء کرام کی جماعت میں اسی طرح شامل ہیں جس طرح موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام داخل ہیں کسی حدیث پاک میں بھی مثیل مسیح یعنی مرزا صاحب کا کوئی ذکر نہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام اور ہوتے اور مثیل عیسیٰ اور ہوتا تو حضور ﷺ فرماتے: میں نے عیسیٰ علیہ السلام اور مثیل عیسیٰ کو دیکھا حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ پس واضح ہوا کہ حدیث پاک مرزا صاحب کا اپنے آپ کو مسیح موعود اور مثیل عیسیٰ ثابت کرنا باطل ہے۔ ❶

ساتواں اعتراض:

مرزا صاحب کا ذکر حدیث پاک میں ہے صحیح مسلم میں ہے:
”لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقًا بِأَفْئِدَةٍ لَنَافَعَتْ رَجُلًا مِنْ أَهْلِكَ فَارِسٍ“ ”اگر علم تریا کے ساتھ بھی تعلق ہو تو فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص پالے گا۔“

مرزا صاحب کے ایک مرید ”امروہی“ نے اس حدیث سے مراد بھی اپنے مرزا صاحب کو ہی لیا ہے۔
متفق علیہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے: ”قَالَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ عَلَى سُلَيْمَانَ جَوَابًا أَوَّلًا: ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ..... الخ“ یہ حدیث آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر بیان فرمائی جس سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مصداق ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی سیاق و سباق سے یہ حدیث مختص ہے عام ہے ہی نہیں۔

اگر حدیث کو عام رکھا جائے اور مراد فارس کا کوئی شخص بھی لیا جائے تو پھر بھی اس سے مراد مرزا صاحب نہیں ہو
جواب دوم: سنیے کیونکہ انہوں نے خود ”ایام النسخ“ میں اپنا سمرقندی ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ سمرقند خراسان سے ہے نہ کہ فارس سے۔ جن لوگوں کو کچھ بھی جغرافیہ و غیرہ میں مہارت ہے ان پر یہ بات واضح ہے۔

جواب سوم: اگر حدیث پاک سے مراد زیادہ عموم لیا جائے یعنی اہل قاری کا ایک با محاورہ معنی یہ لیا جائے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں تو پھر بھی مرزا صاحب کا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں ”لو کان العلم“ لفظ ”العلم“ معرف باللام ہے۔ الف لام عہد خارجی ہے جس سے مراد وہ علم ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ مرزا صاحب کا علم تو شیطانی علم تھا قرآنی علم نہیں تھا اور نہ وہ کفر اختیار کر کے جھوٹی نبوت کا دعویٰ نہ کرتے۔

جھوٹوں کی کہاوتیں:

امروہی صاحب نے اپنے مرزا کو سچ موعود مانا ہے اس لئے یہ دعویٰ بھی کیا مرزا صاحب دین نصرانیت کو مٹا دیں گے سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آج تاریخ ۱۵ شعبان ۱۳۱۷ھ تک بالکلیہ دین نصرانیت کا مٹ جانا متحقق نہیں ہوا حالانکہ مرزا صاحب جو سچ موعود ہونے کے دعویدار ہیں وہ کتنے عرصہ سے آچکے ہیں بلکہ مرزا صاحب اپنی موت تک بھی یہ کرشمہ نہ دکھائے۔“

عیسیٰ علیہ السلام کی صفات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ”لَبِذْعُونَ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ“ لوگوں کو مال کی طرف بلائیں گے لیکن کوئی ایک بھی قبول نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب ”امروہی“ نے بیان کیا ہے:

”اس سے مراد بھی مرزا صاحب ہیں کیونکہ انہوں نے بذریعہ اشتہارات روپیہ دینے کا وعدہ مخالفین اسلام (ان کے بناوٹی اسلام) کو فرمایا اور کسی نے قبول نہیں کیا۔“

اس کا جواب حضرت پیر صاحب یوں دیتے ہیں:

”کہ حدیث میں ”فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ“ مذکور ہے اس کا مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سب لوگ اہل اسلام ہوں گے اور سب کو عبادت کی بہت زیادہ رغبت ہوگی اور سب تارک دنیا اور زاہد ہوں گے۔ اس پر حدیث پاک شاہد ہے ”حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ عَمَّا آمَنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“ اس لئے کہ اس وقت مسلمان زاہد اور عابد ہوں گے جو دنیا کو قبول نہیں کریں گے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت مخالفین اسلام بھی ہوں گے (جیسا کہ مرزائیوں نے معاذ اللہ مسلمانوں کو مخالفین اسلام کہا) اور ان کو حقیقت اسلام ظاہر کرنے کے مقابلہ میں اشتہارات کے ذریعے روپیہ دینے کا وعدہ دیا جائے گا اور وہ قبول نہیں کریں گے۔ خیال رہے کہ اسلام بذات خود اہر حق ہے واقع کے مطابق ہے قیامت تک کوئی مخالف بھی یہ نہیں

کر سکتا کہ اسلام کے حق ہونے کو زائل کر سکے یا اسلام کے ناحق ہونے کو ثابت کر سکے۔ اسلام اپنے حق ہونے میں کسی انسان کا محتاج نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے خود اس کے غلبہ کا ذمہ اٹھا رکھا ہے۔ حدیث پاک ”ظاہرین اِلٰی یَوْمِ الْقِيَامَةِ“ (اسلام کو قیامت تک غلبہ حاصل رہے گا) اس پر شاہد ہے۔“

آٹھواں اعتراض:

آیت {وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ} دال ہے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکہ حسب مفاد اس آیت کے اسی یا نوے سال کو پہنچتا ہے اس کو ”کوس“ اور ”ڈاڑھ کوئی“ ہنسہ پہلی حیاتی کے پیدا ہوتی ہے تو کیسا حال ہوگا اس شخص کا جو دو ہزار سال تک زندہ رہے۔

جواب: اسی یا نوے سال کی قید جو آپ نے لگائی ہے یہ قرآن پاک کے کون سے الفاظ مبارکہ سے سمجھ آئی؟ خدارا! یہودیوں کی طرح کلام الہی کی تحریف سے باز آئیں۔ کیا آپ کو قرآن پاک میں یہ آیت نظر نہیں آئی:

وَكَبُتُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (سورہ کہف) ”وہ (اصحاب کہف) اپنی غار میں تین سو نو سال رہے۔“ {وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ} کا مفہوم اگر تمہارے خیال میں اسی یا نوے سال کی عمر تک محدود ہے تو پھر اس آیت {وَكَبُتُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا} سے اصحاب کہف کا تین سو نو سال غار میں کیسے ثابت ہو سکتا ہے اور نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو (1400) سال اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس (930) سال اور حضرت شیث علیہ السلام کی نو سو بارہ (912) سال اور حضرت ادریس علیہ السلام کی تین سو چھپن سال (356) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سال (120) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مردو سو تیس سال (223) کیسے ہو سکتی تھی۔ ●

اصل میں یہ سب فلفل تاویلیں مرد اصحاب سے اس وجہ سے سرزد ہوئیں:

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (سورہ زمر 1:24) ”جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“

ان کے گمراہ کن شیطانی علم نے انہیں جہنم کا ایجنڈا بنا دیا۔

نواں اعتراض:

وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَلَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدِّ إِلَىٰ آلِهِ الْقَوْمِ (سورہ ج 8:17) ”تم میں سے بعض کو فوت کیا جاتا ہے اور بعض کو بڑی عمر تک پہنچایا جاتا ہے۔“

● جس الہامیہ سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ ص 74

اس آیت میں دو ہی صورتیں ذکر ہیں یا گھٹیا عمر سے پہلے فوت کر دینا اور یا اس عمر تک پہنچا دینا جس میں انسان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے اس آیت سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ رذیل عمر تو نبی کی شان کے لائق نہیں اور کسی جگہ قرآن میں بھی ذکر نہیں۔

”وَمِنْكُمْ مَنْ صَعِدَ إِلَى السَّمَاءِ بِجَسَدِهِ الْعُنْصَرِيِّ ثُمَّ يَرْجِعُ“ اور تم میں بعض اپنے عنصری جسم کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جائیں گے اور پھر آخر زمانہ میں لوٹ آئیں گے۔“

آیت میں صرف دو چیزوں کا ذکر ہے اگر اور کوئی تیسری صورت مانی جائے تو آیت میں جو دو چیزوں کے اندر ایک مسئلہ کو بند کیا ہے اس کا مقصد فوت ہو جائے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو اگر مانا جائے تو آیت کا حصر باطل ہوتا ہے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں کوئی حصر ہے ہی نہیں۔ اگر بالفرض حصر کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی واضح قانون ہے کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ نیز تمہارا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھایا گیا اس کا ذکر بھی تو قرآن پاک میں نہیں۔ جب تمہارے نزدیک اس سے حصر باطل نہیں تو آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے والے قول سے حصر کیسے باطل ہے؟

نیز اہل کشف کے نزدیک ”ارذل العمر“ کی کوئی حد معین نہیں۔ اس پر کوئی آیت و حدیث دلالت کر رہی ہے اور نہ ہی عقلی طور پر ثابت ہے کہ اس سے متجاوز ہونا موت کا سبب ہو۔ علماء طبعیین نے جو حد مقرر کی ہے اس کو شیخ اکبر اپنے کشفی طریقہ سے فتوحات میں رد فرماتے ہیں ان کے قول کا مضمون یہ ہے کہ اگر جو کچھ علم طبعی میں ہمارے اوپر مکتوف ہوا ہے وہ علماء طبعیین کو معلوم ہوتا تو ہرگز انسان کی عمر طبعی کو وہ کسی حد سے معین نہ کرتے۔ نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے مراد ”رذیل عمر“ ہے تو پھر بھی اس سے اہل علم مستثنیٰ ہیں ان کا حکم ہی اور ہے۔

”قَالَ عِزُّرْمَةُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ إِنَّ لَمْ يَخْصُ بِهِ هَذِهِ الْحَالَةُ أَيْ هُوَ مَخْصُوصٌ بِغَيْرِ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَالْعُلَمَاءُ وَمَا هُمْ فَلَا يَرْدُّونَ إِلَى الْأَذْكَالِ بَلْ يَزِدُّونَ عَقْلَهُمْ كُلَّمَا طَالَ عُمُرُهُمْ كَمَا هُوَ مُشَاهَدٌ“

(سادی جلالین ص 279)

اور علم حاصل کیا انہیں اس حالت کی طرف نہیں پہنچایا جاتا بلکہ ان کی عقل عمر کی زیادتی کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے اس پر مشاہدات دلالت کر رہے ہیں۔“

جب اہل علم کا یہ مقام ہے تو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی کا کیا مقام ہوگا؟ یقیناً زیادہ عمر کا دیا جانا رذالت کی طرف نہیں

پہنچائے گا۔ نیز آپ کو ”وَمَنْ يَتَوَفَّى“ میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ پر وفات بھی یقینی آتی ہے اور آپ کو دنیا کی جس عمر میں اٹھایا گیا ہے اور پھر دنیا میں آپ نے جتنی مدت رہنا ہے آپ کی وہی عمر شمار ہوگی۔ آسمانوں کی زندگی پر وہاں کے قوانین ہی نافذ ہیں نہ وہاں موت نہ بوڑھا ہونا۔ جب لوگ جنت میں جائیں گے تو ان کو وہ زندگی حاصل ہوگی جو ختم ہونے والی نہیں ہوگی اور ان پر کوئی بڑھا پٹاری نہیں کیا جائے گا۔ ❶

دسواں اعتراض:

{اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاَنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کا ذکر ہے۔

جواب: {اِنَّكَ مَيِّتٌ..... اور..... وَّاَنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} یہ دونوں قضیہ مطلقہ عامہ ہیں دائمہ مطلقہ نہیں۔ اگر دائمہ ہوتے تو حکم ہمیشہ ہر زمانے میں ثابت ہوتا۔ مطلقہ عامہ میں تو حکم تین زمانوں میں کسی زمانے میں بھی پایا جانا کافی ہوتا ہے۔ اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا ”تحقیق اے حبیب ﷺ اتم فوت ہونے والے ہو اپنے وقت معین میں اور وہ انبیاء سابقہ بھی اپنے اوقات معینہ میں مرنے والے ہیں۔“ اس سے واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چونکہ اپنے وقت مقرر میں فوت ہونا ہے لہذا وہ {اَنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ} میں داخل ہیں نزول آیت کے وقت اگر آپ کا فوت شدہ ہونا ضروری ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ بھی اس وقت اموات میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا سوچنا سراسر غلطی پر مبنی ہے۔ ❷

خیال رہے کہ اس سوال و جواب کی حیثیت اسی وقت ہوگی جب ”اِنَّهُمْ“ کی ضمیر کا مرجع عام لوگ ہوں جن میں انبیاء کرام بھی داخل ہوں اور اگر ضمیر کا مرجع ”کفار“ ہوں جو حضور ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ فوت ہو جائیں گے اور ان کے بیٹے بھی نہیں لہذا دین بھی خود بخود ختم ہو جائے گا تو ان کے جواب میں کہا گیا ہے کہ آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ زندہ رہ جائیں گے؟ یہ کسی کی موت پر خوشی کیوں مناتے ہیں اپنی فکر کریں۔ اس صورت میں سوال ہی وارد نہیں ہوگا اور نہ جواب کی کوئی ضرورت ہے۔

گیارہواں اعتراض:

”میت“ مشتق ہے جس کا مبدأ اشتقاق ”موت“ ہے۔ قانون یہ ہے کہ مشتق کسی قضیہ میں محمول بنایا جائے تو وہ مبدا کے ساتھ قیام کو چاہتا ہے۔ اس ضابطہ کے پیش نظر عیسیٰ علیہ السلام پر موت کا واقع ہونا بھی ثابت ہوا۔

جواب: قیام مبداء کا وقت تحقق مضمون قضیہ ضروری ہوتا ہے نہ وقت صدق قضیہ۔ ●

یعنی جس وقت اس حکم نے واقع ہوتا ہے اس وقت مشتق کا قیام مبداء سے ضروری ہوتا ہے اور یہ بات درست ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے وقت میں موت آئی ہے۔ آپ نے ”میت“ بننا ہے اس وقت میت کا قیام موت سے ہی ہوگا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جب قضیہ مطلقہ عامہ بولا جائے اسی وقت محمول کا قیام موضوع سے ہو اور مشتق کا قیام مبداء اشتقاق سے ہو۔

بار ہواں اعتراض:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا قَعْدُ يُخْلَقُونَ ۖ اَمْ اَتَاَتْهُمْ اَنْبَاءُ غَيْرِ اَحْمَارٍ عَمَّا يَشْعُرُونَ ۚ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٨﴾ (سورہ نحل 8:14)

”اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔ مردے ہیں زعمہ نہیں اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔“

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کے سوا سارے معبود مرچکے ہیں زعمہ نہیں۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لوگوں نے معبود مانا اور وہ بھی اللہ کے سوا معبودوں میں داخل ہیں اس لئے وہ مرچکے ہیں زعمہ نہیں۔ واضح ہوا کہ یہ آیت وفات کج پر دلالت کر رہی ہے۔ یہ آیت سورہ نحل کی ہے جس کا نزول مکہ (زَادَهَا اللَّهُ شَرْفًا وَتَكْرِيمًا) میں ہوا ہے۔ اس لحاظ سے ”من دون اللہ“ سے مشرکین مکہ کے معبود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”اموات“ کی تفسیر میں ”امنام اموات“ تحریر فرماتے ہیں

یعنی بت تو خود بے جان ہیں۔ ●

خیال رہے کہ راقم نے اپنی کتاب ”شیعہ ہدایت“ میں اس آیت کی تفسیر میں مودودی صاحب سے جو غلطیاں ہوئیں ہیں یادیدہ دانستہ غلط تفسیر کی اس کا تفصیلی رد کیا ہے۔

تیسرہواں اعتراض:

قانون یہ ہے کہ ”عموم لفظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔“ اس قانون کے پیش نظر تو یہ چاہئے کہ ”من دون اللہ“ سے مطلق معبودان باطلہ مراد ہوں بتوں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ اس لحاظ سے توسعہ مریم بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہوں گے یعنی مرچکے ہیں۔

جواب: اگر اس آیت میں حکم کو بتوں کے ساتھ خاص نہ کیا جائے تو ملائکہ بھی اس میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کو بھی لوگوں نے معبود مانا تو اس طرح وہ بھی اللہ کے سوا معبود ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتے سب مرچکے ہوں۔ اس طرح جبرائیل

بھی مر چکے ہوں گے۔ اس سے تو زیادہ مصیبت مرزا صاحب پر ہی پڑے گی، ان کا دعویٰ شروع سے ہی باطل ہو جائے گا کیونکہ وحی تو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جبرائیل ہی لاتے رہے۔ جب ان کو ہی مردہ قرار دے دیا گیا تو مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت خود بخود باطل ہو گیا۔

اگر بالفرض اللہ کے سوا تمام معبود مراد لینے ہوں تو جب قفسیہ مطلقہ عامہ مانا جائے تو پھر صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ اپنے اپنے وقت پر ان کو موت آنی ہے۔ اس طرح عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ آیت صادق آئے گی کیونکہ ان کو بھی موت اپنے وقت پر آنی ہے اور فرشتے بھی اس میں داخل ہو سکیں گے کیونکہ فتح صور پر ان کو بھی موت آنی ہے لیکن اس سے مرزا صاحب کا مقصد ثابت نہیں ہو سکے گا عیسیٰ علیہ السلام تو مر چکے ہیں اور میں مسیح موعود ہوں۔

چودھواں اعتراض:

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ..... ﴿سورۃ آل عمران 4:5﴾ ”نبی کریم ﷺ سے پہلے سارے رسول وقات پا چکے ہیں۔“

یہ تمام رسولوں کے متعلق ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

جواب: معترضین نے ”خلت“ کا معنی ”توفت“ (فوت ہو گئے) کیا ہے جو غلط ہے کیونکہ یہ معنی کرنے سے دو آیتوں میں صریح طور پر تناقض لازم آئے گا اس لئے کہ ایک آیت میں فرمایا: ﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ﴾ (پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳) اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَكُنْ تَبْدَأَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَهْدِي﴾ (پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳) اگر ”خلت“ کا معنی موت کیلئے ہے تو پہلی آیت کا معنی یہ ہوگا ملت خداوندی سرچکی اور معدوم ہو گئی حالانکہ دوسری کا مفاد یہ ہے کہ ملت الہیہ متغیر نہیں ہوتی یعنی ہمیشہ اپنے حال پر باقی رہتی ہے۔

اسلئے یہ بھی صحیح ہے کہ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳) اور ﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ﴾ (پ ۲۳ سورۃ المؤمنین ۸۵) کا ترجمہ یہ ہے اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا۔

توجہ سے سنئے کہ ”خلت“ مشتق ہے ”خلی“ سے جس کا معنی ہے تنہا ہونا جیسا کہ: ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ﴾ (پ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۱۴) میں یہی معنی ہے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں۔

اور دوسرا معنی ”گزرنا“ ہے اور یہ معنی زمانہ کی صفت بالذات ہوتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے ”السنة الماضية“

گزشتہ سال اور قرون خالیہ (گزرے ہوئے زمانے) اور یہ معنی زمانے کی صفت بالعرض ہوتا ہے یعنی جو اشیاء زمانہ میں موجود ہوتی ہیں ان کو بھی ظرفیت و مطروفت کے تعلق کی وجہ سے گزرا ہوا کہہ دیا جاتا ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا: ”ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں“ اس معنی کے لحاظ سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ گزر چکے اور جو رسالت سے فارغ ہو چکے ہیں اور زمین سے آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں یعنی ابن مریم ان کے متعلق بھی کہا جاتا سکتا ہے وہ گزر گئے ہیں جیسا کہ عام محاورہ میں کہا جاتا ہے ”فلان حاکم شہر میں تحصیلدار ہو گزرا ہے“ یہ محاورہ دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے اگر وہ مر گیا تو پھر بھی اور اگر وہ ملازمت سے فارغ ہو چکا تو پھر بھی۔ ❶

پندرہواں اعتراض:

اس کے بعد ذکر ہے:

”کیا وہ (نبی کریم ﷺ) اگر انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم اٹنے پاؤں پھر جاؤ گے۔“

اِنَّ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ..... ﴿٥٤﴾
(سورۃ آل عمران 5:4)

یہ قرینہ ہے کہ ”قد غلت“ میں بھی معنی موت ہی لیا جائے یعنی حضور ﷺ سے پہلے اور تمام رسول فوت ہو گئے۔

جواب: ”اِنَّ مَاتَ“ چونکہ بمقابلہ ”اَوْتِلَ“ کے واقع ہوا ہے لہذا مات سے مراد موت خف اللہ ہوگی یعنی اپنے آپ مرنا بغیر کسی کے قتل کرنے کے یہ بات سمجھ کر انصاف سے خود ہی بتایا جائے کہ اگر اِنَّ مَاتَ کو قرینہ ارادۃ معنی موت پر ”قد غلت“ سے ٹھہرائیں تو ضرور قد غلت سے مراد بھی موت خف اللہ یعنی موت طبعی ہوگی اس طرح (معاذ اللہ) ﴿قَدْ غَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ کا کاذب ہونا لازم آئے گا کیونکہ تمام انبیائے کرام طبعی موت نہیں فوت ہوئے بلکہ کوئی اپنی طبعی موت فوت ہوئے اور بعض کو شہید کیا گیا۔ اور اگر ”غلت“ کا معنی مطلق موت لے بھی لیا جائے تو دوسری آیت ﴿هَبْ رَفَعَهُ اللّٰهُ﴾ اس کے عموم کے لئے تخصیص ہوں گی یعنی دوسرے انبیائے کرام تو دنیا سے رخصت ہو گئے فوت ہو گئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمانوں پر اٹھالیا۔ اسی طرح قرآن پاک کو کئی آیات مبارکہ کو دوسری آیات سے خاص کیا گیا ہے جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ (سورۃ الرسلا 21:29)..... اور ایسا.....

(سورۃ الطارق 11:30)

﴿مَخْلُقٍ مِنْ مَّاءٍ فَافِیْ﴾ ﴿مَخْرُجٍ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ﴾

آیت بھی مخصوص البعض ہے کیونکہ ﴿هَبْ رَفَعَهُ اللّٰهُ﴾ اور دوسری آیت جن سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ حکم دوسرے انبیائے کرام کے لئے ہے حضرت مسیح کے لئے نہیں۔ ❷

سولہواں اعتراض:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

فِيهَا تَحْمُونَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ..... ﴿٩﴾

(سورۃ الاعراف 8:9)

”زمین میں ہی تم کو زندہ رہنا ہے اور اس میں ہی تمہاری موت آنی ہے۔“

بہت بڑی دلیل ہے کہ انسان کے رہنے کی جگہ صرف زمین ہی ہے اور کوئی جگہ رہنے کی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر کیسے زندگی بسر کر رہے ہیں؟

جواب: اصل تو یہی ہے کہ انسان کے رہنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن عارضی طور پر کسی کو آسمانوں پر رب تعالیٰ خود رکھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جیسا کہ ملائکہ کا اصل رہنے کا مقام آسمان ہیں لیکن ان کی آمد و رفت زمین پر بھی رہتی ہے۔ جب فرشتوں کا زمین پر آنا جانا منع نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا کیونکر منع ہو سکتا ہے؟

اس سے واضح ہوا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی بہ نسبت استقرار اصلی کے ہے اور دوسری آیت (وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ) سے بظاہر جو سمجھ آ رہا ہے کہ اس میں لام تخصیص کا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا زمین میں رہنا خاص ہے اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تمہارا رہنے کا مقام زمین کو بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی لازم نہیں کیونکہ ایک چیز کو کسی کے لئے بنایا گیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جدا نہ ہو جیسا کہ:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿٢﴾ (سورۃ التبا 30) ”رب تعالیٰ نے رات کو لباس بنایا اور دن کو معاش۔“

یعنی رات سونے کے لئے بنائی ہے اور دن روزی کمانے کے لئے حالانکہ بعض اوقات انسان رات کو کام کرتا ہے اور دن کو سوتا ہے تو مقصد یہ نکلا کہ عمومی طور پر رات سونے کے لئے اور دن روزی کمانے کے لئے ہے لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ ایسے ہی زمین رہنے کے لئے عمومی طور پر مختص ہے لیکن کسی کو رب تعالیٰ خود آسمانوں میں ٹھہرا لے تو اس میں کسی کو کلام کرنے کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ ﴿١﴾



..... عقیدہ ختم نبوت

مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیروی الازہری قدس سرہ نے (ماکان محمد) الخ کی تفسیر میں عقیدہ ختم نبوت پر خوب بحث فرمائی۔ صحیح بات یہ ہے کہ ”ضیاء القرآن“ کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان افروز تفسیر ہے محبت عرفان کا خزینہ ہے اللہ پیر صاحب کی اس سچی جمیل پر آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٢﴾ (سورۃ الاحزاب 2:22)

مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ کے رسول ہونے کا اعلان فرمایا۔ بے شک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں رسول کی ناک و کرم سے امتی کا جسم اور روح ظاہر اور باطن دل اور عقل سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روزِ حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹھٹھ جائیں گے۔

يَوْمَ يَخْرُجُ الْمَرءُ مِنْ أَهْلِهِ ۖ وَآيِهِ ۖ وَصَاحِبِجِهٖ ۖ وَبَيْنَهُمْ (سورۃ النہل 5:30)

”محشر کے دن انسان اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور زوجہ اور بیٹوں سے بھاگے گا۔“

لیکن رسول کے لطف و عنایت سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا امتی شاد کام ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور ﷺ اتنی مدد ہی سے امت کے سامنے دین اسلام کے سارے گوشے آشکارا کرنے کی شدید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور حضور ﷺ ہی اس سلسلہ ذہبیہ (ختم نبوت کا سلسلہ) کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور الفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دور جاہلیت کی قبیح رسموں کو نہ مٹایا گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت اتنی جامعیت اور اتنا تقدس کہاں پایا جائے گا تا کہ اس کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ختم نبوت کا عقیدہ:

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔ اگرچہ بد قسمتی سے امت اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے، باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن و سکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ فساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعویٰ کیا اس کو مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے اس جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔

مسئلہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چین کا سلس لیا، جب اس جھوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اتنی قربانی دے کر بھی اس فتنہ کو چکنا ضروری سمجھا۔ آپ نور صدیق سے دیکھ رہے ہیں کہ اگر ذرا تسامح برتا تو یہ امت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں امتوں میں بٹ جائے گی۔ ہر امت کا اپنا نبی ہوگا اور وہ اس کی شریعت اور سنت کو اپنائے گی۔ اس طرح اس رحمتہ للعالمین کے زیر سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیت کے اتحاد کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی اور اِنْسِی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ خَبِیْعًا ” بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“ کا سہانا منظر کبھی بھی نظر نہیں آئے گا۔

ناظرین کو یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ مسئلہ حضور ﷺ کی نبوت کا منکر نہیں تھا، بلکہ اپنے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ وہ حضور ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں اس نے جو عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

”مِنْ مُّسَوَّلَۃٍ رَّسُوْلٍ اِلَیَّ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلٍ اللّٰهِ“
 ”یہ خط مسئلہ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔“

علامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جواز ان مروج تھی اس میں ”اشہدان محمد رسول اللہ“ بھی کہا جاتا تھا۔ بایں ہمہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل جہنم کر کے آرام کا سلس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے طالع آزمایا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی تو

اس کو قتل کر دیا گیا۔ انگریز کی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح ایک ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجہ کا وفادار تھا۔ ملکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا مسطوط عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے؟

انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے بے جانوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لئے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بے شک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دل جمعی سے انجام دے سکتا تھا۔ اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے وہاں ان کا جو ہشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو ”مرتد“ اور ”خارج از اسلام“ قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گونا گوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اور قطعی اجماع ہو رہا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لئے اللہ کی توحید، قیامت، حضور ﷺ کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لئے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح و بسط سے لکھا جائے تاکہ حضور ﷺ کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے رہے۔ وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباح محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کامل ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لئے ملول نہیں ہونا چاہئے نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس کی رسول

کو۔ ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ:

نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ اور اسے سچا ماننے والا مرتد ہے:

”حضور سرور عالم سیدنا محمد ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے دعویٰ کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی ہے۔“

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٢﴾ (سورۃ الاحزاب 22)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب مکرم کا اسم گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد ﷺ (فداہ ابی داری) اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیائے کرام کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ جب مولائے کریم جو (بکل شیء علیم) ہے نے یہ فرمایا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں تو حضور ﷺ کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا اس نے اللہ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جو شخص اللہ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

”خاتم النبیین“ کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہل لغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے۔ اس وقت میرے پاس لغت کی دوسری کتب کے علاوہ ”الصحاح للجوهری“ اور ”لسان العرب لابن منظور“ موجود ہیں جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتاب میں ہوتا ہے۔ آئیے! ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔

ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مولف علامہ حماد بن اسماعیل الجوهری کا سن ولادت 332ھ اور سال وفات 393ھ یا 398ھ ہے اور لسان العرب کے مولف علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سن ولادت 630ھ اور سال وفات 711ھ ہے۔ یہ عرض کرنا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت سے صد ہا سال پہلے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے کہ ان کا قول حجت نہ رہے بلکہ ان کی نکارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔ پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

”خَتَمَ اللَّهُ لَهُ بِعَبْرٍ“

”خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔“

”وَحَتَمْتُ الْقُرْآنَ بِلَفْظِ ابْعِرْ“

”یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔“

”اِخْتَمَّتْ الشَّيْءَ نَقِیْضُ اِفْتَتَحَتْ“

”افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔“

”وَالْخَاتِمُ وَالْخَاتِمُ بِكُسْرِ التَّاءِ وَفَتْحِهَا وَالْخَاتَمُ وَالْخَاتَمُ
كُلُّهُ بِمَعْنَى وَخَاتِمَةُ الشَّيْءِ آخِرُهُ“

”یعنی خاتم بالفتح خاتم بالکسر ختام اور خاتم سب کا ایک ہی
معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو ”خاتمة الشيء“ کہتے ہیں۔“

”وَمُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“

”حضور ﷺ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔“

علامہ ابن منظور ”لسان العرب“ میں لکھتے ہیں:

”خِتَامُ الْوَادِي أَقْصَاهُ وَخِتَامُ الْقَوْمِ وَخَاتِمُهُمْ وَخَاتِمُهُمْ
آخِرُهُمْ وَمُحَمَّدٌ ﷺ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ“

”وادی کے آخری کونہ کو ”خام الوادی“ کہتے ہیں۔ قوم کے
آخری فرد کو خام خاتم بالفتح اور خاتم بالکسر کہا جاتا ہے اسی
مناسبت سے حضور ﷺ کو ”خاتم الانبیاء“ فرمایا گیا ہے۔“

لسان العرب میں ”الغزیب“ کے حوالہ سے لکھا ہے:

”وَالْغَايِمُ وَالْغَايِمُ مِنْ أَسْمَاءِ النَّبِيِّ ﷺ وَفِي التَّنْزِيلِ
الْعَزِيزُ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ أَيُّ آخِرُهُمْ وَمِنْ
أَسْمَاءِهِ الْعَاقِبُ أَيْضًا وَمَعْنَاهُ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ“

”یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ہیں
قرآن مجید میں ہے {وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ}
یعنی سب نبیوں کے پیچھے آنے والا اور حضور کے اسماء میں سے
”العاقب“ بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔“

اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ”خاتم“ کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا ”نبی“ آخری“ ہے۔ اس
معنی کی تائید کے لئے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ ”خِتَامُهُ مِنْكَ أَيُّ آخِرُهُ مِنْكَ“ یعنی اہل
جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ
یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی (مہر لگانا) مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا
ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بعد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا، تحقیق حق کا کوئی اچھا
مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو ماننے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا
الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ ”صحاح“
اور ”لسان العرب“ دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شان رسالت کے شایان ہے
کہ حضور ﷺ انبیاء کرام پر مہر لگاتے ہیں جس پر حضور ﷺ نے مہر لگادی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ

لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم (لکھا ہوا) ہے لیکن انہوں نے تصریح (وضاحت) کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں ”خاتم النبیین“ کا معنی ”آخر النبیین“ ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر (اصرار کرنے والے) ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا، انہوں نے مہر ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ کارڈ پر مہر ٹھپہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا۔ یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کر دی، اسے مناسب کارروائی کے لئے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا، حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔ کاش! انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔

آئیے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ لسان العرب میں ہے:

خَتَمَهُ يَخْتُمُهُ خَتْمًا وَخَتَامًا طَبَعَهُ فَهُوَ مَخْتُومٌ وَمَخْتَمٌ شَدِيدٌ
لِلْمُهَالَفَةِ
یعنی ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگادی جائے اس کو
مختوم اور مبالغہ کے طور پر ختم کہتے ہیں۔“

اسکے بعد لکھتے ہیں:

وَمَعْنَى خَتَمٍ وَطَبَعٍ فِي اللُّغَةِ وَاحِدٌ وَهُوَ التَّطْعِيمُ عَلَى الشَّيْءِ
وَالْإِسْتِعْمَالُ عَنْ أَنْ لَا يَدْخُلَهُ شَيْءٌ كَمَا كَانَ جَلٌّ وَعَلَا (أَمْ
عَلَى قُلُوبِ أَتْقَالِهَا)
(اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنئے) یعنی ختم اور طبع کا لغت
میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ
دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے
داخلہ کا امکان نہ ہو۔“

پہلے زمانہ میں خلفاء امراء سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر
بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب اس کو سر بمہر کر دیا ہے تاکہ اس مہر کی موجودگی میں اس میں کوئی رد و بدل نہ کر دے۔ اگر
کوئی رد و بدل کرے گا تو وہ پہلے مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس صورت میں ”خاتم النبیین“ کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی
آمد کا سلسلہ جاری تھا، حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اس پر مہر لگادی گئی تاکہ کوئی کذاب و جال اس
میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص زبردستی اس زمرہ میں گھستا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا پکڑا جائے گا اور
اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی قول فیصل

اور حرف آخر حضور کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آئیے! اب احادیث نبویہ ﷺ کا بغور مطالعہ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ نے ”خاتم النبیین“ کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے؟

”خاتم النبیین“ کے معنی کی وضاحت کے لئے بے شمار صحیح احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں جن کے دلوں میں ہدایت کی نئی طلب ہوگی۔ مولیٰ کریم اپنے حبیب رؤف رحیم ﷺ کے طفیل و ہدایت کی راہیں ان کے لئے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دست گیری کرے گی۔

①: ”قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مَقْلِي وَمَقْلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسَ يَطْوُونَهُ وَيَعْبَهُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَلْ لَا وَضَعْتُ هَذِهِ اللَّبَنَةَ فَأَنَا اللَّبَنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“

(بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، ج 2)

”حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کہ جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں ”خاتم النبیین“ ہوں۔“

اگر آپ اس حدیث میں غور کریں تو بلاغت نبوی ﷺ کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ جب ایک عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں! اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلے اینٹوں میں سے ایک اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے قصر نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ سابقہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لئے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اس کو گوارا کرے گی؟ قصر نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختم نبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب المناقب اور ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

﴿۴﴾ ”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُجِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كُلِّهَا وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ“

”رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی: مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی مختصر الفاظ اور معانی بحرنا پیدا کننا رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنادیا گیا اور اس سے تمیم کی اجازت دی گئی مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔“

(مسلم ترمذی ابن ماجہ)

﴿۵﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ وَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ بَعْدِي“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد کوئی رسول آئے نہ کوئی نبی۔“

سرور عالم ﷺ کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں۔ کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعویٰ کو تسلیم کرنا سراسر کفر والحاد ہے۔

﴿۶﴾ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا إِلَّا حَذَرَ أُمَّتَهُ الدِّجَالَ وَأَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ وَهُوَ غَارِبٌ لَكُمْ لَا مَعَالَةَ (ابن ماجہ)

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا۔ بے شک میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو وہ لامحالہ تم میں ہی آئے گا۔“

اس حدیث سے جس طرح حضور ﷺ کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور ﷺ کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

﴿۷﴾ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

”قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ“

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے۔“

﴿۸﴾ امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا آپ کچھ پریشان ہوئے تو:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكَ مِثِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى“

”حضور ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

﴿عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَّهُ سَمِعُونَ فِيْ أَمْتِيْ كَذَابُونَ ثَلَاثُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ﴾
 ”حضرت ثوبان سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں ”خاتم النبیین“ ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

علامہ ابن کثیر متوفی (۷۷۴) متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فَقَدْ أَخْبَرَ اللَّهُ تَعَالَى فِيْ كِتَابِهِ وَرَسُولُهُ ﷺ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ لِيَعْلَمُونَ أَنَّ كُلَّ مَنْ ادَّعَى هَذَا الْمَقَامَ بَعْدَهُ فَهُوَ كَذَّابٌ أَفَّاكَ دَجَالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ“
 ”یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم ﷺ نے سنت متواتر میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے جھوٹا ہے دجال ہے گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔“

علامہ سید محمود آلوسی متوفی (۱۲۷۰) ”روح المعانی“ لکھتے ہیں:

”وَكُونَهُ ﷺ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ مِمَّا نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ وَصَرَّحَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأَمَّةُ فَهَكَفَرُ مُدَّعِي خِلَافَتِهِ وَيَقْتُلُ إِنْ أَصْرَ“
 ”یعنی حضور ﷺ کا ”خاتم النبیین“ ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن و سنت نے کی ہے جس پر امت کا اجماع ہے پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعویٰ پر مصر رہا اس کو قتل کیا جائے گا۔“

علامہ ابن حبان اندلسی متوفی (۷۴۵) اپنی تفسیر ”بحر محیط“ میں رقم طراز ہیں:

”وَمَنْ نَهَبَ إِلَى أَنَّ النَّبُوَّةَ مُكْتَسِبَةٌ لَا تَنْلِظُ أَوْ إِلَى أَنَّ الْوَكِيَّ أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ فَهُوَ زَنْدِيقٌ يَجِبُ قَتْلُهُ وَكَذِبٌ ادَّعَى نَاسُ النَّبُوَّةِ فَقَتَلَهُمُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذَلِكَ وَكَانَ فِي عَصْرِنَا شَخْصٌ مِنَ الْفُقَرَاءِ ادَّعَى النَّبُوَّةَ بِمَدِينَةِ مَالِقَةَ فَقَتَلَهُ السُّلْطَانُ بْنُ الْأَحْمَرِّ مَلِكَ الْأَنْدَلُسِيِّ بِفَرَاكَةِ وَصَلَبَ حَتَّى تَنَاقَرَ لَحْمُهُ“
 ”یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندقہ ہے اور واجب القتل ہے آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالتہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے فرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا۔ وہ اسی حالت

میں انکار ہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔“

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کیونکہ قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔

ختم نبوت کے عقلی دلائل:

جب حضور ﷺ کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے جب حضور ﷺ پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی معمولی سی تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے جب سرور عالم ﷺ کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کے تشریح و توضیح کر رہی ہے جبکہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتی ہے جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے:

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے؟ آفتاب محمدی ﷺ داغ ہو چکا عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمائیے! نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا ہی نیک، پاکباز، پارسا اور عالم باعمل ہو۔ اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور کفار و مشرکین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجئے۔

مسلمانوں کی تعداد اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے (اب تقریباً پچیس فیصد اضافہ ہو چکا ہے) یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور غافل و کامل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضرورت دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ابے بندگان خدا ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند،

عبادات کے سختی سے پابند رہے۔ ان کے اخلاص و للہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اس پاک امت میں آکر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے اور چلو بعض میں ہم عملی کوتاہیاں تسلیم کرتے ہیں لیکن کم از کم نعت ایمان سے تو وہ بہرور تھے۔ اب حقیقت حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجال اور کذاب قرار دیا حالانکہ نبی کو ماننا اسلام ہے اور انکار کفر ہے۔

مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے اسلام میں رکھا تو یہ ساری بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کفر میں مبتلا ہو گئے۔ صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے۔ ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں، رشوت لینے والوں، اقربا، لوازی اور مزائیت پروری کی قربان گاہ لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے۔ ان میں اکثر بے نماز، داڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں۔ ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکر موجود تھا ٹھیس مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لئے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تاکہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پٹہ اپنے خنک سایوں، میٹھے پھلوں اور میٹھے ہوئے پھولوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھرمٹ پر گلشن اسلام کا بورڈ آڈیزاں کر دیا جائے۔ متقیوں، پرہیزگاروں، عالموں اور عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا شوق لکھ دے دیا جائے۔ مرزا صاحب کے امتی بڑی ڈیگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

(اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ایمان شرط اول ہے۔ اس کے بعد اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔ کلمہ پڑھ کر جب کسی کو مرزا کی نبوت کا قائل کرنا ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے مرتد بنانا ہے اور یہ کام تو حضور ﷺ کے زمانہ کی یہودیوں نے بھی کیا۔ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكَتِّبِ آمِنُوا بِالَّذِي أَنذَرْنَا عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَانكُرُوا آيَةَ لِّعَلَّاهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶﴾ اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ شاید وہ پھر جائیں۔“ اس سے واضح ہوا کہ یہودی بھی اپنے دوسرے یہودیوں کو ایمان لانے اور مرتد ہونے کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہی کام

مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بھی کیا کہ غیر مسلموں کو اپنے جال میں پھنسا کر بظاہر کلمہ پڑھایا اور درحقیقت انہیں مرتد کیا مرزا کو نبی مرنے والا مسلمان کب ہو سکتا ہے۔)

تم تو مرزا صاحب کو اس لئے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا۔ ہم اولیائے کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں اکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ خواجہ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں مشرکوں کے زنا توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہ الہی میں شرف سجود بخشا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا وہ آج بھی لہرا رہا ہے اور لاکھوں خفیہ بختوں کو خواب غفلت سے جگا رہا ہے۔ مشائخ چشت اور دیگر اولیاء کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور فرشتہ صفت مرید بنائے۔ ان کے مقابلہ میں ساری امت مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں ان کا رہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نبوت کا دعویٰ کیا نہ مہدیت کا نہ مسیحیت کا نہ ظلی کا نہ بروزی کا بلکہ اپنے آپ کو غلامانِ مصطفیٰ ہی کہا اسی کو اپنے لئے باعثِ صداقت اور موجبِ سعادت سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لئے بڑا دور کا چکر کاٹنا آخر کار آپ کی کمند فکر یہاں آ کر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آئیں گے۔ میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہنا شروع کر دوں تاکہ مجھے لوگ مسیح مان لیں لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں ان کی زندگانی میں میں مسیح کیسے بن سکتا ہوں؟ خیال آیا کہ پہلے مسیح کو مردہ ثابت کر دو جب وہ مردہ قرار پا گئے تو پھر میرے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفاتِ مسیح ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بیشک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے جن احادیث میں نزولِ مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے۔ وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آئیے! آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجئے! آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی۔ کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا اس کی والدہ کا نام بتایا اس کے لقب سے خبردار کیا اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا اس کی تفصیل بیان فرمادی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان فرمادیا۔

اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من وعن صحیح اور صحیح تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدمی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے ”کتاب المظالم باب کسر الصلیب“ میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو۔“

مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

”فَبَيْنَمَا هُمْ يَعْتَدُونَ لِلْفِتَالِ يَسُوُونَ الصُّلُوفَ إِذَا أَهْبَمَتِ الصَّلَاةُ فَنَزَلَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّهُمْ فَإِذَا رَأَوْا عَذُوَ اللَّهِ يَذُوبُ كَمَا يَذُوبُ الْيَلَمُ فِي الْمَاءِ فَلَمَّا تَرَكُوهُ أَذْذَبُ حَتَّى يَهْلِكَ وَلَكِنْ يَقْتُلُهُ اللَّهُ بِيَدِهِمْ فَيَرْبِعُهُ دَمًا فِي حَرِيقِهِ“

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۰۰)

”حضور نے خروج دجال کے بعد ذکر فرمایا: اس اثناء میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کرائیں گے اور دشمن خدا دجال ان کو دیکھے گا تو پکھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیں گے تو وہ اذ خود پکھل کر مر جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے۔“

(یہ اترنے کے بعد دوسری نماز پڑھانے کا ذکر ہے کیونکہ اترتے ہی پہلی نماز آپ نہ پڑھائیں گے بلکہ وہ امام مہدی پڑھائیں گے جیسے کہ دوسری روایت میں وضاحت موجود ہے۔)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے مسلمانوں کا امیران سے عرض کرے گا: کہ حضور تشریف لائے اور امامت فرمائیے تو آپ فرمائیں گے: نہیں اتم میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں یہ ان کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے۔“

(مسلم بیان نزول عیسیٰ بن مریم اسناد احمد مرویات جابر بن عبد اللہ)

(اس حدیث کی وضاحت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔)

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَمَسَ نَبِيٌّ وَبَيْنَهُ (يَعْنِي عَمْسَى) نَبِيٌّ وَكَانَ نَازِلًا فَإِنَّا رَأَيْنَاهُ فَأَعْرَفُوهُ رَجُلًا مَرْبُوعًا إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مَعْصَرَتَيْنِ كَانَ رَأْسُهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصْبِهِ بَلَّكَ فَيَقْبَلُ النَّاسُ عَلَى الْإِسْلَامِ فِيهِ فِي الصَّلِيبِ وَيَقْتُلُ الْخَنَزِيرَ وَيَضَعُ الْجَرِيَّةَ وَيَهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْجَلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ وَيَهْلِكُ الْمَسِيحُ الدَّجَالُ فَمَمْسُكٌ فِي الدُّرْهِ الرَّابِعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَتَوَفَّى فَمُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ﴾

(ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال اسناد احمد مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں یعنی جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لیتا۔ ان کا قد درمیانہ ان کی رنگت سرخ و سفید اور زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا ان سے اب پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیجے ہوئے نہ ہوں گے وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے خنازیر کو مار ڈالیں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام ملتوں کو ختم کر دے گا اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے اور

وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے اور پھر وہ وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔“

”حضرت نواس بن سمان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصہ سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کا فرنگ پہنچے گی اور وہ ان کی حد نظر تک جائے گی اور وہ

﴿عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ (فِي بَعْثِ الدَّجَالِ) فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا بَعَثَ اللَّهُ مَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيٍّ يَمَشُقُ بَيْنَ مَهْرُوقَتَيْنِ وَاقِضًا كَفَّهُ عَلَى أَجْبَحَةٍ مَلَكَيْنِ إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطُرٌ وَإِنَّا رَفَعَهُ تَحَدَّدَ مِنْهُ جَمَانٌ كَاللُّوْلُو فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيحَهُ نَفْسِهِ إِلَّا مَاتَ يَنْتَهِي إِلَى حَيْثُ يَنْتَهِي طَرَفُهُ فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بِهَيْبٍ لَيْتٍ فَيَقْتُلُهُ﴾

(مسلم ذکر الدجال ابوداؤد کتاب الملاحم ترمذی ابواب الیمین)

زندہ نہ بچے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور (مقام لد) کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔“

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

”عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ عن النبي ﷺ عَصَا بَنِي إِسْرَءِيلَ“

مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى مِنَ النَّارِ عَصَابَةُ تَغْزُو الْهِنْدَ
وَعَصَابَةُ تَكُونُ مَعَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
(نسائی، کتاب الجہاد / مسند احمد مرویات ثوبان رضی اللہ عنہ)

نے فرمایا: میری امت کے دو لشکر ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ
نے دوزخ آگ سے بچا لیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ
کرے گا، دوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا۔“

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرمالیا۔ ان میں مسیح موعود کا حلیہ نام والدہ کا نام مقام اور وقت نزول آپ کے کارہائے
نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں، حالانکہ
ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔ اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں
اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجائیاں جی ساری
عمر عیسائی حکومت کے جھولی چک بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف
کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دایرا اسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات خدائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ
قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں ان کی نادانی قابل افسوس ہے۔

اللہ تعالیٰ جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذات پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح
جانتا ہے۔ دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں۔ معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں، ہر قوم کے
لئے ہر زمانہ میں فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لئے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں۔ یوں نہیں کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا
فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے، مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے، بلکہ یہ
فیصلہ اس ذات والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالم انسانیت کی
فلاح و بقا کا انحصار ہے اس لئے اس کے فیصلے اٹل ہیں وہ منسوخ نہیں ہو سکتے۔ ان میں کسی قسم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ ❶

اس مسئلہ پر مزید تحقیق حاصل کرنی ہو تو سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کی تصنیف ”شمس الہدایہ“ اور
”سیف چشتیائی“ کا مطالعہ کریں ان شاء اللہ تعالیٰ سکون قلب حاصل ہوگا اور برکت بھی حاصل ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باطل نظریات:

ایک فرقہ نے آپ کو رب تعالیٰ کا جزا مانا انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ ”عیسیٰ علیہ السلام
اس کی روح ہیں۔“ اس سے پتہ چلا کہ آپ اس کی جزا اور حصہ ہیں کیونکہ ”مِنْهُ“ کا معنی ہی یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ ہیں۔ یہ
نظریہ باطل ہے آپ کو ”روح“ کہنے کی وجہ یہ ہے:

”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رُوحًا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ عَنْ نَفْثَةِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي يَوْمٍ مَرَّ بِهِ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِأَمْرِ مَسْعَاةً“ ❶

کی پھونک سے آپ پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونکا تھا۔

چونکہ عربی میں روح بمعنی نفخ (پھونکنا) کے بھی آتا ہے جیسے ذوالرمہ نے آگ کو پھونکیں مار کر بھڑکانے کے متعلق کہا:

{وَأَخْبَهَا بِرُوحِكَ} اپنی پھونک سے آگ بھڑکاؤ۔

واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے نفخ جبرائیل کا وقوع ہوا اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر دیا۔ بعض نصرانیوں کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ”من“ تبعیضیہ مانا ہے حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔

”وَهِيَ لَا يُبْدِئُ الْغَايَةَ مَجَازًا لَا تَبْعِيضِيَّةٌ كَمَا زَعَمَتِ النَّصَارَى“

اس مقام پر ”من“ ابتداء غایت کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوا ہے ”من“ تبعیضیہ نہیں جیسے نصاریٰ نے گمان کیا ہے۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں ”طیب نصرانی“ جو اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا اس سے علی بن حسین واقدی مروزی کا مناظرہ ہوا۔ عیسائی نے کہا: تمہاری کتاب (قرآن پاک) میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو ہمارے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں۔ اس نے بطور دلیل یہ الفاظ تلاوت کئے {وَرُوحٌ مِنْهُ} کہ یہاں لفظ ”منہ“ استعمال ہے جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔

واقدی نے جواب دیا کہ یہاں ”من“ ابتداء غایت کیلئے استعمال ہے اور رب کی طرف نسبت تشریفی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی..... {وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ}..... میں تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ کی جزء بننا لازم آئے گا حالانکہ اس کے تم بھی قائل نہیں۔ آپ کے اس جواب پر نصرانی لا جواب ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا اس نے علامہ واقدی کو بہت زیادہ انعام سے نوازا۔ ❷

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”روح“ کہنے کی اور بھی وجوہ ہیں:

❶: ”روح“ بمعنی ”رحمت“ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَأَيَّدْنَاهُمْ بِرُوحِ مِّنْهُ} ”رب تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے تقویت پہنچائی۔“

❷: ”روح“ بمعنی ”وحی“ بھی آتا ہے یعنی حضرت مریم علیہا السلام کو الہام کے ذریعے بشارت دی۔

❸: جب کوئی چیز بہت زیادہ پاک صاف ستھری ہو تو اسے ”روح“ کہہ دیا جاتا ہے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر نطفہ

کے لفظ روح سے ہوئی اس لئے آپ کو ”روح“ سے تعبیر کر دیا گیا۔

روح کا معنی راز اور نشانی بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ﴿رُوحٌ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ كَذَا﴾ ”اس مسئلہ کا راز اس طرح ہے“ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اسلئے آپ کو ”روح اللہ“ کہا گیا ہے۔

﴿وَرُوحٌ مِنْهُ﴾ میں ”روح“ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے جس طرح تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا: ”رجل اللہ“ اللہ تعالیٰ کا مرد۔ آپ کے عصا کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ”قُضِبَ اللہ“ اللہ تعالیٰ کی شبیہ۔ ”اور شلیم“ کو کہا گیا ”بیت اللہ“ اللہ تعالیٰ کا گھر۔ ان تمام الفاظ میں اضافت تشریفی پائی گئی ہے۔ ❶

تثلیث کے قائلین:

نصاری تثلیث کے قائل ہیں۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولُوا لَنَا﴾ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر ہے یعنی قائم بذاتہ ہے کسی چیز کا محتاج نہیں کسی جہت سے خاص نہیں اس کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور وہ حوادث کو بذاتہ قبول نہیں کرتا۔ اس پر حدوث و عدم متصور نہیں وہ جو ہریت کے لحاظ پر ایک ہے اور اقنومیت کے لحاظ پر تین ہیں وہ تین اقنوم مانتے ہیں: اقنوم اب، اقنوم ابن، اقنوم روح القدس۔ پہلے اقنوم ”اب“ سے مراد ذات یا وجود لیتے ہیں دوسرے اقنوم ”ابن“ سے مراد علم یعنی کلمہ ہے اور تیسرے اقنوم ”روح القدس“ سے مراد حیات لیتے ہیں۔

اقنوم کیا ہے؟ ”الْأَقْنُومُ الشَّخْصُ الْأَصْلُ أَقَانِيمُ“ (المور) ”اقنوم“ کا معنی ”شخص“ اور ”اصل“ ہے۔

ملکانیہ کا فرقہ کا قول:

ملکانیہ یہ کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم جو ہر قدیم کا غیر ہیں اور ہر ایک ان میں سے الہ ہے۔ وہ اقنوم جس کا نام کلمہ یا علم ہے وہ مسیح کے جسم سے متحد ہے اور اس اقنوم نے مسیح کے ناسوت کا لباس پہن لیا ہے اور اس سے ایسے مل جل گیا ہے جیسے پانی شراب سے مل جاتا ہے اور کثرت وحدت سے بدل گئی یعنی مسیح جو انسان ہوئے تھے اور بحیثیت انسان ہونے کے کثرت پائی جاتی لیکن جب اقنوم علم سے اختلاط ہوا تو وحدت اتر گئی مسیح کا ناسوت کلی ہے جزئی نہیں۔ وہ قدیم ازلی ہے۔ مریم نے الہ ازلی کو جنا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مریم انسان کلی ہے یا جزئی ہے۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ لاہوت کا اتحاد مسیح سے ہے مریم

سے نہیں۔ قل اور سولی کا تعلق مسیح کے ناسوت اور لاہوت دونوں سے ہے۔ اس فرقہ نے ”اب“ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر اور ”ابن“ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا ہے۔

نسطور حکیم کا قول:

نسطور حکیم مامون کے زمانہ میں ہوا۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن اقانیم ثلاثہ (تینوں اقنوم) اس کا عین بھی نہیں اور غیر بھی نہیں۔ اقنوم علم یا کلمہ کا مسیح کے جسم سے اتحاد نہیں اور نہ ہی ایسا متزاج ہے جیسا کہ پانی کا شراب سے امتزاج ہوتا ہے بلکہ اس کو اشراقی حالت حاصل ہے جس طرح روشندان سے سورج کی شعاعیں کسی شیشے پر پڑیں تو ان کا عکس اس میں آ جاتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی تجلیات نے مسیح کو صفات الوہیت سے متصف کر دیا۔

بعض نسطوریہ کا قول:

کچھ نسطوریہ فرقہ والے اس طرف ہیں کہ تینوں اقنوموں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات سے متصف ہے جی (زندہ) ہے، ناطق ہے (صفت ادراک و کلام جو اس کی شان کے لائق ہے) اور موجود ہے۔ اسی فرقہ میں بعض نے اور صفات قدرت ارادہ وغیرہ بھی ثابت کی ہیں لیکن انہوں نے ان صفات کو مستقل اقنوم نہیں تسلیم کیا۔

نسطوریہ میں سے ایک اور فرقہ:

ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ”ابن“ ہمیشہ ”اب“ (باپ) سے متولد ہوتا ہے۔ جب بیٹا یعنی مسیح کا تولد (پیدائش) ہو تو وہ جسمانی لحاظ سے انسان ہوا اور صفت الوہیت اور صفت وحدانیت بھی اسے حاصل ہے یعنی اسے دو حیثیتیں حاصل ہیں: ایک ناسوتی اور دوسری لاہوتی۔

ناسوتی لحاظ پر وہ حادث ہے اور لاہوتی لحاظ پر وہ خدائے کامل ہے۔ ایک ذات کو مختلف دو حیثیتوں سے حادث اور قدیم ماننے سے قدیم اور حادث کے حدوث میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان لوگوں کے قول کے مطابق سولی کا تعلق ناسوتی حالت سے ہے لاہوتی سے نہیں۔ خیال رہے کہ صفت الوہیت کو لاہوتی اور صفت انسانیت کو ناسوتی حالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یعقوبیہ فرقہ:

یعقوبیہ فرقہ سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقنوم جسے ”کلمہ“ یا ”ابن“ کہا گیا ہے اس نے گوشت اور خون کی شکل اختیار کر لی اور خدا مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کے نزدیک ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ﴾ بیشک اللہ مسیح مریم ہی ہے۔

یعقوبیہ میں بعض نے کہا:

جو ہر الہ قدیم ہے اور انسان حادث ہے ان میں ایسا متراج پایا گیا ہے جیسے نفس ناطقہ کا بدن سے وہ دونوں مل کر ایک چیز بن گئے وہ مسیح بھی ہے اور وہی خدا بھی اس مذہب والے کہتے ہیں خدا انسان بن سکتا ہے لیکن انسان خدا نہیں بن سکتا جیسے کوئلہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ بن جاتا ہے لیکن آگ (شعلے) کوئلہ نہیں بنتی ان کے نزدیک لاہوت کا انسان سے اتحاد جزئی ہے کلی نہیں بے شک مریم نے خدا کو جتنا اور قتل اور سولی لاہوت اور ناسوت دونوں پر واقع ہوئے ہیں اگر ایک پر ان کا وقوع ہوتا تو اتحاد باطل ہو جاتا حالانکہ دونوں مل کر ایک جوہر بن چکے ہیں۔

بعض اور نے کہا:

”یعقوبیہ سے ہی بعض اس کے قائل ہیں کہ جس طرح فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اسی طرح خدا مسیح کی شکل میں نمودار ہوا۔“
ان میں سے کچھ اور نے کہا: ”مسیح اپنے جوہر سے متحد ہے ایک لحاظ پر قدیم ہے اور ایک لحاظ سے حادث ہے۔“
کچھ دوسرے حضرات نے کہا:

”اس یعقوبیہ فرقہ سے کچھ حضرات نے کہا: اقنوم کلمہ نے مریم سے کچھ حاصل نہیں کیا بلکہ وہ مریم کے شکم سے ایسے ہی گزر کر آگیا جیسی پرنا لہ سے پانی گزر آتا ہے۔“
بعض نے یوں کہا:

”اسی فرقہ سے کچھ حضرات یہ کہتے ہیں: کہ اقنوم کلمہ مسیح کے جسم میں داخل ہو گیا وہ نشانیاں جو پہلے اقنوم کلمہ سے ظاہر ہوتی تھیں اب وہ مسیح کے جسم سے ظاہر ہونے لگیں لیکن کبھی کبھی وہ اقنوم جسم سے جدا بھی ہو جاتا ہے اسلئے اس پر آفات و آلام کا نزول بھی ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کا رد فرمایا:

”اور یہودی بولے: عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے: مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں کی طرح بات بناتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے! کہاں اوندھے جاتے ہیں۔“
(سورۃ توبہ 10: 11)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والوں کا رد کیا اور فرمایا کہ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا

بیٹا کہنے والے اپنے منہوں سے من گھڑت باتیں بتانا کر سکتے ہیں۔

من گھڑت کہاوتیں بتانا پہلے کافروں کا دھیرہ چلا آ رہا ہے۔ یہ بھی ان کی طرح ہی ہیں، خدا ان کو برباد کرے، یہ کدھر بچکے جا رہے ہیں، ان کو سیدھی راہ نظر کیوں نہیں آتی؟

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ وَكَانَ الْمَسِيحُ يَهْيَىٰ إِسْرَآءِيلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ النَّصَارِ ۚ (سورۃ المائدہ 6:14)

”بے شک کافر ہے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا: اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر رب نے فرمادیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اور یہ اتنے بے سمجھ لوگ ہیں کہ انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بنی اسرائیل کو یہ تبلیغ فرما رہے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہی ذات ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی میرا بھی رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے۔ اگر تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک مانا تو یاد رکھو کہ تم پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دے گا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تم اس شرک کی وجہ سے ظالم ہو جاؤ گے اور یہ تمہارا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تمہیں رب تعالیٰ کی مدد سے دور کر دے گا کیونکہ تمام مشرکوں کے لئے رب تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثَلَاثٍ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورۃ المائدہ 6:14)

”بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں: کہ اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔“

اس آیت کریمہ میں تین خدا ماننے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر قرار دیا اور یہ فرمایا کہ خدا تو ایک ہے، یہ تین کیسے مان رہے ہیں؟ اگر یہ تین خداؤں کی رٹ لگاتے ہی رہے اور باز نہ آئے تو ان کو ان کے صریح کفر کی وجہ سے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ ۖ وَكَلِمَاتُهُ عَلَى الْخَلْقِ إِذْ هُوَ قَائِمٌ ۚ فَامْنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَ ۚ

”اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر نہ کہو مگر سچ، مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا، اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک

إِنْتَهُوا حُمُرَ الْكُمُ ط إِنَّمَا إِلَهُ الْوَاحِدُ ط مَبْعُثُهُ أَنْ يَكُونُ لَهُ
وَكْدٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفَى بِاللَّهِ
وَكِيلًا ﴿٣٦﴾

روح ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین
(خدا) نہ کہو باز ہو (تین ماننے سے) اپنے بھلے کو (چاہو) اللہ
تعالیٰ تو ایک ہی خدا ہے وہ اولاد سے پاک ذات ہے سب
آسمانوں اور زمین کی چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور اللہ کافی کار

ساز ہے۔“

(سورۃ النساء 3:6)

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کے عقیدہ کو غلو (حد سے متجاوز) کہا گیا ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
طرف حق کے بغیر کوئی چیز منسوب نہ کرو۔ بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت
مریم علیہا السلام کی طرف اس نے القاء کیا ہے اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرو اس کا کوئی
شریک نہیں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھو ان کو خدا نہ مان بیٹھو۔

تین خداؤں کے قائل نہ بنو تین خدا ماننے کے عقیدے سے باز آ جاؤ! اپنی بھلائی کو چاہو وہ بھلائی اسی میں ہے کہ عیسیٰ
علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو خدا نہ کہو اور خدا کا بیٹا بھی تسلیم نہ کرو اور خدا کا شریک بھی نہ ٹھہراؤ۔ معبود صرف اللہ
تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے اور کوئی معبود نہیں۔ اس کی اولاد نہ مانو وہ تو اولاد سے پاک ہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی
ملکیت ہیں، کوئی مملوک مالک کی اولاد نہیں ہوتی اور یہ ایمان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر کار ساز ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ عِندَ اللَّهِ عَابِدُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ
فَسَمِعُوا شَرَّهُمْ إِلَهُ جَمِيعًا ﴿٣٧﴾

”ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ تعالیٰ کا اور نہ
عی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس
کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی جمع کرے گا

ان سب کو اپنے ہاں۔“

(سورۃ النساء 4:6)

یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کو باعث افتخار اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جب
وہ خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے تو ان لوگوں کی عقلوں پر کیوں پردے چھا
گئے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک مان رہے ہیں اور وہ لوگ بھی کتنے عقل کے اندھے ہیں جو فرشتوں کو اللہ
تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عار محسوس کرنے والے تکبر کرنے والے میدان محشر کو یاد رکھیں کہ سب کو رب تعالیٰ نے اپنے

ہاں جمع کرنا ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۚ وَبَرِّئُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٤٦﴾ (سورة النساء: 4:6)

”تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ان کا اجر پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا۔ اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا انہیں دردناک عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔“

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ان کے ارشادات کو تسلیم کرنا اور رب تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اچھے اعمال ہی اچھے اجر کے حصول کا ذریعہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے زیادہ سے زیادہ رحمتوں سے ان کو ہی نوازتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرنا اور عار محسوس کرنا، تکبر کرنا شدید اور دردناک عذاب کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں۔ ایسے لوگوں کی شفاعت انبیائے کرام شہدائے کرام اولیاء و صلحاء بھی نہیں کریں گے تو دوسرا کون ان کی حمایت کرے گا اور کیسے ان کی امداد کا حق حاصل ہوگا؟

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٦﴾ مَا الْمَسِيءُ إِلَيْهِمْ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأَمَّا صِدْقُهُ ۖ كَانَا يَكُفِّلِينَ الطَّعَامَ ۖ أَنْظَرُ كَيْفَ نَبِيْنُ لَهُمُ الْكَلِمَاتِ ثُمَّ أَنْظَرُ أَنِّي يُؤْفِكُونُ ﴿١٤٧﴾

”تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح بن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے ہیں۔ دیکھو! تو ہم کیسے صاف نشانیاں ان کے لئے بیان کرتے ہیں پھر وہ دیکھو کیسی اوندھے جاتے ہیں۔“

(سورة المائدہ: 14:6)

یعنی وہ لوگ جو دین میں غلو سے کام لے رہے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول نہیں تسلیم کرتے انہیں چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں ہی توبہ کریں اور اس سے بخشش طلب کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ورنہ آخری دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہو گزرے ہیں پھر بھی یہ لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کیوں تسلیم نہیں کر رہے؟ حالانکہ آپ کی ماں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تصدیق کرنے والی ہے پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دیکھ بھی رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کھانا کھاتے ہیں کھانا کھانے کے محتاج حادث کبھی خدا بن سکتے ہیں۔ نہیں! نہیں! وہ کبھی خدا نہیں بن سکتے۔



سر سید احمد خان کا باطل نظریہ:

مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”قرآن کریم کی جن آیات میں ولادت مسیح کا مفصل تذکرہ ہوا ان کا آپ نے مطالعہ فرمالیا۔ آئیے اب ان لوگوں کے موقف کا علمی محاسبہ کریں جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر ماں باپ کے نہیں ہوئی، بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں۔ اس طائفہ کے سرخیل ”سر سید احمد خان“ ہیں۔ جس شرح و بسط سے انہوں نے اس پر بحث کی ہے اور اپنی طرف دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ (بدبختی اور نحوست اسلام سے بغاوت) انہی کا حصہ ہیں۔ باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چھین ہیں اس لئے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوع بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”سبح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہئے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں اس لئے ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ کی پیدائش کے لئے بلاوجہ قانون فطرت کو توڑا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہار قدرت کے لئے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بین اور ظاہر ہوتا کہ کسی کو مجال انکار نہ رہے اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امر مخفی ہے“

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لئے زیادہ مغز ماری کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا: ”لِنَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ“ کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کس اعتبار سے لوگوں کے لئے آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح کی ولادت ہوئی اس وقت شام و فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔

تخلیق عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ تھا کہ خالق سے تخلیق عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے اس طرح خالق سے عالم کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتا دیا کہ وہ ذات پاک جو خالق کائنات اور منبع ارض و سموات ہے اسی کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے۔ وہ ذات باری اسباب کی پابند نہیں اور نہ ان کے سامنے مجبور و مقہور ہے بلکہ وہ قادر و توانا ہے جو چاہتا ہے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نیز وہ لوگ عالم ارواح کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے نزدیک انسان صرف اسی گوشت پوست کے ڈھانچہ کا نام تھا۔ یہاں انسانی نطفہ کے بغیر کچھ روح سے آپ کو پیدا کر کے منکر میں عالم

ارواح پر اس بات کو آشکار کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔
اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

”کیونکہ آپ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ آپ بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہم السلام کو بھی خوشخبری دی گئی تھی اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا۔ اسلئے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔“

سبحان اللہ! کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون ان کا بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)۔ پھر جناب اور ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”مریم کے..... لَمْ يَحْضُنْ بِنِي..... کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مریم نے اظہارِ تعجب اس لئے کیا تھا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے حالانکہ بچے کی پیدائش کی بشارت تھی اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہونی تھی۔“

آپ خود انصاف فرمائیں! اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں۔ بچہ جب پیدا ہوگا جب تم شادی کر لوگی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعد فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

”آپ کا ”آيَةُ لِلنَّاسِ“ ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے کیونکہ نشانی ایسی ہونی چاہئے جو واضح اور جس کا انکار نہ کیا جاسکے یہ تو ایک امر مخفی ہے اس پر بیسیوں شبہات وارد کئے جاسکتے ہیں۔“

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرتِ خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکار ہو۔ حضرت مسیح کے کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہوگئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہو گیا کہ ایسا نورانی اور سرپائمن و برکت بچہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ باقی رہے بدفطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔

زمین و آسمان دریا و صحرا چاند و ستارے کسی چیز میں بھی ان کو رباطوں کو قدرتِ الہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیاتِ بینات کو بھی امر مخفی کہہ کر ان پر قلم تنبیخ پھیر دیں گے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے ﴿كَيْفَ نُنَكِّلُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب و غریب تشریح کر کے عقل سلیم کو درطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں نہیں کیا تھا بلکہ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گئی اور آپ یہودی علماء کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور ان کو ان کی کج رویوں پر متنبہ کرنے لگے تو علماء یہود احتجاج کرنے کے لئے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بدعتیہ کی شکایت کی۔ مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کی بجائے اس کو گود میں اٹھالائی اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا: کہ خود اسی سے بات کر لو! انہوں نے جواب دیا۔ ﴿كَيْفَ نُنَكِّلُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ہم اس شخص سے کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالم شیر خوارگی پنکھوڑے میں جمول رہا تھا۔“

آپ نے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا! کیا کہنے اس فہم قرآن کے۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انہیں کسی ایسے غلام سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے جسے بچپن میں گہوارے میں لٹایا گیا ہو۔ ان مدعیان علم و دانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضب الہی کا اندیشہ نہ سہی کیا انہیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں؟ نیز وہ نوخیز جس نے محفل عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناطقہ بند کر دیا اور انہیں برسر عام جواب دیا۔ اس کے متعلق یہ تو کہتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہوگا۔ اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ یہ کل کا بچہ ہے اور عرصہ تک جمولے میں جمولتا رہا ہے اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ ❶

اگر یہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ سرسید احمد خان کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کی جائے وہ بھی تو کل تک پنکھوڑے میں جمولتے رہے ہیں کیونکہ وہ یہ تو ثابت نہیں کر سکتے کہ اپنے زعم میں بڑے عالم بن کر اس دنیا میں تشریف لائے انہیں حکیم مادر میں رہنے اور پھر ماں کا محتاج ہونے اور جمولے میں جمولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔

سبحان اللہ! لوگوں کی نظر میں بڑا محقق قرآن سے کتنا دور اور عقل سے کتنا خالی ہے کہ جس نے یہ بھی نہ سمجھا کہ کیسی دلیل دے رہا ہوں نیز یہ بھی خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے یوسف نجار کی طرف یہود نے منسوب کیا:

”یہود نے آپ کی والدہ کو یوسف نجار سے متہم کیا۔“

”وَالْيَهُودُ تُلْقِيْنَ اُمَّةً بِيُوسُفَ نَجَّارٍ“ ❷

یہود اور سرسید احمد خان میں فرق صرف اتنا ہے کہ یہود نے حضرت مریم کو معاذ اللہ زانیہ قرار دیا اور سرسید نے مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے ”یوسف نجار“ کی منکوحہ قرار دیا۔ اصل نظریہ دونوں کا ایک ہے۔

سر سید احمد خان کے اسلام کے خلاف اور نظریات کسی نے معلوم کرنے ہوں تو تفسیر حقانی کے مقدمہ کا مطالعہ کرے۔ (راقم) نیز وہ یہ کہتے ہیں:

”نہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور نہ حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی۔ اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ نہ کہتے {اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ} بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکارہ نہیں، تم محض افتراء باندھ رہے ہو۔“

اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں بلکہ (سورۃ مریم کی) آیت نمبر 27 اور 28 کا ترجمہ دیکھیں:

”اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدچلن تھی۔“

یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد اپنے دل سے پوچھیں کیا یہ بہتان زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا: {اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ}..... الخ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی موثر اور اغلب صورت ہو سکتی ہے۔ الہی! اپنے محبوب مکرّم صاحب قرآن ﷺ کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما۔ آمین ثم آمین ❶

عیسائیوں کا من گھڑت عقیدہ:

عقیدہ تثلیث کی حقیقت کیا ہے؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآن حکیم کی ان آیات (جن میں تثلیث، اٰہیٰ، الوہیٰ عیسیٰ کا رد کیا گیا ہے) کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علی وجہ البصیرت مسیح عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ آئیے! نہایت صبر و سکون کے ساتھ اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس امور کی تحقیق کریں۔

اس وقت میرے پیش نظر بائبل کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ 1962) ہے جو دنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کادشوں کا مجموعہ ہے اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے، مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ یہ ناظرین ہیں:

مسیحیت (Christianity) کے موضوع پر جارج ولیم ٹاکس (G.W.knox) اور سڈنی ہر بڑٹ میلون

(S.H. Mellone) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وہ رقم طراز ہیں:

”مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت پہچانا جائے۔“ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۵ ص ۶۳۲)

اس خیال کی تائید میں انہوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات ۳۰-۳۱ کا حوالہ دیا ہے:

”کیا وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہودہ اور شمعون کا بھائی ہے؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں؟ پس انہوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔“

یوحنا کی یہ آیت بھی زیر نظر رہے:

”پھر ان دونوں کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔“ (۴۴:۴-۵)

لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے:

”مگر مجھے آج کل اور پرسوں اپنی راہ چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو۔“ (۲۳:۱۳)

انا جیل کی ان آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلویا اور اپنی نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔ اب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابیت (خدا کا بیٹا ہونا) کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

”باپ‘ بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحات کو یہودی ذرائع نے مہیا کیا۔ یسوع نے شاؤ و نادری آخری اصطلاح استعمال کی ہے۔ سینٹ پال کے متعلق یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے استعمال کیا تثلیث کا مواد یہودی ہے جسے یونانی فلسفہ کے اثر و رسوخ نے اس قلب میں ڈھالا ہے۔“ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۵ ص ۶۳۲)

دین مسیح کی تاریخ مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب و غریب اور انوکھی ہے وہ یہ ہے کہ اس دین کے بنیادی عقائد وہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں اور یہ کونسلیں اس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے انحراف کریں تو وہ انہیں مرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کی کونسلوں کی داستان بڑی عجیب اور دلچسپ ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی الہیت (خدا کا بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا؟ اس کے متعلق بھی انسان کو پھڑپھڑانے والے حوالے سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں:

قسطنطنیہ کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کئے جاتے تھے اور حکومت روم کی نگاہوں میں بھی یہ محبوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھلتا رہا اور تقویت پکڑتا رہا۔ قسطنطنیہ جب رومن ایمپائر کا فرمانبردار بنا تو اس نے ۳۱۳ء میں میلان کے فرمان شاهی کے ذریعے مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنے سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایات خسروانہ کی بارش شروع کر دی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرے اور ۳۳۷ء میں جب وہ بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اسے ہسمہ دیا گیا۔

یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور قسطنطنیہ کے سرپرستی میں ان میں کیا قطع و برید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخ کلیسا (Church History) کے عنوان پر چارمسکی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اقتباس پیش خدمت ہے:

تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کو کلام الہی (logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں ایریس (Arius) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے لوگوں کی طرف توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا نیکیا (Nicaea) کونسل جو ۳۲۳ء میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جسے باضابطہ طور پر مرتب کرنے کے بعد (Necene Creed) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ تک جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اس عقیدے کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح القدس کی الوہیت بھی تسلیم کر لی گئی۔

نیکیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جز و لا ینفک (نہ جدا ہونے والا حصہ) بنا دیا بیٹے کی الوہیت کی مظہر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی تجدید کی پیدا ہو گئی۔ جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع (جھگڑنے کی وجہ) بنی رہی۔ وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈون (Chalcedon) کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی احتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے مسیح دونوں مشیتوں کا مالک ہے۔

مغربی کلیسا نے میقیا اور کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیتوں (خدائی اور انسانی) کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ مان لیا۔ ❶

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ تثلیث و ابہیت کے عقائد خدا اور اس کی نبی کے بتائے ہوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انہیں گھڑا اور عیسائیوں کے لئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بارہا علماء اہل کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کا اتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا لیکن یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ میقیا کی کونسل میں مسیح کی الوہیت کا جو افتراء باندھا گیا اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشارت (پادری) اس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے کہ قسطنطنین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکون نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس طرح قسطنطنین نے جس خیال سے اس کی حمایت شروع کی تھی وہ خواب پریشان ہونے لگا۔ چنانچہ اس داخلی انتشار کو دور کرنے کے لئے اس نے میقیا میں تمام عیسائی علماء کونسل طلب کی جس کے اجلاس 20 مئی سے 25 جولائی 323ء تک جاری رہے۔ سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ یسوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطنین تھا۔ اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گروہ سے ادا کئے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور اس کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ ❷

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی۔ اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنئے:

”یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے یحیٰ کی کونسل میں سکندر یہ کے عقیدے کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رو پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دہاؤ تھا کہ ثبوت

کے لئے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ آئرس (Arius) کے خلاف یہ فیصلہ پورے غور و فکر کے بعد کامل ایمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے آئرس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت میں ہے کہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اسی کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور کے اعیان حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آراء قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کار فرما تھا۔“

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ یقیناً کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے:

”اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کی راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں۔ نیقیہ کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پر خار تھا۔“ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۱۶ ص ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اب ان آیات (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) {لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا..... الخ} کو غور سے پڑھو! آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپکی چشم خرد کو روشن کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ (مائدہ) کی آیت ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مُہْتَمِنًا عَلَيْهِ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے اس کی صداقت آشکار ہو جائے گی۔

خدارا! بتائیے کیا اس دین کو دین الہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صد ہا سال بعد خود وضع کئے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا اس کے بعد مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ ❶

رب تعالیٰ کے استفسار پر عیسیٰ علیہ السلام کو جواب:

وَكَذَٰلِكَ قَالَ اللَّهُ يَحْيَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ط قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَمْ يَلْنِي بِحَقِّ ط إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا

”اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ عرض کرے گا: پاکی ہے تجھے مجھے جائز نہیں کے

فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٦٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦٧﴾ إِنَّ تَعَذُّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٨﴾

وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا تو خوب جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی ہے سب شیوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا

(سورۃ المائدہ 6:7)

اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔“

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمائے گا اور آپ یہ جواب دیں گے اس سوال و جواب کا مقصد کفار کو خاموش کرانا ان کو زجر و توبیح کرنا ہوگا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے خدا مانتے رہے جب یہ خود اپنے عہد (بندہ) ہونے کا اقرار کرتے رہے اور تمہیں یہ حکم دیتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں صرف اسی کی عبادت کرو۔

اگرچہ ایک احتمال یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ یہ سوال آپ سے دنیا میں تھا جب آپ نے تینوں سوالوں کے جواب درست دے دیئے یعنی آپ نے اپنی الوہیت کی نفی والدہ کی الوہیت کی نفی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا اقرار کیا تو ان تینوں سوالوں کے درست جواب دینے پر آپ نے تین رکعات نماز بطور شکر ادا کی۔ چونکہ یہ سوال و جواب مغرب کے وقت تھے اسلئے اس کے بعد مغرب کی تین رکعات شروع ہیں تاہم یہ قول کوئی خاص معتبر نہیں کیونکہ ان آیات کے بعد آنے والی آیات سے یہی سمجھ آ رہا ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہوں گے۔

اعتراض:

عیسائیوں کی عام تاریخ سے یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے حضرت مریم کو بھی خدا تسلیم کیا ہو تو اس سوال کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ تعالیٰ کے سوا۔

جواب:

اگرچہ عیسائیوں کے مشہور مذاہب وہی ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے لیکن ان کے بہت سے مذاہب تھے۔ ان میں

یقیناً ایک فرقہ وہ بھی ہوگا جو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم دونوں کو خدا مانتا ہوگا۔

”اِنَّهُ يَحْضِلُ اَنْ يَكُوْنَ فِيْهِمْ مَنْ قَالَ بِذٰلِكَ“ ”یہ قوی احتمال ہے کہ ان میں فرقہ ایسا بھی تھا جو اس کا قائل تھا۔“

نیز ابو جعفر نے بعض نصاریٰ سے قول ذکر کیا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے کہ پہلے عیسائیوں میں ایک گروہ تھا:

”يُقَالُ لَهُمُ الْمَرْيَمِيَّةُ يَعْتَقِدُوْنَ فِيْ مَرْيَمَ اَنَّهَا اِلٰهًا“ ”جن کو مریم یہ کہا جاتا تھا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مریم بھی خدا ہیں۔“

یہ فرقہ ایسا ہی تھا جس طرح یہود کہتے تھے:

”اِنَّ عَزْرًا مِنْ اِهْلِ اللّٰهِ عَزَّاسَةُ وَكِالَةُ“ ”پیشک عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور خدا بھی ہے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس کے کئی اور جواب بھی دیئے ہیں لیکن اسی جواب کے متعلق یہ کہا ہے ”وَهُوَ اَوْلٰى الْاَوْجُه“ ”جواب کی تمام وجوہ سے میرے نزدیک یہی وجہ بہتر ہے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ذکر فرمایا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ان میں ایسا کوئی مذہب نہ ہو۔“

”وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْمُرَادَ اَنَّهَا لَمْ يَكُنْ فِي الْاِسْمِ عَلَالٌ وَجْهٌ اَنَّ النَّصَارَى يَعْتَقِدُوْنَ اَنَّ الْمُعْجَزَاتِ الَّتِي ظَهَرَتْ عَلَى يَدَيِ عِيسَى وَآلِهِ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَخْلُقْهَا اِلَّا تَعَالٰى بَلْ هُمَا عَلَقَتُهُمَا“ ”بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو دو مستقل خدا سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو معجزات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کے ہاتھوں سرزد ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے نہ پیدا کئے اور نہ ہی اس نے عطا کئے ہیں بلکہ ان دونوں نے وہ خود ہی پیدا کئے ہیں۔“

(روح المعانی، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 65)

حضرت مریم کا خدا ہونا زیادہ مشہور اس لئے نہ ہوسکا کہ بعض چیزوں میں تو ان کو مستقل خدا مانتے تھے اور بعض میں انہیں مستقل خدا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کا یہی عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا لیکن آپ الوہیت میں زیادہ مشہور ہوئے کیونکہ تثلیث اور ابیت الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے بہت سے گروہ تھے لیکن حضرت مریم کو خدا ماننے والا صرف ایک گروہ تھا جنہوں نے اپنے عقیدہ کو حضرت مریم کی طرف منسوب کیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو ”مریمہ“ کہلاتے ہیں۔

”فَصَدَّ عَنْهُمْ اَتَّخَذُوْهُمَا فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْاَسْمَاءِ الَّتِيْ هِيَ مُسْتَعْلَمَةٌ“ ”صحیح یہ ہی ہے کہ نصاریٰ نے بعض چیزوں میں تو دونوں یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مستقل خدا مانا اور بعض چیزوں میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مستقل خدا نہیں مانا۔“

فائدہ: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ“ کا ترجمہ کیا ہے تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے یعنی لفظ ”نفس“ کی نسبت جب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تو اس کا معنی کیا ہے

”میرے جی میں“ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے تو معنی کیا ہے ”جو تیرے علم میں ہے۔“

اسلئے کہ اس میں علماء و محققین کے کئی اقوال ہیں کہ ”نفس“ کا معنی ذات لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح لفظ ”فی“ ذکر ہو تو معنی ہوگا کہ ”تو جانتا ہے جو میرے نفس (جی دل) میں منقش ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ جو تیرے جی میں منقش ہیں“ یہ معنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں بعض حضرات نے اس کی توجیہ میں یہی بیان کیا ہے:

”الْمُرَادُ اَعْلَمُ مَعْلُومَاتِكَ فَعَبَّرَ عَنْهُ بِلَا اَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ“ ”عیسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری معلومات کو نہیں جانتا یعنی میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ البتہ ”لا اعلم معلوماتك“ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ”لا اعلم ما فی نفسك“ ذکر کر دیا گیا ہے۔“ ①

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ:

عیسیٰ علیہ السلام کا مقام کیا ہے؟ آپ علیہ السلام کو کیا تسلیم کیا جائے؟ اس کا جواب واضح طور پر عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی یہود کو دیا تھا: جب انہوں نے آپ کی والدہ پر معاذ اللہ بدکارہ ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ آپ نے شیر خوارگی میں ارشاد فرمایا:

”بچہ نے (شیر خوارگی میں) کہا: میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا اور اسی لئے مجھے مبارک کیا میں کہیں بھی ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک زندہ ہوں اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے زبردست بد بخت نہیں بنایا اور وہی سلامتی (جو حضرت یحییٰ پر ہوئی) مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن میں اٹھایا جاؤں۔“

(سورۃ مریم 5:16)

حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہیں خدا نہیں۔ خدا کے شریک نہیں خدا کا بیٹا نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ہیں عام انسان نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب انجیل عطا فرمائی آپ کو برکت والا بنایا۔ یہ برکت آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی ہے۔ آپ کو والدہ کا فرمانبردار بنایا جو شخص پیدا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو روح القدس کی تائید حاصل ہے۔ آپ کا لقب ”روح اللہ“ کلمۃ اللہ ہے۔

آپ کو زعمہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے۔ قرب قیامت میں آپ دنیا میں تشریف لائیں گے شادی کریں گے آپ کی اولاد ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی شریعت پر عمل کرائیں گے جزیہ ختم کر دیں گے لیکن وہ بھی شریعت مصطفویٰ ﷺ کا حصہ ہوگا کیونکہ جزیہ لینے کا وقت وہاں تک ہی ہوگا جیسے موکفۃ القلوب کا حصہ زکوٰۃ میں ایک وقت تک تھا پھر ختم کر دیا گیا۔ آپ دجال کو قتل کر دیں گے آپ کا نزول امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا پھر آپ کی وفات ہوگی۔ حضور ﷺ کے ساتھ روضہ منورہ میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے اسی عقیدہ حقہ پر قائم رکھے۔

(آمین ثم آمین)



سید الانس والجان

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

خیال رہے کہ مقصد صرف دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو قلمبند کرنا تھا کیونکہ عام طور پر طلبائے کرام اور عوام الناس ”قصص الانبیاء“ نامی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں کئی ضعیف واقعات انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں باعث تنقیص بھی ہیں اور ان کے پڑھنے سے ایمان میں تزلزل بھی آتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا مختصر تذکرہ صرف تبرک کے طور پر پیش نظر کرنا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے ذکر بغیر کتاب کسی طرح بھی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک کے واقعات اور آپ کے اوصاف کا علم حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ”مدارج النبوة“ کا مطالعہ کیا جائے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بہت سے واقعات کا علم حاصل ہوگا اور سکون قلب ہوگا۔

نیز مفسر قرآن مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی قدس سرہ کی ”ضیاء النبی“ کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی ضیاء سے آپ کے دلوں میں اور معرفت حاصل ہوگی ایمان میں پختگی حاصل ہوگی۔

خیال رہے کہ کچھ لوگوں نے ”سیرۃ النبی ﷺ“ کے نام سے کتابیں لکھ کر آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے ایمان کو ضائع نہ کریں۔ ”سیرۃ النبی“ کے نام سے لکھی ہوئی کتابوں کو بھی دیکھیں اور ان کے مقابل ”مدارج النبوة“ اور ”ضیاء النبی“ کو بھی پڑھیں۔ خود بخود نمایاں فرق نظر آئے گا کہ کن حضرات نے عشق رسول، محبت رسول میں ڈوب کر علم و عرفان کے سمندر سے موتی نکال کر پیش کئے اور کن لوگوں نے زہر پر مٹھائی چڑھا کر لوگوں کے ایمان کو قتل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

ہاں! بات صرف قسمت کی ہے کسی کی قسمت میں رب تعالیٰ نے یہ عظمت عطا فرمائی ہے کہ وہ رات نبی کریم ﷺ کے فضائل و کمالات کو تلاش کرتا رہتا ہے اسی میں اس کی عمر بیت جاتی ہے۔ اور کچھ کم بختوں کی عمر اس میں گزر جاتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نقص تلاش کرتے رہتے ہیں۔ فضائل پر مشتمل احادیث اور اقوال علماء و صلحاء ان کی عقلوں میں انہیں ضعیف نظر

آتے ہیں اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات جو عجز و انکساری پر مشتمل ہیں وہ انہیں حقیقت نظر آتے ہیں۔ سیدھے سادے لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ ”ہم بھی نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ حدیث ضعیف ہے یہ واقعہ درست نہیں“ اس طرح کے گمراہ کن جھگڑے ان کا وطیرہ ہے۔ ”الامان والحفیظ“

تخلیق اول نور محمدی ﷺ :

”قَدَوَىٰ عَهْدُ الرَّزَاقِ بِسَدِيمٍ عَنْ جَاهِرِ بْنِ عَهْدِ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَاهِي أَنْتَ وَأَمْسِي أَخْبِرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ قَالَ يَا جَاهِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ فَجَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ يَدُورُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا فَرْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ“

”عبدالرزاق بسدیم نے اپنی سند سے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے یہ خبر دیجئے کہ تمام چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسے پیدا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر رضی اللہ عنہ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں بھی اسے منظور تھا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم اور نہ جنت اور نہ دوزخ اور نہ فرشتے اور نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ سورج اور نہ چاند اور نہ جن اور نہ انسان تھے۔“

(زرقاتی ج 1 ص 49..... انوار محمدیہ ص 13 مواہب)

خیال رہے کہ یہ حدیث مولوی اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب ”نشر الطیب“ میں بھی نقل کی ہے۔

”عَنِ الْعُرْبَاخِ بْنِ سَارِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ أَمْرًا لَمْ يُجْعَلْ فِي طَائِفَتِهِ“

”حضرت عرباخش بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خمیر میں تھے۔“

مولوی اشرف تھانوی صاحب دیوبندی اپنی کتاب ”نشر الطیب“ میں بیان کرتے ہیں کہ اسے احمد بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث شرح السنہ سے مذکور ہے۔ اس حدیث پاک کی وضاحت میں استاذ المکرم حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”اس حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کا تحقیقاً آدم علیہ السلام سے قبل نبی ہونا بھی ثابت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہونا بھی ثابت موجود ہونا بھی ثابت اور آپ کی حقیقت کا نور ہونا بھی ثابت کیونکہ بشروں کا

شرح السنہ مشکوٰۃ باب فاعمال سید المرسلین ص 513..... مواہب مع زرقاتی ص 39

باپ بعد میں پیدا کیا جا رہا ہے اور آپ کی حقیقت پہلے ہی موجود و متحقق تھی اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی۔“

اس مقام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے بیان کردہ نکتہ اور ایک توہم کا ازالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں:

’اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ سو اس لئے آپ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا۔ جواب یہ ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص؟ تقدیر تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کے وجود سے مقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت ہے فرع ہے ثبوت لہ کے ثبوت کی۔ پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہیں تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔“

اس سوال و جواب نے واضح کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت محض علم الہی کے لحاظ سے نہیں تھی بلکہ خارج اور واقع میں آپ کا نور اور روح اقدس اور حقیقت محمدیہ اس کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی اور یہی ہمارا نظریہ و عقیدہ ہے کہ بشریت کے لحاظ سے اولادِ آدم بھی ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے اصل موجودات ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی اس لحاظ سے آپ بنیاد ہیں۔

یہی تھانوی صاحب ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: سوال یہ ہے جب انبیاء موجود تھے تو ان کے خاتم کا موجود ہونا بھی متصور ہو سکتا تھا۔ جب ان کا بلکہ ان کے والد اور معدن و اصل کا وجود نہیں تھا آپ خاتم النبیین کس طرح ہو گئے؟ تھانوی صاحب کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں:

’اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا؟ یہ وصف تو خود تاخیر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے مرتبہ نبوت میں نہیں۔ جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہد مل جائے تو تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں بھیجنے کے بعد۔“

یعنی جس طرح اس تحصیلدار کے منصب کا لوگوں کو علم اس وقت ہو گا جب وہ تحصیل میں جا کر چارج سنبھالے گا۔ اس وقت معلوم کریں گے کہ یہ ہمارے تحصیلدار صاحب ہیں حالانکہ سرکار کے نزدیک خاتم النبیین کے مرتبہ پر اس وقت فائز ہو چکے تھے جب آدم علیہ السلام ہنوز عالمِ آب و گل میں تھے اگرچہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب آپ کا ظہور ہوا۔ الغرض ظہور اگرچہ بعد

میں ہوا لیکن وجود پہلے تھا اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقتِ نوریہ کے لحاظ سے آپ اصل موجودات اور بنیادِ آدم علیہ السلام ہیں، اگرچہ ظہور اور نشاۃِ دنیویہ کے لحاظ سے اولادِ آدم ہیں۔ ①

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَتَى وَجَّهْتَ لَكَ النَّبُوَّةَ؟ قَالَ: وَأَدْعُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ان کے جسم میں جب جان بھی نہیں آئی تھی، میں اس وقت بھی نبی تھا۔“

(ترمذی، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین، ج 2، ص 513.....
زرقاتی، ج 1، ص 34)

اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ”حسن“ کہا ہے اور ایسے ہی الفاظ سے میسرہ ضعی کی روایت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی ”مسند“ میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”تاریخ“ میں اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے ”حلیہ“ میں اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصریح کی ہے۔

صحابہ کرام کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہیں۔ پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب وہ اس طرح سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ معلوم ہوا ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے اعلان نبوت و رسالت کب فرمایا؟ بلکہ پوچھا ہے.....

”مَتَى وَجَّهْتَ لَكَ النَّبُوَّةَ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ“

”آپ کے لئے یا رسول اللہ ﷺ نبوت کس وقت سے ثابت ہے؟“

اور نبی کریم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب باپ آدم علیہ السلام کی روح ابھی ان کے جسم میں پھونکی نہیں گئی تھی۔ صحابہ کرام کے اس نظریہ و عقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا۔ واقعی! میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا، بلکہ اس وقت یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی۔

اس روایت کو ترمذی شریف میں نقل کیا گیا ہے اور ترمذی شریف حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس کے متعلق محدثین نے فرمایا جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ رب تعالیٰ کا رسول ﷺ میرے گھر میں موجود اور تشریف فرما ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”موضوع“ اور ”من گھڑت“ بھی نہیں کہا اور ”ضعیف“ بھی نہیں کہا، بلکہ انہوں نے اس کو

تذویر الابصار، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی، ص 19، مطبوعہ اہل السنۃ پہلی کیشنز دینہ، ضلع جہلم

”حسن“ کہا ہے۔ اصول حدیث میں یہ واضح ہے کہ حسن حدیث حجت و دلیل اور سند ہو سکتی ہے۔

اور پھر اشرف علی تھانوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ میسرہ ضعی کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں گویا یہ روایت دو صحابیوں سے مروی ہوئی۔ اس طرح کل چار صحابیوں (حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری، حضرت عریاض بن ساریہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت میسرہ ضعی رضی اللہ عنہم) کی شہادت اور گواہی اب تک آچکی ہے کہ آنحضرت ﷺ ”نور“ ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے پہلے نبوت و رسالت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے جو اہل سنت کے چوتھے امام ہیں اور امام ابو حنیفہ امام ابو مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے بعد ان کا درجہ ہے۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اپنی ”تاریخ“ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ابو نعیم نے اس کو ”حلیہ“ میں نقل کیا اور حاکم جیسے محدث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حاکم رحمہ اللہ وہ محدث ہیں جس نے بخاری رحمہ اللہ و مسلم رحمہ اللہ سے روئے جانے والی صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور اس کتاب کا نام ”مستدرک“ رکھا ہے۔ ①

نبی کریم ﷺ کا نور و بشر ہونا:

قاضی عیاض رحمہ اللہ اسی مسئلہ پر دلیل قائم فرماتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن نوری ہے“:

”كَمَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي يَعْينِي فِيمَا يَدُلُّ“ جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ کا باطن ملکی (فرشتوں کی طرح نورانی) ہے اور آپ کا ظاہر بشری ہے۔“

قاضی شہاب خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَكَذَلِكَ سَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ دُونَ قُلُوبِهِمْ كَمَا وَدَّ مُصَرِّحَاهُ فِي حَدِيثِ الْبُخَارِيِّ“

”اسی طرح دوسرے تمام انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں جس طرح بخاری کی حدیث میں صراحۃً ذکر ہے۔“

یعنی تمام انبیائے کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا ظاہر بشر اور باطن نور ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کا نور نور من نور اللہ ہے اور تمام کائنات کے لئے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے یعنی آپ کا نور تمام انبیائے کرام کی نورانیت کا بھی اصل ہے۔

① تنویر الابصار فی شرح الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص 22 ”مطبوعہ اہل السنۃ ونبلی کیشنز وینہ“ ضلع جہلم

”وَهَذَا لِكَيْلَ عَلَى أَنْ ظَاهِرُهُ كَلِمَةُ بَشَرِي وَبَاطِنُهُ مَلِكِي“
 ”آپ ﷺ کا ارشاد گرامی کہ ”میری آنکھیں سوتی ہیں دل
 بیدار ہوتا ہے“ یہ دلیل ہے اس پر کہ آپ کا ظاہر بشری ہے اور
 باطن ملکی نورانی ہے۔ اسی وجہ سے محدثین کرام فقہاء عظام نے
 اتفاقاً طور پر ارشاد فرمایا کہ بے شک آپ کی نیند سے آپ کا
 وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی نیند پر آپ کے کسی امتی کی نیند
 کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یعنی صحابہ کرام اولیائے کرام اور امت
 (نیم الریاض علامہ خفاجی رحمہ اللہ ج 3 ص 545)

کے کسی فرد کو بھی یہ مقام حاصل نہیں۔ اگر کسی صحابی یا ولی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ اس کی نیند سے اس پر وضو نہیں ٹوٹتا تھا یہ اس کا وہم
 ہوگا غلط سوچ ہوگی اس شخص کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔“

خیال رہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نیند سے ان کے وضو نہیں ٹوٹتے
 تھے۔ میں نے ”نور الایضاح“ کے عربی حاشیہ ”ذریعة النجاح“ میں بفضلہ تعالیٰ اسے ذکر کیا ہے جبکہ ”ہدایہ“ تک تمام فقہی
 کتب کے محشی حضرات اسے ذکر نہ کر سکے یادیدہ دانستہ ذکر نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ کا جاننے کے بعد وضو کرتے تھے۔ آپ کا یہ وضو کرنا وجوبی طور پر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ مستحب سمجھ کر آپ
 وضو کرتے یا تعلیم امت کے لئے یا آپ کو چونکہ معلوم ہوتا تھا کہ سوتے ہوئے کوئی چیز وضو کے خلاف سرزد ہوئی ہے۔ اسلئے آپ
 کبھی کبھی اپنے علم کے مطابق وضو ٹوٹنے کی وجہ سے وضو کرتے ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت کا ثبوت قرآن پاک سے:

”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“
 ”بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور
 روشن کتاب۔“
 (سورۃ المائدہ 6:7)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین قول ملتے ہیں:

- ① ایک ”عام مفسرین“ کا جنہوں نے ”نور“ سے مراد ”نبی کریم“ اور ”کتاب مبین“ سے مراد ”قرآن پاک“ لیا ہے۔
- ② دوسرا قول ”معزلہ“ کا ہے جنہوں نے ”نور“ اور ”کتاب مبین“ سے مراد ”قرآن پاک“ لیا۔
- ③ تیسرا قول محققین کا ہے جیسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ انہوں نے ”نور“ اور ”کتاب مبین“ دونوں سے ہی
 مراد ”نبی کریم ﷺ“ لئے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”{قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ عَظِيمٌ وَهُوَ نُورُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمُخْتَارُ مُحَمَّدٌ}“ نور سے مراد نور عظیم ہے جو سب نوروں کا نور ہے یعنی تمام نوروں کا اصل ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔“

”وَالِیٰ هٰذَا فَهَبْ قَتَادَةَ وَاخْتَارَةَ الرَّجَاءِ“

”ابو علی جبائی نے کہا ہے: ”نور“ سے مراد بھی قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت و یقین کے راستوں کو ظاہر کرنے والا ہے اور منکشف کرنے والا ہے۔ اس لئے اسے ”نور“ کہا گیا ہے۔ زخشری نے بھی اسی قول پر اقتصار کیا ہے۔ اس قول پر بظاہر

”وَقَالَ أَبُو عَلِيٍّ الْجَبَائِيُّ عَنِ ابْنِ تَوْبَرٍ الْقُرْآنُ لِكَشْفِهِ وَإِظْهَارِهِ طُرُقِ الْهُدَى وَالْيَقِينِ وَاقْتَصَرَ عَلَى ذٰلِكَ زَمَخْشَرِيُّ وَعَلَيْهِ فَالْعُطْفُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَكِتَابٌ مُّبِينٌ لِتَنْزِيلِ الْمُغَايِرَةِ بِالْعُنْوَانِ مَنْزِلَةَ الْمُغَايِرَةِ بِالذَّاتِ“

ایک اعتراض تھا کہ عطف مغائرت کے لئے آتا ہے جب معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے مراد قرآن پاک ہے لیکن دو نام علیحدہ علیحدہ ذکر کئے گئے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ عنوان کی وجہ سے جو مغائرت پائی گئی ہے وہ مغائرت ذاتی کے درجے میں ہے۔“

”وَأَمَّا عَلَى الْاَوَّلِ فَهُوَ ظَاهِرٌ“ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے جس میں ”نور“ سے مراد ”نبی کریم ﷺ“ ہیں اور ”کتاب

مبین“ سے مراد ”قرآن پاک“ ہے۔

”وَقَالَ الطَّوْبِيُّ اِنَّهُ اَوْفَى لِتَكْرِيرِ قَوْلِهِ سُبْحَانَهُ قَدْ جَاءَكُمْ“ علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہی لینا بغیر عطف فعلیق بہ اولا وصف الرسول والقائى وصف الکتاب“ زیادہ مناسب ہے کیونکہ پہلے {قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا} ذکر کیا گیا ہے اور پھر بغیر حرف عطف کے {قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ الْكِتَابُ}

”نور“ ذکر کیا گیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں سے ایک ہی ذات ہے۔ اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَا يَبْعَدُ عِنْدِي اَنْ يُرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ ﷺ وَالْعُطْفُ عَلَيْهِ كَالْعُطْفِ عَلَى مَا قَالَهُ الْجَبَائِيُّ وَلَا شَكَّ فِي صِحَّةِ اِطْلَاقِ كُلِّ عَلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“

(روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ج 4 ص 97)

میرے نزدیک یہ کوئی بعید بات نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ عطف مغائرت کے لئے آتا ہے معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے مراد ایک ذات کیسے؟ تو اس کا ہم بھی وہی جواب دیں گے جو جبائی نے دیا ہے کہ عنوان کی مغائرت کو مغائرت کے درجے میں رکھ کر عطف کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق نبی کریم ﷺ پر صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ پر دونوں کا اطلاق کیسے صحیح ہے؟ اس کا جواب ملا علی قاری رحمہ اللہ کے ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”اَبَى مَانِعٍ مِّنْ اَنْ يُجْعَلَ النَّعْتَانِ لِلرَّسُولِ ﷺ فَانَّهُ نُوْرٌ عَظِيْمٌ لِّكَمَالِ ظُهُوْرِهِ بَيْنَ الْاَنْوَارِ وَكِتَابٌ مَّبِيْنٌ حَيْثُ اَنَّكَ جَامِعٌ لِجَمِيْعِ الْاَسْرَارِ وَمُظْهِرٌ لِلْاَحْكَامِ وَالْاَحْوَالِ وَالْاَعْبَارِ“

”نور اور کتاب مبین دونوں صفتیں رسول اللہ ﷺ کی بنانے میں کون سا مانع موجود ہے؟ یعنی کوئی مانع نہیں کیونکہ آپ نور عظیم ہیں اسلئے کہ سب نوروں سے آپ کا نور زیادہ ظاہر ہے۔ اور آپ کتاب مبین (روشن کتاب) ہیں کیونکہ آپ تمام اسرار کے جامع ہونے کی وجہ سے کتاب ہیں اور تمام احکام احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے کی وجہ سے مبین ہیں۔“

(شرح شفا علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 42)

تنبیہ: مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ آیت کریمہ میں ”نور“ سے مراد ”قرآن پاک“ ابوعلی جبائی اور زنجیری نے لیا ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ معتزلہ کے رئیس ہیں۔ عام اہل علم کا قول یہ ہے کہ نور سے مراد ”نبی کریم ﷺ“ ہیں اور ”کتاب مبین“ سے مراد ”قرآن پاک“ اور محققین حضرات نے دونوں سے ”نبی کریم ﷺ“ لیا ہے۔

اعتراض: سب سے پہلے تخلیق قلم کی ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کے نور کی کیونکہ قلم کے اول الخلوقات ہونے والی حدیث صحیح ہے ”اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ“ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے نور کی تخلیق سب سے پہلے ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ صحیح کے مقابل ضعیف کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو ہم یہ ضابطہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ضعیف کو مطلقاً چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ قانون یہ ہے کہ دلیل قطعی اور ظنی کا جب تعارض آجائے تو ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی جائے۔ اگر ان میں تطبیق ثابت ہو جائے تو بہتر ورنہ ظنی کو چھوڑ دیا جائے۔ قرآن پاک میں ہے:

فَاذْكُرْهُ فَاَمَّا تَسْمُرُ مِنَ الْقُرْآنِ ﴿سورة حمل 14:29﴾ ”قرآن پاک جہاں سے بھی آسان ہو پڑھو۔“

اس آیت سے نماز میں قرآن پاک کا مطلقاً (کسی سورت سے بھی ہو جہاں سے بھی انسان پڑھنا چاہے پڑھ لے) پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے لیکن حدیث پاک میں ہے: ”لَا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“ جس کا ظاہری معنی ہے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ قرآن پاک کی آیت قطعی الدلالت ہے اور حدیث پاک جو خبر واحد ہے ظنی الدلالت ہے لیکن حدیث پاک کو مطلقاً چھوڑ دینے کا قول باطل ہوگا بلکہ اہل علم نے اس میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ قرآن پاک سے فاتحہ کا پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے اور حدیث پاک سے وجوب۔ اب حدیث پاک {لَا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ} کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز کامل نہیں۔ نفی کمال کی ہوگی مطلقاً وجود کی نہیں جیسے {لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ} کا ترجمہ بھی یہی ہوگا کہ جو شخص امانت کا پاس نہیں کرتا اس کا ایمان کامل نہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قلم کی تخلیق کی اولیت اضافی ہے اور نبی کریم ﷺ کے نور کی تخلیق میں اولیت حقیقی ہے۔ یہی قول اہل علم، محققین اور کامل ایمان والوں کا ہے۔ ہاں! البتہ جن کا ایمان ضعیف ہے وہ نبی کریم ﷺ کی شان پر دلالت کرنے والی احادیث کو ضعیف کر کے رد کرتے ہی رہتے ہیں۔

{مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ} جن کے دلوں پر مہر لگا کر گمراہی کا طوق ان کے گلے میں رب تعالیٰ ڈال دے پھر انہیں ہدایت دینے کی کس مجال ہو سکتی ہے؟ آئیے اہل علم کے ارشادات دیکھئے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ“ ①

”سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی مقادیر لکھوا دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔“

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ عرش پہلے موجود تھا علاوہ ازیں قلم کو پیدا کر کے یہ حکم دیا گیا تھا ”اُكْتُبْ“ لکھ! اس نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اُكْتُبِ الْقَدَرَ“ تقدیر خداوندی کو لکھ۔

”تو اس نے جو کچھ ہو چکا تھا وہ بھی لکھ دیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا وہ بھی لکھ دیا۔“

جس سے صاف ظاہر ہے کہ قلم سے پہلے مخلوقات تھیں جس کو ”ماکان“ سے تعبیر کیا گیا۔ جب یہاں اولیت ہی اضافی ہے تو اس حدیث کی آڑ میں نبی اکرم ﷺ کے نورِ اقدس کی اولیت سے انکار کرنے کا کیا معنی؟ علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۶۶ پر فرماتے ہیں:

”ابزار میں ہے کہ قلم کے اول الخلوقات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش پانی اور ہوا کے بعد یہ پہلی مخلوق ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مقادیر خلایق کو لکھوا دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا عرش پانی پر تھا تو یہ فرمائیے کہ پانی کس پر تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہوا کی پشت پر۔“

”فِي الْاَذْهَارِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ يَعْنِي بَعْدَ الْعَرْشِ وَالْمَاءِ وَالرَّيْحِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ“ (رواہ مسلم)

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ عَلَى آتِي فَيُؤْكَانَ الْمَاءُ قَالَ عَلَى مَعْنِ الرَّيْحِ“ (رواہ البیہقی و ذکرہ الابہری)

”فَالْاَوَّلِيَّةُ اِضَافِيَّةٌ“ اس سے واضح ہوا کہ ”اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ“ میں اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ تو اس

صورت میں حدیث نور میں اولیت حقیقی ہونے سے یہ حدیث کیونکر مانع ہو سکتی ہے اور یہی تحقیق علماء اعلام اور مقتدایان ذکر کی ہے۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”فَالْأَوَّلِيَّةُ إِضَافِيَّةٌ وَالْأَوَّلُ الْحَقِيقِيُّ فَهُوَ النَّوْرُ الْمُحَمَّدِيُّ عَلَى مَا بَيَّنَّتُهُ فِي النَّوْرِ لِلْمَوْلِدِ“ ①
 ”نور محمدی اول تخلیق حقیقی ہے جس طرح کہ میں نے رسالہ ”المورد للمولد“ میں اس کی تحقیق بیان کی ہے اور قلم میں اولیت اضافی ہے۔“

نیز علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ میں علامہ ابن حجر رحمہما اللہ کی رحمہما اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”قَالَ ابْنُ حَجَرٍ اِخْتَلَفَتْ الرِّوَايَاتُ فِي أَوَّلِ الْمَخْلُوقَاتِ وَحَاصِلُهَا كَمَا يَسْتَتَمُّ فِي شَرْحِ شَمَائِلِ الْقَرْمِذِيِّ أَنَّ أَوَّلَ النَّوْرِ الَّذِي خُلِقَ مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ الْمَاءُ ثُمَّ الْعَرْشُ أَوَّلُ الْمَخْلُوقَاتِ“
 ”ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا: اول المخلوقات کون سی شے ہے؟ اس میں روایات مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق کی صورت وہ ہے جو میں نے شامل ترمذی میں ذکر کی ہے کہ سب سے اول نور وہ ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا اس کے بعد پانی اور اس کے بعد عرش۔“

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ یعنی قلم کے اول مخلوق ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرمایا:

”أَوَّلِيَّةُ الْعِلْمِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى النَّوْرِ الْمُحَمَّدِيِّ وَالْمَاءِ وَالْعَرْشِ وَتَمَلُّ الْأَوَّلِيَّةِ فِي كُلِّ بِالإِضَافَةِ إِلَى جَنْبِهِ أَيْ أَوَّلُ مَا خُلِقَ اللَّهُ مِنَ الْأَنْوَارِ نُورِيٌّ وَكَذَلِكَ فِي بَابِهَا“ ②

”اولیت کے بیان میں روایات مختلف ہیں ان تمام میں تطبیق اور موافقت اس طرح ہے کہ قلم کا اول المخلوق ہونا نور محمدی پانی اور عرش کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور یہ توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہر شے کی اولیت اپنی اپنی جنس کے لحاظ سے ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اور اقلام میں سے اس قلم کو جس نے تقدیریں لکھیں اور جن اشیاء پر عرش کا لفظ بولا

جاتا بولا جاتا ہے ان میں سے عرش اعظم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔“

تنبیہ: نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کے بیان والی حدیث کو صرف ضعیف ایمان والوں نے ضعیف کہا ہے ورنہ امام قسطلانی رحمہ اللہ علامہ ابن حجر رحمہما اللہ ملا علی قاری رحمہما اللہ علامہ یوسف بن اسماعیل رحمہما اللہ بیہانی رحمہما اللہ میں سے کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا۔ ③

① مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 146 ② مواہب لدنیہ مع زرقانی ج 1 ص 48-47

③ تنویر الابصار شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص 98 مطبوعہ اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

عوام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر نہ کہیں:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری طور پر بشر ہیں اور باطنی طور پر نور ہیں لیکن عوام جو بشر کے معنی کمال سے بے خبر ہیں وہ لفظ بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ملائیں جو تعظیم پر دلالت کریں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس ہونا سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔“ ❶

توضیح:

آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ السلام کا شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے:

”کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔“

(سورۃ ص 14:23)

چونکہ ملائکہ کمال آدم علیہ السلام سے بے خبر تھے ایسا ہی ابلیس۔ ”فَقَالُوا مَاذَا قَالَ آدَمُ“ (انہوں نے وہ کہا جو کہا) فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتنا نے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور ہوئے:

”فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے عطا کیا ہے۔“

(سورۃ البقرہ 4:1)

اور ابلیس کو علاوہ قصور جہل کے غرور بھی تھا۔ لہذا وہ (ابلیس) ”وَاسْتَكْبَرَ“..... شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا..... کا مصداق بنا۔

بشر کو کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات استجلائیہ سے ازگروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صالۃ واز جماعت اولیائے کرام وارث۔ مصرع

❶ فتاویٰ مہر علیہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ ص 4 ”مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد“

”وَكَانَ عَلَى قَدَرِ النَّبِيِّ بَدْرُ الْكَمَالِ“

”اور میں نبی بدر کمال کے نقش قدم پر ہوں۔“

سیدنا عبدالقادر و امثالہ رضی اللہ عنہم وراثتاً مظہر اکمل و اتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشری کے لئے تترل خیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ بہت اجتماع و ترکیبات اسمائہ و اتصالات و اوضاع ”اِنْسِيْ خَمْرُ طِبْنَةِ اَدَمَ“ سے لیکر تا ظہور جسد عنبری رضی اللہ عنہ و اجزاء من الاکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ..... ”مَنْ رَانِيْ فَقَدْ رَاى الْحَقَّ“ جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا..... کا آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشری ہے کہ جس کو..... گر خواہی خدا بنی در چہرہ من بگر من آئینہ اویم او نیست جدا از من

(اگر تو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے تو میرے چہرہ کو دیکھ میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں ہے۔)

..... ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کو بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت رضی اللہ عنہ و امثالہ المعظمہ ہوا۔ بخلاف غیر عارف کے اس کے لئے بغیر انضام کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد {يَسُوْحٰى اِلٰى} میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور تشہد میں ”عبدہ“ کے بعد ”ورسلہ“ کا ذکر ہے اور کلام اہل عرفان میں ہے:

لَمَّا عَلَّمَ الْعِلْمَ فَبَدَأَ بِبَشَرٍ وَكَانَ عَمْدُ خَلْقِ اللَّهِ كَلِمَةً (قصیدہ بردہ)

ہمارا نہایت علم یہ ہے کہ بیشک حضور رضی اللہ عنہ بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ ❶

خلاصہ کلام:

حضرت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اہل علم جو بشر کا معنی اور اس میں جو کمالات پائے جاتے ہیں انہیں جانتے ہیں وہ تو بشر کہہ سکتے ہیں لیکن عام لوگوں کو بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ذکر کرنے چاہئیں تاکہ انہیں بھی آپ کی عظمت کا پتہ ہو مثلاً سید الکائنات افضل الانبیاء حبیب خدا وغیرہ الفاظ ساتھ ملائے جائیں۔

حقیقت میں بشر میں وہ کمال ہے جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوا کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات اور اسماء کا مظہر صرف بشر کو ہی بنایا ہے۔ اس کمال سے فرشتے محروم ہیں پھر یہ وصف کمال تمام انبیائے کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی واسطہ کے عطا ہوا لیکن اولیائے کرام کو آپ کے واسطہ سے یہ کمال عطا کیا گیا۔ پھر اولیائے کرام میں جلیل القدر ہستیوں یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور اس قسم کے اولیائے کرام کو بالواسطہ یہ کمال اعلیٰ درجہ کا حاصل ہوا۔ دوسرے حضرات کو کچھ کم انبیائے

❶ فتاویٰ مہرینہ سید مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ ص 4 مطبوعہ گولڑہ شریف اسلام آباد

کرام کو بعض بعض صفات اور بعض بعض اسماء گرامی کا مظہر بنایا گیا لیکن نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کی آٹھ صفات شخصہ کے بغیر تمام صفات کے مظہر ہیں۔

جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے کہ بشر اس شان والے عظیم شخص کو کہا جاتا ہے اور اس کمال میں حضور ﷺ کا کوئی ثانی نہیں وہ تو سمجھ سکتا ہے کہ بشر آپ کا عظیم وصف ہے لیکن عام انسان تو بشر کا معنی یہی سمجھے گا ”معاذ اللہ“ آپ بھی ہماری طرح تھے۔ ایسا سمجھنا دین سے دور ہونے کا نام ہے اور ایسے شخص کو صرف لفظ ”بشر“ کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

امتناع نظیر:

امتناع نظیر کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مثل پیدا کرنا رب تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہے۔ جو چیزیں محال بالذات، ممتنع بالذات ہیں وہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہوں تو رب تعالیٰ کی شان اور قدرت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اشیاء اس قابل نہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں۔ اس مسئلہ کو سید الاولیاء حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مقدمات:

①: ممتنع ذاتیہ کا احاطہ قدرت سبحانہ سے خروج کمال ذاتی پر دہبہ نہیں لگاتا بلکہ یہ تصور راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

②: انقلاب حقائق واقعہ معدودات سے ہوں مثل انسان فرس، بقر، غنم کے یا مراتب عددیہ سے ہوں مثل ایک دو تین چار یا مخلطہ یعنی معدود بحیثیت عروض مرتبہ عددی مثلاً زید جو اول مولود ہے بہ نسبت باقی اولاد عمرو کے ممتنع بالذات ہیں۔

③: کسی چیز کی نظیر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکت نوعی کے اوصاف متمیزہ کاملہ میں اس چیز کی ہم پلہ ہو۔

④: آنحضرت ﷺ بحسب الحقیقۃ الروحانیۃ اول مخلوق ہیں تصریحات محققین از اہل کشف و شہود اس پر شاہد ہیں:

”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي أَوْ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ كَمَا قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ قَدَّسَ اللَّهُ سِرَّهُ الْأَطَهَرُ فَلَمْ يَكُنْ أَقْرَبُ إِلَهُ قَبُولًا فِي ذَلِكَ الْهَبَاءِ إِلَّا حَقِيقَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ الْمُسَمَّاءُ بِالْعَقْلِ فَكَانَ مَهْدًا الْعَالَمِ بِأُسْرِهِ وَأَوَّلُ ظَاهِرٍ فِي الْوُجُودِ فَكَانَ وَجُودُهُ مِنْ ذَلِكَ النُّورِ الْإِلَهِيِّ“

”نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے یا یہ ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے ان دونوں کا مطلب ہے سچ اکبر قدس سرہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہی نور جس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور حقیقت محمدیہ کہلایا اسی کا نام ”عقل“ بھی

ذات کا خاتم ہونا باطل ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں متمتع بالذات ہیں، متمتع بالذات قدرت باری سے خارج ہیں ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حقیقت محمدیہ علیہ السلام موجودات عالم میں جاری و ساری ہے:

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ شرح وقایہ کی شرح ”سعیہ“ میں فرماتے ہیں:

”الْبَسْرُ فِي خِطَابِ التَّشْهَدِ أَنَّ الْحَقِيقَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ كَأَنَّهَا سَارِيَةٌ فِي كُلِّ وُجُودٍ وَحَاضِرَةٌ فِي بَاطِنِ كُلِّ عَبْدٍ وَأَنْكِشَافٌ هَذِهِ الْحَالَةِ عَلَى الْوُجْهِ الْأَتَمِّ فِي حَالَةِ الصَّلَاةِ فَحَصَلَ مَعْلُ الْخِطَابِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ إِنَّ الْعَبْدَ لَمَّا تَشَرَّفَ بِتِلْكَ اللَّهِ فَكَانَتْ فِي حَرِيمِ الْحَرَمِ الْإِلَهِيِّ وَنُورِ الْبَصِيرَةِ وَوَجَدَ الْحَبِيبَ حَاضِرًا فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ فَأَقْبَلَ السَّلَامَ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ ①

راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری ہے اور ہر بندے کے باطن میں موجود ہے۔ نماز کی حالت میں اس حالت کا کامل انکشاف ہوتا ہے پس محل خطاب حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض اہل معرفت نے کہا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ثناء سے مشرف ہوتا ہے تو گویا اس کو حرم حریم الہی میں جگہ مل گئی اور نور بصیرت اس کو حاصل ہو گیا۔ حبیب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

(کو دربار حبیب (اللہ تعالیٰ) میں موجود پایا تو فوراً آپ کی طرف متوجہ ہو کر صیغہ خطاب سے کہا: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں۔“

”امعة الممعات“ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”نیز آنحضرت ہمیشہ نسب العین مومنات و قرۃ العین عابدات است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آن کہ وجود نورانیت و انکشاف در میں احوال بیشتر و قوی تر است و بعضی از صرفاء گفتہ اند کہ اس خطاب بہت سرمان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ از میں باگاہ باشد و از میں شہود غافل نہ بود تا ہا نور قرب و اسرار معرفت متورق گردد“ ②

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کا نصب العین اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں جمیع احوال و اوقات میں خصوصاً حالت عبادت میں اور اس کے آخر میں نورانیت کا وجود اور انکشاف ان احوال میں زیادہ اور بہت قوی ہوتا ہے بعض عرفاء نے کہا ہے: تشہد میں خطاب اسی وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے تمام ذرات ممکنات سے تمام افراد میں جاری و ساری ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں میں موجود

ہوتے ہیں لہذا نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی سے غافل نہ رہے تاکہ انوارِ قرب اور اسرارِ معرفت سے منور اور فیض یاب ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَيَحْتَمِلُ أَنْ يُقَالَ عَلَى طَرِيقِ أَهْلِ الْعِرْفَانِ أَنَّ الْمُصَلِّينَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوا بَابَ الْمَلَكُوتِ بِالتَّحِيَّاتِ أُدِنَ لَهُمْ بِالْذُّخُولِ فِي حَرِيمِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ فَقَرَّتْ أَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاتِ فَتَبَهُوا عَلَى ذَلِكَ بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبِرَكَّةٍ مُتَابِعَةٍ فَالْتَفَتُوا فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ حَاضِرٌ فَأَقْبَلُوا عَلَيْهِ قَائِلِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَدَحَمَهُ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ“ ①

”اہل معرفت کے طریقہ پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیشک نمازی جب التحیات کے ذریعے ملکوت کا دروازہ کھلوا لیتے ہیں ان کو حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے مناجات سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے ان کو اس پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں نبی رحمت اور ان کی تابعداری کی برکت کے وسیلہ سے حاصل ہے۔ وہ فوراً توجہ کرتے ہیں تو حبیب کو حرم حبیب میں موجود پاتے ہیں یعنی بارگاہ ذوالجلال میں حبیب پاک کو جلوہ گر پاتے ہیں تو خطاب کے صیغے سے ”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہتے ہیں۔“

حقیقت محمد یہ ﷺ کیا ہے؟

جب یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حقیقت محمد یہ جمع موجوداتِ عالم میں جاری و ساری ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حقیقت محمد یہ ﷺ کیا ہے؟ اس پر علامہ جلال الدین محقق دوانی رحمہ اللہ کا قول ان کی مشہور کتاب ”اخلاقِ جلالی“ کے ص ۲۵۶ ملاحظہ فرمائیں آپ فرماتے ہیں:

”تحقیق کلامِ در میں مقامِ آل است کہ باطنانِ اصحابِ نظر و برہان و اتفاقِ اربابِ شہود و حیانِ نخستیں گو مر یکہ با سر کن فیکون بوسیله قدرت و ارادہ بے چوں از دریائے غیب مکنون بسائلِ شہادت آمد جوہر بسیط نورانی بود کہ اعرف حکماء آنرا عقل اول خوانند و در بعضی اخبار تعبیر از ان بقلمِ اعلیٰ رفتہ و اکابرِ ائمہ و کشف و تحقیقِ آل حقیقت محمد یہ خوانند“ ②

”اس مقام میں کلام کی تحقیق یہ ہے کہ اصحابِ نظر و برہان اور اربابِ شہود و عیال کا اس پر اتفاق ہے کہ بے مثل ذات (اللہ تعالیٰ) کی قدرت اور اس کے ارادہ کے وسیلہ سے سب سے پہلے جوہر بسیط کن فیکون کے امر سے دریائے غیب مکنون سے ظہور کے ساحل پر آیا (معروض وجود میں آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا) جس کو حکماء کے عرف میں عقل اول کہا گیا ہے اور بعض

احادیث میں اس کو قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو اکابر ائمہ کرام اور اصحاب کشف و تحقیق نے ”حقیقت محمدیہ“ کہا ہے۔
 جناب سید الاولیاء پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ”مسئلہ حاضر و ناظر“ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
 ”میرے خیال میں ظہور و سریان حقیقت احمدیہ عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عندا تحقیق من الصوفیہ ثابت ہے اس کو حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔“

اور لکھتے ہیں:

”فَہُوَ نُوْرٌ مُّحَمَّدٌ ﷺ“ وہ آپ ﷺ کا نور ہے۔ اولاً جو بصورت تقیٰ نقی اور جسد شریف عصری کے ظاہر ہوا۔ ظہور آنحضرت ﷺ بصورت مثالیہ شریفہ علیہ السلام ہر مکان و زمان میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے: ”كَمَا فِيْ حَدِيْثِ الْبَخَارِيِّ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ“ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو نکیرین کے سوال سے متعلق وارد ہوئی ہر میت سے سوال کرتے ہیں۔ ”مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ“ تم اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتے تھے۔ چونکہ اس حدیث میں لفظ ”هذا“ استعمال ہوا ہے جو محسوس مبصر پر دلالت کرتا ہے جبکہ ایک وقت میں کئی حضرات کو دفن کیا جاتا ہے تو اس طرح آپ کا بصورت مثالیہ کئی جگہ پر تشریف فرما ہونا یقینی ہے۔ اسی کو ماننا ایمان ہے اور اسی کا انکار کفر ہے۔ اہل تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کراٹا مراٹا (بار بار) اتفاق ہوتا رہتا ہے البتہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسده العصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں سے ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف و خصائص و لوازم خاصہ جسد شریف صلی اللہ علیہ وسلم سے مستبعد (بعید) نہیں۔

ہذا ما عندی والعلم ما عند اللہ۔“ ①

”اِنَّهُ لَمَّا تَعَلَّقَتْ اِرَادَةُ الْحَقِّ بِاِيْجَادِ خَلْقِهِ وَتَقْدِيْرِ رِزْقِهِ اَهْرَزَ“ ”اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو موجود کرنے اور اس کے رزق کی

الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ“ (مواہب لدنیہ)

زر قانی میں اس عبارت کی جو شرح بیان کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مواہب کے قول ”اَبْرَزَ الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کو بوع صفت اول کے سب سے پہلے ظاہر فرمایا جیسے توقیف میں ذکر کیا گیا ہے اور لطائف کاشی میں اس طرح مذکور ہے کہ محققین حضرات حقیقت محمدیہ سے مراد وہ حقیقت لیتے ہیں کہ جس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں۔ یہ حقیقت تمام حقائق میں اسی طرح جاری و ساری ہے جیسے کل اپنی جزئیات میں جاری و ساری ہوتی ہے اور بیان کیا گیا

ہے کہ حقیقت محمدیہ ہیۃ الحقائق کی صورت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان برزخ واسطہ کی حیثیت رکھتی ہے اس وقت اس پر نبی کریم ﷺ کا اسم و وصف غالب نہیں تھا یہی وہ واسطہ یعنی حقیقت محمدیہ ہی نور احمدی ہے جس کی طرف خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اشارہ کر رہا ہے وہ یہ کہ:

”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي أَيُّ قَدَدَ عَلَى أَصْلِ اللَّفْظِي وَبِهَذَا
الِإِعْتِبَارِ سُمِّيَ الْمُصْطَلَى ﷺ بِنُورِ الْأَنْوَارِ وَيَأْتِي الْأَوَّلُ
(زرقانی، ص 27) ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ اسی وجہ سے مصطفیٰ ﷺ کا نام ”نور الانوار“ اور ”ابوالارواح“ رکھا گیا ہے۔“

مختصر یہ کہ حضور ﷺ کے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ تمام مخلوق کو آپ کے نور سے پیدا کیا گیا تمام انبیائے کرام اپنی اپنی نبوتوں میں اصل ہونے کے باوجود آپ کے تابع ہیں۔ حقیقت محمدیہ ﷺ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے حقیقت محمدیہ کو عقل اول، قلم اعلیٰ جو ہر بیض نورانی، نور الانوار، ابوالارواح یعنی روح الارواح کہا گیا ہے۔ زیادہ وضاحت کے لئے میرے رسالہ ”عقیدۃ حاضر و ناظر“ کا مطالعہ کریں۔

نبی کریم ﷺ پاک نسلوں سے تشریف لائے:

امام ابن جوزی نے کتاب ”الوفاء“ میں کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کو نقل کیا ہے:

”لَمَّا أَرَادَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَخْلُقَ مُحَمَّدًا ﷺ أَمَرَ جِبْرَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاتَّأَمَّ بِالْقُبْضَةِ الْبَيْضَاءِ الَّتِي هِيَ مَوْضِعُ قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَعُجِبَتْ بِمَاءِ التَّسْنِيمِ فَفُيِسَتْ فِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ وَطُيِفَتْ فِي السَّمَوَاتِ فَعَرَفَتْ الْمَلَائِكَةُ مُحَمَّدًا ﷺ قَبْلَ أَنْ يَعْرِفَ آدَمُ ثُمَّ كَانَ نُورُ مُحَمَّدٍ يَرَى فِي غُرَّةِ جَبْهَةِ آدَمَ وَكَمُلَ لَهُ يَأْتِمُ هَذَا سَهْدٌ وَلَدَيْكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ فَلَمَّا حَمَلَتْ حَوَاءُ بِشَيْءٍ انْتَقَلَ النُّورُ مِنْ آدَمَ إِلَى حَوَاءَ وَكَانَتْ تَلِدُ فِي كُلِّ بَطْنٍ وَلَدَيْنِ وَلَكِنَّهُمَا فَإِنَّهُ وَلَدَتْهُ وَحْدَهُ كَرَامَةً لِمُحَمَّدٍ ﷺ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يَنْتَقِلُ مِنْ طَاهِرٍ إِلَى طَاهِرٍ إِلَى أَنْ وَلَدَتْهُ أَمِيَّةٌ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“

(مرقاۃ، باب فضائل سید المرسلین ج 11 ص 44)

”جب اللہ تعالیٰ نے محمد (رسول اللہ) ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل کو حکم دیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی جگہ سے سفید مٹی کی ایک مٹھی لی، پھر اسے ماء تسنیم (جنت کی نہر تسنیم کے پانی) سے گوندھا گیا، پھر اسے جنت کی نہروں میں ڈبویا گیا اور آسمانوں میں اسے پھرایا گیا پس فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو پہچاننے سے پہلے ہی محمد ﷺ کو پہچان لیا، پھر نور محمدی ﷺ کو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا جس کی وجہ سے آپ کی پیشانی جگمگاتی اور آپ کو بتایا گیا: اے آدم! یہ تمہاری اولاد سے ہوں گے اور تمام رسولوں کے سردار ہوں گے پس جب حضرت حوا کے پیٹ میں شیث آئے تو وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی سے منتقل ہو کر حوا کے پاس آ گیا۔“

حالانکہ حضرت حوا کے بطن مبارک سے دو دو بچے ہر حمل سے پیدا ہو رہے تھے لیکن (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو منقسم ہونے سے بچانے کے لئے) صرف شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو مد نظر رکھا گیا، پھر آپ کا نور ہمیشہ سے پاک ہستی سے پاک ہستی کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ آپ کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو عبد اللہ بن عبد المطلب سے جنا۔

خیال رہے کہ پاک نسلوں سے منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد بدکاری اور کفر سے پاک تھے۔ طہارت کو صرف بدکاری کی نجاست سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کرنا باطل ہے بلکہ زیادہ مقصود کفر سے پاک ہونا ہے۔ یہ تفصیل حضرت ابراہیم کے حالات میں دیکھی جائے وہاں میں نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری:

”وَالْأَكْفَرُونَ أَنَّهُ وَلِدَ عَامَ الْفِيلِ وَأَنَّهُ بَعْدَ الْفِيلِ بِخَمْسِينَ يَوْمًا وَأَنَّهُ فِي شَهْرِ رَجَبِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لَيْسَتَى عَشْرًا خَلَّتْ مِنْ عِنْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ“ ●

”اکثر اہل علم کا قول یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سال دنیا میں تشریف لائے جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو شہید کرنے کی مذموم (حرکت) کی اور وہ تباہ و برباد ہوا اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں یعنی آپ اس واقعہ کے پچاس دن بعد تشریف لائے یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور اس کی بارہ تاریخ تھی، پھر کا دن تھا، صبح صادق کا وقت تھا۔“

پیر کے دن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن، آپ کو نبوت عطا ہوئی پیر کے دن، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت پیر کے دن کی، مدینہ میں پہنچے پیر کے دن، قریش کے نزاع کو مٹانے کے لئے حجر اسود کو اپنی چادر مبارک میں رکھ کر سب قبائل کے سرداروں کو اٹھانے کے متعلق ارشاد فرمایا اور خود حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ شریف کی دیوار میں نصب کر دیا، یہ بھی پیر کا دن تھا۔ مکہ شریف فتح فرمایا پیر کے دن، سورہ مائدہ کا آپ پر نزول پیر کے دن ہوا تھا۔ ●

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور منتقل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پچاس دن پہلے ابرہہ کا واقعہ درپیش آیا۔ اس وقت وہ نور حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے

نکل ہو کر حضرت عبداللہ ﷺ کی والدہ کے پاس اور ان سے حضرت عبداللہ کے پاس اور ان سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آچکا تھا لیکن پھر بھی اس کے اثرات حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں موجود تھے۔

”فَرَكِبَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فِي قُرَيْشٍ حَتَّى طَلَعَ جَبَلُ قَبِيلٍ فَاسْتَدَارَتْ دَارُهُ غُرَّةَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَى جِبْهَتِهِ كَالْهَلَالِ وَاسْتَدَارَتْ شُعَاعُهَا عَلَى الْبَيْتِ الْحَرَامِ مِنْ قِبَلِ السَّرَاحِ فَلَمَّا نَظَرَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ إِلَى ذَلِكَ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِرْجِعُوا فَقَدْ كَفَيْتُمْ هَذَا الْأَمْرَ فَوَاللَّهِ مَا اسْتَدَارَ هَذَا النُّورُ مِنِّي إِلَّا أَنْ يَكُونَ الظُّلُّ لَنَا“

”حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر (ابرہہ کے لشکر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے) شبیر پہاڑ پر چڑھے تو آپ کی پیشانی میں نبی کریم ﷺ کا نور گول چاند کی طرح ظاہر ہوا۔ اور اس کی شعاعیں چراغ کی طرح کعبہ شریف پر پڑیں۔ جب عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو آپ نے کہا: اے قریش کی جماعت! واپس لوٹ چلو یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ نور میری پیشانی میں جو چمکا ہے یہ ہماری کامیابی کی دلیل ہے۔“

آپ ﷺ کے نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے:

حضرت عراب بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ عَاتِمُ النَّبِيِّينَ وَإِنْ أَمَرَ لَمْ يُجَدِلْ فِي طَيْفَةٍ وَسَأَلُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى وَرُؤْيَا آيِسِ رَأَتْ جَمِينَ وَضَعْتَنِي وَقَدْ عَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ“

”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا کہ جب آدم علیہ السلام کچھڑ میں تھے یعنی آپ کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔ تمہیں اپنے اول امور کی خبر دے رہا ہوں کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کی رؤیا ہوں جو آپ نے اس وقت دیکھا جب مجھے جتنا کہ آپ سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

”دعوة ابراہیم“ سے اشارہ اس طرف تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد دعا کی:

”اے ہمارے رب تعالیٰ! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہی ہو۔“

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ..... ﴿١٥﴾ (سورة البقرة: 15)

”بشارة عیسی“ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ..... ﴿٩﴾
 ”آپ نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔“
 (سورۃ النعف 28:9)

روایا: کیا روایا سے مراد خواب ہے یا ظاہر طور پر دیکھنا مراد ہے۔ اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
 ”ظَاهِرُ هَذَا الْكَلَامِ أَنَّ رُؤْيَا نَوْرٍ أَضَاءَ بِهِ قُصُودُ الشَّامِ كَانَتْ فِي الْمَنَامِ وَقَدْ جَاءَتْ الْأَخْبَارُ أَنَّهَا كَانَتْ فِي الْمُنَظَّةِ وَأَمَّا الَّذِي فِي الْمَنَامِ فَهُوَ أَنَّهَا رَأَتْ أَنَّهَا آتَتْ فَقَالَ لَهَا شَعْرَتِ أَنْتِ قَدْ حَمَلْتِ بِسَيِّدِ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَنَبِيِّهَا فَمَتَّبِعِي أَنْ تُحْمَلَ الرُّؤْيَا بِالْعَيْنِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ“
 ”اگرچہ ظاہر طور پر تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ کا نور کو دیکھنا جس سے شام کے محلات روشن ہوئے خواب کا واقعہ ہو لیکن احادیث میں یہی واقعہ جاگتے ہوئے بھی درپیش آنے کا ذکر ہے۔ خواب کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آکر مجھے کہہ رہا ہے کیا تمہیں معلوم کہ تم اس امت کے سردار اور نبی سے حاملہ ہو چکی ہو مناسب یہی ہے کہ اس حدیث میں روایا سے آنکھ سے جاگتے ہوئے دیکھنا مراد لیا جائے۔“

(لمعات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)

راقم کے نزدیک اس حدیث میں خواب کا معنی لینا ہی حقیقت سے دوری کی علامت ہے اس لئے کہ ”جِئْنِ وَضَعْتِنِ“ ظرف ہے ”رَأَتْ“ کی (جس وقت میری والدہ نے مجھے جتنا اس وقت دیکھا)۔ پیدائش کے وقت خواب کا دیکھنا ناممکن ہے اس حدیث میں ظاہری طور پر دیکھنا مراد لیا جائے تو یہ معنی ظاہری ترکیب کے بالکل مطابق ہے خواب والا معنی لینا تکلفات اور تاویلات سے خالی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول کو پیدائش میں حکمت:

اگرچہ بظاہر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت رمضان المبارک میں ہوتی کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا اور اس میں لیلۃ القدر بھی ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چار مہینوں میں آپ کی پیدائش نہیں ہوئی جنہیں عزت والے مہینے کہا گیا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی۔ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی اس میں کیا حکمت ہے؟

①: اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت سے اس زمانے کو مشرف فرمایا جس میں آپ پیدا ہوئے یعنی ربیع الاول اور پیر کو آپ سے باکمال بنایا گیا۔ اگر دوسرے بابرکت اوقات میں آپ کی پیدائش ہوتی تو وہم ہوتا کہ آپ کو شاید کسی مہینہ یا کسی دن یا کسی وقت سے کمال ملا ہے۔

❖ اور وجہ یہ ہے کہ ربیع ”موسم بہار“ کو کہتے ہیں جو تمام موسموں سے اعدل (معتدل) ہے اور احسن ہے۔ آپ ﷺ کو ”ربیع الاول“ میں پیدا فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے۔ نہ اس میں افراط ہے اور نہ تفریط یعنی بہت سختیاں بھی نہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں اور بہت نرمیاں بھی نہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں۔

❖ پھر کو آپ ﷺ کے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیر کو تمام درخت پیدا کئے۔ گویا کہ انسان کا رزق پھل سبزیاں وغیرہ جن پر انسان کا دار و مدار ہے وہ پیر کو پیدا ہوئے۔ تو آپ ﷺ کو بھی اس دن پیدا کر کے اشارہ فرمادیا کہ آپ ﷺ کی ذات بھی انسانوں کی روحوں کو زندگی بخشنے کا ذریعہ ہے جس طرح رزق کے بغیر انسان کا زندہ رہنا محال ہے اس طرح آپ کے بغیر ارواح کی بقا نہیں۔ ❶

نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصل میلاد النبی ﷺ منانے کا جو طریقہ رائج ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ جو لوگ جمع ہوتے ہیں قرآن پاک پڑھتے ہیں نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت کے واقعات بیان کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ولادت اور آمد سعادت پر دلالت کرنے والی آیات بیان کرتے ہیں پھر دسترخوان بچھاتے ہیں اور سب لوگ مل کر کھانا کھاتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں کوئی ناجائز کام نہیں کرتے یہ تمام کام بدعات حسنہ ہیں۔
 ”الَّتِي يُغَابُ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِ قَدْرِ النَّبِيِّ“ جن کے کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار ہے اور آپ کی آمد باسعادت پر بشارت کا حصول ہے۔“ ❷

محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت:

ملک مظفر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی ہر سال قائم کی گئی محافل میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ اس کے دسترخوان پر پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر دس ہزار مرغیاں ایک لاکھ کھن کی ٹکیاں اور تین ہزار طشت مٹھائیوں کے رکھے جاتے۔

❶ الحاوی للمختاوی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج 1 ص 197 مکتبہ نوریہ رضویہ، لعل آباد

❷ الحاوی للمختاوی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج 1 ص 198

”وَكَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهُ فِي الْمَوْلِدِ أَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوفِيَّةِ“ ”اس کے پاس میلاد النبی ﷺ کی محافل میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام حاضر ہوا کرتے تھے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ ملک مظفر الدین بن زین الدین ایک نیک عادل شخص تھا۔ سلطان صلاح الدین بن ایوب کا بہنوئی تھا ایک دن صلاح الدین ایوبی کی بہن اور اس کی زوجہ نے ان کو کہا: تم لباس قیمتی کیوں نہیں پہنتے؟ یہ پانچ درہم کے کھدر کے کپڑے پہن لیتے ہو یہ سن کر ملک مظفر نے جواب دیا:

لَبِيسِي ثَوْبًا بِخَمْسَةِ وَالتَّصَدَّقُ بِالْبَاقِي حَمْدٌ مِّنْ أَنَّ الْبِسَ ثَوْبًا ”میرے لئے پانچ درہم کا لباس پہننا اور باقی صدقہ کر دینا بہتر ہے نسبت اس کے کہ میں قیمتی لباس پہنوں اور فقیروں مُتَمِينًا وَأَدْعُ الْفَقِيرَ وَالْمُسْكِينُ“ مسکینوں کا خیال رکھنا چھوڑوں۔“

حافظ ابو الخطاب بن دحیہ (جو مشہور علماء اور عظیم فضلاء سے تھے) نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کے ذکر میں ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا: ”التنوير في مولد البشير النذير“ اس میں ملک مظفر الدین نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ 625
ہ میں بادشاہ کے پاس میلاد النبی ﷺ کی چھ مجلسوں میں اس کتاب کو پڑھا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت کا تذکرہ کیا:

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ ”ربیع الاول“ میں نسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ عبادت نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ تھی:

”وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِرَحْمَتِهِ ﷺ بِأَمْعِهِ وَرَفَقَةٍ بِهِمْ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَتْرُكُ الْعَمَلَ عَشِيَةً أَنْ يَفْرُغَ عَلَى أَمْعِهِ بِهِمْ لِيَكُنْ أَشَارَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى فَضِيلَةِ هَذَا الشَّهْرِ الْعَظِيمِ بِقَوْلِهِ لِلْسَّائِلِ الَّذِي سَأَلَهُ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ذَاكَ يَوْمٌ وَلِدْتُ فِيهِ“

زیادہ عبادت اس مہینہ میں نہیں کیں کہ میری امت پر کہیں یہ فرض نہ کر دی جائیں۔ آپ اسی ڈر کی وجہ سے کئی عمل ہمیشہ نہیں فرماتے تھے لیکن اس مہینہ کی فضیلت کی طرف آپ نے اشارہ کر دیا کیونکہ جب آپ ﷺ نے سوال کیا: آپ میرے

دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ یہ میری پیدائش کا دن ہے۔“

اس دن کی فضیلت کی وجہ سے سارا مہینہ ہی فضیلت والا ہے:

”فَيَنْبَغِي أَنْ تُعْتَرِمَهُ حَقُّ الْأَعْتَرَامِ وَتُفَضِّلَهُ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ الْأَشْهُرَ الْفَاضِلَةَ“ ”مہدا ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہینہ کا ایسا احترام کریں جیسا اس کا حق ہے اور ایسے ہی اس ماہ کو افضل سمجھیں جیسے دوسرے مہینے

جن کی افضلیت کا ذکر رب تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔“

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”اَنَا سَيِّدُ دُنْيَاكُمْ وَلَا فَخْرَ وَأَمْرُ فَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ“ ”میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور فرمایا: یوآنس“

آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔“

کسی زمان یا مکان کو ذاتی طور پر کوئی فضیلت حاصل نہیں بلکہ جن عبادات اور فضیلت والے اسباب سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے وہ زمان و مکان بھی افضل ہو جاتے ہیں جس مہینہ اور دن میں سید الکائنات تشریف لائے۔ یقیناً اسے بھی فضیلت حاصل ہے۔

”الْأَثَرُ أَنَّ صَوْمَ هَذَا الْيَوْمِ فِيهِ فَضْلٌ عَظِيمٌ لِأَنَّ ﷺ“ ”کیا تم دیکھتے نہیں کہ ان دن (پیر کے دن) روزہ رکھنا بہت عظیم ہے کیونکہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔“

اَعْرَبَ الْمُشَقِّقُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَى عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ ”بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔“

حالانکہ آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کر چکے تھے اور عقیقہ دوبارہ لوٹایا بھی نہیں جاتا تو کیا وجہ تھی کہ آپ نے اپنا عقیقہ پھر کیا؟

”إِنَّ الَّذِي فَعَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِيُظْهِرَ الشُّكْرَ عَلَى إِبْنِ جَدِّهِ إِنَّمَا ﷺ“ ”آپ نے اپنا عقیقہ اس لئے کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَتَشْرِيعًا لِمَتِّهِ كَمَا كَانَ يُصَلِّي عَلَى نَفْسِهِ“ ”للعالمین بنایا تو آپ نے اس سے شکر یہ کا اظہار فرمایا اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت کے لئے بھی آپ کی ولادت کی خوشی منانا مشروع ہو جائے جیسا کہ آپ پر کوئی ضروری نہیں تھا کہ اپنے آپ پر آپ ﷺ پر درود پڑھیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ اپنی ذات پر اسی وجہ سے درود پڑھتے تھے کہ آپ کی امت کے لئے سنت بھی بن جائے۔“

اعتراض: نبی کریم ﷺ کے پیدائش بارہ ربیع الاول کو علم تقویم کے حساب درست نہیں بنتی کیونکہ آپ پیدائش 22 اپریل 571ء کو ہوئی اس کا حساب کیا جائے تو نور (9) ربیع الاول بنتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بارہ ربیع الاول

پیدائش کا دن ثابت ہو جائے تو وہی وفات کا دن بھی ہے تو پھر اس دن خوشی کا اظہار کرنا کیسے ممکن ہو گا وہ دن تو غمی کا بھی ہے؟

جواب: اعتراض کی پہلی صورت کا جواب تو یہ ہے کہ جناب محمد عرفان رضوی سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی نے اپنی ایک کتاب میں تقویم کی رد سے ہی بارہ ربیع الاول تاریخ کو درست ثابت کر دیا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم

ﷺ کی آمد سے قبل اسلامی مہینوں کا کیلنڈر مستقل نہیں تھا بلکہ کفار اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کرتے تھے۔

”بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب
الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو
ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم
کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں
سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان
لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

(سورة التوبة 11:10)

بارہ قمری مہینوں میں سال کی تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں کہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ محکم
نظام روز ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ بارہ مہینوں سے چار ماہ
رجب ذیقعد ذی الحج اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت
میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل بھی انہیں مل جاتا اسے بھی کچھ نہ کہتے۔

کتاب اللہ سے مراد یا تو ”لوح محفوظ“ ہے یا ”قرآن حکیم“۔ {ذَلِكَ الدِّينُ الْقَوِيمُ} کا مطلب یہ ہے کہ یہی محکم
شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انہیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔
{قِيمٌ} اصل میں ”قَبِيْمٌ“ تھا پھر ”سید“ کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔ احکام الہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے لیکن ان
حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر ان مہینوں میں بازرہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس
طرح مقدس اور مبارک اوقات میں نیکی کا زیادہ ثواب ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ان
مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

”اِنَّ وُكُوْعَ الطَّاعَةِ فِيْ هٰذِهِ الْاَوْقاَتِ اَكْثَرُ تَاكِيْدًا فِيْ طَهَارَةِ النَّفْسِ وَوُكُوْعُ الْمَعَاصِيْ فِيْهَا اَقْوٰى تَاكِيْدًا فِيْ خُبْثِ النَّفْسِ“ (ازکیر)
اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد
ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ ”كَفَّ“ کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد، مشفیہ اور جمع مذکر و مؤنث
سب کے لئے یہی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے
کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذوالحج کی تاریخیں مقرر تھیں۔ کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس

حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مارو دھاڑ بن کر رہ گیا تھا۔ تین ماہ تک متواتر (ذیقعد ذی الحج، محرم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے رہتا ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت گری کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد چار ہی رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز ”حج“ ایک عبادت کے ہونے کے علاوہ ان کیلئے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دور و دراز سے تجارتی قافلے بھی آتے، جس سے انہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ چونکہ قمری سال کے ذی الحج کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لئے یہ ایسے موسم میں بھی آ جاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناساز گاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انہیں دل خواہ نفع نہ ہوتا۔

اس مشکل کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں ”کیسہ“ کا ایک مہینہ بڑھا دیا۔ اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں نو ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اہل اور محکم احکام میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے اس لئے ان کے اس فعل کو ”زِنَادَةٌ فِي الْكُفْرِ“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

۱۰ھ میں جب رحمت عالم ﷺ حجة الوداع کیلئے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی نو اور دس ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيئَةِ يَوْمٍ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ“
یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازیلی میں اس کے لئے مقرر فرمائی تھیں۔

اس میں مسلمانوں کے لئے بھی عبرت کا درس ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کیلئے احکام الہی میں رد و بدل نہ کریں۔
”نساء“ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دینا۔ قَالَ الْبُجُوهَرِيُّ النَّسِيُّ فَعَمِلَ بِمَعْنَى مَفْعُولٍ مِنْ قَوْلِكَ نَسَأْتُ الشَّيْءَ فَهُوَ مَنْسُوءٌ إِذَا كَرَّرْتَهُ“

میرا مقصد تو صرف اتنا ہی تھا کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے سال کے مہینوں میں تبدیلی کی جاتی تھی۔ اس پر دلیل کے لئے میں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کو پیش کیا۔ عوام الناس کے فائدہ کے لئے آیت کریمہ کی پوری تفسیر نقل کر دی۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ مفکر اسلام، مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی تفسیر ”ضیاء القرآن“ علمائے کرام، طلبائے عظام و کلاء دانشوروں اور عوام الناس کے لئے یکساں مفید ہے۔ میں اپنی کتاب میں اس کے اقتباسات پیش ہی اس لئے کرتا ہوں کہ کسی کی

نظر میں میری کتاب آجائے اور ابھی تک جس نے ”ضیاء القرآن“ کا مطالعہ نہ کیا ہو تو وہ ضرور مطالعہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے نور معرفت عطا فرمائے گا۔

حساب دان حضرات ان چیزوں کو مد نظر رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ برس ہے۔ آپ کا وصال بارہ ربیع الاول میں ہوا بلکہ بزرگان دین دو ربیع الاول کی روایت پر زیادہ عمل کرتے ہیں۔ حجۃ الوداع آپ کے وصال سے تین ماہ قبل ہوا۔ اس حجۃ الوداع سے تینتیس سال پہلے حج اپنی خاص تاریخوں پر آیا تھا۔ بہر حال جمہور علمائے کرام کا اجماع اسی پر ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہی ہے۔ بارہ پر اعتراض کرنے والے نور ربیع الاول کو ہی خوشی کا اظہار کر دیں تو ہمیں ان پر کیا اعتراض ہے لیکن انکے گھر تو اس دن بھی صف ماتم ہی نکھی رہتی ہے۔

اعتراض کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک تاریخ کو ہی اگر پیدائش بھی ہو اور وصال بھی ہو تو غم کیوں نہیں کیا جاتا صرف خوشی کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ کی ولادت ہمارے لئے عظیم نعمت ہے اور آپ کی وفات عظیم مصیبت ہے لیکن شریعت نے نعمتوں کے شکر کا اظہار کرنے کا حکم دیا اور مصیبتوں کے وقت صبر و سکون اور ان کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ شریعت نے بچے کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے عقیقہ کا حکم دیا لیکن وفات پر جانوروں کے ذبح کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اور ایسے کاموں کا حکم ہے جو خوشی کے موقع پر کئے جاتے ہیں بلکہ لوحہ سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بے صبری کی علامت ہے۔“

”قواعد شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کی وجہ سے اس مہینہ میں خوشی کا اظہار کرنا اچھا ہے لیکن آپ کی وفات کا اظہار کرنا اچھا نہیں ہے۔“

ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اللطائف“ میں رافضیوں کے یوم عاشوراء کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کرنے پر مذمت کرتے ہوئے بیان کیا:

”لَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ وَلَا رَسُولُهُ بِاتِّخَاذِ أَيَّامٍ مَّصَابِيحَ الْأَنْبِيَاءِ“

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیائے کرام پر مصائب کے دنوں اور ان کے وصال کے دنوں کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا“

وَمَوَاطِنُهُمْ مَا كُنَّا نَكْتَفِي بِمَنْ هُوَ ذُوهُمْ“

”ان سے کم درجہ والوں پر ماتم کیوں کر کیا جائے۔“

(الحاوی للفتاویٰ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج 1 ص 193)

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر رخ میں دنیا کی زندگی سے اعلیٰ زندگی گزار رہے ہیں۔ جب

آپ زندہ ہیں تو غم کرنے کا مقصد ہی کیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَخْبَرَنِي أَبُو يَعْلَى فِي مُسَيِّدِهِ وَالْبَهَقِيُّ فِي كِتَابِ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ“ ①

فرماتے ہیں: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ نماز ادا کرتے ہیں۔“

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی کئی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ان تمام روایات واحادیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے روح و جسم کے ساتھ زندہ ہیں زمین کے اطراف اور ملکوت میں جہاں چاہیں سیر کریں اور تصرف کریں آپ کو وصال سے پہلے جو ہیئت حاصل تھی وہی اب بھی حاصل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ صرف آپ نظروں سے غائب ہوئے ہیں جیسے فرشتے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو آپ کے دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے آپ سے حجاب اٹھا دیتا ہے۔ وہ آپ کو اسی حال میں دیکھتا ہے جیسے آپ ظاہری حیات میں تھے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے جسم کو کئی مثالیں عطا کر دیتا ہے اور آدمی آپ کی مثالوں کو دیکھتا ہے بلکہ آپ کو ظاہری طور پر دیکھا جاتا ہے۔“

”فَنَحْصِلُ مِنْ مَجْمُوعِ هَذِهِ الْقَوْلِ وَالْأَحَادِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيٌّ بِجَسَدِهِ وَدَوَّجِهِ وَأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ وَيَسِيرُ حَيْثُ شَاءَ فِي أَقْطَارِ الدُّنْيَا وَفِي الْمَلَكُوتِ وَهُوَ يَهْمَنُ الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا قَبْلَ وَفَاتِهِ لَمْ يَتَحَدَّلْ مِنْهُ قِسٌّ وَأَنَّهُ مُفِئِدٌ عَنِ الْأَبْصَارِ كَمَا غَمَّيَتِ الْمَلَائِكَةُ مَعَهُ كَوْنَهُمْ أَحْيَاءُ بِأَجْسَادِهِمْ فَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ رَفْعَ الْحِجَابِ عَنْ أَرَاكَ كَرَامَةً بِرُؤْيِيهِ رَأَاهُ عَلَى هِمَّةِ الَّتِي هُوَ عَلَيْهَا لَا مَابِعَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا مَاعِيَ إِلَى التَّخَصُّصِ بِرُؤْيِيهِ الْوَثَاقِ“ ②

نبی کریم ﷺ کا نسب شریف:

آپ کا نسب مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب (بکسر کاف) بن مرہ (بضم میم وتشدید راء) بن کعب (الفتح کاف و سکون عین) بن لوی (بضم لام و فتح حمزہ وتشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فاء و سکون حاء) بن مالک بن نضر (الفتح لون و سکون ضاد) بن کنانہ (بکسر کاف و لون کے ساتھ) بن خزیمہ (بخاء معجمہ و زاء مصغر) بن

① الحاوی للفتاویٰ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ج 2 ص 264 مکتبہ نوریہ رضویہ لعل آباد

② الحاوی للفتاویٰ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ج 2 ص 265 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لعل آباد

مدرکہ (بضم میم و سکون دال و کسر راء) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق بفتح ہمزہ بمعنی یا س جو ر جاء) امید) کی ضد ہے اور ہمزہ وصل کے لئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے (بن مضر) بضم میم و فتح ضاد (بن نزار) بکسر نون و بزاء) بن مع (بضم میم و فتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم و سکون عین اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین و سکون دال)۔

یہاں تک سلسلہ نسب میں ارباب میر اور اصحاب علم انساب سب کا اتفاق ہے اس سے اوپر میں کچھ اختلاف ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور ﷺ ولادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد ہیں۔ ❶

والدہ کا نسب:

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر سے مل جاتا ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔ خیال رہے کہ آپ کی والدہ کا اپنی والدہ کی جانب سے بھی نسب آپ کے والد کے نسب سے مل جاتا ہے۔ ”آمنہ بنت برہ (حضور ﷺ کی نانی) بنت عبد العزی بن عثمان عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ بن

کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔“

آپ کی والدہ کی نانی کا نسب بھی آپ کے والد کے نسب سے ملتا ہے۔ حضور ﷺ کی نانی برہ کی والدہ ام حبیبہ کا نسب یہ ہے:

”ام حبیبہ بنت اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔“

حضور ﷺ کی نانی کا نام برہ اور برہ کی نانی کا نام بھی برہ تھا۔ آمنہ بنت برہ بنت ام حبیبہ بنت برہ۔ ام حبیبہ کی

والدہ برہ کا نسب بھی حضور ﷺ کے والد کے نسب سے ملتا ہے وہ اس طرح ہے:

برہ بنت عوف بن عبد عوج بن کعب بن لؤی بن غالب وغیرہ یعنی نبی کریم ﷺ کا نسب والد اور والدہ دونوں جانب

سے بہتر تھا اور عزت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ ❷

حضور ﷺ اکلوتے تھے:

آپ کے کوئی بھائی بہن نہیں تھے بلکہ اپنے والدین کریمین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ نہ ہی آپ کے باپ حضرت عبد

اللہ کی کوئی اور اولاد تھی اور نہ ہی آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی کوئی اور اولاد تھی یعنی ان دونوں کا یہ ایک ہی نکاح تھا۔ حضرت عبداللہ نے بھی کوئی اور شادی نہیں کی اور حضرت آمنہ نے بھی۔

آپ ﷺ کے والدین کی ایک جگہ قبریں:

آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ آپ کے پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ حضرت عبداللہ بسلسلہ تجارت مدینہ طیبہ گئے ہوئے تھے۔ وہاں ہی راستہ میں بیمار ہو گئے اور بنی نجار کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کی وہاں ہی وفات ہو گئی اور مقام ابواء میں مدفون ہوئے۔ ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ ❶

جب نبی کریم ﷺ کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں۔ غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں تو وہاں سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں انتقال فرما گئیں۔

اسی طرح ایک مشہور قول کے مطابق آپ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ دونوں مقام ابواء میں مدفون ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ مدینہ طیبہ میں مقام نابغہ میں مدفون ہوئے (واللہ اعلم بالصواب) لیکن غالب خیال کچھ ایسے آتا ہے کہ کئی سال پہلے اخبار میں ذکر تھا کہ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی کا جسم اطہر مقام ابواء میں صحیح سلامت ہے کسی کھدائی کے دوران یہ پتہ چلا۔

خیال رہے کہ ابن ہشام نے کہا: عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بنجار قبیلہ سے تھیں اس لئے اصل میں بنی نجار حضرت عبداللہ کے نانہال شے اور نبی کریم ﷺ کے نانہال بھی کہہ دیئے جاتے ہیں ورنہ حضرت آمنہ بنجار یہ نہیں تھیں۔ ❷

حضور ﷺ کے چچا:

آپ کے بارہ چچا تھے اور تیرہویں ان کے بھائی۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ تھے، حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

”عبداللہ (حضور ﷺ کے والد گرامی) حارث، ابوطالب، ان کا نام عبدمناف، زبیر اس کی کنیت ابوالحارث، حمزہ ان کی کنیت ابوعمارہ اور ابوعلیٰ ابولہب اس کا نام عبدالعزیٰ غیداق، مقوم، ضرار، عباس، قثم، عبدالکعبہ، ثعلبہ اس کا نام مغیرہ۔“

صرف دو چچا نے اسلام کو قبول کیا:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ”ابوعمارہ“ اور ”ابولعلی“ ہے، انہوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”خَيْرُ اَعْمَامِي حَمْزَةُ“ میرے چچاؤں میں سے بہتر حمزہ ہیں۔ بدر میں بھی شریک تھے اور احد میں بھی۔ احد میں ہی وحشی نے آپ کو شہید کر دیا تھا آپ کی عمر اسی سال تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابوالفضل“ تھی۔ آپ نبی کریم ﷺ سے صرف دو یا تین سال بڑے تھے۔ قریش کے رئیس شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ ان کی بہت تعظیم فرماتے تھے آپ کا ارشاد گرامی ہے: ”الْعَبَّاسُ عَجِي وَصِنُوَابِي مَنْ اَذَاهُ اَذَانِي“ عباس میرے چچا ہیں میری باپ کی مثل ہیں جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

تینتیس ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران اٹھاسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔ بقیع میں دفن ہوئے حضور ﷺ کے سب سے چھوٹے چچا بھی تھے سب سے بڑا حادثہ تھا۔ (انوار محمدیہ ص 159)

نبی کریم ﷺ کی پھوپھیاں:

آپ کی چھ پھوپھیاں تھیں: عاتکہ امیہ بیضاء انکی کنیت ام حکیم برہ صفیہ اروی۔ صفیہ جوزبیر کی والدہ ہیں ان کا اسلام لانا بالاتفاق ثابت ہے۔ یہ غزوہ خندق میں شریک تھیں انہوں نے ایک یہودی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ بیس ہجری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تہتر سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک انہوں نے اسلام قبول کیا۔

نبی کریم ﷺ کی دادیاں:

حضرت عبد اللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ اور حضرت عبد المطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرہ نجاریہ حضرت ہاشم کی والدہ عاتکہ بنت مرہ سلمیہ عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت قحج سلمیہ قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد ازدیہ کلاب کی والدہ نعم بنت سریر کنانیہ مرہ کی والدہ وحشیہ بنت شیبان فہمیہ کعب کی والدہ سلمیٰ بنت محارب فہمیہ لوی کی والدہ وحشیہ بنت مدح کنانیہ غالب کی والدہ سلمیٰ بنت سعد ہزلیہ فہر کی والدہ جندلہ بنت حارث جرہمیہ مالک کی والدہ ہند بنت عدوان قیسہ لضر کی والدہ برہ بنت مرہ مرہ۔

نبی کریم ﷺ کی نانیاں:

آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب زہریہ رضی اللہ عنہا آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ بنت عبد العزیٰ رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے باپ وہب کی والدہ عاتکہ بنت اقص سلیمہ رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ ام حبیبہ یا ام حبیب بنت اسد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ بنت عوف رضی اللہ عنہا۔ یہ تینوں قرشیہ ہیں اس برہ یعنی ام حبیبہ کی والدہ کی والدہ قلابہ بنت الحارث ہزلیہ قلابہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت ربیع ثقیفہ رضی اللہ عنہا۔ (انوار محمدیہ ص 161)

رضاعی والدہ:

آپ کو حضرت حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ ہوازنیہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا اور جب رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت ختم ہوئی تو آپ کو واپس اپنی والدہ کے پاس لایا گیا۔ حسین کے دن جب یہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں:

”فَقَامَ إِلَيْهَا وَبَسَطَ رِجْلَاهُ لَهَا فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ“ ”تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھا دی جس پر یہ بیٹھی۔“

”ثویہ“ (ماء پر پیش واد پر زبر) جو ابولہب کی غلامہ تھیں نے بھی آپ کو دودھ پلایا۔ یہ وہی ثویہ ہے جس نے ابولہب کو اشارہ سے جا کر بتایا کہ تمہارے بھائی عبد اللہ کا بیٹا پیدا ہوا ہے تو اس نے خوشی سے اپنی انگلی سے اشارہ کیا: جا! تو آزاد ہے اور میرے بھتیجے کو دودھ پلا۔ ابولہب کو موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ اس کا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا: سخت عذاب میں مبتلا ہوں! البتہ میرے دن عذاب سے راحت ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کی پیدائش پر ثویہ کو آزاد کیا تھا۔

سبحان اللہ! کافر کو عذاب سے تخفیف حاصل ہو جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر صرف بھتیجا سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا ہو تو یقیناً مسلمان کو بلند مقام حاصل ہوگا جس نے محمد ﷺ کو نبی مان کر سید الکائنات افضل الانبیاء سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے طیبہ سے بھی ثویہ کی طرف کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ ❶

پرورش کرنے والی:

ام ایمن نے حضور ﷺ کی پرورش کی آپ فرمایا کرتے تھے ”ام ایمن امی بعد امی“ میری ماں کے بعد میری ماں ام ایمن ہے شیماء بنت حلیمہ سعدیہ نے بھی اپنی ماں کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کی پرورش کی۔

آپ کے رضاعی بہن بھائی:

❶ انوار محمدیہ ص 163..... الحادی للختاوی امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ج 1 ص 191

حضرت حمزہ (جو آپ کے چچا ہیں) اور ابوسلمہ بن عبدالاسد حضور ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان کو بھی ٹوہیہ نے دودھ پلایا ہے ان دونوں کو اور حضور ﷺ کو اس نے اپنے بیٹے مرواح کے ساتھ دودھ پلایا ہے۔ ابوسفیان حارث بن عبدالمطلب جو آپ کے چچا زاد بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ ان کو بھی حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا ہے۔

عبداللہ بھی آپ کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے ہیں۔ آسیہ اور خدانہ آپ کی رضاعی بہنیں ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹیاں ہیں۔

خیال رہے کہ خدانہ کا مشہور اور عرفی نام ”شیماء“ تھا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے لشکر نے بنی ہوازان پر حملہ کیا تو قیدیوں میں یہ شیماء بھی آگئیں۔ انہوں نے صحابہ کرام کو بتایا کہ میں تمہارے نبی کریم ﷺ کی (رضاعی) بہن ہوں صحابہ کرام ان کو آپ کے پاس لائے تو انہوں نے کہا: ”بِسْمِ اللَّهِ أَنَا أَخْتُكَ“ اے محمد (ﷺ)! میں تمہاری بہن ہوں۔ حضور ﷺ نے انہیں مرحبا کہا اور ان کیلئے چادر بچھائی اور انہیں چادر کے اوپر بٹھایا۔ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو تمہیں عزت و تکریم سے رکھا جائے گا اور اگر تم اپنی قوم کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہو تو تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا: میں اپنی قوم کے پاس لوٹنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا ان کو حضور ﷺ نے ہدایا عطا فرما کر عزت و تکریم سے ان کی قوم کی طرف واپس لوٹا دیا۔ (انوار محمدیہ ص 162)

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا۔ اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات:

حضرت خدیجہ الکبریٰ بنت خویلد، عائشہ بنت ابی بکر، حفصہ بنت عمر فاروق، ام حبیبہ بنت ابی سفیان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہا کی بہن) ام سلمہ بنت ابی امیہ اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا یہ چھ ازواج مطہرات تمام قریشیہ ہیں۔

زنوب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو اسد بن خزیمہ کے قبیلہ سے تھیں، میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا، زنوب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب ام المساکین تھا۔ جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہا یہ تمام عربیہ ہیں اور ایک زوجہ مطہرہ غیر عربیہ ہیں جو نبی نصیر کے سردار جی کی بیٹی ہیں یہ قبیلہ بنی اسرائیل سے ہیں جن کا نام صفیہ بنت جی رضی اللہ عنہا ہے۔

ان تمام ازواج مطہرات سے دو کا وصال آپ کی ظاہری حیات میں ہو گیا تھا۔ ایک خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور دوسری

نائب فیہ جن کا لقب ام المساکین ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت نوازواج مطہرات ظاہری حیات میں موجود تھیں۔ ازواج مطہرات کے مختصر حالات میں نے اپنی کتاب ”اسلام میں عورت کا مقام“ میں تحریر کئے ہیں وہاں دیکھے جائیں۔ یا ”مدارج النبوة“ میں دیکھے جائیں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

آپ ﷺ کی اولادِ مطہرہ:

آپ کی چار بیٹیاں ہیں: نائب رقیہ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ میں نے اپنی کتاب ”اسلام میں عورت کا مقام“ چار بیٹیوں کا ثبوت شیعہ کی کتب سے پیش کیا ہے اور تمام کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

آپ کے تین بیٹے تھے: قاسم ابراہیم اور عبد اللہ۔ خیال رہے کہ طیب، مطیب، طاہر اور مطہرا نبی کے القاب تھے۔ یہ کوئی علیحدہ بیٹے نہیں تھے۔ قاسم کی ولادت اعلان نبوت سے پہلے ہے۔ یہ کوئی دو سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ فوت ہو گئے اور ان کے نام سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم ﷺ ہے۔

حضرت نائب فیہ آپ کی بڑی بیٹی ہیں۔ ان کی ولادت جب ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال تھی۔ ان کا نکاح ان کی خالہ کے بیٹے ”ابوالعاص لیث بن ریح“ سے ہوا انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت نائب فیہ کی وفات ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام علی تھا وہ بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ یہ بچہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک اونٹنی پر سوار تھا اس سے گر کر فوت ہو گیا۔ ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ”امامہ“ تھا۔ یہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جب ولادت ہوئی تو حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت تینتیس سال تھی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں یعنی پہلے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ جب نبی کریم ﷺ بدر میں تھے تو ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تمہاری بہتر راہنمائی نہ کروں؟ یعنی تم اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح میرے ساتھ کر لو اور میں اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا ہوں۔

اس طرح حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور ام کلثوم بنت نبی رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آ گئیں۔ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا اور وفات ۹ھ میں ہوئی۔ حضور ﷺ ان کی قبر کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے اور شدت غم کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس تھی۔ آپ کا لقب ”بتول“ ہے۔ ان کا نکاح اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ محسن بچپن میں فوت ہو گئے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں: زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما۔ نبی کریم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی چل رہا ہے یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے سلسلہ اولاد قائم ہے کیونکہ باقی کسی بیٹی کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چل سکا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر ہو چکا ہے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی یا بعض روایات کے مطابق دو بچے پیدا ہوئے لیکن بچپن میں فوت ہو گئے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ایک حمل ساقط ہو گیا تھا اور ایک بچہ پیدا ہوا لیکن وہ بھی دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ ❶

حضرت عبداللہ ابن النبی رضی اللہ عنہ بچپن میں مکہ میں ہی فوت ہو گئے ان کی پیدائش اعلان نبوت سے پہلے ہوئی یا بعد میں اس میں مختلف اقوال ہیں ان کے ہی طیب و طاہر لقب ہیں۔

تنبیہ: حضور ﷺ کی یہ تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہے کسی اور زوجہ مطہرہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ حضرت ابراہیم ابن النبی رضی اللہ عنہ آپ کی غلامہ (لوٹری) ماریہ قبطیہ سے ہیں۔ ان کی پیدائش ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے ساتویں دن حضور ﷺ نے دودن بے بطور عقیقہ ذبح فرمائے۔ ابوہند نے آپ رضی اللہ عنہ کے بال تراشے۔ حضور ﷺ نے اسی دن آپ کا نام اپنے دادا کے نام پر ”ابراہیم“ رکھا اور بالوں کی مقدار چاندی صدقہ کی بال زمین میں دفن کر دیئے۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں ایک لوہار کی زوجہ کے زیر پرورش تھے۔ حضور ﷺ اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے جاتے تھے ساتھ بعض صحابہ کرام بھی موجود ہوتے۔ آپ بچے سے پیار و محبت کر کے واپس آ جاتے۔ ستر یا اسی سے کچھ زائد دن زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گئے۔ بقیع میں دفن ہوئے ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا اور ایک پتھر بطور نشان لگایا گیا۔ آپ کی وفات پر حضور ﷺ فرما رہے تھے:

”اَنَا بِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَعُوْا وَّلَوْ تَوَلَّيْتُ النَّعْنَ وَنَحْنُ الْقَلْبُ“ ”اے ابراہیم! ہم تمہاری موت پر غمزدہ ہیں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمناک ہے۔“ (الوارمہ یہ ص 147)

محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل:

بَلَدَ الرُّسُلِ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْ كَلِمَةِ اللَّهِ "یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔
وَدَلَّاهُمْ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ..... ﴿۱﴾
ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر
(سورۃ البقرہ: 3:1)
درجوں بلند کیا۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ بعض انبیاء بعض پر افضل
ہیں اور محمد ﷺ تمام پر افضل ہیں۔ آپ کی افضلیت کئی وجوہ سے ثابت ہے:
﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا:

وَمَا لَوْ سَأَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲﴾
"اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کے لئے رحمت
بنا کر۔" (سورۃ الانبیاء: 7:17)

"فَلَمَّا كَانَ رَحْمَةً لِّكُلِّ الْعَالَمِينَ لَوْ أَنَّ يَكُونُ الْفَضْلَ مِنْ
كُلِّ الْعَالَمِينَ" "جب آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو یقینی طور پر آپ
تمام جہانوں سے افضل ہیں۔"

یعنی آپ افضل المخلوقات ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر: خدا کے بعد آپ کا ہی مقام بلند و بالا ہے مختصر یہی بات ہے۔
﴿۲﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَدَلَّاهُمْ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ "اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔" مالک الملک نے اپنے
ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذکر کو متصل کیا کلمہ شہادت میں اذان میں اور شہد وغیرہ میں: "وَلَمْ يَكُنْ ذِكْرُ سَائِرِ
الْأَنْبِيَاءِ كَذَلِكَ" اور باقی تمام انبیائے کرام کا ذکر اس طرح نہیں لہذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں۔
﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ..... ﴿۴﴾ (سورۃ النساء: 5)
"جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔"

آپ ﷺ کی بیعت کو رب تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ
أَيْدِيهِمْ..... ﴿۵﴾ (سورۃ الفتح: 26:9)
"بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت
کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا صیغہ قدرت ہے۔"

اور آپ ﷺ کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ ذکر فرمایا:

وَكُلِّهِ الْوَزْءُ وَكِرْسِيُّهُ وَلَهُ الْمُؤْمِنُونَ..... ﴿۶﴾
"اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے
لئے ہے۔" (سورۃ المنافقون: 28:13)

اور آپ کی رضا کو رب قدوس نے اپنی رضا کے ساتھ ذکر فرمایا:

وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ..... ﴿١٠﴾ (سورة التوبة 14:10) ”اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زائد ہے کہ انہیں راضی کریں۔“

رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کو اپنے بلانے پر حاضر ہونے کے ساتھ ذکر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ..... ﴿٩﴾ (سورة الانفال 17:9) ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔“

یہ عظمت صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورت سے چیلنج کریں، کون شخص ہے جو قرآن کی سورت جیسی سورت بنا کر لائے ﴿فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ قَبْلِهِ﴾ تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔ سب سے چھوٹی سورت کوثر ہے جس میں تین آیتیں ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہر تین آیتوں سے چیلنج کیا لیکن وہ لوگ مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے تو جب قرآن پاک میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں تو ہر تین تین آیتیں جب معجزہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی دو ہزار بائیس معجزات پر مشتمل ہے۔ باقی معجزات علیحدہ ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطا کئے ہیں تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو کثیر معجزات کی وجہ سے تمام انبیائے کرام پر افضلیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا معجزہ یعنی قرآن پاک تمام انبیائے کرام کے معجزات سے افضل ہے۔ لہذا ہمارے رسول پاک کا تمام انبیائے کرام سے افضل ہونا بھی ثابت ہے چونکہ قرآن پاک کو تمام کلاموں میں اولیت حاصل ہے جیسے آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر اولیت حاصل ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ لباس اعلیٰ ہو تو لباس والے کو شان حاصل ہوتی ہے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ معجزہ اعلیٰ ہو تو صاحب معجزہ بھی اعلیٰ ہو۔

باقی تمام انبیائے کرام کے معجزات فانی تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن حضور ﷺ کا معجزہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ یعنی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز اعلیٰ ہے فنا ہونے والی چیز سے۔ لہذا جس کو وہ معجزہ ملا جو باقی رہنے والا ہے تو اس ذات کو بھی بلند مرتبہ ماننا ضروری ہے۔ تمام انبیائے کرام کو جو کمالات انفرادی طور پر حاصل تھے وہ تمام کے تمام نبی کریم ﷺ کو حاصل تھے۔ اسلئے آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ الْفَتَىٰ ”یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ پر چلو۔“

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیائے کرام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا

ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ پہلے انبیائے کرام کی اصل دین میں اقتداء کریں تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو پہلے انبیائے کرام کی فروع دین میں اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی مانع ہے تو اقتداء کا اور کوئی مطلب نہیں سوائے اس کے ”فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ مَحَاسِنَ الْأَخْلَاقِ“ کہ اس سے مراد اچھے اخلاق اور کمالات ہوں۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا: ہم آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال و عادات پر مطلع کرتے ہیں آپ ان کے اچھے اور احسن اخلاق و عادات کو اپنے لئے پسند فرمائیں اور ان کی ان عادات میں اقتداء کریں:

”وَلِهَذَا يَقْتَضِي أَنَّ اجْتِمَاعَ فِيهِ مِنَ الْخِصَالِ الْمَرْضِيَّةِ مَا كَانَ مُتَفَرِّقًا فِيهِمْ فَوَجِبَ أَنْ يَكُونَ أَفْضَلُ مِنْهُمْ“
 کرام کو متفرق طور پر حاصل تھیں وہ آپ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئیں لہذا آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔“

نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا..... ﴿٩﴾
 ”اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر۔“
 (سورہ سہا 22:9)

جتنے زیادہ امتی ہوں اتنی ہی نبی پر مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ نیکوں کے کاموں میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے اسی قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اور خصوصاً انسان کو مال حاصل نہ ہو دوست یا زہد دگار نہ ہوں پھر تمام لوگوں کو کہے: يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ! اے کافرو! یہ سن کر لوگ دشمن بن جائیں تو یہ کتنا ہی خوف کا مقام ہے۔ بہت بڑی مشقت کا ذریعہ ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا کر کے بھیجا گیا تو آپ کے دشمن صرف فرعون اور فرعون کی قوم کے لوگ تھے۔ بنی اسرائیل آپ کا ساتھ دینے والے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے تمام لوگ ابتدائی طور پر مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر فضیلت دی۔

اور خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ساری عمر رات دن کے طویل اوقات میں انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور خصوصاً ایسے حالات میں ان کی عادت کے مطابق حالات بالکل واضح تھے کہ یہ تو آپ سے دشمنی کریں گے آپ کو تکالیف پہنچائیں گے معاذ اللہ! آپ کو حقیر سمجھیں گے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی تاخیر نہیں کی بلکہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے احکام آپ نے پہنچائے اور عظیم مشقتیں آپ نے برداشت کیں۔ عظیم مشقت برداشت کرنا ان فضیلت کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی بعد والوں سے

فضیلت بیان کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تکالیف برداشت کیں اس وجہ سے وہ افضل ہیں ارشاد باری ہے:
لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلٌ ۖ ﴿١٦﴾ ”تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔“ (سورۃ الحدید 16:27)

صحابہ کرام جنہوں نے زیادہ مشقتیں برداشت کیں جب وہ دوسروں سے زیادہ افضل ہیں تو یقیناً وہ نبی جنہوں نے سب انبیائے کرام سے زیادہ تکالیف اٹھائیں سب انبیائے کرام سے زیادہ فضیلت کے مالک ہیں۔
﴿١٧﴾ نبی کریم ﷺ کا دین تمام دینوں سے افضل ہے تو آپ کا سب انبیاء سے افضل ہونا بھی ضروری ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دوسرے تمام دینوں کے لئے منسوخ کرنے والا بنایا تو یہ بات ظاہر ہے کہ جو دین دوسرے دینوں کو منسوخ کر دے وہ افضل دین ہے اور آپ کے دین کی افضلیت آپ کے اس قول سے بھی ثابت ہے:
”مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ“
”جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس ایجاد پر اجر حاصل ہوگا اور قیامت تک جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اعمال کے مطابق اجر بھی اسے ملے گا۔“

جب آپ کے دین میں اجر و ثواب زیادہ ہے اور خصوصاً ”كَانَ وَاضِعُهُ أَكْثَرَ ثَوَابًا مِنْ سَائِرِ الْأَدْيَانِ“ آپ کے دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جو دوسرے دینوں میں اس طرح نہیں ”قِيلَ لِمَ أَنْ يَكُونَ مُحَمَّدٌ ﷺ أَفْضَلَ مِنْ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ“ تو اس سے ضروری ہی ہو گیا کہ محمد ﷺ کو تمام انبیائے کرام پر فضیلت حاصل ہو۔
﴿١٨﴾ نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے تو یقیناً آپ کو بھی سب انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے۔ آپ کی امت کی شان کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا:

”تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔“
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۖ ﴿١٩﴾ ”تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔“
آپ کی امت کو بہتری اور فضیلت کیوں حاصل ہے؟ اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں اور آپ کی تابعداری کی وجہ سے ہی دوسری امتوں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ۖ ﴿٢٠﴾ ”اے محبوب! تم فرماؤ کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔“ (سورۃ البقرہ 12:3)

جب آپ کی امت کو آپ کی تابعداری کی وجہ سے افضلیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی حاصل ہو گئی تو آپ کی ذات کا بھی سب انبیائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔ نیز نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے نبی بن کر تشریف

لائے تو آپ کو اجر و ثواب زیادہ حاصل ہوا۔ انسان کے مدارج کی بلندی اجر و ثواب کی زیادتی پر ہے کیونکہ جتنے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ ہوں گے اسی قدر آپ کے مراتب بلند ہوں گے یہ شان دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

فائدہ:

”عَنْ إِبْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْلَى النَّاسِ بِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الَّذِي قَالَ: لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ بِمَا فِي قُلُوبِ النَّاسِ لَوَيْتُ أَنْ أَتَى كُلَّ نَفْسٍ مِنْكُمْ مَا فِيهَا مِنْ عَمَلٍ يَنْفَعُهَا فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ ①

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے قیامت کے دن میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔“

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَوْلَى النَّاسِ بِي أَقْرَبُهُمْ بِي أَوْ أَحَقُّهُمْ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ ②

”اولی کا معنی ہے ”اقرب“ ایک تو اس کا ظاہری معنی ہے کہ آپ پر زیادہ درود پڑھنے والے کو نسبت دوسرے لوگوں کے جنت میں قریب مقام حاصل ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شخص میری خصوصی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا۔ نبی کریم ﷺ پر زیادہ درود پاک وہی شخص پڑھے گا جس کے دل میں آپ کی تعظیم پائی جائے گی اور جس شخص کو آپ کی عظمت کا خیال ہوگا وہ آپ کی تابعداری بھی کرے گا۔ آپ کی تابعداری وہی شخص کامل طور پر کرتا ہے جسے محبت کاملہ حاصل ہوتی ہے جسے نبی کریم ﷺ سے کامل محبت حاصل ہوتی ہے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ! آپ فرمادیں کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“

سبحان اللہ! نتیجہ کتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر رب تعالیٰ سے محبت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی رب تعالیٰ کو اس سے محبت ہوگی۔ صرف محبت کا دعویٰ کافی نہیں۔ اگر تو نے اپنی عاقبت سنواری ہے تو آ! سید الانبیاء ﷺ کا غلام بن جا۔ تو یہ بھی کہتا رہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب نہیں تھا وہ دیوار کے پیچھے کا علم نہیں رکھتے تھے ان کا مرتبہ ہمارے بڑے بھائی جیسا تھا وہ کسی اختیار کے مالک نہیں تھے وہ تو ہم جیسے بشر تھے۔ اس قسم کے لغویات بیہودہ زبان سے نکالتا رہے اور پھر یہ بھی کہے کہ: ”ہمیں بھی نبی کریم ﷺ سے محبت ہے“ تیری اس بات پر کون اعتبار کرے؟

آج لے ان کے پناہ آج مداغ ان سے کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(11) نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ جب آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا یعنی آپ کی آمد سے انبیائے کرام کی تشریف آوری منسوخ ہو گئی تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی آمد کا ناخن بن سکتا ہے جو سب سے افضل ہو۔ یہ عقل کے خلاف ہے کہ کم مرتبہ والا اعلیٰ کی آمد کو منسوخ کر دے۔

(12) بعض انبیائے کرام کو بعض پر معجزات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ کثرت معجزات ان کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ کو تمام انبیائے کرام سے زیادہ معجزات حاصل ہیں تو آپ کو فضیلت بھی سب پر زیادہ حاصل ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کا بظاہر ایک معجزہ قرآن پاک ہی تین ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔

”وَمِنْهَا مَا يَتَّعَلِقُ بِالْعُدَّةِ“ پھر بعض معجزات آپ کو وہ حاصل ہیں جو آپ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں جیسے تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دیا اور تھوڑے پانی سے کثیر لوگوں کو سیراب کر دیا۔
”وَمِنْهَا مَا يَتَّعَلِقُ بِالْعُلُومِ كَالْأَعْبَارِ عَنِ الْغُيُوبِ“ اور بعض معجزات آپ کے علوم سے متعلق ہیں جیسے کہ فیہی خبریں۔
کاش! کہ جاہل لوگوں کو بھی یہ سمجھ آ جاتا کہ فیہی خبریں دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے آپ کے معجزات کا انکار تو کافر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

”مِنْهَا اِخْتِصَاصُهُ فِي ذَاكَ بِالْفَضَائِلِ“ آپ کے بعض معجزات وہ ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں تمام اشراف عرب سے آپ اعلیٰ حسب و نسب کے مالک ہیں شجاعت اخلاق کریمہ بردباری وعدہ کی وفاء نصاحت و بلاغت اور سخاوت ان تمام اوصاف میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔

(13) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”أَدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لَوَائِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر افضلیت حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے اور ارشاد فرمایا:

”أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ“ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا اور ارشاد گرامی ہے:

”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ مِنَ النَّبِيِّينَ حَتَّىٰ أَدْخُلَهَا أَنَا وَلَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ مِنَ الْأُمَمِ حَتَّىٰ تَدْخُلَهَا أُمَّتِي“
داخل نہیں ہوگا جب تک میں نہیں داخل ہوں گا اور تمام امتوں

میں سے کوئی ایک بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی۔

(14) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ عُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا وَأَنَا خَاطِبُهُمْ إِذَا قُضُوا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا يَنْسُوا لِوَاءِ الْحَمْدِ بِيَدِي وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَيْسٍ وَلَا فَخْرٍ“
”جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ جب سب لوگ آئیں گے تو میں ہی ان سے خطاب کروں گا جب لوگ ناامید ہو جائیں

گے تو میں ہی ان کو بشارت دوں گا“ لواء الحمد (خصوصی عظمت والے جھنڈے کا نام) میرے ہاتھ میں ہوگا۔ تمام اولادِ آدم پر رب تعالیٰ کے ہاں میں ہی مکرم ہوں گا“ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر تذکرہ کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا کلام سنا۔ بعض نے تعجب کرتے ہوئے کہا: ”إِنَّ اللَّهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا“ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اور بعض نے کہا: ”مَاذَا بَاغَعَبَ مِنْ كَلَامِ مُوسَى كَلِمَةً تَكْلِيمًا“ موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر اور زیادہ تعجب ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا۔ کچھ اور نے کہا: ”فَعَيْسَى كَلِمَةُ اللَّهِ وَرُوحُهُ“ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ بعض اور حضرات نے کہا: ”آدَمُ إِصْطَفَاهُ اللَّهُ“ آدم علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے دلائل سنے۔ بیشک یہ حقیقت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، واقعی ایسا ہی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں، یقیناً ایسا ہی ہے۔ آدم علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایسی بات ہے:

”أَلَا وَآنَا حَبِيبُ اللَّهِ وَلَا فَخْرٌ وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْعِصَامَةِ وَلَا فَخْرٌ وَأَنَا أَوَّلُ شَائِعٍ وَأَنَا أَوَّلُ مُشْفَعٍ يَوْمَ الْعِصَامَةِ وَلَا فَخْرٌ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ خَلْقَةَ الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لِي فَأَدْخُلُهَا وَمَعِيَ الْفُقَرَاءُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا فَخْرٌ وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَكْرَمِينَ وَالْأَعْيُنُ وَلَا فَخْرٌ“
”خبردار! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد میں ہی اٹھانے والا ہوں گا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت کو قبول کیا جائے گا اور قیامت کے دن سب سے پہلے

میں ہی جنت کے دروازے کو کھٹکناؤں گا اور میرے لئے ہی دروازہ کھولا جائے گا“ میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ تمام پہلے اور پچھلے لوگوں سے میں زیادہ مکرم ہوں گا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔“

یہ تمام احادیث جن کو ذکر کیا گیا ہے روزِ روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہیں۔

(15) بیہقی نے ”فضائل صحابہ“ کی بحث میں ذکر کیا ہے: ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **هَذَا سَيِّدُ الْعَرَبِ** ”یہ شخص عربیوں کا سردار ہے“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: **أَلَسْتَ أَنْتَ سَيِّدُ الْعَرَبِ** ”کیا آپ عربیوں کے سردار نہیں؟“ تو آپ نے فرمایا: **وَأَنَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ وَهُوَ سَيِّدُ الْعَرَبِ** ”میں تو تمام جہانوں کا سردار ہوں، وہ عربیوں کے سردار ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام جہانوں میں انبیائے کرام بھی ہیں لہذا آپ کو تمام انبیائے کرام پر سیادت، فضیلت اور برتری حاصل ہے۔“

(16) نبی اکرم ﷺ کی افضلیت کو محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مثال سے اس طرح بیان کیا کہ ہر امیر کو اپنی رعیت کی مقدار پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک بستی کا امیر ہو تو اسے مشقت اس بستی کے رہنے والے لوگوں کی مقدار میں اٹھانی پڑے گی اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ اور اگر ایک شخص تمام روئے زمین کا مشرق و مغرب تک حاکم بنا دیا جائے تو اسے بنسبت ایک بستی یا ایک علاقے کے حاکم کے زیادہ مال اور ذخائر کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس نے بہت ہی زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے اور ان کے انتظامات کرنے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو ایک قوم کی طرف بھیجا جائے تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر اسی مقدار میں دیئے جاتے ہیں کیونکہ جتنی مقدار رسالت کی ہے، یعنی جتنے امتی ہوں گے اسی مقدار میں کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی اور اگر کسی رسول کو ایک علاقہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس رسول کو اپنے امتیوں کی تعداد کے مطابق کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔ اگر کسی ذات کو تمام اہل مغرب و مشرق اور تمام جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا گیا ہو تو یقیناً اسے اس کی رسالت کی وسعت کے پیش نظر روحانی خزانے یعنی معرفت کے جواہر اور توحید کے خزانے بھی وسیع تر عطا ہوں گے تاکہ ان کی مقدار امت کے مطابق ہو سکے۔

تمام انبیائے کرام کو اتنی وسیع نبوت نہیں عطا کی گئی جتنی کہ نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی کیونکہ ہر نبی کو کسی قوم یا کسی علاقے کا نبی بنایا گیا لیکن حبیب پاک ﷺ کو ساری کائنات کا نبی بنایا گیا: **وَلَمَّا كَانَ كَذَلِكَ لَا جَرَمَ أُعْطِيَ مِنْ كُنُوزِ الْحِكْمَةِ وَالْعِلْمِ مَا لَمْ يُعْطَ أَحَدٌ قَبْلَهُ فَلَا جَرَمَ بَلَغَ فِي الْعِلْمِ إِلَى الْحَدِّ الَّذِي لَمْ يَبْلُغْهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ** ”جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وسیع تر ہے یقیناً یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو حکمت اور علم کے وہ خزانے عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی ایک کو بھی عطا نہیں کئے گئے۔“

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”وحي فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔“

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عِبَادِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٥﴾

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں: حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی۔ یہ وحی بغیر واسطہ (شب معراج یا عام اوقات میں بذریعہ القاء) کے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔ ان اسرار پر کسی اور کو اطلاع نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ راز تمام مخلوق سے مخفی رکھے کسی کو نہیں بتایا کہ وہ وحی کیا تھی کیونکہ یہ محبت اور محبوب کے راز تھے محبت اور محبوب اپنے درمیان مخفی رازوں کو دوسروں پر مطلع نہیں کرتے۔ صرف اسی ایک مقام پر یہ شعر سچا آتا ہے:

میران طالب و مطلوب رمزیت کرانا کاتبین راہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان وہ راز تھے جن پر کرانا کاتبین بھی مطلع نہیں تھے۔

اور فصاحت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اَوْتِيتُ جَمَاعَةَ الْكَلْبِ“ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں یعنی مختصر کلام جو کثیر مطالب کو حاوی ہو وہ جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب (قرآن مجید) عطا کی گئی وہ سب کتابوں سے افضل ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ ان تمام وجوہ کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت تمام انبیائے کرام پر ظاہر و عیاں ہو گئی۔

(17) محمد بن حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب النوادر“ میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بیشک آپ نے فرمایا:

”اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِتَّخَذَ اِبْرٰهٖمَ عَلِيْلًا وَمُوْسٰی نَبِيًّا وَاتَّخَذَنِيْ حَبِيْبًا ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَآ اُوْرِيْكَ حَبِيْبِيْ عَلٰی عَلِيْلِيْ وَنَبِيِّيْ“

”بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کو نبی اور مجھے حبیب بنایا پھر رب تعالیٰ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور قسم ہے مجھے اپنے جلال کی: میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نبی پر ترجیح دے رہا ہوں۔“

جب رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر اپنے خلیل اور اپنے نبی پر اپنے حبیب کی برتری کو بیان فرمادیا تو اب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہی کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔

(18) بخاری اور مسلم میں ہمام بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر گئی انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا بہت حسین و جمیل بنایا اور مکمل بنایا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے (اس گھر کو

دیکھنے کے لئے) اس میں چکر شروع کیا اور وہ اس کی تعمیر پر تعجب کرنے لگے (کہ بہت حسین و جمیل اور مکمل بنایا گیا ہے) اور کہنے لگے کہ تم نے یہاں ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ یہ مکمل ہو جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”كُنْتُ أَنَا تِلْكَ الْاِئْتَةُ“ وہ اینٹ میں ہی تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے قرنبوت شانداز حسین و جمیل بنایا لیکن ایک نبی کے آنے کی جگہ کو چھوڑ دیا۔ لوگ اس کے منتظر تھے کہ وہ خاتم النبیین بھی آجائیں تاکہ قرنبوت کی باقی جگہ مکمل ہو جائے اس طرح قرنبوت مکمل ہوگا تو میں نے آکر اس قرنبوت کی تکمیل کی۔

اب واضح ہوا کہ جس ذات کے بغیر قرنبوت نامکمل تھا اور اس ذات نے آکر اسے مکمل کیا وہ ذات ہی سب سے افضل ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سید الانبیاء ہیں۔

(19) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اگر کسی کو نداء کی تو ذاتی نام سے جیسے فرمایا: {يَا آدَمُ اسْكُنْ} اے آدم! ٹھہر جاؤ۔ {وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ} ہم نے اسے پکارا یعنی اے ابراہیم۔ {يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا رَبُّكَ} اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تیرا رب ہوں۔ لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کو ذاتی نام سے کہیں نہیں پکارا یعنی ”یا محمد“ نہیں کہا بلکہ ”یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ“ اے نبی اور ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ“ اے رسول! اس قسم کے صفاتی ناموں سے پکارا جو آپ کی افضلیت پر واضح دلیل ہے۔ ❶

خیال رہے کہ راقم بغیر ضرورت شعری وغیرہ کے ”یا محمد“ کا اسی وجہ سے قائل نہیں کیونکہ اس میں وہ ادب نہیں جو یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ اور اس قسم کے الفاظ مبارکہ میں ہے اس لئے یا اللہ یا محمد کے بجائے یا اللہ یا رسول اللہ کے کتبے لگائے جائیں۔

(20) راقم کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی افضلیت کی بیسیوں وجہ یہ ہے کہ آپ کو جس طرح کے اصحاب ملے ابو بکر صدیقؓ عمر فاروقؓ عثمان ذوالنورینؓ علی المرتضیٰؓ ایسے اصحاب کسی اور نبی کو نہیں ملے۔ جیسے حضور ﷺ کے تمام صحابہ کرام آپ پر جان نثار تھے ایسے کسی اور کے نہ تھے۔ اس لحاظ پر بھی آپ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خزانے تقسیم کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ يَرْدِ اللَّهُ بِهِ عَمْرًا يُفْقِهِهُ فِي الدِّينِ وَأَتَمَّا آتَا قَائِمًا وَاللَّهُ“ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں ❷

اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔“

اس حدیث پاک کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”امۃ الممعات“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وَنِسْتَمِنُ مَنْ مَكَرَ قَسَمْتَ كُنْتَهُ وَخَدَّاسِدْ دَرَكْرَا مَخَوَاعِدْ وَرَجَحَ“ ”نہیں ہوں میں مگر تقسیم کرنے والا۔ خدا دیتا ہے جس کسی کو خدا دیتا ہے جو چاہے دیتا ہے خواہ وہ فقہ کا علم اور علوم دینیہ کی سمجھ ہو“

(امۃ الممعات: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ج 1)

یا اس کے بغیر جو بھی رب تعالیٰ دیتا ہے میں ہی تقسیم کرتا ہوں۔“

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبر سے محفوظ:

”لَمْ يَخْلُصْ مِنْهُ كُلُّ سَعِيدٍ إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ“

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ج 1 ص 208)

”قبر کے معمولی جھنجھوڑے سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں خواہ وہ کتنا ہی متقی پرہیزگار نہ ہو سوائے انبیائے کرام کے۔“

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ وہ قبر کے فضیلت (تنگی) سے محفوظ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ“ ”تم میں سے کوئی (ہر ایک) اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اسکے والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔“

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ کتاب الایمان ج 1 ص 7)

حدیث پاک میں ”والدہ“ کا ذکر ہے لیکن ”الْمُرَادُ بِهِ مَا يَنْشِئُهَا وَهُوَ ذُو وَلَدٍ“ مراد اس سے صاحب اولاد یہ معنی ماں اور باپ دونوں کا شامل ہے۔ ”وَوَلَدِهِ أَيْ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى“ ولد سے مراد بیٹا، بیٹی یعنی مطلق اولاد۔ معنی یہ ہے کہ والدین اور اولاد سب لوگوں سے مجھے محبوب سمجھے۔

محبت سے مراد طبعی محبت نہیں جو بغیر اختیار کے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ ”اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بغیر طاقت کے تکلیف نہیں دیتا۔“

محبت سے مراد محبت عقلی ہے جو انسان اپنی عقل کے ذریعے اختیار کرتا ہے خواہ طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح مریض کڑوی دوا کو پسند کرتا ہے حالانکہ اس کی طبیعت نہیں چاہتی لیکن عقل کڑوی دوا کے استعمال کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ اسی سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ اگر کسی شخص کو حکم دیں کہ وہ اپنے کافر والدین یا کافر اولاد کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کے حکم کو ترجیح دے اگرچہ بظاہر اس کی طبیعت نہ بھی چاہے۔ اسی طرح جب آپ نے فرما دیا کہ کفار کے ساتھ جہاد

کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہوتا ہے تو عقل اسے ترجیح دے گی۔ اگرچہ بظاہر طبیعت نہ بھی چاہے اور آپ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی اغراض کو دوسرے تمام کی اغراض پر ترجیح دے۔ اپنے قریبی رشتہ دار ہوں یا اپنی ذات ہو ہر ایک پر محبوب کو رائج سمجھے۔

نبی کریم ﷺ میں تمام اسباب محبوبیت پائے جاتے ہیں: حسن سیرت، حسن صورت، کمال فضل اور کمال احسان آپ کو ایسے حاصل ہیں جو کسی ایک کو بھی حاصل نہیں۔ لہذا ضروری ہو گیا کہ آپ کو اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سمجھے خصوصاً جبکہ آپ مالک الملک کے بھی محبوب ہیں تو انسان آپ کو محبوب کیوں نہ سمجھے۔

اعلیٰ درجہ کی محبت حاصل کرنے والوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ نے جب اسی مذکورہ حدیث کو سنا تو امرطبی کے تقاضا کے مطابق عرض کیا:

”لَا اَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِي“ ”یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔“

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ“ ”ایمان کی تکمیل نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی تمہیں زیادہ محبوب ہوں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”فَاِنَّكَ الْاَنَ وَاللَّهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ الْاَنَ يَا عُمَرُ كَمْ“ ”اے محبوب! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے کیوں کہا کہ مجھے اپنی جان سے محبت زیادہ ہے؟ اس کے دو احتمال ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سے یہ سمجھا ہو کہ آپ نے جس محبت کا ذکر فرمایا ہے وہ محبت طبعی ہے اور طبعی محبت تو اپنی جان سے زیادہ ہوتی ہے۔ بعد میں یہ سمجھا ہو کہ اس محبت سے مراد تو ایمانی اور عقلی ہے جو طبعی کے برخلاف ہے۔ ایمان و عقل جو کہیں اسے طبعی تقاضا پر ترجیح دیتی ہے۔ یہ سمجھ آنے کے بعد ذکر کیا ہو کہ اب حضور مجھے اپنی جان کی ہنسٹ بھی آپ سے محبت زیادہ ہے..... دوسرا احتمال یہ ہے:

”اِنَّهُ اَوْصَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى اِلَى مَقَامِ الْاَتَمِّ بِهَرَكَةٍ تَوَجَّهَ عَلَيْهِ“ ”بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی توجہ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فُطِمَ فِي قَلْبِهِ حُبُّهُ حَتَّى صَارَ كَأَنَّهُ حَيَاةٌ مَبَارَكٌ سَإِيمَانُ كَ اَعْلَى مَقَامٍ پَر فَا نَز كَر دِیَا هُو كَ اَپ كَ دَل
وَلَهُ“
میں حضور ﷺ کی محبت راسخ ہو گئی ہو یہاں تک کہ حضور ﷺ

کی محبت آپ کی حیات اور عقل بن گئی یعنی زندگی اور عقل کا حصہ بن گئی۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ جس شخص کا ایمان کامل ہو گا وہ نبی کریم ﷺ کی محبت کو ترجیح دے گا اگرچہ وہ کثیر
شہوات میں مستغرق ہی کیوں نہ ہو یا اکثر اوقات ان پر غفلت کے پردے ہی کیوں نہ چھائے رہیں۔

ہم اکثر و بیشتر دیکھتے ہیں کہ محبت رسول ﷺ کئے والوں نے آپ کی ظاہری حیات میں بھی آپ کے دیدار کو اولاد
پر ترجیح دی اپنی جان کو کثیر خوف ہلاکت کا بھی ہو تو پھر بھی محبت رسول اللہ کا متوالا ہی کہتا ہے کہ کاش! ایک مرتبہ مجھے اپنی زندگی
میں حضور ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت نصیب ہو جائے پھر موت آتی ہے تو آتی رہے کیونکہ مقصد حیات حاصل ہو گیا۔ یہ
مقام نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے:

”وَلَا شَيْءَ أَنْ حَقَّ الصَّحَابَةِ مِنْ هَذَا الْمَعْنَى اَلْعَرَلَاكُ“ اور کوئی شک نہیں کہ یہ مقام صحابہ کرام کو زیادہ حاصل ہو گا
ایمان کا اعلیٰ درجہ انہیں حاصل رہا کیونکہ آپ سے محبت کا اعلیٰ

معیار آپ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ شرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ وہ حضور
ﷺ کے مراتب قدر و منزلت کو زیادہ جانتے تھے۔“

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے نفس مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دی یعنی دین مصطفوی ﷺ پر خواہشات
نفسانیہ کو ترجیح نہ دی اسے حضور ﷺ سے زیادہ محبت ہے اور جس شخص نے نفس امارہ کی جانب کو رائج کیا یعنی اپنی خواہشات
نفسانیہ کو ترجیح دی اس کی محبت میں کمی ہے۔ نفس لواہمہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ خیال رہے برائیوں کا ارتکاب اور ان پر
اترانا نفس امارہ کا کام ہے۔ غلطی سے برائی کا ارتکاب ہو جائے پھر تادم ہو اپنے آپ کو ملامت کرے یہ نفس لواہمہ ہے۔ اور
برائیوں سے بچ کر رہنا یہ نفس مطمئنہ ہے۔ ●

نبی کریم ﷺ شیطان سے محفوظ:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَكَذَّ وَجِلٌ بِهِ قَبْلَتُهُ مِنَ الْبَيْنِ وَكَرْبَتُهُ“ ”تم میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں سوائے اس کے کہ اس کے

مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوا وَآيَاتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَآيَاتِي وَلَكِنَّ اللَّهَ آعَانِي عَلَيْهِ فَاسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ

ساتھ ایک جن موکل ہوتا ہے اور ایک اسکے ساتھ فرشتہ موکل ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس کے خلاف امداد فرمائی وہ میرا مطیع ہو گیا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کوئی حکم نہیں کرتا۔“

(مسلم، مشکوٰۃ، باب فی الوسوسۃ ج 1 ص 18)

حدیث شریف میں لفظ ”فَاسْلَمَ“ استعمال ہوا۔ یہ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے جس کا ظاہری معنی ہے کہ میرا قرین اسلام لے آیا ہے اگرچہ علامہ تورپشتی نے یہی معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اسلئے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی خصوصیت و افضلیت کے پیش نظر آپ کے قرین شیطان کو اسلام کی دولت سے نواز دیا لیکن دوسرے اہل علم نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ (میرا) مطیع ہو گیا۔

بعض حضرات نے اسے واحد متکلم مضارع مجہول کا صیغہ کہا ہے اس صورت میں معنی ہوگا مجھے اس سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جامع ترمذی میں یہی ذکر ہے کہ ابن عیینہ نے کہا: ”فَاسْلَمَ بِالضَّمِّ أَيْ اسْلَمَ أَنَا مِنْهُ وَالشَّيْطَانُ لَا يُسْلِمُ“ ”فَاسْلَمَ“ میں ہمزہ پر پیش ہے یعنی میں اس سے محفوظ ہوں کیونکہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔“

خیال رہے کہ بعض حضرات نے ”اسم تفضیل“ کا صیغہ بنایا ہے اور مبتدأ محذوف مانا ہے۔ ان کے نزدیک اصل عبارت یہ ہوئی: ”فَإِنَّا اسْلَمْنَا مِنْكُمْ“ میں بہ نسبت تمہارے شیطان سے زیادہ محفوظ ہوں لیکن اس معنی کے لحاظ سے حضور ﷺ کا مطلقاً شیطان سے محفوظ ہونا ثابت نہیں ہوگا بلکہ اور لوگوں کی نسبت زیادہ محفوظ ہونا ثابت ہوگا۔ یہ معنی درست نہیں اسی لئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس معنی کو رد کیا فرماتے ہیں:

”وَفِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ كَوْنُ الْوَسْوَاسَةِ مِنَ النَّفْسِ دُونَ الشَّيْطَانِ“ ”یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو بعض اوقات وسوسے حاصل ہوئے وہ (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 138) تو شیطان کی طرف سے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ آپ کو کبھی کوئی

وسوسہ حاصل ہوا بھی ہے تو وہ صرف اپنے نفس کی وجہ سے یعنی عدم توجہ کی وجہ سے اس میں شیطان کو کوئی دخل اندازی نہیں۔“ زیادہ مشہور پہلا معنی ہی ہے میں نے بھی ترجمہ میں اسے استعمال کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے:

”قَالَ فَنَامَتْ عَيْنِي وَسَمِعْتُ الذَّكَايَ وَعَقَلَ قَلْبِي“ حضور ﷺ نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان

(مکھوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

سننے ہیں اور میرا دل سمجھتا ہے۔“

”اِنَّ نَوْمَ الْاَنْبِيَاءِ كَمَا لَا يَسْتَوِي عَلَى قُلُوْبِهِمْ لَا يَسْتَوِي عَلَى اَسْمَاعِهِمْ وَكَانَ فِي وَجْهِهِ اَنَّ نَوْمَهُمْ اِنَّمَا يَسْتَوِي عَلَى ظَوَاهِرِ اَبْدَانِهِمْ“
 (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 235)
 ”اس حدیث سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کے دلوں پر جس طرح نیند کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان کے کانوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کی نیند کا تعلق صرف ظاہری بدن سے ہوتا ہے۔“

دوسرے لوگوں کی نیند کا اثر ظاہر و باطن پر ہوتا ہے یعنی ان کی آنکھیں دل اور کان ایک جیسے متاثر ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ ختم شدہ پیدا ہوئے:

”رَوَايَتٌ فِي أَنَّ آتَا بِهِ كَمَا آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْثَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لُوحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُودَ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَالِحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لُوطَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شُعَيْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَضْرَتِ خُطْلَه بَنِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَوَاصِحَابِ رَسِ كَةِ نَبِيٍّ تَحْتَهُ اور حضرت محمد ﷺ ختم شدہ پیدا ہوئے۔“
 (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 7)

نبی کریم ﷺ کو چار ہزار افراد کی طاقت دی جائے گی:

ترمذی نے حدیث بیان کی جس کو صحیح غریب کہا کہ:
 ”اِنَّ كُلَّ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يُعْطَى قُوَّةً مِّثْلَ رَجُلٍ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَعْطِيَ قُوَّةً اَرْبَعَةَ اَلَاِبِ رَجُلٍ“
 ”جنت میں ہر شخص کو ایک سو آدمیوں کی قوت دی جائے گی اور حضور ﷺ کو چار ہزار آدمیوں کی قوت عطا کی جائے گی۔“
 نبی کریم ﷺ کا کھانا بہت کم مقدار میں ہوتا تھا لیکن دنیا میں بھی کئی افراد کی قوت حاصل تھی اور قیامت میں بھی کثیر افراد کی طاقت حاصل ہوگی۔ یہ درحقیقت وجہ خرق عادت (خلاف عادت) آپ کا اعجاز ہے کیونکہ عام لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ جسے کھانا کم حاصل ہوا سے طاقت بھی کم حاصل ہوتی ہے۔ (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 43)

آپ ﷺ کے وضو سے گرے ہوئے پانی میں شفا تھی:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میری خالہ نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئیں اور انہوں نے عرض

کیا یا رسول اللہ ﷺ

”إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجَعُ فَمَسَمَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبُرْكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ“ ”بے شک میری بہن کے بیٹے کو درد ہے تو حضور ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر

آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے اعضاء وضو سے (وضو کی وجہ سے) گرنے والا پانی پیا۔“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب احکام المیاء ج 1 ص 50)

حضرت ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے سائب رحمہ اللہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اس میں احتمال یہی ہے کہ ان کے سر میں درد تھا: ”فَمَسَحَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِيَدِهِ الْمُبَارَكَةِ لِيَكُنْ ذَلِكَ سَبَبًا لِشِفَائِهِ فَكَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ“ ”اس لئے آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے سر پر پھیرا تاکہ ان کے لئے شفا کا سبب بنے تو ایسا ہی ہوا کہ آپ کے ہاتھ

مبارک کی برکت سے انہیں شفا حاصل ہو گئی۔“

”فَبَلَغَ السَّائِمُ، نَحْوَ الْبَيَانَةِ وَكَمْ يَشِبُّ لَهُ شَعْرٌ وَلَا سَقَطَ لَهُ“ ”نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک پھیرنے کی یہ برکت ہوئی کہ حضرت سائب رحمہ اللہ کی عمر ایک سو سال کے قریب ہوئی لیکن

ان کے سر کا کوئی بال نہ سفید ہوا اور نہ ہی آپ کا کوئی دانت گرا۔“

حضرت سائب رحمہ اللہ کے ارشاد: ”فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ“ (واؤ کی زبرد سے) کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے وضو فرمایا اور برتن میں جو پانی باقی رہ گیا تھا وہ میں نے پیا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کے وضو کرنے پر جو پانی مستعمل ہوا یعنی آپ کے اعضاء سے مس ہو کر گرا وہ میں نے پیا۔ ”وَهَذَا أَنْسَبُ بِمَا يَقْضِيهِ الشَّارِبُ مِنَ التَّبَرُّكِ“ ”یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ تبرک کے طور پر پینے کا مقصد اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔“

خیال رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے عام کسی بزرگ کے وضو کا مستعمل پانی بطور تبرک پینا جائز نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ السَّائِلَ مِنْ أَعْضَانِهِ لِشَرْفِهَا لَا يَنْجُسُ وَمِنْ تَمَّ اخْتَارَ“ ”بے شک نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ سے مس ہو کر گرنے کثیر روئے من اصحابنا طهارا فاضلا لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام“ والا پانی نا پاک نہیں ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ہمارے کثیر احباب نے اسکو اختیار کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات (پیشاب پاخانہ) پاک تھے۔“

خیال رہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وضو کے لئے استعمال ہونے والا پانی پاک ہوتا ہے پاک کرتا نہیں۔ ❶

نبی کریم ﷺ کی نماز قضا ہونے میں حکمت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر سے لوٹے رات کو چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کو اذگم آنے لگی تو آپ نے رات کے پچھلے حصہ میں آرام کرنے کے لئے ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ہمارے لئے رات کی حفاظت کرنا (یعنی صبح کی نماز کے لئے اٹھا دینا)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی طاقت کے مطابق کچھ نوافل ادا کئے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام سو گئے جب فجر کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا۔ فجر کی طرف متوجہ رہے (یعنی مشرق کی جانب منہ کر لیا، فجر کا انتظار کرنے لگے) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر غلبہ آ گیا (یعنی نیند آ گئی)۔ آپ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا ہوا تھا (سو گئے) نہ نبی کریم ﷺ کو اور نہ ہی کسی صحابی کو اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جاگ آئی، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ ہی بیدار ہوئے، گھبراہٹ میں جھلاتے۔ (کیونکہ صبح کی نماز فوت ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا: اے بلال رضی اللہ عنہ! (تم نے ہمیں جگایا کیوں نہیں) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے بھی اسی چیز نے آلیا، جس نے آپ کو گرفت میں لیا (یعنی نیند کا غلبہ ہر ایک پر ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا: چلو! اپنی سواریوں کو تیار کرلو۔ سب نے اپنی سواریاں تیار کیں اور چل پڑے۔ تھوڑی دیر چلے پھر حضور ﷺ نے وضوء فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (اذان کا) پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی تو آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو فرمایا:

”مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِنْكَ ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ ”جَوْفُخْصِ نَمَازَا اَدَا كَرْنَا بِهَوَلٍ جَاءَ تَوْجِبَ اَسَ يَادَا اَدَا كَرْنَا“

”اے اسلئے کہ بے شک رب تعالیٰ نے فرمایا: نماز ادا کرو میری یاد کے لئے۔“

اس حدیث پاک میں دو چیزیں زیر غور ہیں: ایک یہ کہ ”ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ“ پھر جانے پر رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا۔ اور دوسری حدیث شریف میں ہے:

”أَنَّهُ إِضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ فَادَّاهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى“ ”بیشک نبی کریم ﷺ لیٹے تو سو گئے یہاں تک کہ آپ کی سانس وکھم بتوڑی۔“

پھولنے لگی (یعنی سونے کے وقت جو پھونک سی نکلتی ہے وہ حالت ہو گئی) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضوء نہیں فرمایا۔“

فقہاء کرام شامی وغیرہ نے بھی یہی تحریر کیا: ”تَوُومُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَنْقُضُ الْوُضُوءَ“ ”انبیاء کرام کی نیند وضوء کو نہیں توڑتی۔ اس مسئلہ پر اہل علم نے یہ دلیل پیش کی کہ آپ نے فرمایا: ”تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي“ ”میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔“

جوابات زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کا وضوء نیند سے نہیں ٹوٹتا تو یہاں وضوء کیوں فرمایا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جب حضور ﷺ نے آرام فرمایا ہو اس وقت آپ کا وضوء نہ ہو تو سوتے وقت جب وضوء نہیں تھا جاتے وقت وضوء کرنا ضروری تھا لیکن زیادہ طور پر حضور ﷺ با وضوء سوتے تھے اسلئے زیادہ بہتر جواب یہ ہے: ”أَنَّهُ يُمَكِّنُ أَلَّ وَضُوءَهُ كَانَ لِلتَّحْدِيدِ“ کہ آپ نے وضوء تجدید کے لئے فرمایا ہوگا کیونکہ وضوء ہونے کے باوجود دوسری نماز کے لئے نیا وضوء کرنا مستحب ہے۔

اعتراض:

”قَالَ قَيْلٌ كَيْفَ ذَهَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَنَامَ عَيْنُهُ مَعَ قَوْلِهِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي“ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ کو کیسے نماز کا نہ پتہ چلا اور سو گئے حالانکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ میرا دل نہیں سوتا یعنی جب آپ کا دل جاگتا ہے تو آپ کو صبح صادق کا علم ہونا چاہئے تھا۔“

جواب:

”لَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ الْقَلْبَ إِنَّمَا يُدْرِكُ الْأُمُورَ الْبَاطِنَةَ كَاللَّذِي وَالْأَلَمِ وَتَعْوِهِمَا وَلَا يُدْرِكُ الْحِسِّيَّاتِ مِثْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَغَيْرِهِ وَإِنَّمَا يُدْرِكُ ذَلِكَ بِالْعَيْنِ وَهِيَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يُعْظَنُ“ اس اعتراض کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ کے ارشاد گرامی اور صبح کے وقت کا پتہ نہ چلنے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ دل کا کام ہے امور باطنیہ کا ادراک کرنا جیسے لذت درد وغیرہ۔ ظاہری حسی چیزوں کا علم دل کا کام نہیں صبح صادق وغیرہ کا پتہ

چلانا دل کا کام نہیں یہ چیزیں آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ جب آپ کا ارشاد ہی یہ ہے میری آنکھیں سوتی ہیں تو آنکھیں تو سو رہی تھیں وہ صبح کے نمودار ہونے کو نہیں دیکھ رہی تھیں اور آپ کا دل جاگ رہا تھا جو رب تعالیٰ کی تجلیات کے ادراک کی طرف متوجہ تھا۔“

دوسری وجہ زیر غور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نماز قضاء کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی:

”أَنَّهُ نَسِيَ لَمَسْنَ يَغْيِي الْحِكْمَةَ فِي تَوْبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَوْلُهُ بِالْحَضْرَةِ الْبَاطِنِيَّةِ عَنِ الطَّاعَةِ الظَّاهِرِيَّةِ لَمَعَرَفِ حُكْمِ الْقَضَاءِ بِالذَّلِيلِ“ آپ سے نماز میں تاخیر ہوئی یعنی آپ کے سونے اور نماز میں تاخیر صرف ظاہری طاعت میں تھی ورنہ آپ سوئے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے لہذا باطنی طاعت آپ کو

سوئے ہوئے مال میں بھی حاصل ہوتی تھی لیکن اس ظاہری تاخیر میں حکمت یہ تھی کہ امت کے لئے باوہل سنت بن جائے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو دلیل فعلی ہے ہی قوی دلیل قولی سے۔ لہذا ان کے نزدیک حضور ﷺ کا فعل ہی دلیل

ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دلیل قوی قوی ہے دلیل فعلی سے۔ اسلئے آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نماز کا رہ جانا اور آپ کا ادا فرمانا پھر یہ ارشاد فرمانا کہ جس کی نماز میں بھول ہو جائے یعنی بروقت نہ ادا کر سکے وہ یاد آنے پر ادا کرے یہ دلیل ہے امت کے لئے نماز کے قضاء کرنے کی۔ اتنا واضح ہوا کہ آپ کی نماز قضاء نہ ہوتی تو امت کے لئے کیسے ثابت ہوتی؟ ابن عربیؒ نے فرمایا:

”هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا اِخْتَلَفَ حَالُهُ نَوْمًا اَوْ يَنْظُرُ فِي حَقِّ وَتَحْقِيقِ وَمَعَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ فِي كُلِّ طَرَفٍ وَفَوْعٍ عَمِيقٍ اِنْ نَسِيَ فَمَا كَلِمَةٍ مِنَ الْمَنَسِيِّ اِشْتَعَلَ وَاِنْ نَامَ فَبِقَلْبِهِ وَتَنَفَّسَ عَلَى اللّٰهِ اَقْبَلَ“

”نبی کریم ﷺ جس حال میں بھی ہوں خواہ نیند میں ہوں یا بیداری میں ہوں حق پر ہوتے ہیں آپ کا ہر حال تحقیق پر مبنی ہوتا ہے آپ ہر وسیع یا دشوار گزار راہ میں مقرب فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں آپ اگر بھول جاتے ہیں تو بھلانے والی ذات

کی طرف ہی مشغول ہوتے ہیں اور اگر آپ سو بھی جائیں تو آپ اپنے دل اور نفس سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔“

یعنی آپ بھولتے نہیں آپ کو بھلایا جاتا ہے آپ کے بھولنے میں راہ حق سے پھرنا لازم نہیں آتا۔ رب تعالیٰ سے توجہ کبھی نہیں ہٹتی:

”وَكَلِمًا قَالِ الصَّحَابَةُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْ نَامَ لَا تُوقِظُهُ حَتَّى يَسْتَعِظَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَا تَدْرِي مَا هُوَ فِيهِ نَنُومُهُ عَنِ الصَّلَاةِ اَوْ نِسَاكِهِ نَشِيءٌ مِنْهَا لَمْ يَكُنْ عَنْ آفَةٍ وَاِنَّمَا كَانَ بِالتَّصَرُّفِ مِنْ حَالِهِ وَمِنْهَا لِيَكُونَ لَنَا سُنَّةٌ“

”اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب سوتے تھے ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود جاگتے۔ اسلئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حال میں ہیں آپ کا نماز کے وقت سونا اور نماز کا قضا ہونا یا آپ کا بھولنا کسی آفت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا آپ کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تصرف صرف اس وجہ سے ہوتا تھا کہ وہ کام ہمارے لئے سنت بن جائے۔“

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول ﷺ نے فرمایا:

”صَلُّوا فِي مَسْجِدِي هَذَا عَمْرًا مِّنَ الْبَرِّ صَلُّوا فِيْهَا سَوَاكُ الْاَلَا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“

”میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرنا ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔“

اس حدیث پاک میں ذکر ہے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا بہت دوسری مساجد کے ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے

سوائے مسجد حرام کے لیکن ایک ہزار سے بہتر کہاں تک ہے وہ حد ذکر نہیں۔ دوسری روایت میں اس حد کا ذکر کیا گیا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي مَسْجِدِ الْقِبْلَةِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً وَصَلَاةً فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجْمَعُ فِيهِ بِخَمْسٍ مِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاةٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ“

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ، باب الساجد ج 1، ص 72)

”کوئی انسان اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ایک نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص قبیلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص جامع مسجد میں نماز ادا کرے اسے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرے اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرتا ہے اسے بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے

اور جو شخص مسجد حرام میں نماز ادا کرتے ہیں اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔“

فائدہ:

تعداد کے لحاظ پر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا لیکن درجہ کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کے قرب کی وجہ سے پچاس ہزار کو ایک لاکھ پر فضیلت حاصل ہے:

”وَأَمَّا مَرِيدُ الْمُضَاعَفَةِ فَالسَّبَابُ التَّفْضِيلُ لَا تَنْحَصِرُ فِي ذَلِكَ فَالصَّلَاةُ الْخَمْسُ بِمَنْ لِّلْمُتَوَجِّهِ لِعَرَفَةِ أَفْضَلُ مِنْهَا بِمَسْجِدِ مَكَّةَ وَإِنْ انْتَفَتْ عَنْهَا الْمُضَاعَفَةُ إِذْ فِي الْإِتْبَاعِ مَا يَرْوَعُ عَلَيْهَا“

تعداد کی زیادتی میں فضیلت کے اسباب منحصر نہیں عرفات میں جانے کے لئے منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرنا افضل ہے نسبت مسجد حرام میں ادا کرنے کے حالانکہ ان میں تعداد پر وہ فضیلت نہیں یعنی منیٰ میں ایک نماز کے ادا کرنے سے ایک کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور وہی نماز مسجد حرام میں ادا کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن ایک کا ثواب ایک لاکھ

(جواہر البحار علامہ اسماعیل بیہانی رحمہ اللہ ج 4، ص 10)

سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اصل میں نبی کریم ﷺ کی اتباع ہی فضیلت ہے۔“

”وَكَذَآ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: بِمَرِيدِ الْمُضَاعَفَةِ بِمَسْجِدِ مَكَّةَ مَعَ قَوْلِهِ بِتَفْضِيلِ الْمَدِينَةِ“

”اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ شریف میں مسجد میں نماز ادا کرنے سے زیادہ نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن مدینہ طیبہ میں نماز ادا کرنے سے ثواب میں افضلیت حاصل ہوتی ہے۔“

(جواہر البحار علامہ اسماعیل بیہانی رحمہ اللہ ج 4، ص 10)

نبی کریم ﷺ کی قبر انور کا مقام عرش اعلیٰ سے بلند:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام اور اکثر اہل مدینہ اور امام مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے مقام کی افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں:

”وَنَقَلَ الْقَاضِي عِيَّاضُ وَغَيْرُهُ الْإِجْمَاعُ عَلَى تَفْضِيلِ مَا ضَمَّ الْأَعْضَاءُ الشَّرِيفَةُ حَتَّى عَلَى الْكُعْبَةِ الْمُعِينَةِ وَأَنَّ الْخِلَافَ فِيمَا عَدَاهُ وَنَقَلَ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ وَصَرَّحَ الْفَاكِهَانِيُّ بِتَفْضِيلِهَا عَلَى السَّمَوَاتِ قَالَ بَلِ الظَّاهِرُ الْمُتَعَوَّنُ تَفْضِيلُ جَمِيعِ الْأَرْضِ عَلَى السَّمَاءِ لِجُلُوسِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِهَا وَحُكَاةُ بَعْضِهِمْ عَنِ الْأَكْثَرِينَ لِخَلْقِ الْأَنْبِيَاءِ مِنْهَا وَبِقَبْرِهِمْ فِيهَا“

قاضی عیاضی رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم سے یہ منقول ہے کہ اس پرامت کا اجماع ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس سے نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے وہ کعبہ مکرمہ سے افضل ہے اختلاف اس مقام کے غیر میں ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ فاکہانی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس مقام کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ ظاہر بات یہ ہے کہ تمام زمین کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے

کیونکہ نبی کریم ﷺ میں تشریف فرما ہیں۔ اکثر اہل علم نے تو زمین کی افضلیت پر یہی دلیل قائم کی ہے کچھ اور حضرات نے یہ کہا ہے کہ تمام انبیائے کرام زمین سے پیدا ہوئے اور زمین میں مدفون ہیں اس لحاظ پر بھی زمین کو آسمان پر فضیلت حاصل ہے۔

”وَقَالَ النَّوَوِيُّ وَالْجَمْهُورُ عَلَى تَفْضِيلِ السَّمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ أَيْ مَا عَدَا مَا ضَمَّ الْأَعْضَاءُ الشَّرِيفَةُ وَمَعْلُ الْخِلَافِ فِيمَا عَدَا الْكُعْبَةَ فَهِيَ أَفْضَلُ مِنْ بَقِيَّةِ الْمَدِينَةِ إِتِّفَاقًا مَا عَدَا مَوْضِعَ قَبْرِ الْمُقَدَّسِ“

”علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ جمہور علمائے کرام اس طرف ہیں کہ آسمانوں کو زمین پر فضیلت حاصل ہے سوائے اس مقام کے جس سے حضور ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے۔ اسی طرح محل خلاف کعبہ مکرمہ کے ماسوا میں ہے کیونکہ حضور ﷺ

کی قبر انور کے بغیر باقی مدینہ پر کعبہ شریف کو فضیلت حاصل ہے۔“

نبی کریم ﷺ کی خوبصورت اور بلند آواز:

ابن عساکر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ حسین چہرے والا اور حسین آواز والا بھیجا۔

”حَتَّى يَبْعَثَ اللَّهُ نَبِيَّكُمْ فَبَقَعَهُ حُسْنُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الصَّوْتِ“ ”یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا تو حسین چہرہ اور آواز عطا کرنے کے بھیجا۔“

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ

”إِنَّ صَوْتَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَبْلُغُ مَا لَا يَبْلُغُ صَوْتُ غَيْرِهِ“ ”بیشک نبی کریم ﷺ کی آواز وہاں پہنچتی تھی جہاں کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔“ (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 292)

رب تعالیٰ کے تمام خزانے نبی کریم ﷺ کے پاس:

”عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ ”حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رات فَاتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ“ رسول اللہ ﷺ کے پاس گزارتا تھا۔ میں نے آپ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور آپ کی حاجت کا سامان (مسواک، مصلی وغیرہ) پیش کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کچھ مانگو! تو

نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ“ (مسلم، مشکوٰۃ باب السجود وفضله ج 1 ص 84)

میں نے عرض کیا: کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں

آپ نے فرمایا: کیا اس کے بغیر (سوا) کچھ اور؟ آپ نے عرض کیا: صرف یہی۔ آپ نے فرمایا: کثرتِ سجدہ سے اپنے نفس پر میری امداد کرنا۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سَلْ“ یعنی تمہیں کسی چیز کی حاجت ہو تو مجھ سے طلب کرو۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کا مقصد یہ تھا:

”أَتَعْبُكَ بِهَافِي مُقَابَلَةِ عِدْمَتِكَ لِئَلَّا هَذَا هُوَ شَانَ الْكِرَامِ وَلَا أَكْرَمُ مِنْهُ ﷺ“ ”کہ میں تمہاری خدمت کے بدلہ تمہیں تحفہ دوں کیونکہ کریم لوگوں کی یہی شان ہے اور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی کریم بھی نہیں۔“

”وَيُوَعِّدُ مِنْ إِطْلَاقِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَمْرَ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللَّهَ مَكْنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ عَزَائِنِ الْحَقِّ“ ”نبی کریم ﷺ نے مطلقاً ذکر فرمایا طلب کرو یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز طلب کرو اور فلاں طلب نہ کرو اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ

نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو چاہیں عطا فرمادیں۔“

”وَمِنْ بَمَّ عَدَا أَيْمَنَّا مِنْ حَصَائِعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ يَخْتَصُّ شَارَ فَرَمَائِي كَمَا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى نَ اس پَر مَحْتَسُّ كَمَا هَ كَ جَسَّ جَاهِي جَوَ حَاهِي عَطَا فَرَمَائِي۔“

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلے شہادت کو دو کے برابر قرار دینا آپ کے وسیع اختیار پر دلالت کر رہا ہے اور ابو

برودہ بن یارؓ کو بکری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کی اجازت فرمانا اور ساتھ یہ ارشاد فرمانا کہ یہ تمہارے لئے جائز ہے کسی اور کے لئے نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع اختیارات عطا فرمائے۔

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى الْقَطْعَةُ أَرْضِ الْجَنَّةِ يُعْطَى مِنْهَا مَا شَاءَ لَعَنَ“ ”بیشک اللہ تعالیٰ نے جنت آپ کے اختیار میں دے دی جسے شاء“ چاہیں جتنا حصہ دے دیں۔“

نبی کریم ﷺ نے حضرت ربیعہؓ کو فرمایا: کہ اس کے بغیر تو کچھ طلب نہیں کرو گے۔ یہ دراصل امتحان تھا کہ کیا اس اعلیٰ مطلوب پر قائم رہتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ ایسی چیز کی طلب تھی جس کے مقابل کوئی چیز نہیں تھی۔

”فَإِنَّ الثُّمَاتَ عَلَى طَلَبِ أَعْلَى الْمُعَامَاتِ مِنْ أَعْلَى“ ”بیشک اعلیٰ مقامات کی طلب پر ثابت رہنا ہی کامل کمالات الکمالات“ سے ہے۔“

حضرت ربیعہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا سوال صرف یہی ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت میسر ہو یا علی قاریؒ ان کے اس جواب کے متعلق فرماتے ہیں:

”سبحان اللہ تعالیٰ! وہ شخص کتنا ہی بلند مرتبہ رکھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ کی حسین خدمت کا شرف حاصل ہو اور کتنی بلند ہمت حاصل ہوئی کہ اعلیٰ سوال کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں کثرت سجدوں کا حکم دیا جس سے اشارہ تھا کہ جنت میں میری مراقت اعلیٰ قسم کے مراتب سے ہے اعلیٰ مرتبہ انسان کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف نیکیوں کا کام کرے۔“

”أَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی اصلاح میں میری امداد کثرت سجدوں سے کرنا:

”وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ هَذِهِ الْمَرْتَبَةَ الْعَالِيَةَ لَا تَحْصِلُ بِمُجَرَّدِ السُّجُودِ بَلْ بِمَعْنَى دُعَاؤِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ إِنَّمَا هِيَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى“

”اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ یہ بلند و بالا مرتبہ صرف سجدوں سے نہیں ملے گا، نفس کے خلاف زیادہ سجدے بھی کرنا لیکن جنت میں یہ مقام اسی وقت ملے گا جب میری دعائیں

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 323)

بھی تمہاری عبادت کے ساتھ شامل ہوں گی۔“

نبی کریم ﷺ درود کا جواب دیتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا:

”مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ تَعَالَى عَلَى دَوْحِ حُثَيٍّ“ ”کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ مجھ پر وہ سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے یہاں تک

(ابوداؤد، بیہقی فی الدعوات الکبیر، مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ص 86) کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

”اَیُّ اَقْوَلُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ“ یعنی میں کہتا ہوں اور تم پر بھی سلام ہو۔ حدیث شریف میں ”رد الروح“ کا جو ذکر ہے

اس کے متعلق ابن الملک نے بیان فرمایا:

”رَدُّ الرُّوحِ كِفَايَةُ عَنْ إِعْلَامِ اللَّهِ إِيَّاهُ بِأَنَّ فُلَانًا صَلَّى
 طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص

آپ پروردگار پڑھ رہا ہے، تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔“

اسی حدیث مذکور کا معنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی طرح بیان کیا۔ ان معانی میں سے ایک کے متعلق فرمایا ”وَهُوَ قَوِيٌّ“

جدا“ کہ یہ معنی بہت ہی قوی ہے وہ معنی آپ نے یہ بیان کیا:

إِنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ بِرَدِّ الرُّوحِ عَوْنَهَا بَعْدَ الْمُفَارَقَةِ لِلْجَسَدِ وَإِنَّمَا
النَّبِيُّ ﷺ فِي الْبَرْزَخِ مَشْغُولٌ بِأَحْوَالِ الْمَلَائِكَةِ مُسْتَفْرِقٌ
فِي مُشَاهَدَةِ رَبِّهِ كَمَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فِي حَالَةِ الْوُحْيِ وَفِي
أَوْقَاتٍ أُخَرَ فَعَبَّرَ عَنْ إِفَاتِهِ مِنْ تِلْكَ الْمُشَاهَدَةِ وَذَلِكَ
الْإِسْتِغْرَاقُ بِرَدِّ الرُّوحِ ❶

”رَبِّ رُوح کا یہ مطلب نہیں کہ روح آپ کے بدن سے جدا ہونے کے بعد لوٹتی ہے بلکہ حضور ﷺ برزخ میں احوال ملکوت میں مشغول ہیں اور رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں، جس طرح آپ دنیا میں وحی کی حالت میں ہوتے تھے، پھر وحی کے بغیر دوسرے اوقات میں دنیا والوں کی طرف توجہ فرماتے تھے، اسی طرح آپ جب رب تعالیٰ کی تجلیات کے

مشاہدہ میں استغراق کے بعد سلام بھیجنے والے کی طرف توجہ فرماتے ہیں اس حال کو ”ردِ روح“ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔“

دروِ پاک ذکر خدا بھی ہے:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِمَ تَأْتِيكَ الْكُفَرُ الصَّلَوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَوتِي فَقَالَ مَا شِئْتُ قُلْتُ الرَّبْعَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَالْعُلْثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتُ فَإِنْ زِدْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ أَجْعَلُ لَكَ صَلَوتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفِي هَمَّكَ وَيَكْفِي لَكَ ذَنْبَكَ“

”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:
میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں آپ پر زیادہ درود
شریف پڑھنا چاہتا ہوں (اپنی دعاؤں اور اذکار میں سے)
کتنا وقت آپ پر درود کے لئے مقرر کروں۔ آپ نے فرمایا:
جتنا تم چاہتے ہو میں نے عرض کیا: چوتھائی وقت مقرر کر لوں؟
آپ نے فرمایا: جتنا تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو

(ترمذی، مشکوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی، ج ۸، ص 86)

تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: نصف حصہ وقت کا مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا جو تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا: جو تم چاہتے ہو۔ اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: کہ کل وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا (اگر تم کر لو) کہ یہ تو تمہارے تمام امور کے لئے کافی ہے اور تمہارے گناہوں کو مٹائے گا۔
 ”إِذَا تَكْفِي هَمَّكَ“ کا مطلب یہ ہے:

”إِنَّا صَرَفْنَا جَمِيعَ زَمَانِ دُعَايِكَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى كُنْهَتِ مَا يُهَمُّكَ“
 میں صرف کیا تو جو بھی تمہارے لئے واقع ہونے والے امور

ہوں گے ان میں کافی ہو گا۔

”مَا أَهَمُّكَ مِنْ أَمْرِ دِينِكَ وَدُنْيَاكَ“ یعنی جو حوادث وغیرہ تمہیں دینی یا دنیاوی امور میں غم ڈالنے والے ہوں گے ان تمام امور میں درود پاک تمہارے لئے کافی ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے دعاؤں و درود وظیفے اور ذکر کرنے کے تمام وقت کو درود پاک پڑھنے میں صرف کرنا کیوں بہتر قرار دیا:
 ”لَإِنَّ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَتَعْظِيمِ الرَّسُولِ“ اس لئے کہ حضور ﷺ پر درود پاک پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بھی پائی گئی ہے اور
 ”بِالدُّعَاءِ عَلَى نَفْسِهِ مَا أَعْظَمَتْهُ مِنْ جِلَالِ جَلِيلَةِ الْأَعْظَارِ“ درود پاک اپنے ذاتی حقوق کی ادائیگی کی بنسبت حضور ﷺ کے حقوق ادا کرنے پر مشتمل ہے اور درود پاک پڑھنے میں اپنی ذات کے لئے دعا کرنے پر ایک عظیم الشان عمل کو ترجیح مہی ہے جو عمل ہی باعث کرم ہی کرم ہے۔

یعنی دعاء سے بھی بہتر درود پاک کیونکہ اس سے رب تعالیٰ بھی راضی اور رب تعالیٰ کا رسول بھی۔ جب رب تعالیٰ اس کی حاجات کو جانتا ہے تو اسے اپنی رضا و رحمت سے اس کے عرض کرنے کے بغیر ہی دے گا۔ یہاں سے جاہل قوم کا اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ اہل سنت و جماعت درود ہی پڑھتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ کاش! کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرما دے اور انہیں یہ سمجھ آ جائے کہ درود پاک دراصل اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔

”کما صلیت علی ابراہیم“ کا مطلب کیا؟

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے کہ عام طور پر یہ ثابت ہے کہ مشہد مشہد بہ سے کم درجہ ہوتا ہے۔ اس درود میں تشبیہ دی گئی

مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2، ص 244

ہے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے اللہ صلوٰۃ بھیج محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر جیسا کہ تو نے صلوٰۃ بھیجی ابراہیم (علیہ السلام) پر اور آپ کی آل پر۔ اس سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں حضور ﷺ سے حالانکہ آپ افضل الانبیاء ہیں یہاں تشبیہ کیسے درست ہے؟

اس سوال کے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کئی جواب دیئے ہیں ان میں سے تین جواب نقل کر رہا ہوں:

① "إِنَّ التَّشْبِيهَ فِي الْأَصْلِ لَا فِي الْقَدْرِ كَمَا قِيلَ فِي كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ وَكَمَا فِي إِنْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَآحِسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ"

یہاں تشبیہ اصل میں ہے مقدار میں نہیں۔ یعنی صرف یہ مطلب ہے کہ اے اللہ! تو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیج جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اسی طرح اور اتنی مقدار میں تو حضور ﷺ پر بھی صلوٰۃ بھیج جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے۔ یہاں بھی صرف فرض ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ جتنے روزے تم پر فرض ہوئے ہیں اتنے ہی پہلی تمام قوموں پر فرض ہوئے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے فرمایا: بیشک ہم نے تمہاری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ اس میں بھی صرف اتنا ثابت کیا گیا کہ آپ کی طرف بھی وحی کی گئی اور نوح علیہ السلام کی طرف بھی۔ یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ جتنی وحی نوح علیہ السلام کی طرف کی گئی اتنی وحی آپ کی طرف بھی کی گئی۔

اور فرمایا: احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا احسان فرمایا۔ یہاں بھی یہ مطلب نہیں کہ جتنا احسان اللہ تعالیٰ نے تمہارے پر فرمایا اتنا احسان تو دوسروں پر کر بلکہ صرف احسان کرنے کا بنی اسرائیل نے قارون کو مشورہ دیا تھا۔

② "إِنَّ الْكَافَ لِلتَّعْلِيلِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى وَكَتَبْنَا لَهُ الْإِنشَاقَ" "درود شریف میں کاف تشبیہ کے لئے استعمال ہی نہیں بلکہ علت و سبب کے لئے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "لَقَدْ عَلَىٰ عَلَى مَا هَدَيْنَاكُمْ"

سبب کے لئے آیا ہوا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کیونکہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔

اب اس جواب کے مطابق درود کا معنی یہ ہوگا: اے اللہ! محمد ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج کیونکہ تو ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج چکا ہے۔

③ "إِنَّ التَّشْبِيهَ إِنَّمَا هُوَ لِلْمَجْمُوعِ بِالْمَجْمُوعِ فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ مِنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ كَثِيرٌ وَهُوَ أَيْضًا عَنْهُمْ"

"یہاں تشبیہ مجموعہ کو مجموعہ سے دی گئی ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آل سے کثیر انبیاء کرام ہیں اور حضور ﷺ بھی ان میں سے ہی ہیں۔"

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 244)

اب درود پاک کا معنی ہوگا: کہ اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر اتنی کثیر مقدار میں صلوٰۃ بھیج جیسے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل میں سے کثیر انبیائے کرام پر کثیر صلوٰۃ تو نے بھیجی۔

نبی کریم ﷺ کے بھولنے میں حکمت:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ
إِنْصَرَفَ وَأَوَّمَا إِلَيْهِمْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ عَرَجَ فَاتَّخَذَ ثُمَّ جَاءَ
فَدَلَّكَ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا
فَقَسَمْتُ أَنْ أَتَغْتَسِلَ“ ①

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک نبی کریم ﷺ نماز کی طرف نکلے۔ جب آپ نے تکبیر کہی تو پھر گئے اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر جائیں، آپ (مسجد سے) نکل گئے۔ آپ نے غسل فرمایا، پھر تشریف لائے

آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی، جب نماز پڑھ لی تو فرمایا: بیشک میں حالت جنابت میں تھا، غسل کرنا بھول گیا تھا۔“

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا نَبِيُّ لَهْنٍ وَلَكِنَّهُ يَسْتَعِينُ أَحَدًا مِنَ الْأَكْبَامِ إِنْكَارًا وَكَفَّ لَهُ
مِنْ هَذَا“ ②

”آپ سے بھول واقع ہوئی تاکہ امت کے لئے سنت بن جائے اور اسلئے کہ اگر کسی امام کو ایسا واقعہ درپیش آجائے تو اسے شرم نہ آئے۔“

آپ کے بھولنے میں وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کا فعل امت کے لئے سنت بن جائے ورنہ آپ کی امت کے مشائخ بھی دوسروں کی جنابت پر بھی اطلاع رکھتے تھے۔

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ بے شک امام الحرمین ابوالمعالی ابن الامام ابو محمد جوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے درس دے رہے تھے۔ وہاں سے صوفیاء کرام میں سے ایک شیخ کا گزر ہوا۔ ان کے ساتھ ان کے احباب بھی تھے وہ کسی دعوت پر جا رہے تھے۔ امام الحرمین نے دل میں خیال کیا کہ ان لوگوں کا کوئی اور کام نہیں سوائے کھانے اور رقص کرنے کے۔ وہ شیخ جب دعوت سے واپس لوٹے تو فرمانے لگے: اے فقیہ! تم کیا کہتے ہو اس شخص کے متعلق جو صبح کی نماز حالت جنابت میں پڑھا دیتا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دیتا ہے اور لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ امام الحرمین کو شیخ کی بات سن کر یاد آیا کہ مجھ پر تو غسل لازم تھا لیکن میں بھول گیا۔ اس کے بعد ان کے دل میں مشائخ کے متعلق اچھا اعتقاد آ گیا یعنی مشائخ کو صاحب کشف سمجھنے لگے۔

اس واقعہ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب مشائخ دوسروں کی حالت جنابت پر مطلع ہو سکتے ہیں تو حضور ﷺ کو اپنے آپ پر مطلع ہونا تو ضروری تھا لیکن رب تعالیٰ نے آپ کو بھلا کر آپ کی امت کے لئے سنت بنادیا۔ ❶

نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر ثواب مکمل ملتا:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے تو آپ زیادہ طور پر نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔“ ❷

”قَالَ ابْنُ حَبَرٍ وَمِنْ غَضَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ ثَوَابَ ”حضرت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے لیکن ثواب آپ کو کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طرح ہی حاصل ہوتا تھا۔“ ❸

”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے حدیث بیان کی گئی ہے: بیشک رسول اللہ نے فرمایا: بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے۔ آپ کہتے ہیں: کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر مبارک پر رکھا۔ تو آپ نے فرمایا: اے عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: کہ

مجھے یہ حدیث بتائی گئی کہ بیشک آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! (میں نے کہا تو یہی ہے) لیکن میں تم سے کسی ایک کی طرح نہیں۔“ ❹

”يُعْطَى هَذَا مِنْ غَضَائِهِ أَنْ لَا يَنْقُصَ ثَوَابُ صَلَاتِهِ ”یعنی یہ میری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے کہ میں علی آتی وَجْهُ تَكُونُ مِنْ جَلَوَاتِي وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ قَالَ تَعَالَى: وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا“ ❺ جس طرح بھی نماز ادا کروں میرے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی میں جس حال میں نماز ادا کروں وہ میرے جلوے ہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ پر (اے محبوب) اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔“

خیال رہے کہ بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے سر مبارک پر ہاتھ رکھنا ادب کے خلاف

❶ بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، باب صلوٰۃ اللیل، ج 1، ص 106

❷ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ، ج 3، ص 19

❸ مسلم، مشکوٰۃ، باب القصد فی العمل، ج 1، ص 111

انہیں نبی کریم ﷺ کی توقیر کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔ اس کے دو جواب ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے دیئے:

①: ایک یہ کہ شاید آپ سے یہ طریقہ بغیر اختیار کے صادر ہوا۔ جو کام بلا اختیار صادر ہو اس میں کوئی مواخذہ نہیں۔

②: اور دوسرا جواب یہ دیا کہ انہوں نے جب تعجب کیا کہ آپ کا ارشاد اور ہے اور عمل آپ کا اور ہے تو اس معاملہ کی تحقیق

کے لئے اپنی طرف کامل متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر

ان کے اس فعل پر انکار فرمایا اور کہا: ”مَسْأَلُكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو؟ تَمْهِيں كَمَا هُوَا لَ عَمْرِو (رضی اللہ عنہ)؟“ یعنی تم

بہت صاحب علم ہو پھر کیا کر رہے ہو؟

اس کے بعد ملا علی قاری رحمہ اللہ حضرت ابن حجر رحمہ اللہ کے جواب کو نقل کرتے ہیں اور یہی جواب زیادہ مناسب بھی

ہے۔ وہ یہ کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام پر تعجب کرتے تھے تو وہ ایسے ہی کرتے تھے۔ انہوں نے بھی عادت کے

مطابق عمل کیا۔ اسی طرح بعض دوسرے کی داڑھی کو چھوتے تھے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے اپنے زمانے میں مشاہدہ کیا کہ بعض لوگ شریف مکہ کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر

کہتے ہیں: ”أَنَا فِذَاكَ يَا حَسَنُ“ اے حسن! میں تم پر قربان۔ حالانکہ جب یہ لوگ مکہ کے شریف کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں اس

وقت انہوں نے اپنے ہاتھوں میں جوتے بھی پکڑے ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن:

حضرت سعد بن ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے ام المومنین (مومنوں کی ماں)! ”

أَتَبَيَّنْتُ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ“ مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق بتائیں آپ

نے فرمایا: کیا تم نے قرآن تمہیں پڑھا؟ میں نے کہا: کیوں

نہیں! قرآن تو پڑھا ہے آپ نے کہا: کہ نبی کریم ﷺ کا

خلق قرآن ہے۔“

قرآن کو خلق کیوں کہا:

نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلق اسلئے کہا کہ قرآن پاک نے جتنے مکارم اخلاق کا تذکرہ کیا وہ تمام آپ

میں پائے جاتے تھے۔ اگر قرآن نے کہا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کرنے کا حکم

دیتا ہے۔ ”رب تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کائنات عالم میں نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ جیسا کوئی عادل و محسن نظر نہیں آئے گا۔ اگر رب قدوس نے ارشاد فرمایا: {وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ} ”جو تمہیں مصیبت و تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو۔“ مالک الملک کے اس حکم پر عمل کرنے کی درخشاں مثال بھی آپ نے ہی قائم فرمائی۔

اگر خالق کائنات نے یہ کہا: {فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ} ”آپ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں۔“ تو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا عظیم منصب بھی جو آپ کو حاصل ہوا ایسا عظیم مقام کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ غرضیکہ قرآن پاک کے ہر حکم کی جلوہ گری آپ میں ہے اور قرآن پاک نے جن چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ان سے کامل اجتناب کیا اسلئے آپ کا خلق قرآن پاک ہے۔

”دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے آپ کے خلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: {إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ} ”بیشک آپ عظیم خلق پر ہیں۔“ جس چیز کو قرآن نے عظیم کہا ہے اس کی قدر انسان بیان کرے تو کیسے بیان کرے۔“

”تَعْبَىٰ كَانَ خُلُقُهُ مَذْكُورًا فِي الْقُرْآنِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ تَعْبَىٰ أَنَّ الْعَظِيمَ إِذَا عَظُمَ أَمْرًا لَمْ يَتَّعِدْ أَحَدٌ قَدْرًا وَلَمْ يَعْرِفْ أَحَدٌ طَوْرًا“ ❶

نبی کریم ﷺ کو زندگی حاصل ہے:

”انبیائے کرام کو اپنے مزارات مطہرہ میں زندگی حاصل ہے ان کے بدن محفوظ ہیں بلکہ انہیں نماز اور قرآن پڑھنے کی لذت بھی حاصل ہے اور انبیائے کرام کے بغیر شہداء کرام اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی اپنے مزارات میں زندگی حاصل ہے۔“

”إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ تَكُونُ حَيَاتُهُمْ عَلَىٰ وَجْهِ الْأَكْمَلِ وَيَحْصِلُ لِبَعْضٍ مِّنْ وَدَائِهِم مِّنَ الشُّهَدَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الْحَقُّ الْأَوْفَىٰ يَحْفَظُ أَبْدَانَهُمُ الظَّاهِرَةَ بَلِّ بِالتَّلَذُّدِ بِالصَّلَوةِ وَالْقِرَاءَةِ وَتَحْوِيهِمَا فِي قُبُورِهِمُ الظَّاهِرَةِ إِلَىٰ قِيَامِ السَّاعَةِ الْأَخِيرَةِ“ ❷

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ“

”بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔“

”یعنی تمام اجزاء ان کے محفوظ رہتے ہیں ان کی ظاہری حیات اور قبر کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔“

”أَيُّ جَمِيعَةِ أَجْزَائِهِمْ فَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْعَالَمِينَ“

”وَلَدَنَا قَبِيلٌ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا يَمُوتُونَ وَلَكِنْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ مَكَرٍ إِلَى مَكَرٍ“
جہاں سے دوسرے جہاں کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قَسَبِي اللَّهُ حَيٌّ يُرْزَقُ“ اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ لفظ ”نبی“ میں کسی نبی کی تخصیص مراد نہیں بلکہ جنس نبی مراد ہے:

”لَا تَرَى رَأَى مُوسَى قَائِمًا يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ وَكَذَلِكَ إِبْرَاهِيمُ“
”اس لئے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔“

”وَصَّ عَبْرُ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ“
”اور صحیح حدیث میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز ادا کرتے ہیں۔“

”قَالَ الْبُحَّارِيُّ وَحُلُولُهُمْ فِي أَوْقَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ فِي أَمَا يَكُنْ مُتَعَلِّقًا جَائِزًا عَقْلًا كَمَا وَدَّ بِهِ عِبْرُ الصَّادِقِ“
”یہی مسند نے فرمایا کہ انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں متعدد مکانات میں جانا عقلاً جائز ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔“

”حَيٌّ أَيْ فَإِنَّمَا يُرْزَقُ رِزْقًا مَعْنَوِيًّا وَلَا يُنَافِيهِ أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ رِزْقٌ جِسْمِيٌّ أَيْضًا وَهُوَ الظَّاهِرُ الْمُتَعَبَّدُ“
”اللہ تعالیٰ کے نبی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اس رزق سے مراد معنوی رزق بھی ہو سکتا ہے اور رزق حسی بھی بلکہ ظاہر طور پر ذہن میں فوراً آنے والا یہی رزق ہے۔“

رزق معنوی دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کے شہداء کے متعلق فرمایا: ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں ان کو اپنے رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔

”فَكَيْفَ سَوَّاهُمْ بَلْ رَتَّبَهُمْ لِأَنَّهُ حَصَلَ لَهُ أَيْضًا مَرْتَبَةُ الشَّهَادَةِ مَعَ مَرْتَبَةِ السَّعَادَةِ بِأَكْلِ الشَّاهِدِ الْمُسْمُومَةِ وَعَوْدِ سَهْمِهَا الْمُسْمُومَةِ“

جب نبی کی امت کے شہداء زندہ ہوں اور ان کو رزق دیا جاتا ہو تو ان کے سردار رئیس کا کیا حکم ہوگا جبکہ یقیناً اس سردار کو مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا ہو۔ یہ ایک مزید سعادت ہے (ورنہ نبی کا بغیر شہادت کے وصال بھی نبی کی زندگی کا سبب ہے) کیونکہ حضور ﷺ کو خیر میں بکری کا زہر آلود گوشت ایک یہودیہ نے دیا تھا جس کا کچھ معمولی حصہ آپ نے تناول فرمایا۔ بعد میں اس گوشت نے خود ہی بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے تو آپ نے تناول فرمانا چھوڑ دیا لیکن آپ کے وصال کے وقت اسی زہر کا اثر لوٹ آیا تھا تو آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔

البتہ ظاہری شہادت سے آپ کو محفوظ رکھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی ”لِلْبَشَاةِ الصُّورِيَّةِ“ آپ کی صورت مبارکہ کی شان و شوکت، جاہ و جلال کو برقرار رکھنا مقصود تھا اور دوسری وجہ یہ تھی:

”لَا ظَهَارَ الْقُدْرَةِ الْكَامِلَةِ بِحِفْظِ فَرْقٍ مِّنْ بَيْنِ أَعْدَائِهِ مِنْ شَرِّ“ کہ قدرت کاملہ کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرد البتہ ”کوشریر مخلوق کے کثیر دشمنوں سے کیسے محفوظ فرمایا۔“

اور تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کرنا مقصود تھا وہ وعدہ یہ تھا: ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔“

رزق دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ جس طرح رزق سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اس طرح بغیر کھانے پینے کی چیزیں عطا کرنے کے انبیائے کرام اور شہدائے کرام کو رب تعالیٰ یہ طاقت عطا کرتا ہو کہ وہ زندہ ہیں یہ رزق معنوی ہے۔ جب کوئی پکارتا ہے وہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں ان کو کھانے پینے کی چیزیں عطا کی جاتی ہیں یہ زیادہ ظاہر معنی ہے۔ ترمذی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے:

”إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي أَجْوَابِ طَهْرٍ خُضِرَ تَعَلَّقُ مِنْ فَمَرَةٍ“ کہ بیشک شہداء کی روہیں سبز رنگ کے پردوں میں رکھی جاتی ہیں جو جنت کے پھلوں کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔“

اور ایک روایت میں آتا ہے:

”أَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِي أَجْوَابِ طَهْرٍ خُضِرَ تَسْرُمُ فِي الْجَنَّةِ“ جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں پھر عرش کے نیچے قدیلوں کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہیں۔“

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3 ص 141-142)

مسئلہ حیات الانبیاء والشہداء والا ولیاء کو تفصیلاً دیکھنا ہو تو حاوی للنخاوی شرح الصدور، بیہقی، فتح الباری اور استاذی المکرم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کی ”جلاء الصدور“ کا مطالعہ کریں۔ اس رسالہ میں تو صرف بطور تبرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جا رہا ہے جو نہایت اختصار پر مبنی ہے۔

تنبیہ: ”إِنَّ سَائِرَ الْأَمْوَاتِ أَيْضًا يَسْمَعُونَ السَّلَامَ“ ”بیشک تمام فوت ہونے والے لوگ سلام اور کلام کو سنتے ہیں وَالْكَلامَ وَتُعَرِّضُ عَلَيْهِمْ أَعْمَالُ أَقَابِهِمْ فِي بَعْضِ الْأَيَّامِ“ اور بعض دنوں میں ان کی قریبی رشتہ داروں کے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔“

البتہ انبیائے کرام کی زندگی ارفع و اعلیٰ ہے اس طرح شہداء کرام کی زندگی بھی بنسبت عام شخص کے اعلیٰ ہے۔ ❶

نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا حکم:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمَرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فَمِهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَغَرٍّ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ: أَمَا شَعُرْتُ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ“ ❷

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ نبی کریم ﷺ نے بطور زجر ”کنخ کنخ“ کہا تا کہ یہ منہ سے نکال کر پھینک دے پھر آپ نے فرمایا: کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔“

”کنخ کنخ“ یہ کلمہ عربی حضرات کسی کو ڈانٹنے اور جھڑکنے پر بولتے تھے جب کسی نا پسندیدہ چیز سے روکنا ہوتا تھا۔ جس طرح ہماری زبان میں زور دے کر کہا جاتا ہے: ہوں ہوں۔ یہ کلمہ مقصد پر زیادہ دلالت کرتا ہے بنسبت یہ کہنے کے ”لا تفعل“ زیادہ طور پر یہ کلمہ بچوں کے لئے بولا جاتا ہے جن کو تمیز نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کا آپ کو اس طرح زجر کرنا اس میں زیادہ مقصد یہ تھا کہ حاضرین کو پتہ چل جائے کہ آل رسول کے لئے صدقہ کا کیا حکم ہے۔

”هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَجِبَ عَلَى الْآبَاءِ نَهْيُ الْأَوْلَادِ عَمَّا لَا يَجُوزُ فِي الشَّرْعِ“

”اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آباء و اجداد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو غیر شرعی کاموں سے روکیں۔“

”وَلِذَا قَالَ عَلَمًاؤُنَا: يَحْرُمُ عَلَى الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ الْبَاسُ الصَّبِيُّ الْحَرِيرَ وَالْعُلَى مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ“

”اسی وجہ سے ہمارے علمائے کرام نے کہا ہے: کہ ماں باپ پر حرام ہے بچوں کو (مذکر) ریشمی لباس پہنانا اور سونے چاندی کا زیور پہنانا۔“

”قَالَ ابْنُ حَبَرٍ: يَحْرُمُ عَلَيْهِ ﷺ الصَّدَقَةُ الْوَاجِبَةُ وَالْمُدَّوْبَةُ وَأَمَّا عَلَى آلِهِ فَالْمَفْرُوضَةُ لَا غَيْرُ“

”علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ پر تو صدقات فرضیہ اور نفلیہ حرام تھے لیکن آپ کی آل پر صرف فرضی صدقات حرام ہیں نفلی حرام نہیں۔“

”وَقَالَ ابْنُ الْمَلِكِ: الصَّدَقَةُ لَا تَحِلُّ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَرَضًا كَانَتْ أَوْ نَفْلًا وَكَذَا الْمَفْرُوضَةُ لِآلِهِ أَيْ أَقْرَبَائِهِ وَأَمَّا التَّطَوُّعُ فَمُبَاهٍ لَهُمْ“

”ابن مالک نے کہا ہے: صدقہ نبی کریم ﷺ کے لئے تو مطلقاً حرام ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔ البتہ آپ کی آل یعنی اقرباء کے لئے صرف فرض صدقہ حرام ہے نفلی جائز ہے۔“

”نہایہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ نفلی صدقہ آل رسول کے لئے مطلقاً جائز ہے۔“

”فَقَالَ فِي النَّهْيَةِ وَيَجُوزُ النَّفْلُ بِالْإِجْمَاعِ“
(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3 ص 165-166)

فرض اور نفلی صدقہ میں فرق کیوں؟

”نفلی صدقات اور وقف سے آل رسول پر مال خرچ کرنا جائز ہے فرض جائز نہیں۔ کیونکہ فرض صدقہ کرنے والا اپنے ذمہ لازم حق کو ادا کر کے اپنے آپ کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو مال بطور صدقہ ادا کرتا ہے وہ مستعمل پانی کی طرح ہو جاتا ہے جس

”وَأَمَّا التَّطَوُّعُ وَالْوَقْفُ فَيَجُوزُ الصَّرْفُ إِلَيْهِمْ لِأَنَّ الْمُؤَدَّى فِي الْوَاجِبِ يَطْهَرُ نَفْسَهُ بِإِسْقَاطِ الْفَرْضِ فَيَتَدَنَسُ بِهِ الْمُؤَدَّى كَالْمَاءِ الْمُسْتَعْمِلِ وَفِي النَّفْلِ يَتَبَرَّعُ بِمَا عَلَيْهِ يَتَدَنَسُ بِهِ الْمُؤَدَّى كَمَنْ تَبَرَّعَ بِالْمَاءِ“^①

میں پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن نفلی صدقہ کرنے والا اپنی خوشی سے وہ مال دیتا ہے جو اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا۔ لہذا وہ مال میل کچیل کی حیثیت نہیں رکھتا جس طرح ایک با وضو شخص پانی کو ٹنڈک حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے اس کے جسم پر ظاہری ناپاکی بھی نہ ہو وہ پانی اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ پاک کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے اسی طرح یہ مال بھی پاک و صاف ہوتا ہے میل کچیل سے پاک ہوتا ہے آل رسول کی شان کے لائق ہوتا ہے۔“

فائدہ:

”اسی طرح نفلی صدقہ غنی کو کھانا بھی جائز ہے۔“ ”تلاوی عنایہ“
میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔“

”وَكَذَا يَجُوزُ النَّفْلُ لِلْغَنِيِّ كَذَا فِي الْفَتَاوَى الْعِنَايَةِ“
(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3 ص 166)

صاحب ہدایہ نے بیان کیا:

”صدقہ دے کر لوٹنا درست نہیں کیونکہ مقصد ثواب حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہو چکا تھا۔ اسی طرح جب غنی کو صدقہ کا مال عطا کرے تو مال لوٹائے نہیں کیونکہ کبھی غنی کو بھی مال ثواب کی غرض سے دیا جاتا ہے۔“

”وَلَا رَجُوعَ فِي الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الثَّوَابُ وَكَذَا حَصَلَ وَكَذَا إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى غَنِيٍّ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ قَدْ يَتَصَدَّقُ بِالصَّدَقَةِ عَلَى الْغَنِيِّ الثَّوَابُ“^②

صاحب عنایہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

”فَإِذَا تَصَدَّقَ عَلَى غَنِيٍّ يَطْلُ الرُّجُوعُ اسْتِحْسَانًا وَفِي الْعِنَايَةِ“
”جب غنی کو صدقہ کرے تو استحساناً رجوع باطل ہے اگرچہ قیاس

① ہدایہ امام علی بن ابوبکر القرطبی کتاب الہبہ ج 3 ص 293

مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 3 ص 166

لَهُ الرُّجُوعُ لِفَرْضِ كَمَّةٍ حُصُولُ الْوُضُوءِ وَوَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ
الْصَّدَقَةَ عَلَى الْفَنِيِّ قَدْ يَرَادُ بِهَا الثَّوَابُ

یہ چاہتا ہے کہ رجوع جائز ہو کیونکہ غنی کو صدقہ دینے میں بدلہ حاصل کرنے کی غرض ہوتی ہے لیکن وجہ استحسان یہ ہے کہ بیشک غنی کو کبھی صدقہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔

”وَالْتَصَدَّقُ عَلَى الْفَنِيِّ لَا يُغْنِي الْقُرْبَةَ“ (مناہ)
”كُمُ التَّصَدَّقُ عَلَى الْفَنِيِّ يَكُونُ قُرْبَةً يَسْتَحِقُّ بِهَا الثَّوَابَ
فَقَدْ يَكُونُ غَنِيًّا بِمِلْكِ النَّصَابِ وَكَهَ عِيَالٌ كَثِيرٌ وَالنَّاسُ
يَتَصَدَّقُونَ عَلَى مِثْلِ هَذَا لِتَمْلِكَ الثَّوَابَ الْآخِرَى إِنَّكَ عِنْدَ
إِسْتِبْكَاهِ الْحَالِ يَتَأَدَّى الْوَاجِبُ مِنَ الزَّكَاةِ بِالتَّصَدَّقِ عَلَيْهِ وَلَا
رُجُوعَ لَهُ فِيهِ بِالْإِتِّفَاقِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ الْعِلْمِ بِحَالِهِ لَا يَغْنِي لَهُ
حَقُّ الرُّجُوعِ“ ❶

”غنی کو صدقہ دینا قربت حاصل کرنے کے کوئی منافی نہیں۔“
”غنی کو صدقہ دینا قربت کا کام ہے اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے کبھی غنی ہوتا ہے کیونکہ نصاب کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے اہل و عیال کثیر ہوتے ہیں اور لوگ اس پر صدقہ کرتے ہیں تا کہ ثواب حاصل ہو جائے کیا تم اس مسئلہ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ایک شخص جو بی صدقہ یعنی زکوٰۃ کا مال ایک ایسے شخص کو دیتا ہے جس کا حال مشتبہ ہوتا ہے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ غنی تھا

تو مال واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں بالاتفاق اسکا صدقہ واجب ہو گیا اسی طرح نفلی صدقہ میں بھی علم کے بعد لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصد دینے والے کا ثواب حاصل کرنا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا۔“

اس بیان کردہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ عام طور پر ایصالِ ثواب کی محافل میں صدقات و خیرات میں فقراء، اغنیاء، شریک فائدہ ہوتے ہیں وہ ثواب سے خالی نہیں۔ یہ کہنا کہ جس محفل میں غنی شریک ہوں اس میں کھانا کھانا ثواب سے خالی ہوتا ہے یہ غلط ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے بے خبری ہے۔

ملک بدلنے سے صدقہ بدیہ بن جاتا ہے:

نبی کریم ﷺ ایک دن گھر تشریف لائے تو آپ نے پوچھا: گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہے؟ آپ کی خدمت میں کچھ کھجوریں پیش کی گئیں۔ آپ نے فرمایا: کہ ہنڈیا میں جو گوشت پک رہا ہے اس میں ہمارے لئے کوئی حصہ نہیں۔ تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکاحہ (لوٹھی) تھیں انہوں نے عرض کیا: کہ یہ گوشت مجھے بطور صدقہ دیا گیا ہے۔ آپ چونکہ صدقہ کا مال نہیں کھاتے اس لئے آپ کی خدمت میں نہیں پیش کیا جا رہا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا لَكَ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَذِهِ ”تمہارے لئے صدقہ اور ہمارے لئے بدیہ ہے“ یعنی اگر کسی مستحق کو صدقہ کا مال دیا جائے وہ اپنی طرف سے غیر مستحق یعنی آل رسول یا غنی کو دے تو جائز ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ ❷

نبی کریم ﷺ کی سخاوت کی ایک جھلک:

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيرٍ وَأَعْطَى كُلَّ سَائِلٍ“ ❶

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ جب رمضان شریف داخل ہوتا تو قیدیوں کو آزاد کر دیتے اور ہر سوال کرنے والے کو عطا کرتے۔“

”یعنی رمضان شریف میں ہر سائل کو عام عادت سے زائد

”أَعْطَى كُلَّ سَائِلٍ أَيْ زِيَادَةً عَلَى مُعْتَادِهِ“

عطا کرتے۔“

ورنہ آپ نے کسی موقع پر بھی ”نہ“ نہیں فرمایا۔ مسلم شریف میں ہے:

”مَا سُئِلَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ فَبَاءَهُ رَجُلٌ فَأَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَرَجَعَ إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ: يَا قَوْمِ اسْلِمُوا فَإِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِي عَطَاءً مَنْ لَا يَخْشَى الْفَقْرَ“

”وہ عطا کی آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ (اس نے اسلام قبول کیا اس کے تالیف قلب کے لئے) آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی تمام بکریاں عطاء فرمادیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گیا تو کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام لے آؤ۔ بے شک محمد (ﷺ) تو اتنا مال دیتے ہیں کہ فقر کا کوئی خوف ہی نہیں رہتا۔“

بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”مَا سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ يَنْقُطُ فَقَالَ: لَا“ ❷

”کوئی ایسی چیز نہیں جس کا سوال حضور ﷺ سے کیا گیا ہو تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو ”نہیں“ یعنی آپ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔“

خیال رہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ دینے کے لئے نہیں ہوتا تو آپ عذر پیش فرما دیتے۔ وہ درحقیقت انکار نہیں ہوتا

تھا، بلکہ اظہار حقیقت ہوا کرتا تھا۔

تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول ﷺ نے صوم وصال (دن رات کا لگاتار روزہ درمیان میں افطار نہ پایا

جائے) سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کیا:

”إِنَّكَ تَوَاصَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: وَأَنْتُمْ مِثْلِي أَيْتُ أَيْتُ“ ”روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم سے میری مثل کون ہو سکتا

يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْلِفُنِي ①

ہے میں تو رات ایسے حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔“

حدیث پاک ظاہر پر محمول نہیں، حقیقی طور پر کھانا اور پلانا مراد نہیں کیونکہ اگر حقیقی طور پر کھانا پینا میسر ہو تو صوم وصال نہیں: ”يَعْنِي اَنْتُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَ الصِّيَامَ مُتَوَالِيَةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“ یعنی تم دن رات کا لگاتار روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو۔ ”وَكُنِيَ قُوَّةً رُوحَانِيَةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى اُطْعِمُ عَنْدَهُ وَاسْعَى“ کیونکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوت حاصل ہے۔ مجھے تو اس کی طرف سے محبت کا کھانا کھلایا جاتا ہے اور محبت کا مشروب پلایا جاتا ہے یعنی رب تعالیٰ کی تجلیات کے انوار کا دیدار کرنے سے مجھے تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔“

انبیائے کرام علیہم السلام سے محفوظ:

”اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَالِمُونَ مِنَ الْاِحْتِلَامِ“ ”بیشک انبیائے کرام علیہم السلام سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ نیند لاکہ علامۃ ثلثی الشیطان فی حال المنام“ کی حالت میں یہ شیطان کے آنے کی علامت ہے۔“

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ رمضان کی فجر میں بغیر احتلام کے حالت جنابت میں ہوتے تو غسل فرماتے اور روزہ رکھتے“ تو اس حدیث سے یہ مقصد واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو احتلام اس صورت میں تو نہیں ہوتا تھا کہ وہ خواب میں جماع کریں، کیونکہ یہ اس شخص کو کیفیت حاصل ہوتی ہے جس سے شیطان نیند کی حالت میں کھیلے اور انبیائے کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں۔

”وَاَمَّا الْاِحْتِلَامُ بِمَعْنَى مِنْ غَيْرِ رُؤْيَا وَكَيْفٍ فَهُوَ غَيْرُ مُسْتَحْبِلٍ عَلَيْهِمْ“ ”لیکن احتلام سے اگر صرف منی کا لکنا مراد لیا جائے بغیر جماع دیکھنے کے نیند کی حالت میں تو یہ انبیائے کرام علیہم السلام سے محال نہیں۔“

کیونکہ یہ امور خلقیہ اور عادیہ سے ہے۔ اس میں انبیائے کرام علیہم السلام اور دوسرے حضرات برابر ہیں چونکہ اس میں شیطان کی دخل اندازی نہیں ہوتی۔ ②

نبی کریم ﷺ کے استغفار کرنے کی وجہ:

حضرت اغر حرنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

① تورا الا نوار ملا جیون رحمہ اللہ ص 26

② بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، باب ردیۃ الہلال ج 1 ص 175

مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 4 ص 261

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ لَيَغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک جب میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ایک سو مرتبہ اللہ فی الیوم مائة مرة“ (مسلم، مکتوۃ، باب الاستغفار ج 1، ص 203) استغفار کرتا ہوں۔“

اس حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ہے ”لَيَغَانُ“ جس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ”یاء پر پیش ہے معنی اس کا یہ ہے کہ چھا جانا ڈھانپ لینا اور پردہ چھا جانا۔“

البتہ اس پردہ سے مراد کون سا پردہ ہے؟ وہ یہ ہے: ”عَلَى قَلْبِي أَيْ عِنْدَ إِرَادَةِ رَبِّي“ یعنی جب میں رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کروں تو جو چیز رکاوٹ بنے اس کے زوال کے لئے میں استغفار کرتا ہوں۔ اس توجہ سے مراد بھی خصوصی توجہ ہے جس کا ذکر دوسری روایت میں آتا ہے: ”لَيْسَ مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْعَى فِيهِ مَلَكٌ مُّقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ“ مجھے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا وقت حاصل ہوتا ہے اس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ وسعت نہیں رکھتا۔“

وہ کیا چیزیں ہیں جو اس حالت میں حائل ہوتی تھیں جن کو آپ نے پردہ سے تعبیر فرمایا؟ ایک تو یہ کہ جو بشری تقاضا کے مطابق ضروریات ہیں کھانا، پینا، نکاح وغیرہ۔ ”فَيَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَلَا الْأَعْلَى حِمْلُوهُ مَا فَسْتَغْفِرُ تَصْفِيَهُ“ جب آپ کے اور ملائعہ اعلیٰ کے درمیان یہ انسانی لوازمات حائل ہوتے تو آپ تصفیہ قلب (دل کو روشن کرنے کے لئے) اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے استغفار کرتے حالانکہ یہ کوئی گناہ نہیں ہوتا تھا صرف اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی طرف متوجہ ہونے کی ہنسبت یہ حالت کچھ کم ہوتی تو آپ بلندی حاصل کرنے کے لئے استغفار کرتے۔“

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رکاوٹ بنے، کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ تمام وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتے رہیں لیکن دوسری ذمہ داریاں درمیان میں کبھی حجاب بن جاتیں۔ ”وَقِيلَ هُمُ بِسَبَبِ أَمْرِهِ وَمَا أَطْلَعَهُ عَلَيْهِ مِنْ أَحْوَالِهِمْ“ بعض حضرات نے کہا کہ آپ جب امت کے حالات پر مطلع ہوتے تو آپ پر ایک غم کی کیفیت طاری ہوتی اس کے زوال کے لئے آپ استغفار کرتے۔“

”وَقِيلَ اشْتَغَالَهُ بِالنَّظَرِ فِي مَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَخَايَةِ أَعْدَائِهِ وَكَثَلِيبِ الْمُؤَلَّفَةِ“

بعض حضرات نے کہا کہ آپ اپنی امت کی بہتری کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمنوں سے اور نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں کی تالیف قلوب (ان کے دل میں اسلام کی محبت راسخ کرنے کے لئے ان سے محبت اور ان کی دلجوئی میں) مشغولیت کی وجہ سے بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ میرے یہ لمحات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مشغولیت سے دور رہے اسلئے آپ استغفار کرتے تھے۔ ❶

حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے کئی حج اور ہجرت کے بعد ایک:

”وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيرِ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَحُجُّ كُلَّ سَنَةٍ قَبْلَ أَنْ يُهَاجِرَ وَيُؤَافِقُهُ قَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِيِّ حَتَّى حَبَبًا لَا يُعْلَمُ عَدَدُهَا وَأَخْرَجَهُ الْعَاكِمُ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنِ الْقَوْرِيِّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَتَّى قَبْلَ أَنْ يُهَاجِرَ حَبَبًا وَأَمَّا مَا رَوَى الْقِرْمِذِيُّ عَنْ جَاهِلٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُهَاجِرَ حَبَبَيْنِ وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ مَاجَةَ وَالْعَاكِمِ ثَلَاثًا فَصَبَّحَ عَلَى عَلَيْهِ وَلَا يُنَافِي الْبَاطِلُ زِيَادَةَ وَغَيْرَهُ“ ❷

”ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہر سال حج کیا ہے اور ابن جوزی کا قول بھی اسی کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے آپ نے کئی حج کئے ہیں ان کی تعداد معلوم نہیں۔ حاکم نے ثوری سے سند صحیح کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کئے ہیں لیکن ترمذی نے حضرت جابر سے جو روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو حج کئے اور ابن ماجہ اور حاکم کی ایک روایت میں تین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اور جن حضرات نے زیادہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اسلئے ان میں کوئی منافات نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کا اظہارِ عجز:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: ”يَا مُحَمَّدُ الْبَرِّيَّةُ“ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَكَتَبَ لَهُمْ ❶

”اے تمام مخلوق سے بہتر ذات! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“

”اِنَّهُ قَالَ هَذَا تَوَاضَعًا وَاحْتِرَامًا لَا يُرَاهِمُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِخُلُوعِهِمْ وَابْتِغَاءِ بَرِيَّتِهِمْ قَالَ: اَنَا سَوْدٌ وَلَدِي اَمْرٌ عِزٌّ وَكَسَارِيءُ الْبَرِّيَّةُ“ ❷

”نبی کریم ﷺ کا فرمانا کہ ”خَيْرُ الْبَرِّيَّةِ“ تو ابراہیم ہیں یہ صرف عجز و انکساری کے پیش نظر تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اللہ ہونے

❶ مرقاة علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 5 ص 123

❷ مسلم مشکوٰۃ باب الفخر والخصیہ ج 2 ص 417

وَلَا فُخْرٌ ❶

اور اپنا جدا مجد ہونے کی وجہ سے احترام کے لئے تھا، ورنہ ہمارے نبی کریم ﷺ تو مخلوق سے بہتر و افضل ہیں۔ آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔“

یعنی آپ کا کلام بعض اوقات عجز و انکساری پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے اور بعض اوقات حقیقت کا بیان ہوتا ہے۔
 ”وَعَنْ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَطْرُقُونِي كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَى ابْنُ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ“ ❷

کہ میری مدح سرائی میں مبالغہ نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابنِ مریم کی مدح میں مبالغہ کیا ہے۔ بیشک میں اس کا عبد ہوں تم (میرے متعلق) کہو: اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اللہ تعالیٰ کا رسول۔“

نبی کریم ﷺ نے تشبیہ سے مسئلہ کو واضح فرمادیا کہ مدح میں نصاریٰ کی طرح مبالغہ نہ کرو۔ اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ النَّصَارَى أَفْرَطُوا فِي مَدْحِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَطْرَعُوا بِالْبَاطِلِ وَجَعَلُوهُ وَلَدَ اللَّهِ فَمَنْعَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَطْرَعُوا بِالْبَاطِلِ“

”بیشک نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور وہ بھی باطل طور پر مدح میں زیادتی کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا۔ ایسی باطل مدح سرائی سے حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو پہلے ہی منع فرمایا۔“

خیال رہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی معاذ اللہ مذمت میں مبالغہ کیا اور نصاریٰ نے مدح میں۔ رب تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔“

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ

یعنی حق بات کرو اور حق عدل ہے اتنی مدح نہ کرو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دو اور اتنی مذمت نہ کرو کہ معاذ اللہ آپ کو ”ولد الزنا“ کہہ دو۔

آپ ﷺ نے اپنے متعلق جب یہ بیان کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہا جائے۔ ضمناً خود سمجھ آ گیا کہ

❶ مرقاة علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 5، ص 263 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

❷ بخاری ومسلم، مشکوٰۃ باب الفخر والخصیة ج 2 ص 417

عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود نہ کہا جائے۔ باقی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ کی تعریف کا حق ادا کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ علامہ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دَعَا مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِي نَبِيِّهِمْ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيهِ وَاحْكُمْ
نصاری نے جو اپنے نبی کے متعلق (خدا کا بیٹا ہونے) کا دعویٰ کیا وہ تو چھوڑ دے اور اپنے نبی کی جتنی مدح بھی تو کرنا چاہتا ہے خود بھی کر اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دے۔

نبی کی عبودیت رسالت و نبوت سے افضل ہے!

آپ کے ارشاد ”قَاتِلْنَا أَنَا عَبْدُهُ“ کا مطلب ہے ”اتنا عبد الخا ص فی مقام الاختصاص“ میں مقام خاص میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”عبد“ کہنا آپ کی کامل مدح ہے۔ جیسے کسی فاضل و کامل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو شعر کی صورت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

لَا تَدْعُنِي إِلَّا بِمَا عَبْدُهُ فَإِنَّهُ أَفْضَلُ إِسْمَانِيَا

مجھے صرف اللہ تعالیٰ کا ”عبد“ کہہ کر پکارا جائے۔ بیشک یہ میرے ناموں میں سے افضل نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں اسی بلند وصف اور اعلیٰ فضیلت والے لفظ سے واقعہ معراج میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ) وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔ نزول قرآن کا ذکر کرتے ہوئے بھی رب تعالیٰ نے آپ کے اسی وصف کو ذکر فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ۖ

(سورة الفرقان 18:15)

”برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے نازل کیا اپنے خاص بندے پر۔“

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ

(سورة الفرقان 15:14)

”وَفِيهِ إِشَارَةٌ لِّطَيْفَةٍ وَبَشَارَةٌ لِّشَرِيفَةٍ أَنَّ الْعِنَايَةَ الرَّبُّوبِيَّةَ بِأَعْيَانِ غَايَةِ الْعَبُودِيَّةِ“ اور ان آیات میں آپ کے وصف عبد کو ذکر کرنے میں لطیف اشارہ اور اعلیٰ قسم کی بشارت پائی گئی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ عنایت اور عظیم مہربانی اسی وجہ سے پائی گئی ہے کہ آپ میں اعلیٰ درجہ کی عبودیت پائی جاتی ہے۔“

مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 9 ص 180-181

”إِنَّ الْعِبَادِيَّةَ أَفْضَلُ مِنَ الرِّسَالَةِ لِأَنَّ الْعِبَادِيَّةَ يُنْصَرَفُ مِنَ الْخَلْقِ إِلَى الْحَقِّ فَهِيَ مَقَامُ الْجَمْعِ وَالرِّسَالَةُ يُنْصَرَفُ مِنَ الْحَقِّ إِلَى الْخَلْقِ فَهِيَ مَقَامُ الْفَرَقِ“ ①

”بیشک عبودیت رسالت سے افضل ہے اسلئے کہ عبودیت میں مخلوق سے ہٹ کر رب تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس سے رب تعالیٰ سے وصل حاصل ہوتا ہے لیکن رسالت میں مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے کیونکہ مخلوق تک احکام الہیہ پہنچانے ضروری

ہوتے ہیں اسلئے اس حالت میں رب تعالیٰ کی جانب کامل توجہ نہیں رہتی جو بظاہر مقام فصل (جدائی دوری) حاصل ہوتا ہے۔“
 یہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی عبودیت کی بات ہو رہی ہے کہ ان کی عبودیت ان کی نبوت و رسالت سے افضل ہوتی ہے
 تنبیہ: کسی عام انسان کی عبودیت کو نبی کی نبوت سے افضل کہنا ہرگز جائز نہیں بلکہ اپنے قصد و ارادہ سے ایسا کہنے سے کفر لازم آئے گا۔

گناہ گاروں کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت:

”وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ لِمَنْ يُصَدِّقُنِي مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صَدِّقْتُ وَإِنْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صَدَّقَهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ“ ②

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کے اتنے تصدیق کرنے والے نہیں ہوئے جتنے میرے ہیں۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق کرنے والا صرف ایک شخص ہوا ہے۔“

”أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ أَيْ أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ لِلْعَصَاةِ مِنْ أُمَّتِي فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ“

”اپنی امت کے گناہ گاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔“

”وَقِيلَ أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ لِي الْجَنَّةِ لِرَفْعِ دَرَجَاتِ النَّاسِ فِيهَا“

”بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بھی کیا ہے کہ جنت میں لوگوں کے مدارج بلند کرنے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

”قیامت کے دن تمام انبیاء کرام سے میرے قبیعین زیادہ ہوں گے۔“

تمام جنتیوں میں سے دو تہائی آپ کی امت کے لوگ ہوں گے اور باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے لوگ

صرف ایک تہائی ہوں گے۔

”وَقَدْ أَشْعَرُ بِأَنَّ أَكْثَرِيَّةَ الْإِتِّبَاعِ تَوْجِبُ أَفْضَلِيَّةَ الْمُتَّبِعِ“ ”اس سے یہ واضح ہوا کہ جتنے تابعداری کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اسی مقدار میں متبوع (جس کی تابعداری کی جائے) میں فضیلت پائی جائے گی۔“

”یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ تمام ائمہ کرام میں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مقام بہت بلند و بالا ہے اور آپ کو یہ مقام ”فَأَنَّ غَالِبَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ أَتْبَاعِهِ فِي قُرُورِ الْأَحْكَامِ“ ”نصیب ہوا ہے کہ اہل اسلام کی کثرت آپ کے ہی تابع ہے۔“

تمام خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو دی گئیں:

”عَنْ أَبِي مُرَّةٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبِمَنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أُوتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الدُّنْيَا فَوَضَعْتُ فِي يَدَيَّ“ ”حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا گیا اور مجھے رعب عطا کیا گیا اور میں نے سوئے ہوئے دیکھا کہ مجھے

زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں جن کو میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔“

”جوامع الکلم“ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ قوت عطا کی گئی ہے کہ میں بہت مختصر کلام کرتا ہوں جس کے معانی کثیر ہوتے ہیں اور وہ بات بھی واضح ہوتی ہے ایسا بھی نہیں کہ کسی کو سمجھ نہ آئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ“ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امان ہوتا ہے۔ یہ کلام صرف دو کلموں پر مشتمل ہے لیکن اس سے معانی کثیر سمجھ آ گئے کہ کسی سے مشورہ کیا جائے کہ میں کیا کروں؟ خواہ وہ مشورہ کاروبار کا ہو کسی جگہ تعلیم حاصل کرنے کا ہو کسی چیز کو بیچنے کا ہو یا خریدنے کا خواہ رشتہ کرنے کا وغیرہ (اس کی ہزاروں مثالیں بن سکتی ہیں) تو مشورہ دینے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق صحیح مشورہ دے جس میں اس شخص کو فائدہ ہو۔ اگر یہ سمجھتا بھی ہو کہ اس میں اس شخص کا بھلا ہے لیکن یہ مشورہ اس کے خلاف دے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ امانت میں خیانت کر دے۔

اور آپ کا ارشاد کہ مجھے رعب عطا کیا گیا۔ دوسری حدیث پاک میں ہے: ”نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ“ مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ آپ کا دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا ہے۔

”فَإِذَا كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ مَسِيرَةً شَهْرًا هَابُوا وَفَرَعُوا“
 ”جبکہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت پائی جاتی ہو تو ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور وہ ڈرنا شروع ہو جاتے ہیں۔“

اور آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں زمین کے خزانوں کی کتیاں عطا کی گئیں تو یہ حقیقت ہے کیونکہ نبی کا خواب حقیقت ہوتا ہے۔ نہایت میں بیان کی گیا ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف شہروں کو فتح کرنا آسان کر دیا اور ان کے خزانے آپ کو عطا کر دیئے گئے۔ ❶

زمین کے مشارق و مغارب آپ ﷺ کو دکھائے گئے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَلُّنَّ مُلْكَهَا مَزَوًى لِيَ مِنْهَا“
 اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا، میری امت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا۔“
 (مشکوٰۃ، باب فضائل سید المرسلین، ص 512)

”زَوًى“ کا معنی ہے جمع کرنا، قبض کرنا جو چیز بعید سے قریب نظر آئے یعنی تمام زمین کو سمیٹ کر میرے سامنے کر دیا گیا۔
 ”وَجَعَلَهَا مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِي مِرَاةٍ نَظَرَهَا“
 ”یعنی تمام زمین کو آپ کے سامنے ایسے کر دیا گیا جیسے کہ انسان اپنی ہتھیلی کو اپنی نظر کے سامنے دیکھے۔“

اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ ❷
 ”وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَلُّنَّ“ کی تفسیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”اشعة اللمعات“ میں ذکر فرمایا:
 ”ای امت من رسید در جمیع ممالک رفته برفتن یعنی اسلام در“ ”یعنی میری امت تمام ممالک میں آہستہ آہستہ پہنچ جائے گی
 جمیع ممالک خواہ رسید“ ”یعنی تمام ممالک میں اسلام پہنچ جائے گا۔“

سبحان اللہ! میرے حبیب پاک ﷺ کا ارشاد گرامی جگہ گرا رہا ہے۔ آج دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں میرے آقا و مولیٰ ﷺ کا نام لیوا کوئی نہ ہو۔

آپ ﷺ متمم اخلاق ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ایضاً

مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 50-48

”إِنَّ اللَّهَ بِعَفْوَ لَتَمَامٍ مَّكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَعَالِيهِ“ (شرح السنۃ، مشکوٰۃ باب فضائل المرسلین 512) کی تکمیل کے لئے بھیجا۔“

”مکارم“ سے مراد ایسی عادات جن کی وجہ سے انسان کریم کہلائے۔ ”اخلاق“ سے مراد احوال یعنی تمام ایسے احوال جن کی وجہ سے انسان کریم ہوتا ہے ان کی تکمیل رب تعالیٰ نے میرے ہی ذریعے فرمائی اور تمام ظاہری افعال اور اقوال کی تکمیل کے لئے مجھے بھیجا گیا یعنی آپ کی شریعت تمام اچھے افعال پر مشتمل ہے اور آپ کی طریقت تمام کامل احوال کو حاوی ہے اگرچہ حضور ﷺ کے مکارم اخلاق ان گنت ہیں بے شمار ہیں۔ لیکن آپ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کی امت کو بھی جو اچھے اخلاق عطا کئے گئے ہیں وہ دس ہیں۔ اور یہ وہ اخلاق ہیں جو بعض اوقات بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں باپ کو نہیں اور بعض اوقات باپ کو حاصل ہوتے ہیں بیٹے کو نہیں۔ وہ یہ ہیں:

- ①: سچ بولنا
- ②: سچی امید رکھنا
- ③: سائل کو عطا کرنا
- ④: کسی کے عمل کا اچھا بدلہ دینا۔
- ⑤: امانت کی حفاظت کرنا
- ⑥: صلہ رحمی یعنی قرابت داروں سے اچھا سلوک رکھنا۔
- ⑦: اپنی زوجہ اور اپنے احباب سے اچھا سلوک رکھنا
- ⑧: مہمان نوازی کرنا
- ⑨: پڑوسیوں سے اچھا سلوک رکھنا۔
- ⑩: اور ان تمام سے بڑھ کر حیا ہے۔ یعنی ”حیا رکھنا“

نبی کریم ﷺ میں یہ تمام امور کامل طور پر پائے جاتے تھے اور بھی ہر قسم کے اچھے افعال و اقوال کے آپ جس طرح مالک تھے کسی دوسرے کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ ریشم سے نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار:

”عَنْ أَنَسٍ مَّا مَسَّتْ يَدَاهُ وَلَا حَبْرَةَ النَّهْنِ مِنْ كَيْفِ“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی ریشمی کپڑے رسول اللہ ﷺ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے نرم ہو۔“

یعنی آپ کے ہاتھ مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے۔

”عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَوةَ الْأُولَى ثُمَّ خَرَجَ إِلَى أَهْلِهِ وَخَرَجْتُ مَعَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ وَلَدَانِ فَجَعَلَ يُمَسِّحُ خَدَّيْ أَحَدَهُمَا وَاحِدًا وَاحِدًا وَكَأَنَّمَا خَدَّيْ فَوَجَدْتُ لِيَدَيْهِمْ بَرْدًا أَوْ يَبَعًا كَأَنَّمَا أَخْرَجَهُمَا مِنْ جُودَةٍ“ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ چھوٹے چھوٹے بچے حضور ﷺ کا استقبال کر رہے تھے۔ آپ نے ہر

عَطَّار ❶

ایک ایک کے دونوں رخساروں کو مس فرمایا اور میرے رخساروں کو بھی مس فرمایا۔ میں نے آپ کے ہاتھ مبارک ٹھنڈے اور خوشبودار محسوس کئے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ ابھی عطار کی ڈبیہ سے نکالے ہوں۔“

سبحان اللہ! میرے حبیب ﷺ کتنے زیادہ شفیق و مہربان تھے۔ بچوں سے شفقت بھرا پیار کرتے کہ ایک ایک کے رخساروں کو اپنے کریم ہاتھوں سے تھکی دے رہے تھے۔ بچے بھی آپ سے تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ کی محبت و پیار حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑ کر آتے آپ سے ہاتھ ملاتے۔ ❷

کاش! یہ احادیث ان مخر بین اخلاق کو بھی سمجھ آئیں جو بظاہر معلمین اخلاق بن کر ظلم و ستم کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ خونخوار درندے بن کر قوم کے بچوں کا خون چوس رہے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے افعال و اقوال تو غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کو ہی سمجھ آ سکتے ہیں۔ ظالم سرداروں چوہدریوں کو کیا سمجھ آئیں جن کے دلوں پر ظلم و ستم کی مہر لگ رہی ہے:

ہرگز نہ شود ظالماں را کردار بہ خدا یا سر ظالماں بر سردار بہ
ظالم سرداروں کا ہرگز بہتر کردار نہیں ہو سکتا۔ اے خدا! ظالموں کا سر سولی پر ہی بہتر ہے۔

آپ ﷺ کا پسینہ خوشبودار اور باعث برکت:

”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ ان کے گمر عام طور پر تشریف لاتے اور قیلولہ فرماتے۔ وہ آپ کے لئے چڑے کا بچھونا بچھاتیں جس پر آپ قیلولہ فرماتے۔ حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا وہ آپ کے پسینے کو جمع کر کے اپنی خوشبو میں ملا رہی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ یہ کیا؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے جس کو ہم اپنی خوشبو میں ملا رہے ہیں کیونکہ یہ سب خوشبوؤں سے اعلیٰ خوشبو ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس سے ہم اپنے بچوں کے لئے برکت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے تمہیں اس سے برکت حاصل ہوگی۔“

❶ مسلم، مشکوٰۃ، باب اسماء النبی ﷺ و صفاتہ ج 2 ص 517

❷ مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 79

❸ مسلم، مشکوٰۃ، باب اسماء النبی ﷺ و صفاتہ ج 2 ص 517

نبی کریم ﷺ کو پسینہ زیادہ آتا تھا:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو حیا زیادہ آتی تھی اور جسے حیا زیادہ آئے اسے پسینہ زیادہ آتا ہے۔ کسی قسم کا عطر کستوری ہر قسم کی خوشبوداری اشیاء میں ایسی خوشبو نہیں پائی گئی جو میرے حبیب ﷺ کے پسینہ مبارک میں تھی۔ میرے آقا و مولیٰ کو ایک عام انسان سمجھنے والوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے پسینہ سے بدبو آتی ہے کوئی قریب بیٹھنا پسند نہیں کرتا، لیکن حضور ﷺ کا پسینہ خوشبودار چیزوں کی خوشبو بڑھانے کیلئے استعمال ہوتا تھا اور آپ کے پسینہ سے برکت حاصل ہوتی تھی۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہ عرض کرنے پر کہ ہم آپ کے پسینہ کو بچوں کے لئے برکت حاصل کرنے کے لئے استعمال کریں گے۔ آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا: ”أَصَبْتُ أَيْ فَعَلْتُ الصَّوَابَ“ تم نے درست کام کیا ہے یقیناً میرے پسینہ میں برکت ہے۔

”وَفِيهِ اسْتِحْبَابُ التَّهَرُّكِ وَالتَّقَرُّبِ بِإِكْرَارِ الصَّلَاتِ الْحَمْدُ“
”اس حدیث پاک سے یہ سمجھ آیا کہ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کا تقرب حاصل کرنا مستحب ہے۔“

”لَمَّا حَضَرَ رَأْسُ بَنِي مَالِكٍ الْوَقْفَاءُ أَوْصَى أَنْ يُجْعَلَ فِي حُتُوِّهِ مِنْ ذَالِكَ الطَّبْخِ“
”جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی: میری وفات کے بعد مجھے جو خوشبو (حتو) لگائی جائے اس میں وہ خوشبو بھی ملانا جو میری ماں نے حضور ﷺ کا پسینہ ملا کر تیار کی تھی۔“

سبحان اللہ! صحابی رسول ﷺ کا کیسا پختہ ایمان ہے کہ آپ کا پسینہ قبر میں بھی برکت کا باعث بنے گا۔ خیال رہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ام حرام رضی اللہ عنہا دونوں بہنیں ہیں، ملحان کی بیٹیاں ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی دس سال خدمت کرنے والے خوش نصیب صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ان کا نکاح پہلے مالک سے تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے ہیں بعد میں ان کا نکاح طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ ام سلیم اور ام حرام رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں۔ رضاع کی وجہ سے انہیں یا نسب کی وجہ سے اس لحاظ پر آپ ان کے گھر عام طور پر تشریف لے جاتے۔ آپ ان کے محرم تھے محرم سے خلوت جائز ہے۔ کسی اجنبی غیر محرمہ عورت سے آپ نے کبھی خلوت نہیں کی۔ اگرچہ امت کی تمام عورتوں کو آپ کی محرمہ درجہ حاصل تھا۔ یہ دونوں بنی نجار سے تھیں اور حضرت عبدالمطلب کی شادی بھی بنی نجار سے تھی کہ یہ اپنے باپ ہاشم سے جدا ہو کر مدینہ چلے گئے تھے اور وہاں بنی نجار سے شادی کر لی تھی۔ ❶

پسینہ کی خوشبو سے پتہ چلتا کہ آپ یہاں سے گزر رہے ہیں:

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَسْلُكْ طَرِيقًا فَيَتَّبِعُهُ أَحَدٌ جَبَّ بِمَنْ كَسَى رَاسَهُ بِرُحْلٍ تَوَلَّى آخِرَهُ كَيْفَ تَوَلَّى آخِرَهُ“^①
 جب بھی کسی راستہ پر چلے تو آپ کے بعد جب کوئی اس راستہ پر چلا تو اسے آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پتہ چل گیا کہ حضور ﷺ کا یہاں سے گزر ہوا ہے۔“

یہاں جس خوشبو کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ ”هُوَ طَيْبُ عَرْقِهِ الْخَلْقِيُّ لَا طَيْبُ عَرْقِهِ الْعُرْفِيِّ“ آپ کے پسینہ مبارک میں جو خوشبو قدرتی طور پائی جاتی تھی وہ مراد ہے۔ عام طور پر پسینہ کی بدبو زائل کرنے کے لئے لوگ جس خوشبو کا استعمال کرتے ہیں وہ مراد نہیں۔

”هَذَا مِنْ خَصَائِصِهِ دُونَ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ“ ”پسینہ میں قدرتی طور پر خوشبو کا پایا جانا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے باقی انبیاء کرام بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔“^②

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے برکت اور شفاء حاصل کرنا:

”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِينَةِ بِأَبْنَمَتِهِمْ فِيهَا الْمَاءُ فَمَا يَكُونُونَ بِأَنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيهَا فَرُبَّمَا جَاءَ وَهُوَ بِالْغَدَاةِ الْبَارِكَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيهَا“^③
 ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو مدینہ طیبہ کے تمام خدام یعنی بچے اور بچیاں آپ کے پاس برتن لاتے۔ جو بھی برتن لاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے۔ بسا اوقات وہ بہت ٹھنڈا پانی لاتے آپ اپنے ہاتھ کو اس میں بھی ڈالتے۔“

وہ اپنے برتن آپ کے پاس کیوں لاتے؟

”وہ آپ سے برکت طلب کرتے، رزق کی زیادتی طلب کرتے، عافیت طلب کرتے اور شفا طلب کرتے۔“
 ”فَيَطْلُبُونَ الْبُرْكَاتِ وَالْبَرَكَاتِ وَالْعَافِيَةَ وَالشِّفَاءَ“

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ ٹھنڈے پانی میں بھی ہاتھ ڈالتے تھے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ مجھے بے شک تکلیف ہو لیکن لوگوں کے دل خوش رہیں انہیں تسلی حاصل ہو۔ خاص کر کے آپ خدام اور ضعیف لوگوں کا زیادہ خیال کرتے کیونکہ وہ اپنے برتن لاتے ہی اس لئے تھے کہ آپ کے ہاتھ مبارک سے برکت حاصل کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ نے غرباء

مرقاۃ، علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 83

①

مسلم، مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاتہ ج 2 ص 517

②

مسلم، مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ ج 2 ص 519

③

سے اپنے عجز کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ كَانَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالصَّبِيَّانِ وَالْعِيَالِ "تمام لوگوں سے زیادہ بچوں پر رحم کرنے والے تھے اور عیال پر بھی بہت زیادہ رحم فرماتے تھے۔" كَانَ يَمَّا يَقُولُ لِعِخَادِمِ أَلَيْكَ حَاجَةٌ "آپ کو اگر کوئی خادم ملتا (یعنی دوسرے لوگوں کے خدام ہوتے) تو آپ اس سے پوچھا کرتے تھے: کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟" ❶

نبی کریم ﷺ کی عجز و انکساری:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاخِشًا وَلَا مُتَفَعِّشًا وَلَا سَخَاهًا فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْرِي بِالسُّنَةِ السُّنَةِ وَلَكِنْ يَعْلُو وَيَصْفَى" ❷

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متکبر اور نہ ہی بازاروں میں چلانے والے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ آپ معاف فرما دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔"

حضور ﷺ نہ فحش کلام فرماتے اور نہ ہی آپ کا کوئی فعل ایسا ہوتا جو فحش پر مبنی ہوتا۔ آپ متکبر نہیں تھے یعنی تکلف سے قول و فعل کو فحش طریقہ سے ادا کرنا۔ بے ہودہ تہقہہ لگانا اور راہ گیر سے مزاح اڑانا، شرفاء کو تنگ کرنا، یہ سب فحش کی علامات ہیں۔ آپ ﷺ اس قسم کی حرکات سے مکمل طور پر دور تھے۔

بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرنا، بلا ضرورت زور زور سے کسی کو آواز دینا، کسی پر آواز کسنا آپ کا شیوہ نہیں تھا۔ یہ حرکات بے ہودہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔

رب تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ" (ان کو معاف کریں اور درگزر کریں بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) پر کامل طور عمل تھا۔ کسی کو اس کی بداخلاقیوں کا بدلہ بد اخلاقی نہیں دیتے تھے بلکہ اگر کوئی شخص آپ سے برائی سے پیش آتا تو آپ اس سے اچھائی سے پیش آتے۔ ذاتی طور پر اپنے آپ پر ہونے والی زیادتیوں کو معاف فرما دیتے تھے اور درگزر فرما دیتے۔ ❸

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

"أَنَّكَ كَانَ يَعُوذُكَ مِنْ بَعْضِ النَّاسِ فَتَجِدُهُ دَعْوَا الْمَمْلُوكِ" "کہ بیشک آپ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے اور جنازے

وَيَرْكَبُ الْخِمَارَ لَقَدْ رَأَيْتَهُ يَوْمَ خَبَّرَ عَلَى خِمَارٍ عَظَمَاءَهُ
لَيْفٌ ①
گوشت (گدھے) پر سوار ہوتے ہیں نے آپ کو خیر کے دن

دیکھا کہ آپ ایک دراز گوش پر سوار ہیں اور اس کی رسی بان کی ہے۔ (یعنی کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی رسی تھی)۔

یہ سب چیزیں آپ کی کامل تواضع پر دلالت کر رہی ہیں کیونکہ آپ میں معاذ اللہ تکبر کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ ابن ملک نے کہا ہے کہ دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونا سنت ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قُلْتُ: فَمَنْ اسْتَنَكَفَ مِنْ رُكُوبِهِ كَبَعْضِ الْمُتَكَبِّرِينَ“
”میں کہتا ہوں: جس شخص نے دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونے میں شرم محسوس کی جیسا کہ متکبر لوگ کرتے ہیں اور

ہندوستان کے جاہل لوگ کرتے ہیں وہ گدھے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے شرم کرنا درحقیقت گدھے سے بھی زیادہ ذلت کا سبب ہے۔“

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 94)

”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا صَافَهُ الرَّجُلُ لَمْ يَنْزِعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَنْزِعُ يَدَهُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الَّذِي يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ وَلَمْ يَرْمُقْهُمَا رُكُوبُهُ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيسٍ لَهُ“
”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ مبارک اس کے ہاتھ سے نہیں ہٹایا جب تک وہ اپنا ہاتھ کھینچ نہ لیتا اور آپ نے کبھی اپنا چہرہ اس سے نہیں پھیرا یہاں تک کہ وہ اپنا منہ پھیر لے اور آپ کو اپنے بیٹھنے والے سے گھٹنے آگے بڑھائے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا۔“

اس حدیث پاک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ذکر کیا گیا کہ آپ نے کبھی متکبرین کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ حسن اخلاق کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا۔

جس طرح جابر اور متکبر لوگ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے برابر بیٹھے بلکہ وہ اپنے گھٹنے پاس بیٹھنے والے سے آگے بڑھا کر بیٹھتے ہیں تاکہ ان کا تقدم ظاہر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں فرمایا۔ آپ نے کسی کے سامنے کبھی اپنے گھٹنے کھڑے بھی نہیں کئے: ”بَلْ كَانَ يَخْفِضُهَا تَعْظِيمًا لِجَلِيسِهِ“ بلکہ آپ اپنے گھٹنے پس رکھتے کیونکہ آپ پاس بیٹھے ہوئے شخص کی تعظیم کا لحاظ کرتے۔ ”وَلَا يَمُدُّ رِجْلَهُ عِنْدَ جَلِيسِهِ تَعْظِيمًا لَهُ“ آپ نے اپنے ہم نشین کی تعظیم کا خیال کرتے ہوئے کبھی پاؤں

پھیلائے بھی نہیں۔

یہ سب کچھ تعلیم امت کی خاطر تھا کہ کوئی شخص مصافحہ کرتے وقت جلد بازی سے اپنا ہاتھ کھینچ نہ لے۔ کسی سے بات کرتے وقت اپنا رخ اس سے نہ پھیرے۔ کسی کو اپنے آپ سے حقیر سمجھ کر آگے بڑھ کر نہ بیٹھے اور پاؤں نہ پھیلائے۔ ❶

دینی مدارس کے طلباء بعض اوقات از خود ادب کا لحاظ کرتے ہوئے استاذ کے برابر نہیں بیٹھتے۔ اس میں استاذ کا تکبر ثابت نہیں ہوتا اور دینی مدارس میں پانچ گھنٹے تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی مثال کسی سکول اور کالج سے نہیں مل سکتی۔ ایسی صورت میں اگر استاذ کو تھکاوٹ کی وجہ سے کبھی پاؤں پھیلانے پڑ جائیں یا گھٹنے کھڑے کرنے پڑیں تو اس میں استاذ کا تکبر نہیں ہوتا اور نہ ہی طلباء کو حقیر سمجھنا مطلوب ہوتا ہے بلکہ استاذ کا عذر ہوتا ہے۔

اگر ہزار اساتذہ میں سے کوئی ایک کمینہ بدترین، گھٹیا ذہن رکھنے والا، نالائق، بے ہودہ، کمینے خاندان کا فرد دینی مدارس میں بد نما داغ اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے اور طلباء کو حقیر سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ان کو گھر سے کھانا نہیں ملتا تو یہاں آگئے۔ تو یہ اسی ایک کمینے کی سوچ ہے ورنہ ہزار میں سے نو سونا نوے اپنے آپ کو طلباء کا باپ یا بڑا بھائی سمجھ کر شفقت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے عبودیت کو پسند فرمایا ملوکیت کو نہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الدَّهَبِ جَاءَنِي مَلَكٌ وَإِنْ حُبْرَتَهُ لَعَسَاوَى الْكُفَّةِ فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ: إِنَّ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلَكًا فَنَظَرْتُ إِلَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعُ نَفْسَكَ وَفِي رِوَايَةٍ ابْنُ عَبَّاسٍ فَالْتَقَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِلَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْمُسْتَشِيرِ لَهُ فَأَشَارَ جِبْرِيلُ بِيَدِهِ أَنْ تَوَاضَعَ فَقُلْتُ: نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ: فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَهْدِيكَ ذَلِكَ لَأَنْ تَكُلَ مَعَكُمْ يَقُولُ: أَكُلْ كَمَا يَكُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسْ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ“۔ ❷

”اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کے ازار بند (یعنی کمر) کی جگہ کعبہ شریف تک ہے اس نے کہا: بیشک آپ کا رب تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے: اگر تم چاہتے ہو تو نبی عبد بن جاؤ اور اگر تم چاہتے ہو تو نبی بادشاہ بن جاؤ۔ تو میں نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف نظر کی تو انہوں نے اشارہ میری طرف کیا کہ میں اپنے آپ کو عاجز رکھوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف توجہ کی گویا کہ آپ ان سے مشورہ طلب کرنے لگے تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے

اشارہ کیا کہ آپ عاجزی کو پسند کریں تو میں نے کہا کہ میں نبی عبد بنوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: میں ایسے کھانا کھاتا ہوں جیسے عبد کھاتے ہیں اور میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسا کہ عبد بیٹھتے ہیں۔“

فرشتے کو اتنا لمبا قد عطا کر کے بھیجا گیا کہ کعبہ شریف کی چھت تک اس کی کمر تھی اور باقی اوپر والا حصہ اس سے بلند تھا اس فرشتے کو اتنا لمبا دینے کی کیا وجہ تھی؟ ”لَعَلَّ وَجْهَ ظُهُورِهِ بِهَذِهِ الْعَظْمَةِ تَعْظِيْمًا لِهَذَا الْأَمْرِ“ شائد اسے یہ عظمت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اسے اتنا عظیم پیغام دے کر بھیجا گیا تھا کہ اس امر کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔

فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام دیتا ہے۔ صاحب نہایہ نے اس کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے: اگر کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ میرا سلام فلاں کو پہنچانا تو اسے چاہیے کہ وہ سلام پہنچائے اور وہ دوسرا شخص سن کر اس کا جواب دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ ساتھ چاہتے ہیں تو عبودیت کو پسند کر لیں اور اگر چاہتے ہیں تو ملوکیت (بادشاہت) کو پسند کر لیں آپ نے جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انہوں نے آپ کو عبودیت پسند کرنے کا مشورہ دیا۔ ”وَفِيهِ إِيْمَاءٌ إِلَى أَنَّ الْمُلُوكِيَّةَ وَكَمَالَ الْعِبُودِيَّةِ لَا يَجْتَمِعَانِ“ ”اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ بادشاہت اور کامل عبودیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔“

نبی کریم ﷺ چونکہ افضل الانبیاء ہیں۔ اسلئے آپ کو اعلیٰ قسم کی عبودیت حاصل ہے اگرچہ مطلقاً بادشاہت کا حاصل ہونا کوئی عبودیت کے منافی بھی نہیں۔ ”لَا بَعْضُ الْأَنْبِيَاءِ جَمَعَ لَهُمْ بَيْنَهُمَا“ اسلئے کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو دونوں چیزیں یعنی بادشاہت اور عبودیت حاصل تھیں۔

بعض اوقات مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا کمال بھی نظر آتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے: ”يُعْمَدُ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ وَكَتُّوْهُ وَسِمْلَةٌ إِلَى فَتْحِ الْبِلَادِ وَتَوْسِيْعِ الْعِبَادِ وَأَمْفَالٍ ذَالِكَ“ ”نیک شخص کا مال ہی بہتر مال ہوتا ہے اور وہ شہروں کے فتح کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس مال کے ذریعے وسعت حاصل ہوتی ہے اور بھی اس طرح نیکی کے کاموں میں وہ مال صرف ہوتا ہے۔“

اتنا واضح ہوا کہ جب سید الانبیاء نے عبودیت کو پسند کیا تو عبودیت کا انجام بھی اعلیٰ ہے اور اس کا مرتبہ سب مراتب سے بلند ہے۔ اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کو اسی میں اعلیٰ قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ: ”فَإِنَّ الْمُلْكَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ اصل بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے جو واحد و قہار ہے اور رب تعالیٰ نے فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ

وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ} اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں یعنی وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ میرے بندے ہیں اور میں ان کا معبود اور ان کا رب تعالیٰ ہوں جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

”كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَعْتُ الْخَلْقَ” میں ایک مخفی خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ مجھے پہچانا جائے۔“

”وَفِيهِ دِكْرٌ صَرِيحٌ عَلَى أَنَّ الْفَقِيرَ الصَّابِرَ أَفْضَلُ مِنَ الْغَنِيِّ” اس میں واضح دلیل ہے اس پر کہ صبر کرنے والا فقیر شکر کرنے والے غنی سے افضل ہے۔“

بعض اوقات مال و دولت کی کثرت انسان کو سرکش بنا دیتی ہے اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے جو تکبر کا ذریعہ ہے اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکرا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ رب تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ غالب احوال میں یہی صورت ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَكُذِّبَتْ إِلَهُ الرِّزْقِ لِعِبَادِهِمْ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقُدْرٍ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِمْ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٥﴾

”اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے اتارتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے۔“ (سورۃ شوریٰ 25:4)

تفسیر ابن کثیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

”عَمِدُ الْعِيشِ مَا لَا يُلْهِمُكَ وَلَا يُطْفِئُكَ“ ”بہتر زندگی وہ ہے جو تمہیں غافل بھی نہ کرے اور سرکش بھی نہ بنائے۔“ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیائے کرام علیہم السلام کو مال کم ہی عطا کیا ہے تاکہ یہ مجھے یاد کرتے رہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے جن کو کثیر مال ملا۔ ان کی معصومیت کے پیش نظر ان سے معاذ اللہ سرکشی نا فرمانی ممکن نہیں تھی لیکن دوسرے لوگوں سے یہ ممکن ہے جن علماء کو کثیر مال ملا ان میں سے اکثر عیاش ہو گئے بلکہ بد معاش ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ تک یہ گناہ نہیں کھاتے تھے۔ یعنی اس طرح کہ ایک طرف میلان ہو یا چوڑی مار کر تکیہ پر سہارا لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ ٹیڑھا ہو کر تکیہ لگا کر کھانا صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور نیچے گدا ہو اور چوڑی مار کر کھانے سے کھانا زیادہ کھایا زیادہ کھایا جاتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں صورتیں حضور ﷺ کو نا پسند تھیں۔ نبی کریم ﷺ ایسے بیٹھتے تھے جس طرح غلام بیٹھتے ہیں۔ ”إِمَاعًا عَلَى الرُّكْمَتَيْنِ كَهَيْئَةِ الصَّلَاةِ وَهُوَ أَفْضَلُ الْمَنَاقِبِ أَوْ“ ”یعنی آپ دو زانو ہو کر بیٹھتے تھے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے۔“

يَرْفَعُ أَحَدَى الرَّكْبَتَيْنِ فِي حَالَةِ الْأَكْلِ أَوْ غَيْرِهِ أَوْ يَرْفَعُ الرَّكْبَتَيْنِ عَلَى صِفَةِ الْإِحْتِبَاءِ وَهُوَ أَكْثَرُ أَنْوَاعِ جُلُوسِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَيْتُهُ جَيْسَ كِهَانِ كِ وَتِ قِ بَيْتُهُ جَاتَا هِ۔ یا اس كِ بغیر بھی اس صورت میں بیٹھا جاسکتا ہے یا دونوں گھٹنے کھڑے کر کے

مقعد کوزمین پر لگا کر آپ بیٹھتے اس حال میں بھی آپ نماز کے بغیر اکثر اوقات بیٹھتے تھے۔ ہاں! البتہ اپنے پاس والے شخص کو حقیر سمجھ کر تکبر کے طور پر ایسا بیٹھنا آپ کو پسند نہیں تھا استراحت کے لئے ایسا بیٹھنا آپ سے اکثر اوقات میں ثابت ہے۔“

نبی کریم ﷺ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے اور غلاموں کی طرح پانی پیتے یعنی آپ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور ہاتھ صاف کرنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹتے۔

پانی پیتے وقت درمیان میں تین سانس نکالتے اور ہر سانس میں ”بسم اللہ“ شریف پڑھتے اور آخر میں ان الفاظ سے رب تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهِ يَجْعَلُهُ مِلْعًا أَجَاًا بِذُنُوبِنَا“

حضور ﷺ کی عاجزی کا ذکر طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں بہت واضح ہے۔

”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ“ بیشک نبی کریم ﷺ زمین پر (بغیر چٹائی وغیرہ) بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرماتے تھے اور بکری کو رسی خود باندھتے اور کسی غلام کی جو کی روٹی کے لئے دی ہوئی دعوت بھی قبول فرماتے تھے۔“

ابتداء وحی:

”عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلُ فَلَقِي الصُّبْحَ ثُمَّ حَبَّبَ إِلَيَّ الْخَلَاءَ وَكَانَ يَخْلُو بِفَارِجٍ أَمْتَحَنَتْ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُ الدَّلَامِي فَوَاتِ الْعَدُوَّ قَبْلَ أَنْ يَدْرَأَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لَذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى عَدِيْبَةِ فَمَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارٍ جِرَاءَ“

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کہتی ہیں: کہ حضور ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا پھر آپ کو تخلیہ (کوشہ نشینی علیحدگی) پسند آگئی تو آپ غار حرا میں خلوت گزینی (علیحدگی) فرمانے لگے اور وہاں متعدد راتیں عبادت فرماتے بغیر اس کے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف جائیں اور آپ اپنے ہمراہ توشہ لے جاتے جب وہ ختم ہوتا تو

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور مزید توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آ گیا، ایسے حال میں آپ غار حرا میں تھے۔“

(بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، ج 1، ص 2)

حضور ﷺ کے ساتھ وحی کی ابتداء روایات صالحہ (سچے خوابوں) سے ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ کے خواب صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتے تھے یعنی آپ جو بھی خواب دیکھتے وہی بعینہ پیش آتے تھے۔ یہ سچے خواب دیکھنے پر آپ کو علیحدگی پسند آنے لگی۔ اسی وجہ سے آپ غار حرا میں کئی دن جا کر قیام کرتے اپنا خرچ ساتھ لے جاتے تھے۔ جب وہ ختم ہو جاتا پھر آپ گھر تشریف لے آتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور خرچ یعنی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور پھر غار حرا میں جا کر عبادت شروع فرما لیتے وہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ ”أَجِبْ بِأَنَّ ذَلِكَ كَانَ بِالتَّكْوِينِ وَالْإِعْتِبَارِ“ ”جواب دیا گیا کہ آپ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔“

خیال رہے کہ آپ کی عبادت دن کو بھی ہوتی اور رات کو بھی لیکن یہاں صرف رات کا ذکر کیا گیا یا تو قاعدہ تغلیب کے پیش نظر اور یا گوشہ نشینی کے لئے راتوں کا استعمال اہم ہے اسلئے کہ راتوں کا ذکر کیا گیا۔

فَبَتَحَنُّنُ کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ابن شہاب زہری نے تَعَبُّدُ (عبادت کرنا) سے کی ہے۔ اصل میں تین لفظ ایسے ہیں جو باب تفعیل پر آئیں تو ان میں معنی سلب کا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

”نَامَ‘ نَحَوْبُ‘ تَحَنُّنُ“ پہلے دونوں لفظوں کا معنی ہے ”گناہوں سے دور رہنا“ اور تَحَنُّنُ کا بھی تقریباً یہی معنی ہے یعنی خلاف شان کاموں سے اجتناب کرنا اور جب خلاف شان کاموں سے اجتناب اچھے کاموں سے ہے تو یقیناً وہ تعبد ہی ہے۔ حضور ﷺ کا غار حرا میں قیام کتنی دیر کے لئے ہوتا؟ اس کی تعداد معین ذکر نہیں اسی لئے بعض حضرات نے کثرت معنی لیا ہے اور بعض نے قلت یعنی کثیر راتیں آپ وہاں قیام فرماتے تھے اور کچھ حضرات نے کہا کہ کچھ راتیں وہاں قیام فرماتے اور پھر واپس آ جاتے اور ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے۔

”فَهِيَ شَهْرٌ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَذَلِكَ الشَّهْرُ كَانَ رَمَضَانَ“ ”اور یہ ہر سال میں ایک مہینہ کا قیام ہوتا اور وہ مہینہ رمضان کا ہوتا“

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَقُولُ وَبِمُكِنُّ أَنْ تَكُونَ الْمُدَّةُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا عَلَى مِثَالِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ“ ”میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ مدت چالیس دنوں کی ہو کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا طور پر قیام چالیس دن ہی تھا جب آپ تورات

لائے۔“

”وَلَمَّا فُتِحَا مِنَ الْخَوَاصِّ وَالْأَسْرَارِ الَّتِي تَظْهَرُ أَثَرُهَا وَأَنْوَارُهَا عَلَى الصُّوفِيَّةِ الْأَبْرَارِ مَا فِيهَا مِنْ مُطَابَقَةِ الْأَرْبَعِينَ فِي الْإِطْوَارِ“

چالیس دن رات کی مدت میں کچھ خصوصیات اور ایسے راز رکھے ہوئے ہیں جن کے آثار و انوار صوفیاء کرام پر ہی ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کبھی چالیس دن رات عبادت کے لئے وقف کرتے ہیں، نوافل ادا کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، مختصر کھانے سے روزہ افطار کرتے ہیں، ان کی اس عبادت کو ”چلہ کشی“ کا نام دیا جاتا ہے۔“

لطف کی بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے بھی اپنے چالیس دن کی سیروسیاحت، پکنک منانے کے دورے کو ”چلہ کشی“ کہتے ہیں اور اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ چالیس کا ہندسہ انہیں بھی پسند ہے۔

”وَقَدْ قَالَ ﷺ مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ بَنَائِمُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ هَذَا“

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص دل سے چالیس صبح عبادت کی اس کا ذکر کیا۔ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔“

(فیوض الباری، مرقاۃ ج 11 ص 106-107)

آپ کے پاس فرشتے کی آمد:

”پس فرشتہ آپ کے پاس آیا اس نے کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھتا۔ یہاں تک کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتار دیا کہ وہ تھک گیا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر کہا: میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتار دیا کہ وہ تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر وہی جواب دیا میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے تیسری بار پھر دیا اور کہا: پڑھو! اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔“

فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اقْرَأْ! فَقَالَ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَهُ: فَأَخَذَنِي فَفَعَطَنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُحْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ! فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَفَعَطَنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُحْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ! فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَفَعَطَنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُحْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ① خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ③ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

یہ تھی غار حرا میں حضور ﷺ پر سب سے پہلی وحی اور ایک پیغام لانے کی حیثیت سے جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس فرشتہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اور قرآن کریم جبریل علیہ السلام ہی لیکر نازل ہوئے قرآن پاک میں بھی اسے واضح طور پر بیان کیا گیا۔

”آپ کے دل پر روح امین (جبریل) نے قرآن پاک نازل کیا۔“

ذَلِكَ بِرُؤُوسِ الْأَمِينِ عَلَى قَلْبِكَ

رویاً صالحہ اور خلوت اختیار کرنے کے بعد یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ جبریل علیہ السلام سامنے آگئے اور انہوں نے سورہ اقرآء کی پانچ آیتیں سنائیں۔ یہ رمضان کا مہینہ اور پیر کا دن تھا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

”فَعَلَّ اِقْرَأُ“ حضرت جبریل امین نے عرض کیا: اِقْرَأُ پڑھئے! جبریل علیہ السلام نے تین مرتبہ اِقْرَأُ کہا اور حضور ﷺ نے تینوں مرتبہ ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ (میں تو نہیں پڑھتا) فرمایا۔

تین اقرأ کہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس وحی کا آغاز ہو رہا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی: تو حید، احکام اور قصص۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: پڑھئے! تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”میں نہیں پڑھتا“ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے انکار کیوں فرمایا؟ جواباً عرض یہ ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا تین مرتبہ کہنا ”اقرأ“ اور حضور ﷺ کا ہر بار جواب دینا ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس میں کیا حکمتیں تھیں؟ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ البتہ بظاہر انکار کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نماز حرام میں ذکر الہی سے لطف اندوز تھے۔ قلب اقدس پر کیف کا عالم طاری تھا کہ اچانک حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر استدعا کی کہ پڑھئے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کا قلب مبارک محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار تھا اور ایک استغراق کی کیفیت طاری تھیں تو ایسی صورت میں آپ نے دوسری جانب توجہ مبذول فرمانا گوارا نہ فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بار اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے معانقہ بھی فرمایا مگر حضور ﷺ کا قلبی اقتضاء یہ ہی رہا کہ ذکر حبیب سے لطف اندوز ہوتا رہوں یہاں تک کہ جب جبریل امین علیہ السلام نے اسی محبوب حقیقی کے نام کی برکت سے پڑھنے کی استدعا کی جس کے مشاہدہ جمال میں حضور ﷺ مستغرق تھے تو آپ ادھر متوجہ ہوئے اور سورہ اقرآء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اکثر حضرات نے تو ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ میں ”مَا“ نافیہ بنایا ہے جس کا معنی ہے میں نہیں پڑھتا۔ لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے اپنی رائے یعنی ج 1 ص 67 میں اس طرح بیان فرمائی کہ ما استفہامیہ ہے جیسے {مَا تِلْكَ بِسَبِيحٍ يَأْمُوسِي} میں ہے اور اس کی تائید روایت ابی الاسود فی منازیہ بھی کرتی ہے جس میں ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ کی جگہ ”كَيْفَ اَقْرَأُ“ یا ”مَاذَا اَقْرَأُ“ آیا ہے۔

اور ممکن ہے کہ پہلا مانافیہ ہو۔ دوسرا استفہامیہ اور تیسرا موصولہ ہو یعنی پہلی مرتبہ فرمایا ہو کہ میں نہیں پڑھتا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھے اور دوسری مرتبہ جبریل امین کے معانقہ کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہو کہ میں کیا پڑھوں اور تیسری مرتبہ فرمایا ہو کہ اچھا میں جو پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟

تنبیہ راقم نے حدیث کا ترجمہ مولانا محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی ”فیوض الباری شرح بخاری ج 1“ ص 75 سے لیا ”حتیٰ بلکہ مینی الجُہْد“ کا معنی علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ”وہ تھک گیا۔“

اعتراض:

فرشتے کا تھک جانا صحیح نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَهُمْ لَا يَسْنَمُونَ ﴿38﴾ (سورۃ حم السجده 24:38)

اس کی پاکی بولتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔“ (کنز الایمان)

یعنی انسان اگر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں تو نقصان ان کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دن رات تسبیح بیان کرنے والے فرشتے ہیں جو اس کے پاس ہیں وہ اکتاتے نہیں وہ ملول نہیں ہوتے۔ مفہوم تقریباً یہی ہے کہ وہ تھکتے نہیں۔ اور ارشاد گرامی ہے:

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿5﴾

پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں۔“

اس آیت کریمہ میں فرشتوں کے نہ تھکنے کا واضح طور پر ذکر ہے۔ اس لئے ”وہ (فرشتہ) تھک گیا“ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اجمالی جواب:

جو آیات معترضین پیش کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں تھکتے اور حدیث میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے {قَالَ: فَأَعْلَيْيْ فَلَطَيْيْ حَتَّىٰ بَلَغَ مِثْقَالَ الْجُہْدِ} ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتار دیا کہ وہ تھک گیا“ اس میں عبادت کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو یہ ذکر ہے کہ فرشتے نے تو نبی کریم ﷺ کو پکڑ کر دیا۔ اس کے دبانے کا نبی کریم ﷺ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ فرشتہ خود ہی تھک ہار گیا۔

تفصیلی جواب:

آئیے! جواب سمجھنے سے پہلے چند چیزوں کو ذہن میں رکھیں۔ ”تھکنا“ ہارنا، اکتانا“ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اردو لغات ”جامع“ کو دیکھئے: **تھکا** (ہندی) اسم مفت، صیغہ مفعول:

①: تھکا ہوا۔ ②: ماندہ ③: کوفتہ ④: ست ⑤: ناچار

۶: اکتایا ہوا۔

تھکا ماندا: ۱: اسم مفت عاجز شخص

۲: ہارا تھکا تھکا ٹوٹا۔ (اردو لغات جامع ایچ۔ ایم سعید کراچی)

عربی لغت ”المعجم الوسيط“ دیکھئے:

”جهد‘ یجهد‘ جہدا (بفتح الحیم) (ف) ویقال جہد فی الامر ای جہد“ فلان نے اس کام میں کوشش کی۔
”وفی التنزیل (واقسموا باللہ جہدا یمانہم طلب حتی وصل“ (انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی اپنی قسموں میں کوشش کی) یعنی
الغایۃ وبلغ المشقة“ طلب کیا یہاں تک کہ انتہا تک پہنچ گئے اور مشقت اٹھائی۔“

”جهد بفلان“ امتحنہ“ یعنی جب ”جهد“ کے بعد ”باء“ آئے تو معنی ہوگا۔ (فلان کا امتحان لیا) اور جب بغیر باء استعمال ہو ”جهد فلان“ بلغ مشقته“ پھر معنی ہوگا: فلان کو مشقت پہنچائی۔

”جهد الناس“ احد ہوا فہم مجہودون“ جب لوگ قحط سالی کی مشقت میں ہوں تو اس وقت بولا جاتا ہے۔
”جهد العیش جہدا ضاق واشتد فهو جهد“ جب گذران تنگ ہو اور انسان شدت و مشقت میں ہو تو بولتے ہیں۔
”جهد العیش“ اور ”الجهد“ جب جیم کے فتح سے آئے تو معنی ہوگا: مشقت نہایت غایت وسعت طاقت۔ (المعجم الوسيط)

یعنی شرح بخاری دیکھئے:

”الجهد بضم الجیم وفتحها ومعناها الغایۃ والمشقة“
”وفی المحکم الجهد بضم والفتح الطاقۃ“
”جهد“ جیم پر ضمہ ہو یا فتح دونوں کا معنی ہے: غایت و مشقت
”محکم میں بیان کیا گیا کہ جیم پر خواہ ضمہ ہو یا فتح اس کا معنی
ہے: طاقت۔“

”وقیل الجهد بضم المشقة والجهد بالفتح الطاقۃ“
”وفی الموهب الجهد بضم ما جہد الانسان من مرض
او من مشاق والجهد بالفتح بلوغك غایۃ الامر الذی لا تألوا
عن الجهد فیہ“
”وقال ابن درید جہدتہ حملتہ علی ان یبلغ مجہود“
”اور بعض حضرات نے بیان کیا کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی
ہوگا: ”مشقت“ اور جب جیم پر فتح ہو تو معنی ہوگا ”طاقۃ“۔
”موہب میں مذکور ہے کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی ہوگا مرض وغیرہ
کی وجہ سے مشقت پہنچنا اور جب جیم پر فتح ہو تو معنی ہوگا: بہت
زیادہ معاملہ کی انتہا تک کوشش کرنا اور کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا۔“
”ابن درید کہتے ہیں: جب کوئی کہے ”جہدتہ“ تو اس کا معنی ہے:
میں نے فلاں کو بہت بڑی مشقت میں ڈال دیا۔“

ابن اعرابی ابو عمرو اور اسمعی نے بیان کیا ہے: ”جہد“ اور ”اجہد“ کا معنی ایک ہی ہے۔ البتہ ابن اعرابی اور ابو عمرو نے دونوں کا معنی لیا ہے ”کوشش کرنا“ اور اسمعی نے دونوں کا معنی کیا ہے: ”مشقت میں ڈالنا۔“ ❶

مفتی احمد یار نعیمی رحمہ اللہ نے حدیث پاک کا ترجمہ یوں کیا:

”جب کہ آپ غارِ حرا میں تھے۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا عرض کیا: پڑھیے! فرمایا: میں نہیں پڑھنے والا۔ پھر اس نے مجھے پکڑا مجھے گلے لگایا حتیٰ کہ اسے مجھ سے مشقت پہنچی پھر مجھے چھوڑ دیا۔“ ❷

مفتی محمد شریف الحق امجدی مبارکپوری (انڈیا) کا ترجمہ و تشریح دیکھئے:

”میرے دیوبچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ (دوسرا معنی) مجھے دیوبچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہا تک پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دیوبچا۔“ الجہد“ کا لفظ جہیم کے فتح کے ساتھ بھی ہے اور جہیم کے ضمہ سے بھی۔ قاموس میں فتح کی صورت میں بمعنی طاقت لیا ہے اور ضمہ کی صورت میں بمعنی مشقت ہے اور دونوں کا معنی غایت بھی۔ اور ”یعنی“ میں بتایا گیا ہے دونوں کے معنی غایت و مشقت کے ہیں اور قول یہ ہے کہ جہد (بالضم) کے معنی مشقت اور جہد بالفتح کے معنی طاقت۔“ ❸

مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمہ دیکھئے:

”حتیٰ کہ اس نے دبانے میں پوری قوت صرف کر دی“ ❹

جہد بمعنی تھکنا: ”بقال جہد رأیی واجہدته اتعبہ بالفکر“ جب شخص یہ کہنا چاہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنی رائے اور فکر میں تھکا دیا تو اس وقت کہا جاتا ہے: ”جہدته رأیی واجہدته“ میں نے اپنی رائے میں کوشش کر کے اسے تھکا دیا۔

حاصل جواب:

”اردو میں جتنے تراجم ہیں سب ہی قریب قریب ہیں لفظی ہیر پھیر ہے۔ ❶: اسے مجھ سے مشقت پہنچی۔

❶ عمدة القاری شرح بخاری المعروف بمعنی علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ ج 1 ص 50 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

❷ مرآة الناجح شرح مشکوٰۃ المصابیح مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ ج 8 ص 95 نعیمی کتب خانہ لاہور

❸ نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری مفتی شریف الحق امجدی مبارکپوری ج 12 ص 248 مطبوعہ فرید بک شال لاہور

❹ شرح صحیح مسلم کتاب الایمان ج 1 ص 649 مطبوعہ فرید بک شال لاہور

﴿۲﴾ فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔ ﴿۳﴾ اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کر دی۔

سب کا مطلب یہ کہ فرشتہ مجھ سے عاجز آ گیا۔ اب آپ علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کا خوبصورت ترجمہ ایک بار پھر دیکھئے: ”کہ وہ (فرشتہ) تھک گیا۔“

انبیاء کرام کو عام آدمی کے برابر نہ سمجھیں:

عام آدمی کی بات ہوتی تو یہ کہنا آسان تھا کہ فرشتہ میرے ساتھ مقابلہ میں تھکتا نہیں۔ اور اسی طرح یہ کہا جاسکتا تھا: ”فرشتہ تجھ سے نہیں تھکتا۔“ بات تو سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے کہ آپ کو فرشتہ نے دبایا لیکن آپ کو وہ عاجز نہ کر سکا بلکہ اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود وہ خود ہی عاجز آ گیا وہ تھک ہار گیا۔

موسیٰ علیہ السلام سے عزرائیل عاجز آ گئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں یہ الفاظ مبارکہ نہ بھولئے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: جَاءَ الْمَلَكُ الْمَوْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ: أَحَبُّ رَبِّكَ قَالَ: فَلَعَنَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ الْمَلِكِ الْمَوْتُ فَقَالَهَا“

قبول کیجئے! (موت کے لئے تیار ہو جائیے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔“

(صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ علیہ السلام ج 2، ص 275)

اگر موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکل سکتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام کا مصطفیٰ کریم ﷺ سے تھک ہار جانا کون سے بعید بات ہے۔

اعلیٰ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں: جبریل تھک گئے:

تھکے تھے روح الامیں کے بازو ٹھنڈا وہ دامن کہاں وہ پہلو

رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے دلوے تھے

چلو جو مرغ عقل ازے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے

وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر جڑھا تھا دم تورا آگئے تھے

راقم نے کہا:

فرشتوں کا عبادت سے نہ ٹھکنا اور ہے نبی سے ٹھکنا اور ہے
نبی کو مثل ماسمجھنا اور ہے 'بلند شان بے مثل سمجھنا اور ہے

راقم نے اہل سنت کے چادر اور تراجم پیش کر دیئے جس کے دل کو جلا پسند آئے اسے موضوع سخن بنالے۔ راقم کو علامہ
محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں چاشنی نظر آئی تو نقل کر دیا۔ یہ ترجمہ میری نظر میں عظیم ہے۔

گھر آ کر کبیل اوڑھانے کا مطالبہ:

”فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ يَرْجِفُ فَوَاقًا فَدَخَلَ عَلَى عَدِيْبَةَ فَقَالَ: زِمْلُونِي زِمْلُونِي فَرَمَلُونَا حَتَّى نَهَبَ عَنْهُ الرُّوءُ فَقَالَ: لَعْدِيْبَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرُ لَقَدْ عَشِيتُ عَلَى نَفْسِي“^①
”پھر حضور ﷺ نازل شدہ آیت لے کر واپس گھر تشریف لائے۔ قلب مبارک مضطرب تھا۔ فرمایا: مجھے کبیل اوڑھاؤ“
مجھے کبیل اوڑھاؤ۔ آپ کو کبیل اوڑھایا گیا یہاں تک کہ وہ
کیفیت اضطراب جاتی رہی پھر حضور ﷺ نے حضرت

عدیبة رضی اللہ عنہا کو (غایحرا کا) تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا: مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔“

غایحرا میں حضور ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی اور انوار و برکاتِ محمدیت متوجہ ہوئے اور آپ نے جنابِ عدیبة رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وحی کی ثقالت اور کلامِ الہی کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب جان چلی۔ چنانچہ وحی کو خود قرآن نے قولِ ثقیل کہا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر وحی کسی پہاڑ پر اتار دی جاتی تو وہ جلالِ الہی سے پاش پاش ہو جاتا مگر یہ تو ذاتِ نبوی تھی جس نے بتوفیقِ الہی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے والی چیز کی شدت کو برداشت کر لیا۔

الغرض ”لَقَدْ عَشِيتُ عَلَى نَفْسِي“ کے جملہ سے حضور ﷺ نے وحی کی اس تکلیف اور شدت کو بیان فرمایا ہے جو غایحرا میں آپ کو پہنچی اور جس کے اثرات گھر تشریف لانے اور چادر اوڑھنا دینے تک رہے اور جب چادر اوڑھادی گئی تو وہ اضطرابی کیفیت ختم ہو گئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عدیبة رضی اللہ عنہا کو غایحرا کا واقعہ سنایا چنانچہ ”نَهَبَ عَنْهُ الرُّوءُ“ کا جملہ اس امر کی تصریح کی رہا ہے کہ خوف دور ہو جانے کے بعد آپ نے قصہ سنایا۔ یہ نہیں کہ قصہ سناتے وقت بھی آپ اپنی جان کے خوف میں مبتلا تھے۔

نبی کو نبوت کے ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ مکرہین

سنت کا اس معصوم جملہ کو غلط رنگ دے کر یہ کہنا کہ بخاری سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ ”حضور ﷺ کو اپنی نبوت ہی میں شک تھا“ نہایت بے ایمانی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی تحریف معنوی کرنا ہے کیونکہ پوری حدیث میں کوئی لفظ تو درکنار اشارہ تک نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نبوت کے معاملہ میں ذرا بھڑ بھی ریب و شک میں مبتلا تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو حکم ہوا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ ﴿اِنَّهُ طَغٰی﴾ بیشک اس نے سراٹھایا ہے یعنی سرکش ہو گیا ہے۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿قَالَ رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُغْرِطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰی﴾ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہ السلام) نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

دیکھئے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ خوف کی علت یہ نہیں تھی کہ جناب کلیم اللہ علیہ السلام کو اپنی نبوت میں شک تھا بلکہ یہ خوف فرض نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھا۔ مجھے فرعون جیسی عظیم طاقت کے مقابلہ کے لئے بھیجا جا رہا ہے تو میں تنہا فرائض نبوت سے کیونکر عہدہ برآ ہوں گا۔ یہی فکر تھی جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کر دیا اور انہیں عرض کرنا پڑا کہ الہی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون زیادتی نہ کرے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لئے باقتضاء بشریت خوف و اضطراب میں مبتلا ہو جانا شان نبوت کے منافی نہیں۔ اسی طرح ”لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِی“ کا یہ مطلب لینا بھی باطل ہے کہ آپ پر فرشتہ کو دیکھ کر رعب پیدا ہو گیا تو آپ نے کہا کہ مجھے تو جان کا خطرہ ہو چلا تھا۔

اولاً: تو یہ اس لئے باطل ہے کہ یہ اس وقت کسی حد تک ممکن ہو سکتا تھا جبکہ جبریل علیہ السلام اپنی ملکی (فرشتوں والی) صورت میں آتے۔ حالانکہ حدیث پاک میں ملکی صورت میں آنے کا کوئی ذکر نہیں البتہ آپ کے بشری صورت میں آنے کے واضح اشارات موجود ہیں تو اس میں اتنا رعب طاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً: اگر اس رعب کا سبب جبریل علیہ السلام ہوتے تو یہ رعب شروع میں دیکھتے ہی طاری ہونا چاہئے تھا حالانکہ آپ بڑے سکون و اطمینان سے جواب دے رہے ہیں وہ تین مرتبہ ”اقرا“ کہہ رہے ہیں اور آپ ہر مرتبہ ”ما انا بقاری“ کہہ کر جواب دے رہے ہیں۔ اگر ڈر ہوتا تو معاذ اللہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ بھی ادا نہ ہو سکتا۔

لہذا واضح ہوا کہ رعب و اضطراب کا سبب حضرت جبریل علیہ السلام کو فقط دیکھنا نہ تھا بلکہ کلام الہی کا نزول اور وحی کی نقالت و شدت ہی تھی۔ ❶

علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

”لَيْسَ هُوَ بِمَعْنَى الشَّكِّ فِيمَا أَنْكَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِكِنَّهُ رُبَّمَا عَشِيَ أَنَّهُ لَا يَقْوَى عَلَى مُقَاوَمَةِ هَذَا الْأَمْرِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى حَمْلِ أَعْبَاءِ الْوَحْيِ فَتَزْهَقُ نَفْسُهُ“

”یہاں خوف طاری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے آپ کو اس میں شک تھا بلکہ اتنے عظیم امر نبوت کو اٹھانے کی قدرت کیسے رکھوں گا؟ یہی سبب تھا جسے آپ نے خوف و خطرہ سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ میری توجان جا رہی تھی۔“

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 109)

حضرت خدیجہ کا جواباً عرض کرنا:

”فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ لَا يُغْنِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَعِصِلُ الرَّحْمَ وَتَعْصِدُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرَى الضُّمْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ“ ①

”حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ہرگز نہیں بخدا! (اللہ کی قسم) اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان و شرمندہ نہیں کرے گا۔ آپ قرابت داروں کا خوب حق ادا کرتے ہیں، پچی گفتگو فرماتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں، مسافروں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو راہ حق میں پیش آنے والے حوادث پر مدد دیتے ہیں۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تسلی آمیز الفاظ کو بار بار غور سے پڑھیں تو واضح ہو گا کہ فرشتے کا رعب نہیں تھا ورنہ آپ پوچھتیں: وہ کیسا شخص تھا؟ وہ کیسے آیا؟ کیسے پیش آیا؟ نہیں! آپ یہ نہیں پوچھ رہی تھیں بلکہ کہہ رہی تھیں: حضور ﷺ جس ذات باری نے آپ کو یہ بارگراں اٹھانے کا حکم فرمایا ہے وہی آپ کا معاون ہو گا۔ اس نے تو آپ کو اوصاف حمیدہ پہلے ہی عطا کر رکھے ہیں۔ آپ سے اگرچہ کوئی قطع تعلق کرے لیکن آپ پھر بھی اس سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سچا کلام فرماتے ہیں لوگ بے شک آپ کی تکذیب بھی کرتے رہیں، آپ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ آپ ضعیف لوگوں، یتیموں، بیواؤں، عیال دار، نادار عورتوں اور غریب مردوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ان کی امداد فرماتے ہیں، آپ بھلائی کے کاموں کے لئے مال حاصل کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے پاس مال نہیں ہوتا انہیں عطا فرماتے ہیں اور جو مسافر لوگ آپ کے پاس آتے ہیں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں اور جو مصائب حق کی راہ میں لوگوں پر آتے ہیں، آپ ان کی امداد فرماتے ہیں۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

سبحان اللہ! ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے جن الفاظ سے تسلی

دی رب تعالیٰ نے بھی وہی الفاظ ذکر فرمائے۔ ”يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ“

حدیث پاک سے یہ بھی سمجھ آیا کہ بعض اوقات کسی انسان کی اس کے سامنے تعریف کرنی جائز ہوتی ہے جبکہ معلوم ہو کہ وہ شخص اس پر متکبر نہیں ہو جائے گا اور اس تعریف کرنے میں لوگوں کو بھی اس نیکی کی طرف مائل کرنا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ آپ کا فقر اختیاری تھا، اضطراری نہیں تھا حضور ﷺ نے خود فقر کو پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”الْفَقْرُ فَخْرِي“ فقر میرا فخر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دلیل یہ پیش فرمائی:

”إِنَّكَ مِمَّنْ لَا يُصِيبُهُ مَكْرُوهٌ لِّمَا جَمَعَ اللَّهُ فِيكَ مِنْ مَّكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَمَعَارِينِ الشَّمَائِلِ“ تمام اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات سے نوازا ہے۔

”وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ وَحِصَالِ الْغَيْرِ سَبَبٌ لِلْسَّلَامَةِ مِنْ مَصَارِعِ الشُّوْءِ“ اس میں دلیل پائی جاتی ہے اس پر کہ اچھے اخلاق اور بھلائی کے کام برائی کی وجہ سے ہلاکتوں سے بچانے کی ذرائع و اسباب ہیں۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان میں لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے فرمایا: اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنئے! ورقہ نے (حضور ﷺ سے) کہا: اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ! تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا: یہ ہی وہ ناموس (محرم اسرار یعنی جبریل) ہے جسے خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش میں اس وقت زندہ رہ سکتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا: ہاں! جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں اس زمانہ میں زندہ رہا تو آپ کی ہر طرح مدد کروں گا۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی ورقہ نے وفات پائی۔ اور اس کے بعد وحی رکی رہی۔

خیال رہے کہ سورہ اقراء کی پانچ آجوں کے نزول کے بعد جبریل علیہ السلام کی آمد کی رسی طلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضور ﷺ نماز حرام سے واپس تشریف لارہے تھے کہ فرشتہ نظر آیا جس کا ذکر حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت میں ہے۔ وہ وحی کے رک جانے کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں (غایحرام سے) آ رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غایحرام میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا تو مجھے اس سے خوف آیا۔ میں گھر واپس ہوا اور میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾﴾.....

سورۃ اقرآن کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد وحی آنا بند ہو گئی تھی جس کی مدت تین سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے تو سب سے پہلے مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وحی آنا شروع ہو گئی جس کا سلسلہ جاری رہا تاہم حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ پر جب عارضی طور پر وحی آنا بند ہو گئی تو آپ مائل رہتے تھے تا آنکہ رحمت الہی پھر متوجہ ہو گئی اور وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ وحی کیوں رکی رہی؟ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ بعض شارحین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے وحی آنا اس لئے بند ہوئی تاکہ پہلی بار جو آپ پر وحی کی شدت اور ثقالت کے اثرات مرتب ہوئے تھے وہ دور ہو جائیں اور آپ کا شوق اور بڑھ جائے۔ ❶

نبی کریم ﷺ کے سر جھکانے پر صحابہ کرام نے اپنے سر جھکا لئے:

”عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَزَلَ عَنْكَ الْوَحْيُ كَرَبَ لَذَالِكَ وَتَرَبَّدَ وَجْهُهُ وَفِي رَوَايَةٍ لَكَسَ رَأْسَهُ وَلَكَسَ أَصْحَابَهُ رُءُوسَهُمْ فَلَمَّا أَتَى عَنْهُ رَفَعَ رَأْسَهُ“ ❷

طاری ہوتی اور آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا سر جھکا لیا اور صحابہ کرام نے بھی اپنے سر جھکائے جب آپ سے یہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے سراٹھایا۔“

وحی کے نزول کے وقت سر جھکانے کی وجہ تفکر کرنا اور امر وحی کا شدید اہتمام کرنا اور حقوق عبودیت کے مطالبہ پر ڈر رکھنا اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ بجالانا اپنی امت کے نافرمانوں کو عذاب پہنچنے سے پریشان ہونا اور ڈرنا وغیرہ امور تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فی الواقع وحی کے نزول کی وجہ سے ظاہری شدت طاری ہو جاتی ہو اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہو۔ نبی کریم کے سر

❶ فیوض الباری شرح بخاری علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ ج 1 ص 85

❷ بخاری ومسلم مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی ج 2 ص 522

جھکانے کی تو یہ وجہ تھیں لیکن صحابہ کرام کے سر جھکانے کی وجہ فقط ”وَنَكَسَ أَصْحَابُهُ رُءُوسَهُمْ أَيْ اتَّبَاعًا لَهُ وَتَأْذِبًا مَعَهُ“ یہ تھی کہ انہوں نے آپ کی تابعداری کرتے ہوئے ادب کے طور پر سر جھکا لئے تھے۔ ”رَفَعَ رَأْسَهُ أَيْ وَتَبِعَهُ أَصْحَابُهُ“ حضور کے سر اٹھانے پر صحابہ کرام نے بھی سر اٹھا لئے۔

سبحان اللہ! کتنی تابعداری! کیا ادب و احترام تھا؟ کہ حضور ﷺ نے فرمایا بھی نہیں کہ میرے سر جھکانے پر تم بھی سر جھکانا اور میرے سر اٹھانے پر تم بھی اٹھانا۔ فقط دیکھ کر عمل کرنا صحابہ کرام کی ہی شان تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل ہونے والا بد بخت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اِشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهِمْ يُشِيرُ إِلَى رَبَائِعِهِمْ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُولُ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“^①

”اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر شدید غضب ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا آپ نے اپنے سامنے والے دانت مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: (جس دانت

مبارک کو غزوہ احد میں شہید کیا گیا تھا) اور اس شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خود اس کے رسول نے قتل کیا ہو۔“

”مَنْ يَقْتُلُهُ مَنْ هُوَ رَحِمَةٌ لِلْعَالَمِينَ لَمْ يَكُنْ إِلَّا أَشَقَى النَّاسِ“

”جس شخص کو اس ہستی نے کیا ہو جو رحمۃ للعالمین ہیں تو یقیناً وہ شخص تمام لوگوں سے بد بخت ہوگا۔“

جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے قتل کیا وہ ”ابی ابن خلف“ تھا۔

آپ کی انگلیوں سے لکلا ہوا پانی زمزم اور کوثر سے افضل ہے:

”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: عَطَشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحَنْدِثَةِ فَدَسَّوْا لِي لِيْلَةً مِنْ يَدَيْهِ رُكُوعًا فَتَوَضَّأُ مِنْهَا ثُمَّ أَقْبَلَ النَّاسَ نَحْوَهُ قَالُوا: لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ بِهِ وَنَشْرَبُ إِلَّا مَا فِي رُكُوتِكَ فَوَضَّعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ فِي الرُّكُوعِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْقُودُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَمَا تَقَالِ الْعُمُودُ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قِيلَ لِيَابِرَ: كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكُنَّا كُنَّا عِشْرَةَ مِائَةٍ“

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن میں پانی تھا جس سے آپ وضو فرما رہے تھے۔ پھر لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی اور عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم اس سے وضو کریں یا پئیں سوائے اس کے جو آپ کے برتن میں پانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے برتن میں

رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے چل پڑے جس طرح چشموں سے پانی نکلتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے اس سے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی تعداد کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ کی تعداد میں ہوتے تو پھر بھی ہمیں کفایت کر جاتا البتہ ہم اس وقت پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ ❶

ایک دوسری حدیث دیکھیں جس کے تحت عنوان کے مطابق بحث کی گئی ہے:

”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَاهُ جَبْرِيلُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغُلَّامَانِ، فَأَخَذَ فَصْرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ: هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طُشْتٍ مِنْ نَهْبٍ بِمَاءٍ زَمْزَمَ ثُمَّ لَامَهُ وَأَعَانَهُ فِي مَكَابِهِ وَجَاءَ الْغُلَّامَانِ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ يَعْصِي طَلْرَةً فَقَالُوا: إِنَّ مَحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَعِمٌ اللَّوْنِ، قَالَ أَنَسٌ: فَكُنْتُ أَرَى أَثَرَ الْبُخْعِ فِي صَدْرِهِ“ ❷

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: بیشک رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹایا پھر آپ کے دل کی جگہ (سینہ) کو چاک کیا اور اس سے ایک منجمد خون لوتھڑا نکالا اور کہا: کہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا پھر ایک سونے کے طشت میں دل کو رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر سینے کو درست کیا (یعنی اسے ٹانگے لگائے) دل کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا (ساتھ کھینے والے) بچے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں (حلیہ سعدیہ) کے پاس آئے تو کہنے لگے: محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جب حلیہ کے گھر کے افراد آئے تو دیکھا کہ حضور کا رنگ متغیر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور کے سینہ مبارک پر سوئی سے لگے ہوئے ٹانگوں کے نشان دیکھتا تھا۔“

”خیال رہے کہ سونے کے برتن استعمال کرنا نبی کریم ﷺ کی شریعت میں حرام ہے لیکن جبریل علیہ السلام نے سونے کے طشت کو استعمال کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابھی آپ کو اعلان نبوت کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ کو شریعت عطا ہوئی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ استعمال کرنے والے جبریل علیہ السلام تھے اور فرشتے ہمارے افعال کے مکلف نہیں۔“

نبی کریم ﷺ کے دل مبارک کو آب زمزم سے دھویا گیا: ”أَسْتَدِلُّ بِهٖ عَلَى أَنَّهُ أَفْضَلُ مِمَّا هِ الْعَالَمِ حَتَّى مَاءِ الْكَوْثَرِ“ اسی کو اس مسئلہ پر دلیل بنایا گیا ہے کہ آپ زمزم جہان کے تمام پانیوں سے افضل ہے یہاں تک کہ حوض کوثر اور نہر کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ آپ کے دل کو دھونے کے لئے جس پانی کا انتخاب کیا گیا وہ یقیناً پانیوں سے افضل ہونا چاہیے۔

”لَكِنَّ الْمَاءَ الَّذِي نَبَعٌ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ ﷺ فَلَا شَكَّ أَنَّهُ أَفْضَلُ الْمَاءِ عَلَى الْإِطْلَاقِ“ لیکن وہ پانی جو حضور ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا تھا وہ بلا شک تمام پانیوں سے مطلقاً افضل ہے۔“

یعنی آپ کوثر سے بھی اور آب زمزم سے بھی چونکہ آب کوثر سے تو آب زمزم اعلیٰ ہے اور آب زمزم سے وہ پانی افضل ہے جو میرے حبیب علیہ التحیۃ والثناء کی انگلیوں سے جاری ہوا۔ وہ کیوں افضل ہے:

”لِکُونِهِ مِنْ اَثَرِ يَدَيْهِ الشَّرِيفَةِ وَمَاءُ زَمْزَمَ مِنْ اَثَرِ قَدَمِ اسْمَاعِيلَ الْمُتَيْفَةِ وَهُوَ بَيْنَهُمَا وَلَآئِكَ الْاَعْبَادُ الْكَائِنُ فِي يَدَمِ اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے تعلق ہے کہ وہ ایڑی کی حرکت سے نکلا ہے تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔“

کیونکہ جب نبی کریم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں تو آپ کے ہاتھ مبارک سے ظاہر ہونے والا معجزہ بھی افضل ہے اس کمال سے جو اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے سے ظاہر ہوا۔

”وَهَذَا الْحَدِيثُ وَأَمْثَالُهُ مِمَّا يَجِبُ فِيهِ التَّسْلِيمُ وَلَا يَتَعَرَّضُ لَهُ بَيِّنَاتٌ مِنْ طَرِيقِ الْمَجَازِ اِذْ لَا ضَرْفَ دَا فِي ذَلِكَ“
”یہ شق صدر والی حدیث ہو یا اس قسم کی اور احادیث ہوں ان کو تسلیم کرنا واجب ہے اور تاویل کر کے مجازی معنی نہ لیا جائے کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“

اس لئے کہ خبر دینے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں جن سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہو سکتا اس لئے خبر سچی ہے اور رب تعالیٰ کی قدرت سے بھی یہ کوئی بعید نہیں۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے وہ خون کا منجمد ٹکڑا نکالا گیا؟ اس لئے کہ اس میں یہ تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ وہ شیعہ ان کے اثر کو قبول کر لیتا ہے اس کو نکال دیا گیا تاکہ اس کی وجہ سے دل مقدس اور منور ہو جائے اور وحی کو قبول کرنے کی کامل صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کو غافل کرنے کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں۔

وہ ٹکڑا آپ کے جسم میں رکھا کیوں تھا اس کے بغیر ہی آپ کو پیدا فرمایا جاتا اس کی کیا وجہ ہے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کے جسم میں وہ ٹکڑا ہوتا ہے اگر آپ کے جسم میں وہ حصہ شروع میں ہی نہ رکھا جاتا تو جسم میں ایک حصہ کے نہ ہونے کی وجہ سے نقص پیدا ہوتا آپ کو چونکہ ہر عیب سے پاک فرمانا تھا اس حصہ کو جسم میں رکھا گیا تاکہ جسمانی کوئی نقص نہ ہو پھر اسے نکال دیا گیا کیونکہ اب آپ کے جسم مبارک میں وہ رہنے کے قابل نہیں تھا۔

میرے استاذ مکرم حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے یہی تقریر فرمائی تھی جب آپ یہ حدیث مبارک پڑھا رہے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ پڑھنے والے اور حضرات کے علاوہ یہ چار حضرات قابل ذکر تھے:

مولانا ابوالفضل اللہ دہلوی، مولانا عبداللطیف سیالوی، مولانا شاہ محمد قصوری، قاری محمد یوسف جہلمی سلمی اللہ۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کا شق صدر (سینہ چاک کرنا) کئی مرتبہ ہوا۔ ایک مرتبہ بچپن میں جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے اور دوسری مرتبہ جب آپ سے غار حرا میں جبریل امین کی ملاقات ہوئی اور تیسری مرتبہ معراج کی رات کو۔ ❶

آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے:

”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَكَرَاهَهُ الْقَمَرَ شَقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا جِرَاءَ بَيْنَهُمَا“ ❷ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں معجزہ دکھائیں۔

آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جبل حرا چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان آگیا ہے۔“

”وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ ❸ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے اوپر تھا

اور ایک نیچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔“

دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان دونوں ٹکڑوں کا وقوع ایسا تھا کہ جبل حرا ان کے درمیان ایسا نظر آ رہا تھا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے۔

نبی کریم نے فرمایا: ”إِشْهَدُوا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت پر گواہ بن جاؤ۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے معجزہ پر گواہ بن جاؤ۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے معجزہ طلب کرنے والو! آؤ! حاضر ہو جاؤ! ظاہر میں میرے معجزہ کو دیکھو اس معجزہ کا انکار اور تاویل حق سے کج روی ہے۔

”قَالَ الزُّجَّاجُ: قَوْمٌ عَدَلُوا عَنِ الْقَصْدِ وَمَا عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ تَأْوِيلُهُ أَنَّ الْقَمَرَ يَنْشَقُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

سید می راہ سے عدول کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ چاند کا پھٹنا قیامت کو واقع ہوگا۔“

حالانکہ ان کج روی کرنے والوں کا یہ قول سراسر باطل ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ اسی پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ واقع ہو چکا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے ”وَانْشَقَّ الْقَمَرُ“ کے بعد ذکر فرمایا ہے:

”وَأَن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ“ ❹

”اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔“

(سورۃ القمر 25: 8)

❶ بخاری، مسلم، ابی اسحاق القرطبی ج 2، ص 373

❷ مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11، ص 123

❸ بخاری، امام بخاری رحمہ اللہ ج 2، ص 721

”فَكَيْفَ يَكُونُ هَذِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ قیامت کے دن یہ کیسے ہوگا یعنی قیامت کے دن کسی نشانی کو کوئی شخص بھی جادو نہیں کہہ سکے گا وہاں تو ان کو اپنی جان کی پڑی ہوگی یہ تو دنیا میں ہی وہ آیات و معجزات کو جادو کہتے رہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ چاند کے دو ٹکڑے فرمانے کا معجزہ ایک ہولناک امر تھا۔ اگر یہ واقع ہوتا تو تمام روئے زمین کے لوگ دیکھتے اور حدیث کے راوی کثیر تعداد میں ہوتے۔ اس طرح حدیث متواتر ہوتی حالانکہ یہ خبر واحد ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو اس حدیث اور معجزہ کو مانتے ہیں ان کے نزدیک تو کثیر مقدار میں اسے لوگوں نے نقل کیا ہے۔ اسلئے یہ متواتر المعنی ہے لیکن مخالفین کو ہو سکتا ہے کہ غفلت طاری ہو گئی ہو جس طرح سورج کو گرہن لگتا ہے تو کوئی توجہ کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔

”وَالْقُرْآنُ أَوَّلَىٰ دِكْرٍ وَأَقْوَىٰ شَاهِدٌ وَأَمَّا لَاشْكَ فِيهِ عَقْلًا“ ”قرآن پاک سب سے اعلیٰ دلیل ہے اور سب سے بڑی قوی شہادت ہے عقلی طور پر اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں“
اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی سچا بھی نہیں۔ تو ضروری ہو چکا ہے کہ اس معجزہ کے وقوع کا یقین کیا جائے۔“

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کثیر لوگ اس معجزہ کو کیوں نہیں دیکھ سکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: یہ معجزہ چاند کے دو ٹکڑے ہونا رات کو واقع ہوا اور بڑے بڑے لوگ غافل ہو کر سوئے ہوئے تھے اور دروازے بند تھے اور وہ چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں انسان کم ہی آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور آسمان میں کم ہی تفکر کرتا ہے اور شرح السنہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ مطالبہ بھی ایک خاص قوم نے کیا تھا اور انہوں نے ہی دیکھا تھا دوسرے لوگ غافل ہو کر سو رہے تھے۔ ❶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درخت اور پتھر سلام کہتے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجْرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ“ ”بیشک میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں مجھے بعثت سے پہلے سلام کہتا تھا۔ بیشک میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔“

”وَيَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ كَمَا دَرَكْنِي بِرَأْسِهِ“ ”ایک روایت میں صراحتاً ذکر ہے کہ وہ کہتا تھا: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ“

وہ پتھر کون سا تھا؟ حقیقت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ البتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ حجر اسود ہو یا کعبہ شریف اور حضرت خدیجہ فیؓ کے مکان کے درمیان ایک پتھر تھا جو زقاق الحجر کے نام سے مشہور تھا آپ کو سلام کہتا ہو۔ حضرت عائشہ فیؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَمَّا اسْتَقْبَلَنِي جِبْرِيلُ بِالرَّسَالَةِ جَعَلْتُ لَا أَمْرَ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ“
 مجھے جو بھی پتھر یا درخت ملتا وہی کہتا ”السلام علیک یا رسول اللہ“
 ”اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے۔“
 ”وَفِيهِ اِيْمَاءٌ اِلَى اَنَّهُ مَبْعُوْثٌ اِلَى كُلِّ خَلْقٍ“ ❶

نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور ابو جہل کی ذلت:

”عن أبي هريرة قال: قال أبو جهل: هَذَا يَعْزُرُ مُحَمَّدًا وَجْهَهُ بَيْنَ أَظْهَرِ كُفْرٍ فَعَمِلَ: نَعْمًا وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى! قَالَ لَنِيْنُ رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ ذَلِكَ لَا طَأَنَ عَلَى رُقْبَتِهِ فَكَلَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي زَعَمَ لَهْطًا عَلَى رُقْبَتِهِ فَمَا فَبَجَنَّهُمْ مِنْهُ إِلَّا وَهُوَ يَنْكُصُ عَلَى عَقْبَيْهِ وَيَتَعَلَّى بِمَدْيِهِ فَعَمِلَ لَهُ: مَا لَكَ فَقَالَ: إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ لَخُذْقًا مِنْ نَارٍ وَهُوَ لَا جَنَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ دَنَا مِنِّي لَا اخْتَطَفَهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ابو جہل نے کہا: کہ محمد ﷺ تمہارے سامنے پیشانی رگڑتے ہیں (نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں) تو لوگوں نے کہا: ہاں! ابو جہل کہنے لگا: قسم ہے لات اور عزیٰ کی! اگر میرے سامنے اس نے ایسا کیا تو میں اس کی گردن دبوج دوں گا۔ (معاذ اللہ) اتنے میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اس نے ارادہ کیا کہ آپ کی گردن دبوج دے وہ اچانک آپ کے پاس آیا ہی تھا لیکن ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف بھاگا اور بچاؤ کے لئے ہاتھ مار رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا؟ وہ کہنے لگا: میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہو گئی اور بہت بڑا ہولناک منظر تھا اور پرندوں کے پر ہی نظر آرہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔“

(مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات ج 2)

ابو جہل کو جو پر نظر آرہے تھے وہ درحقیقت فرشتے تھے جو حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

معراج کی رات جبریل آپ کو انبیائے کرام کا تعارف کیوں کرارہے تھے؟

”وَكَانَ نَبِيُّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ فِي الْاِسْعَفَرِاقِ النَّامِ“
 ”ہمارے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تمنا میں کامل

مُشَاهِدَةِ الْمَرَامِ غَافِلًا عَنِ الْأَنَامِ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ سُبْحَانَهُ طُورِ اسْتِغْرَاقٍ مِثْلِ تَحْتِ مَقْصِدِ عَظِيمِ رَبِّكَ مُشَاهِدَةً كَرَنَاتُهَا وَتَعَالَى بِقَوْلِهِ {مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى} حَتَّى احْتَاكَ بِفِي كُلِّ تَعَالَى نَزَعًا {مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى} أَنْكَهَ كَسَى طَرَفِ مِّنَ الْمَقَامِ إِلَى تَعْلِيمِهِ جَبْرِئِلَ بِالسَّلَامِ

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 145)

پھری نہ حد سے بڑھی۔ یہ آپ کے استغراق تام کی طرف کامل

اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے ہر مقام پر جبریل علیہ السلام آپ کو متوجہ کرتے رہے کہ یہ فلاں نبی ہیں، آپ ان کو سلام کریں۔

انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ کی ملاقات آسمانوں میں کیسے ہوئی۔ جب کہ ان کے جسم اپنی اپنی قبروں میں موجود ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رَاسُكُمْ“ کہ ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ نے جسموں کی شکل دے دی ہو۔ یعنی قبروں میں جسم ہونے کے باوجود آسمانوں میں ارواح بھی جسموں کی صورت موجود ہو گئیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے: ”أَوْ حَضَرَتْ أَجْسَادُهُمْ لِمَلَاقِيهِمْ فِي السَّمَاءِ فَتُلَاقِيهِمْ فِي السَّمَاءِ فَتُلَاقِيهِمْ فِي السَّمَاءِ“ ”یا انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے آسمانوں میں اس رات کو حاضر کر لیا گیا ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واضح ہو جائے اور آپ کی عزت افزائی ہو۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں میں جس نبی سے بھی ملاقات ہوئی ”فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ السَّلَامَ“ آپ فرماتے ہیں: میں نے اسے سلام کہا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ ”وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ حَقِيقَةً“ اور اس میں دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو حقیقی زندگی حاصل ہے۔ ❶

”إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَمُوتُونَ كَسَائِرِ الْأَحْيَاءِ بَلْ يَتَعَلَّقُونَ مِنْ فَاكِ الْفَقَاءِ إِلَى فَاكِ الْبَقَاءِ وَقَدْ وَدَّ بِهِ الْأَحَابِثُ وَالْأَنْبَاءُ وَأَنَّهُمْ أَحْيَاءُ فِي قُبُورِهِمْ فَإِنَّهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَهُمْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ ”بے شک انبیاء کرام علیہم السلام باقی زندہ لوگوں کی طرح زندہ ہیں“ ”مردہ نہیں۔ بلکہ صرف دار فناء یعنی دنیا سے دار بقاء یعنی آخرت کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی پر دلالت کرنے والی کئی احادیث اور اخبار وارد ہیں۔“ ❷

بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ شہدا سے افضل ہیں وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔

خیال رہے کہ ہر نبی نے آپ کو سلام کا جواب دیتے ہوئے {الْكَلْبِيُّ الصَّالِحُ} ”اے صالح نبی“ کے لقب سے پکارا۔ ”صالح“ کے انتخاب میں کیا حکمت تھی؟

”إِنَّ الصَّلَاةَ صِفَةً تَشْمَلُ جَمِيعَ عَصَائِلِ الْخَيْرِ وَفَسَائِلِ الْكَرَامِ“ ”بے شک صلاح ایک ایسا وصف ہے جو بھلائی کی تمام خصلتوں اور اچھی عادات کو شامل ہے۔“

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:

”الصَّالِحُ مَنْ يَقُومُ بِمَا يُلْزَمُ مِنْ حُقُوقِ اللَّهِ وَحُقُوقِ عِبَادِهِ“ ”صالح وہ ہے جو اس کے ذمہ حقوق العباد اور حقوق اللہ لازم ہوں ان کو مکمل طور پر ادا کرے۔“

اسی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام نے اس دعاء کو اختیار کیا ”تَوْفَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ“ مجھے حالت اسلام پر وفات آئے اور مجھے صالحین (اپنے خاص قریبی بندوں) سے ملا دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں یہ معنی مراد لیا جائے: الصَّالِحُ لِهَذَا الْمَقَامِ الْعَالِي وَالصُّعُودُ الْمُتَعَالَى ”کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ کے اس بلند و بالا مقام کو دیکھ کر آپ کو صالح کہا ہو کہ یہ عظیم مرتبہ اور اس مقام پر سیر کرنا یعنی شرف معراج آپ کو ہی حاصل ہو رہا ہے اس لئے صالح ہونے کا بلند مقام بھی آپ کو حاصل ہے۔“

حضور ﷺ کا معراج جاگتے ہوئے تھا:

علامہ طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ہم نے بخاری اور ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں {وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي ارْتَبَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ} ”اور ہم نے نہ کیا وہ دکھانا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش“ یعنی آپ کو حالت بیداری میں معراج کرا کے لوگوں کی آزمائش بنایا کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں۔“ ”رُؤْيَا عَيْنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُسْرِي بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ“ ”رؤیا سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے (خواب دیکھنا مراد نہیں) جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا یہ وہ سیر کی رات ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہوا کہ آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کرائی گئی۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: ”قَالَ: شَيْءٌ أَرَاهُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْبَقْعَةِ رَأَاهُ بَعِينُهُ“ نبی کریم ﷺ کو جو چیز دکھائی گئی وہ بیداری میں یعنی جاگتے میں جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ بات بھی واضح کہ واقعہ معراج کو سن کر قریش نے انکار کیا تھا اور العیاذ باللہ کچھ لوگ یہ سن کر مرتد بھی ہو گئے تھے: ”وَأَنَّمَا يُنْكِرُ إِذَا كَانَتْ فِي الْبَقْعَةِ فَإِنَّ الرُّؤْيَا لَا يُنْكِرُ مِنْهَا“ ”انکار کی ضرورت ہی اس وقت درپیش آئی جبکہ واقعہ بیداری کا تھا اگر خواب کا معاملہ ہوتا تو کسی کو انکار کیا ضرورت تھی۔“ (مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 139)

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا كُنَّا بَيْنَ قُرَيْشٍ قُمْتُ فِي الْحَبَرِ فَجَلَسَ إِلَيَّ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ فَطَلِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ أَمَانِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ“ ”بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس ظاہر کر دیا تو میں نے اس کی نشانیاں بتانی شروع

(بخاری ج 1 ص 548 مسلم ج 1 ص 96) کر دیں اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔“

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ معراج جاگتے ہوئے جسمانی طور پر تھا اسی لئے قریش نے انکار کیا تھا:

”وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ أُسْرَى بِجَسَدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلُهُ أُسْرَى بِعَبْدِهِ“ ”رب تعالیٰ نے حضور کی معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: {
اُسْرَى بِعَبْدِهِ} جو اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا
تھا اور آپ کو جسمانی طور پر معراج ہوا کیونکہ عبدر روح اور جسم
دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔“

(سراج منیر ج 2 ص 277)

اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو ”اُسْرَى بِرُوحِ عَبْدِهِ“ کہا جاتا کیونکہ عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۲۹ میں بھی اس دلیل کو ذکر کیا گیا ہے اور ”کبیر“ میں علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

غلطی کی وجہ:

خواب کا واقعہ بیان کرنے والی ایک روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش کرتے ہیں:

”عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمِعْرَاجِ فَقَالَ: كَأَنَّهُ رُؤْيَا“ ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ معراج کیسے
تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ رؤیا صالحہ تھا۔“

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ”رؤیا“ سے مراد ”رؤیا بالعين“ ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا۔ بنیادی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ”رؤیا“ خواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی۔ جب دوسری روایات سے واضح ہے کہ ”رؤیا“ بمعنی آنکھ سے دیکھنے کے یہاں مراد ہے تو خواب والا معنی لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: ”مَا فُقِدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ“ نبی کریم ﷺ کا جسم معراج کی رات کو گم نہیں پایا گیا۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ میں نے آپ کے جسم کو گم نہیں پایا تو یہ واقعہ خواب کا ہے کیونکہ خواب میں حضور ﷺ کو کئی مرتبہ معراج ہوا۔ یہ خواب والے معراج کا ذکر ہوگا کیونکہ جاگتے ہوئے معراج مکہ مکرمہ میں ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں مدینہ طیبہ میں آئیں۔

اور اگر آپ رضی اللہ عنہا نے مطلقاً واقعہ کو ذکر کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا جسم روح سے گم نہیں تھا اور روح سے جدا نہیں تھا بلکہ روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوا۔ یہی معنی لیا جائے تو دوسری روایات کے ساتھ تطبیق ہو سکتی ہے۔

فائدہ: ارواح کا تعلق بدنوں سے ایسا ہے جیسا کہ سورج کا تعلق عالم دنیا سے۔ جس جسم پر بھی سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں وہ

چیز روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جسم کے ہر عضو میں سے جس پر روح کی نورانیت پڑتی ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اس میں انوار کمال و جلال اثر انداز ہوتے ہیں۔

روح کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ ارواح ہیں جن میں صفات بشریہ کی کدورت پائی جاتی ہے۔ یہ عوام کی روہیں ہیں ان پر حیوانی قوتیں غالب ہوتی ہیں جو عروج کو قبول نہیں کرتیں۔

دوسری قسم: وہ ارواح ہیں جن میں علوم کے حاصل کرنے کی وجہ سے قوت نظریہ میں کمال حاصل ہوتا ہے یہ علماء کی روہیں ہیں۔

تیسری قسم: وہ روہیں ہیں جن کو بدن کی قوت مدبرہ کی وجہ سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی قوت مدبرہ کے حصول کی وجہ سے وہ اچھے اخلاق اچھی صفات کو قبول کرتی ہیں یہ مرتاضین (ریاضت کرنے والے) کی روہیں ہیں۔ جس طرح قوت میں فوقیت آتی ہے اسی طرح ان کے بدن میں ریاضت و مجاہدہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

چوتھی قسم: وہ روہیں ہیں جنہیں قوت نظریہ اور قوت مدبرہ دونوں میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ یہ بشری روہوں کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام صدیقین کی روہیں ہیں جب ان قوتوں میں فوقیت آتی ہے تو بدنوں کو زمین سے بلند ہونے کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ باقی جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کی روہوں کو صرف اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ آسمانوں تک پہنچ سکے وہ حضور ﷺ کے استقبال کے لئے یہ مقام حاصل کر سکے۔

”وَ اكْمَلَهُمْ قُوَّةً نَبَوِّنَا لِنُظْهِرَهُمْ لِنَبِيٍّ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَىٰ قَابِ قَوْسَيْنِ أُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ذُو الْقُوَّةِ“
تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ہمارے نبی کریم ﷺ کو قوت نظریہ اور قوت مدبرہ زیادہ اعلیٰ حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے آپ

(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 11 ص 139) کا معراج {قَابِ قَوْسَيْنِ أُولَٰئِكَ} کے درجہ کا تھا۔

یعنی رب کا دیدار حاصل ہوا دونوں کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔

نبی کریم ﷺ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا:

وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفْقى الْأَعْلَىٰ ۚ
”اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ ٹپکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی

وَمَا تَقْضِي ۖ فَكَانَ قَبَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْخَىٰ إِلَىٰ
عَيْنِهِمَا مَا أُوْحِيَ ۖ مَا كَذَّبَ ۖ الْقَوْلُ ۖ مَا رَأَىٰ ۖ أَتَقَرُّوهُ عَلَىٰ
مَا يَدْرِي ۖ وَلَقَدْ رَأَىٰ نَزْلَةَ ۖ نَجْمِي ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ لَا يُفْشَىٰ السِّدْرُ ۖ مَا يُفْشَىٰ ۖ مَا زَاغَ
الْبَصَرُ ۖ وَمَا كَفَىٰ ۖ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۖ
(سورة النجم 5:27)

ہے انہیں سکھایا اللہ تعالیٰ سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس
جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ
پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور
اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی
فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا نہ
دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور

انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس جنت المادی ہے۔ جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا آنکھ نہ کسی کی
طرف پھری نہ حد سے بڑھی بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

{وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ} ”اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے۔“

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول کے مطابق کیا ہے آپ کہتے ہیں:
”هُوَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ أَكْبَرُ نَزْوَاهُ مِنَ السَّمَاءِ لَيْلَةَ الْبِعْرَاجِ“
”النجم“ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ”هَوَىٰ“ سے مراد
آپ کا معراج کی رات آسمانوں سے اترنا ہے۔“

خیال رہے کہ ”هَوَىٰ“ کا معنی اترنا بھی اور چڑھنا بھی اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”وَجَوَّزَ عَلَىٰ هَذَا أَنْ يُرَادَ بِهِ هَوَاهُ صُعُودُهُ وَعُرُوجُهُ عَلَيْهِ“
”اس معنی کے لحاظ سے یہ کہنا بھی جائز ہے کہ آپ وہاں تک
بلند ہوئے جہاں مکان کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔“

اب معنی یہ ہوگا ہے اس پیارے چمکتے تارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو لامکان تک بلند یوں پر قافز ہوئے۔

{مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ} ”اور تمہارے صاحب نہ بہکے اور نہ بے راہ چلے۔“

قریش کو خطاب فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صاحب کہا کیونکہ وہ آپ کی شریعت کے تمام احوال سے باخبر تھے اور یہ
جانتے تھے کہ آپ ہر قسم کی برائی سے کامل طور پر اجتناب کرتے ہیں اور رشد و ہدایت کا اعلیٰ درجہ آپ کو حاصل ہے۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا طویل حصہ ان میں گزارا تھا اس لئے وہ آپ کے حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے:

{وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ} ”إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“

”وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے ہاں مگر وہی جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد بھی فرمائیں تو وہ دوسرے مجتہدین سے مختلف ہوتا ہے:

”إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ يُجْتَهَدَ بِخِلَافِ غَيْرِهِ مِنْ“ بیشک نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جاتی ہے کہ آپ اجتہاد کریں بیشک وہ وحی مخفی کیوں نہ ہو لیکن دوسرے مجتہدین کو یہ حالت حاصل نہیں ہوئی۔“

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أَنَّهُ جَبْتَنِي بِالْوَحْيِ لَا وَحْيٍ“ آپ کا اجتہاد وحی سے ہوتا ہے اگرچہ اس پر وحی کے احکام جاری نہیں ہوتے یعنی اجتہاد سے حاصل کردہ مسئلہ اور وحی سے نافذ ہونے والے حکم میں فرق ہوتا ہے۔ بعض اوقات اجتہاد کو بھی وحی کا درجہ حاصل ہوگا جبکہ یہ مقام حاصل ہو کہ ”مَا الْقَبْنَةُ فِي قَلْبِكَ فَهُوَ مُرَادِي“ جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ کہا جائے کہ جو چیز میں نے آپ کے دل میں ڈالی ہے وہی میری مراد ہے۔

اس کے بعد آنے والی آیات میں اختلاف ہے جو جلوہ حضور ﷺ نے دیکھا وہ جبریل کا دیکھا یا اللہ تعالیٰ کا۔ صحیح یہی ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا: ”رَأَى مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهُ“ قَالَ عِكْرَمَةُ: قُلْتُ: أَلَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَقُولُ لَا“ ”نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے تَدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ“ قَالَ: وَيُحَكِّ ذَاكَ إِذَا“ ہیں: میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ”لَا تُدْرِكُهُ تَجَلَّى بِنُورِهِ الَّذِي هُوَ نُورُهُ وَقَدْ رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ“ ”نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے! یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے اس نور سے تجلی فرمائے جو ذات کے درجے میں ہے۔ حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذاتی کے نور کا کسی نے احاطہ نہیں کیا اس کی حقیقت تک کوئی نہیں پہنچ سکا، نفی اس معنی کے لحاظ سے ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً کسی کو بھی طاقت نہیں مل سکی کہ اس کے نور کو دیکھا ہو۔ جب یہ فرق کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں نفی پائی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ان میں تطبیق ہو سکے گی کہ ایک روایت کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے رب کے نور کا احاطہ نہیں کیا اور دوسری کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کے نور کو دیکھا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ کاش! میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور آپ سے ایک سوال کرتا۔ انہوں نے کہا: کس چیز کے متعلق تم سوال کرنے کی تمنا رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”قَدْ سَأَلْتُهُ فَقَالَ: رَأَيْتُ نُورًا“ کہ ہاں! میں نے سوال کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نور کو دیکھا ہے۔

دوسری روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: نُورًا يُرَى أَرَاكَ“ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! وہ ذات نورانی ہے میں نے اس کو دیکھا ہے۔“

نورانی میں ”یا“ نسبت کی بنا کی جائے تو دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہوگا۔ اس لئے تو بہتر یہ ہی ہے کہ اس لفظ کو اسی طرح پڑھا جائے۔ بعض حضرات نے ”نورانی“ پڑھا ہے یعنی ایک لفظ ”نور“ ہے اور دوسرا ”آلوسی“ ہے اب معنی یہ ہوگا کہ وہ ذات نور ہے میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔“

اس معنی کے لحاظ پر پھر تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ میں نے اس کے نور کا احاطہ نہیں کیا ہے تاکہ دوسری روایت کا معنی بھی درست ہو سکے کہ میں نے نور کو دیکھا ہے یعنی دیکھا تو ہے اور کامل احاطہ نہیں کیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

”إِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ مَرَّةً مَرَّةً بِبَصَرِهِ“ ”بیشک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ اپنی آنکھوں سے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اپنا مختار بیان کرتے ہیں:

”وَكَانَ أَقْوَلُ بِرُؤْيَيْهِ ﷺ رَبَّهُ سُبْحَانَهُ وَبَدُوهُ مِنْهُ سُبْحَانَهُ“ ”میں کہتا ہوں: کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ آپ کو رب کا قرب خاص حاصل ہوا ہے جیسا بھی مناسب تھا۔“

یعنی اس قرب و رؤیت کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی البتہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کو ماکان وما یکون کا علم دیا گیا:

الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ﴿٢﴾ عَلَّمَهُ الْبِسْمَ ﴿٣﴾ ”رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔“

جب نبی کریم ﷺ تمام عالم کی جان ہیں تو انسانیت کی جان ہونا بھی واضح ہوا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ {وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ} کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”الْعَلَمُ جَسَدٌ وَرُوحُهُ النَّبُوَّةُ وَلِقَائِهِمَ لِلْجَسَدِ بِدُونِ رُوحِهِ“ ”تمام جہان جسم ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی روح ہیں اور جسم

کا قیام بغیر روح کے نہیں۔“

اسی لئے جہان کا قیام حضور ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

”وَجَازَ أَنْ يُقَالَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ بِعَيْنِي مُعَمِّدًا ﷺ عَلَّمَهُ“ ”جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ ”خَلَقَ الْإِنْسَانَ“ انسان سے مراد الْبَيَانُ يَعْنِي الْقُرْآنَ فِيهِ بَيَانٌ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ مِنَ الْأَذَلِّ نبی کریم ﷺ ہیں ”عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ سے مراد قرآن پاک ہے إِلَى الْآبَدِ مُطَابِقًا لِبَيَانٍ مَنْ مَضَى مِنَ الرُّسُلِ هِدَايَةً لِلنَّاسِ جس میں ”مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ“ (جو ہو گیا اور جو ہوتا ہے) کا علم وَآيَةٌ عَلَى نُبُوَّتِهِ“ ❶

وبیان کے مطابق ان کے احوال پر مشتمل ہے لوگوں کے لئے ہدایت اور آپ کی نبوت پر نشانی ہے۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ ”الجامع لاحکام البیان المعروف بقرطبی“ میں بیان فرماتے ہیں:

”وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَيْضًا عَنْ ابْنِ كَيْسَانَ ﷺ اُفْتِيَهُمَا“ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن کيسان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے يُرَادُ بِهِ مُحَمَّدٌ ﷺ وَالْبَيَانُ بَيَانُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْهُدَى کہ ”الانسان“ سے مراد محمد ﷺ ہیں اور ”علمہ البیان“ میں بَيَانُ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْهُدَى سے مراد یا تو حلال و حرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد کان وما یكون کا علم وَالْآخِرِينَ وَيَوْمَ الدِّينِ“ ❷

ہے کیونکہ حضور نے اولین و آخرین اور قیامت کا ذکر فرمایا جب آپ نے جمیع گزرے اور آنے والے اور واقعات قیامت سے مطلع فرمایا تو آپ کو ما کان یكون کا علم یقیناً حاصل ہے۔“

ان مذکورہ تفاسیر کے مطابق ہی تفسیر سراج منیر، جمل، حسینی میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

علم غیب نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے:

{لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ} کی تفسیر میں جمل میں ذکر کیا گیا ہے:

”لِلْعَائِلِ أَنْ يَقُولَ قَدْ أَخْبَرَ ﷺ عَنِ الْغَيْبَاتِ وَقَدْ جَاءَتْ أَحَادِيثُ فِي صَحِيحِهِ بِذَلِكَ وَهُوَ أَعْظَمُ مِنْ مُعْجَزَاتِهِ ﷺ خیریں دی ہیں اور صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے حالانکہ علم غیب نبی کریم کا عظیم معجزہ ہے تو ان احادیث اور قرآن پاک کی اس آیت کریمہ {لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سُبُّكَ لَاسْتَكْفَرْتُ} سے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جائے

تفسیر قرطبی، امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری ج 9 ص 152

❶ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ج 9 ص 145

❷

يُطْلِعُنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَيَقْدِرْ لِي“

کہ نبی کریم ﷺ نے عجز و انکساری کے طور پر یہ کہا ہے اور از روئے ادب کہ میں خود غیب نہیں جانتا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس پر مطلع نہ فرمائے اور قدرت نہ دے۔“

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ

”تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جانتا ہوں۔“

اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا کہ میں کہتا نہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود ہی غیب جانتا ہوں۔

”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ عَظْفٌ عَلَى مَعْلٍ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ فَهُوَ“ کا عطف ”عندی خزان اللہ“ کے محل پر ہے اور یہ بھی ”وَلَا أَقُولُ“ کا مقولہ ہے۔“

یعنی نفی کہنے کی ہو رہی ہے علم غیب کی نہیں ہو رہی۔

”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ النَّصْبُ عَلَى مَعْلٍ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُولِ كَأَنَّهُ قَالَ: لَا أَقُولُ لَكُمْ هَذَا الْقَوْلَ وَلَا هَذَا الْقَوْلَ لَكُمْ إِنِّي مَلِكٌ أَيْ لَا ادْعِي مَا يُتَّبَعُ فِي الْقَوْلِ أَنْ يَكُونَ بَشَرٌ مِنْ مَلِكٍ خَزَائِنُ اللَّهِ عِلْمُ الْغُيُوبِ وَدَعْوَى الْمَلِكِيَّةِ وَأَلَمَّا ادَّعَى مَا كَانَ لِكَفِيرٍ مِنَ الْبَشَرِ وَهُوَ النَّبِيُّ“

(تفسیر مدارک علامہ نسفی رحمہ اللہ)

”وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ“ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ اس کا عطف ”عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ“ کے محل پر ہے اور وہ بھی نصب میں ہے کیونکہ وہ جملہ ”لَا أَقُولُ“ کا مقولہ ہے لہذا مقصد یہ ہے کہ تمام معطوف اور معطوف علیہ مقولہ ہیں کہ میں نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ ”وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلِكٌ“ کی تفسیر میں بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا جو انسانی عقل سے بعید ہو کہ ایک بشر کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہوں اور علم غیب رکھتا ہو اور فرشتہ ہونے کا دعویٰ کر رہا ہو بلکہ میں وہ دعویٰ کرتا ہوں جو پہلے بھی کثیر بشر حضرات نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔“

عطائی علم غیب قرآن پاک سے ثابت ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ..... ﴿٩﴾

(سورۃ آل عمران 9:4)

”اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔“

اس آیت کریمہ میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے کہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا نہیں کرتا۔ البتہ رسولوں میں سے جسے چاہے اسے علم غیب عطا کرتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ”یَجْتَبِی“ سے پتہ چلتا ہے مجتبیٰ بنائے اور میرے حبیب کا اسم گرامی مجتبیٰ بھی ہے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجتبیٰ بنا لیا ہے جن لیا ہے علم غیب عطا کر دیا ہے تو اگر بد بخت انسان نہ پسند کرے تو میرے حبیب کی شان میں کیا فرق؟ وہ منکر اپنی بد بختی کا ماتم کرے۔ رب کا ارشاد گرامی یہ ہے:

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿١٢﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿١٣﴾ فَسَيُخَوِّفُهُمْ سِرًّا وَلَيَكْشِفُهُمْ سِرًّا ﴿١٤﴾ (سورة الجن 12:29)

پسندیدہ رسولوں کے۔“

اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے۔ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ یعنی رسولوں کو غیب عطا فرماتا ہے کیونکہ رسول اس کے پسندیدہ ہیں۔ ہاں! البتہ کوئی زیادہ پسندیدہ ہوگا جس کا نام ہی مرتضیٰ ہوگا یقیناً جتنا غیب اسے عطا ہوگا اتنا کسی دوسرے رسول کو نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کو لوح محفوظ کا علم عطا کیا گیا اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوح محفوظ کی بعض معلومات پر مطلع کیا گیا ہے۔ ”وَأَمَّا اللُّوحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ يُطَّلِعُ عَلَى بَعْضِ مَعْلُومَاتِهِ مَنْ أَرَادَ اللَّهُ مِنْ مَلَائِكَتِهِ وَالنَّبِيِّينَ وَخَلَصَ أَوْلِيَائِهِ مِنْ أَرْبَابِ الْكُشُوفِ لَا سِوَا إِسْرَافِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ مُوَكَّلٌ عَلَيْهِ وَيَأْخُذُ الْأُمُورَ مِنْهُ فَهَامُّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَعِزْرَائِيلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُلًّا بِمَا هُوَ جُنُسٌ عَلَيْهِ“ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۵)

”لوح محفوظ کی بعض معلومات پر اللہ تعالیٰ فرشتوں انبیائے کرام علیہم السلام اور ارباب کشف اولیائے کرام میں سے جسے چاہتا ہے مطلع فرمادیتا ہے۔ خصوصاً اسرافیل لوح محفوظ پر موکل ہیں وہ لوح محفوظ سے ہی علم حاصل کر کے جبریل، میکائیل اور عزرائیل علیہم السلام کو ان کے کاموں کے متعلق مطلع کرتے ہیں۔“

”بیشک نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا اور آخرت کے غیبی امور پر مطلع فرمادیا ہاں البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم تھا جیسا کہ قیامت کو ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ کو قیامت کا بھی علم تھا۔“

(صادی حاشیہ جلالین ص 490)

”فَلَمْ يُطَّلِعْ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا مَنِ ارْتَضَاهُ مِنَ الرُّسُلِ“

(صادی حاشیہ جلالین ص 145)

”اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم کسی کو نہیں دیا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے جن رسولوں کو آپ نے پسند فرمایا انہیں قیامت کا علم عطا فرمایا۔“

اعتراض: پانچ چیزوں کے متعلق تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ“ ان کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ پانچ چیزیں یہ ہیں: قیامت کا علم بارش ہونے کا علم ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ کل انسان نے کیا کرنا ہے؟ کہاں

مرتا ہے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے قول پر بطور دلیل یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي
الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي
نَفْسٌ بِأَيِّ لَوْحٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣:٢١﴾
”بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے بارش
اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں
جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین
میں مرے گی“ (سورۃ لقمان 13:21)

جواب: علم غیب کی نفی جن آیات یا احادیث میں ہے اس سے مراد ذاتی طور پر غیب کا جاننا ہے۔ اور جن میں ثبوت ہے ان
میں عطائی طور پر غیب کے جاننے کا ذکر ہے۔ یعنی مسئلہ واضح ہے کہ حضور ﷺ کو ذاتی طور پر غیب کا علم نہیں عطائی
طور پر غیب کا علم ہے۔ یہی حدیث جو معترض نے پیش کی ہے جو مشکوٰۃ شریف کی ابتدا میں ہے (یعنی دوسری حدیث ہی) اس کی
شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ”اوضح الممعات“ میں فرماتے ہیں:

”مراد آنست کہ ہے تعلیم الہی بحساب عقل بیچ کس۔ انہما رائد
اند و آنہما از امور غیب اند کہ جو خدا کسی آں رائد اند مگر آنکہ
وے تعالیٰ از خود خود کسی رائد اند و حی والہام“
(اوضح الممعات: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)
”اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم عطا کرنے کے بغیر کوئی
فخص بھی اپنی عقل سے حساب نہیں لگا سکتا کیونکہ یہ امور غیبیہ
ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کسی کو
وحی یا الہام کے ذریعے علم عطا کر دے تو وہ یقیناً جانتا ہے۔“

اعتراض: نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ کھجوروں کے درختوں کی پیوند کاری کر رہے ہیں۔
نہ کر درخت کے ٹکڑے مونڈ میں لگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا:
کہ ہم پیوند کاری کر رہے ہیں تاکہ پھل زیادہ ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كَانَ خَيْرًا“ اگر تم یہ نہ کرو تو
شائد تمہارے لئے بہتر ہو۔ صحابہ کرام نے چھوڑ دیا لیکن پھل کم پیدا ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:
”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِنَّمَا أَمْرُكُمْ بَشَرٌ مِنْ بَيْنِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَكَانَ
أَمْرُكُمْ بَشَرٌ مِنْ رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ“
”میں ایک بشر ہوں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں جس کا تعلق
دین سے ہو تو اس پر عمل کرو اور اگر میں اپنی رائے سے (دنیا
کا کوئی کام) کہوں تو میں ایک بشر ہوں۔“

ایک اور روایت میں ہے: ”أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ“ ”دنیا کے معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو۔ اور ایک دوسری
روایت میں ذکر ہے۔ ”إِنَّمَا ظَنَنْتُمْ ظَنًّا فَلَا تُؤَاجِلُونَنِي بِالظَّنِّ“ ”میں جو بات ظن سے کروں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔
اس سے تو واضح ہوا کہ آپ کو دنیا کے معاملات کا کچھ پتہ نہیں تھا اگر پتہ ہوتا تو آپ نہ روکتے۔“

جواب:

علامہ قاری رحمہ اللہ ”شرح شفاء“ میں اسی حدیث کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

”وَعِنْدِي أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَصَابَ فِي ذَلِكَ الظَّنِّ وَكَوْنُهُ عَلَى كَلَامِهِ لَفَاقُوا فِي الْفَنِّ وَلَا رَتَفَعَهُ عَنْهُمْ كُفْلَةُ الْمُعَالَجَةِ فَإِنَّمَا وَقَعَ التَّغْيِيرُ بِحَسَبِ جَرِيَانِ الْعَادَةِ لَا تَرَى أَنَّ مَنْ تَعَوَّدَ بِأَكْلِ شَيْءٍ أَوْ شَرِبَهُ يَتَغَيَّرُ فِي وَقْتِهِ وَكَذَا لَمْ يَجِدْ يَتَغَيَّرُ عَنْ حَالَتِهِ فَلَوْ صَبَرُوا عَلَى لُحْصَانِ سَبَّةٍ أَوْ سَتَمَةٍ لَرَجَعَ النَّعْمِلُ إِلَى حَالَةِ الْأَوَّلِ وَرَبَّمَا أَنَّهُ كَانَ يَرِيدُ عَلَى قَدَرِ الْمَعُولِ وَفِي الْقَضِيَّةِ إِشَارَةٌ إِلَى التَّوَكُّلِ وَعَدَمِ الْمُبَالَغَةِ فِي الْأَسْبَابِ وَقَدْ غَفَلَ عَنْهَا أَرْبَابُ الْمُعَالَجَةِ مِنَ الْأَصْحَابِ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ“

(شرح شفاء علامہ علی رحمہ اللہ ج 2، ص 338)

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ پر کامل طور پر توکل کرنے اور ظاہری اسباب پر ہی کامل بھروسہ نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن کھجوروں کی پیوند کرنے والے اس سے غافل رہے۔

علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے:

علم غیب پر بحث کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ طَوَّمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢٠﴾“

زمین میں ہے غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔“

(سورۃ النمل 1:20)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تخلیق کائنات تدبیر ہندوؤں عالم خستہ دلوں اور آشفہ مالوں کی فریادری رزق رسانی وغیرہ صفات میں جس طرح

اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ غیب کسے کہتے ہیں؟ اس کا کیا مفہوم ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اسنہانی لکھتے ہیں:

”مَا لَا يَلْقَى تَحْتَ الْهَوَاسِ وَلَا تَلْتَضِيهِ بِنَاهَةُ الْعُقُلِ“
(مفردات راغب)
”یعنی وہ علم جو اس کی رسائی سے بالاتر ہو اور جو قوت عقل سے بھی حاصل نہ کیا جاسکے اسے غیب کہتے ہیں۔“

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں: فرشتے، جنات، انسان، جن میں علماء اولیا، انبیائے کرام علیہم السلام اور العزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ بھی ”الغیب“ کو نہیں جان سکتے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی کہ وہ عالم الغیب ہے جس طرح اس کی ذات کی اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسرہ نہیں مار سکتا۔ اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا جس طرح اس کی دوسری صفت میں کسی دوسرے کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی دوسرے کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

تنبیہ: قرآن کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح نہ بیان کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو ورنہ قرآن حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کی بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں دوسری آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور ٹکندیب کرتی ہیں (معاذ اللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا بطلان کر رہا ہو اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ اسے خداوند علیم و حکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ دان بھی (یعنی سب چیزوں کو دیکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)۔

قرآن پاک میں کوئی اختلاف نہیں:

قرآن کریم نے اپنے کلام الہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا ارشاد ہے:

”لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا“
”یعنی یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے۔“

گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جاتا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر غور و فکر سے کی جائے:

اگر غور و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی حالانکہ قرآن کی بے شمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا نزول وحی کا قیامت جنت و دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں۔ نیز کثیر آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ اس لئے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

ذاتی غیب کی نفی ہے:

علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی بھی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن کریم نے بھی اس قول کی تصدیق فرمادی۔

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿١﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿٢﴾ (سورۃ الجن 29:12)

”اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔“

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قدیم اور غیر محدود ہے:

اس آیت نے بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے۔ ذاتی اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اس کی حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے۔ نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت۔ اگر کوئی شخص کم یا کم یا کبھی یعنی مقدور اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لئے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

حضور کا علم غیب حادث محدود اور عطائی ہے:

اس لئے حضور پر نور امام الاولین والآخرین ﷺ کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا۔ نیز حضور ﷺ کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور غیر موجودات ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا

بھر کے سمندروں سے ہے (کیونکہ دنیا بھر کے سمندوں کا پانی بھی محدود ہے اور قطرہ بھی محدود ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور ذاتی ہے حضور ﷺ کا علم حادث اور محدود اور عطائی یعنی رب کے دینے سے حاصل ہوا)۔

نبی کریم ﷺ کے علم کی وسعت صرف رب جانتا ہے:

ہاں! اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ کا یہ حادث عطائی اور محدود علم اتنا بھی محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کو دینے والا جانتا ہے یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔

”اس نے وحی فرمائی اپنے بندوں کی طرف جو وحی فرمائی۔“

فَاَوْحٰی اِلٰی عِبَادِهِ مَا اَوْحٰی ﴿۱﴾

علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں (جن کا کوئی کنارہ نہیں) جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے۔ ان کی حد برآری ہم کرنے لگیں تو ٹھوکریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا؟

اس تلمیذ رحمان نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے اس کے حق ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ اسی کی زبان پاک سے لکلا ہوا یہ قول ہم نے سنا ہے۔

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ: فِيمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ: أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ: فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ فَوَجَدْتُ بَرْدًا بَيْنَ كَتِفَيْ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“

تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمان میں تھا اور جو زمین میں تھا۔“

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ”پس دانستم ہرچہ در آسمانها و ہرچہ در زمینها و عبارت است“ ”پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا (پھر فرماتے

ہیں) اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور میں نے ان کا احاطہ کر لیا۔“

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”المرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد

شرح بخاری علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول پر اکتفا کرتا ہوں:

”قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: أَيُّ جَمِيعِ الْكَائِنَاتِ الَّتِي فِي السَّمَوَاتِ هَلْ وَمَا فَوْقَهَا وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى الْجَنَسِ أَيُّ جَمِيعِ فِي الْأَرْضِ وَالسَّيْبِ وَمَا تَحْتَهَا يَعْنِي أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَرَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَلَكَوَتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكُشِفَ لَهُ ذَلِكَ وَفُتِحَ عَلَى أَبْوَابِ الْغُيُوبِ“
(مرقاۃ علامہ علی قاری رحمہ اللہ ج 1 ص 463)

”علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث اس طرح ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔“

اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا:

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو۔ اس لئے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجئے۔ انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے۔ اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی:

”رَوَاهُ الْأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ وَسَأَلْتُ مُعَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِيَّ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ“
(مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ ج 1)

”اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔“

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”قَامَ فِيمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَاتَتْ بِهِ حِفْظُهُ مِنْ حِفْظِهِ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هَوْلًا وَأَنَّهُ لَيَكُونُ مِنَ الشَّيْءِ قَدْ نَسِيَهُ فَأَرَاهُ فَادْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ ثُمَّ إِذَا رَأَاهُ“

”ایک روز حضور ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور ﷺ نے فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا۔ بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آ جاتا ہے (کہ حضور ﷺ نے یوں ہی فرمایا تھا) بالکل اسی طرح جیسے حیرا کوئی واقف آدمی کافی

عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو اور جب اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

”عَنْ عُمَرَ قَالَ: قَامَ فِيمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَقَامًا فَأَخْبَرَكَ مِنْ هَذِهِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَ مَنْ نَسِيَ“ (رواہ)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ قیام فرمائے (یعنی ہم صحابہ کے پاس تشریف فرما ہوئے) اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں

میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔“

علامہ علی القاری رحمہ اللہ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

”قَالَ الطَّيْبِيُّ حَتَّى لِلْخَايَةِ أَخْبَرَنَا أَيُّ أَخْبَرَ مُبْتَدَأًا مِنْ هَذِهِ الْخَلْقِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى دُخُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةِ وَوُضْعِ الْعَاضِي مَوْضِعَ الْمَضَارِعِ مُبَكِّفَةً لِلتَّحْقِيقِ الْمُسْتَفَادَةِ مِنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْأَمِينِ ﷺ“

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں حتی کا لفظ بیان غایت کے لئے ہے یعنی حضور نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے جبکہ جنتی اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا۔ اسلئے ”حتی دخل“ یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ حدیث میں ماضی کا صیغہ ”حتی دخل“ کیوں استعمال ہوا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ صادق (سچا) اور امین (امانت دار) رسول ہیں۔ اس لئے آئندہ کے متعلق جو فرما دیا کہ ایسا ہوگا اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

نور و ایمان کے بغیر انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے:

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطاء فرمائے تب کتاب و سنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک و شبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے اور قیل و قال سے فرصت نہیں ملتی۔ قرآن کریم کی آیات طیبات اور ان احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا شوق لیت لینے کے لئے یہ ماننے یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ ”شیطان کا علم فخر عالم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے ایسا علم تو ہر گاؤں خراور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔“ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان کیا:

اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا علمائے کرام کی تصریحات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی

اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”وَلَعَلَّ الْحَقُّ اَنْ يُقَالَ اِنَّ الْعِلْمَ الْغَيْبِ لَا مُنْفَى مِنْ غَيْرِهِ
جَلَّ وَعَلَا هُوَ كَانَ لِلشَّخْصِ لِذَاتِهِ اَنْ يَلْوَاسِطَةً فِي بُيُوتِهِ
لَهُ وَمَا وَقَعَ لِلْخَوَاصِّ لِمَنْ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الْمُنْفَى فِي شَيْءٍ
ضُرُورَةً اِنَّهُ مِنَ الْجَوَابِ عَزَّوَجَلَّ اَقَاضَهُ عَلَيْهِمْ بِوُجُوهِ مِنْ
وُجُوهِ الْاِقَاضَةِ“

(روح المعانی ج 12 ص 11)

”یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فیض رسانی کی متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔“

علامہ موصوف رحمہ اللہ اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

”وَبِالْجُمْلَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ بِلَا وَاسِطَةٍ كَلَّا اَوْ بَعْضًا مَخْصُوصٌ
بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا لَا يَعْلَمُهُ اَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ اَصْلًا“

”یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کلا اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ ہی بعض کوئی جان سکتا ہے۔“

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی جی نقشبندی اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وَعِبْرَةٌ تَعَالَى لَا يَعْلَمُ إِلَّا بِإِعْلَامِهِ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے۔ آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قُلْتُ وَيُمْكِنُ اَنْ يَكُونَ التَّعْلِيمُ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ بِشَيْءٍ اِلَّا بِاللّٰهِ اَنْ يَتَعْلَمُوْهُ“
(منظری)

”یعنی جو میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی۔“

فساد پھیلانے والوں کو خدا کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا:

اس تحقیق کے بعد اگر کوئی صاحب ہم اہل سنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں ہم اس کے لئے دعا ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفویہ علیہا افضل الصلوات وازکی التسلیمات میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر

جوابدہ ہونا ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ علی آلہ وصحبہ اجمعین۔ ❶

نبی کریم ﷺ کا مقام ادب:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو حضور ﷺ کے چچا) عمر کے لحاظ پر آپ ﷺ سے دو سال بڑے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ ”أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ النَّبِيُّ ﷺ“ تم بڑے ہو یا نبی کریم ﷺ بڑے ہیں؟ تو اس سوال کا بڑا پیارا جواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیا: ”هُوَ أَكْبَرُ وَأَنَا أَسْنُ“ بڑے تو آپ ﷺ ہیں البتہ عمر میری زیادہ ہے۔

سبحان اللہ! کتنا عظیم اور حسین و جمیل جواب دیا کہ میں کیسے تصور کر سکتا ہوں کہ میں بڑا ہوں۔ بڑائی تو ہر لحاظ سے آپ کو ہی حاصل ہے۔ البتہ عمر میری زیادہ ہے لیکن عمر کے زیادہ ہونے کے باوجود میں آپ سے چھوٹا ہوں۔

”وَمِنْ لَطَائِفِ طَبِيعِهِ وَحُسْنِ آدِبِهِ“ آپ کا یہ جواب آپ کی طبیعت کی لطافت پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ لطیف طبیعت کے مالک تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام کا آپ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

نبی کریم ﷺ کے شعر کو شعر کہنا کفر ہے:

”قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: لَوْ قَالَ لِشِعْرِ النَّبِيِّ شِعْرٌ فَقَدْ كَفَرَ“
”علمائے کرام نے کہا ہے: اگر کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے شعر (بال) کو تصغیر کے صیغے سے شعر کہا تو کفر ہے۔“

یعنی آپ کے بال مبارک کو معاذ اللہ ”بالڑا“ کہنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام اور باعث لعنت قرار دیا:

رب کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٥٢﴾

(سورۃ الزاب 5:22)

”جسک جو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

”امت کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں تنقیص کرتا ہے تو وہ واجب القتل ہے۔“

”وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى قَتْلِ مَنْ تَنَقَّصَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“

کسی قسم کا بھی تحقیر پہلو نکلتا ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح آپ کو گالی دینے والا بطریق اولیٰ واجب القتل ہوگا۔
 ”فَفِي قَاضِيْنَانِ لَوْ عَابَ الرَّجُلُ النَّبِيَّ ﷺ فِي شَيْءٍ كَانَ كَافِرًا“
 کسی قسم کا عیب بھی نکالا تو وہ کافر ہوگا۔“

”وَذِكْرٌ فِي الْاَصْلِ اَنَّ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ كَفَرَ“
 ”مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے العیاذ باللہ حضور ﷺ کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔“

”وَعَنْ اَبِي حَفْصٍ الْكَبِيْرِ مَنْ عَابَ النَّبِيَّ ﷺ بِشَعْرَةٍ مِنْ شَعْرَاتِهِ الْكَرِيْمَةِ فَقَدْ كَفَرَ“
 ”ابو حفص کبیر کا قول ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کے بالوں مبارکہ میں سے کسی ایک بال کے ذریعے بھی حضور ﷺ پر عیب لگایا وہ یقیناً کافر ہو گیا۔“

”وَلَوْ قَالَ كَانَ جَنَ النَّبِيَّ ﷺ ذِكْرٌ فِي نَوَاقِدِ الصَّلَوةِ اَنَّهُ كَفَرَ“
 ”اگر کسی شخص نے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ وہ مجنوں تھے یعنی پاگل تھے (العیاذ باللہ) تو وہ کافر ہوگا۔“

”وَيَجُوزُ اَنْ يُقَالَ اُغْيِيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ“
 ”یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔“

وجہ اس کی اصل یہ ہے کہ جنون عیب ہے اور عیوب سے انبیائے کرام علیہم السلام پاک ہیں۔ اسلئے جنون کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا کفر ہے لیکن بے ہوشی بیماری ہے اور بیماری ہر شخص کے لئے رحمت ہے۔ اسلئے بیماری کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا جائز ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ حکم مسلمان کا تھا۔ اگر کافر حضور کی شان میں گستاخی کرے عیب لگائے تو بعض اہل علم نے کہا: اسے قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس سے معاہدہ توڑ دیا جائے اور اسے اپنے ملک سے نکال دیا جائے تاکہ وہ کافروں کے ملک میں پہنچ جائے۔

کفار ڈرتے ہوئے آپ پر عیب لگاتے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

”اور ان میں سے کوئی وہ ہیں کہ (غیب کی خبریں دینے والے) نبی کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور“
 وَمِنْهُمْ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اَذَّنٌ مُّذُنٌ نَّحْمُرْ لَكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُوْنَ بِالْمُرْسَلِيْنَ دَرَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ سنا کہ یہ کیا مطلب لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: آئندہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسا لفظ استعمال کیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہود نے کہا: یہ لفظ تم بھی تو استعمال کرتے ہو تو اس واقعہ کے بعد رب نے مومنوں کو بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۚ ”اے ایمان والو! (راعنا) نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو (تا کہ کلام کو پھر سے کرنے کی عرض نہ کرنی پڑے) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب۔“
(سورة البقرہ 13:1)

اگرچہ مسلمان ”راعنا“ کا لفظ ادب و احترام سے استعمال کرتے اور رعایت سے لیتے یعنی حضور آپ ہماری رعایت فرمائیں لیکن منافقین و کفار کو یہ لفظ غلط استعمال کرنے کا موقع ملتا۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی منع فرمادیا اس سے یہ واضح ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا معمولی خدشہ بھی ہو وہ زبان پر لانا منع ہے۔

واضح ہو کہ ایسا کوئی لفظ بھی استعمال کرنا حضور کی شان میں منع ہوگا جس سے کفار آپ کی شان کو معاذ اللہ گھٹیا سمجھیں۔ یہ کہنا کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا، آپ کو کوئی اختیار نہیں تھا، آپ فوت ہو گئے، آپ کو زندگی حاصل نہیں وغیرہ وغیرہ آپ کی شان میں تمام گستاخانہ الفاظ ہیں۔ ❶

نبی کریم ﷺ کے منصب کے خلاف لفظ استعمال کرنا بطور مذمت یا مزاح کے طور پر بہت برا کلام ہوگا نہایت فحش گفتگو ہوگی شریعت میں اس کے قول کو بہت برا اور جھوٹا سمجھا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی توقیر:

رب نے ارشاد فرمایا: ﴿وَتُعَزَّرُوهُ وَتُقَرِّبُوهُ﴾ ”اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔“
”فَأَوْجِبَ اللَّهُ عَلَى خَلْقِهِ تَعَزُّبَهُ وَتَقَرُّبَهُ إِلَى تَكْرِيمِهِ“ ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر واجب کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم کریں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”تُعَزَّرُوهُ“ کا معنی بیان کیا ہے ”تُجَلُّوهُ“ جو اجلال سے مشتق ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو۔ اور مبرد نے کہا ہے کہ ”تُعَزَّرُوهُ“ کا معنی ہے ”تُبَالِغُوا فِي تَعْظِيمِهِ“ نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ اس معنی

کے لحاظ سے یہودہ لوگوں کا یہودہ قول مندرج ہو جائے گا کہ اہل سنت نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں۔ جب رب تعالیٰ آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے جو یہ کہے کہ تھوڑی تھوڑی تعظیم کرو۔ اور انفس نے اس لفظ کا معنی بیان کیا ہے ”تَنْصُرُوهُ“ یعنی آپ کی اور آپ کے دین کی مدد کرو۔ ”وَهَذِهِ الْمَبَانِي مُتَقَارِبَةُ الْمَعَانِي“ معنی کے طور پر جو تینوں لفظ ذکر کئے گئے ہیں۔ ان تمام کا مقصد تقریباً ایک ہی ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو اور آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرو اور آپ کے دین اور آپ کے امداد کرو۔ اور رب نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
”رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔“

اس آیت کے تین معانی ہیں:

① ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ کا جب تمہیں بلائیں ایسا نہ سمجھو کہ کسی عام آدمی نے بلایا ہے۔ جی چاہے تو مان لیں نہ جی چاہے تو نہ مانیں بلکہ اس کے حکم کو فوراً قبول کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں بلائیں۔“

(سورة الانفال 17:9)

② دوسرا معنی ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو۔ آپ کی دعا میں قبولیت کا اندازہ صرف اس سے لگایا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا کیونکہ وہ مشرک تھیں۔ ایک دن میں نے جب اے ایمان کی دعوت دی تو اس نے مجھے نبی کریم ﷺ کے متعلق ایسا کلام سنایا جسے میں ناپسند کرتا تھا۔ میری ماں نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلام کیا۔

میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے تو حضور نے رب کے دربار میں عرض کیا: ”اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ ابْنِ هُرَيْرَةَ“ اے اللہ! ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی دعا پر خوش ہو کر نکلا (گھر لوٹ آیا اسی امید پر کہ آپ کی دعا کبھی رد نہیں ہوگی) جب میں اپنے دروازہ پر پہنچا تو دروازے کو بند پایا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آواز کو سن کر کہا: ”مَكَانَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ“ اے ابو ہریرہ! ٹھہر جاؤ۔ یہ کہتے ہیں: میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔

ماں نے غسل کیا تبھی پہنی ”وَعَجَلَتْ عَنْ خِمَارِهَا“ جلدی سے اپنا دوپٹہ نہ اوڑھ سکیں اور دروازہ کھول کر کہنے لگیں: اے ابو ہریرہ! اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ یعنی ماں نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر میں خوشی کے

آنسو بہاتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا: بہت بہتر ہوا۔

۳: اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جب تم حضور کو پکارو تو ایسا نہ پکارو کہ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو: ”آئی بِرَفْعِ الصَّوْتِ فَوْقَ صَوْتِهِ“ یعنی آپ کو بلند آواز سے نہ پکارو بلکہ ادب و احترام سے آہستہ آواز سے آپ کی خدمت میں جو بات عرض کرنی ہو وہ عرض کرو۔

”اَوْ بَيِّنَا اَنَّهُ بِاسْمَائِهِ فَلَا تَقُولُوا يَا مُحَمَّدٌ بَلْ قُولُوا يَا مُحَمَّدُ نَبِيَّ اللَّهِ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا خَاطَبَهُ بِهِ سُبْحَانَهُ“
”حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے ذاتی اسماء گرامی سے یعنی یا محمد اور احمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صفاتی ناموں سے پکارا ہے۔“

”وَأَمْثَالُهَا مِنْ نَعُو يَا حَبِيبَ اللَّهِ يَا خَلِيلَ اللَّهِ وَهَذَا فِي حَيَاتِهِ وَكَذَا بَعْدَ وَفَاتِهِ فِي جَمِيعِ مَخَاطِبَاتِهِ“^①
”یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کی طرح یا حبیب اللہ اور یا خلیل اللہ کہہ کر آپ کو پکارے۔ یہ حکم آپ کی ظاہری حیات میں بھی تھا اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ سے خطاب میں یہی ادب و احترام مد نظر رکھا جائے۔“

صحابہ کرام کا ادب و احترام:

نبی کریم ﷺ کا ادب و احترام صحابہ کرام کیسے کرتے تھے؟ اور ان کے دلوں میں کتنی محبت تھی؟ ان احادیث سے اندازہ کریں اور اپنے دلوں میں محبت پیدا کریں۔

حضرت ابن شماسہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ایک طویل حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی فرمایا:

”وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا أَجَلُ فِيَّ عَمِّي مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أَطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِي مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ وَلَوْ سُلِّتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنِي مِنْهُ“
”نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ ہی میری آنکھوں میں آپ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نظر آیا اور آپ کی عظمت کے پیش نظر میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی نہیں دیکھا اور اگر مجھ سے آپ کے (جسم اطہر کے) اوصاف پوچھے جائیں تو میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں۔“

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب قریش نے انہیں حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفت و شنید کے لئے بھیجا تو میں نے صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ایسے تعظیم کرتے ہوئے پایا کہ ایسا میں نے کبھی کسی کی تعظیم کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا آپ وضو کرتے ہیں تو صحابہ جلدی سے آپ کے اعضاء سے گرنے والے پانی کو بطور تبرک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا کہ شاید یہ ایک دوسرے سے اس سبقت حاصل کرنے میں لڑ پڑیں گے۔ آپ اپنا العاب یا کھنکار زمین پر ڈالتے ہیں تو صحابہ اسے پہلے ہی حاصل کر لیتے ہیں اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں۔ آپ کے بال کو زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ پہلے ہی اٹھا لیتے ہیں آپ کوئی حکم فرماتے ہیں تو اسے جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ آپ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کو نگاہیں اٹھا کر دیکھتے نہیں۔

عروہ نے واپس آ کر قریش کو بتایا کہ اے قریش! میں نے فارس کے بادشاہوں (کسریٰ) روم کے بادشاہوں (قیصر) اور حبشہ کے بادشاہوں (نجاشی) کو بھی دیکھا ہے لیکن کسی کے احباب کو ایسی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”لَقَدْ كُنْتُ أُرِيدُ أَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْأَمْرِ فَأَوْخِرُ“ میں حضور ﷺ سے کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے سنتین من مہبتہ ❶

کمال و جلال کی وجہ سے تعظیماً وہ سوال میں دو سال تک مؤخر کرتا رہا۔

خیال رہے کہ یہ رعب و ہیبت قدرتی طور پر آپ کو حاصل تھی ورنہ آپ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ شفیق بھی ہو اور بارعب بھی ہو۔ گالیوں اور ڈنڈے سے رعب جمانا کوئی مستحسن کام نہیں۔

”وَأَعْلَمُ أَنَّ حُرْمَةَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهِ وَتَوْقِيرَهُ وَتَعْظِيمَهُ“ ”جان لو! بیشک نبی کریم ﷺ کی حرمت آپ کی تعظیم و تکریم بعد وفات لایم ای علی کل مسلم گمانا کان حال حیاتہ“ آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ہر مسلمان لایہ حی یرزق فی علو درجاتہ و رفعة حالہ ❷

آپ کو آپ کے درجات کی بلندی و حالات کی رفعت کے پیش نظر زندگی حاصل ہے اور آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی تعظیم نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے:

”وَذَلِكَ التَّعْظِيمُ وَالْإِكْرَامُ عِنْدَ ذِكْرِ عَلِيٍّ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“ ”نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنے کا حق یہ ہے کہ جب آپ کی و ذکر حدیثہ ائی کلامہ و سنتہ ائی و ذکر طریقہ و سماء اسمہ و کذا نعتہ و سیرتہ ائی فی جمیع مہناتہ من حرکاتہ و سکناتہ و معاملة الہ ائی اہل بیتہ و غیرتہ ائی و غیرتہ“ ذات کا ذکر ہو تو تعظیم سے ہو آپ کے کلام یعنی احادیث کو ادب و احترام سے ذکر کیا جائے۔ آپ کی سنتوں یعنی آپ کے طریقے جب بھی ذکر کئے جائیں تو ان میں آپ کی عظمت کا

وَقَرَّائِهِ وَتَعُظِيمِ أَهْلِ بَيْتِهِ أَيْ مِنْ أَزْوَاجِهِ وَخَدَمِهِ وَمَوْلَانِهِ پاس ہو۔ آپ کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو سن کر تعظیم و صحتہ ①

تعلیم کا لحاظ رکھے۔ آپ کی آل اولاد اور قرابت داروں سے تعظیم و تکریم کے معاملات رکھے۔ آپ کی ازواج خدام اور غلاموں کی عظمت کا خیال رکھے۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرے اور آپ کے صحابہ کرام کی عظمت کا پاس رکھے۔“

ان کا نام ادب و احترام سے لے ان کی شان بیان کرے جس سے ان کی تعظیم و تکریم سمجھ آئے۔ ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں نہ بنائے۔

شوخی قسمت! آج ہمارے ملک میں فساد و ہشت گردی، قتل و غارت کا بازار کیوں گرم ہے؟ شیعہ سنی فساد کیوں برپا ہیں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ معاذ اللہ! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ظالم قرار دے رہا ہے بلکہ معاذ اللہ! سوائے تین صحابہ کرام کے سب کو مرتد کہہ رہا ہے۔

اور دوسرا گروہ بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمتوں کا پاسدار بن کر یزید کو مغفور اور جنتی ہونا ثابت کر رہا ہے۔ معاذ اللہ! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو غلطی پر ہونا قرار دے رہا ہے۔

ان دو فرقوں نے ملک کو دہشت گردی کا ڈھبنا رکھا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ امریکی ایجنٹ ہیں جو ایران اور پاکستان کو لڑانا چاہتے ہیں۔ امریکی اور اس کے ہمنوا دوسرے کفار کے وہی ناپاک ارادے ایران اور پاکستان کے متعلق ہیں جو وہ خلیج میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا چکے ہیں۔ نہ وہ کویت کے ہمدرد تھے اور نہ سعودیہ کے بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہمہ وقت رہتے ہیں۔ عراق کی عسکری طاقت کو تباہ کیا اور سعودیہ اور کویت کو مالی لحاظ پر تباہ کر دیا۔

پاکستان میں بھی انہیں کانگریسی ملاؤں کی صورت میں اپنے ایجنٹ مل چکے ہیں۔ جو قیام پاکستان کے وقت بھی انگریز کے پٹھو بن کر گاندھی کا ساتھ دے چکے ہیں۔ گاندھی کو مسجد کے منبر پر بٹھا چکے ہیں۔ قیام پاکستان کے وقت تو قائد اعظم کی علمی بصیرت علمائے اہل سنت و جماعت کی سعی جمیل اور عوام کی بیداری مغز کی وجہ سے یہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن آج پاکستان کو تباہ کر کے یہ اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اے اللہ! جیسے تو نے ان کے ناپاک ارادوں کو قیام پاکستان کے وقت ناکام کیا تھا آج بھی انہیں ناکام کر۔ آمین

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نازل

شدہ آیت کریمہ تلاوت کی:

رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَقَمِنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ
وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷﴾

(سورۃ ابراہیم 13:17)

ماتا تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

(رب کے حضور) عرض کیا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾ (سورۃ المائدہ 6:7)

انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔“

”فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اَمِيْنُ اَمِيْنُ اَوْهِيْ لِيْ“ اس کے بعد حضور ﷺ نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر عرض کیا: اے اللہ! میری امت میری امت ”فَقَالَ اللّٰهُ يَا جِبْرِيلُ اِنْهَبْ اِلَيَّ مُعْتَبِيْ وَرَبِّكَ اَعْلَمُ فَاَسْأَلُهُ مَا يُبْكِيْكَ“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! جاؤ۔ تم محمد (ﷺ) کے پاس تمہارا رب خوب جانتا ہے پھر بھی ان سے پوچھو تمہیں کس چیز نے رلایا ہے۔ ”فَاَنَّا جِبْرِيلُ عَلَيَّ السَّلَامُ فَاَسْأَلُهُ فَاَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَا وَهُوَ اَعْلَمُ“ جبریل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے پوچھا (کہ آپ کیوں رورہے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے جو (رب تعالیٰ کے حضور ﷺ) عرض کیا تھا اس کی خبر دی حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ہی بہتر جانتا ہے۔

”فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يَا جِبْرِيلُ اِنْهَبْ اِلَيَّ مُعْتَبِيْ اِنَّا سَمِعْنَا نَدِيْعَكَ
فِيْ اَمِيْنِكَ وَلَا نَسُوْكَ“ اور کہو کہ ہم آپ کو امت کے بارے میں راضی کریں گے اور
(صحیح مسلم شریف باب دعاء النبی ﷺ لامتنع 1 ص 113) آپ کو غمزدہ نہیں کریں گے۔“

اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد:

①: اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کی امت کے حق میں کامل شفقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ اپنی امت کی مصلحتوں کا کتنا خیال رکھتے تھے اور ان کے معاملات کی کتنی رعایت رکھتے تھے۔

②: ”اِسْتَجَابَ رَفِيعُ الْمَدِيْنَةِ لِيْ الدُّعَاءُ“ آپ نے چونکہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اس سے پتہ چلا کہ دعا میں ہاتھوں کا

اٹھانا مستحب ہے۔

❶ رب نے حضور کو تسلی دیتے ہوئے جو یہ فرمایا: ”سَنُرْضِيكَ فِيْ اَمَّتِكَ وَلَا نَسُوْكَ“ ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور غمزدہ نہیں کریں گے۔ اس میں حضور کی امت کو کامل بشارت دی گئی ہے اور امت کے امید دلانے والی تمام احادیث سے بڑھ کر اس حدیث میں انہیں بخشش کی امید دلائی گئی ہے۔

❷ ”يَمَّا اَنْ عَظُمَ مَنْرَلَةُ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی“ نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عظیم مرتبہ ہے اس کا ذکر اس حدیث میں پایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم مہربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

❸ ”وَالْحِكْمَةُ فِيْ اَرْسَالِ جِبْرِیْلَ سُوْالُهُ ﷺ اِظْهَارُ شَرَفِ النَّبِيِّ ﷺ وَاَنَّ بِالْمَعْلٰی اَلْعَلٰی فَهَرَضٰی وَيُكْرِمُ بِمَا يَرْضٰی“ جبریل کو آپ کے پاس بھیج کر سوال کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے بلند مراتب کا اظہار کیا جائے کہ آپ اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے انعامات سے راضی کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور آپ کو اللہ تعالیٰ اکرام عطا فرمائے گا۔

❹ ”وَهٰذَا الْحَدِیْثُ مُوَافِقٌ لِّقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَكَسُوْفٌ بِعِطْلِكَ رَبِّكَ فَتَرْضٰی“ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عظیم عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں فرمایا گیا ”وَلَا نَسُوْكَ“ ہم تمہیں غمزدہ نہیں کریں گے۔ اس میں تاکید پائی گئی ہے اور اس وہم کا ازالہ پایا گیا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی بعض امت کو اللہ تعالیٰ بخشے گا بلکہ معنی یہ ہے: ”نَرْضِيْكَ وَلَا نَدْخُلُ عَلَیْكَ حُزْنًا بَلْ يُنْجِیْ الْجَمِیْعَ“ ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو غم میں مبتلا نہیں کریں گے بلکہ آپ کی تمام امت کو بخش دیں گے۔ ❶ یعنی اگر کسی کو گناہوں کا عذاب دیا جائے تو وہ دائمی نہیں ہوگا بلکہ فقط ان کو جنت میں داخل کرنے کے لئے گناہوں کی آلودگی سے صاف کرنے کے لئے وہ عتاب ہوگا یعنی ذلت کے طور پر معمولی سرزنش کے طور پر ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی جائے نماز سے تبرک حاصل کرنا:

محمود بن ربیع انصاری رحمہ اللہ نے حدیث بیان کی کہ بیشک عتبان بن مالک انصاری رحمہ اللہ جو بدر میں بھی شریک ہوئے بیشک یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ بیشک میری نظر کچھ کم ہو گئی۔ میں ایک قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش برسی ہے تو میرے اور اس قوم کے درمیان ایک برساتی نالہ حائل ہو جاتا ہے۔ اب میں ان کی

❶ نودی شرح مسلم علامہ نودی رحمہ اللہ ج 1 ص 114-113 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

مسجد میں جا کر انہیں نماز نہیں پڑھا سکا۔

”وَقَدِّتُ اَنْتَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّيْ وَسَلَّمُ تَتَايَسُ فُتَصَلِّيْ فِيْ مُصَلًى
ایک جگہ نماز (میرے گھر میں) ادا کریں تاکہ میں اسی جگہ کو
نماز کے لئے منتخب کر لوں۔“

تو حضور ﷺ نے فرمایا ”سَافَعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی“ میں انشاء اللہ جلدی ہی ایسا کروں گا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دن کے بلند ہونے پر تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی میں نے
اجازت دی۔ آپ بیٹھے بھی نہیں تھے کہ گھر میں داخل ہو کر پوچھا: تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں (اس جگہ) نماز
ادا کروں؟ میں نے اپنے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا:
”فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا وَدَآءَ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ“ ”تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے
ہوئے آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر سلام پھیرا۔“ (مسلم باب الرخصة في الخلف عن الجماعة بعد رة ج 1 ص 233)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

- ① جب بھی کوئی کام کرنا مقصود ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کا لفظ ذکر کرے۔ قرآن پاک اور حدیث پاک سے اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔
- ② ”اَلْتَّبَرُّنُ بِالصَّالِحِيْنَ وَالْقَارِئُ وَالصَّلَاةُ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي صَلَّوْا بِهَا وَطَلَبُ التَّبَرُّكِ مِنْهُمْ“ ”نیک لوگوں اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور جہاں نیک لوگ نماز ادا کریں وہاں نماز ادا کرنا اور اسے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔“
- ③ کسی بزرگ شخص کا اپنے سے کم درجہ والے کی زیارت کے لئے جانا اور اس کی مہمان نوازی قبول کرنا بہتر ہے۔
- ④ عذر کی وجہ سے جماعت کو ساقط کرنا جائز ہے۔
- ⑤ امام عالم یا اس کے بڑے لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے بعض کو لے جانا جائز ہے۔ ”آجکل مشائخ یا مہتمم حضرات جیسا کہ اپنے ساتھ خدام کو رکھتے ہیں یہ جائز ہے لیکن دعوت کرنے والے کو یہ بتانا چاہئے کہ میرے ساتھ اتنے آدمی ہوں گے اگر اس کی طاقت ہو تو وہ دعوت کرنے والے چھوڑ دے۔“
- ⑥ کسی کے گھر جا کر اس سے اجازت طلب کر کے اس کے گھر میں داخل ہو بیشک اس شخص نے پہلے خود ہی دعوت کیوں نہ دی ہو۔ صاحب خانہ کے گھر نہ ہونے کی صورت میں واپس لوٹ آئیں۔
- ⑦ سب سے پہلے مقصودی کام کیا جائے کیونکہ حضور ﷺ نماز ادا کرنے کی غرض سے گئے تھے تو وہی کام آپ نے سرانجام دیا۔

خیال رہے کہ اس حدیث پاک میں یہ بھی ذکر ہے ”وَجَسَنَاهُ عَلَى حَزِيرٍ صَنَعْنَاهُ لَهُ“ ہم نے آپ کے لئے حزیر کھانا تیار کیا اور آپ کو کھانا تناول کرنے کے لئے ٹھہرایا۔ ”حزیر“ یا ”حزیرہ“ اس کھانے کو کہا جاتا ہے کہ گوشت کو ابال کر اسکے اوپر آٹا ڈالا جاتا تھا۔

”قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ أَهْلَ الدَّارِ حَوْلَنَا حَتَّى اجْتَمَعَ فِي الْبَيْتِ“ ”عتبان کہتے ہیں کہ ارد گرد سے ہمارے محلہ کے کئی آدمی رَجُلٌ دُوْعَدُو“ میرے گھر میں جمع ہو گئے۔“

①: اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جب کسی کے گھر کوئی نیک بزرگ شخص تشریف لے آئیں تو اہل محلہ اس کے گھر آ کر اس بزرگ کی زیارت کریں۔ اس کی عزت و تکریم بجالائیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں۔

②: گھر میں نماز کیلئے کسی جگہ کو معین کرنا جائز ہے۔ البتہ ایک حدیث میں گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کرنے کی ممانعت بھی پائی گئی ہے۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ریاکاری کی نیت سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کی جائے تو یہ ناجائز ہے۔ ①

نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا:

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک پیالہ دکھایا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور سقیفہ بن ساعدہ میں بیٹھے اور آپ نے فرمایا: {أَسْقِنَا يَا سَهْلُ} ”اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔“ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”فَأَخْرَجْتُ لَهُمْ هَذَا الْقَدَحَ فَأَسْقَبْتُهُمْ فِيهِ“ کہ میں نے یہ پیالہ نکالا اور اس سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو پانی پلایا۔ ابو حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”فَأَخْرَجَ لَنَا سَهْلٌ ذَلِكَ الْقَدَحَ فَشَرِبْنَا فِيهِ“ سہل نے ہمیں اس پیالہ سے پانی پلایا۔ ”ثُمَّ اسْتَوْهَبَهُ بَعْدَ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَوَهَبَهُ لَهُ“ ”پھر وہی پیالہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بطور ہبہ طلب کیا۔ تو وہ ان کو ہبہ کر دیا گیا۔“

اس حدیث کے تحت علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”هَذَا فِيهِ التَّبَرُّكُ بِأَثَارِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَا مَسَّهُ أَوْ لَبَسَهُ أَوْ كَانَ مِنْهُ فِيهِ سَبَبٌ وَهَذَا نَحْنُ مَا أَجْمَعُوا عَلَيْهِ وَأَطْبَقَ السَّلَفُ“ ”اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین نے نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کیا۔ نبی ﷺ نے جس چیز کو ہاتھ لگایا ہو یا جس کو پہنا ہو۔ اس سے تبرک حاصل کیا جائے غرضیکہ کسی چیز کو کسی طرح بھی حضور سے نسبت ہو وہ

①: نووی شرح مسلم امام نووی رحمہ اللہ ج 2 ص 177 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

وغير ذلک؛ ومن هذا عطاؤه ﷺ ابا طلحة شعرة ليعیسه بن النّاس واعطاؤه ﷺ حقوا لتکفین فیہ بنته وجعله الجریذین علی القبرین وجمعت بنت ملحان عرقه ﷺ وتمسحوا بوضوہ ﷺ وذلکوا وجوههم بنخامته ﷺ واشباه هذا کثیرة مشہورة فی الصحیح وکُلّ ذلک واضح لا شک فیہ

(نودی شرح مسلم علامہ نودی رحمہ اللہ ج 2 ص 177)

(سعودی نجدیوں کو بھی یہ بات سمجھ آتی تو وہ ان دونوں غاروں

کی پہاڑیوں کے نیچے "تبرک حاصل کرنا حرام ہے" کے بورڈ آویزاں نہ کرتے) نبی کریم ﷺ نے خود تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی اپنے بال مبارک حضرت طلحہ کو دیئے کہ یہ لوگوں میں تقسیم کر دو اور اپنی چادر انہیں عطا کی کہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دو۔ تبرک کے لئے آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے درخت کی دو سبز شاخیں دو قبروں پر رکھیں۔ تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی بنت ملحان نے آپ کے پسینہ کو جمع کر کے اپنے پاس رکھا اور تبرک کے لئے ہی آپ کے وضو کے لئے استعمال ہونے والا پانی اور آپ کے کھنکار اور لعاب کو چہروں پر ملا گیا۔ اس قسم کی کثیر مثالیں صحیح احادیث میں مذکور ہیں جن میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا مریض کی عیادت کرنا:

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ (سعد رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے بتایا:

"عائیس رسول اللہ ﷺ فی حبة الوعاء من وجع اشفیت" رسول اللہ ﷺ نے حبة الوداع میں میری عیادت کی جبکہ میں ایک ایسے درد میں مبتلا تھا کہ بظاہر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں

موت کے کنارے پر ہوں۔"

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے جو تکلیف پہنچ چکی ہے وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ میں کثیر مال کا مالک ہوں سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: کہ کیا میں اپنے مال کا آدھا حصہ صدقہ کر دوں؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ البتہ تم اپنے تہائی حصہ کی وصیت کر سکتے ہو تہائی حصہ کی وصیت کافی ہے اسلئے کہ اگر تم اپنے ورثاء کو محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہوں۔ (تو یہ اچھا نہیں)

"وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْهِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أَجَرْتَ بِهَا حَتَّى تَمُوتَ" تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرو گے یقیناً

اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ لقمہ تم اپنی زوجہ کے منہ میں ڈالو۔
(تو تمہیں اس کا بھی اجر ملے گا)۔“

اللَّعْمَةُ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ ①

فوائد: مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے۔ جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کی عیادت کرتے ہیں یا امام کی عیادت کرتے ہیں ایسے ہی امام کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ عوام کی عیادت کرے۔

مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مرض کے دوران کسی سے دوا پوچھے۔ یا نیک آدمی کو دعا کرنے کے متعلق کہے یا کسی کو اپنے تہائی مال میں وصیت کرے یا کوئی اپنے حال کے مطابق مسئلہ پوچھے۔ لیکن مرض سے تنگ ہو کر کسی کے سامنے شکایت کے طور پر ذکر کرنا پریشانی کا اظہار کرنا منع ہے کیونکہ اس سے وہ ثواب ضائع ہو جاتا ہے جو مرض کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں صلہ رحمی کرنے، قریبی رشتہ داروں پر احسان کرنے اور ورثاء پر شفقت کرنے پر براہیختہ کیا گیا ہے۔ جتنا زیادہ قریبی رشتہ ہوگا اسی کے مطابق اس پر احسان کرنا اچھا ہوگا نسبت دور والے رشتہ کے۔ اور مسئلہ یہ سمجھ آیا اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے اگر نیت نیک عمل کی ہو تو ثواب حاصل ہوتا ہے۔

”إِنَّ الْإِنْفَاقَ عَلَى الْعَمَالِ يُثَابُّ عَلَيْهِ إِذَا قُصِدَ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ“ ”بیشک اولاد پر مال خرچ کرنے سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے جب انسان کا ارادہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو۔“

یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے۔ اسلئے میں اس کا حکم مان کر اس ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔
”إِنَّ الْمُبَاةَ إِذَا قُصِدَ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى صَارَ طَاعَةً وَيُثَابُّ“ ”بیشک مباح میں جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا لحاظ کر لیا جائے تو وہ کام طاعت بن جاتا ہے اور اس پر ثواب دیا جائے گا۔“

اسلئے نبی کریم ﷺ نے زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو نیکی کا کام کہا ہے اور اس میں بھی آپ نے یہ قید ذکر فرمائی۔
”تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ“ کہ اس میں تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر رہے ہو۔

نتیجہ یہ واضح ہوا کہ جب انسان کوئی مباح کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تو وہ طاعت ہو جاتا ہے اور اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے کھانا تناول کرنا اور آرام کرنے کے لئے سونا بھی عبادت ہے جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ مجھے اس کھانے اور سونے سے توانائی اور چستی حاصل ہوگی جس سے میں عبادت اچھی طرح ادا کر سکوں گا۔ اسی طرح حرام سے اپنے آپ کو بچانے اور اپنی نظر کو بچانے کی غرض سے اپنی زوجہ سے جماع کرنا بھی مستحب ہے۔

نبی کریم ﷺ کے سامنے تکبر کی سزا:

ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

”اِنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِسْمَالِهِ فَقَالَ: كُلْ ”ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا
بسمِیْنِکَ قَالَ: لَا اسْتَطِیْعُ قَالَ: لَا اسْتَطِیْعْتَ مَا مَنَعَهُ اِلَّا کِبَرٌ تناول کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا: کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ
قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا اِلٰی فِیْهِ“ ❶ اس نے کہا: میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

آپ نے فرمایا: کہ تمہیں طاقت ہی نہ ہو اس شخص کے لئے مانع صرف تکبر ہی تھا اس لئے اسے ہاتھ منہ تک اٹھانے کی طاقت بھی
نہ حاصل ہو سکی۔“

نبی کریم ﷺ نے اس کے تکبرانہ جواب پر اس کے خلاف دعا کی اور فرمایا ”لَا اسْتَطِیْعْتَ“ تمہیں طاقت ہی نہ ہو اس
سے فائدہ حاصل ہوا۔

”وَفِی الْحَدِیْثِ جَوَازُ الدُّعَاءِ عَلٰی مَنْ خَالَفَ الْحُکْمَ الشَّرْعِیَّ“ اس حدیث میں حکم شرعی کی بلا عذر مخالفت کرنے والے کے
خلاف دعا کرنے کا ثبوت موجود ہے۔“

اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ہر حال اچھے کام کا حکم دینا اور برے کام
سے روکنا ضروری ہے خواہ کھانے پینے کی حالت ہی کیوں نہ ہو؟ کھانے پینے کے آداب سکھانا بھی مستحب ہے۔ دائیں ہاتھ
سے کوئی چیز کھانا اور بائیں سے اجتناب کرنا بھی امر مستحسن ہے بلکہ حضرت نافع نے کسی کو کوئی چیز دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں
ہاتھ سے ہی لینا بھی مستحب قرار دیا ہے۔

خیال رہے کہ اس شخص کے متعلق قاضی عیاض رحمہ اللہ نے تو منافق ہونا لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حکم سے عدولی
کرنے والا منافق تھا تاہم علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا: یہ درست نہیں صرف تکبر اور حکم کے انکار سے منافقت ثابت نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ سے بچوں کو گھسی ڈلوانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے
گیا۔ آپ نے کملی اوڑھ رکھی تھی اور آپ اونٹوں کو تیل لگا رہے تھے آپ نے فرمایا:

”هٰذَا مَعَكَ تَمْرٌ فَقُلْتُ: نَعَمْ! فَنَآوَلْتُهُ تَمْرًا فَاَلْقَاهُنَّ فِیْ فِیْهِ“ ”کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! میں

تو حضور ﷺ نے (بطور تعجب) فرمایا: انصار کو مجبوروں سے کتنی محبت ہے اور آپ نے بچے کا نام ”عبداللہ“ رکھا۔“

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

ابراہیم و میرہ نام رکھے جائیں۔
 بچے کے پیدا ہونے پر کھجور سے کھٹی ڈالنا مستحب ہے اگر کھجور نہ مل سکے تو کوئی اور میٹھی چیز اسکے منہ میں ڈالی جائے۔
 کھٹی ڈالنے والا کھجور کو چبا کر مکمل طور پر نرم کر دے تاکہ بچے کو چوسنے میں مشکل درپیش نہ آئے۔

الموجود حیل الیہ“
 ⑤: ”التَّبَرُّكُ بِأَثَارِ الصَّالِحِينَ وَرِيقُهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ مِنْهُمْ“ نیک لوگوں کے آثار یعنی ان سے متعلق اشیاء سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔ ان کے لعاب سے تبرک حاصل کرنا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔

نبی کریم ﷺ میں کامل طور پر عجز پایا جاتا تھا کہ آپ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے خود سرانجام دیتے تھے۔
بڑے شخص کا از خود اپنے کام میں مشغول ہونے سے ”لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مَرْوَتَهُ“ ان کی مروت میں کوئی فرق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارگاہ گم ہوتا:

نہی کریم علیہ السلام کو سفر میں اگر عورتوں کو ساتھ لے جانے کی ضرورت درپیش آتی تو عورتوں کے اطمینان قلب کے لئے

قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلا اسے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق (غزوہ مرہ سیح) میں جاتے ہوئے قرعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا تو حضور ﷺ انہیں ساتھ لے گئے۔ یہ واقعہ پردے کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد کا ہے جب پردہ کی آیات نازل ہو گئیں تو اس کے بعد عورتوں کے کجاوے پر بھی پردہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پردہ میں ہی کجاووں کو اٹھا کر اونٹوں پر رکھ دیا جاتا تھا۔

غزوہ سے واپسی پر راستے میں قافلے کا چلنے سے پہلے آپ قضاء حاجت کے لئے چلی گئیں۔ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر قافلہ کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ آپ کے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ آپ اس کی تلاش میں واپس چلی گئیں جب واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ کجاوہ پر پردہ ڈالا ہوا تھا اسی طرح قافلہ والوں نے اسے اونٹ پر رکھ دیا۔ انہوں نے سمجھا آپ اپنے کجاوہ میں ہی ہیں چونکہ آپ کا وزن بھی بہت کم تھا اس لئے قافلہ والوں کو علم نہ ہو سکا۔ آپ واپس لوٹ کر وہیں بیٹھ گئیں کہ مجھے تلاش کرنے کے لئے یقیناً قافلہ والے واپس آئیں گے آپ اسی حال میں سو گئیں۔

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن کو قافلہ کے پیچھے رہنے اور کوئی چیز گر جائے تو اسے اٹھانے پر مامور کیا ہوا تھا۔ جب وہاں سے گزرے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان کر {انا للہ وانا الیہ راجعون} پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ صفوان نے اور کوئی کلام نہ فرمایا بس اپنے اونٹ کو بٹھا کر اس کی ٹانگوں پر اپنا پاؤں رکھا تا کہ یہ نہ اٹھے اور حرکت نہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں۔ اس طرح آپ قافلہ میں پہنچ گئیں جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ آپ کے پہنچنے پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق نے سب سے پہلے بہتان تراشی کی اور اس کے بعد اور منافق بھی اس کے ہمنوا بن گئے۔

زیادہ مقام افسوس یہ تھا کہ منافقین کی سازش کے جال میں کئی مخلص صحابہ کرام بھی آ گئے یعنی حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ کے یا خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے اور حضرت حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی کلام نہ فرمایا۔ ایک ماہ کے بعد فرمایا: جو فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہی ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اس پر بہت خوش ہوئی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں پاکدامن ہوں اللہ تعالیٰ ضرور میرے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔ جب سورہ نور کی اٹھارہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے اور منافقین کی مذمت کے لئے نازل ہوئیں تو حضور ﷺ نے منبر پر ان آیات کو سنایا۔

تنبیہ: علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وَلَوْ عَرَفَ ذَلِكَ لَمَّا ضَاقَ قَلْبُهُ“ اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا اگر آپ کو اس واقعہ کا علم ہوتا تو آپ پریشان کیوں تھے؟

”وَالْجَوَابُ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَثِيرًا مَّا كَانَ يَضِيقُ قَلْبُهُ مِنْ أَقْوَالِ الْكُفَّارِ مَعَ عِلْمِهِ بِفَسَادِ تِلْكَ الْأَقْوَالِ قَالَ تَعَالَى: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَكَانَ هَذَا مِنْ هَذَا وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ“ ہمیں معلوم ہے کہ بیشک آپ کے دل کو ان کی باتوں سے تنگی حاصل ہوتی ہے یہ مسئلہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔“

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے بعد واضح ہو گیا کہ آپ کو پریشانی صرف کافروں، منافقوں کی باتوں سے ہو رہی تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں اور خصوصاً جب اپنے بھی سازش کا شکار ہو چکے تھے تو پریشانی کی زیادتی کا یہ سبب بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے پہلے اگر آپ خود ہی منافقوں کی باتوں کا رد فرماتے تو ان کے منہ بند کرنے مشکل تھے لیکن قرآن پاک کی آیات کے نزول کے بعد ان کو ظاہر کچھ کہنے کی جرات نہ ہو سکی کیونکہ قرآن پاک نے تو ان کو واضح طور چیلنج کر دیا تھا ”فَاسْتَوُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ“ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی سورۃ تم بھی بنا کر پیش کر دو لیکن وہ کوشش کے باوجود عاجز آ چکے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر میں کفار کے قتل ہو کر مرنے کی جگہ نشان لگانا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کے متعلق بتایا:

”إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُرِينَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالْأَمْسِ يَقُولُ: هَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَوَأْدِي بِعَفْوِ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَنُوا الْحُدُودَ الَّتِي سَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ“

آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں کافروں کے دوسرے دن قتل ہو کر مرنے کے مقامات دکھا رہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ مقام ان شاء اللہ کل فلان شخص کے مرنے کا ہے۔

راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ان حدود سے کوئی بھی ان کافروں سے ذرا بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا یعنی ہر ایک ان نشانوں پر ہی قتل ہو کر گرا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانات لگائے تھے۔“

نبی کریم ﷺ کا بدر کے مقتولوں سے کلام کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والوں کو تین دن تک اسی طرح چھوڑ دیا۔ پھر ان کے پاس آئے اور ان کے قریب کھڑے ہو کر ان کو ندا دی: اے ابو جہل! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا ایسا نہیں کہ تم نے وہ پالیا جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے سچا وعدہ فرمایا اور میں نے وہ پالیا جو میرے ساتھ میرے رب نے سچا وعدہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے کلام کو سن کر عرض کیا:

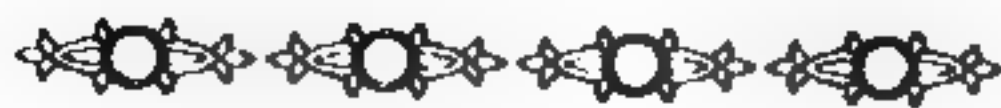
”يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَسْمَعُونَ وَأَنْتَ يُحِبُّونَ وَقَدْ جِئْتَهُمْ قَالُوا: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے سنیں گے اور کیسے جواب دیں گے؟“
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَهُ لَمَّا أَقُولُ مِنْهُمْ وَلَكِنْهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ أَنْ يُحِبُّوا ثُمَّ أَمَرَ بِهِمْ فَسَجِدُوا فَالْقُوا فِي قُلُوبِ بَنَدٍ“

یہ تو مردار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ البتہ یہ جواب دینے پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔“

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ان کے سننے کا یہی مطلب لیا جائے گا جیسا کہ عام فوت ہونے والے لوگوں کے سننے کا ذکر عذاب قبر والی احادیث میں موجود ہے البتہ وہ کیسے سن سکتے ہیں؟ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انہیں مکمل زندگی عطا کر دی گئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ صرف سمجھنے والے اعضاء کو زندگی دے دی گئی اور انہیں سننے اور سمجھنے کی طاقت دے دی گئی ہو۔

”وَهُوَ الظَّاهِرُ الْمُخْتَارُ الَّذِي تَلْتَضِعُهُ أَحَادِيثُ السَّلَامِ عَلَى الْقُبُورِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ“

”یہی قول ظاہر اور مختار بھی یہی ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ قبر پر جا کر سلام کیا جائے یعنی ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ“ کہا جائے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے مردے سننے ہیں اگر نہ سنتے تو سلام دینے کا کیا مقصد ہوگا۔“



مختصر حالات از مدارج النبوت

حضور ﷺ پر سب سے پہلے فرض:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ سے سب سے پہلے لوگوں کو ڈرانا اور توحید کی دعوت واجب ہوئی۔ اس کے بعد رات کا قیام پھر یہ منسوخ فرما دیا۔ پھر معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر تمام رات کا قیام مکمل طور پر منسوخ کر دیا۔

آپ ﷺ کے دعوت پر پہلے اسلام لانے والے:

آزاد مردوں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بچوں میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بعد عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبد اللہ ان کے بعد ابو عبید عامر بن عبد اللہ بن جراح، ابومسلمہ بن عبد اللہ بن عبد الاحد۔ ان کے بعد ارقم، عثمان بن مظعون، عبد اللہ بن مسعود، سعید بن زید رضی اللہ عنہم اور فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا۔ عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ام الفضل زوجہ سیدنا عباس اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے ایمان قبول کیا۔

دعوت و تبلیغ: تین سال تک آپ کو مخفی طور پر فردا فردا لوگوں کو دعوت ایمان دینے کا حکم تھا۔ پھر آپ کو ظاہر طور پر دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ نے جب فرمایا: بت اور ان کے پوجنے والے سب جہنم میں جائیں گے تو قریش آپ کے مخالف ہو گئے۔ آپ کو ایذا پہنچانی شروع کی آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، راستے میں کانٹے بچھاتے، آپ پر پتھر پھینکتے۔ ایک بد بخت نے نماز کی حالت میں آپ کی گردن کو اوپر سے دبا دیا۔ ایک بد بخت نے آپ کا گلا گھونٹا۔ ساتھ ساتھ ان لوگوں نے

مسلمانوں کو بھی تکالیف پہنچانی شروع کیں، نبوت کا چوتھا سال ان ایذا و تکالیف کو برداشت کرتے گزر گیا اور نبوت کے پانچویں سال حضور ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا:

نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا کیونکہ جب آپ کو پتہ چلا کہ ابو جہل نے آج حضور ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی اور گالیاں دیں تو آپ نے ابو جہل کے پاس آکر کمان سے اس کے سر کو پھوڑ دیا اور خود ایمان قبول کر لیا۔ ان کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ زائد مرد تھے اور گیارہ عورتیں تھیں۔ ان دونوں حضرات کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلامی شعار پر ظاہر طور پر عمل شروع ہو گیا۔

قریش کا عہد نامہ اور حضور ﷺ کا شعب ابی طالب میں مقید ہونا:

نبوت کے ساتویں سال قریش نے ابو طالب کو (جو حضور ﷺ کی معاونت کر رہے تھے) کہا: کہ تم اپنے بھتیجے کی امداد چھوڑ دو یا انہیں ہمارے حوالے کر دو یا انہیں کہو ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو تو حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا: اگر تم میری اس دعوت حق پر میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ دو۔

قریش نے عہد باندھا کہ محمد (ﷺ) اور اس کا ساتھ دینے والوں سے مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے، ان سے بول چال خرید و فروخت ہر قسم کے تعلقات ختم کر لئے جائیں۔ تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ان کے دلوں میں کچھ نرمی رب تعالیٰ نے پیدا کر دی۔ وہ اس عہد کو ختم کرنا چاہتے تھے وہ عہد نامہ کعبہ شریف کی ایک دیوار پر لکھایا ہوا تھا۔ جب انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے اس سے پہلے ہی بتا دیا کہ عہد نامہ کو چاٹنے کے لئے رب تعالیٰ نے دیمک کو مقرر کر دیا ہے۔ اس نے سوائے رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ناموں کے تمام عہد نامہ کو چاٹ لیا ہے۔ جب عہد نامہ کو کھول کر دیکھا تو ایسا ہی ہو چکا تھا۔

نبوت کے دسویں سال ابو طالب فوت ہو گئے۔ اس وقت ابو طالب کی عمر ستاسی سال تھی اور حضور ﷺ کی عمر انچاس سال، آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

ابوطالب کی وفات کے تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ وہ حضور ﷺ کے پاس پچیس سال رہیں۔ حضور ﷺ ان کی وفات (کے سال) کو ”عام الحزن“ کہتے تھے یعنی غم کا سال اور گھر سے باہر بہت کم نکلتے لیکن کفار نے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھ دی۔

طائف میں تبلیغ:

حضور ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مجھے ان لوگوں کی طرف سے کثیر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا لیکن سب سے بڑا رنج مجھے اس وقت حاصل ہوا جب کہ میں نے طائف کے سفر میں طائف کے سرداروں میں سے عبدیالیل بن کلال کو اپنا منصب جلیل بتا کر دعوت اسلام دی لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ یہ بھی خیال رہے کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ پر شدید پتھراؤ کر کے آپ کو زخمی کر دیا تھا۔

جنات کی بیعت:

جب آپ طائف سے واپس لوٹے تو راستہ میں مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر وادی نخلہ میں پہنچے تو وہاں آپ نے ایک رات قیام فرمایا۔ جب آپ نے نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی تو سات یا نو جنوں نے آپ کی تلاوت کو سنا اور اذصر فناء الہک لفر من الجن یستمعون القرآن کی آیت کا اسی طرف اشارہ ہے۔ نماز سے فارغ ہونے پر وہ جن حاضر ہوئے اور ایمان قبول کیا اور انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم کے دوسرے جنوں کو دعوت ایمان دی اور کہا:

يَقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَالْبَرِّ طَرِيقًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٤﴾
 بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی حق اور سیدھی راہ دکھاتی۔“
 (سورۃ الاحقاف 4:26)

مدینہ منورہ سے انصار کی آمد:

نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ جو چھ آدمیوں پر مشتمل تھا حاضر ہوا اور آپ نے انہیں بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ وہ لوگ پہلے بھی یہود کے علماء سے نبی آخر الزمان کے اوصاف سنتے تھے۔ اسلئے انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کو سنتے ہی ایمان قبول کر لیا

اسی کو ”بیعت عقبہ اولیٰ“ کہا جاتا ہے۔

معراج اور نماز:

ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال آپ کو معراج کا شرف حاصل ہوا۔ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیائے کرام کی امامت فرمائی پھر آسمانوں اور جنت کی سیر کی دوزخ کو دیکھا۔ رب تعالیٰ سے کلام کی پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ خیال رہے کہ ابتداء وحی میں ہی دن کے اول اور آخر میں نماز فرض کر دی گئی تھی لیکن پانچ نمازیں معراج کی رات کو فرض ہوئیں۔ ❶

دوسرے سال مدینہ سے اور حضرات کا آنا:

جب چھ حضرات ایمان قبول کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ کا مدینہ طیبہ میں خوب چرچا ہوا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر ان چھ حضرات کے ساتھ بارہ حضرات اور بھی آئے اور منیٰ میں ہی عقبہ کے پاس آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا۔ یہ ”بیعت عقبہ ثانیہ“ سے مشہور ہے۔

حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ کی دعوت اور آپ کا جواب:

انصار مدینہ نے واپسی پر آپ کی خدمت میں عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ چلیں اور ہمارے شہروں کو اپنے مبارک قدموں سے سرفراز فرمائیں اور ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی میری ہجرت کا کوئی مقام ابھی متعین کیا گیا۔ رب تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اس پر ہی عمل ہوگا۔

صحابہ کرام کی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت:

حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے دکھایا گیا ہے کہ تمہارا مقام ہجرت دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ ہے۔ آپ کو ابھی تک حکم نہیں ہوا تھا لیکن بعض صحابہ کرام کو آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی زید بن خطاب کے ساتھ اور عیاش بن ربیعہ بنی اکابر صحابہ کے ساتھ حمزہ بن عبدالمطلب، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، عثمان بن حارث، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود اور بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ہجرت فرمائی۔ باقی حضرات نے ہجرت پوشیدہ طور پر کی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتظار کرنے کا حکم:

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ کیا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ ہجرت کر چلیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! مجھے یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت عطا فرمائے گا تو تم میرے ساتھ ہونا۔

حضور ﷺ کے متعلق کفار کا مشورہ:

جب بعض صحابہ کرام مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تو کفار نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے جائیں گے۔ ان کے جانے سے قبل انہیں (معاذ اللہ) کسی شرفساد میں مبتلا کیا جائے۔ اس وقت ان کا لیڈر ابو جہل تھا۔ ابلیس بھی ”شیخ نجدی“ کی صورت میں ان کا معاون اور مشیر بن گیا تھا۔ کسی نے مشورہ دیا: حضور ﷺ کو مکہ سے زبردستی نکال دیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کو قید کر دیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کا جادو گر ہونا مشہور کیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کا مجنون ہونا مشہور کیا جائے۔ کوئی کہنے لگا: آپ کا جھوٹا ہونے کا چرچا کیا جائے۔ سب مشورے ابلیس ”شیخ نجدی“ نے رد کر دیئے۔ ابو جہل نے یہ مشورہ دیا کہ پانچ قبیلوں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچ یکبارگی حملہ کریں اور محمد ﷺ کو قتل کر دیں۔ بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے سے عاجز آ جائیں گے۔ شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے یہ رائے پسند کی اسی پر سب متفق ہو گئے۔

سید الانبیاء علیہ السلام کی ہجرت کفار کی ذلت:

جب کفار نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت حضور ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ کفار یہ نہ کہہ سکیں۔ اگر ہمیں پتہ چلتا کہ وہ جارہے ہیں تو ہم انہیں قتل کر دیتے بلکہ وہ تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ سورہ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ مٹی کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکی وہ آپ کو ٹکلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

ابو حاتم کی روایت میں جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس وقت جس کافر کے سر پر خاک پڑی تھی وہ سب بدر کے دن ہلاک ہو گئے تھے۔

شان صدیق وحید رضی اللہ عنہما:

جب حضور ﷺ نے ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا کہ تم لوگوں کی امانتیں لوٹا کر آ جانا۔ چونکہ حضور ﷺ کے پاس کفار بھی امانتیں رکھا کرتے تھے اور آپ کو ”صادق و امین“ کے لقب سے یاد کرتے

تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ”اے علی! دل کو مضبوط رکھنا۔ یہ کفار تمہیں کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔“
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنے ساتھ لیا اور سفر ہجرت کا آغاز فرمادیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کرنے اور فد یہ بنانے کیلئے پیش کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرأت یہ ہے کہ حضور کے رفیق سفر بن کر خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا کیونکہ اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور کفار دشمن بھی حضور ﷺ کے ہی تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امتحان میں کامیابی:

جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جارہے تھے تو کسی شخص نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ یہ عجیب امتحان تھا کہ اگر آپ صحیح بتاتے ہیں تو کفار حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے۔ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کی شان کے لائق نہیں۔ آپ نے شاعر حکیمانہ جواب دیا کہ میرے ساتھ ”ہادی“ ہیں۔ سننے والا حقیقت کو نہ سمجھ سکا اس نے سمجھا کہ آپ کہیں سفر پر جارہے ہیں تو کسی شخص کو آپ نے ساتھ لیا ہوا ہے جو راہ کو جانتا ہے۔ اس وقت اہل عرب کا یہی دستور تھا۔

سراقہ کا زمین میں دھنس جانا:

حضور ﷺ کو ”سراقہ“ نامی شخص نے پہچان لیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ دوسرے کافروں کو بتائے تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر حضور ﷺ سے کہا: آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں زمین سے نکل جاؤں تو کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس طرح وہ حضور ﷺ کی دعا سے زمین سے نکلا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ محبت:

راستہ میں حضور ﷺ کے پاؤں مبارک سفری مشکلات کی وجہ سے زخمی ہو گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھے پر اٹھالیا اور غار ثور کے دہانے پر لے آئے۔

غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود داخل ہوئے تاکہ غار میں کوئی موزی جانور حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے غار کے اندر تمام سوراخ اپنے اوڑھنے والی چادر کے کٹڑے کر کے بند کر دیئے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا لیکن کپڑا باقی نہ تھا۔ اس میں آپ نے اپنی ایڑی رکھی اور حضور ﷺ کو اندر تشریف لانے کے متعلق عرض کیا۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زانو (یاران) پر سر رکھ کر آرام فرما ہو گئے لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس سوراخ کے اندر موجود سانپ

نے ڈس لیا۔ آپ کو تکلیف ہوئی، آنسو بلا اختیار جاری ہو گئے۔ حضور ﷺ کے چہرے پر پڑے۔ آپ ﷺ بہدار ہوئے، آپ ﷺ نے وجہ پوچھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ حضور ﷺ نے لعاب دھن لگایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ٹھیک ہو گئے۔

قدرت باری تعالیٰ:

جب حضور ﷺ غار ثور میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بھول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگایا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکاری کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسند بزار منقول ہے کہ حرم مکہ میں رہنے والے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں کیونکہ حضور کی خدمت گزاری اور آپ کی دعائے برکت سے وہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

غار ثور پر کفار کی آمد اور مایوسی:

کفار حضور ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ اگر وہ نیچے اپنے پاؤں کی جانب ہی دیکھ لیتے تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتے لیکن وہ غار کو دیکھ کر لوٹ آئے اور کہنے لگے: اگر محمد اس میں داخل ہوتے تو کبوتر کے انڈے ٹوٹ جاتے اور مکاری کا جالا درہم برہم ہو جاتا اور یہ درخت اس جگہ ان کی مدت عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے۔

کلام المملوک ملوک الکلام:

جب کفار غار ثور پر پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کفار نے ہمارا کھوج لگالیا ہے۔ اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں دیکھ لیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کرو! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب فرعونوں کو دیکھا تو کہنے لگے: ﴿إِنَّا لَمُدْرِكُونَ﴾ ہم تو پالے گئے یعنی اب تو وہ ہمیں پکڑ لیں گے تو ان کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت دے گا۔

سید الانبیاء علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں فرق:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ذکر پہلے کیا اور رب تعالیٰ کا بعد میں۔ اور نبی کریم ﷺ نے رب کا ذکر پہلے کیا اور اپنا بعد میں۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنا ذکر کیا کہ میرے ساتھ میرا رب ہے لیکن حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ

ملایا اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ گویا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس قابل نہیں سمجھا کہ جو مجھے رب کی معیت حاصل ہے۔ وہ میری قوم کو بھی حاصل ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملا کر کہا: بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

نکتہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا: ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کچھ غم نہ کرو۔ اس سے یہ مقصد واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا خطرہ نہیں بلکہ انہیں میری فکر لاحق ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ خود ڈرتے اور انہیں اپنی جان کی فکر ہوتی تو حضور فرماتے ﴿لَا تَخَفْ﴾ ڈرو نہیں۔ علامہ بیضاوی پہلے پارہ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ فَضْلًا عَنْ أَنْ يَجْعَلَ بِهِمْ مَكْرُودًا وَلَا هُمْ مِنْ يَفُوتَ عَنْهُمْ مَحْبُوبٌ فَهَذَا نَوَافِلُهُ“
 ”ان پر کوئی خوف نہیں کہ ان پر کوئی ناپسندیدہ چیز کا وقوع ہو اور نہ ہی ان سے کوئی محبوب چیز فوت ہوگی کہ انہیں اس پر کوئی حزن (غم) لاحق ہو۔“

واضح ہوا کہ حزن کا تعلق محبوب چیز پر کوئی خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے غم کے آنے سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنی فکر کی تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی واضح ہوا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہیں ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سید الصحابہ ہیں۔

غار ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف کوچ فرماتا:

غار ثور میں تین دن قیام کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دو اونٹ تھے اگرچہ ایک اونٹ آپ نے نبی کریم ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کیا لیکن حضور ﷺ ہدیہ قبول کرنے کے بجائے خریدنے کو ترجیح دی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر کا آغاز کر دیا۔ راستے میں چرواہے کی اجازت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری کا دودھ دودھ کر آپ ﷺ کو پیش کیا اگرچہ وہ چرواہا غلام تھا لیکن اس وقت بکے رواج کے مطابق غلاموں کو اجازت ہوتی تھی کہ راہ گیر کو دودھ پلایا کریں۔

دوران سفر آپ کا ”مقام قدید“ میں ام معبد کے خیمہ کے قریب سے گزر ہوا۔ ام معبد حالانکہ مسافروں کی مہمان نوازی میں مشہور تھی لیکن اس وقت اس کے پاس کوئی چیز پیش کرنے کو نہ تھی۔ اس کے خیمہ میں ایک بکری نہایت لاغر کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جاسکی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دودھ لیں۔ اس نے کہا: میری

طرف سے تو اجازت ہے لیکن اس کے دودھ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضور ﷺ نے بکری پر ہاتھ پھیرا۔ بسم اللہ شریف پڑھ کر دعا کی: ”اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهَا فِيْ شَاتِبِهَا“ (اے اللہ! ام معبد کی بکری کو برکت عطا فرما) تو بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ حضور ﷺ نے بکری کا دودھ دوہا تو سب خیمہ والوں نے اور آپ ﷺ نے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیر ہو کر دودھ پیا اور خیمہ میں موجود تمام برتن دودھ سے بھر دیئے۔ ام معبد کے خاوند کو جب حضور ﷺ کے اس معجزہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا: کہ مجھے امید ہے میں ان کا ساتھی بنوں گا۔ اس طرح کچھ دیر کے بعد ان دونوں خاوند اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔

مدینہ منورہ آمد:

پیر کے دن ربیع الاول میں آپ مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ آپ کو بلند جگہ سے دیکھتے رہتے تھے کہ آپ کب پہنچیں گے۔ بنو نجار کی لڑکیاں حضور ﷺ کی آمد پر خوشی سے دف بجاتی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

نَحْنُ جَوَارُ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبْلًا مُّحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

آپ جب وداع کی گھاٹیوں سے سامنے ہوئے تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ قِيَمَاتِ الْوَقَاعِ وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا إِلَهُ فَاعٍ

بعض روایات میں اس شعر کا بھی ذکر ہے:

أَيُّهَا الْمُبْعُوثُ فِيمَنَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی آمد پر میں آٹھ نو سال کا تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے آنے پر مدینہ طیبہ کے درود یواریسے روشن ہو گئے تھے جیسے سورج کے طلوع ہونے پر روشنی ہوتی ہے۔

قیام کے لئے انصار کی خواہش اور حضور ﷺ کا ارشاد:

انصار میں سے ہر شخص کی تمنا تھی کہ حضور ﷺ میرے گھر قیام فرمائیں۔ ہر ایک یہی عرض کر رہا تھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور (اسے حکم دیا گیا ہے) ہے وہ جہاں خود بیٹھ جائے گی وہی مقام میرے قیام کا ہوگا۔ اونٹنی (جہاں مسجد نبوی بعد میں بنی وہاں) حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے خود ہی بیٹھ گئی۔

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام:

آپ ﷺ نے اونٹنی کے بیٹھنے پر حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے ان کے گھر کے نیچے حصہ (گمرد و منزلہ تھا) میں قیام کیا، لیکن ایک رات حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ حضور ﷺ نیچے اور میں اوپر ہوں۔ یہ ادب کے خلاف ہے۔ تمام رات ایک کونہ میں گزار دی۔ صبح عرض کیا: کہ آپ اوپر تشریف لے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نیچے بہتر ہوں کہ لوگوں کو ملنے میں آسانی ہے۔ لیکن حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے بار بار جب عرض کیا کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ نیچے رہیں تو ان کی تمنا پر آپ ﷺ اوپر والے حصہ میں تشریف لے گئے۔

نبی کریم ﷺ کی علالت اور وصال

وصال کی خبر:

نبی کریم ﷺ نے جو آخری حج فرمایا اس میں فرمادیا تھا کہ شاید آئندہ سال میں تم لوگوں میں نہ رہوں۔ اسی لئے اس کو ”حجۃ الوداع“ کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا چاہے تو رہے اور اگر اپنے رب تعالیٰ سے ملنا چاہے تو رب سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے نے رب تعالیٰ کو ملنا پسند کر لیا ہے۔ یہ اشارہ بھی اپنے وصال کی طرف تھا۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اشارہ کو واضح طور پر سمجھتے ہوئے رونا شروع کر دیا تھا اور کہہ رہے تھے: میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

حجۃ الوداع میں منیٰ کے دنوں میں سورۃ {اِنَّا جَاءَ نَحْصُرُ اللّٰہَ} نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: کہ تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہئے جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: غم نہ کیجئے:

”یقیناً آپ کے لئے آخری (وقت) پہلے سے بہتر ہے۔“

{سورۃ النبی: 30}

نبی کریم ﷺ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد اکثر طور پر پڑھتے تھے: {سُبْحَانَكَ اللّٰہُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰہُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ} صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پر بہت جاری رہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جان لو! مجھے عالم بقاء کی طرف بلایا گیا ہے اور تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنے وصال کی

خبر دے دی تھی۔ ہجرت کے گیارہویں سال کے ماہ صفر میں نبی کریم ﷺ قریع قبرستان والوں کے لئے استغفار فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی طرح شہداءِ احد کے لئے بھی استغفار کی اور ان کی قبور کی زیارت کی۔ اس میں حکمت یہی تھی کہ آپ دنیا میں رہ کر جو ان کی زیارت کرتے تھے اسے الوداع فرما رہے تھے اور برزخی تعلق کی خبر دے رہے تھے کہ اب میرا تمہارے ساتھ بعد از وصال تعلق ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ قریع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر کو درد لاحق تھا۔ میں نے اپنے سر درد کی شکایت آپ سے کی۔ آپ نے بطور مزاح فرمایا: کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا یہ اچھا نہیں کہ تمہاری موت آجائے تو میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کے انتظامات کروں اور تم پر نماز پڑھوں دفن کروں اور تمہارے لئے دعائے استغفار کروں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بطور مزاح کہا: ہاں! آپ چاہتے ہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور آپ میری جگہ کسی اور عورت کو زوجہ بنا کر لے آئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد حقیقت حال کی طرف اشارہ فرمایا: کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا تمہارے سر کو جو درد لاحق ہے وہ تو ٹھیک ہو جائے گا لیکن میرے سر کا درد ٹھیک ہونے والا نہیں۔ گویا اس طرف اشارہ تھا کہ میں اس مرض میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

مرض کی ابتداء:

نبی کریم ﷺ کی مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھرانے کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ مرض میں بھی آپ ﷺ پی ازواجِ مطہرات کی باریوں کا خیال فرماتے رہے لیکن جب بیماری شدید ہو گئی تو آپ نے فرمایا: آج میں کہاں ہوں گا؟ کل کہاں؟ اشارہ تھا کہ اب اس حال میں مجھے ایک جگہ رہنا چاہئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ازواجِ مطہرات سے فرمایا: کہ آپ ﷺ پر یہ شاق ہوگا کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں اس پر تمام ازواجِ مطہرات نے بخوشی اجازت دے دی کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں اور ہم وہاں آپ کی حصار داری کریں گی۔

شدتِ مرض:

مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری میں ہی ہوئی اور آپ دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس طرح تشریف لارہے تھے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔

آپ کی مرض میں شدت یہاں تک آگئی کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مضطربانہ

طور پر کروٹ بدلتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو آپ برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے“ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں انتہائی سخت مرض میں مبتلا ہوں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء و صلحاء پر ابتلاء انتہائی سخت و شدید بھیجتا ہے۔ کوئی مصیبت و ایذا پہنچے یہاں تک کہ پاؤں میں کانٹا چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور فرمایا: روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے خزاں کے موسم میں پتے جھڑتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے اوپر اوڑھی ہوئی چادر کے اوپر سے بھی بخار کی شدید حرارت کو پایا اور میں برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں کیونکہ آپ شدید بخار میں مبتلا تھے۔

خیال رہے کہ بلاء میں طوالت اور امتحان و آزمائش میں مبتلا ہونا بارگاہ الہی کے مقرب بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے جب عظیم انبیائے کرام ہیں اور سب انبیاء کرام سے عظیم مرتبہ رکھنے والے ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں تو آزمائش بھی سب سے زیادہ ہونی تھی۔

انبیائے کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا گیا تھا:

”وَالْأَنْبِيَاءُ كَانُوا مِنْهُمْ يَنْ عِنْدَ اللَّهِ آخِرَ الْأَمْرِ بَيْنَ الْحَيَاةِ وَالْمَوْتِ“^① ”انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندہ رہنے یا دنیا سے رخصت ہونے کا اختیار دیا گیا تھا۔ چاہیں تو دنیا کو پسند کریں چاہیں تو رب تعالیٰ کے حضور ﷺ جانے کو پسند کر لیں۔“

انبیائے کرام علیہم السلام نے رب کی ملاقات اور اس کے دربار میں حاضری کو ترجیح دی۔

نبی کریم ﷺ کا رب تعالیٰ سے ملنے کی دعاء کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پران کلمات سے دم فرمایا کرتے تھے:

”أَذِيبِ الْهَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَأَكْشِبِ النَّفْسَ الْفَاسِيَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا يَفْأُذُ سَعْيًا“

ایک روایت میں ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ ہمارے ہوائے خواہش سے ہی اپنے لئے ان کلمات سے ہی اپنے آپ پر بھی دم فرمایا اور اپنا ہاتھ مبارک تمام بدن پر پھیرا۔ اور جب نبی کریم ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا تو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے چاہا کہ آپ پر یہی دعاء پڑھوں اور آپ کے جسم اقدس پر ہاتھ پھیروں لیکن نبی کریم ﷺ نے مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور یہ دعاء پڑھنے لگے:

”رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَالْحَقِيْقِيْ بِالرَّفِيقِ الْاَعْلٰی“

”اے رب! اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔“

یعنی اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے۔ آپ کو اختیار تو دیا گیا تھا کہ آپ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں یا کہ رب تعالیٰ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ نے رب تعالیٰ سے ملنا پسند فرمایا۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جبرائیل علیہ السلام اس مرض کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ اے محمد (ﷺ)! اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کو اس مرض میں وفات دے دوں اور مستغرق دریائے رحمت فرما دوں۔ (تو آپ کی کیا رائے ہے۔ تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّْنَ وَالصّٰلِحِيْنَ وَالشّٰهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسَنَ اَوْلٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦﴾ (سورۃ النساء: 5: 6)

نبی کریم ﷺ کے مرض کا ابتدائی وقت:

نبی کریم ﷺ کی علالت کی ابتداء صفر کے آخر میں ہوئی جبکہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ وہ بدھ چہار شنبہ کا دن تھا لیکن یہ مرض کی شدت ہے معمولی مریض آپ پہلے سے تھے جیسا کہ بقیع سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرا درد سر ختم ہو گا۔ مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی لیکن آپ پھر بھی ازواج مطہرات کی باریوں کا لحاظ کرتے رہے پھر مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرماتا:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ علالت میں نماز کے لئے اذان دی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ربیعہ سے فرمایا: باہر جاؤ! اور ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ باہر آئے تو انہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بغیر کوئی آدمی نہ ملا۔ انہوں نے ان سے ہی کہا: آپ نماز پڑھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کرائی۔ آپ چونکہ بلند آواز والے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا یہ عمر (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھا رہے ہیں تو بتایا گیا کہ ہاں! وہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے بلکہ ابوبکر کو کہو وہ نماز پڑھائیں۔

مخفی نہیں رہنا چاہئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ و اصرار فرما۔

میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ کرام قریش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: قُلْتُكَ رَسُولُ اللَّهِ فَمَنْ الَّذِي يُؤَخِّرُكَ "اللہ تعالیٰ کے رسول نے آپ کو آگے بڑھایا ہے تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے۔"

اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے رسول نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی میں موجود تھا غائب نہ تھا۔ تندرست تھا بیمار نہ تھا۔ اگر آپ چاہتے تو مجھے آگے کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم اپنی دنیا کے لئے (خلافت کے لئے) اس شخص پر راضی ہو گئے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ہمارے دین کے لئے راضی ہوئے۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت:

نبی کریم ﷺ نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا: جان لو اور آگاہ ہو جاؤ! کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔"

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ! میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا، خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں اور فرمایا: "الْأَهْلُ بَلَّغْتُ اللَّهُمَّ اشْهَدْ اللَّهُمَّ اشْهَدْ" "خبردار! میں نے تمہیں خبردار کر دیا: اے اللہ! گواہ رہ اے اللہ! گواہ رہ۔"

خیال رہے کہ قبر کو سجدہ کیا جائے اور صاحب قبر کو معبود سمجھا جائے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر معبود تو اللہ تعالیٰ کو ہی مانا جائے لیکن پھر بھی قبر کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے اگرچہ یہ شرک نہیں۔

رحلت کی رات چراغ میں تیل نہیں تھا:

جب دو شنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی انصاری عورت کے گھر کسی کو چراغ دے کر بھیجا کہ اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں کیونکہ نبی کریم ﷺ تزع کے عالم میں ہیں یعنی اس حالت میں گھر میں چراغ موجود نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سات دینار کہیں سے آئے تھے جن کو آپ خرچ نہیں کر سکے تھے۔ بیمار ہو گئے، شدید بیماری کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ان سونے کے ٹکڑوں کو کہیں بھیج دو کہ وہ خرچ ہو جائیں لیکن آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیماری کی اور شدت ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں لگ گئیں۔ آپ کو جب ہوش آیا تو پوچھا کہ وہ دینار خرچ ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابھی نہیں۔ یہی حالت اور یہی سوال و جواب تین مرتبہ درپیش آیا۔ اس کے بعد کچھ افاقہ ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے گئے تاکہ یہ مستحقین میں خرچ کر دیں۔

سبحان اللہ! مال سارا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا اور خود جب دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو گھر کے چراغ میں تیل نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

انصار کے حق میں وصیت:

زمانہ علالت میں ایک دن نبی کریم ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا فرمایا: "إِنَّ الْأَنْصَارَ عُنْتِي" بیشک انصار عمن میں یعنی بچے و صندوق کی طرح ہیں جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ ایک روایت میں "تُكْرِمُنِي وَيُعْنِي" کے الفاظ ہیں۔ کرش معدہ کو کھا جاتا ہے (عیمہ بکسر عین) زیور کی ڈبیہ کو کہتے ہیں اور قیمتی کپڑے رکھنے والے صندوق کو بھی کہتے ہیں۔ مقصد بیان یہ تھا کہ یہ لوگ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں اور فرمایا "میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور انہوں نے مجھے جگہ دی۔ اور میرے ساتھ محبت اخلاص اور دوستی و مروت کا برتاؤ کیا اور تمہارے (اے مہاجرین) ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے۔ قسم ہے اس اللہ عزوجل کی! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔

خیال رہے انصار کی محبت کا بھی یہ عالم تھا کہ نبی کریم ﷺ بروز بروز جب زیادہ غلیل ہو رہے تھے تو وہ اپنے گھروں میں مبرور قرار سے نہ رہ سکے اور حیران و پریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے اور کہتے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا؟

مسواک کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی نظر مسواک کی طرف دراز (لمبی) فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ نبی کریم ﷺ مسواک کو پسند فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یہ مسواک آپ کے لئے لے لوں۔ آپ نے سر مبارک کے اشارہ سے فرمایا: ہاں! لے لو۔ پھر میں نے نرم کر کے وہ مسواک آپ کو دے دی۔ آپ نے اپنی عادت کریمہ سے زائد ہی مسواک فرمائی۔ پھر آپ نے وہ مسواک مجھے واپس دی۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے آخری دن میرے اور آپ کے لعاب کو جمع فرمادیا۔

نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا:

جس دن نبی کریم ﷺ نے رحلت فرمائی اس دن کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی اور ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھا رہے ہیں۔ پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی گویا کہ آپ کا روئے انور قرآن پاک کا ورق ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کو قرآن پاک کے اوراق سے تشبیہ دی یہ کتنی حسین تشبیہ ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا: جب حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ کرام نے خیال کیا کہ شاید حضور ﷺ باہر تشریف لارہے ہیں۔ اس پردہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کے لئے تشریف لے آئیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

”نماز را بگزارم ترا سلام کنم“ ”نماز کو ہم چھوڑ رہے ہیں اور تجھے سلام کر رہے ہیں۔“

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آجائیں مگر رسول ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہیں اور اپنی نماز پوری کریں۔ پھر دروازے کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا گویا کہ آپ کا یارانِ محبت کو یہ آخری الوداعی سلام تھا اور اپنے دیدار سے صحابہ کو مشرف کرنا تھا۔

خیال رہے کہ سب صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کو دیکھ رہے تھے اگلے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ تمام صحابہ کا رخ قبلہ سے پھر گیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں قبلہ جنوبی جانب ہے اور نبی کریم ﷺ کا حجرہ مشرقی جانب ہے باوجود اس

کے کہ صحابہ کرام نے اپنے منہ قبلہ سے پھیر کر نبی کریم ﷺ کی طرف کر لئے تھے لیکن کسی کی نماز نہیں ٹوٹی بلکہ نماز کو وہیں سے جاری رکھا گیا تھا حالانکہ قبلہ کی طرف سے منہ پھیر لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جب سینہ بھی پھر جائے۔ صحابہ کو یہ کیفیت حاصل ہو چکی تھی ہاتھوں پر ہاتھ مارنے کا عمل کثیر بھی ہو رہا تھا لیکن کوئی عارضہ بھی نماز کو فاسد نہ کر سکا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عظمت کا پاس کلام روح نماز ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

حاجو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے ہو کعبے کا کعبہ دیکھو

ملک الموت کا اجازت طلب کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو روحوں کو قبض کرنے والے (حضرت عزرائیل علیہ السلام) نے دروازے کے باہر اعرابی (دیہاتی) کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا:

”السلام علیکم اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة“
”اے اہل بیت نبوت! معدن رسالت اور فرشتوں کے آنے جانے کے مقامات تم پر سلام ہو۔“

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو اس وقت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں (یعنی آپ پر مرض کا شدید حملہ ہے) اس وقت ملاقات نہیں کر سکتے۔ دوسری مرتبہ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اسی طرح اجازت طلب کی (لیکن پھر بھی جواب اسی طرح سنا) گھر میں موجود حضرات پر خوف طاری ہو گیا نبی کریم ﷺ کچھ ہوش میں آئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا: کیا بات ہے؟ صورت حال آپ کو بتائی گئی۔ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں اور بچیوں کو یتیم کرنے والا ہے۔

مطلب یہ واضح تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ روح قبض کرنے والا عزرائیل علیہ السلام ہے۔ اسے اندر آنے دیجئے یہ تو کسی سے پوچھتا ہی نہیں۔ یہ تو صرف خاندان نبوت کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے بامرالی اجازت طلب کر رہا ہے ورنہ اس نے تو کبھی (کسی کی) فکر نہیں کی کہ گھر میں کون ہے؟ کون نہیں۔ یہ تو بلا اجازت ہی ہر گھر جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ الزہراءؑ کو خبر دینا:

اسی موقع پر یا کہ ایام مرض میں اس سے پہلے فاطمہ الزہراءؑ کو اپنے وصال کی خبر دی۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ خبر پہلے کی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ کے پاس موجود تھیں۔ حضرت فاطمہؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کی چال نبی کریم ﷺ کی چال مبارک سے کوئی مختلف نہ تھی (یعنی آپ کے چلنے کا انداز نبی کریم ﷺ کے چلنے کے انداز سے بالکل مشابہ تھا) جب نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے میری بیٹی! مرحبا۔ پھر ان کو اپنے پاس بٹھایا۔ پھر ان سے کوئی سرگوشی کی جس کی وجہ سے حضرت فاطمہؑ شدید رونے لگیں۔ حضور ﷺ نے جب ان کے غم کو دیکھا تو دوبارہ پھر ان سے کوئی اور سرگوشی کی اب انہوں نے مسکراتا شروع کر دیا۔

جب نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے تو میں نے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا: تمہارے ساتھ نبی کریم ﷺ نے مخفی طور پر کیا باتیں کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ نبی کریم ﷺ کا راز ہے جسے میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد میں نے کہا: کہ میں تمہیں اپنے اس حق کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں جو میرا حق تم پر ہے (یعنی مجھے تمہاری ماں ہونے کا حق ہے) کہ تم مجھے بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں کیا خبر دی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں! اب ٹھیک ہے یعنی اب میں بتا سکتی ہوں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ نے میرے ساتھ پہلی مرتبہ سرگوشی کی تو بیشک آپ نے مجھے خبر دی کہ تحقیق جبرائیل میرے ساتھ ہر سال قرآن پاک کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ دور کیا ہے لہذا میں اپنے وصال کو بہت قریب دیکھ رہا ہوں (پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا بے شک میرا پہلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے تو میں رو پڑی۔ جب آپ نے میری پریشانی کو دیکھا تو دوسری مرتبہ پھر سرگوشی کی اور فرمایا: اے فاطمہؑ! کیا تم پسند نہیں کرتی کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا تم مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔ (یہ راوی کو شک ہے کہ دونوں لفظوں میں سے کون سا لفظ ذکر کیا گیا۔)

ایک روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ سرگوشی کر کے آپ نے مجھے خبر دی کہ میں اسی مرض میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں (تو میں یہ سن کر) رونے لگی۔ آپ نے پھر میرے ساتھ سرگوشی کی اور مجھے خبر دی کہ تمام اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ کو طوں گی تو میں مسکراتے لگی۔

نبی کریم ﷺ کی خبر کے مطابق آپ خود بھی دنیا سے اسی مرض میں تشریف لے گئے اور آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ الزہراءؑ بھی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ تمام اہل بیت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو کر حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والی آپ ہی تھیں۔

جبرائیل علیہ السلام کی مزاج پرسی:

ایک روایت میں جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کی مزاج پرسی کے لئے آنا اور عزرائیل علیہ السلام کا ان کے ساتھ آکر اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے۔

نبیؐ نے دلائل النبوت میں حضرت جعفر بن محمد سے روایت بیان کی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص قریش میں سے اپنے باپ علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ بتاؤں۔ انہوں نے کہا: ضرور بتائیں تو یہ بتانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ جب مریض تھے تو آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا: اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تکریم و تشریف کے لئے بھیجا ہے۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے: حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ یہ پوچھتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیسے پاتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل علیہ السلام! میں اپنے آپ کو غمزدہ اور مصیبت زدہ پاتا ہوں۔ دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر حاضر ہوئے ان کا وہی سوال تھا اور نبی کریم ﷺ کا بھی وہی جواب تھا۔ تیسرے دن پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضری دی، پھر وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ بھی تھا جسے ”اسماعیل“ کہا جاتا ہے جو ایک لاکھ فرشتوں کا سردار تھا اور ہر فرشتہ کو ایک لاکھ پر سرداری حاصل تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے اس کے لئے بھی اجازت طلب کی کہ وہ بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا حضور نے اس کے متعلق پوچھا جبرائیل علیہ السلام نے اس کا تعارف کرایا۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ ملک الموت (عزرائیل) بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ آپ سے پہلے کسی آدمی سے اس نے اجازت طلب نہیں کی اور آپ کے بعد بھی کسی سے اجازت طلب نہیں کرے گا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: کہ آپ اسے اجازت دیں، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عزرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا، پھر عرض کیا: اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اگر آپ اپنی روح قبض کرنے کی مجھے اجازت فرماتے ہیں تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا اور اگر آپ یہ حکم فرماتے ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ دوں۔ تو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ملک الموت تم اپنا کام کرو (یعنی روح قبض کرنے کی تمہیں اجازت ہے) عزرائیل نے کہا: ہاں! مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت بھی کروں۔

راوی کہتے ہیں: حضور نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ملنے کا بہت مشتاق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ملک الموت کو کہا: جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ کام کرو تو عزرائیل نے آپ کی روح کو قبض کر لیا۔

حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا اظہار غم:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ الزہراءؑ بہت غمزدہ ہو گئیں۔ آپ کو کسی نے کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔ آپ اکثر طور پر روتی رہتی تھیں اور یہ کہتی رہتی تھیں۔ {يَا أَبَتَاهُ يَا أَبَتَاهُ} اے ابا جان! اے ابا جان! اور کہتیں: اے ابا جان! آپ نے اللہ تعالیٰ کے بلاوے کو قبول کر لیا ہے۔ اے ابا جان! آپ نے جنت الفردوس میں اقامت اختیار کر لی۔ اے ابا جان! اب جبریل وحی کس کے پاس لائیں گے۔ اے اللہ! فاطمہ کی روح کو نبی کریم ﷺ کی روح سے ملا دے۔ اے اللہ! مجھے اپنے رسول کا دیدار عطا فرما۔

خیال رہے کہ رونے میں کوئی جزع فزع نہیں تھا۔ پیٹنا، واویلا کرنا نہیں تھا، کپڑے پھاڑنا، گریبان چاک کرنا نہیں تھا۔ فقط آنسو بہانا اور اظہار غم کے طور پر مذکور بالا الفاظ کا ذکر تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بے قراری:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ غم سے نڈھال بہت زیادہ پریشان حال تھیں۔ آنسو رواں تھے۔ ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح صبر کا دامن تھامتے ہوئے اظہار غم کر رہی تھیں۔ افسوس ہے اس نبی محترم پر جنہوں نے فقر کو تو نگری پر اور درویشی کو مال داری پر اختیار فرمایا۔ افسوس ہے اس ذات پر جنہوں نے امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر کبھی بستر راحت پر آرام نہیں فرمایا۔ اسی طرح روتے ہوئے کئی اور اوصاف کا بھی تذکرہ کر رہی تھیں۔

غیبی آواز سے اہل بیت کو مزید صبر کی تلقین:

آپ ﷺ کے گھر کے ایک کونہ سے آواز آرہی تھی اگرچہ کہنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، آواز دینے والا یہ آواز دے رہا تھا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پر ہوں ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

بلاشبہ ہر مصیبت کے لئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور زیادہ صبر کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غم میں مبتلا ہونا:

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہو گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی عقلیں سلب کر لی گئیں اور ان کے حواس معطل ہو گئے۔ بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی۔ ان کے ہوش و حواس اور بولنے کی قوت جاتی رہی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قریب سے گزرے اور انہیں سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب نہ دے سکے۔ بعض حضرات اپنی جگہ جیسے بیٹھے رہے، جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا۔ کچھ حضرات کہہ رہے تھے: حضور ﷺ پر وقتی طور پر بیہوشی طاری ہے، سکتہ کا عالم ہے، آپ پر وفات طاری نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر کھڑے لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: جو کوئی یہ کہے گا ”نبی کریم ﷺ نے وفات پائی“ میں اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدید غم میں ثابت قدمی:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی زیادہ پریشان تھے، آنسو بہا رہے تھے، غم میں ٹڈی مار رہے تھے لیکن آپ نے اس نازک مرحلہ میں ثابت قدمی سے کام لیا۔ ہوش و حواس کو برقرار رکھتے ہوئے خطبہ دیا جو حمد و ثناء الہی اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: جو کوئی نبی کریم ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے وہ اب بھی موجود و زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ كَذَبَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ
أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبِهِ فَلَنْ
يُخْذِرَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَجَّزِيَ اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٠٠﴾

اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔“

اور اس آیت کی تلاوت کی: ﴿إِنَّكَ مَوْتٌ وَأَنْتُمْ مَوْتُونَ﴾ ”اے حبیب آپ کو بھی موت آئی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کے وصال کی وجہ سے صحابہ کرام پر کچھ ایسا اثر ہو چکا تھا کہ یہ آیات سن کر صحابہ کرام یوں محسوس کر رہے تھے جیسا کہ یہ نازل ہی اب ہوئیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا جس کا لب لباب یہ تھا: اے لوگو! میں نے جو پہلے کہا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ وفات طاری نہیں ہوئی۔ وہ کوئی کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے ثابت نہیں بلکہ میری یہ خواہش تھی کہ آپ ہم میں زندہ رہتے یعنی ظاہری حیات میں جس طرح آپ ہم میں پہلے جلوہ گر ہوتے ہمیشہ ایسے ہی رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہم شاکر و صابر ہیں۔

تنبیہ: نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا۔ آپ اس میں ہاتھ مار کر چہرہ پر مار رہے تھے آپ کو بار بار پسینہ آرہا تھا۔ بظاہر یہ شدت کی کیفیت نظر آتی ہے، آپ کو سکرات موت میں شدت کیوں حاصل ہوئی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ کوئی تکلیف نہیں بظاہر بے قراری نظر آتی تھی لیکن اس کی کئی وجوہ آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو کو میں ذکر کر رہا ہوں:

①: بظاہر جو بے قراری نظر آتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ سے خاص ملاقات کا تھا اور وہ خشیت و ہیبت و جلال تھا جو معرفت و عبودیت اور قرب حضور ذی الجلال میں اس حال اور اس وقت کے مناسب تھی اور یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت و وقت میں نہ تھیں۔

②: اور وجہ یہ تھی کہ یہ بے قراری درحقیقت رب سے ملاقات کے لئے روح کی بے تابی تھی گویا آپ چاہتے تھے کہ جلدی ہی اس دنیا سے نکل کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ کے غسل کا ذکر:

آپ کے غسل کے لئے آپ کے اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، اور ان کے دو بیٹے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہ، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور نبی کریم ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید اور حضور کے غلام حضرت صالح حبشی شریک ہوئے۔ آپ کے جسم اطہر کے ارد گرد چادریں تان دی گئی تھیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیرہن مبارک کے اندر داخل کیا اسامہ قمیص کے اوپر پانی ڈالتے تھے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو تک پانی پہنچانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس ہو رہا ہے ان سب نے آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نرمی برتو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے بغیر میرا کوئی ستر نہ دیکھے۔ اگر کوئی خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بیٹائی جاتی رہے گی۔ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس طرح دوسرے لوگوں کے پیٹ وغیرہ سے خارج ہوتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی۔

نبی کریم ﷺ کی وصیت کے مطابق آپ کو بیرغس (مدینہ طیبہ کے شمالی جانب ایک کنوئیں کا نام ہے) پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا جس میں بیری کے پتے ڈالے گئے تھے۔ غسل کے وقت نبی کریم ﷺ کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشے میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

جب غسل مکمل ہو گیا تو مقام سجدہ اور مفاسل شریف (اعضاء کے جوڑ) کو خوشبو سے مسح کیا گیا اور تین مرتبہ عود (اگر) کی دھونی دی گئی یعنی خوشبودار لکڑی سلکائی گئی اس کے بعد اٹھا کر سر پر لٹا دیا گیا۔ آپ کے جسم اطہر پر استعمال کرتے ہوئے جو خوشبو بچ گئی تھی اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں یہ خوشبو لگانا کیونکہ حضور سے بچائی ہوئی ہے۔

کفن دینے کی وصیت:

نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ وہ یمنی چادریں تھیں چونکہ یمن کے علاقہ میں ایک بستی کا نام ”سحول“ ہے جہاں وہ کپڑا تیار ہوتا تھا جس سے آپ کے کفن مبارک میں چادریں استعمال کی گئیں۔ اس لئے آپ کے کفن کپڑے کو سحولی بھی کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ کے کفن کے کپڑے کو ”مِنْ كُرْسُفٍ“ (کرسف سے بنا ہوا) بھی کہا گیا ہے کرسف یعنی روئی کو کہتے ہیں۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا: حضرت علی المرتضیٰ حضرت ابن عباس حضرت عائشہ حضرت ابن عمر حضرت جابر عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے حدیثیں حدیثوں اتریں کہ نبی کریم ﷺ کے کفن میں تین کپڑے تھے۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس پر ایک قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا۔ وہ کفن میں داخل نہیں لہذا وہ حدیث جو سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو بوقت وصال آپ کے جسم پر اور پگڑی کا ذکر نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضور ﷺ کی نماز جنازہ:

حضور ﷺ کی نماز جنازہ جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی گئی بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ آپ کا جسد اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل

دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتیں کے بعد بچے۔

جماعت میں صفوں کی ترتیب ہوتی ہے لیکن یہاں نہ کوئی صفوں کی ترتیب تھی اور نہ کوئی امام تھا۔ اس لئے کسی نے نہ کوئی امامت کی اور نہ جماعت سے نماز کی ادائیگی ہوئی۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہیں کی کیونکہ آپ ایام حیات اور ممات میں سب کے امام ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ پر متعدد نمازیں پڑھی گئیں اور تنہا لوگوں نے پڑھیں ورنہ عام لوگوں کی ایک ہی نماز جنازہ ہے اور وہ بھی جماعت سے یہ بھی۔ خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سب سے پہلے نمازہ جنازہ اہل بیت نبوت نے ادا کی یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم نے سب سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنے والے تھے۔ اس کے بعد مہاجرین صحابہ کرام اس کے بعد انصار صحابہ کرام نے نماز جنازہ ادا کی پھر دوسرے لوگ آتے رہے اور نماز جنازہ ادا کر کے لوٹتے رہے۔

جب اہل بیت نبوت نے نماز جنازہ ادا کر لی تو لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ پر کون سی دعا پڑھیں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو جب لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو:

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللَّهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَاسْتَهِمِ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبُّ الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الدَّاعِي بِذَلِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ“

اس دعا کو شیخ زین الدین مراعی نے اپنی کتاب ”تحقیق النضرۃ“ میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر:

نبی کریم ﷺ کا وصال دو شنبہ (ہیر) کو ہوا اور سہ شنبہ (منگل) پورا گزر گیا اور آپ کا تحت شریف آپ کے گھر میں رہا آپ کو چار شنبہ (بدھ) کی رات کو دفن کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام لوگ آپ کی نماز جنازہ ادا کر لیں یہاں تک کہ سب لوگ جب نماز ادا کر چکے تو پھر آپ کو دفن دیا گیا۔



شیعہ کا اعتراض باطل ہے:

اہل تشیع کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ ادا نہیں کی یہ بالکل لغو قول ہے، باطل ہے، کذب بیانی ہے حقائق سے دور بات ہے۔

آئیے! اہل تشیع کی کتاب اصول کافی اور اس کی شرح صافی کو دیکھئے: اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی مدینہ کے لوگ بھی اس میں شامل تھے اور باہر دیہاتوں کے اصول کافی کی عبارت یہ ہے:

”عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: قُلْتُ لَهُ كَيْفَ كَانَتْ الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَّهُ قَالَ: لَمَّا غَسَلَهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَفَّنَهُ وَسَجَّاهُ ثُمَّ أَدْخَلَ عَلَيْهِ عَشْرَةَ قَدَارًا حَوْلَهُ ثُمَّ وَقَفَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي وَسْطِهِمْ وَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝“^①

”حضرت جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ کیسے ادا کی گئی تھی تو انہیں بتایا گیا کہ جب امیر المؤمنین علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا اور کفن پہنا دیا اور ڈھانپ دیا تو دس آدمی آپ کے جسد مبارک کے پاس آئے اور ارد گرد پھرے پھر امیر المؤمنین علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور پڑھا: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝“

بھی یہی پڑھا جو امیر المؤمنین پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ نے پڑھا اور ارد گرد تمام دیہات والوں نے پڑھا۔“

اہل تشیع کی اپنی ہی حدیث نے واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی نماز جنازہ تمام صحابہ کرام نے ادا کی۔

حضور ﷺ کو دفن کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب:

نبی کریم ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ اس میں صحابہ کرام نے اپنی اپنی رائے پیش کی کسی نے کہا: آپ کو اسی حجر میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی روح کو قبض کیا گیا اور کسی نے کہا: آپ کو مسجد شریف میں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا: آپ کو بقیع قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اور کسی نے کہا: قدس میں بہت انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور ہیں وہاں دفن کیا جائے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرمایا: کوئی نبی نہیں دفن کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں اس کی روح قبض کی گئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔

اس کے بعد تمام صحابہ کرام کا اتفاق اس پر ہوا کہ آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا جائے تو آپ کی چار پائی کو اٹھا کر ایک طرف کیا گیا اور وہاں ہی قبر کھودنے کا آغاز ہوا۔

قبر کو لحد بنایا گیا:

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے ایک حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو بطریق شق (درمیان میں کھودائی والی) قبر کھودتے تھے۔ دوسرے صحابی حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو لحد (بغلی یعنی ایک طرف سے کھدائی والی) قبر کھودتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کے حضور دعاء کی: اے اللہ! اپنے حبیب کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔ اس دعاء کے بعد آپ نے دونوں صحابیوں کی طرف آدمی بھیج دیئے کہ جو پہلے آجائے اسی سے قبر بنوالی جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ مل سکے جو انہیں بلانے گیا تھا اس لئے وہ بروقت نہ پہنچ سکے لیکن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بروقت آگئے۔ انہوں نے لحد قبر بنائی۔ نبی کریم ﷺ کو لحد قبر پسند تھی آپ نے فرمایا "الْكَفُّ لَنَا وَالشَّقُّ لِعَبْدِنَا" (لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے) خیال رہے کہ اگر زمین سخت ہو جہاں لحد بن سکے وہاں افضل ہے۔ اور جہاں زمین نرم ہو لحد نہ بن سکے وہاں شق بنائی جائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب لحد پسند تھی رب تعالیٰ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کو قبول کرتے ہوئے آپ کے لئے لحد کا انتظام ہی فرمایا کہ لحد کھودنے والے صحابی ہی بروقت پہنچ سکے۔

نبی کریم ﷺ کی تدفین:

بدھ کی رات سحری کے وقت نبی کریم ﷺ کو قبر انور میں داخل کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ حضرت عباس حضرت فضل بن عباس حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی قبر انور میں داخل ہوئے۔

قبر میں امت کو یاد کرنا:

حضرت قثم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قبر انور میں سے سب سے آخر میں نکلنے والا میں ہی تھا اور سب سے آخر میں آپ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے والا میں ہی تھا۔ میں نے قبر مبارک میں آپ کو دیکھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ میں

نے اپنے کان حضور کے منہ مبارک کے قریب ہی کئے تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں ”رَبِّ اُمِّيْ اُمِّيْ“ اے میرے رب! میری امت۔ میری امت یعنی امت کی مغفرت فرما۔

نیک لوگوں کے قریب دفن کرنا بہتر ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب اپنی وفات و دفن کی رب تعالیٰ سے درخواست کی۔ اس پر علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وَأَمَّا سُؤَالُ الْإِنْعَاءِ مِنَ الْمُقَدَّسَةِ فَلِكُشْرُفِهَا وَفَضِيلَةِ مَا فِيهَا مِنْ الْمَدْفُونِينَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الصَّالِحِينَ“ ① سوال اس لئے کیا تھا کہ اس زمین کو شرف حاصل تھا خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک ہستیوں کے وہاں دفن ہونے کی وجہ سے اس زمین کو فضیلت حاصل تھی۔“

فائدہ:

نبی کریم ﷺ کے قریب دفن ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کتنا ہی بلند مقام حاصل ہو گیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ“
دعاء ہے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے، نیک لوگوں کا قرب زندگی میں اور وفات کے بعد بھی حاصل ہو۔
اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت عطا فرمائے۔
یا اللہ! اپنے حبیب پاک محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل میری اولاد کو صحیح عقیدہ پر قائم دائم رکھنا، برے عقائد سے محفوظ رکھنا۔ (آمین ثم آمین)
یا اللہ! میری اس سعی کو قبول فرما اور عوام کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

بروز اتوار قرب الافطار۔ 14 / رمضان المبارک 1417ھ

26 جنوری 1997ھ

عبدالرزاق ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی
قدست اسرارہم و نفعہم در جاہم فی العلمین

(فہرست مآخذ و مراجع)

نام کتاب	مصنف	مطبع
قرآن مجید	کلام باری تعالیٰ	تاج کمپنی لاہور راولپنڈی
کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کراچی
الہیان مع البیان	سید احمد سعید کاظمی	کاظمی پبلی کیشنز ملتان
تفسیر البحر المحیط	ابو حیان اندلسی	دار الفکر بیروت
تفسیر بیضاوی	قاضی ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی	مکتبہ خانہ پشاور
تفسیر معالی	عبدالرحمن بن محمد معالی	موسسۃ علمی بیروت
تفسیر خازن	علاء الدین الخازن	دار الفکر بیروت
تفسیر حقانی	عبدالحق حقانی	نعمانی کتب خانہ لاہور
تفسیر ضیاء القرآن	عمر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسیر عزیزی	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کابل افغانستان
تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	مکتبہ عبدالرحمن قاہرہ دار الفکر بیروت
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد قرطبی	دار احیاء التراث
تفسیر کشاف	جواز اللہ ذہری	دار الکتاب العربی بیروت
تفسیر نسلی	عبداللہ بن احمد بن محمود نسلی	مکتبہ محمدی بمبئی
تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی	نعیمی کتب خانہ لاہور
تفسیر ابن کثیر	ابواللہ امام اسماعیل بن کثیر	دار احیاء التراث
تفسیر خزائن العرفان	سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تفسیر جلالین	جلال الدین سیوطی جلال الدین محلی	قدیمی کتب خانہ کراچی
تفسیر مظہری	قاضی شاہ عبداللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تفسیر صاوی	شیخ احمد صاوی	مکتبہ رحمانیہ لاہور
تفسیر نجوم الفرقان	علامہ عبدالرزاق بحر الوی	جامعہ جمادیہ مہر العلوم ضیاء العلوم پبلی کیشنز

نام کتاب	مصنف	مطبع
تفسیر روح البیان	علامہ اسماعیل حق	مکتبہ رحمانیہ لاہور
شیخ زادہ علی التہجدی	محمد بن شیخ زادہ	دار احیاء التراث
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم	امام مسلم قشیری	قدیمی کتب خانہ کراچی
جامع ترمذی	محمد بن یحییٰ ترمذی	فاروقیہ کتب خانہ ملتان
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اصفہ بختانی	قدیمی کتب خانہ کراچی
سنن نسائی	احمد بن شعیب نسائی	ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی
سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
بیہقی (شعب الایمان)	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	دار الکتب العلمیہ بیروت
شرح السنہ	امام محمد بن السنہ	قومی پریس لکھنؤ
نودی شرح مسلم	یحییٰ بن شرف نودی	قدیمی کتب خانہ کراچی
معجم طبرانی	ابو قاسم سلیمان بن احمد طبرانی	مکتبہ توحید الاسلام بیروت
فیوض الہاری	سید محمود احمد رضوی	مکتبہ رضوان لاہور
عون المعبود شرح ابوداؤد	ابوطیب شمس الحق	نشر السنہ ملتان
موطا امام مالک	امام مالک بن انس	میر محمد کتب خانہ کراچی
لمعات علی مشکوٰۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی
مرقاۃ المفاتیح	علامہ علی قاری	مکتبہ امدادیہ ملتان
مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خلیفہ حمیری	ایچ۔ ایم سعید کراچی
فتوحات مکیہ	شیخ محمد بن ابی بن عربی	بیروت
مدارج النبوت	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی
مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی بن یعلیٰ	دار المامون التراث
مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	عالم الکتب بیروت
نزهۃ القاری	شریف الحق امجدی	فرید بک شال لاہور
حاشیہ الجمل	سلیمان بن عمر جمیلی جمل	مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

نام کتاب	مصنف	مطبع
مواہب لدنیہ	احمد بن محمد قسطلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
تیسیم الرياض	احمد بن شعیب خفاجی	دارالکتب العلمیہ بیروت
طبقات الکبریٰ	محمد بن سعد	عبدالنواب اکیڈمی ملتان
تاریخ ابن ہشام	عبدالملک بن ہشام	دارالکتب العلمیہ بیروت
الحادی للفتاویٰ	امام جلال الدین سیوطی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
فتاویٰ مہریہ	بہر علی شاہ	مکتبہ خوشیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامی	داراحیاء التراث
نور الانوار	احمد ملا جیون	قاسمیہ لاہوری ڈھاکہ بنگلہ دیش
ہدایہ	برہان الدین علی بن ابی بکر	مکتبہ شرکت علیہ ملتان
جواہر السنایہ حاشیہ علی الہدایہ	علامہ عبدالرزاق محض الوی	مکتبہ امام احمد رضا راولپنڈی
مفردات راغب	امام راغب اصفہانی	مکتبہ المیمیہ مصر
شمس الہدایت	بہر علی شاہ	مکتبہ خوشیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
شرح زرقاتی علی المواہب	عمر بن عبدالکافی زرقاتی	مکتبہ الازہریہ مصر
ملفوظات مہریہ	بہر علی شاہ	مکتبہ خوشیہ گولڑہ شریف اسلام آباد
الصافی فی اصول الکافی	ملا خلیل	مکتبہ نوکلور لکھنؤ
الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ	قاسم میاض مالکی	دارالکتب العلمیہ بیروت
معجم البلدان	شہاب الدین یاقوتی حموی	داراحیات التراث
البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیر	دارالحدیث قاہرہ
خلاصۃ التفاسیر	فتح محمد تائب	قومی پریس لکھنؤ
سعیہ شرح دقایہ	عبدالحی لکھنوی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تنویر الابصار	علامہ محمد اشرف سیالوی	اہل السنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم
کفایہ مع فتح القدیر	محمد بن عبدالواحد جلال الدین خوارزمی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
شرح مسلم	علامہ غلام رسول سعیدی	فرید بک شال
ضیاء النبی	محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
بیان القرآن	محمد علی لاہوری	مکتبہ کرمی لاہور

شیخ الحدیث علامہ قاضی عبدالرزاق بہتر الوی حطاروی مدظلہ العالی کی لرا نقدر تصانیف

1	تفسیر نجوم الفرقان ج اول	26	عقیدہ حاضر و ناظر
2	تفسیر نجوم الفرقان ج دوم	27	فضائل رمضان
3	تفسیر نجوم الفرقان ج سوم	28	شب برأت سے روکنے کی ناپاک جسارت
4	تفسیر نجوم الفرقان ج چہارم	29	تحفہ حفاظ
5	تفسیر نجوم الفرقان ج پنجم	30	شمائل ترمذی
6	تفسیر نجوم الفرقان ج ششم	31	نجوم التحقیق
7	تفسیر نجوم الفرقان ج ہفتم	32	جواہر التحقیق (افہلیت صدیق اکبر علیہ السلام) (زیر طبع)
8	تفسیر نجوم الفرقان ج ہشتم	33	الوار التحقیق (فضائل صحابہ و اہل بیت علیہم السلام) (زیر طبع)
9	تفسیر نجوم الفرقان ج نہم	34	میزان الصرف (اردو حاشیہ)
10	تفسیر نجوم الفرقان ج دہم (زیر طبع)	35	مراح الارواح (اردو حاشیہ)
11	تفسیر نجوم الفرقان ج یازدہم (زیر طبع)	36	نور الایضاح (عربی حاشیہ)
12	تذکرۃ الانبیاء	37	مختصر القدوری (عربی حاشیہ)
13	موت کا منظر مع احوال حشر و نشر	38	کنز الدقائق (عربی حاشیہ)
14	شیعہ ہدایت	39	ہدایہ مع جواہر السانیہ ج اول (عربی حاشیہ)
15	تسکین البہتان فی محاسن کنز الایمان	40	ہدایہ مع جواہر السانیہ ج دوم (عربی حاشیہ)
16	اسلام میں عورت کا مقام	41	ہدایہ مع جواہر السانیہ ج سوم (زیر طبع)
17	نماز حبیب کبیرا	42	ہدایہ مع جواہر السانیہ ج چہارم (زیر طبع)
18	میلاد مصطفیٰ ﷺ	43	تلخیص المفتاح (عربی حاشیہ)
19	اقامت بیٹہ کرنا مستحب ہے	44	سراجی فی المیراث (اردو حاشیہ)
20	نماز کے بعد ذکر و دعاء مستحب ہے	45	خلاصہ توضیح و مکتوب (اردو)
21	مکریم والدین مصطفیٰ ﷺ	46	خلاصہ حسامی (اردو)
22	احکام مسجد	47	خلاصہ شرح نخبہ الفکر (اردو)
23	اذان کے ساتھ دودھ شریف مستحب ہے	48	خلاصہ مناظرہ رشیدیہ (اردو)
24	ہیز عمامہ کی برکتوں سے کذاب جل اٹھے	49	خلاصہ سراجی (اردو)
25	اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب ہے	50	خلاصہ شرح عقائد (اردو)

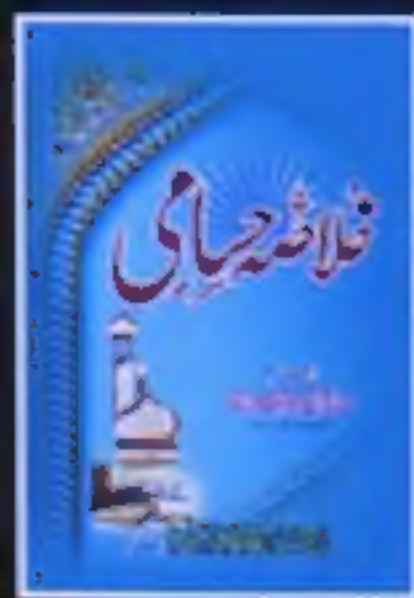
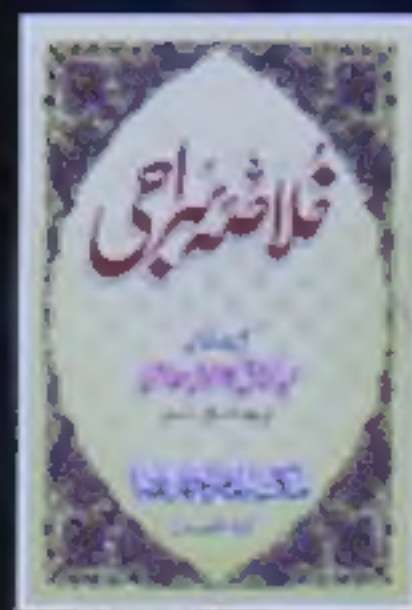
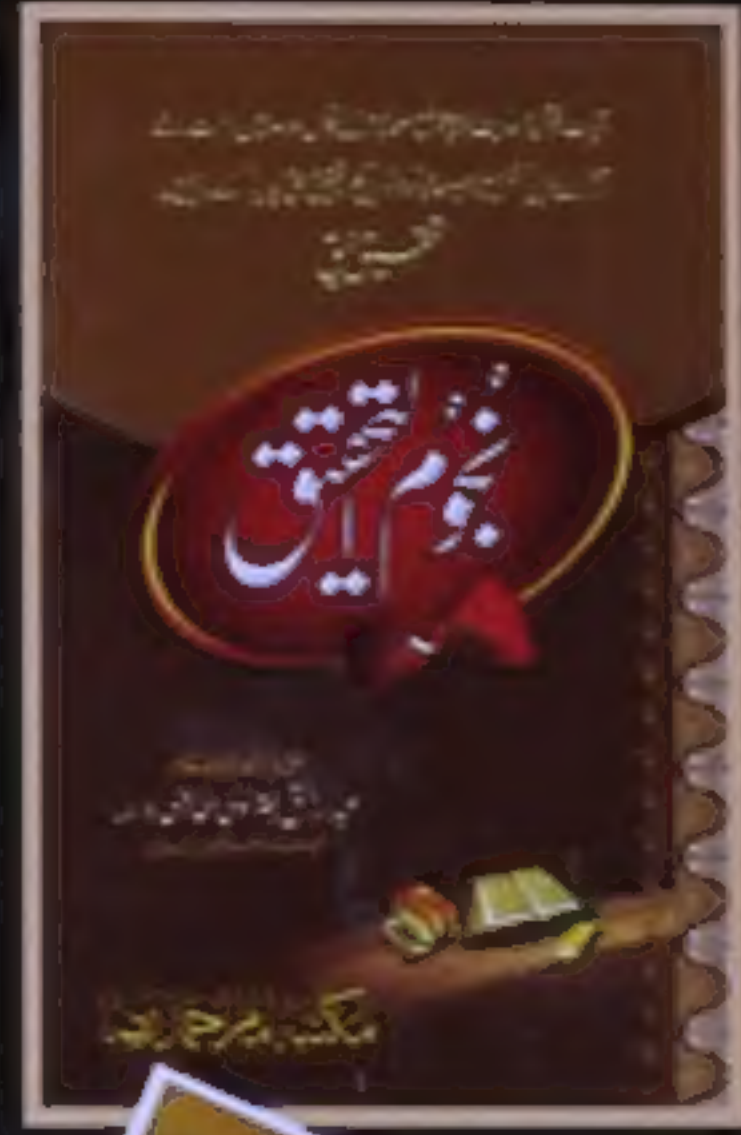
آیات قرآنیہ و احادیث شریفہ و کلام مجاہدین کے لفظی و معنی پر مبنی
 آڈیو ترمیم شدہ و ترمیم شدہ و ترمیم شدہ و ترمیم شدہ
 تحفہ سیرت

مجمع البحرین

مجموعہ مکتبہ
 جامعہ اسلامیہ
 جامعہ اسلامیہ

مکتبہ امیر احمد رضا
 راولپنڈی

قابل مطالعہ کتابیں



مکتبہ اہل بیت رضی اللہ عنہم
کے ذریعہ پیش کی جاتی ہیں
CELL: 0321-5098812